کلیاتِ پریم چند

19



مُرتبہ
مدن گوپال

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی





کلیاتِ پریم چند

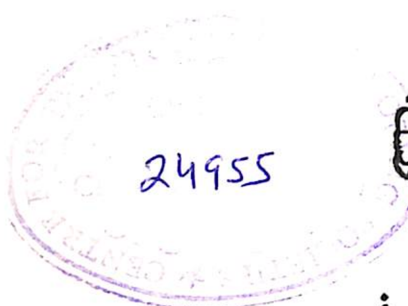
19



بہارِ طفلی

مرتبہ

مدن گوپال





قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)
ویسٹ بلاک 1، آر. کے. پورم، نئی دہلی 066 110

Kulliyat-e-Premchand-19

Edited by : Madan Gopal

Project Assistant : Dr. Raheel Siddiqui

سنہ اشاعت : اپریل، جون 2004 شک 1926

پہلا اڈیشن : 1100

قیمت : -/188

سلسلہ مطبوعات : 1148

ISBN. 81-7587-051-6

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر.کے. پورم، نئی دہلی 110066

طابع : لاہوتی پرنٹ ایڈس، جامع مسجد، دہلی-110006

پیش لفظ

ایک عرصے سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ پریم چند کی تمام تصانیف کے مستند اڈیشن منظرِ عام پر آئیں۔ قومی اردو کونسل پریم چند کی تمام تحریروں کو ''کلیاتِ پریم چند'' کے عنوان سے 22 جلدوں میں ایک مکمل سیٹ کی صورت میں شائع کررہی ہے۔ ان میں ان کے ناول، افسانے، ڈرامے، خطوط، تراجم، مضامین اور اداریے بہ اعتبار اصناف یکجا کیے جارہے ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

ناول : جلد 1 سے جلد 8 تک، افسانے : جلد 9 سے جلد 14 تک،

ڈرامے : جلد 15 و جلد 16، خطوط : جلد 17،

تراجم : جلد 18 و جلد 19، متفرقات (مضامین اور اداریے) : جلد 20 سے جلد 24 تک

''کلیاتِ پریم چند'' میں متون کے استناد کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ مواد کی فراہمی کے لیے اہم کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ حسبِ ضرورت پریم چند کے ماہرین سے بھی ملاقات کرکے مدد لی گئی ہے۔

کلیات کو زمانی اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ سن اشاعت اور اشاعتی ادارے کا نام شائع کرنے کا التزام بھی رکھا گیا ہے۔

''کلیاتِ پریم چند'' کی یہ جلدیں قومی اردو کونسل کے ایک بڑے منصوبے کا نقش اوّل ہیں۔ اس پروجیکٹ کے تحت اردو ادب کے ان ادبا و شعرا کی کلیات شائع کی جائیں گی جو کلاسیکی حیثیت اختیار کرچکی ہیں۔ پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے کی اس پہلی کاوش میں کچھ خامیاں اور کوتاہیاں ضرور راہ پاگئی ہوں گی۔ اس سلسلے میں

قارئین کے مفید مشوروں کا خیر مقدم ہے۔

آئندہ اگر پریم چند کی کوئی تحریر/ تحریریں دریافت ہوتی ہیں، آئندہ ایڈیشنوں میں ان کو شامل کیا جائے گا۔

اردو کے اہم کلاسیکی ادبی سرمایے کو شائع کرنے کا منصوبہ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ ان ادبی متون کے انتخاب اور ان کی اشاعت کا فیصلہ قومی اردو کونسل کے ادبی پینل نے پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کی سربراہی میں کیا۔ ادبی پینل نے اس پروجیکٹ سے متعلق تمام بنیادی امور پر غور کرکے منصوبے کو تکمیل تک پہنچانے میں ہماری رہنمائی کی۔ قومی اردو کونسل ادبی پینل کے تمام ارکان کی شکرگزار ہے۔ ''کلیاتِ پریم چند'' کے مرتب مدن گوپال اور پروجیکٹ اسسٹنٹ ڈاکٹر رحیل صدیقی بھی شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پریم چند کی تحریروں کو یکجا کرنے اور انھیں ترتیب دینے میں بنیادی رول ادا کیا۔

امید ہے کہ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کی دیگر مطبوعات کی طرح ''کلیاتِ پریم چند'' کی بھی پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ بھٹ
ڈائرکٹر
قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومتِ ہند،
نئی دہلی

فہرست

دیباچہ

پریم چند نے اپنی ادبی زندگی کے ابتدائی دور میں ٹالسٹائے کے کچھ افسانوں کے تراجم کیے تھے۔ یہ کہاں شائع ہوئے اس کی جانکاری نہیں ملتی۔ ہوسکتا ہے یہ کتابی صورت میں ہی شائع ہوئے ہوں۔ ٹالسٹائے کی کچھ کہانیوں کا ترجمہ ہندی پستک ایجنسی کلکتہ سے 1933 میں شائع ہوا۔اس کے علاوہ ہندی داں طبقے کے لیے سعدی کی زندگی اور خدمات پر '' مہاتما شیخ سعدی'' کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی۔ مذکورہ بالا تصانیف میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ان کتابوں سے بچے اور طالب علم لطف اندوز ہوں اور انھیں تعلیم سے دلچسپی پیدا ہو۔'' پتا کے پتر پتری کے نام'' جس میں جواہر لال نہرو نے اپنی بیٹی اندرا گاندھی کے نام کچھ خطوط لکھے تھے، یکجا کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر کچھ ناولوں کے ترجمے بھی کیے تھے۔'' سکھ داس'' 9120 میں شائع ہوا۔

پریم چند ایک زمانہ تک مختلف اسکولوں میں معلم کی حیثیت سے رہے۔ اس لیے بچوں کے لیے لکھنا انھوں نے ضروری سمجھا۔ جس میں رامائن کی تلخیص '' رام چرچا'' کے

عنوان سے ''لاجپت رائے اینڈ سنس لاہور'' سے شائع کرایا۔ بچوں ہی کے لیے جنگل کی کہانیاں، کتے کی کہانی (1936)، درگاداس (1936) کے بعد دیگرے سرسوتی پریس سے شائع ہوئیں۔ ۔ پریم چند تقریباً بیس سال مختلف اسکولوں میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ بچوں کی نفسیات اور بچوں کے لیے کتابوں کی فراہمی نیز دلچسپی کو سامنے رکھ کر انھوں نے مضامین لکھے۔اس طرح سے اس جلد میں بچوں کے لیے لکھے ہوئے مضامین اور ترجمے کو شامل کیا گیا ہے۔ چونکہ اس میں زیادہ تحریریں ہندی میں تھیں اس لیے ان کا ترجمہ نہ کرکے صرف اردو رسم الخط میں پیش کیا گیا ہے تاکہ پریم چند کا بنیادی متن برقرار رہے۔ امید ہے کہ قارئین کو یہ جلد پسند آئے گی۔

مدن گوپال

ٹالسٹائے کی کہانیاں

فہرست

چھما دان

دلی نگر میں بھاگی رتھ نام کا ایک سوداگر رہتا تھا۔ وہاں اس کی اپنی دو دکانیں اور ایک رہنے کا مکان تھا۔ وہ سندر تھا۔ اس کے بال کومل، چمکیلے اور گھنگھرالے تھے۔ وہ ہنسوڑ اور گانے کا بڑا پریمی تھا۔ یووا اوستھا میں اسے مدھ پینے کی بان پڑ گئی تھی۔ ادھک پی جانے پر کبھی کبھی ہلاّ بھی مچایا کرتا تھا، پرنتو ویواہ کرلینے پر مدھ پینا چھوڑ دیا تھا۔

گرمی میں ایک سمے وہ کمبھ پر گنگا جانے کو تیار ہو، اپنے بچوں اور استری سے بداع مانگنے آیا۔

استر۔ پران ناتھ، آج نہ جائیں، میں نے برا سپنا دیکھا ہے۔

بھاگی رتھ۔ پریہ، تمھیں بھے ہے کہ میں میلے میں جاکر تمھیں بھول جاؤں گا؟

استری۔ یہ تو میں نہیں جانتی کہ میں کیوں ڈرتی ہوں، کیول اتنا جانتی ہوں کہ میں نے برا سُوپن دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب تم گھر لوٹے ہو تو تمھارے بال شُویت ہوگئے ہیں۔

بھاگی رتھ۔ یہ تو سگُن ہے۔ دیکھ لینا میں سارا مال بیچ میلے سے تمھارے لیے اچھی اچھی چیزیں لاؤں گا۔

یہ کہہ کر گاڑی پر بیٹھ، وہ چل دیا۔ آدھی دور جاکر اسے ایک سوداگر ملا، جس سے اس کی جان پہچان تھی۔ وہ دونوں رات کو ایک ہی سرائے میں ٹھہرے۔ سندھیا سمے بھوجن کر پاس کی کوٹھریوں میں سو گئے۔

بھاگی رتھ کو سویرے جاگ اٹھنے کا ابھیاس تھا۔ اس نے یہ وچار کرکے کہ ٹھنڈے ٹھنڈے راہ چلنا سگم ہوگا، منھ اندھیرے اٹھ، گاڑی تیار کرائی اور بھٹیارے کے دام چکا کر چلتا بنا۔ پچیس کوس جانے پر گھوڑوں کو آرام دینے کے لیے ایک سرائے میں ٹھہرا اور آنگن میں بیٹھ کر ستار بجانے لگا۔

اچانک ایک گاڑی آئی۔ پولیس کا ایک کرمچاری اور دو سپاہی اترے۔

کرمچاری اس کے سمیپ آکر پوچھنے لگا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ وہ

سب کچھ بتلا کر بولا آیئے، بھوجن کیجیے۔ پرنتو کرمچاری بار بار یہی پوچھتا تھا کہ تم رات کو کہاں ٹھہرے تھے؟ اکیلے تھے یا کوئی ساتھ تھا؟ تم نے ساتھی کو آج صبح دیکھا یا نہیں۔ تم منہ اندھیرے کیوں چلے آئے؟

بھاگی رتھ کو اچنبھا ہوا کہ بات کیا ہے؟ یہ پرشن کیوں پوچھے جا رہے ہیں؟ آپ تو مجھ سے اس بھانتی پوچھتے ہیں، جیسے کوئی چور یا ڈاکو ہوں۔ میں تو گنگا اسنان کرنے جا رہا ہوں۔ آپ کو مجھ سے کیا مطلب ہے؟

کرمچاری۔ میں اس پرانت کا پولیس افسر ہوں، اور یہ پرشن اس لیے کرتا ہوں کہ جس سوداگر کے ساتھ کل رات تم سرائے میں سوئے تھے، وہ مار ڈالا گیا ہے۔ ہم تمھاری تلاشی لینے آئے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ اس کے اسباب کی تلاشی لینے لگا، ایکا ایک تھیلے میں سے ایک چھرا نکلا، وہ خون سے بھرا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر بھاگی رتھ ڈر گیا۔

کرمچاری۔ یہ چھرا کس کا ہے؟ اس پر خون کہاں سے لگا ہے؟

بھاگی رتھ چپ رہ گیا، اس کا کنٹھ رک گیا، ہچکتا ہوا کہنے لگا۔ میرا نہیں، میں نہیں جانتا۔

کرمچاری۔ آج سویرے ہم نے دیکھا ہے کہ وہ سوداگر گلا کٹے چارپائی پر پڑا ہے۔ کوٹھری اندر سے بند تھی، سوائے تمھارے بھیتر کوئی نہ تھا۔ اب یہ خون سے بھرا ہوا چھرا اس تھیلے میں سے نکلا ہے۔ تمھارا مکھ ہی گواہی دے رہا ہے۔ بس تم نے ہی اسے مارا ہے۔ بتاؤ کس طرح مارا اور کتنے روپے چرائے؟

بھاگی رتھ نے سوگندھ کھا کر کہا۔ میں نے سوداگر کو نہیں مارا۔ بھوجن کرنے کے پیچھے پھر میں نے اسے نہیں دیکھا۔ میرے پاس اپنے آٹھ ہزار روپے ہیں۔ یہ چھرا میرا نہیں۔

پرنتو اس کی باتیں اکھڑی ہوئی تھیں، مکھ پیلا پڑ گیا تھا اور وہ پاپی کی بھانتی بھے سے کانپ رہا تھا۔ پولیس افسر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کی مشکیں کس کر گاڑی میں ڈال دو۔ جب سپاہیوں نے اس کی مشکیں کسیں، تو وہ رونے لگا۔ افسر نے پاس کے تھانے پر لے جا کر اس کا روپیہ پیسہ چھین اسے حوالات میں دے دیا۔

اس کے بعد دلی میں اس کے چال چلن کی جانچ کی گئی۔ سب لوگوں نے یہی کہا کہ وہ پہلے مدھ پی کر بک جھک کیا کرتا تھا، پر اب اس کا آچار بہت اچھا ہے۔ عدالت میں

تحقیقات ہونے پر اسے رام پور نواسی سوداگر کا وَدھ کرنے اور بیس ہزار روپے چرالینے کا اپرادھی ٹھہرایا گیا۔

بھاگی رتھ کی استری کو اس بات پر وشواس نہ ہوتا تھا۔ اس کے بالک چھوٹے چھوٹے تھے۔ ایک ابھی دودھ پیتا تھا۔ وہ سب کو ساتھ لے کر پتی کے پاس پہنچی۔ پہلے تو کرمچاریوں نے اسے اس سے ملنے کی آگیا نہ دی، پرنتو بہت ونے کرنے پر آگیا مل گئی اور پہرے والے اسے قید گھر میں لے گئے۔ جیوں ہی اس نے اپنے پتی کو بیڑی پہنے ہوئے چوروں اور ڈاکوؤں کے بیچ بیٹھا ہوا دیکھا، وہ بے سدھ ہوکر دھرتی پر گر پڑی۔ بہت دیر میں سدھ آئی۔ وہ بچوں سہت پتی کے نکٹ بیٹھ گئی اور گھر کا حال کہہ کر پوچھنے لگی کہ یہ کیا بات ہے؟ بھاگی رتھ نے سارا ورتانت کہہ سنایا۔

استری۔ تو اب کیا ہوسکتا ہے؟

بھاگی رتھ۔ ہمیں مہاراج سے ونے کرنی چاہیے کہ وہ نرپرادھی کو جان سے نہ ماریں۔

استری۔ میں نے مہاراج سے ونے کی تھی، پرنتو وہ سویکار نہیں ہوئی۔

بھاگی رتھ نے نراش ہوکر سر جھکا لیا۔

استری۔ دیکھا میرا سپنا کیسا سچ نکلا! تمھیں یاد ہے نہ، میں نے تم کو اس دن کہیں جانے سے روکا تھا۔ تمھیں اس دن نہ چلنا چاہیے تھا۔ لیکن میری بات نہ مانی۔ سچ سچ بتاؤ، تم نے اس سوداگر کو نہیں مارا نہ؟

بھاگی رتھ۔ کیا تمھیں بھی میرے اوپر سندیہہ ہے؟

یہ کہہ کر وہ منھ ڈھانپ کر رونے لگا۔ اتنے میں سپاہی نے آکر استری کو وہاں سے ہٹادیا اور بھاگی رتھ سدیو کے لیے اپنے پریوار سے بداع ہوگیا۔

گھر والوں کے چلے جانے پر جب بھاگی رتھ نے یہ وچارا کہ میری استری بھی مجھے اپرادھی سمجھتی ہے تو من میں کہا، بس، معلوم ہوگیا، پرماتما کے بنا اور کوئی نہیں جان سکتا کہ میں پاپی ہوں یا نہیں۔ اسی سے دیا کی آشا رکھنی چاہیے۔ پھر اس نے چھوٹنے کا کوئی یتن نہیں کیا۔ چاروں اور سے نراش ہوکر ایشور کے ہی بھروسے رہا۔

بھاگی رتھ کو پہلے تو کوڑے مارے گئے۔ جب گھ بھر گئے تو اسے لوہ گڑھ کے بندی خانے بھیج دیا گیا۔

وہ چھبیس ورش بندی خانے میں پڑا رہا۔ اس کے بال پک کر سن کے سے ہوگئے، کمر ٹیڑھی ہوگئی، دیہہ گھل گئی، سدیو اداس رہتا۔ نہ کبھی ہنستا، نہ بولتا، پرنتو بھگوان کا بھجن نتیہ کیا کرتا تھا۔

وہاں اس نے دری بننے کا کام سیکھ کر کچھ روپیہ جمع کیا اور بھکت مال مول لے لی۔ دن بھر کام کرنے کے بعد سانجھ کو جب تک سورج کا پرکاش رہتا، وہ پستک کو پڑھا کرتا اور اتوار کے دن بندی خانے کے نکٹ والے مندر میں جاکر پوجا پاٹھ بھی کر لیتا تھا۔ جیل کے کرمچاری اسے سوشیل جان کر اس کا مان کرتے تھے۔ قیدی لوگ اسے بوڑھا بابا اتھوا مہاتما کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ قیدیوں کو جب بھی کبھی کوئی عرضی بھیجنی ہوتی، تو وہ اسے اپنا مکھیا بناتے اور جھگڑے اسی سے چکایا کرتے۔

اسے گھر کا کوئی ساچار نہ ملتا تھا۔ اسے یہ بھی نہ معلوم تھا کہ استری، بالک جیتے ہیں یا مر گئے۔

ایک دن کچھ نئے قیدی آئے، سندھیا سمے پرانے قیدی ان کے پاس آکر پوچھنے لگے کہ بھائی، تم کہاں سے آئے ہو اور تم نے کیا کیا اپرادھ کیے ہیں؟ بھاگی رتھ اداس بیٹھا سنتا رہا۔ نئے قیدیوں میں ایک ساٹھ ورش کا ہٹا کٹا آدمی، جس کے داڑھی بال خوب چھٹے ہوئے تھے، اپنی رام کہانی یوں سنا رہا تھا! بھائیوں، میرے متر کا گھوڑا ایک پیڑ سے بندھا ہوا تھا۔ مجھے گھر جانے کی جلدی پڑی ہوئی تھی۔ میں اس گھوڑے پر سوار ہوکر چلا گیا۔ وہاں جاکر میں نے گھوڑا چھوڑ دیا۔ متر کہیں چلا گیا تھا۔ پولیس والوں نے چور ٹھہرا کر مجھے پکڑ لیا یدھپی کوئی یہ نہیں بتلا سکا کہ میں نے کس کا گھوڑا چرایا اور کہاں سے، پھر بھی چوری کے اپرادھ میں مجھے یہاں بھیج دیا ہے۔ اس سے پہلے ایک بار میں نے ایسا اپرادھ کیا تھا کہ میں لوہ گڑھ میں بھیجے جانے لائق تھا، پرنتو مجھے اس سمے کوئی نہیں پکڑ سکا۔ اب بنا اپرادھ ہی یہاں بھیج دیا گیا ہوں۔

ایک قیدی۔ تم کہاں سے آئے ہو؟

نیا قیدی۔ دلی سے۔ میرا نام بلدیو سنگھ ہے۔

بھاگی رتھ۔ بھلا بلدیو سنگھ تمھیں بھاگی رتھ کے گھر والوں کا کچھ حال معلوم ہے، جیتے ہیں کہ مر گئے؟

بلدیو۔ جاننا کیا؟ میں انھیں بھلی بھانتی جانتا ہوں۔ اچھے مالدار ہیں۔ ہاں ان کا

پتا یہیں قید ہے۔ میرے ہی جیسا اپرادھ ان کا بھی تھا۔ بوڑھے بابا تم یہاں کیسے آئے؟

بھاگی رتھ۔ اپنی وپتّی کتھا نہ کہی، کیول ہائے کہہ کر بولا۔ میں اپنے پاپوں کے کارن چھبیس ورش سے یہاں پڑا سڑ رہا ہوں۔

بلدیو۔ کیا پاپ، میں بھی سنوں؟

بھاگی رتھ۔ بھائی جانے دو، پاپوں کا پھل اوشیہ بھوگنا پڑتا ہے۔

وہ اور کچھ نہ کہنا چاہتا تھا، پرنتو دوسرے قیدیوں نے بلدیوں کو سارا حال کہہ سنایا کہ وہ ایک سوداگر کا وَدھ کرنے کے اپرادھ میں یہاں قید ہے۔ بل دیو نے یہ حال سنا تو بھاگی رتھ کو دھیان سے دیکھنے لگا۔ گھٹنے پر ہاتھ مار کر بولا۔ واہ واہ بڑا اچرج ہے! لیکن دادا تم تو بالکل بوڑھے ہوگئے۔ دوسرے قیدی بلدیو سے پوچھنے لگے کہ تم بھاگی رتھ کو دیکھ کر چکت کیوں ہوئے۔ تم نے کیا پہلے اسے کہیں دیکھا ہے؟ پرنتو بلدیو نے اُتر نہیں دیا۔

بھاگی رتھ کے چت میں یہ سنشے اُتپن ہوا کہ شاید بلدیو رام پوری سوداگر کے اصلی مارنے والے کو جانتا ہے۔ بولا۔ بلدیو سنگھ کیا تم نے یہ بات سنی ہے اور مجھے بھی پہلے کہیں دیکھا ہے۔

بلدیو۔ وہ باتیں تو سارے سنسار میں پھیل رہی ہیں۔ میں کس طرح نہ سنتا، بہت دن بیت گئے، مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔

بھاگی رتھ۔ تمھیں معلوم ہے کہ اس سوداگر کو کس نے مارا تھا؟

بلدیو۔ (ہنس کر) جس کے تھیلے میں چھرا نکلا، وہی اس کا مارنے والا۔ یدی کسی نے تھیلے میں چھرا چھپا بھی دیا ہو، تو جب تک کوئی پکڑا نہ جائے، اسے چور کون کہہ سکتا ہے؟ تھیلا تمھارے سرہانے دھرا تھا۔ یدی کوئی دوسرا پاس آکر چھرا تھیلے میں چھپاتا تو تم اوشیہ جاگ اٹھے۔

یہ باتیں سن کر بھاگی رتھ کو نشچے ہوگیا کہ سوداگر کو اسی نے مارا ہے۔ وہ اٹھ کر وہاں سے چل دیا، پر ساری رات جاگتا رہا۔ دکھ سے اس کا چت ویاکل ہورہا تھا۔ اسے انیک پرکار کی باتیں یاد آنے لگیں۔ پہلے استری کی اس سمے کی صورت دکھائی دی جب وہ اسے میلے جانے کو منع کررہی تھی۔ سامنے ایسا جان پڑا کہ وہ کھڑی ہے۔ اس کی بولی اور ہنسی تک سنائی دی۔ پھر بالک دکھائی پڑے، پھر یوواوستھا کی یاد آئی، کتنا پرسّن چت تھا، کیسا آنند سے دوار پر بیٹھا ستار بجایا کرتا تھا۔ پھر وہ سرائے دکھائی دی، جہاں وہ پکڑا گیا تھا۔ تب وہ جگہ سامنے آئی، جہاں اس پر کوڑے لگے تھے۔ پھر بیڑی اور بندی خانہ، پھر بڑھاپا اور چھبیس

ورش کا دکھ۔ یہ سب باتیں اس کی آنکھوں میں پھرنے لگیں۔ وہ اتنا دکھی ہوا کہ جی میں آیا کہ ابھی پران دے دوں۔

ہائے۔ اس بلدیو چنڈال نے یہ کیا کیا! میں تو اپنا سروناش کر کے بھی اس سے بدلہ اوشیہ لوں گا۔

ساری رات بھجن کرنے پر بھی اسے شانتی نہیں ہوئی۔ دن میں اس نے بلدیو کو دیکھا تک نہیں۔ پندرہ دن بیت گئے، بھاگی رتھ کی یہ دشا تھی کہ نہ رات کو نیند، نہ دن کو چین۔ کرودھ اگنی میں جل رہا تھا۔

ایک رات وہ جیل خانے میں ٹہل رہا تھا کہ اس نے قیدیوں کے سونے کے چبوترے کے نیچے سے مٹی گرتے دیکھی۔ وہ وہیں ٹھہر گیا کہ دیکھوں مٹی کہاں سے آرہی ہے۔ سہسا بلدیو چبوترے کے نیچے سے نکل آیا اور بھے سے کانپنے لگا۔ بھاگی رتھ آنکھیں موند کر آگے جانا چاہتا تھا کہ بل دیو نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔ دیکھو میں نے جوتوں میں مٹی بھر کے باہر پھینک کر یہ سرنگ لگائی ہے، چپ رہنا۔ میں تم کو یہاں سے بھگا دیتا ہوں۔یدی شور کرو گے تو جیل کے افسر مجھے جان سے مار ڈالیں، پرنتو یاد رکھو کہ تمھیں مار کر مروں گا، یوں نہیں مرتا۔

بھاگی رتھ اپنے شترو کر دیکھ کر کرودھ سے کانپ اٹھا اور ہاتھ چھڑا کر بولا۔ مجھے بھاگنے کی اچھا نہیں، اور مجھے مارے تو تمھیں چھبیس ورش ہو چکے ہیں۔ رہی یہ حال پرکٹ کرنے کی بات، جیسی پرماتما کی آگیا ہوگی، ویسا ہوگا۔

اگلے دن جب قیدی باہر کام کرنے گئے تو پہرے داروں نے سرنگ کی مٹی باہر پڑی ہوئی دیکھ لی۔کھوج لگانے پر سرنگ کا پتہ چل گیا۔ حاکم سب قیدیوں سے پوچھنے لگے۔کسی نے نہ بتلایا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یدی بتلا دیا تو بلدیو مارا جائے گا۔ افسر بھاگی رتھ کو ستیہ وادی جانتے تھے، اس سے پوچھنے لگے۔ بوڑھے بابا تم سچے آدمی ہو۔ سچ بتاؤ کہ یہ سرنگ کس نے لگائی ہے؟

بلدیو پاس ہی ایسے کھڑا تھا جیسے کچھ جانتا ہی نہیں۔ بھاگی رتھ کے ہونٹ اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چپ چاپ وچار کرنے لگا کہ جس نے میرا سارا جیون ناش کر دیا، اسے کیوں چھپاؤں؟ دکھ کا بدلا دکھ سے اوشیہ بھوگنا چاہیے، پرنتو بدلا دینے پر پھر وہ بچ نہیں سکتا۔ شاید یہ سب میرا بھرم ماتر ہو۔ سوداگر کو کسی اور نے ہی مارا ہو، یدی اس نے ہی مارا تو اسے مروا دینے سے مجھے کیا لابھ ہوگا؟

افسر۔ بابا، چپ کیوں ہوگئے؟ بتلاتے کیوں نہیں؟

بھاگی رتھ۔ میں کچھ نہیں بتلاسکتا، آپ جو چاہیں سو کریں۔

حاکم نے بار بار پوچھا، پرنتو بھاگی رتھ نے کچھ بھی نہیں بتلایا۔ بات ٹل گئی۔ اسی رات بھاگی رتھ جب اپنی کوٹھری میں لیٹا ہوا تھا، بلدیو چپکے سے بھیتر آکر بیٹھ گیا۔ بھاگی رتھ نے دیکھا اور کہا۔ بلدیو سنگھ اب اور کیا چاہتے ہو؟ یہاں تم کیوں آئے؟

بلدیو چپ رہا۔

بھاگی رتھ۔ تم کیا چاہتے ہو؟ یہاں سے چلے جاؤ، نہیں تو میں پہرے والے کو بلالوں گا۔

بلدیو۔ (پاؤں پر پڑکر)، مجھے چھما کرو، مجھے چھما کرو۔

بھاگی رتھ۔ کیوں؟

بلدیو۔ میں نے ہی اس سوداگر کو مار کر وہ چھرا تمھارے تھیلے میں چھپا دیا تھا۔ میں تمھیں بھی مارنا چاہتا تھا مگر باہر سے آہٹ ہوگئی، میں چھرا تھیلے میں رکھ کر بھاگ نکلا۔

بھاگی رتھ چپ ہوگیا، کچھ نہیں بولا۔

بلدیو۔ بھائی بھاگی رتھ، بھگوان کے واسطے مجھ پر دیا کرو۔ مجھے چھما کرو۔ میں کل اپنا اپرادھ انگیکار کرلوں گا۔ تم چھوٹ کر اپنے گھر چلے جاؤ گے۔

بھاگی رتھ۔ باتیں بنانا سہج ہے۔ چھبیس ورش کے اس دکھ کو دیکھو، اب میں کہاں جاسکتا ہوں، استری مرگئی، لڑکے بھول گئے، اب تو میرا کہیں کوئی ٹھکانا نہیں۔

بلدیو دھرتی سے ماتھا پھوڑ رو رو کر کہنے لگا۔ مجھے کوڑے لگنے پر بھی اتنا کشٹ نہیں ہوا تھا، جو اب تمھیں دیکھ کر ہورہا ہے۔ تم نے دیا کرکے سرنگ کی بات نہیں بتلائی۔ چھما کرو۔ چھما کرو۔ میں اتینت دکھی ہورہا ہوں۔

یہ کہہ کر بلدیو دھاڑ مار کر رونے لگا۔ بھاگی رتھ کے نیتروں سے بھی جل کی دھارا بہہ نکلی۔ بولا۔ پورن پرماتما تم پر دیا کریں، کون جانے کہ میں اچھا ہوں یا تم اچھے ہو۔ میں نے تمھیں چھما کیا۔

اگلے دن بلدیو سنگھ نے سویم کرمچاریوں کے پاس جاکر سارا حال سناکر اپنا اپرادھ مان لیا۔ پرنتو بھاگی رتھ کو چھوڑ دینے کا جب پروانہ آیا، تو اس کا دیہانت ہوچکا تھا۔

راجپوت قیدی

دھرم سنگھ نامی راجپوت راجپوتانہ کی سینا میں ایک افسر تھا۔ ایک دن ماتا کی پتری آئی کہ میں بوڑھی ہوتی جاتی ہوں۔ مرنے سے پہلے ایک بار تمھیں دیکھنے کی ابھلاشا ہے، یہاں آکر مجھے وداع کر آشیرواد لو اور کریا کرم کر کے آنند پوروک نوکری پر لوٹ جانا۔ تمھارے واسطے میں نے ایک کنیا کھوج رکھی ہے۔ وہ بڑی بدھی متی اور دھنوان ہے۔ یدی تمھیں بھائے تو اس سے ویواہ کرکے سکھ پوروک گھر ہی پر رہنا۔

اس نے سوچا ٹھیک ہے، ماتا دنوں دن دربل ہوتی جارہی ہے، سمبھو ہے کہ میں پھر اس کے درشن نہ کرسکوں۔ اس کارن چلنا ہی ٹھیک ہے۔ کنیا یدی سندر ہوئی تو ویواہ کرنے میں کیا ہانی ہے۔ وہ سیناپتی سے چھٹی لے کر ساتھیوں سے وداع ہو، چلنے کو پرستت ہو گیا۔

اس سمے راجپوتوں اور مرہٹوں میں یدھ ہورہا تھا۔ راستے میں سدیو بھے رہتا تھا۔ یدی کوئی راجپوت اپنا قلعہ چھوڑ کر کچھ دور باہر نکل جاتا تھا تو مرہٹے اسے پکڑ کر قید کرلیتے تھے۔ اس کارن یہ پربندھ کیا گیا تھا کہ سپتاہ میں دو بار سپاہیوں کی ایک کمپنی مسافروں کر ایک قلعے سے دوسرے قلعے تک پہنچا آیا کرتی تھی۔

گرمی کی رات تھی۔ دن نکلتے ہی قلعے کے نیچے اسباب کی گاڑیاں لاد کر تیار ہوگئیں۔ سپاہی باہر آگئے اور سب نے سڑک کی راہ لی۔ دھرم سنگھ گھوڑے پر سوار ہو، آگے چل رہا تھا۔ سولہ میل کا سفر تھا، گاڑیاں دھیرے دھیرے چلتی تھیں۔ کبھی سپاہی ٹھہر جاتے تھے، کبھی گاڑی کا پہیا نکل جاتا تو کبھی گھوڑا اڑ جاتا تھا۔

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ راستہ آدھا بھی نہیں کٹا تھا۔ گرم ریت اڑ رہی تھی۔ دھوپ آگ کا کام کر رہی تھی۔ چھایا کہیں نہیں تھی۔ صاف میدان تھا۔ سڑک پر نہ کوئی ورکش نہ جھاڑی۔ دھرم سنگھ آگے تھا اور کبھی کبھی اس کارن ٹھہر جاتا تھا کہ گاڑیاں آکر مل جائیں۔ من

میں وچارنے لگا کہ آگے کیوں نہ چلوں۔ گھوڑا تیز ہے، یدی مراٹھے دھاوا کریں گے تو گھوڑا دوڑا کر نکل جاؤں گا۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ چرن سنگھ بندوق ہاتھ میں لیے اس کے پاس آکر بولا۔ آؤ آگے چلیں۔ اس سمے بڑی گرمی ہے۔ بھوک کے مارے ویاکل ہو رہا ہوں۔ سبھی کپڑے پسینے میں بھیگ رہے ہیں۔ چرن سنگھ بھاری بھرکم آدمی تھا۔ اس کا منھ لال تھا۔

دھرم سنگھ۔ تمھاری بندوق بھری ہوئی ہے؟

چرن سنگھ۔ ہاں، بھری ہوئی ہے۔

دھرم سنگھ۔ اچھا چلو، مگر بچھڑ نہ جانا۔

یہ دونوں چل دیے۔ باتیں کرتے جاتے تھے، پر دھیان دائیں بائیں تھا۔ صاف میدان ہونے کے کارن درشٹی چاروں اور جاسکتی تھی۔ آگے چل کر سڑک دو پہاڑیوں کے بیچ سے ہوکر نکلتی تھی۔

دھرم سنگھ۔ اس پہاڑی پر چڑھ کر چاروں طرف دیکھ لینا اچت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اچانک مراٹھے کہیں سے آکر ہمیں پکڑ لیں۔

چرن سنگھ۔ اجی چلے بھی چلو۔

دھرم سنگھ۔ نہیں، آپ یہاں ٹھہریے۔ میں جاکر دیکھ آتا ہوں۔

دھرم سنگھ نے گھوڑا پہاڑی کی اور پھیر دیا۔ گھوڑا شکاری تھا، اسے پنچھی کی بھانتی لے اڑا۔ وہ ابھی پہاڑی کی چوٹی پر نہیں پہنچا تھا کہ سو قدم آگے تیس مراٹھے دکھائی پڑے۔ دھرم سنگھ لوٹ پڑا، پرنتو مراٹھوں نے اسے دیکھ لیا اور بندوقیں سنبھال کر گھوڑے دوڑا، اس پر لپکے۔ دھرم سنگھ بے تحاشا نیچے اترا اور چرن سنگھ کو پکار کر کہنے لگا۔ بندقیں تیار رکھو اور گھوڑے سے بولا۔ پیارے، اب سمے ہے۔ دیکھنا ٹھوکر نہ کھانا نہیں تو جھگڑا سماپت ہو جائے گا۔ ایک بار بندوق لے لینے دے...... پھر میں کسی کے باندھنے کا نہیں۔ ادھر چرن سنگھ مراٹھوں کو دیکھ گھوڑے کو چابک مار، ایسا بھاگا کہ گردے میں گھوڑے کی پونچھ ہی پونچھ دکھائی دی اور کچھ نہیں۔

درھم سنگھ نے دیکھا کہ بچنے کی کوئی آشا نہیں ہے، خالی تلوار سے کیا بنے گا، وہ قلعے کی اور بھاگ نکلا، پرنتو چھ مراٹھے اس پر ٹوٹ پڑے۔ دھرم سنگھ کا گھوڑا تیز تھا، پر ان کے گھوڑے اس سے بھی تیز تھے۔ تس پر یہ بات ہوئی کہ وہ سامنے سے آرہے تھے۔ دھرم

سنگھ چاہتا تھا کہ گھوڑے کی باگ موڑ کر اسے دوسرے راستے پر ڈال دے۔ پرنتو گھوڑا اتنا تیز جارہا تھا کہ رک نہیں سکا۔ سیدھا مرہٹوں سے جا ٹکرایا۔ سجے گھوڑے پر سوار بندوق اٹھائے لال داڑھی والا ایک مراٹھا دانت نکالتا ہوا اس کی اور لپکا۔ دھرم سنگھ نے کہا میں ان دشٹوں کو بھلی بھانتی جانتا ہوں۔ یدی وہ مجھے جیتا پکڑ لیں گے تو کسی کندرا میں پھینک کر کوڑے مارا کریں گے۔ اس لیے یا تو آگے نکلو، نہیں تو تلوار سے ایک دو کو ڈھیر کردو۔ مرنا اچھا ہے، قید ہونا ٹھیک نہیں۔ دھرم سنگھ اور مراٹھوں میں دس ہاتھ کا ہی انتر رہ گیا تھا کہ پیچھے سے گولی چلی، دھرم سنگھ کا گھوڑا گھائل ہوکر گرا اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی دھرتی پر آ گیا۔

دھرم سنگھ اٹھنا چاہتا تھا کہ دو مراٹھے آکر اس کی مشکیں کسنے لگے۔ دھرم سنگھ نے دھکا دے کر انھیں دور گرایا۔ پرنتو دوسرں نے آکر بندوق کے کندوں سے اسے مارنا شروع کیا اور وہ گھائل ہوکر پرتھوی پر گر پڑا۔ مراٹھوں نے اس کی مشکیں کس لیں، کپڑے پھاڑ دیے، روپیہ پیسہ سب چھین لیا۔ دھرم سنگھ نے دیکھا کہ گھوڑا جہاں گرا تھا، وہیں پڑا ہے۔ ایک مراٹھے نے پاس آکر زین اتارنی چاہی۔ گھوڑے کے سر میں ایک چھید ہوگیا گھا۔ اس میں سے کالا رکت بہہ رہا تھا۔ دو ہاتھ ادھر ادھر کی دھرتی کیچڑ ہوگئی تھی۔ گھوڑا چت پڑا ہوا ہوامیں پیر پٹک رہا تھا۔مراٹھے نے گلے پرتلوار پھینک دی۔گھوڑا مر گیا، اس نے زین اتار لی۔

لال داڑھی والا مراٹھا گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ دوسروں نے دھرم سنگھ کو اس کے پیچھے بٹھا کر اسے اس کی کمر سے باندھ دیا اور جنگل کا راستہ لیا۔

دھرم سنگھ کا برا حال تھا۔ مستک پھٹا تھا۔ لہو بہہ کر آنکھوں پر جم گیا تھا۔ مشکوں کے مارے کندھا پھٹا جاتا تھا۔ وہ ہل نہیں سکتا تھا۔ اس کا سر بار بار مراٹھے کی پیٹھ سے ٹکراتا تھا۔ مراٹھے پہاڑیوں پر اوپر نیچے ہوتے ہوئے ایک ندی پر پہنچے، اسے پار کرکے ایک گھاٹی ملی۔ دھرم سنگھ یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کدھر جارہے ہیں۔ پرنتو اس کے نیتر بند تھے، وہ کچھ نہ دیکھ سکا۔

شام ہونے لگی۔ مراٹھے دوسری ندی پار کرکے ایک پتھریلی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ یہاں دھواں اور کتوں کا بھونکنا سنائی دیا، مانو کوئی بستی ہے۔ تھوڑی دیر چل کر گاؤں آگیا۔ مراٹھوں نے گاؤں چھوڑ دیا۔ دھرم سنگھ کو ایک اور دھرتی پر بٹھا دیا۔ بالک آکر اس پر پتھر پھینکنے لگے۔ پرنتو ایک مراٹھے نے انھیں وہاں سے بھگا دیا۔ لال داڑھی والے ایک سیوک کو

بلایا۔ وہ دبلا پتلا آدمی پھٹا ہوا کرتا پہنے تھا۔ مراٹھے نے اس سے کچھ کہا، وہ جا کر بیڑی اٹھا لایا۔ مراٹھوں نے دھرم سنگھ کی مشکیں کھول کر اس کے پاؤں میں بیڑی ڈال دی اور اسے کوٹھری میں قید کر کے تالا لگا دیا۔

۲

اس رات دھرم سنگھ ذرا بھی نہیں سویا۔ گرمی کی ریتو میں راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ شیگھر پراتہ کال ہوگیا۔ دیوار میں ایک جھروکا تھا۔ اسی سے اندر اجالا جارہا تھا۔ جھروکے کے دوارا دھرم سنگھ نے دیکھا کہ پہاڑ کے نیچے ایک سڑک اتری ہے، دائیں اور ایک مراٹھے کا جھونپڑا ہے۔ اس کے سامنے دو پیڑ ہیں۔ دوار پر ایک کالا کتا بیٹھا ہوا ہے۔ پاس ایک بکری اور اس کے بچے پونچھ ہلاتے پھر رہے ہیں۔ ایک استری چمکیلے رنگ کی ساڑی پہنے پانی کی گاگر سر پر دھرے ہوئے ایک بالک کی انگلی پکڑے جھونپڑے کی اور آرہی ہے۔ وہ اندر گئی کہ لال داڑھی والا مراٹھا ریشمی کپڑے پہنے، چاندی کے مٹھے کی تلوار لٹکائے ہوئے باہر کی اور آیا اور سیوک سے کچھ بات کر کے چل دیا۔ پھر دو بالک گھوڑے کو پانی پلاکر لوٹتے ہوئے دکھائی پڑے۔ اتنے میں کچھ بالک کوٹھری کے نکٹ آکر جھروکے میں ٹہنیاں ڈالنے لگے۔ پیاس کے مارے دھرم سنگھ کا کنٹھ سوکھا جاتا تھا۔ اس نے انھیں پکارا، پرنتو وہ بھاگ گئے۔

اتنے میں کسی نے کوٹھری کا تالا کھولا۔ لال داڑھی والا مراٹھا بھیتر آیا۔ اس کے ساتھ ایک ناٹا پرش تھا۔ اس کا سانولا رنگ، نرمل کالے نیتر، گول کپول، کتری ہوئی مہین داڑھی تھی۔ وہ پرسن مکھ ہنسوڑ تھا۔ یہ پرش لال داڑھی والا مراٹھے سے بہت بڑھیا وستر پہنے ہوئے تھا۔ سنہری گوٹ لگی ہوئی نیلے رنگ کی ریشمی اچکن تھی۔ چاندی کے میان والی تلوار، کلابتو کا جوتا تھا۔ لال داڑھی والا مراٹھا کچھ بڑبڑاتا دھرم سنگھ کو کنکھیوں سے دیکھتا دوار پر کھڑا رہا۔ سانولا پرش آکر دھرم سنگھ کے پاس بیٹھ گیا اور آنکھیں مٹکا کر جلدی جلدی اپنی ماتری بھاشا میں کہنے لگا۔ بڑا اچھا راجپوت ہے۔

دھرم سنگھ نے ایک اکشر بھی نہ سمجھا۔ ہاں پانی مانگا۔ سانولا پرش ہنسا۔ تب دھرم نے ہونٹ اور ہاتھوں کے سنکیت سے جتایا کہ مجھے پیاس لگی ہے۔ سانولے پرش نے پکارا۔ سوشیلا!

ایک چھوٹی سی کنیا دوڑتی ہوئی بھیتر آئی ۔ تیرہ ورش کی اوستھا سانولا رنگ، دبلی پتلی، نیتر کالے اور رسیلے، سندر بدن، نیلی ساڑی، گلے میں سورن ہار پہنے ہوئے۔ سانولے پُروش کی پُتری معلوم پڑتی تھی ۔ پتا کی آگیہ پاکر وہ پانی کا ایک لوٹا لے آئی اور دھرم سنگھ کو بھونچکی ہوکر دیکھنے لگی کہ وہ کوئی ونچر ہے ۔

پھر خالی لوٹا لے کر سوشیلا نے ایسی چھلانگ ماری کہ سانولا پُروش ہنس پڑا ۔ تب پتا کے کہنے سے کچھ روٹی لے آئی ۔ اس کے پیچھے وہ سب باہر چلے گئے اور کوٹھری کا تالا بند کر دیا ۔ کچھ دیر پیچھے ایک سیوک آکر مراٹھی میں کچھ کہنے لگا ۔ دھرم نے سمجھا کہ کہیں چلنے کو کہتا ہے۔ وہ اس کے پیچھے ہولیا ۔ بیڑی کے کارن لنگڑا کر چلتا تھا ۔ باہر آکر دھرم نے دیکھا کہ دس گھروں کا ایک گاؤں ہے ۔ ایک گھر کے سامنے تین لڑکے تین گھوڑے پکڑے ہوئے ہیں ۔ سانولا پُروش باہر آیا اور دھرم کو بھیتر آنے کو کہا ۔ دھرم بھیتر چلا گیا' دیکھا کہ مکان سوچھ ہے، گوبری پھری ہوئی ہے، سامنے کی دیوار کے آگے ایک گدا بچھا ہوا ہے ۔ تکیے لگے ہوئے ہیں ۔ دائیں بائیں دیواروں پر پردے گرے ہوئے ہیں ۔ ان پر چاندی کے کام کی بندوقیں، پستول اور تلواریں لٹکی ہوئی ہیں ۔ گدے پر پانچ مرہٹے بیٹھے ہیں۔ ایک سانولا پُروش اور دوسرا داڑھی والا اور تین اتیتھی۔ سب بھوجن کر رہے ہیں ۔

دھرم سنگھ دھرتی پر بیٹھ گیا ۔ بھوجن سے نشچنت ہوکر ایک مرہٹا بولا ۔ دیکھو راجپوت، تمھیں دیا رام نے پکڑا ہے (سانولے پرُش کی اُور انگلی کرکے) اور سمپت راؤ کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے ،اتیو اب سمپت راؤ تمھارا سوامی ہے ۔

دھرم سنگھ کچھ نہ بولا ۔سمپت راؤ ہنسنے لگا ۔

مرہٹا— وہ یہ کہتا ہوا کہ تم گھر سے روپے منگوا لو، ونڈ دے دینے پر تم کو چھوڑ دیا جائے گا ۔

دھرم سنگھ— کتنے روپے؟

مرہٹا— تین ہزار!

دھرم سنگھ— میں تین ہزار نہیں دے سکتا ۔

مرہٹا— کتنے دے سکتے ہو؟

دھرم سنگھ— پانچ سو ۔

یہ سن کر مرہٹے سٹپٹائے ۔ سمپت راؤ دیا رام سے تکرار کرنے لگا اور اتنی جلدی جلدی بولنے لگا کہ اس کے منہ سے جھاگ نکل آیا ۔ دیا رام نے آنکھیں نیچی کر لیں، تھوڑی دیر میں مرہٹے شانت ہوئے اور پھر مول تول کرنے لگے ۔ ایک مرہٹے نے کہا ۔ پانچ سو روپے سے کام نہیں چل سکتا ۔ دیا رام کو سمپت راؤ کا روپیہ دینا ہے ۔ پانچ سو روپے میں تو سمپت راؤ نے تمھیں مول ہی لیا ہے ۔ تین ہزار سے کم نہیں ہوسکتا ۔ یدی روپیہ نہ منگاؤ گے تو تمھیں کوڑے مارے جائیں گے ۔

دھرم نے سوچا کہ جتنا ڈروگے، یہ دُشٹ اتنا ہی ڈرائے گا ۔ وہ کھڑا ہو کر بولا ۔ اس بھلے مانُس سے کہہ دو کہ یدی مجھے کوڑے کا بھے دکھائے گا تو میں گھر والوں کو کچھ نہیں لکھوں گا ۔ میں تم چنڈالوں سے نہیں ڈرتا ۔

سمپت راؤ — اچھا ایک ہزار منگاؤ ۔

دھرم سنگھ — پانچ سو سے ایک کوڑی زیادہ نہیں ۔ یدی تم مجھے مار ڈالو گے تو اس پانچ سو سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے ۔

یہ سن کر مرہٹے آپس میں صلاح کرنے لگے ۔ اتنے میں ایک سیوک ایک منشیہ کو لیے ہوئے بھیتر آیا ۔ وہ منشیہ موٹا تھا ۔ ننگے پیر، بیڑی پڑی ہوئی ۔ دھرم سنگھ اسے دیکھ کر چکت ہوگیا ۔ وہ پُروش چرن سنگھ تھا۔ سیوک نے چرن سنگھ کو دھرم سنگھ کے پاس بیٹھا دیا ۔ وہ ایک دوسرے سے اپنی بِتھا کرنے لگے ۔ دھرم سنگھ نے اپنا ورتانت کہہ سنایا ۔ چرن سنگھ بولا ۔ میرا گھوڑا اڑ گیا ،بندوق رنجک چاٹ گئی اور سمپت راؤ نے مجھے پکڑ لیا ۔

سمپت راؤ — (پھر) اب تم دونوں ایک ہی سوامی کے وش میں ہو ۔ جو پہلے روپے دے دے گا ۔ وہی چھوڑ دیا جائے گا (دھرم سنگھ کی اُور دیکھ کر) دیکھا ! تم کیسے کرودھی ہو اور تمھارا ساتھی کیسا سوشیل ہے ۔ اس نے پانچ ہزار روپے بھیجنے کو گھر لکھ دیا ہے۔ اس کارن اس کا پالن پوشن بھلی بھانتی کیا جائے گا ۔

دھرم سنگھ — میرا ساتھی جو چاہے سو کرے' وہ دھنوان ہے' اور میں تو پانچ سو روپے سے ادِھک نہیں دے سکتا ۔ چاہے مارو چاہے چھوڑو ۔

مرہٹے چپ ہوگئے ۔ سمپت راؤ جھٹ سے قلمدان اٹھا لایا ۔ کاغذ قلم دوات نکال کر دھرم کی پیٹھ ٹھونک، اسے لکھنے کو کہا۔ وہ پانچ سو روپے لینے پر راضی ہوگیا تھا ۔

دھرم سنگھ — ذرا ٹھہرو ۔ دیکھو، ہمارا پالن پوشن بھلی بھانتی کرنا، ہمیں ایک ساتھ رکھنا، جس سے ہمارا سمے اچھی طرح کٹ جائے ۔ بیڑیاں بھی نکال دو ۔

سمپت راؤ — جیسا چاہو ویسا بھوجن کرو ۔ بیڑیاں نہیں نکال سکتا۔ شاید تم بھاگ جاؤ۔ ہاں، رات کو نکال دیا کروں گا۔

دھرم سنگھ نے پتر لکھ دیا ۔ پرنتو پتہ سب جھوٹ لکھا ' کیونکہ من میں نشچے کر چکا تھا کہ کبھی نہ کبھی بھاگ جاؤں گا ۔

تب مرہٹوں نے دھرم سنگھ اور چرن سنگھ کو ایک ہی کوٹھری میں پہنچا کر ایک لوٹا پانی کچھ باجرے، کی روٹیاں دے کر اوپر سے تالا بند کر دیا ۔

۳

دھرم سنگھ اور چرن سنگھ کو اس پرکار رہتے رہتے ایک مہینہ گزر گیا۔ سمپت راؤ ان کو دیکھ کر سدیو ہنستا رہتا تھا، پر کھانے کو باجرے کی ادھ پکی روٹیوں کے سوا اور کچھ نہ دیتا تھا۔ چرن سنگھ اداس رہتا اور کچھ نہ کرتا ۔ دن بھر کوٹھری میں پڑا سویا رہتا اور دن گنتا رہتا تھا کہ روپیہ کب آئے اور چھوٹ کر اپنے گھر پہنچوں۔ دھرم تو جانتا تھا کہ روپیہ کہاں سے آنا ہے جو کچھ گھر بھیجتا تھا ماتا اسی پر نرواہ کرتی تھی۔ وہ بیچاری پانچ سو روپے کیسے بھیج سکتی ہے۔ ایشور کی دیا ہوگی تو میں بھاگ جاؤں گا۔ وہ گھات میں لگا ہوا تھا۔ کبھی سیٹی بجاتا ہوا گاؤں کا چکر لگاتا، کبھی بیٹھ کر مٹی کے کھلونے اور ٹوکریاں بناتا ۔ وہ ہاتھوں کا چتر تھا ۔

ایک دن اس نے ایک گڑیا بنا کر چھت پر رکھ دی ۔ گاؤں کی استریاں جب پانی بھرنے آئیں تو سوشیلا نے ان کو بلا کر گڑیا دکھائی ۔ وہ سب ہنسنے لگیں۔ دھرم سنگھ نے گڑیا سب کے آگے کر دی ۔ پرنتو کسی نے نہیں لی، وہ اسے باہر رکھ کر کوٹھری میں چلا گیا کہ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ سوشیلا گڑیا اٹھا کر بھاگ گئی ۔

اگلے دن دھرم نے دیکھا کہ سوشیلا دوار پر بیٹھی گڑیا سے کھیل رہی ہے۔ ایک بڑھیا آئی۔ اس نے گڑیا چھین کر توڑ ڈالی ' سوشیلا بھاگ گئی ۔ دھرم سنگھ نے اور گڑیا بنا کر سوشیلا کو دے دی۔ پھل یہ ہوا کہ وہ ایک دن چھوٹا سا لوٹا لائی، بھومی پر رکھا اور دھرم کو دکھا کر بھاگ گئی۔ دھرم نے دیکھا تو اس میں دودھ تھا۔ اب سوشیلا نتیہ اچھے اچھے بھوجن لا کر دھرم کو دینے

لگی۔

ایک دن آندھی آئی۔ ایک گھنٹہ مسلادھار مینہ برسا۔ ندیاں نالے بھر گئے۔ باندھ پر ساتھ فٹ پانی چڑھ آیا۔ جہاں تہاں جھرنے جھرنے لگے، دھار ایسی پربل تھی کہ پتھر لڑھکے جاتے تھے' گاؤں کی گلیوں میں ندیاں بہنے لگیں۔ آندھی تھم جانے پر دھرم سنگھ نے سمپت راؤ سے چاقو مانگ کر ایک پہیا بنا، اس کے دونوں اُور دو گڑیا باندھ کر پہیے کو پانی میں چھوڑ دیا۔ وہ پانی کے بل سے چلنے لگا۔ سارا گاؤں اکٹھا ہوگیا اور گڑیا کو ناچتے دیکھ کر تالیاں بجانے لگا۔ سمپت راؤ کے پاس ایک پرانی بگڑی ہوئی گھڑی پڑی تھی۔ دھرم سنگھ نے اسے ٹھیک کر دیا۔ اس کے پیچھے اور لوگ اپنے گھنٹے' پستول اور گھڑیاں لا لاکر دھرم سے ٹھیک کرانے لگے۔ اس پرکار سمپت راؤ نے پرسن ہو کر دھرم سنگھ کو ایک چمٹی، ایک برمی اور ایک ریتی دے دی۔

ایک دن ایک مرہٹا روگی ہوگیا۔ سب لوگ دھرم سنگھ کے پاس آکر دوا دارو مانگنے لگے۔ دھرم کچھ وید تو تھا ہی نہیں، پر اس نے پانی میں ریتا ملا کر کچھ منتر سا پڑھ کر کہا کہ جاؤ، یہ پانی روگی کو پلا دو، پانی پلانے پر روگی چنگا ہو جائے گا۔ دھرم کا بھاگیہ اچھا تھا کہ اب بہت سے مرہٹے اس کے متر بن گئے۔ ہاں کچھ لوگ اب بھی اس پر سندیہہ کرتے تھے۔

دیا رام دھرم سنگھ سے چڑھتا تھا۔ جب اسے دیکھتا منہ پھیر لیتا۔ پہاڑی کے نیچے ایک اور بوڑھا رہتا تھا۔ مندر میں آنے کے سمے دھرم سنگھ اسے دیکھا کرتا تھا۔ یہ بوڑھا ناٹا تھا۔ داڑھی مونچھ برف کی مانند شویت، منہ لال، اس میں جھریاں پڑی ہوئیں، ناک نوکیلی، نیتر نردئی، دو داڑھوں کے سوائے سب دانت ٹوٹے ہوئے۔ وہیں لکڑی ٹیکتا چاروں اُور بھیڑیے کی طرح جھانکتا ہوا مندر میں جانے کے سمے جب کبھی دھرم سنگھ کو دیکھ پاتا تھا تو جل کر راکھ ہو جاتا اور منہ پھیر لیتا تھا۔

ایک دن دھرم سنگھ بوڑھے کا گھر دیکھنے کے لیے پہاڑی سے نیچے اترا۔ کچھ دور جانے پر ایک باغیچہ ملا۔ چاروں اُور پتھر کی دیوار بنی ہوئی تھی۔ بیچ میں میوے کے ورِکش لگے ہوئے تھے۔ ورکشوں میں ایک جھونپڑا تھا۔ دھرم سنگھ آگے بڑھ کر دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی بیڑی کھڑکی بوڑھا چونکا، کمر سے پستول نکال کر دھرم سنگھ پر گولی چلائی، پر وہ دیوار کی اوٹ میں ہوگیا۔ بوڑھے کو آکر سمپت راؤ سے کہتے سنا کہ دھرم سنگھ بڑا دُشٹ ہے۔ سمپت راؤ نے دھرم کو بلا کر پوچھا — تم بوڑھے کے گھر کیوں گئے تھے؟

دھرم سنگھ بولا — میں نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا ۔میں کیول یہ دیکھنے لگا تھا کہ وہ بوڑھا کہاں رہتا ہے۔ سمپت نے بوڑھے کو شانت کرنے کا بہت پریتن کیا، پر وہ بڑبڑاتا ہی رہا۔ دھرم سنگھ کیول اتنا ہی سمجھ سکا کہ بوڑھا یہ کہہ رہا ہے کہ راجپوتوں کا گاؤں میں رہنا اچھا نہیں ' انھیں مار دینا چاہیے ۔ بوڑھا چل دیا، تو دھرم سنگھ نے سمپت راؤ سے پوچھا کہ بوڑھا کون ہے ؟

سمپت راؤ — یہ بڑا آدمی ہے۔ اس نے بہت راجپوت مارے ہیں۔ پہلے یہ بڑا دھنا ڈھیہ تھا۔ اس کی تین استریاں اور آٹھ پُتر تھے۔ سب ایک ہی گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ ایک دن راجپوتوں نے دھاوا کرکے گاؤں جلا دیا۔ اس کے سات پُتر تو مرگئے۔ آٹھواں قید ہوگیا۔ یہ بوڑھا راجپوتوں کے پاس جاکر اور ان کے سنگ رہ کر اپنے پُتر کی کھوج لگانے لگا۔ انت میں اسے پاکر اپنے ہاتھوں سے اس کا وَدھ کرکے بھاگ آیا۔ پھر وِرَکت ہو کر تیرتھ یاترا کو چلا گیا۔ اب یہ پہاڑی کے نیچے رہتا ہے۔ یہ بوڑھا کہتا ہے کہ تمھیں مار ڈالنا اُچت ہے۔ پرنتو میں تم کو مار نہیں سکتا، پھر روپیہ کہاں سے ملے گا؟ اس کے سوائے میں تمھیں یہاں سے جانے بھی نہ دوں گا ۔

اس طرح دھرم یہاں ایک مہینہ رہا۔ دن کو وہ ادھر ادھر پھرا کرتا یا کوئی چیز بناتا، لیکن رات کو وہ دیوار میں چھید کیا کرتا۔ دیوار پتھر کی تھی' کھودنا سہج نہیں تھا ۔لیکن وہ پتھروں کو ریتی سے کاٹتا تھا، یہاں تک کہ انت میں اس نے اپنے نکلنے بھر کو ایک چھیدر بنالیا۔ بس' اب اسے یہ چنتا ہوئی کہ راستہ معلوم ہو جائے ۔

ایک دن سمپت راؤ شہر گیا ہوا تھا۔ دھرم سنگھ بھوجن کرکے تیسرے پہر راستہ دیکھنے کی اچھا سے سامنے والی پہاڑی کی اُور چل دیا۔ سمپت راؤ باہر جاتے سمے اپنے پُتر سے سدیو کہہ جایا کرتا تھا کہ دھرم سنگھ کو آنکھوں سے پرے نہ ہونے دینا۔ اس کارن بالک اس کے پیچھے دوڑا اور چلاّ کر کہنے لگا — مت جاؤ میرے پِتا کی آگیا نہیں ہے۔ یدی تم نہیں لوٹو گے تو میں گاؤں والوں کو بلا دوں گا ۔

دھرم سنگھ بالک کو پھسلانے لگا ۔ میں دور نہیں جاتا۔ کیول اس پہاڑی پر جانے کی اچھا ہے۔ روگیوں کے واسطے مجھے ایک بوٹی کی ضرورت ہے۔ تم بھی ساتھ چلو۔ بیڑی کے ہوتے کیسے بھاگوں گا ۔ اسمبھو ہے۔ آؤ، کل میں تم کو تیر کمان بنا دوں گا ۔

بالک مان گیا۔ پہاڑی کی چوٹی کچھ دور نہ تھی۔ بیڑی کے کارن چلنا کٹھن تھا۔ پرنتو جوں توں کر کے دھرم سنگھ چوٹی پر پہنچ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔دکشن دِشا میں ایک کھائی دکھائی دی۔ اس میں گھوڑے چل رہے تھے۔ گھاٹی کے نیچے ایک گاؤں تھا۔ اس سے پرے ایک اونچی پہاڑی تھی۔ پھر ایک اور پہاڑی تھی۔ ان پہاڑیوں کے بیچوں بیچ جنگل تھا، اس سے پرے پہاڑ تھے، ایک سے ایک اونچے۔ پورب اور پچھم دِشا میں بھی ایسی ہی پہاڑیاں تھیں۔ کندراؤں میں سے جہاں تہاں گاؤں کا دھواں اٹھ رہا تھا۔ واستو میں یہ مرہٹوں کا دیش تھا۔ اتر کی اُور دیکھا تو پیروں تلے ایک ندی بہہ رہی ہے اور وہیں گاؤں ہے، جس میں وہ رہا کرتا تھا۔ گاؤں کے چاروں اُور باغیچے لگے ہوئے تھے اور اِستریاں ندی پر بیٹھی وَستر دھو رہی تھیں اور ایسی جان پڑتی تھیں مانو گڑیا بیٹھی ہیں ۔ گاؤں سے پرے ایک پہاڑی تھی ۔ پرنتو دکشن دِشا والی پہاڑی سے نیچی ۔ اس سے پرے دو پہاڑیاں اور تھیں۔ ان پر گھنا جنگل تھا ۔ ان کے بیچ میں میدان تھا ۔ میدان کے پار بہت دور پر کچھ دھواں دکھائی دیا۔ اب دھرم سنگھ کو یاد آیا کہ قلعے میں رہتے ہوئے سوریہ کہاں سے اُدے ہوتا اور کہاں اَست ہوا کرتا تھا۔ اسے نشچے ہوگیا کہ دھواں کا بادل ہمارا قلعہ ہے اور اسی میدان میں سے جانا ہوگا۔

اندھیرا ہوگیا، مندر کا گھنٹہ بجنے لگا ۔ پشو گھر لوٹ آئے۔ دھرم سنگھ بھی اپنی کوٹھری میں آگیا ۔ رات اندھیری تھی۔ اس نے اسی رات بھاگنے کا وچار کیا پر دربھاگیہ سے سندھیا سمے مرہٹے گھر لوٹ آئے۔ آج ان کے ساتھ ایک مردہ تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مرہٹا یدھ میں مارا گیا ہے ۔ مرہٹے اس شَو کو اسنان کر کے شویت وستر لپیٹ ارتھی بنا 'رام نام ستیہ' کہتے ہوئے گاؤں سے باہر جاکر شمشان بھومی میں داہ کر کے گھر لوٹ آئے۔ تین دن اُپواس کرنے کے بعد چوتھے دن باہر چلے آئے۔ سمپت راؤ گھر ہی میں رہا ۔ رات اندھیری تھی، شُکل پکش ابھی لگا ہی تھا۔

دھرم سنگھ نے سوچا کہ رات کو بھاگنا ٹھیک ہے۔ چرن سنگھ سے کہا — بھائی چرن سُرنگ تیار ہے۔ چلو بھاگ چلیں ۔

چرن سنگھ (بھیبھیت ہوکر) — راستہ تو جانتے ہی نہیں، بھاگیں گے کیسے؟

دھرم سنگھ — راستہ میں جانتا ہوں ۔

چرن سنگھ — مانا کہ تم راستہ جانتے ہو۔ پرنتو ایک رات میں قلعے تک نہیں پہونچ

سکتے۔

دھرم سنگھ— یدی قلعے تک نہیں پہونچیں گے تو رات میں کسی جنگل میں چھپ کر دن کاٹ لیں گے ۔ دیکھو میں نے بھوجن کا پربندھ بھی کر لیا ہے۔ یہاں پڑے پڑے سڑنے میں کیا لابھ ہے ؟ یدی گھر سے روپیہ نہ آیا تو کیا بنے گا۔ راجپوتوں نے ایک مرہٹا مار ڈالا ہے ۔ اس کارن یہ سب بہت بگڑے ہوئے ہیں ۔ بھاگنا ہی اُچت ہے۔

چرن سنگھ اچھا چلو ۔

۴

گاؤں میں جب سناٹا ہوگیا تو دھرم سنگھ سرنگ سے باہر نکل آیا، پر چرن سنگھ کے پیر سے ایک پتھر گر پڑا۔ دھماکہ ہوا تو سمپت راؤ کا کتا بھونکا،لیکن دھرم سنگھ نے اسے پہلے ہی ہلا لیا تھا ۔ اس کا شبد سن کر وہ چپ ہوگیا ۔

رات اندھیری تھی، تارے نکلے ہوئے تھے، چاروں اُور سناٹا تھا' گھاٹیاں دھند سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ چلتے چلتے راستے میں کسی چھت پر سے ایک بوڑھے کے رام نام جپنے کی آواز سنائی دی ۔ دونوں رُک گئے،تھوڑی دیر میں پھر سناٹا چھا گیا۔ تب وہ آگے بڑھے۔

دھند بہت چھا گئی۔ دھرم سنگھ تاروں کی اُور دیکھ کر راہ چلنے لگا۔ ٹھنڈ کے کارن چلنا سہج نہ تھا۔ دھرم سنگھ کودتا پھاندتا چلا جاتا تھا، چرن سنگھ پیچھے رہنے لگا ۔

چرن سنگھ— بھائی دھرم ذرا ٹھہرو جوتوں نے میرے پیروں میں چھالے ڈال دیے ۔

دھرم سنگھ — جوتے نکال کر پھینک دو۔ ننگے پیر چلو ۔

چرن سنگھ نے جوتے اتار کر پھینک دیئے ۔ پتھروں نے اس کے پاؤں گھائل کر دیے، وہ ٹھہر ٹھہر کر چلنے لگا ۔

دھرم سنگھ — دیکھو چرن! پاؤں تو پھر چنگے ہو جائیں گے، پر یدی مرہٹوں نے آ پکڑا تو پھر سمجھ لو کہ جان گئی ۔

چرن سنگھ چپ ہوکر پیچھے چلنے لگا ۔تھوڑی دور جانے پر دھرم سنگھ بولا ۔ ہائے، ہائے ہم راستہ بھول گئے۔ ہمیں تو بائیں اُور کی پہاڑی پر چڑھنا تھا ۔

چرن سنگھ —ٹھہرو دم ذرا لینے دو۔ میرے پیر گھائل ہوگئے ہیں ۔ دیکھو رکت بہہ رہا

ہے۔

دھرم سنگھ — کچھ چنتا نہیں، یہ سب ٹھیک ہو جائیں گے، تم چلے چلو۔ وہ لوٹ کر بائیں اوٗر کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ آگے جنگل ملا، جھاڑیوں نے ان کے سب وَستر پھاڑ ڈالے۔ اتنے میں کچھ آہٹ ہوئی، وہ ڈر گئے۔ سمیپ جانے پر معلوم ہوا کہ بارہ سنگھا بھاگا جارہا ہے۔

پراتہ کال ہونے لگا۔ قلعہ یہاں سے ابھی سات میل پر تھا۔ میدان میں پہنچ کر چرن سنگھ بیٹھ گیا اور بولا۔ میرے پاؤں تھک گئے۔ میں اب نہیں چل سکتا۔

دھرم سنگھ (کرودھ سے) — اچھا تو رام! رام!! میں اکیلا ہی جاتا ہوں۔

چرن سنگھ اٹھ کر ساتھ ہولیا۔ تین میل چلنے پر اچانک گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی، وہ بھاگ کر جنگل میں گھس گئے۔

دھرم سنگھ نے دیکھا گھوڑے پر چڑھا ہوا ایک مرہٹا جارہا ہے۔ جب وہ نکل گیا تو دھرم بولا کہ بھگوان نے بڑی دیا کی کہ اس نے ہمیں نہیں دیکھا۔ چرن بھائی، اب چلو۔

چرن سنگھ — میں نہیں چل سکتا، مجھ میں طاقت نہیں۔

چرن سنگھ موٹا آدمی تھا۔ ٹھنڈ کے مارے اس کے پیر اکڑ گئے۔ دھرم سنگھ اسے اٹھانے لگا، تو چرن سنگھ نے چیخ ماری۔

دھرم سنگھ — ہیں، ہیں یہ کیا؟ مرہٹا تو ابھی پاس ہی جارہا ہے۔ کہیں سن نہ لے۔ اچھا یدی تم نہیں چل سکتے ہو تو میری پیٹھ پر بیٹھ جاؤ۔

دھرم سنگھ نے چرن سنگھ کو پیٹھ پر بیٹھا کر قلعے کی راہ لی۔

دھرم سنگھ — بھائی چرن سنگھ سیدھی طرح بیٹھے رہو۔ گلا کیوں گھونٹتے ہو۔

۵

اب ادھر کی بات سنیے۔ مرہٹے نے چرن سنگھ کا شبد سن لیا۔ اس نے گولی چلائی، پرنتو خالی گئی۔ مرہٹا دوسرے ساتھیوں کو لینے کے لیے گھوڑا دوڑا کر چل دیا۔

دھرم سنگھ — چرن! معلوم ہوتا ہے کہ اس دُشٹ نے تمھاری آواز سن لی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو بلانے گیا ہے۔ یدی اس کے آنے سے پہلے پہلے ہم دور نہیں نکل جائیں گے تو

سمجھو جان گئی۔ (من میں) یہ بوجھا میں نے کیوں اٹھایا، یدی میں اکیلا ہوتا تو اب تک کبھی کا نکل گیا ہوتا۔

چرن سنگھ — تم اکیلے چلے جاؤ۔ میرے کارن پران کیوں کھوتے ہو؟

دھرم سنگھ — کداپی نہیں، ساتھی کو چھوڑ کر چل دینا، دھرم کے خلاف ہے۔

دھرم سنگھ پھر چرن سنگھ کو کندھے پر لاد کر چلنے لگا۔ آدھا میل چلنے پر ایک جھرنا ملا۔ دھرم سنگھ بہت تھک گیا تھا۔ چرن سنگھ کو کندھے پر سے اتار کر وِشرام کرنے لگا۔ پانی پینا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے سے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ دونوں بھاگ کر جھاڑیوں میں چھپ گئے۔

مرہٹے ٹھیک وہیں آکر ٹھہرے، جہاں دونوں چھپے ہوئے تھے۔ انھوں نے سونگھ لینے کو کتا چھوڑا۔ پھر کیا تھا دونوں پکڑے گئے۔ مرہٹوں نے دونوں کو گھوڑوں پر لاد لیا۔ راستے میں سمپت راؤ مل گیا۔ اپنے قیدیوں کو پہچانا۔ ترنت اپنے ساتھ والے گھوڑے پر بیٹھایا اور دن نکلتے نکلتے وہ سب گرام میں پہنچ گئے۔

اسی سمے بوڑھا بھی وہاں آگیا۔ سب مرہٹے وِچار کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ بوڑھے نے کہا کچھ مت کرو، ان دونوں کا ترنت وَدھ کردو۔

سمپت راؤ — میں نے تو ان پر روپیہ لگایا ہے۔ مار کیسے ڈالوں؟

بوڑھا — راجپوتوں کو پالنا پاپ ہے۔ وہ تمھیں سوائے دکھ کے اور کچھ نہ دیں گے۔ مار کر جھگڑا سماپت کرو۔

مرہٹے اِدھر اُدھر چلے گئے۔ سمپت راؤ دھرم سنگھ کے پاس آیا اور بولا دیکھو دھرم سنگھ پندرہ دن کے اندر اگر روپیہ نہ آیا تو میں تمھیں اوشیہ مار ڈالوں گا۔ اس میں سندیہہ نہیں۔ اب شیگھر گھر والوں کو خط لکھ ڈالو کہ ترنت روپیہ بھیج دیں۔

دونوں نے خط لکھ دیے، پھر وہ پہلے کی بھانتی قید کر دیے گئے 'پرنتو کوٹھری میں نہیں، اب کی بار چھ ہاتھ چوڑے گڈھے میں بند کیے گئے۔

٦

اب انھیں اتینت کشٹ دیا جانے لگا۔ نہ باہر جا پاتے تھے نہ بیڑیاں نکالی جاتی تھیں۔ کتوں کے سمان اُدھ پکی روٹی، ایک لوٹے میں پانی پہنچا دیا جاتا تھا اور کچھ نہیں۔ گڈھا

سیلا تھا، اس میں اندھیرا اور اتی دُرگندھ تھی۔ چرن سنگھ کا سارا شریر سوکھ گیا۔ دھرم سنگھ من ملین۔ تن چھین رہنے لگا۔ کرے تو کیا کرے۔

دھرم ایک دن بہت اداس بیٹھا تھا کہ اوپر سے روٹی گری، دیکھا تو سوشیلا بیٹھی ہوئی ہے۔

دھرم سنگھ نے سوچا، کیا سوشیلا اس کام میں میری سہایتا کرسکتی ہے۔ اچھا، اس کے لیے کچھ کھلونے بناتا ہوں۔ کل جب آئے گی تو اسے دے کر بات کروں گا۔

دوسرے دن سوشیلا نہیں آئی۔ دھرم سنگھ کے کان میں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ کئی آدمی گھوڑوں پر سوار ادھر سے نکل گئے۔ وہ سب باتیں کرتے جاتے تھے۔ دھرم سنگھ کو اور تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا، ہاں 'راجپوت' شبد بار بار سنائی دیا۔ اس سے اس نے انومان کیا کہ راجپوتوں کی سینا کہیں نکٹ آ پہنچی ہے۔

تیسرے دن سوشیلا پھر آئی اور دو روٹیاں گڑھے میں پھینک دیں۔ تب دھرم سنگھ بولا تو کل کیوں نہیں آئی؟ دیکھ میں نے تیرے واسطے یہ کھلونے بنائے ہیں۔

سوشیلا — کھلونے لے کر کیا کروں گی۔ انھوں نے تمھیں مار ڈالنے کا وچار کل پکا کر لیا ہے۔ سب مرہٹے اکٹھے ہوئے تھے۔ اسی کارن میں کل نہیں آسکی۔

دھرم سنگھ — کون مارنا چاہتا ہے؟

سوشیلا — میرا پتا۔ بوڑھوں نے یہ صلاح دی ہے کہ راجپوتوں کی سینا نکٹ آ گئی ہے اور تمھیں مار ڈالنا ہی ٹھیک ہے۔ مجھے تو یہ سن کر رونا آتا ہے۔

دھرم سنگھ — یدی تمھیں دیا آتی ہے تو ایک بانس لادو۔

سوشیلا — یہ نہیں ہوسکتا۔

دھرم سنگھ — سوشیلا! دیا کرو۔ میں ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ بانس لادو۔

سوشیلا — بانس کیسے لاؤں۔ وہ سب گھر پر بیٹھے ہیں، دیکھ لیں گے۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

سوریہ اَست ہوگیا۔ تارے چمکنے لگے۔ چاند ابھی نہیں نکلا تھا، مندر کا گھنٹا بجا۔ بس پھر سناٹا ہوگیا۔ دھرم سنگھ اس وچار میں بیٹھا تھا کہ سوشیلا بانس لائے گی، اتھوا نہیں۔

اچانک اوپر سے مٹی گرنے لگی۔ دیکھا تو سامنے کی دیوار میں بانس لٹک رہا ہے۔

دھرم سنگھ پرسن ہوا ۔ اس نے بانس کو نیچے کھینچ لیا۔

باہر آکاش میں تارے چمک رہے تھے ۔ گڑھے کے کنارے پر منہ رکھ کر دھیرے سے سوشیلا نے کہا ۔ دھرم سنگھ سوائے دو کے اور سب باہر چلے گئے ہیں ۔

دھرم سنگھ نے چرن سنگھ سے کہا بھائی چرن! آؤ ایک بار پھر یتن کر دیکھیں، ہمت نہ ہارو، چلو میں تمھاری سہایتا کرنے کو تیار ہوں ۔

چرن سنگھ مجھ میں تو کروٹ لینے کی شکتی نہیں ، چلنا تو ایک اُور رہا' میں نہیں بھاگ سکتا۔

دھرم سنگھ— اچھا! رام رام ۔ پرنتو مجھے نردئی مت سمجھنا ۔

دھرم سنگھ چرن سنگھ سے گلے ملا' بانس کا ایک سرا سوشیلا نے پکڑا اور دوسرا دھرم سنگھ نے ۔ اس بھانتی وہ باہر نکل آیا

دھرم سنگھ — سوشیلا تمھیں بھگوان کشل سے رکھیں۔ میں جنم بھر تمھارا جَس گاؤں گا۔ اچھا جیتی رہو، مجھے بھول مت جانا ۔

دھرم سنگھ نے تھوڑی دور جاکر پتھروں سے بیڑی توڑنے کا بہت ہی یتن کیا، پر وہ نہ ٹوٹی۔ وہ اسے ہاتھ میں اٹھا کر چلنے لگا۔ وہ چاہتا تھا کہ چندرما اُدے ہونے سے پہلے جنگل میں پہنچ جائے' پرنتو پہنچ نہ سکا۔ چندرما نکل آیا، چاروں اُور اجالا ہوگیا، پر سوبھاگیہ سے جنگل میں پہنچنے تک راہ میں کوئی نہ ملا ۔

دھرم سنگھ پھر بیڑی توڑنے لگا، پر سارا یتن نشپھل ہوگیا۔ وہ تھک گیا، ہاتھ پاؤں گھائل ہوگئے۔ وِچارنے لگا، اب کیا کروں؟ بس چلو، ٹھہرنے کا کام نہیں۔ یدی ایک بار بیٹھ گیا تو پھر اٹھنا کٹھن ہو جائے گا۔ مانا کہ پراتہ کال سے پہلے قلعے میں نہیں پہنچ سکتا' نہ سہی، دن بھر جنگل میں کاٹ دوں گا۔ رات آنے پر پھر چل دوں گا۔ سہسا پاس سے دو مرہٹے نکلے، وہ جھٹ جھاڑی میں چھپ گیا ۔

چاند پھیکا پڑگیا، سویرا ہونے لگا ۔ جنگل پیچھے چھوٹ گیا، صاف میدان آگیا۔ قلعہ دکھائی دینے لگا۔ بائیں اُور دیکھنے پر معلوم ہوا کہ تھوڑی دور پر کچھ راجپوت سپاہی کھڑے ہیں۔ دھرم سنگھ مگن ہوگیا اور بولا -- اب کیا ہے۔ پرنتو ایسا نہ ہو کہ مرہٹے پیچھے سے آ پکڑیں، میں سپاہیوں تک نہ پہنچ سکوں' اس کارن جتنا بھاگا جائے اتنا بھاگو۔

اتنے میں بائیں اُور سے دو قدم کی دوری پر کچھ مرہٹے دکھائی پڑے ۔ دھرم نراش

ہوگیا ۔ چلاّ اٹھا -- بھائیو دوڑو' دوڑو مجھے بچاؤ! بچاؤ!

راجپوت سپاہیوں نے دھرم سنگھ کی پکار سن لی۔ مرہٹے سمیپ تھے' سپاہی دور تھے۔ وہ دوڑے، دھرم سنگھ بھی بیڑیاں اٹھا کر بھائیو! بھائیو!! کہتا ہوا ایسا بھاگا کہ جھٹ سپاہیوں سے جا ملا' مرہٹے ڈر کر بھاگ گئے۔

راجپوت پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟ پرنتو دھرم سنگھ گھبرایا ہوا، ''بھائیو بھائیو' پکارتا چلا جاتا تھا۔ نکٹ آنے پر سپاہیوں نے اسے پہچان لیا۔ دھرم سنگھ سارا وِرتانت کہہ کر بولا — بھائیو! اس طرح میں گھر گیا اور ویواہ کیا۔ ودھاتا کی یہی لیلا تھی۔

ایک مہینہ پیچھے پانچ ہزار مُدرا دے کر چرن سنگھ چھوٹ کر قلعے میں آیا۔ وہ اس سمے ادھ موئے کے سمان ہو رہا تھا۔

ڈھر ونواسی ریچھ کا شکار

ہم ایک دن ریچھ کے شکار کو نکلے ۔ میرے ساتھی نے ایک ریچھ پر گولی چلائی ۔ وہ گہری نہیں لگی ۔ ریچھ بھاگ گیا ۔ برف پر لہو کے چنہہ باقی رہ گئے ۔

ہم ایکتر ہوکر یہ وچار کرنے لگے کہ ترنت پیچھا کرنا چاہیے یا دو تین دن ٹھہر کر اس کے پیچھے جانا چاہیے ۔ کسانوں سے پوچھنے پر ایک بوڑھا بولا ۔ ترنت پیچھا کرنا ٹھیک نہیں، ریچھ کو ٹِک جانے دو ۔ پانچ دن پیچھے شاید وہ مل جائے۔ ابھی پیچھا کرنے پر تو وہ ڈر کر بھاگ جائے گا۔

اس پر ایک دوسرا جوان بولا ۔نہیں نہیں ہم آج ہی ریچھ کو مار سکتے ہیں۔ وہ بہت موٹا ہے، دور نہیں جاسکتا۔ سوریہ است ہونے سے پہلے کہیں نہ کہیں ٹِک جائے گا،نہیں تو میں برف پر چلنے والے جوتے پہن کر ڈھونڈ نکالوں گا ۔

میرا ساتھی ترنت ریچھ کا پیچھا کرنا نہیں چاہتا تھا ، پر میں نے کہا ۔ جھگڑا کرنے سے کیا مطلب ۔ آپ سب گاؤں کو جایئے۔ میں اور درگا (میرے سیوک کا نام) ریچھ کا پیچھا کرتے ہیں،مل گیا تو واہ واہ! دن بھر اور کرنا ہی کیا ہے ؟

اور سب تو گاؤں کو چلے گئے، میں اور درگا جنگل میں رہ گئے۔ اب ہم بندوقیں سنبھال کر، کمر کس، ریچھ کے پیچھے ہولیے ۔

ریچھ کا نشان دور سے دکھائی پڑتا تھا ۔ پرتیت ہوتا تھا کہ بھاگتے سمے کبھی تو وہ پیٹ تک برف میں دھنس گیا ہے ۔کبھی برف چیر کر نکلا ہے۔ پہلے پہلے تو ہم اس کی کھوج کے پیچھے بڑے بڑے پیڑوں کے نیچے چلتے رہے ۔ پرنتو گھنا جنگل آجانے پر درگا بولا ۔ اب یہ راہ چھوڑ دینی چاہیئے ، وہ یہیں کہیں بیٹھ گیا ہے ۔ دھیرے دھیرے چلو، ایسا نہ ہو کہ وہ ڈر کر بھاگ جائے ۔

ہم راہ چھوڑ کر بائیں اُور لوٹ پڑے ۔ پانچ سو قدم جانے پر سامنے وہی چنہہ پھر

دکھائی پڑے۔ اس کے پیچھے چلتے چلتے ایک سڑک پر جا نکلے ۔ چِھوں سے جان پڑتا تھا کہ ریچھ گاؤں کی اُور گیا ہے ۔ درگا — مہاراج سڑک پر کھوج لگانے سے اب کوئی فائدہ نہیں ۔وہ گاؤں کی اُور نہیں گیا آگے چل کر چِھوں سے پتہ لگ جائے گا کہ وہ کس اُور گیا ہے ۔

ایک میل آگے جانے پر چِھوں سے ایسا پرکٹ ہوتا تھا کہ ریچھ سڑک سے جنگل کی اُور نہیں، جنگل سے سڑک کی اُور آیا ہے۔ اس کی انگلیاں سڑک کی طرف تھیں۔ میں نے پوچھا کہ درگا! کیا یہ کوئی دوسرا ریچھ ہے ؟

درگا — نہیں یہ وہی ریچھ ہے، اس نے دھوکا دیا ہے۔ آگے چل کر درگا کا کہنا سچ نکلا، کیونکہ ریچھ دس قدم سڑک کی اُور آکر پھر جنگل کی طرف لوٹ گیا تھا۔

درگا — اب ہم اسے اوشیہ مار لیں گے ۔ آگے دلدل ہے، وہ وہیں جاکر بیٹھ گیا ہے، چلئے ۔

ہم دونوں آگے بڑھے۔ کبھی تو میں کسی جھاڑی میں پھنس جاتا تھا، برف پر چلنے کا ابھیاس نہ ہونے کے کارن کبھی جوتا پیر سے نکل جاتا تھا۔ پسینے سے بھیگ کر میں نے کوٹ کندھے پر ڈال لیا ۔ لیکن درگا بڑی پھرتی سے چلا جارہا تھا۔ دو میل چل کر ہم جھیل کے اس پار پہنچ گئے ۔

درگا — دیکھو سنسان جھاڑی پر چڑیاں بول رہی ہیں۔ ریچھ وہیں ہے۔ چڑیاں ریچھ کی مہک پا گئی ہیں۔

ہم وہاں سے ہٹ کر آدھا میل چلے ہوں گے کہ پھر ریچھ کا کُھر دکھائی دیا۔ مجھے اتنا پسینا آگیا کہ میں نے صافہ بھی اتار دیا ۔ درگا کو بھی پسینہ آگیا تھا ۔

درگا — سوامی بہت دوڑ دھوپ کی، اب ذرا وشرام کر لیجیے ۔

سندھیا ہو چلی تھی۔ ہم جوتے اتار کر دھرتی پر بیٹھ گئے اور بھوجن کرنے لگے۔ بھوک کے مارے روٹی ایسی اچھی لگی کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ میں نے درگا سے پوچھا کہ گاؤں کتنی دور ہے ؟

درگا کوئی آٹھ میل ہوگا۔ ہم آج ہی وہاں پہنچ جائیں گے ۔ آپ کوٹ پہن لیں، ایسا نہ ہو کہ سردی لگ جائے ۔

درگا نے برف ٹھیک کرکے اس پر کچھ جھاڑیاں بچھا کر میرے لیے بچھونا تیار کردیا۔ میں ایسا بے

سدھ سویا کہ اس کا دھیان ہی نہ رہا کہ کہاں ہوں۔ جاگ کر دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا بھاری دیوان خانہ بنا ہوا ہے' اس میں بہت سے اجلے چمکتے ہوئے کھمبے لگے ہوئے ہیں ۔ اس کی چھت توے کی طرح کالی ہے۔ اس میں رنگ دار اننت دیپک جگمگا رہے ہیں۔ میں چکِت ہوگیا۔ پرنتو ترنت مجھے یاد آیا کہ یہ تو جنگل ہے' یہاں دیوان خانہ کہاں؟ اصل میں شویت کھمبے تو برف سے ڈھکے ہوئے وِرکش تھے۔ رنگ دار دیپک ان کی پتیوں میں سے چمکتے ہوئے تارے تھے ۔

برف گر رہی تھی، جنگل میں سناٹا تھا ۔ اچانک ہمیں کسی جانور کے دوڑنے کی آہٹ ملی۔ ہم سمجھے کہ ریچھ ہے۔ پرنتو پاس جانے پر معلوم ہوا کہ جنگلی کھرہا ہے۔ ہم گاؤں کی اُور چل دیے۔ برف نے سارا جنگل شویت بنا رکھا تھا۔ وِرکشوں کی شاخاؤں میں سے تارے چمکتے اور ہمارا پیچھا کرتے ایسے دکھائی دیتے تھے، مانو سارا آکاش چلائمان ہو رہا ہے ۔

جب ہم گاؤں پہنچے تو میرا ساتھی سو گیا تھا۔ میں نے اسے جگا کر سارا ورتانت کہہ سنایا اور زمیندار سے اگلے دن کے لیے شکاری اِکتر کرنے کو کہا۔ بھوجن کرکے سو رہا ۔ میں اتنا تھک گیا تھا کہ یدی میرا ساتھی مجھے نہ جگاتا تو میں دوپہر تک سویا پڑا رہتا۔ جاگ کر میں نے دیکھا کہ ساتھی وستر پہنے تیار ہے اور اپنی بندوق ٹھیک کر رہا ہے ۔

میں — درگا کہاں ہے؟

ساتھی — اسے گئے دیر ہوئی۔ وہ کل کے چھپہ پر شکاریوں کو اکٹھا کرنے گیا ہے ۔

ہم گاؤں کے باہر نکلے۔ دھند کے مارے سوریہ دکھائی نہ پڑتا تھا۔ دو میل چل کر دھواں دکھائی پڑا۔ پاس جاکر دیکھا تو شکاری آلو بھون رہے ہیں اور آپس میں باتیں کرتے جاتے ہیں۔ درگا بھی وہیں تھا۔ ہمارے پہنچنے پر وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ریچھ کو گھیرنے کے لیے درگا ان سب کو لے کر جنگل کی اُور چل دیا۔ ہم بھی اس کے پیچھے ہو لیے۔ آدھا میل چلنے پر درگا نے کہا کہ اب کہیں بیٹھ جانا اُچت ہے۔ میری بائیں اُور اونچے اونچے وِرکش تھے ۔ سامنے منش کے برابر اونچی برف سے ڈھکی ہوئی گھنی جھاڑیاں تھیں۔ ان کے بیچ سے ہوکر ایک پگڈنڈی سیدھی وہاں پہنچتی تھی، جہاں میں کھڑا ہوا تھا۔ دائیں اُور صاف میدان تھا۔ وہاں میرا ساتھی بیٹھ گیا ۔

میں نے اپنی دونوں بندوقوں کو بھلی بھانتی دیکھ کر وِچار کیا کہ کہاں کھڑا ہونا چاہیے؟

تین قدم پیچھے ہٹ کر ایک اونچا وِرکش تھا۔ میں نے ایک بندوق بھر کر اس کے سہارے کھڑی کر دی، دوسرا گھوڑا چڑھا کر ہاتھ میں لے لی، میان سے تلوار نکال کر دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک جنگل میں سے درگا کا شبد سنائی دیا۔ ''وہ اٹھا'' ''وہ اٹھا''!اس پر سب شکاری بول اٹھے۔ سارا جنگل گونج پڑا۔ میں گھات میں تھا کہ ریچھ دکھائی پڑا اور میں نے تُرنت گولی چھوڑی۔

اکسمات بائیں اُور برف پر کوئی کالی چیز دکھائی دی۔ میں نے گولی چھوڑی، پرنتو خالی گئی اور ریچھ بھاگ گیا۔

مجھے بڑا شوک ہوا کہ اب ریچھ ادھر نہیں آئے گا۔ شاید ساتھی کے ہاتھ لگ جائے۔ میں نے پھر بندوق بھر لی، اتنے میں ایک شکاری نے شور مچایا۔ ''یہ ہے' یہ ہے' یہاں آؤ''۔

میں نے دیکھا کہ درگا بھاگ کر میرے ساتھی کے پاس آیا اور ریچھ کو انگلی سے دکھانے لگا۔ ساتھی نے نشانہ لگایا۔ میں نے سمجھا اس نے مارا، پرنتو وہ گولی بھی خالی گئی' کیونکہ یدی ریچھ گر جاتا تو' ساتھی اوشیہ اس کے پیچھے دوڑتا' وہ دوڑا نہیں، اس سے میں نے جانا کہ ریچھ مرا نہیں۔

ہیں! کیا آپتی آئی، دیکھتا ہوں کہ ریچھ ڈرا ہوا اندھا دھند بھاگا میری اور آرہا ہے۔ میں نے گولی ماری، پرنتو خالی گئی۔ دوسری چھوڑی، وہ لگی تو سہی، پرنتو ریچھ گرا نہیں۔ میں دوسری بندوق اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ اس نے جھپٹ کر مجھے دبا لیا اور لگا میرا منھ نوچنے۔ جو کشٹ مجھے اس سے ہو رہا تھا۔ میں اسے ورنن کر نہیں سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چھریوں سے میرا منھ چھیل رہا ہے۔

اتنے میں درگا اور ساتھی ریچھ کو میرے اوپر بیٹھا دیکھ کر میری سہایتا کو دوڑے۔ ریچھ انھیں دیکھ ڈر کر بھاگ گیا۔ سارانش یہ کہ میں گھائل ہوگیا، پر ریچھ ہاتھ نہ آیا اور ہمیں خالی ہاتھ گھر لوٹنا پڑا۔

ایک ماس پیچھے ہم پھر اس ریچھ کو مارنے کے لیے گئے، میں پھر بھی اسے نہ مار سکا' اسے درگا نے مارا، وہ بڑا بھاری ریچھ تھا۔ اس کی کھال اب تک میرے کمرے میں بچھی ہوئی ہے۔

منش کا جیون آدھار کیا ہے

ا

مادھو نامی ایک چمار جس کے نہ گھر تھا، نہ دھرتی، اپنی استری اور بچوں سَہت ایک جھونپڑے میں رہ کر محنت مزدوری دوارا پیٹ پالتا تھا۔ مجوری کم تھی، اَنّ مہنگا تھا، جو کماتا تھا، کھا جاتا تھا۔ سارا گھر ایک ہی کمبل اوڑھ کر جاڑوں کے دن کاٹتا تھا۔ اب وہ کمبل بھی پھٹ کر تار تار رہ گیا تھا۔ پورے ایک ورش سے وہ اس وچار میں لگا ہوا تھا کہ دوسرا وستر مول لے۔ پیٹ مار مار کر اس نے تین روپے جمع کیے تھے، اور پانچ روپے پاس کے گاؤں والوں پر آتے تھے۔

ایک دن اس نے یہ وچارا کہ پانچ روپے گاؤں والوں سے اُگاہ کر وستر لے آؤں۔ وہ گھر سے چلا، گاؤں میں پہنچ کر وہ پہلے ایک کسان کے گھر گیا۔ کسان تو گھر میں نہیں تھا، اس کی اِستری نے کہا کہ اس سمے روپیہ موجود نہیں' پھر دے دوں گی۔ پھر وہ دوسرے کے گھر پہنچا۔ وہاں سے بھی روپیہ نہ ملا! پھر وہ بنیا کی دُکان پر جاکر وستر ادھار مانگنے لگا۔ بنیا بولا۔ ہم ایسے کنگالوں کو اُدھار نہیں دیتے۔ کون پیچھے پیچھے پھرتا رہے' جاؤ اپنی راہ لو۔

وہ نراش ہو کر گھر لوٹ پڑا۔ راہ میں سوچنے لگا کہ کتنی اچرج کی بات ہے کہ میں سارے دن کام کرتا ہوں، اس پر بھی پیٹ نہیں بھرتا، چلتے سمے استری نے کہا تھا کہ وستر اوشیہ لانا۔ اب کیا کروں، کوئی اُدھار بھی تو نہیں دیتا۔ کسانوں نے کہہ دیا، ابھی ہاتھ خالی ہے' پھر لے لینا۔ تمھارا ہاتھ تو خالی ہے مگر میرا گھر کیسے چلے۔ تمھارے پاس گھر، پشو، سب کچھ ہے، میرے پاس تو یہ شریر ہی شریر ہے۔ تمھارے پاس اَنّ کے کوٹھے بھرے پڑے ہیں۔ مجھے ایک ایک دانہ مول لینا پڑتا ہے۔ سات دن میں تین روپے صرف روٹی میں خرچ ہوجاتے ہیں۔ کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ ہے بھگوان! سوچتا ہوا مندر کے پاس پہنچ کر دیکھتا کیا ہے کہ دھرتی پر کوئی شویت وستو پڑی ہے۔ اندھیرا ہوگیا' صاف نہ دکھائی دیتا ہے۔ مادھو نے سمجھا کہ کسی نے اس کے وستر چھین لیے ہیں، مجھ سے کیا مطلب۔ ایسا نہ ہو کہ اس جھگڑے میں

پڑنے سے مجھ پر کوئی آپتی کھڑی ہو جائے، چل دیا۔

تھوڑی دور گیا تھا کہ اس کے من میں پچھتاوا ہوا۔ میں کتنا نردئی ہوں۔ کہیں وہ بیچارہ بھوکا نہ مر رہا ہو۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ میں اسے اس دشا میں چھوڑ کر چلا جارہا ہوں۔ وہ لوٹ پڑا اور اس آدمی کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔

۲

پاس پہنچ کر مادھو نے دیکھا کہ وہ منش بھلا چنگا جوان ہے۔ کیول شیت سے دکھی ہو رہا ہے۔ اس منش کو آنکھ بھر کر دیکھنا تھا کہ مادھو کو اس پر دیا آگئی۔ اپنا کوٹ اتار کر بولا۔ یہ سمے باتیں کرنے کا نہیں۔ یہ کوٹ پہن لو اور میرے سنگ چلو۔

منش کا شریر سوڈَھ، مکھ دیالو' ہاتھ پاؤں سڈول تھے۔ وہ پرسنّ بدن تھا۔ مادھو نے اسے کوٹ پہنا دیا اور بولا — متر، اب چلو باتیں پیچھے ہوتی رہیں گی۔ منش نے پریم بھاؤ سے مادھو کو دیکھا اور کچھ نہ بولا۔

مادھو تم بولتے کیوں نہیں ؟ یہاں ٹھنڈ ہے۔ گھر چلو' یدی تم چل نہیں سکتے، تو یہ لو لکڑی، اس کے سہارے چلو۔

منش مادھو کے پیچھے پیچھے ہولیا۔

مادھو — تم کہاں رہتے ہو؟

منش — میں یہاں کا رہنے والا نہیں۔

مادھو — میں نے بھی یہی سمجھا تھا۔ کیوں کہ یہاں تو میں سب کو جانتا ہوں۔ تم مندر کے پاس کیسے آگئے ؟

منش — یہ میں نہیں بتلا سکتا۔

مادھو — کیا تم کو کسی نے دکھ دیا ہے ؟

منش — مجھے کسی نے دکھ نہیں دیا۔ اپنے کرموں کا بھوگ ہے۔ پرماتما نے مجھے دنڈ دیا ہے۔

مادھو — نِسند یہہ پرمیشور سب کا سوامی ہے، پرنتو کھانے کو انّ اور رہنے کو گھر تو چاہیے۔ تم اب کہاں جانا چاہتے ہو۔

منش — جہاں ایشور لے جائے۔

مادھو چکت ہوگیا۔ منش کی بات چیت بڑی پریہ تھی۔ وہ ٹھگ پرتیت نہ ہوتا تھا، پر اپنا پتہ کچھ نہیں بتاتا تھا۔ مادھو نے سوچا' اوشیہ اس پر کوئی بڑی وپتی پڑی ہے۔ بولو۔ بھائی، گھر چل کر ذرا آرام کرو، پھر دیکھا جائے گا۔

دونوں وہاں سے چل دیے۔ راہ میں مادھو وچار کرنے لگا، میں تو وستر لینے آیا تھا، یہاں اپنا بھی دے بیٹھا۔ ایک ننگا منش ساتھ ہے۔ کیا یہ سب باتیں دیکھ کر مالتی پرسن ہوگی۔ کداپی نہیں۔ مگر چنتا ہی کیا ہے؟ دیا کرنا منش کا پرم دھرم ہے۔

۳

ادھر مادھو کی استری مالتی جلدی جلدی لکڑی کاٹ کر پانی لائی، پھر بھوجن بنایا، بچوں کو کھلایا' آپ کھایا' پتی کے لیے بھوجن الگ رکھ کر کرتے میں ٹانکہ لگاتی ہوئی یہ وچار کرنے لگی۔ ایسا نہ ہو، بنیا میرے پتی کو ٹھگ لے، وہ بڑا سیدھا ہے، کسی سے چھل نہیں کرتا، بالک بھی اسے پھنسا سکتا ہے۔ آٹھ روپیہ بہت ہوتے ہیں۔ اتنے روپے میں تو اچھے وستر مل سکتے ہیں۔ پچھلی سردی کس کشٹ سے کٹی، جاتے سمے اسے دیر ہوگئی تھی۔ پرنتو کیا ہوا اب تک اسے آجانا چاہیے تھا۔

اتنے میں آہٹ ہوئی۔ مالتی باہر آئی، دیکھا کہ مادھو ہے۔ اس کے ساتھ ننگے سر ایک منش ہے۔ مادھو کا کوٹ اس کے گلے میں پڑا ہے۔ پتی کے ہاتھوں میں کوئی گٹھری نہیں ہے۔ وہ شرم سے سر جھکائے کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر مالتی کا من نراشا سے ویاکل ہوگیا۔ اس نے سمجھا' کوئی ٹھگ ہے، تیوری چڑھا کر کھڑی ہو دیکھنے لگی کہ وہ کیا کرتا ہے۔

مادھو بولا — یدی بھوجن تیار ہو تو لے آؤ۔

مالتی جل کر راکھ ہوگئی، کچھ نہ بولی، چپ چاپ وہیں کھڑی رہی۔ مادھو تاڑ گیا کہ استری کرودھ اگنی میں جل رہی ہے۔

مادھو — کیا بھوجن نہیں بنایا؟

مالتی (کرودھ سے) — ہاں بنایا ہے۔ پرنتو تمھارے واسطے نہیں۔ تم تو وستر مول لینے گئے تھے۔ یہ کیا کیا؟ اپنا کوٹ بھی دوسروں کو دے دیا۔ اس ٹھگ کو کہاں سے لائے۔

یہاں کوئی سدا برت تھوڑے ہی چلتا ہے۔

مادھو — بس بس بنا سوچے سمجھا کسی کو برا کہنا اُچت نہیں ہے، پہلے اس سے پوچھ تو لو یہ کیسا ....

مالتی — پہلے یہ بتاؤ کہ روپے کہاں پھینکے ؟

مادھو— یہ لو اپنے تین روپے ۔ گاؤں والوں نے کچھ نہیں دیا۔

مالتی —(پیسے لے کر) میرے پاس سنسار بھر کے ننگے لچّوں کے لیے بھوجن نہیں ہے۔

مادھو — پھر وہی بات !پہلے پوچھ تو لو، یہ کیا کہتا ہے ؟

مالتی — بس بس! پوچھ چکی ، میں تو ویواہ ہی کرنا نہیں چاہتی تھی، تم تو گھر کھوؤ ہو ۔

مادھو نے بہتیرا سمجھایا' وہ ایک نہ مانی ۔ دس ورش کے پرانے جھگڑے یاد کرکے بکواس کرنے لگی ، یہاں تک کہ کرودھ میں آکر مادھو کی جیکِٹ پھاڑ ڈالی اور گھر سے باہر جانے لگی پر راستے میں رک گئی اور پتی سے بولی -- اگر یہ بھلا مانس ہوتا تو ننگا نہ ہوتا ۔ بھلا تمھاری بھینٹ اس سے کہاں ہوئی ؟

مادھو— بس' یہی تو میں تم کو بتلانا چاہتا ہوں۔ یہ گاؤں کے مندر کے پاس ننگا بیٹھا تھا ۔ بھلا وِچار تو کر ۔ یہ ریتو باہر ننگا بیٹھنے کی ہے ؟ دَیوگتی سے میں وہاں جا پہنچا،نہیں تو کیا جانے یہ مرتا یا جیتا ۔ہم کیا جانتے ہیں کہ اس پر کیا وپتی پڑی ہے ۔ میں اپنا کوٹ پہنا کر اسے یہاں لے آیا ۔ دیکھ، کرودھ مت کر ۔کرودھ پاپ کا مول ہے ۔ ایک دن ہم سب کو یہ سنسار چھوڑنا ہے ۔

مالتی کچھ کہنا چاہتی تھی پر منش کو دیکھ کر چپ ہوگئی۔ وہ آنکھیں موندے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے مون دھارن کیے اِستھر بیٹھا تھا۔

مادھو — پیاری کیا تم میں ایشور کا پریم نہیں ؟

یہ وَچن سن، منش کو دیکھ کر مالتی کا چِت ترنت پگھل گیا، جھٹ سے اٹھی اور بھوجن لاکر اس کے سامنے رکھ دیا اور بولی— کھایئے ۔

مالتی کی یہ دشا دیکھ کر منش کا مُکھار بند کِھل گیا اور وہ ہنسا ۔بھوجن کرلینے پر مالتی بولی—تم کہاں سے آئے ہو؟

منش— میں یہاں کا رہنے والا نہیں ۔

مالتی — تم مندر کے پاس کس پرکار پہنچے؟

منش — میں کچھ نہیں بتا سکتا۔

مالتی — کیا کسی نے تمھارا مال چرا لیا؟

منش — کسی نے نہیں، پرمیشور نے یہ دنڈ دیا ہے!

مالتی — کیا تم وہاں ننگے بیٹھے تھے ؟

منش — ہاں شیت کے مارے ٹھٹھر رہا تھا۔ مادھو نے دیکھ کر دیا کی، کوٹ پہنا کر مجھے یہاں لے آیا۔ تم نے ترس کھا کر مجھے بھوجن کھلا دیا۔ بھگوان تم دونوں کا بھلا کرے۔

مالتی نے ایک کُرتا اور دے دیا۔ رات کو جب وہ اپنے پتی کے پاس جا کر لیٹی تو یہ باتیں کرنے لگی۔

مالتی — سنتے ہو۔

مادھو — ہاں۔

مالتی — اَنّ تو چُک گیا۔ کل بھوجن کہاں سے کریں گے۔ شاید پڑوسن سے مانگنا پڑے۔

مادھو — جئیں گے تو اَنّ بھی کہیں سے مل ہی جائے گا۔

مالتی — وہ منش اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اپنا پتہ کیوں نہیں بتلاتا؟

مادھو — کیا جانوں۔ کوئی کارن ہوگا؟

مالتی — ہم اوروں کو دیتے ہیں پر ہم کو کوئی نہیں دیتا۔

مادھو نے اس کا کچھ اُتر نہ دیا۔ منہ پھیر کر سو گیا۔

۴

پراتہ کال ہوگیا۔ مادھو جاگا' بچّے ابھی سوئے پڑے تھے۔ مالتی پڑوسن سے اَنّ مانگنے گئی تھی۔ اجنبی منش بھومی پر بیٹھا آکاس کی اُور دیکھ رہا تھا۔ پرنتو اس کا مکھ اب پرسن تھا۔

مادھو — متر پیٹ روٹی مانگتا ہے، شریر وستر، اتیو کام کرنا آوشیک ہے۔ تم کوئی کام جانتے ہو؟

منش — میں کوئی کام نہیں جانتا۔

مادھو — ابھیاس بڑی وستو ہے۔ منش یدی چاہے تو سب کچھ سیکھ سکتا ہے۔

منش — میں سیکھنے کو تیار ہوں ۔ آپ سکھا دیجیے ۔

مادھو — تمھارا نام کیا ہے ؟

منش — میکو۔

مادھو — بھائی میکو، یدی تم اپنا حال سنانا نہیں چاہتے تو نہ سناؤ ' پرنتو کچھ کام اوشیہ کرو۔ جوتے بنانا سیکھ لو اور یہیں رہو ۔

میکو — بہت اچھا ۔

اب مادھو نے میکو کو سوت بانٹنا، اس پر موم چڑھانا، جوتے سینے آدی کام سکھانا شروع کر دیا ۔ میکو تین دن میں ہی ایسے جوتے بنانے لگا ' مانو سدا سے چمار کا ہی کام کرتا رہا ہو ۔ وہ گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا ۔ بولتا بھی بہت کم تھا ۔ اب تک وہ کیول ایک بار اس سمے ہنسا تھا، جب مالتی نے اسے بھوجن کرایا تھا ' پھر وہ کبھی نہیں ہنسا ۔

۵

دھیرے دھیرے ایک ورش بیت گیا ۔ چاروں اُور دھوم مچ گئی کہ مادھو کا نوکر میکو جیسا پکے مضبوط جوتے بناتا تھا ' دوسرا کوئی نہیں بناسکتا ۔ مادھو کے پاس بہت کام آنے لگا اور اس کی آمدنی بہت بڑھ گئی ۔

ایک دن مادھو اور میکو کام کررہے تھے کہ ایک گاڑی آئی۔ اس میں سے ایک دھنی پُروش اتر کر جھونپڑے کے پاس آیا۔ مالتی نے جھٹ سے کواڑ کھول دیا، وہ بھیتر آگیا ۔

مادھو نے اٹھ کر پرنام کیا ۔ اس نے ایسا سندر پُروش پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ وہ سویم دبلا تھا ۔ میکو اور بھی دبلا اور مالتی تو ہڈیوں کا پنجرا تھی۔ وہ پُروش تو کسی دوسرے ہی لوک کا واسی معلوم پڑتا تھا ۔ لال منہ' چوڑی چھاتی ' تنی ہوئی گردن' مانو سارا شریر لوہے میں ڈھلا ہوا ہو ۔

پُروش — تم میں استاد کون ہے ؟

مادھو — ہجور میں ۔

پُروش — (چمڑا دکھا کر) تم یہ چمڑا دیکھتے ہو؟

مادھو — ہاں ہجور ۔

پُروش — تم جانتے ہو کہ یہ کس جات کا چمڑا ہے؟

مادھو — مہاراج یہ چمڑا بہت اچھا ہے۔

پروش — اچھا ' مُورکھ کہیں کا! تم نے شاید ایسا چمڑا کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔ یہ جرمن دیش کا چمڑا ہے،اس کا مول بیس روپے ہے۔

مادھو — (بھے سے) بھلا مہاراج ایسا چمڑا کہاں سے دیکھ سکتا تھا؟

پُروش — اچھا تم اس کا بوٹ بنا سکتے ہو؟

پُروش — ہاں ہجور بنا سکتا ہوں۔

پُروش — ہاں ہجور کی بات نہیں، سمجھ لو کہ چمڑا کیسا ہے اور بنوانے والا کون ہے۔ یدی سال بھر کے اندر کوئی ٹانکا اُکھڑ گیا اتھوا جوتے کا روپ بگڑ گیا تو تجھے بندی خانہ جانا پڑے گا۔نہیں تو دس روپے مجوری ملے گی۔

مادھو نے میکو کی اُور کنکھیوں سے دیکھ کر دھیرے سے پوچھا کہ کام لے لوں۔ اس نے کہا۔ ہاں ! لے لو۔ مادھو ناپ لینے لگا۔

پُروش — دیکھو، ناپ ٹھیک لینا۔ بوٹ چھوٹا نہ پڑ جائے۔ (میکو کی طرف دیکھ کر) یہ کون ہے؟

مادھو — میرا کاریگر۔

پُروش — (میکو سے) ہو، ہو، دیکھو بوٹ ایک ورش چلنا چاہیے۔ پورا ایک ورش' کم نہیں۔میکو کا اس پُروش کی اُور دھیان ہی نہیں تھا۔ وہ کسی اور ہی دُھن میں مست بیٹھا ہنس رہا تھا۔

پُروش — (کرودھ سے) مُورکھ ! بات سنتا ہے کہ ہنستا ہے۔ دیکھو بوٹ بہت جلدی تیار کرنا۔ دیر نہ ہونے پائے۔

باہر نکلتے سے پُروش کا مستک دوار سے ٹکرا گیا۔ مادھو بولا — سر ہے کہ لوہا، کواڑ ہی توڑ ڈالا تھا۔

مالتی بولی — دھنوان ہی بلوان ہوتے ہیں۔ اس پُروش کو یمراج بھی ہاتھ نہیں لگا سکتا اور کی تو بات ہی کیا ہے؟

اس آدمی کے جانے کے بعد مادھو نے میکو سے کہا۔ بھائی کام تو لے لیا ہے، کوئی

جھگڑا نہ کھڑا ہوجائے ۔ چمڑا بہومولیہ ہے اور وہ آدمی بڑا کرودھی ہے، بھول نہ ہونی چاہیئے ۔ تمھارا ہاتھ صاف ہوگیا ہے ۔ بوٹ کاٹ تم دو، سی میں دوں گا ۔

میکو بوٹ کاٹنے لگا ۔ مالتی نتیہ اپنے پتی کو بوٹ کاٹتے دیکھا کرتی تھی۔ میکو کی کاٹ دیکھ کر چکرائی کہ وہ یہ کیا کررہا ہے ۔ شاید بڑے آدمیوں کے بوٹ اسی پرکار کاٹے جاتے ہوں ۔ یہ وچار کر چپ رہ گئی ۔

میکو نے چمڑا کاٹ کر دوپہر تک سلیپر تیار کرلیے ۔ مادھو جب بھوجن کر کے اٹھا تو دیکھتا کیا ہے کہ بوٹ کی جگہ سلیپر بنے رکھے ہیں ۔ وہ گھبرا گیا اور من میں کہنے لگا ۔اس میکو کو میرے ساتھ رہتے ایک ورش ہوگیا ۔ ایسی بھول تو اس نے بھی نہیں کی ۔ آج اسے کیا ہوگیا ۔ اس پُروش نے تو بوٹ بنانے کو کہا تھا اس نے تو سلیپر بنا ڈالے، اب اسے کیا اُتر دوں گا۔ ایسا چمڑا اور کہاں مل سکتا ہے (میکو سے) — مِتر۔ یہ تم نے کیا کیا ؟ اس نے تو بوٹ بنانے کو کہاں تھا نا ! اب میرے سر کے بال نہ بچیں گے ۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھی کہ دوار پر ایک آدمی نے آکر پکارا۔ مالتی نے کواڑ کھول دیئے ۔ یہ اس دھنی آدمی کا وہی نوکر تھا ، جو اس کے ساتھ یہاں آیا تھا ۔ اس نے آتے ہی کہا ۔ رام رام! تم نے بوٹ بنا تو نہیں ڈالے ؟

مادھو— ہاں بنا رہا ہوں ۔

نوکر— میرے سوامی کا دیہانت ہوگیا۔ اب بوٹ بنانا ویرتھ ہے ۔

مادھو— ارے !

نوکر— وہ تو گھر تک بھی پہنچنے نہیں پائے۔ گاڑی میں ہی پران تیاگ دیئے ۔ سوامنی نے کہا ہے کہ کہ اس چمڑے کے سلیپر بنادو ۔

مادھو— (پرسنّ ہوکر) یہ لو سلیپر۔

آدمی سلیپر لے کر چلتا بنا ۔

٦

میکو کو مادھو کے ساتھ رہتے رہتے چھ ورش بیت گئے ۔ اب تک وہ کیول دو بار ہنسا تھا، نہیں تو چپ چاپ بیٹھا اپنا کام کیے جاتا تھا۔ مادھو اس پر اَتی پرسنّ تھا اور ڈرتا رہتا تھا کہ کہیں بھاگ نہ جائے ' اس بھے سے مادھو نے اس سے پتہ وتہ کچھ نہیں پوچھا۔

ایک دن مالتی چولھے میں آگ جلا رہی تھی ۔ بالک آنگن میں کھیل رہے تھے کہ ایک بالک نے آ کر کہا، چاچا میکو! دیکھو وہ اِستری دو لڑکیاں سنگ لیے آ رہی ہیں ۔

میکو نے دیکھا کہ ایک اِستری چادر اوڑھے چھوٹی چھوٹی کنیائیں سنگ لیے چلی آ رہی ہے ۔ کنیاؤں کا ایک سا رنگ روپ ہے۔ بھید کیول یہ ہے کہ ان میں ایک لنگڑی ہے ۔ بڑھیا بھیتر آئی تو مادھو نے پوچھا ۔ مائی کیا کام ہے ؟

اس نے کہا — ان لڑکیوں کے جوتے بنادو ۔

مادھو بولا — بہت اچھا ۔

وہ ناپ لینے لگا تو دیکھا کہ میکو ان لڑکیوں کو اس پرکار تاک رہا ہے مانو پہلے کہیں دیکھا ہے ۔

بڑھیا — اس لڑکی کا ایک پاؤں لنجا ہے ، ایک ناپ اس کا لے لو ۔ باقی تین پیر ایک جیسے ہیں ۔ یہ لڑکیاں جڑواں ہیں ۔

مادھو — (ناپ لے کر) یہ لنگڑی کیسے ہوگئی ۔ کیا جنم سے ہی ایسی ہے ؟

بڑھیا — نہیں، اس کی ماتا نے ہی اس کی ٹانگ کچل دی تھی۔

مالتی — تو کیا تم اس کی ماتا نہیں ہو؟

بڑھیا — نہیں، بہن، نہ ان کی ماتا ہوں ، نہ سمبندھی ۔ یہ میری کنیائیں نہیں۔ میں نے انھیں پالا ہے ۔

مالتی — تس پر بھی تم انھیں بڑا پیار کرتی ہو؟

بڑھیا پیار کیوں نہ کروں۔ میں نے اپنا دودھ پلا پلا کر انھیں بڑا کیا ہے ۔ میرا اپنا بھی بالک تھا ۔ پرنتو اسے پرماتما نے لے لیا ۔ مجھے ان کے ساتھ اس سے بھی ادھک پریم ہے ۔

مالتی — تو یہ کس کی کنیائیں ہیں ؟

بڑھیا — چھ ورش ہوئے کہ ایک سپتاہ کے اندر ان کے ماتا پتا کا دیہانت ہوگیا ۔ پتا کی منگل کے دن مرتیو ہوئی ، ماتا کی شکروار کو ۔ پتا کے مرنے کے تین دن پیچھے یہ پیدا ہوئیں۔ ان کے ماں باپ میرے پڑوسی تھے ۔ ان کا پتا لکڑہارا تھا۔ جنگل میں لکڑیاں کاٹتے کاٹتے پیڑ کے نیچے دب کر مر گیا۔ اسی سپتاہ میں ان کا جنم ہوا۔ جنم ہوتے ہی ماتا بھی چل بسی۔ دوسرے دن جب میں ان سے ملنے گئی تو دیکھا کہ بیچاری مری پڑی ہے۔ مرتے سمے

کروٹ لیتے ہوئے اس کنیا کی ٹانگ اس کے نیچے دب گئی۔ گاؤں والوں نے اس کا داہ کرم کیا ۔ ان کے ماتا پتا رنک تھے، کوڑی پاس نہ تھی' سب لوگ سوچنے لگے کہ کنیاؤں کو کون پالے۔ اس سمے وہاں میری گود میں دو مہینے کا بالک تھا ۔ سب نے یہی کہا کہ جب تک کوئی پربندھ نہ ہو' تمھیں ان کو پالو میں نے انھیں سنبھال لیا۔ پہلے پہلے میں اس لنگڑی کو دودھ نہیں پلایا کرتی تھی' مگر پھر مجھے اس پر دیا آگئی اور اسے بھی دودھ پلانے لگی۔ اُس سمے پرماتما کی کرپا سے میری چھاتی میں اتنا دودھ تھا کہ تینوں بالکوں کو پلا کر بھی بہہ نکلتا تھا ۔ میرا بالک مر گیا۔ یہ دونوں پل گئیں ۔ میری دَشا اب پہلے سے بہت اچھی ہے ۔ میرا پتی ایک بڑے کارخانے میں نوکر ہے ۔ میں انھیں پیار کیسے نہ کروں ۔ یہ تو میرا جیون آدھار ہیں ۔

یہ کہہ کر بڑھیا نے دونوں لڑکیوں کو چھاتی سے لگالیا ۔

مالتی — ستیہ ہے ، منش ماتا پتا کے بنا جی سکتا ہے ۔ پرنتو ایشور کے بنا جیتا نہیں رہ سکتا ۔

یہ باتیں ہورہی تھیں کہ سارا جھونپڑا پرکاشت ہوگیا۔ سب نے دیکھا کہ میکو کونے میں بیٹھا ہنس رہا ہے۔

۷

بڑھیا لڑکیوں کو لے کر چلی گئی تو میکو نے اٹھ کر مادھو اور مالتی کو پرنام کیا اور بولا ۔ سوامی، میں اب وِداع ہوتا ہوں۔ پرماتما نے مجھ پر دیا کی، اگر کوئی بھول چوک ہوئی ہو تو چھما کرنا ۔

مادھو اور مالتی نے دیکھا کہ میکو کا شریر تیجومے ہو رہا ہے۔

مادھو دنڈوت کر کے بولا — میں جان گیا کہ تم سادھارن منش نہیں ۔ اب میں تمھیں نہیں رکھ سکتا، نہ کچھ پوچھ سکتا ہوں، کیول یہ بتادو کہ جب میں تمھیں اپنے گھر لایا تھا تو تم بہت اداس تھے۔ جب میری استری نے بھوجن دیا تو تم ہنسے ۔ جب وہ دھنی آدمی بوٹ بنوانے آیا تھا،تب تم ہنسے۔ آج لڑکیوں کے سنگ بڑھیا آئی ۔ تب تم ہنسے، یہ کیا بھید ہے ؟ تمھارے مکھ پر اتنا تیج کیوں ہے ؟

میکو— تیج کا کارن تو یہ ہے کہ پرماتما نے مجھ پر دیا کی ، میں اپنے کرموں کا پھل

بھوگ چکا ۔ ایشور نے تین باتوں کو سمجھانے کے لیے مجھے اس مرت لوک میں بھیجا تھا ، تینوں باتیں سمجھ گیا ۔ اس لیے میں تین بار ہنسا ۔ پہلی بار، جب تمھاری استری نے مجھے بھوجن دیا، دوسری بار، دھنی پُروش کے آنے پر، تیسری بار آج بڑھیا کی بات سن کر۔

مادھو— پرمیشور نے یہ دنڈ تمھیں کیوں دیا تھا ؟ وہ تین باتیں کون سی ہیں ۔ مجھے بھی بتلاؤ ؟

میکو— میں نے بھگوان کی آگیا نہ مانی تھی ، اس لیے دنڈ ملا تھا ۔ میں دیوتا ہوں۔ ایک سمے بھگوان نے مجھے ایک اِستری کی جان لینے کے لیے مرتیو لوک میں بھیجا ۔ جاکر دیکھتا ہوں کہ اِستری اتی دُربل ہے اور بھومی پر پڑی ہے۔ پاس ترنت کی جنمی دو جڑواں لڑکیاں رو رہی ہیں۔ مجھے یمراج کا دوت جان کر وہ بولی -- میرا پتی ورکش کے نیچے دب کر مرگیا ہے ۔ میرے نہ بہن ہے، نہ ماتا ۔ ان لڑکیوں کا کون پالن کرے گا ؟ میری جان نہ نکال، مجھے انھیں پال لینے دے ۔ بالک ماتا پتا بنا پل نہیں سکتا ۔ مجھے اس کی باتوں پر دیا آگئی ۔ یمراج کے پاس جا کر میں نے نویدن کیا کہ یمراج ! مجھے اِستری کی باتیں سن کر دیا آ گئی۔اس کی جڑواں لڑکیوں کو پالنے والا کوئی نہیں تھا،اس لیے میں نے اس کی جان نہیں نکالی،کیونکہ بالک ماتا پتا کے بنا نہیں پَل سکتا۔ یمراج بولے— جاؤ ابھی اس کی جان نکال لو اور جب تک یہ تین باتیں نہ جان لوگے کہ (۱) منش میں کیا رہتا ہے (۲) منش کو کیا نہیں ملتا (۳) منش کا جیون آدھار کیا ہے' تب تک تم سورگ میں نہ آنے پاؤگے ۔ میں نے مرتیو لوگ میں آکر استری کی جان نکال لی ۔ مرتے سمے کروٹ لیتے ہوئے اس نے ایک لڑکی کی ٹانگ کچل دی۔ میں سورگ کو اُڑا ، پرنتو آندھی آئی۔ میرے پنکھ اکھڑ گئے اور میں مندر کے پاس آگرا ۔

۸

اب مادھو اور مالتی سمجھ گئے کہ میکو کون ہے ۔ دونوں بڑے پرسن ہوئے کے اہو بھاگیہ ہم نے دیوتا کے درشن کیے ۔

میکو نے پھر کہا— جب تک منش میں شریر دھارن نہیں کیا تھا ۔ میں شیت' گرمی' بھوک' پیاس کا کشٹ نہ جانتا تھا ۔ پرنتو مرتیو لوک میں آنے پر پرکٹ ہوگیا کہ دکھ کیا وستو ہے ۔ میں بھوک اور جاڑے کا مارا مندر میں گھسنا چاہتا تھا لیکن مندر بند تھا ۔ میں ہوا کی آڑ

میں سڑک پر بیٹھ گیا ۔ سندھیا سے ایک منش آتا دکھائی دیا۔ مرتیو لوک میں جنم لینے پر یہ پہلا منش تھا جو میں نے دیکھا تھا اس کا مکھ ایسا بھینکر تھا کہ میں نے نیتر موند لیے ۔ اس کی اُور دیکھ نہ سکا ۔ وہ منش یہ کہہ رہا تھا کہ استری پتروں کا پالن پوشن کس بھانتی کرے ۔ وَستر کہاں سے لائے اتیادی' میں نے وچارا دیکھو میں تو بھوک اور شیت سے مر رہا ہوں یہ اپنا ہی رونا رو رہا ہے، میری کچھ سہایتا نہیں کرتا ۔وہ پاس سے نکل گیا ۔ میں نراش ہوگیا ۔ اتنے میں میرے پاس لوٹ آیا، اب دیا کے کارن اس کا مکھ سندر دکھنے لگا ۔ مادھو وہ منش تم تھے۔ جب تم مجھے گھر لائے، مالتی کا مکھ تم سے بھینکر تھا ۔ کیونکہ اس میں دیا کا لیش ماتر نہ تھا۔ پرنتو جب وہ دیالو ہوکر بھوجن لائی تو اس کی مکھ کی کٹھورتا جاتی رہی تب میں نے سمجھا کہ منش میں تتو وستو پریم ہے ۔ اس لیے پہلی بار ہنسا ۔

ایک ورش پیچھے وہ دھنی منش بوٗٹ بنوانے آیا ۔ اسے دیکھ کر میں اس کارن ہنسا کہ بوٗٹ تو ایک ورش کے لیے بنواتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ سندھیا ہونے سے پہلے مر جائے گا ۔ تب دوسری بات کا گیان ہوا کہ منش جو چاہتا ہے، اسے نہیں ملتا اور میں دوسری بار ہنسا ۔

چھ ورش پیچھے آج یہ بڑھیا آئی تو مجھے نشچے ہوگیا کہ سب کا جیون آدھار پرماتما ہے۔ دوسرا کوئی نہیں، اس لیے تیسری بار ہنسا ۔

۹

میکو پرکاش سروپ ہو رہا تھا۔ اس پر آنکھیں نہیں جمتی تھیں۔ وہ پھر کہنے لگا ۔ دیکھو پرانی ماتر پریم دوارا جیتے ہیں، کیول پوشن سے کوئی نہیں جی سکتا۔ وہ استری کیا جانتی تھی کہ اس کی لڑکیوں کو کون پالے گا۔ وہ دھنی پُروش کیا جانتا تھا کہ گاڑی میں ہی مر جاؤں گا،گھر پہنچنا کہاں! کون جانتا تھا کہ کل کیا ہوگا ۔ کپڑے کی ضرورت ہوگی کہ کفن کی ۔

منش شریر میں میں کیول اس کارن جیتا بچا کہ تم نے اور تمھاری استری نے مجھ سے پریم کیا۔ وہ اناتھ لڑکیاں اس کارن پلیں کہ ایک بڑھیا نے پریم وش ہوکر دودھ پلایا۔ مطلب یہ ہے کہ پرانی کیول اپنے جتن سے نہیں جی سکتے۔ پریم ہی انھیں جلاتا ہے۔ پہلے میں سمجھتا تھا کہ جیووں کا دھرم کیول جینا ہے، پرنتو جب نشچے ہوا کہ دھرم کیولِ جینا نہیں ،کنتو پریم بھاؤ سے جینا ہے۔ اسی کارن پرماتما کسی کو یہ نہیں بتلاتا کہ تمھیں کیا چاہیے ، بلکہ ہر ایک کو یہی

بتلاتا ہے کہ سب کے لیے کیا چاہیے۔ وہ چاہتا ہے کہ پرانی ماتر پریم سے ملے رہیں۔ مجھے وشواس ہو گیا کہ پرانوں کا آدھار پریم ہے، پریمی پُروش پرماتما میں اور پرماتما پریمی پُروش میں سدیو نواس کرتا ہے۔ سارانش یہ ہے کہ پریم اور پرمیشور میں کوئی بھید نہیں۔

یہ کہہ کر دیوتا سورگ لوک کو چلا گیا۔

ایک چنگاری گھر کو جلا دیتی ہے

ایک سے ایک گاؤں میں رحیم خاں نامک ایک مالدار کسان رہتا تھا۔ اس کے تین پُتر تھے' سب یووک اور کام کرنے میں چتُر تھے ۔سب سے بڑا بیاہا ہوا تھا ،منجھلا بیاہنے کو تھا، چھوٹا کنوارا تھا ۔ رحیم کی استری اور بہو چتُر اور سوشیل تھیں۔ گھر کے سبھی پُرانی اپنا اپنا کام کرتے تھے۔ کیول رحیم کا بوڑھا باپ دمّے کے روگ سے پیڑت ہونے کے کارن کچھ کام کاج نہ کرتا تھا ۔ سات برسوں سے وہ کیول کھاٹ پر پڑا رہتا تھا۔ رحیم کے پاس تین بیل، ایک گائے ، ایک بچھڑا، پندرہ بھیڑیں تھیں۔ اِستریاں کھیتی کے کام میں سہایتا کرتی تھیں۔ اناج مفت پیدا ہوجاتا تھا۔ رحیم اور اس کے بال بچے بڑے آرام سے رہتے، اگر پڑوسی کریم کے لنگڑے پُتر قادر کے ساتھ ان کا ایک ایسا جھگڑا نہ چھڑ گیا ہوتا۔ جس سے سکھ چین جاتا رہا تھا۔

جب تک بوڑھا کریم جیتا رہا اور رحیم کا پِتا گھر کا پربندھ کرتا رہا، کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ وہ بڑے پریم بھاؤ سے جیسا کہ پڑوسیوں سے ہونا چاہیے تھا، ایک دوسرے کی سہایتا کرتے رہے ۔لڑکوں کا گھروں کو سنبھالنا تھا کہ سب کچھ بدل گیا ۔ اب سنیے کہ جھگڑا کس بات پر چھڑا۔ رحیم کی بہو نے کچھ مرغیاں پال رکھی تھیں ۔ ایک مرغی نتیہ پشو شالا میں جاکر انڈا دیا کرتی تھی۔ بہو شام کو وہاں جاتی اور انڈا اٹھا لاتی ۔ ایک دن دیوگتی سے وہ مرغی بالکوں سے ڈر کر پڑوسی کے آنگن میں چلی گئی اور وہاں انڈا دے آئی۔ شام کو بہو نے پشوشالا میں جاکر دیکھا تو انڈا وہاں نہ تھا۔ ساس سے پوچھا، اسے کیا معلوم تھا۔ دیور بولا کہ مرغی پڑوسن کے آنگن میں کڑکڑا رہی تھی ،شاید وہاں انڈا دے آئی ہو ۔

بہو وہاں پہنچ کر انڈا کھوجنے لگی ۔بھیتر سے قادر کی ماتا نکل کر پوچھنے لگی۔ بہو کیا ہے؟

بہو — میری مرغی تمھارے آنگن میں انڈا دے گئی ہے۔' اسے کھوجتی ہوں ۔تم نے دیکھا ہوتو بتادو۔

قادر کی ماں نے کہا — میں نے نہیں دیکھا۔ کیا ہماری مرغیاں انڈے نہیں دیتیں کہ

ہم تمھارے انڈے بٹورتی پھریں گی۔ دوسروں کے گھر جاکر انڈے کھوجنے کی ہماری عادت نہیں۔

یہ سن کر بہو آگ ہوگئی، لگی بکنے۔ قادر کی ماں کچھ کم نہ تھی۔ ایک ایک بات کے سو سو اتر دینے۔ رحیم کی استری پانی لانے باہر نکلی تھی۔ گالی گلوچ کا شور سن کر وہ بھی آ پہنچی۔ ادھر سے قادر کی استری بھی دوڑ پڑی ۔اب سب کی سب اکٹھی ہوکر لگیں گالیاں بکنے اور لڑنے ۔قادر کھیت سے آرہا تھا، وہ بھی آکر مل گیا۔ اتنے میں رحیم بھی آپہنچا ۔ پورا مہابھارت ہوگیا۔اب دونوں گُتھ گئے۔ رحیم نے قادر کی داڑھی کے بال اُکھاڑ ڈالے۔ گاؤں والوں نے آکر بڑی مشکل سے انھیں چھڑایا پر قادر نے اپنی داڑھی کے بال اکھاڑ لیے اور حکیم پرگنہ کے اجلاس میں جاکر کہا— میں نے داڑھی اس لیے نہیں رکھی تھی جو یوں اُکھاڑی جائے ۔ رحیم سے ہرجانہ لیا جائے' پر رحیم کے بوڑھے پِتا نے اسے سمجھایا کہ بیٹا ایسی تُچھ بات پر لڑائی کرنا مُرکھتا نہیں تو کیا ہے۔ذرا وچار تو کرو ،سارا بکھیڑا صرف ایک انڈے سے پھیلا ہے۔ کون جانے شاید کسی بالک نے اٹھا لیا ہو اور پھر انڈا تھا کتنے کا ۔پرماتما سب کا پالن پوشن کرتا ہے۔ پڑوسی اگر گالی دے بھی دے تو کیا گالی کے بدلے گالی دے کر اپنی آتما کو ملین کرنا اُچیت ہے ؟ کبھی نہیں، خیر! اب تو جو ہونا تھا، وہ ہوہی گیا۔ اسے مٹانا اُچت ہے، بڑھانا ٹھیک نہیں۔ کرودھ پاپ کا مول ہے۔یاد رکھو ۔لڑائی بڑھانے سے تمھاری ہی ہانی ہوگی ۔

پرنتو بوڑھے کی بات پر کسی نے کان نہ دھرا۔ رحیم کہنے لگا کہ قادر کو دھن کا گھمنڈ ہے، میں کیا کسی کا دیا کھاتا ہوں۔ بڑے گھر نہ بھیج دیا تو کہنا ۔اس نے بھی نالش ٹھونک دی۔

یہ مقدمہ چل ہی رہا تھا کہ قادر کی گاڑی کی ایک کیل کھوگئی۔ اس کے پریوار والوں نے رحیم کے بڑے لڑکے پر چوری کی نالش کردی۔

اب کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ لڑائی نہ ہو ۔بڑوں کو دیکھ کر بالک بھی آپس میں لڑنے لگے۔ جب کبھی وستر دھونے کے لیے استریاں ندی پر اکٹھی ہوتی تھیں، تو سوائے لڑائی کے کچھ کام نہ کرتی تھیں۔

پہلے پہل تو گالی گلوچ پر ہی بس ہوجاتی تھی، پر اب وہ ایک دوسرے کا مال چرانے لگے۔ جینا درلبھ ہوگیا ۔ نیائے چکاتے چکاتے وہاں کے کرمچاری تھک گئے۔ کبھی قادر رحیم کو قید کرا دیتا، کبھی وہ اس کو بندی خانے بھجوا دیتا۔ کتوں کی بھانتی جتنا ہی لڑتے تھے، اتنا ہی

کرودھ بڑھتا تھا۔ چھ ورش تک یہی حال رہا۔ بوڑھے نے بہتیرا سر پٹکا کہ لڑکوں کیا کرتے ہو؟ بدلہ لینا چھوڑ دو ۔ بیر بھاؤ تیاگ کر اپنا کام کرو۔ دوسروں کو کشٹ دینے سے تمھاری ہی ہانی ہوگی۔ پرنتو کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگتی تھی ۔

ساتویں ورش گاؤں میں کسی کے گھر ویواہ تھا۔ استری پُروش جمع تھے، باتیں کرتے کرتے رحیم کی بہو نے قادر پر گھوڑا چرانے کا دوش لگایا۔ وہ آگ ہوگیا۔ اٹھ کر بہو کو ایسا مکاّ مارا کہ وہ سات دن تک چارپائی پر پڑی رہی۔ وہ اس سمے گربھوتی تھی۔ رحیم بڑا پرسن ہوا کہ اب کام بن گیا ۔گربھوتی استری کو مارنے کے اپرادھ میں بندی خانے نہ بھجوایا تو میرا نام رحیم نہیں۔ جھٹ جاکر نالش کردی ۔تحقیقات ہونے پرمعلوم ہوا کہ بہو کو کوئی بڑی چوٹ نہیں آئی، مقدمہ خارج ہوگیا ۔رحیم کب چپ رہنے والا تھا۔ اوپر کچہری میں گیا اور منشی کو گھوس دے کر قادر کو بیس کوڑے مارنے کا حکم لکھوا دیا۔

اس سمے قادر کچہری سے باہر کھڑا تھا ۔حکم سنتے ہی بولا — کوڑوں سے میری پیٹھ تو جلے گی ہی، پرنتو رحیم کو بھی بھسم کیے بنا نہ چھوڑوں گا۔

رحیم ترنت عدالت میں گیا اور بولا — حضور قادر میرا گھر جلانے کی دھمکی دیتا ہے۔ کئی آدمی گواہ ہیں۔

حاکم نے قادر کو بلا کر پوچھا کہ کیا بات ہے۔

قادر — سب جھوٹ ' میں نے کوئی دھمکی نہیں دی۔ آپ حاکم ہیں جو چاہیں سو کریں۔ پرکیا نیائے اسی کو کہتے ہیں کہ سچاّ مارا جائے اور جھوٹا چین کرے۔

قادر کی صورت دیکھ کر حاکم کو نشچے ہوگیا کہ وہ اوشیہ ہی رحیم کو کوئی نہ کوئی کشٹ دے گا۔ اس نے قادر کو سمجھاتے ہوئے کہا — دیکھو بھائی، بدھی سے کام لو ۔بھلا قادر' گربھوتی استری کو مارنا کیا ٹھیک تھا ؟ یہ تو ایشور کی بڑی کرپا ہوئی کہ چوٹ نہ آئی نہیں تو ' کیا جانے کیا ہوجاتا، تم ونے کرکے رحیم سے اپنا اپرادھ چھما کرالو۔ میں حکم بدل ڈالوں گا۔

منشی — دفع 117 (ایک سو سترہ) کے انوسار حکم نہیں بدلا جاسکتا۔

حاکم — چپ رہو ۔ پرماتما کو شانتی پریہ ہے۔اس کی آگیا کا پالن کرنا سب کا مکھیہ دھرم ہے۔

قادر بولا — حضور میری اوستھا اب پچاس ورش کی ہے ۔میرے ایک بیاہا ہوا پُتر بھی

کر کام چلتا تھا۔ یدی کوئی کسی اور کام میں لگا ہوتا تھا، تو دوسرا اس کے پشو چرا لاتا تھا۔ایک کو کسی وستو کی ضرورت ہوتی تھی تو دوسرا ترنت دے دیتا تھا۔ نہ کوئی لڑائی تھی، نہ کوئی جھگڑا، پریم پریت پُروک جیون ویتیت کرتا تھا۔اب؟ اب تو تم نے مہابھارت بنا رکھا ہے۔کیا اسی کا نام جیون ہے۔ ہائے ہائے یہ تم کیا پاپ کرم کر رہے ہو۔تم دھرم کے سوامی ہو۔ یمراج کے سامنے تمھیں اُتر دینا ہوگا۔ بالکوں اور اِستریوں کو تم کیا شکشا دے رہے ہو۔ گالی بکنا اور طعنے دینا! کل تاراوتی پڑوسن دھن دیوی کو گالیاں دے رہی تھی۔ اس کی ماتا پاس بیٹھی سن رہی تھی ۔ کیا یہی بھلمنسی ہے؟ کیا گالی کا بدلہ گالی ہونا چاہیے؟ نہیں بیٹا نہیں، مہا پُروشوں کا وچن ہے کہ کوئی تمھیں گالی دے تو سہہ لو۔وہ سوئیں پچھتائے گا۔یدی کوئی تمھارے گال پر ایک چپت مارے تو دوسرا گال اس کے سامنے کردو۔ وہ لجت اور نمر ہوکر تمھارا بھگت ہوجائے گا۔ ابھمان ہی سب دکھ کا کارن ہے۔تم چپ کیوں ہوگئے! کیا میں جھوٹ کہتا ہوں؟

رحیم چپ رہ گیا کچھ نہیں بولا ۔

بوڑھا— مہاتماؤں کا واکیہ کیا استیہ ہے، کبھی نہیں۔ اس کا ایک ایک اکشر پتھر کی لکیر ہے۔ اچھا تم اپنے اس جیون پر وچار کرو۔جب سے یہ مہابھارت آرمبھ ہوا ہے' تم سکھی ہو! ذرا حساب تو لگاؤ کہ ان مقدموں' وکیلوں اور جانے آنے میں کتنا روپیہ خرچ ہو چکا ہے۔ دیکھو تمھارے پُتر کیسے سندر اور بلوان ہیں، لیکن تمھاری آمدنی گھٹتی جاتی ہے۔کیوں تمھاری مُورکھتا سے' تمھیں چاہیے کہ لڑکوں سہت کھیتی کا کام کرو، پر تم پر تو لڑائی کا بھوت سوار ہے۔ وہ چین نہیں لینے دیتا۔ پچھلے سال جئی کیوں نہیں اُگی۔ اس لیے کہ سمے پر بوئی نہیں گئی۔مقدمے چلاؤ کہ جئی بوؤ۔ بیٹا اپنا کام کرو۔کھیتی باڑی کو سنبھالو۔ یدی کوئی کشٹ دے تو اسے چھما کر دو۔ پرماتما پرسن رہتا ہے ، ایسا کرنے پر تمھارا انتہ کرن شدھ ہو کر تمھیں آنند پراپت ہوگا۔

رحیم کچھ نہیں بولا ۔

بوڑھا — بیٹا اپنے بوڑھے مُورکھ پتا کا کہنا مانو۔جاؤ کچہری میں جاکر آپس میں راضی نامہ کرلو۔کل شبِ برات ہے۔قادر کے گھر جا کر اسے نمرتا پُروک نیوتا دو اور گھر والوں کو بھی یہی شکچھا دو کہ بیر چھوڑ کر آپس میں پریم بڑھائیں ۔

پِتا کی باتیں سن کر رحیم کے منِ میں وچار ہوا کہ پِتا جی سچ کہتے ہیں۔ اس لڑائی

ہے۔ آج تک میں نے کبھی کوڑے نہیں کھائے۔ میں اور اس سے چھما ؟ کبھی نہیں مانگ سکتا۔ وہ بھی مجھے یاد کرے گا۔

یہ کہہ کر قادر باہر چلا گیا۔

کچہری گاؤں سے سات میل پر تھی۔ رحیم کو گھر پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہوگیا۔ اس سے گھر پر کوئی نہ تھا۔ سب باہر گئے ہوئے تھے۔ رحیم بھیتر جاکر بیٹھ گیا اور وچار کرنے لگا۔ کوڑے لگنے کا حکم سن کر قادر کا مکھ کیسا اتر گیا تھا۔ بیچارا دیوار کی اُور منہ کرکے رونے لگا تھا۔ ہم اور وہ کتنے دن تک ایک ساتھ کھیلے ہیں۔ مجھے اس پر اتنا کرودھ نہ کرنا چاہیے تھا۔ یدی مجھے کوڑے مارنے کا حکم سنایا جاتا، تو میری کیا دشا ہوتی۔

اس پر اسے قادر پر دیا آئی۔ اتنے میں بوڑھے پتا نے آکر پوچھا— قادر کو کیا دنڈ ملا۔

رحیم— بیس کوڑے۔

بوڑھا— برا ہوا بیٹا، تم اچھا نہیں کرتے۔ ان باتوں میں قادر کی اتنی ہی ہانی ہوگی، جتنی تمھاری۔ بھلا' میں یہ پوچھتا ہوں کہ قادر پر کوڑے پڑنے سے تمھیں کیا لابھ ہوگا؟

رحیم— وہ پھر ایسا کام نہیں کرے گا۔

بوڑھا— کیا نہیں کرے گا' اس نے تم سے بڑھ کر کون سا بُرا کام کیا ہے؟

رحیم— واہ! واہ!! وچار تو کریں کہ اس نے مجھے کتنا کشٹ دیا ہے۔استری مرنے سے بچی اور گھر جلانے کی دھمکی دیتا ہے، تو کیا میں اس کا جس گاؤں؟

بوڑھا— (آہ بھر کر) بیٹا میں گھر میں پڑا رہتا ہوں اور تم سروتر گھومتے ہو۔ اس لیے تم مجھے مُورکھ سمجھتے ہو۔ لیکن دروہ نے تمھیں اندھا بنا رکھا ہے۔ دوسروں کے دوش تمھارے نیتروں کے سامنے ہیں۔ اپنے دوش پیٹھ پیچھے ہیں۔ بھلا، میں پوچھتا ہوں کہ قادر نے کیا کیا! ایک کے کرنے سے بھی کبھی لڑائی ہوا کرتی ہے ؟ کبھی نہیں' دو بنا لڑائی نہیں ہوسکتی۔ یدی تم شانت سوبھاؤ ہوتے، لڑائی کیسے ہوتی۔ بھلا، جواب تو دو۔اس کی داڑھی کے بال کس نے اکھاڑے ؟اس کا بھوسا کس نے چرایا؟ اسے عدالت میں کس نے گھسیٹا؟ تس پر سارے دوش قادر کے ماتھے ہی تھوپ رہے ہو۔ تم آپ برے ہو۔بس یہی سارے جھگڑے کی جڑ ہے۔کیا میں نے تمھیں یہی شکچھا دی ہے ؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اور قادر کا پتا کس پریم بھاؤ سے رہتے تھے۔ یدی کسی کے گھر میں اَنّ چُک جاتا تھا تو ایک دوسرے سے اُدھار لے

جھگڑے میں ہم مٹی میں مل جاتے ہیں، لیکن اس مہابھارت کو کس پرکار سماپت کروں۔ بوڑھا اس کی من کی بات جان کر بولا۔ بیٹا میں تمھارے من کی بات جان گیا۔لجا تیاگ دو۔ پرنتو جا کر قادر سے متر تا کرلو ۔ پھیلنے سے پہلے ہی چنگاری کو بجھا دینا اُچت ہے۔پھیل جانے پر کچھ نہیں بنتا۔

بوڑھا کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ استریاں کولاہل کرتی ہوئی بھیتر آگئیں۔ انھوں نے قادر کے دنڈ کا حال سن لیا تھا۔ حال میں پڑوسن سے لڑائی کرکے آئی تھیں۔ آکر کہنے لگیں کہ قادر یہ بھے دکھاتا ہے کہ میں نے گھوس دے کر حاکم کو اپنی اور کھینچ لیا ہے۔ رحیم کا سارا حال لکھ کر مہاراج کی سیوا میں بھیجنے کے لیے ونے پتر تیار کیا ہے۔ دیکھو، کیا مزا چکھاتا ہوں۔آدھی جائیداد نہ چھین لی تو بات ہی کیا ہے۔یہ سننا تھا کہ رحیم کے چت میں پھر آگ دہک اٹھی ۔

آشا ڑھی بونے کی ریتو تھی۔کرنے کو کام بہت تھا۔رحیم بھسول میں گیا اور پشوؤں کو بھوسا ڈال کر کچھ کام کرنے لگا ۔اس سے وہ پتا کی باتیں اور قادر کے ساتھ لڑائی سب کچھ بھولا ہوا تھا۔ رات کو گھر میں آکر آرام کرنا ہی چاہتا تھا کہ پاس سے شبد سنائی دیا۔ وہ دُشٹ بدھ کرنے ہی لگے ہے، جے کر کیا ہے گا۔ان شبدوں نے رحیم کو پاگل بنا دیا ۔وہ چپ چاپ کھڑا قادر کی گالیاں سنتا رہا۔ جب وہ چپ ہوگیا تو وہ گھر میں چلا گیا۔

بھیتر آکر دیکھا کہ بہو بیٹھی تاک رہی ہے۔ استری بھوجن بنا رہی ہے۔ بڑا لڑکا دودھ گرم کررہا ہے۔ منجھلا جھاڑو لگا رہا ہے۔چھوٹا بھینس چرانے باہر جانے کو تیار ہے۔سکھ کی یہ سب سامگری تھی، پرنتو پڑوسی کے ساتھ لڑائی کا دکھ سہا نہ جاتا تھا۔ وہ جلا گُڑھا بھیتر آیا۔اس کے کان میں پڑوسی کے شبد گونج رہے تھے ۔ اس نے سب سے لڑنا آرمبھ کیا۔ اتنے میں چھوٹا لڑکا بھینس چرانے باہر جانے لگا ۔رحیم بھی اس کے ساتھ باہر چلا آیا۔ لڑکا تو چل دیا۔ وہ اکیلا رہ گیا ۔رحیم من میں سوچنے لگا ۔ قادر بڑا دُشٹ ہے۔ ہوا چل رہی ہے،ایسا نہ ہو کہ پیچھے سے آکر آگ لگا کر بھاگ جائے۔ کیا اچھا ہو جب وہ آگ لگانے آئے، تب میں اسے پکڑ لوں ۔ بس پھر کبھی نہیں بچ سکتا' اوشیہ اسے بندی خانے جانا پڑے ۔

یہ وچار کرکے وہ گلی میں پہنچ گیا۔ سامنے اسے کوئی چیز ہلتی دکھائی دی ۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ قادر ہے، پر وہاں کچھ نہ تھا، چاروں اُور سناٹا تھا۔

تھوڑی دور آگے جاکر دیکھتا کیا ہے کہ پشو شالہ کے پاس ایک منش جلتا ہوا، پھوس کا پولا ہاتھ میں لیے کھڑا ہے۔دھیان سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ قادر ہے، پھر کیا تھا،زور سے دوڑا کہ اسے جاکر پکڑ لے۔

رحیم ابھی وہاں پہنچنے ہی نہ پایا تھا کہ چھپر میں آگ لگ گئی، اجالا ہونے پر قادر پرتیکچھ دکھائی دینے لگا۔ رحیم باز کی طرح جھپٹا ،لیکن قادر اس کی آہٹ پاکر چمپت ہوگیا۔

رحیم اس کے پیچھے دوڑا۔ اس کے کُرتے کا پلّہ ہاتھ میں آیا ہی تھا کہ وہ چھڑا کر پھر بھاگا۔ رحیم دھڑام سے پرتھوی پر گر پڑا۔ اٹھ کر پھر دوڑا۔اتنے میں قادر اپنے گھر پہنچ گیا۔ رحیم وہاں جاکر اسے پکڑنا چاہتا تھا کہ اس نے ایسا لٹھ مارا کہ رحیم چکّر کھاکر بے سدھ ہو دھرتی پر گر پڑا۔سدھ آنے پر اس نے دیکھا کہ قادر وہاں نہیں ہے، پھر کر دیکھتا ہے کہ پشوشالہ کا چھپر جل رہا ہے، جوالا پرچنڈ ہورہی ہے اور لپٹیں نکل رہی ہیں۔

رحیم سر پیٹ کر پکارنے لگا۔بھائیو' یہ کیا ہوا! ہائے، میرا ستیاناس ہوگیا۔ چلاّتے چلاّتے اس کا کنٹھ بیٹھ گیا۔ وہ دوڑنا چاہتا تھا، پرنتو اس کی ٹانگیں لڑکھڑا گئیں۔ وہ دھم سے دھرتی پر گر پڑا' پھر اٹھا گھر کے پاس پہنچتے پہنچتے آگ چاروں اُور پھیل گئی۔ اب کیا بن سکتا ہے؟ بھے سے پڑوسی بھی اپنا اسباب باہر پھینکنے لگے۔ وایو کے بیگ سے قادر کے گھر میں بھی آگ جا لگی۔ یہاں تک کہ آدھا گاؤں جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگیا۔رحیم اور قادر دونوں کا کچھ نہ بچا۔مرغیاں' ہل' گاڑی' پشو' وستر' اَن' بھوسا آدی سب کچھ سواہا ہوگیا۔ اتنا اچھا ہوا کہ کسی کی جان نہیں گئی۔

آگ رات بھر جلتی رہی۔ وہ کچھ اسباب اٹھانے بھیتر گیا۔ پرنتو جوالا ایسی پرچنڈ تھی کہ جا نہ سکا۔ اس کے کپڑے اور داڑھی کے بال جھلس گئے۔

پراتہ کال گاؤں کے چودھری کا بیٹا اس کے پاس آیا اور بولا — رحیم تمھارے پِتا کی دشا اچھی نہیں ہے۔ وہ تمھیں بلا رہے ہیں۔ رحیم تو پاگل ہورہا تھا۔بولا — کون پتا جی ؟

چودھری کا بیٹا — تمھارے پِتا۔ اسی آگ نے ان کا کام تمام کردیا ہے۔ ہم انھیں یہاں سے اٹھا کر اپنے گھر لے گئے تھے۔ اب وہ بچ نہیں سکتے۔چلو انتم بھینٹ کرلو۔

رحیم اس کے ساتھ ہولیا۔ وہاں پہنچنے پر چودھری نے بوڑھے کو خبر دی کہ رحیم آگیا ہے۔

بوڑھے نے رحیم کو اپنے نکٹ بلا کر کہا—بیٹا میں نے تم سے کیا کہا تھا۔ گاؤں کس نے جلایا ؟

رحیم — قادر نے۔ میں نے آپ اسے چھپر میں آگ لگاتے دیکھا تھا۔ یدی میں اسی سمے اسے پکڑ کر پولے کو پیروں تلے مل دیتا، تو آگ کبھی نہ لگتی۔

بوڑھا — رحیم، میرا انت سمے آ گیا۔ تم کو بھی ایک دن اوشیہ مرنا ہے، پر سچ بتلاؤ کہ دوش کس کا ہے؟

رحیم چپ ہوگیا۔

بوڑھا — بتاؤ، کچھ بولو تو' پھر یہ سب کس کی کرتوت ہے، کس کا دوش ہے؟

رحیم — (آنکھوں میں آنسو بھر کر) میرا! پتا جی چھما کیجیے میں خدا اور آپ دونوں کا اپرادھی ہوں۔

بوڑھا -- رحیم!

رحیم —ہاں' پتا جی۔

بوڑھا — جانتے ہو اب کیا کرنا اُچت ہے؟

رحیم — میں کیا جانوں: میرا تو اب گاؤں میں رہنا کٹھن ہے۔

بوڑھا —یدی تو پرمیشور کی آگیا مانے گا تو تجھے کوئی کشٹ نہ ہوگا۔ دیکھ یاد رکھ کسی سے نہ کہنا کہ آگ کس نے لگائی تھی، جو پُرش کسی کا ایک دوش چھما کرتا ہے، پرماتما اس کے دو دوش چھما کرتا ہے۔

یہ کہہ کر خدا کو یاد کرتے ہوئے بوڑھے نے پران تیاگ دیے۔

رحیم کا کرودھ شانت ہوگیا۔ اس نے کسی کو نہ بتلایا کہ آگ کس نے لگائی تھی، پہلے پہلے تو قادر ڈرتا رہا کہ رحیم کے چپ رہ جانے میں بھی کوئی بھید ہے، پھر کچھ دنوں پیچھے اسے وشواس ہوگیا کہ رحیم کے چت میں اب کوئی بیر بھاؤ نہیں رہا۔

بس، پھر کیا تھا۔ پریم میں شترو بھی مِتر ہوجاتے ہیں۔ وہ پاس پاس گھر بنا کر پڑوسیوں کی بھانتی رہنے لگے۔

رحیم اپنے پتا کا اپدیش کبھی نہ بھولتا تھا کہ پھیلنے سے پہلے ہی چنگاری کو بجھا دینا اُچت ہے۔ اب یدی کوئی کشٹ دیتا تو بدلہ لینے کی اِچھا نہیں کرتا۔ یدی کوئی اسے گالی دیتا تو سہن کر کے وہ یہ اپدیش کرتا کہ کُووچن بولنا اچھا نہیں۔ اپنے گھر کے پرانیوں کو بھی وہ یہی اُپدیش دیا کرتا۔ پہلے کی اپیکچھا اب اس کا جیون بڑا آنند پُروک کٹتا ہے۔

دو وِردھ پُرش

۱

ایک گاؤں میں ارجن اور موہن نام کے دو کسان رہتے تھے۔ارجن دھنی تھا ، موہن سادھارن پُروش تھا ۔ انھوں نے چرکال سے بدری نارائن کی یاترا کا ارادہ کر رکھا تھا ۔

ارجن بڑا سوشیل،ساہسی اور دِرڑھ تھا ۔ دو بار گاؤں کا چودھری رہ کر اس نے بڑا اچھا کام کیا تھا ۔اس کے دو لڑکے تتھا ایک پوتا تھا ۔ اس کی ساٹھ ورش کی اوستھا تھی، پرنتو داڑھی ابھی تک نہیں پکی تھی ۔

موہن پرسن بدن، دیالو اور ملنسار تھا ۔ اس کے دو پُتر تھے ۔ ایک گھر میں تھا، دوسرا باہر نوکری پر گیا ہوا تھا ۔ وہ خود گھر میں بیٹھا بیٹھا بڑھئی کا کام کرتا تھا ۔

بدری نارائن کی یاترا کا سنکلپ کیے انھیں بہت دن ہو چکے تھے ۔ ارجن کو چھٹی ہی نہیں ملتی تھی ۔ ایک کام سماپت ہوتا تھا کہ دوسرا آ کر گھیر لیتا تھا ۔ پہلے پوتے کا بیاہ کرنا تھا ۔ پھر چھوٹے لڑکے کا گونا آ گیا ۔ اس کے پیچھے مکان بننا پرارمبھ ہوگیا ۔ ایک دن باہر لکڑی پر بیٹھ کر دونوں بوڑھوں میں باتیں ہونے لگیں ۔

موہن — کیوں بھائی اب یاترا کرنے کا وچار کب ہے ؟

ارجن — ذرا ٹھہرو ۔ اب کی ورش اچھا نہیں لگا ۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ سو روپے میں مکان تیار ہو جائے گا ۔ تین سو روپے لگا چکے ہیں۔ ابھی دلی دور ہے ۔ اگلے ورش چلیں گے ۔

موہن — شبھ کاریہ میں دیری کرنا اچھا نہیں ہوتا ۔ میرے وچار میں تو ترنت چل دینا ہی اُچت ہے ۔ دن بہت اچھے ہیں ۔

ارجن — دن تو اچھے ہیں، پر مکان کا کیا کروں ۔ اسے کس پر چھوڑوں ؟

موہن — کیا کوئی سنبھالنے والا ہی نہیں ، بڑے لڑکے کو سونپ دو ۔

ارجن — اس کا کیا بھروسا ہے ۔

موہن — واہ واہ، بھلا بتاؤ تو کہ مرنے پر کون سنبھالے گا ؟ اس سے تو یہ اچھا ہے کہ

جیتے جی سنبھال لیں ۔ اور تم سکھ سے جیون وتیت کرو ۔

ارجن — یہ ستیہ ہے، پر کسی کام میں ہاتھ لگا کر اسے پورا کرنے کی اچھا سبھی کی ہوتی ہے ۔

موہن — تو کام کبھی پورا نہیں ہوتا ، کچھ نہ کچھ کسر رہ ہی جاتی ہے ۔ کل ہی کی بات ہے کہ رام نومی کے لیے استریاں کئی دن سے تیاری کر رہی تھیں ۔ کہیں لپائی ہوتی تھی کہیں آٹا پیسا جاتا تھا ۔ اتنے میں رام نومی آ پہنچی ۔ بہو بولی پرمیشور کی بڑی کرپا ہے کہ تہوار بنا بلائے ہی آ جاتے ہیں۔ نہیں تو ہم اپنی تیاری ہی کرتے رہیں ۔

ارجن — ایک بات اور ہے۔ اس مکان پر میرا بہت روپیہ خرچ ہوا ہے' اس سے روپے کا بھی توڑا ہے ۔ کم سے کم سو روپے تو ہوں ۔ نہیں تو یاترا کیسے ہوگی ۔

موہن — (ہنس کر) آہا ہا! جو جتنا دھنوان ہوتا ہے، وہ اتنا ہی کنگال ہوتا ہے ۔ تم اور روپے کی چنتا! جانے دو، میں سچ کہتا ہوں ۔ اس سے میرے پاس ایک سو روپے بھی نہیں، پرنتو جب چلنے کا نشچے ہو جائے گا تو روپیہ بھی کہیں نہ کہیں سے اوشیہ آ جائے گا ۔ بس یہ بتلاؤ کہ چلنا کب ہے ؟

ارجن — تم نے روپے جوڑ رکھے ہوں گے، نہیں تو کہاں سے آ جائے گا۔ بتلاؤ تو سہی ۔

موہن — کچھ گھر میں سے ، کچھ مال بیچ کر ، پڑوسی کچھ چوکھٹ آدی مول لینا چاہتا تھا ،اسے سستی دے دوں گا ۔

ارجن — سستی بیچنے پر پچھتاوا ہوگا ۔

موہن — میں سوائے پاپ کے اور کسی بات پر نہیں پچھتاتا ۔ آتما سے کون چیز پیاری ہے ۔

ارجن — یہ سب ٹھیک ہے، پرنتو گھر کے کام کاج بسرانا بھی اُچت نہیں ۔

موہن — اور آتما کو بسرانا تو اور بھی برا ہے ۔ جب کوئی بات من میں ٹھان لی تو اسے بنا پورا کیے نہ چھوڑنا چاہیے ۔

انت میں چلنا نشچے ہوگیا۔ چار دن پیچھے جب وِداع ہونے کا سمے آیا تو ارجن بڑے لڑکے کو سمجھانے لگا کہ مکان پر چھت اس پرکار ڈالنا' بھوسی' بکھار میں اس بھانتی جمع کردینا منڈی میں جاکر اناج اس بھاؤ سے بیچنا' روپے سنبھال کر رکھنا' ایسا نہ ہو کھو جاویں' گھر کا پربندھ ایسے رکھنا کہ کسی پرکار کی ہانی نہ ہونے پائے' اس کا سمجھانا سماپت ہی نہ ہوتا تھا۔

اس کے پرتی کَوَل موہن نے اپنی استری سے کیول اتنا ہی کہا کہ تم چتُر ہو' ساودھانی سے کام کرتی رہنا۔

موہن تو گھر سے پرسنّ مکھ باہر نکلا اور گاؤں چھوڑتے ہی گھر کے سارے بکھیڑے بھول گیا۔ ساتھی کو پرسنّ رکھنا، سکھ پُروک یاترا کر گھر لوٹ آنا اس کا منتویہ تھا۔ راہ چلتا تھا تو ایشور سمبندھی کوئی بھجن گاتا تھا یا کسی مہا پُروش کی کتھا کہتا، سڑک پر اتھوا سرائے میں، جس کسی سے بھینٹ ہو جاتی۔ اس سے بڑی نمرتا سے بولتا۔

ارجن بھی چپکے چپکے چل رہا تھا، پرنتو اس کا چِت ویاکُل تھا۔ سدیو گھر کی چنتا لگی رہتی تھی۔ لڑکا انجان ہے۔ کون جانے کیا کر بیٹھے۔ اَمُک بات کہنا بھول آیا۔ اوہو دیکھو، مکان کی چھت پڑتی ہے یا نہیں۔ یہی وچار اسے ہردم گھیرے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی لوٹ جانے کو تیار ہوجاتا تھا۔

۳

چلتے چلتے ایک مہینہ پیچھے وہ پہاڑ پر پہنچ گئے۔ پہاڑی بڑے اَتیتھی سیوک ہوتے ہیں۔ اب تک یہ مول کا اَنّ کھاتے رہے تھے۔ اب ان کی خاطر داری ہونے لگی۔

آگے چل کر وہ ایسے دیش میں پہنچے۔ جہاں دُرگھٹ اکال پڑ رہا تھا۔ کھیتیاں سب سوکھ گئی تھیں، اناج کا ایک دانا بھی نہیں اُگا تھا۔ دھنوان کنگال ہوگئے تھے' دھن ہین دیش کو چھوڑ کر بھیک مانگنے باہر بھاگ گئے تھے۔

یہاں انھیں کچھ کشٹ ہوا، اَنّ کم ملتا تھا اور وہ بھی بڑا مہنگا۔ رات کو انھوں نے ایک جگہ وشرام کیا۔ اگلے دن چلتے چلتے ایک گاؤں ملا۔ گاؤں کے باہر ایک جھونپڑا تھا۔ موہن

تھک گیا تھا' بولا — مجھے پیاس لگی ہے ۔تم چلو میں اس جھونپڑے سے پانی پی کر ابھی تمھیں آملتا ہوں ۔ ارجن بولا — اچھا پی آؤ ۔ میں دھیرے دھیرے چلتا ہوں ۔

جھونپڑے کے پاس آ موہن نے دیکھا کہ اس کے آگے دھوپ میں ایک منش پڑا ہے۔ موہن نے اس سے پانی مانگا' اس نے کوئی اُتر نہیں دیا۔ موہن نے سمجھا کہ کوئی روگی ہے ۔

سمیپ جانے پر جھونپڑے کے بھیتر ایک بالک کے رونے کا شبد سنائی دیا' کیواڑ کھلے ہوئے تھے' وہ بھیتر چلا گیا ۔

۴

اس نے دیکھا کہ ننگے سر کیول ایک چادر اوڑھے ایک بوڑھیا دھرتی پر بیٹھی ہے ، پاس میں بھوک کا مارا ہوا ایک بالک بیٹھا روٹی، روٹی، پکار رہا ہے ۔ چولھے کے پاس ایک استری تڑپ رہی ہے، اس کی آنکھیں بند ہیں، کنٹھ رکا ہوا ہے ۔

موہن کو دیکھ کر بڑھیا نے پوچھا ،تم کون ہو؟ کیا مانگتے ہو؟ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔

موہن — مجھے پیاس لگی ہے۔ پانی مانگتا ہوں ۔

بڑھیا — یہاں نہ کوئی برتن ہے، نہ کوئی لانے والا ۔یہاں کچھ نہیں ۔ جاؤ، اپنی راہ لو۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ باہر سے وہ منش بھی گرتا پڑتا بھیتر آیا اور بولا ۔ کال اور روگ دونوں نے ہمیں مار ڈالا ۔ یہ بالک کئی دن سے بھوکا ہے ۔کیا کروں؟ یہ کہہ کر رونے لگا اور اس کی ہچکی بندھ گئی ۔ موہن نے ترنت اپنے تھیلے میں سے روٹی نکال کر اس کے آگے رکھ دی۔

بڑھیا بولی — ان کے کنٹھ سوکھ گئے ہیں' باہر سے پانی لے آؤ ۔ موہن بڑھیا سے کنویں کا پتہ پوچھ کر باہر گیا اور پانی لے آیا۔ سب نے روٹی کھا کر پانی پیا ۔ پرنتو چولھے کے پاس والی استری تڑپتی رہی ۔ موہن گاؤں میں جاکر کچھ دال' چاول مول لے آیا اور کھچڑی پکا کر سب کو کھلائی ۔

۵

تب بڑھیا بولی — بھائی کیا سناؤں، نردھن تو ہم پہلے ہی تھے، اس پر پڑا اکال۔ ہماری اور بھی دُرگتی ہوگئی ۔ پہلے پہل تو پڑوسی انّ اُدھار دیتے تھے ۔ پرنتو وہ کیا کرتے ۔ وہ آپ بھوکوں مرنے لگے ، ہمیں کہاں سے دیتے ۔

منش نے کہا — میں مجوری کرنے نکلا ۔ دو تین دن تو کچھ ملا ، پھر کسی نے نوکر نہ رکھا، پھر بڑھیا اور لڑکی بھیک مانگنے لگیں ۔انّ کا اکال تھا، کوئی بھیک بھی نہ دیتا تھا۔ بہتیرے یتن کیے، کچھ نہ بن سکا ۔ بھوک کے مارے گھاس کھانے لگے ۔اسی کارن یہاں میری اِستری چولھے کے پاس پڑی تڑپ رہی ہے ۔

بڑھیا — پہلے کئی دنوں تک تو میں چل پھر کر کچھ دھندا کرتی رہی ۔ پرنتو کہاں تک ؟ بھوک اور روگ نے جان لے لی ۔ جو حال ہے، تم اپنے نیتروں سے دیکھ رہے ہو ۔

ان کی وِتھا سن کر موہن نے وِچارا کہ آج رات یہیں رہنا اُچت ہے۔ ساتھی سے کل مل لیں گے ۔

پراتہ کال اٹھ کر وہ گاؤں میں گیا اور کھانے پینے کی جنس لے آیا ۔ گھر میں کچھ نہ تھا ۔ وہ وہاں ٹھہر کر اس طرح کام کرنے لگا کہ مانو اپنا ہی گھر ہے ۔ دو تین دن پیچھے سب چلنے پھرنے لگے اور وہ استری اٹھ بیٹھی ۔

٦

چوتھے دن اِکادشی تھی ۔ موہن نے وِچارا کہ آج سندھیا کو ان سب کے ساتھ بیٹھ کر پھلاہار کر کے کل پراتہ کال چل دوں گا ۔

وہ گاؤں میں جاکر دودھ، پھل سب سامگری لاکر بڑھیا کو دے، آپ پوجا پاٹھ کرنے مندر میں چلا گیا ۔ ان لوگوں نے اپنی زمین ایک زمیندار کے یہاں گروی رکھ کر اکال کے سمے اپنا نرواہ کیا تھا ۔ موہن جب مندر گیا، تب کسان یووک زمیندار کے پاس پہنچا اور

ونے پروک بولا — چودھری جی ۔ اس سمے روپے دے کر کھیت چھڑانا میرے قابو کے باہر ہے۔ یدی آپ اس چوماسے مجھے کھیت بونے کی آگیا دے دیں' تو محنت مزدوری کر کے آپ کا رِن چکا سکتا ہوں ۔

پرنتو چودھری کب ماننا تھا ؟وہ بولا — بنا روپے دیے کھیت نہیں بو سکتے، جاؤ، ۔ اپنا کام کرو ، وہ نراش ہو کر گھر لوٹ آیا ۔ اتنے میں موہن بھی پہنچ گیا۔ زمیندار کی بات سن کر وہ من میں وچار کرنے لگا کہ جب یہ زمیندار کھیت نہیں بونے دیتا ، تو ان کسانوں کی پران رکشا کیا کرے گا ! یدی میں انھیں اسی دشا میں چھوڑ کر چل دیا' تو یہ سب کال کے کوَر بن جائیں گے، کل نہیں پرسوں جاؤں گا ۔

موہن اب بڑی دُوِدھا میں پڑا تھا' نہ رہتے ہی بنتا تھا، نہ جاتے ہی بنتا تھا ۔ رات کو پڑا پڑا سوچنے لگا ۔ یہ تو اچھا بکھیڑا پھیلا ۔ پہلے اَنّ پانی اور اب کھیت چھڑانا' پھر گائے اور بیلوں کی جوڑی مول لینا ۔ موہن تم کس جنجال میں پھنس گئے ؟

دل چاہتا تھا کہ وہ انھیں ایسے ہی چھوڑ کر چل دے' پرنتو دیا جانے نہ دیتی تھی ۔

سوچتے سوچتے آنکھ لگ گئی ۔ سوپن میں دیکھتا کیا ہے کہ وہ جانا چاہتا ہے' کسی نے اسے پکڑ لیا ہے ۔ لوٹ کر دیکھا تو بالک روٹی مانگ رہا ہے ۔ وہ ترنت اٹھ بیٹھا اور من میں کہنے لگا ' نہیں اب میں نہیں جاتا ۔ یہ سوپن مجھے سکھا دیتا ہے کہ مجھے ان کا کھیت چھڑانا گائے بیل مول لینا اور سارا پربندھ کر کے جانا اُچت ہے ۔

پراتہ کال اٹھ کر زمیندار کے پاس گیا اور روپیہ دے کر ان کا کھیت چھڑا دیا ۔ جب ایک کسان سے ایک گائے اور دو بیل مول لے کر لوٹ رہا تھا کہ راہ میں استریوں کو باتیں کرتے سنا ۔

بہن پہلے تو ہم انھیں سادھارن منش جانتے تھے ۔ وہ کیول پانی پینے آیا تھا' پر اب سنا ہے کہ کھیت چھڑانے اور گائے بیل مول لینے گیا ہے ۔ ایسے مہاتما کے درشن کرنے چاہیے۔ موہن اپنی استوتی سن کر وہاں سے ٹل گیا ۔ گائے بیل' لے کر جب جھونپڑے پر پہنچا تو کسان نے پوچھا — پتا جی، یہ کہاں سے لائے ؟

موہن — اَمُک کسان سے یہ بڑے سستے مل گئے ہیں ۔ جاؤ' پشو شالا میں باندھ کر اس کے آگے کچھ بھوسا ڈال دو ۔

اسی رات جب سب سوگئے، تو موہن چپکے سے اٹھ کر گھر سے باہر نکل بدری نارائن کی راہ لی۔

۷

تین میل چل کر موہن ایک ورکچھ کے نیچے بیٹھ کر بٹوہ نکال روپے گننے لگا تو تھوڑے ہی روپے باقی تھے۔ اس نے سوچا۔

اتنے روپے میں بدری نارائن پہنچنا اسمبھو ہے، بھیک مانگنا پاپ ہے۔ ارجن وہاں اوشیہ پہنچے گا اور آشا ہے کہ میرے نام پر کچھ چڑھاوا چڑھا ہی دے گا۔ میں تو اب اس جیون میں یہ یاترا کرنے کا سنکلپ پورا نہیں کر سکتا۔ اچھا پرماتما کی اچھا، وہ بڑا دیالو ہے۔ مجھ جیسے پاپیوں کو نسندیہہ چھما کر دے گا۔

یہ وِچار کر کے گاؤں کا چکّر کاٹ کر کہ کوئی دیکھ نہ لے، وہ گھر کی اُور لوٹ پڑا۔

گاؤں میں پہنچ جانے پر گھر والے اسے دیکھ کر اَتی پرسنّ ہوئے اور پوچھنے لگے کہ لوٹ کیوں آئے؟ موہن نے یہی اُتّر دیا کہ ارجن سے ساتھ چھوٹ گیا اور روپے چوری ہو گئے، اس کارن لوٹ آنا پڑا۔ گھر میں کوشل کشیم تھی۔ کوئی کشٹ نہ تھا۔

موہن کا آنا سن کر ارجن کے گھر والے اس سے پوچھنے لگے کہ ارجن کو کہاں چھوڑا ان سے بھی اس نے یہی کہا کہ بدری نارائن پہنچنے سے تین دن پہلے میں ارجن سے بچھڑ گیا۔ روپیہ کسی نے چرا لیا۔ بدری نارائن جانا اسمبھو تھا، مجھے لوٹنا ہی پڑا۔

سب لوگ موہن کی بدھی پر ہنسنے لگے کہ بدری نارائن پہنچا ہی نہیں، راستے میں روپے کھو دیے۔ موہن گھر کے دھندے میں لگ گیا، بات بیت گئی۔

۸

اب ادھر کا حال سنیے۔

موہن جب پانی پینے چلا گیا، تب تھوڑی دور جا کر ارجن بیٹھ گیا اور ساتھی کی باٹ دیکھنے لگا۔ سندھیا ہو گئی پر موہن نہ آیا۔

ارجن سوچنے لگا ' کیا ہوا ساتھی کیوں نہیں آیا ؟میری آنکھیں لگ گئی تھیں ۔ کہیں آگے نہ نکل گیا ہو ، پر یہاں سے جاتا تو دکھائی نہیں دیتا ؟ پیچھے لوٹ کر دیکھوں، کہیں آگے نہ چلا گیا ہو ۔ پھر تو ملنا ہی اسمبھو ہے ۔ آگے ہی چلو ؛ رات کو چٹی پر اوشیہ بھینٹ ہو جائے گی۔

راستے میں ارجن نے کئی منشیوں سے پوچھا کہ تم نے کوئی ناٹا سانولے رنگ کا آدمی دیکھا ہے ؟ پرنتو کچھ پتہ نہ چلا ۔ رات چٹی پر بھی موہن سے بھینٹ نہ ہوئی ۔ اگلے دن یہ وچار کرکے کہ وہ دیو پریاگ پر اوشیہ مل جائے گا ، وہ آگے چل دیا ۔

راستے میں ارجن کو ایک سادھو مل گیا ۔ وہ جگن ناتھ کی یاترا کرکے آیا تھا ۔ اب دوسری بار بدری نارائن کے درشن کو جارہا تھا ۔ رات کو چٹی میں وہ دونوں اکٹھے ہی رہے اور پھر ایک ساتھ یاترا کرنے لگے ۔

ڈیو پریاگ میں پہنچ کر ارجن نے موہن کے وشے میں پنڈے سے بہت پوچھ تاچھ کی، کچھ پتہ نہ چلا ۔ یہاں سب یاتری ایکتر ہوگئے ۔ دیو پریاگ سے آگے چل کر سب لوگ رات کو ایک چٹی میں ٹھہرے ۔ وہاں موسلادھار مینہہ برسنے لگا ۔ بجلی کی کڑک ، بادل کی گرج سے سب کانپ گئے ۔ ساری رات جاگتے کٹی ۔ تراہی تراہی کرتے دن نکلا ۔

انت کو دوپہر کے سمے سب لوگ بدری نارائن پہنچ گئے۔پنڈے دیو پریاگ سے ہی ساتھ ہو گئے تھے۔بدری نارائن میں یہی ریتی ہے کہ پہلے دن یاتریوں کو مندر کی اُور سے بھوجن کرایا جاتا ہے اور اسی دن یاتریوں کو انکا اتھوا چڑھاوا بتلا دینا پڑتا ہے کہ کون کتنا چڑھائے گا ، کم سے کم سوا روپیہ نیت ہے۔ اس سے تو سب نے پنڈوں کے گھروں میں جاکر وشرام کیا ۔ دوسرے دن پراتہ کال اٹھ کر درشن پرسن میں لگ گئے ۔ ارجن اور سادھو ایک ہی استھان میں ٹھہرے تھے ۔ سانجھ کی آرتی کے درشن کرکے لوٹ کر جب گھر آئے تب سادھو بولا کہ میرا تو کسی نے روپے کا بٹوا نکال لیا۔

۹

ارجن کے من میں یہ پاپ اُتپن ہوا کہ یہ سادھو جھوٹا ہے ۔ کسی نے اس کا روپیہ نہیں چرایا ۔ اس کے پاس روپیہ تھا ہی نہیں ۔

لیکن ترنت ہی اس کو پشچاتاپ ہوا کہ کسی پُروش کے وشے میں ایسی کلپنا کرنا مہاپاپ ہے ۔ اس نے من کو بہتیرا سمجھایا ۔ پرنتو اس کا دھیان اس سادھو میں ہی لگا رہا ۔ پوتر استھان میں رہنے پر بھی چت کی ملنتا دور نہیں ہوئی ۔ اتنے میں شَین کی آرتی کا گھنٹا بجا ۔ دونوں درشنارتھ مندر میں چلے گئے ۔ بھیڑ بہت تھی ۔ ارجن نیتر موند کر بھگوان کی استوتی کرنے لگا ، پرنتو ہاتھ بٹوؤں پر تھا ۔ کیونکہ سادھو کے روپے کھو جانے سے سنسکار چت میں پڑے ہوئے تھے ۔ انتہ کرن کا شدھ ہو جانا کیا کوئی سہج بات ہے ۔

۱۰

استوتی سماپت کر کے نیتر کھول کر، ارجن جب بھگوان کے درشن کرنے لگا ، تب دیکھتا کیا ہے کہ مورتی کے اتی سمیپ موہن کھڑا ہے۔ اے موہن! نہیں نہیں، موہن یہاں کیسے پہنچ سکتا ہے ؟ سارے راستے تو ڈھونڈتا آیا ہوں ۔

موہن کو ساشٹانگ دنڈوت کرتے دیکھ کر ارجن کو نشچے ہوگیا کہ موہن ہی ہے ۔ سیات کسی دوسری راہ سے یہاں آپہنچا ہے ۔ چلو، اچھا ہوا' ساتھی تو مل گیا ۔

آرتی ہوگئی ۔ یاتری باہر نکلنے لگے ، ارجن کا ہاتھ بٹوے پر تھا کہ کوئی روپے نہ چرا لے ۔ وہ موہن کو کھوجنے لگا ۔ پر اس کا کہیں پتہ نہیں چلا ۔

دوسرے دن پراتہ کال مندر میں جانے پر ارجن نے پھر دیکھا کہ موہن ہاتھ جوڑے بھگوان کے سمکھ کھڑا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ آگے بڑھ کر موہن کو پکڑ لے ۔ پرنتو جیوں ہی وہ آگے بڑھا ، موہن لوپ ہوگیا ۔

تیسرے دن بھی ارجن کو وہی درشیہ دکھائی دیا ۔ اس نے وِچارا کہ چل کر دوار پر کھڑے ہو جاؤں ۔ سب یاتری وہیں سے نکلیں گے ۔ وہیں موہن کو پکڑ لوں گا۔ اتیو اس نے ایسا ہی کیا ، لیکن سب یاتری نکل گئے ۔ موہن کا کہیں پتہ ہی نہیں ۔

ایک سپتاہ بدری نارائن میں نِواس کر کے ارجن گھر لوٹ پڑا ۔

۱۱

راہ چلتے ارجن کے چِت میں وہی پرانے گھر کے جھمیلے بار بار آنے لگے ۔ سال بھر

بہت ہوتا ہے ۔ اتنے دنوں میں گھر کی دشا نہ جانے کیا ہوئی ہو ۔ کہاوت ہے ۔ چھاتے لگے چھ ماس اور چھن میں ہوئے اجاڑ ۔ کون جانے لڑکے نے کیا کر چھوڑا ہو؟ فصل کیسی ہو؟ پشوؤں کا پالن پوشن ہوا ہے کہ نہیں؟

چلتے چلتے ارجن جب اس جھونپڑے کے پاس پہنچا ، جہاں موہن پانی پینے گیا تھا تو بھیتر سے ایک لڑکی نے آکر اس کا کرتا پکڑ لیا اور بولی ۔ بابا، بابا بھیتر چلو ۔

ارجن کرتا چھڑا کر جانا چاہتا تھا کہ بھیتر سے ایک اِستری بولی ۔ مہاشیہ! بھوجن کر کے راتری کو یہیں وِشرام کیجیے ،کل چلے جانا ۔ وہ اندر چلا گیا اور سوچنے لگا کہ موہن یہیں پانی پینے آیا تھا۔ سیات ان لوگوں سے اس کا کچھ پتہ چل جائے ۔

استری نے ارجن کے ہاتھ پیر دھلا کر بھوجن پروس دیا ۔ ارجن اس کو آشیش دینے لگا ۔

اِستری بولی — دادا ' ہم اَتیتھی سیوا کرنا کیا جانیں؟ یہ سب کچھ ہمیں ایک یاتری نے سکھایا ہے ۔ ہم پرماتما کو بھول گئے تھے، ہماری یہ دَشا ہوگئی تھی کہ یدی وہ بوڑھا یاتری نہ آتا تو ہم سب کے سب مر جاتے ۔ وہ یہاں پانی پینے آیا تھا، ہماری دُر دَشا دیکھ کر یہیں ٹھہر گیا۔ ہمارا کھیت رہن پڑا تھا ، وہ چھڑا دیا۔ گائے، بیل مول لے دیے اور سامگری جٹا کر ایک دن نہ جانے کہاں چلا گیا ۔

اتنے میں ایک بڑھیا آگئی اور یہ بات سن کر بول اٹھی — وہ منش نہیں تھا ' ساکچھات دیوتا تھا۔ اس نے ہمارے اوپر دَیا کی ' ہمارا اُدھار کر دیا ' نہیں تو ہم مر گئے ہوتے وہ پانی مانگنے آیا۔ میں نے کہا ' جاؤ ' یہاں پانی نہیں۔جب میں وہ بات اسمرن کرتی ہوں، تو میرا شریر کانپ اٹھتا ہے ۔

چھوٹی لڑکی بول اٹھی — اس نے اپنی کانور کھولی اور اس میں سے لوٹا نکالا ' کنوئیں کی اُور چلا ۔

اس طرح سب کے سب موہن کی چرچا کرنے لگے ۔رات کو کسان بھی آپہنچا اور وہی چرچا کرنے لگا ۔ نسندیہہ اس یاتری نے ہمیں جیون دان دیا ہے۔ ہم جان گئے کہ پرمیشور کیا ہے اور پروپکار کیا۔ وہ ہمیں پشوؤں سے منش بنا گیا ۔

ارجن نے اب سمجھا کہ بدری نارائن کے مندر میں موہن کے دکھائی دینے کا کارن کیا

تھا۔ اسے نشچے ہوگیا کہ موہن کی یاترا سپھل ہوئی۔

کچھ دنوں پیچھے ارجن گھر پہنچ گیا۔ لڑکا شراب پی کر مست پڑا تھا۔ گھر کا حال سب گڑ بڑ تھا، ارجن لڑکے کو ڈانٹنے لگا۔ لڑکے نے کہا— تو یاترا پر جانے کو کس نے کہا تھا؟ نہ جاتے، اس پر ارجن نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔

دوسرے دن ارجن جب چودھری سے ملنے جارہا تھا، تو راہ میں موہن کی اِستری مل گئی۔

استری — بھائی جی، کشل سے تو ہو؟ بدری نارائن ہو آئے؟

اَرجن — ہاں، ہو آیا۔ موہن مجھ سے راستے میں بچھڑ گئے تھے۔ کہو وہ کشل سے گھر تو پہنچ گئے؟

استری — انھیں آئے تو کئی مہینے ہوگئے۔ ان کے بنا ہم سب اداس رہا کرتے تھے۔ لڑکے کو تو گھر کاٹے کھاتا تھا، سوامی بنا گھر سونا ہوتا ہے۔

ارجن — گھر میں ہے یا کہیں باہر گئے ہیں؟

استری —نہیں، گھر میں ہیں۔

ارجن بھیتر چلا گیا اور موہن سے بولا— رام رام! بھیا موہن، رام رام !!

موہن— رام رام، آؤ بھائی، کہو درشن کر آئے!

ارجن — ہاں، کر تو آیا، پر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یاترا سپھل ہوئی، اتھوا نہیں۔ لوٹتے سمے میں اس جھونپڑے میں ٹھہرا تھا، جہاں تم پانی پینے گئے تھے۔

موہن نے بات ٹال دی اور ارجن بھی چپ ہوگیا، پرنتو اسے دِرڑھ وشواس ہوگیا کہ اُتّم ترتھ یاترا یہی ہے کہ پُروش جیون پریّنت پرتیک پرانی کے ساتھ پریم بھاؤ رکھ کر سدیو اُپکار میں تتپر رہے۔

پریم میں پرمیشور

کسی گاؤں میں مورت نام کا ایک بنیا رہتا تھا۔ سڑک پر اس کی چھوٹی سی دکان تھی۔وہاں رہتے اسے بہت کال ہوچکا تھا۔ اس لیے وہاں کے سب نواسیوں کوبھلی بھانتی جانتا تھا۔ وہ بڑا سدا چاری ،ستیہ وکتا ،ویوہارک اورسوشیل تھا۔ جوبات کہتا، اسے ضرور پورا کرتا ۔کبھی دھیلے بھر بھی کم نہ تولتا اور نہ گھی تیل ملا کر بیچتا۔ چیز اچھی نہ ہوتی، توگراہک کو صاف صاف کہہ دیتا ٬دھوکا نہ دیتا تھا۔

چوتھے پن میں وہ بھگوت بھجن کا پریمی ہوگیا تھا ۔اس کے اور بالک تو پہلے ہی مر چکے تھے٬ انت میں تین سال کا بالک چھوڑ کر اس کی استری بھی جاتی رہی ۔پہلے تو مورت نے سوچا٬ اسے نانیہال بھیج دوں، پر پھراسے بالک سے پریم ہوگیا۔ وہ سویم اس کا پالن کرنے لگا ۔اس کے جیون کا آدھار اب یہی بالک تھا۔ اسی کے لیے وہ رات دن کام کیا کرتا تھا۔ لیکن شاید سنتان کا سکھ اس کے بھاگیہ میں لکھا ہی نہ تھا ۔

پَل پلاکر بیس ورش کی اوستھا میں یہ بالک بھی یملوک کو سدھار گیا۔ اب مورت کے شوک کی کوئی سیما نہ تھی۔ اس کا وشواس ہل گیا، سدیو پرماتما کی نندا کر وہ کہا کرتا تھا کہ پرمیشور بڑا نردئی اور انیائی ہے ۔ مرنا بوڑھے کو چاہیے تھا، مار ڈالا، یووک کو۔ یہاں تک کہ اس نے ٹھاکر کے مندر میں جانا بھی چھوڑ دیا ۔

ایک دن اس کا پرانا متر، جو آٹھ ورش سے تیرتھ یاترا کو گیا ہوا تھا، اس سے ملنے آیا۔ مورت بولا متر دیکھو٬ سروناش ہوگیا ہے ۔ اب میرا جینا اکارتھ ہے ۔میں نتیہ پرماتما سے یہی وِنتی کرتا ہوں کہ وہ مجھے جلدی اس مرتیولوک سے اٹھالے، میں اب کس آشا پر جیوں!

متر — مورت٬ایسا مت کہو۔ پرمیشور کی اِچھا کو ہم نہیں جان سکتے ۔ وہ جو کرتا ہے ٹھیک کرتا ۔ پُتر کا مرجانا اور تمھارا جیتے رہنا وِدھاتا کے وَش ہے اور کوئی اس میں کیا کرسکتا

ہے ! تمھارے شوک کا مول کارن یہ ہے کہ تم اپنے سکھ میں سکھ مانتے ہو۔ پرائے سکھ سے سکھی نہیں ہوتے۔

مورت — تو میں کیا کروں ؟

متر — پرماتما کی نشکام بھگتی کرنے سے انتہ کرن شدھ ہوتا ہے۔ جب سب کام پرمیشور کو ارپن کر کے جیون ویتیت کروگے تو تمھیں پرمانند پراپت ہوگا۔

مورت — چِت اُستھر کرنے کا کوئی اُپائے تو بتلائیے۔

متر — گیتا، بھکت مالا دی گرنتھوں کا شرون، پاٹھن، منن کیا کرو۔ یہ گرنتھ دھرم، ارتھ، کام، موکش چاروں پھلوں کو دینے والے ہیں۔ ان کا پڑھنا آرمبھ کردو، چِت کو بڑی شانتی پراپت ہوگی۔

مورت نے ان گرنتھوں کو پڑھنا آرمبھ کیا، تھوڑے ہی دنوں میں اسے ان پستکوں سے اتنا پریم ہوگیا کہ رات کو بارہ بارہ بجے تک گیتا آدی پڑھتا اور اس کے اپدیشوں پر وچار کرتا رہتا تھا۔ پہلے تو وہ سوتے سمے چھوٹے پُتر کوا سمرن کر کے رویا کرتا تھا۔ اب سب بھول گیا۔ سدا پرماتما میں لولین رہ کر آنند پُروک اپنا جیون بتانے لگا۔ پہلے ادھر ادھر بیٹھ کر ہنسی ٹھٹھا بھی کرلیا کرتا تھا، پر اب وہ سمے ویرتھ نہ کھوتا تھا۔ یا تو دکان کا کام کرتا یا رامائن پڑھتا تھا۔ تاتپریہ یہ کہ اس کا جیون سدھر گیا۔

ایک رات رامائن پڑھتے پڑھتے اسے یہ چوپائیاں ملیں:۔

ایک پِتا کے وِپُل کمارا ہوئی پرتھک گن شیل اَچارا

کوئی پنڈت کوئی تاپس گیا تا کوئی دھنونت شوُر کوئی داتا—

کوئی سروگیہ دھرمرَت کوئی سب پر پِتہیں پریتی سم ہوئی

اکھِل وشو یہ مم اپجایا سب پر موہی برابر دایا

مورت پستک رکھ کر من میں وچارنے لگا کہ جب ایشور سب پرانیوں پر دیا کرتے ہیں، تو کیا مجھے سبھی پر دیا نہ کرنی چاہیے ؟ تت پشچات سُداما اور شبری کی کتھا پڑھ کر اس کے من میں یہ بھاوَ اتپن ہوا کہ کیا مجھے بھی بھگوان کے درشن ہو سکتے ہیں !

یہ وِچارتے وِچارتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ باہر سے کسی نے پکارا— مورت !

بولا — مورت ! دیکھ‘ یاد رکھ، میں کل تجھے درشن دوں گا۔

یہ سن کر وہ دکان سے باہر نکل آیا۔ وہ کون تھا ؟ وہ چکت ہوکر کہنے لگا، یہ سوپن ہے اتھوا جاگرتی۔ کچھ پتا نہ چلا۔ وہ دکان کے بھیتر جاکر سوگیا۔

دوسرے دن پراتہ کال اٹھ، پوجا پاٹھ کر دکان میں آ، بھوجن بنا، مورت اپنے کام دھندے میں لگ گیا۔ پرنتو اسے رات والی بات نہیں بھولتی تھی۔

راتری کو پالا پڑنے کے کارن سڑک پر برف کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ مورت اپنی دھن میں بیٹھا تھا۔ اتنے میں برف ہٹانے کو کوئی قلی آیا۔ مورت نے سمجھا کرشن چندر آتے ہیں، آنکھیں کھول کر دیکھا کہ بوڑھا لالو برف ہٹانے آیا ہے، ہنس کر کہنے لگا۔ آوے بوڑھا لالو اور میں سمجھوں کرشن بھگوان، واہ ری بدھی!

لالو برف ہٹانے لگا، بوڑھا آدمی تھا، شیت کے کارن برف نہ ہٹاسکا۔ تھک کر بیٹھ گیا اورشیت کے مارے کانپنے لگا۔ مورت نے سوچا کہ لالو کو ٹھنڈ لگ رہی ہے، اسے آگ تپا دوں۔

مورت — لالو بھیا، یہاں آؤ، تمھیں ٹھنڈ ستا رہی ہے۔ ہاتھ سینک لو۔

لالو دکان پر جاکر دھنیہ واد کرکے ہاتھ سینکنے لگا۔

مورت — بھائی، کوئی چنتا مت کرو۔ برف میں ہٹادیتا ہوں ۔تم بوڑھے ہو، ایسا نہ ہو کہ ٹھنڈ کھا جاؤ۔

لالو— تم کیا کسی کی باٹ دیکھ رہے تھے ؟

مورت — کیا کہوں' کہتے ہوئے لجا آتی ہے۔ رات میں نے ایک ایسا سوپن دیکھا ہے کہ اسے بھول نہیں سکتا۔ بھکت مال پڑھتے پڑھتے میری آنکھ لگ گئی۔ باہر سے کسی نے پکارا 'مورت' !میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر شبد ہوا'' 'مورت' ! میں تمھیں درشن دوں گا'' باہر جاکر دیکھتا ہوں تو وہاں کوئی نہیں۔میں بھکت مال میں سداما اورشبری کے چرتر پڑھ کر یہ جان چکا ہوں کہ بھگوان نے پریم وش ہوکر کس پرکار سادھارن جیوں کو درشن دیے ہیں ۔وہی ابھیاس بنا ہوا ہے۔ بیٹھا ہوا کرشن چندر کی راہ دیکھ رہا تھا کہ تم آگئے۔

لالو— جب تمھیں بھگوان سے پریم ہے تو اوشیہ درشن ہوں گے۔تم نے آگ نہ دی ہوتی، تو میں مرہی گیا تھا۔

مورت — واہ بھائی لالو، یہ بات ہی کیا ہے۔اس دکان کو اپنا گھر سمجھو۔ میں سدیو تمھاری سیوا کرنے کو تیار ہوں۔

لالو دھنیہ واد کر کے چل دیا۔ اس کے پیچھے دو سپاہی آئے۔ ان کے پیچھے ایک کسان آیا۔ پھر ایک روٹی والا آیا۔ سب اپنی راہ چلے گئے۔ پھر ایک استری آئی۔ وہ پھٹے پرانے وستر پہنے ہوئے تھی ۔اس کی گود میں ایک بالک تھا ۔دونوں شیت کے مارے کانپ رہے تھے۔

مورت — مائی، باہر ٹھنڈ میں کیوں کھڑی ہو؟ بالک کو جاڑا لگ رہا ہے، بھیتر آکر کپڑا اوڑھ لو ۔

استری بھیتر آئی، مورت نے اسے چولھے کے پاس بٹھایا اور بالک کو مٹھائی دی۔

مورت — مائی تم کون ہو؟

استری — میں ایک سپاہی کی استری ہوں۔ آٹھ مہینے سے نہ جانے کرمچاریوں نے میرے پتی کو کہاں بھیج دیا ہے، کچھ پتا نہیں لگتا۔ گربھوتی ہونے پر میں ایک جگہ رسوئی کا کام کرنے پر نوکر تھی۔ جیوں ہی یہ بالک اُتپن ہوا، انھوں نے اس بھے سے کہ دو جیووں کو انّ دینا پڑے گا، مجھے نکال دیا۔ تین مہینے سے ماری ماری پھرتی ہوں۔ کوئی ٹہلنی نہیں رکھتا۔ جو کچھ پاس تھا، سب بیچ کر کھا گئی۔ ادھر ساہوکارِن کے پاس جاتی ہوں ۔ سیات نوکر رکھ لے۔

مورت — تمھارے پاس کوئی اونی وستر نہیں ہے؟

استری — وستر کہاں سے ہو، چھدام بھی تو پاس نہیں ۔

مورت — یہ لو لوئی ،اسے اوڑھ لو۔

استری — بھگوان تمھارا بھلا کرے ۔تم نے بڑی دیا کی۔ بالک شیت کے مارے مرا جاتا تھا ۔

مورت — میں نے دیا کچھ نہیں کی۔ شری کرشن چندر کی اِچھا ہی ایسی ہے ۔

پھر مورت نے اِستری کو رات والا سوپن سنایا۔

استری — کیا اچرج ہے، درشن ہونا کوئی اسمبھو تو نہیں۔

استری کے چلے جانے پر سیب بیچنے والی آئی۔ اس کے سر پر سیبوں کی ٹوکری تھی اور پیٹھ پر اناج کی گٹھری۔ ٹوکری دھرتی پر رکھ، کھمبے کا سہارا لے کر وہ وِشرام کرنے لگی کہ ایک بالک ٹوکری میں سے سیب اٹھا کر بھاگا، سیب والی نے اسے دوڑ کر پکڑ لیا اور سر کے بال کھینچ کر مارنے لگی۔ بالک بولا -- میں نے سیب نہیں اٹھایا۔

مورت نے اٹھ کر بالک کو چھڑا دیا۔

مورت — مائی چھما کر بالک ہے۔

سیب والی بولی — یہ بالک بڑا اُتپاتی ہے، میں اسے دنڈ دیے بنا کبھی نہ چھوڑوں گی۔

مورت — مائی جانے دے۔ دَیا کر میں اسے سمجھا دوں گا، وہ ایسا کام پھر نہیں کرے گا۔ بڑھیا نے بالک کو چھوڑ دیا۔وہ بھاگنا چاہتا تھا کہ مورت نے اسے روکا اور کہا۔ بڑھیا سے اپنا اپرادھ چھما کراؤ اور پرتگیا کرو کہ چوری نہیں کروگے۔ میں نے آپ تمھیں سیب اٹھاتے ہوئے دیکھا،تم نے یہ جھوٹ کیوں کہا ؟

بالک نے رو کر بڑھیا سے اپنا اپرادھ چھما کرایا اور پرتگیا کی کہ پھر کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اس پر مورت نے اسے ایک سیب مول لے دیا۔

بڑھیا — واہ واہ، کیا کہنا ،اس پرکار تو تم گاؤں کے سمست بالکوں کا ستیاناس کرڈالو گے ۔یہ شکچھا ہے' اس طرح تو سب لڑکے شیر ہوجائیں گے۔

مورت — مائی یہ کیا کہتی ہو ! بدلا اور دنڈ دینا تو منش کا سوبھاؤ ہے۔ پرماتما کا نہیں، وہ دیالو ہے۔ یدی اس بالک کو ایک سیب چرانے کا کٹھن دنڈ ملنا اُچت ہے، تو ہم کو ہمارے اننت پاپوں کا کیا دنڈ ملنا چاہیے ؟ مائی، سنو' میں تمھیں ایک کہانی سناتا ہوں۔ ایک کرمچاری پر راجا کے دس ہزار روپے آتے تھے۔ اس کے بہت ونے کرنے پر راجا نے وہ رین چھوڑ دیا اس کرمچاری کی بھی اپنے سیوکوں سے سو سو روپے پاونے تھے، وہ انھیں بڑا کشٹ دینے لگا۔ انھوں نے بہتیرا کہا کہ ہمارے پاس پیسا نہیں، رین کہاں سے چکاویں۔کرمچاری نے ایک نہ سنی۔ وہ سب راجا کے پاس جاکر فریادی ہوئے' راجا نے اسی دم کرمچاری کو کٹھن دنڈ دیا۔ تاتپریہ یہ کہ ہم جیووں پر دیا نہیں کریں گے تو پرماتما بھی ہم پر دَیا نہیں کرے گا۔

بڑھیا — یہ ستیہ ہے، پرنتو ایسے برتاؤ سے بالک بگڑ جاتے ہیں۔

مورت — کداپی نہیں، ورنِ سدھرتے ہیں۔

بڑھیا ٹوکرا اٹھا کر چلنے لگی کہ اسی بالک نے آکر ونے کی کہ مائی ،یہ ٹوکرا تمھارے گھر تک میں پہنچا آتا ہوں۔

راتری ہونے پر مورت بھوجن کرنے کے بعد گیتا پاٹھ کر رہا تھا کہ اس کی آنکھ جھپکی اور اس نے یہ درشیہ دیکھا۔

مورت! مورت!!

مورت — کون ہو؟

میں — لالو، اتنا کہہ کر لالو ہنستا ہوا چلا گیا۔

پھر آواز آئی۔ میں ہوں۔ مورت دیکھتا ہے کہ دن والی استری لوئی اوڑھے، بالک کو گود میں لیے، سمکھ آکر کھڑی ہوئی اور ہنسی، اور لوپ ہوگئی۔ پھر شبد سنائی دیا۔ میں ہوں، دیکھا کہ سیب بیچنے والی اور بالک ہنستے ہنستے سامنے آئے اور انتردھان ہوگئے۔

مورت اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے وشواس ہوگیا کہ کرشن چندر کے دَرشن ہوگئے، کیونکہ پرانی ماتر پر دَیا کرنا ہی پرماتما کا درشن کرنا ہے۔

مُؤرکھ سُمنت

ایک سمے ایک گاؤں میں ایک دھنی کسان رہتا تھا۔ اس کے تین پُتر تھے۔ وجے سپاہی، تارا وَنک، سُمنت مؤرکھ۔ گونگی، بہری منورما نام کی ایک کنواری کنیا بھی تھی۔ وجے تو جاکر کسی راجا کی سینا میں بھرتی ہوگیا۔ تارا نے کسی پرسدھ نگر میں سوداگری کی کوٹھی کھول لی۔ مُرکھ سُمنت اور منورما ماتا پتا کے ساتھ رہ کر کھیتی کا کام کرنے لگے۔

وجے نے سینا میں اونچی پدوی پراپت کرکے ایک علاقہ مول لے لیا اور ایک مالدار پُرش کی کنیا سے ویواہ کرلیا۔ اس کی آمدنی کا کچھ ٹھکانا نہ تھا، پرنتو پھر بھی کچھ نہ بچتا تھا۔

وجے ایک سمے علاقے پر پہنچ کر کسانوں سے بٹائی مانگنے لگا۔ کسان بولے کہ مہاراج ہمارے پاس نہ بیل ہے، نہ ہل ہے، نہ بیج۔ بٹائی کہاں سے دیں؟ پہلے یہ سامگری جمع کردو، پھر آپ کو علاقے سے بہت اچھی آمدنی ہونے لگے گی۔ یہ سن کر وجے اپنے پتا کے پاس پہنچا اور بولا — پتا جی، اتنا دھنی ہونے پر بھی آپ نے میری کچھ سہایتا نہیں کی۔ میں نے سینا میں کام کیا اور راجا کو پرسن کر ایک علاقہ مول لیا۔ اس کے بندھن کے لیے دھن کی ضرورت ہے۔ میں تیسرے بھاگ کا حصے دار ہوں، اس لیے میرا بھاگ مجھے دے دیجیے کہ اپنا علاقہ ٹھیک کروں۔

پتا — بھلا میں پوچھتا ہوں کہ تم نے نوکری پر رہتے ہوئے کبھی کچھ دھن بھی بھیجا؟ سب کام سُمنت کرتا ہے۔ میری سمجھ میں تمھیں تیسرا بھاگ دینا سُمنت اور منورما کے ساتھ انیائے کرنا ہے۔

وجے — سُمنت تو مؤرکھ ہے، منورما گونگی اور بہری ہے۔ انھیں دھن کا کیا کام ہے۔ وہ دھن سے کیا لابھ اٹھا سکتے ہیں؟

پتا — اچھا سُمنت سے پوچھ لوں۔

پتا کے پوچھنے پر سُمنت نے پرسنتا پُروک یہی کہا کہ وجے کو اس کا تیسرا بھاگ دے

دینا چاہیے۔

وجے تیسرا بھاگ لے کر راجا کے پاس چلا گیا۔

تارا نے بھی بیوپار میں بہت دھن سنچے کر کے، ایک دھنی پُروش کی پُتری سے ویواہ کیا۔ پرنتو دھن کی لالسا پھر بھی بنی رہی۔ وہ بھی پِتا کے پاس آکر تیسرا بھاگ مانگنے لگا۔

پِتا — میں تمھیں ایک کوڑی بھی دینا نہیں چاہتا۔ وچارو تو تم نے سوداگری کی کوٹھی کھول کر اتنا دھن اکٹھا کیا، کبھی پِتا کو بھی پوچھا؟ یہاں جو کچھ ہے، سب سُمنت کی کمائی کا پھل ہے۔ اس کا پیٹ کاٹ کر تمھیں دے دینا انوچت ہے۔

تارا — مُورکھ سُمنت کو دھن لے کر کرنا ہی کیا ہے؟ آپ کے وِچار میں سُمنت جیسے مُرکھ سے کوئی بھی پُروش اپنی کنیا بیاہ دے گا؟ کداپی نہیں۔ رہی منورما، وہ گونگی اور بہری ہے۔ میں سُمنت سے پوچھ لیتا ہوں کہ وہ کیا کہتا ہے۔

تارا کے پوچھنے پر سُمنت نے تیسرا بھاگ دینا ترنت سویکار کر لیا اور تارا بھی اپنا بھاگ لے کر چمپت ہوا۔ سُمنت کے پاس جو کچھ سامان بچ رہا تھا' اسی سے کھیتی کا کام کر کے ماتا پِتا کی سیوا کرنے لگا۔

۲

یہ کوتک دیکھ کر اَدھرم بڑا دکھی ہوا کہ بھائیوں نے پریتی سَہت دھن بانٹ لیا۔ جوتی پیزار کچھ بھی نہ ہوئی۔ تین بھوتوں کو بلا کر کہنے لگا۔ دیکھو وجے، تارا، سُمنت تین بھائی ہیں۔ دھن بانٹنے سے انھیں آپس میں جھگڑا کرنا اُچت تھا، پرنتو مُرکھ سُمنت نے سب کام بگاڑ ڈالا۔ اسی کی موڑھتا سے تینوں بھائی آنند سے جیون ویتیت کر رہے ہیں۔ تم جاؤ اور ایک ایک کے پیچھے پڑ کر ایسا اُتپات مچاؤ کہ سب کے سب آپس میں لڑ مریں۔ دیکھنا بڑی چترائی سے کام کرنا۔

تینوں بھوت — دھرم اوتار! جو تینوں کو آپس میں لڑا لڑا کر مار نہ ڈالا، تو ہمارا نام دھرم راج کے بھوت ہی نہیں۔

ادھرم — واہ واہ، شاباش، جاؤ مگر جو بنا کام پورا کیے لوٹے تو کھال کھینچ لوں گا'

اتنا سمجھ لو۔

تینوں بھوت چل کر ایک جھیل کے کنارے بیٹھ گئے اور یہ نشچے کیا کہ کون کون کس کس بھائی کے پیچھے لگے اور ساتھ ہی نیم باندھ دیا کہ جس بھوت کا کاریہ پہلے سماپت ہوجائے، وہ ترنت دوسرے بھوتوں کی سہایتا کرے۔

کچھ دن پیچھے وہ تینوں پھر اسی جھیل پر جمع ہوئے اور اپنی اپنی کتھا کہنے لگے۔

پہلا — بھائی صاحب' میرا کام تو بن گیا۔ وجے بھاگ کر پتا کی شرن لینے کے سوائے اب اور کچھ نہیں کرسکتا۔

دوسرا — بتاؤ تو اسے کیسے پھانسا؟

پہلا — میں نے وجے کو اتنا گھمنڈی بنا دیا کہ وہ ایک دن راجا سے کہنے لگا کہ مہاراج یدی آپ مجھے سیناپتی کی پدوی پر نیوکت کردیں' تو میں آپ کو سارے جگت کا چکرورتی راجا بنا دوں۔ راجا نے اسے ترنت سیناپتی بنا کر آگیا دی کہ لنکا کے راجا کو پراجت کردو۔ بس پھر کیا تھا، لگی یدھ کی تیاریاں ہونے۔ لڑائی چھڑنے سے ایک رات پہلے میں نے وجے کا سارا بارود گیلا کردیا۔ اُدھر لنکا کے راجا کے لیے گھاس کے ان گنت سپاہی بنا دیے۔ دونوں سیناؤں کے سمکھ ہونے پر وجے کے سپاہیوں نے گھاس کے بنے ہوئے اننت یودھاؤں کو دیکھا تو ان کے چھکّے چھوٹ گئے۔ وجے نے گولے پھینکنے کا حکم دیا۔ بارود گیلی ہو ہی چکی تھی، توپیں آگ کہاں سے دیتیں؟ پھل یہ ہوا کہ وجے کی سینا کو بھاگنا ہی پڑا۔ راجا نے کرودھ کرکے اس کا بڑا اپمان کیا۔اس کا علاقہ چھن گیا، اس سمے وہ بندی خانے میں قید ہے۔کیول یہ کام شیش رہ گیا کہ اسے بندی خانے سے نکال کر اس کے پتا کے گھر پہنچادوں، پھر چھٹی ہے۔ جو چاہے اس کی سہایتا کے لیے تیار ہوں۔

دوسرا — میرا کاریہ بھی سِدھ ہوگیا ہے۔ تمھاری سہایتا کی کوئی آوشیکتا نہیں۔تارا کو پہلے تو موٹا کرکے آلسی بنایا، پھر اتنا لوبھی بنا دیا کہ وہ سنسار بھر کا مال لے لے کر کوٹھری بھرنے لگا، اس کا سب دھن خرچ ہوگیا اور اب اُدھار روپے لے کر مال لے رہا ہے۔ ایک سپتاہ میں اس کا سب مال ستیاناس کردونگا اور تب اسے سوائے پتا کی شرن جانے کے اور کوئی اُپائے نہ رہے گا۔

تیسرا — بھائی ہمارا حال تو بڑا پتلا ہے، پہلے میں نے سُمنت کے پینے کے پانی میں

پیٹ میں درد اتپن کرنے والی بوٹی ملائی، پھر کھیت میں جاکر دھرتی کو ایسا کڑا کردیا کہ اس پر ہل نہ چل سکے۔ میں سمجھتا تھا کہ پیڑا کے کارن وہ کھیت باہنے نہ آئے گا۔ پرنتو وہ تو بڑا ہی موڑھ ہے، آیا اور ہل چلانے لگا۔ ہائے ہائے کرتا جاتا تھا، پرنتو ہل ہاتھ سے نہ چھوڑتا تھا۔ میں نے ہل توڑ دیا، پر وہ گھر جاکر دوسرا لے آیا۔ میں نے دھرتی میں گھس کر ہل کی آنی پکڑ لی، اس نے ایسا دھکا مارا کہ میرے ہاتھ کٹتے کٹتے بچے۔ اس نے کیول ایک ٹکڑے کے سوائے باقی سارا کھیت باہ لیا ہے۔ یدی تم میری سہایتا نہ کروگے تو سارا کھیل بگڑ جائے گا، کیونکہ یدی وہ اس پرکار کھیتوں کو باہتا اور بوتا رہا، تو اس کے بھائی بھوکے نہیں مر سکتے، پھر بیر بھاؤ کس بھانتی اتپن ہوسکتا ہے؟ سکھ پروک ان کا پالن پوشن کرتا رہے گا۔

پہلا — کچھ چنتا نہیں۔ دیکھا جائے گا۔ گھبراؤ نہیں کل۔ اوشیہ تمھارے پاس آؤں گا۔

۳

سُمنت ہل چلا رہا تھا، اچانک پیر ایک جھاڑی میں پھنس گیا۔ اسے اچنبھا ہوا کہ کھیت میں تو کوئی جھاڑی نہ تھی۔ یہ کہاں سے آئی، بات یہ تھی کہ بھوت نے جھاڑی بنا کر سُمنت کی ٹانگ پکڑ لی تھی۔

سُمنت نے ہاتھ ڈال کر جھاڑی کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا، دیکھا تو اس میں کالے رنگ کا بھوت بیٹھا ہوا ہے۔

سُمنت (گلا دبا کر) بولا — دباؤں گلا؟

بھوت — مجھے چھوڑ دو۔ مجھ سے جو کہوگے، وہی کروں گا۔

سُمنت — تم کیا کرسکتے ہو؟

بھوت — سب کچھ۔

سُمنت — میرے پیٹ میں درد ہورہا ہے، اسے اچھا کردو۔

بھوت — بہت اچھا۔

بھوت نے دھرتی میں سے تین بوٹیاں لاکر ایک بوٹی سُمنت کو کھلا دی۔ درد بند ہوگیا اور دوسری دو بوٹیاں سُمنت کو دے کر بولا — جس کو ایک بوٹی کھلا دوگے، اس کے سب روگ

تنکال دور ہوجائیں گے۔ اب مجھے جانے کی آگیا دو۔ میں پھر کبھی نہیں آؤں گا۔

سُمنت — ہاں جاؤ، پرماتما تمھارا بھلا کرے ۔

پرماتما کا نام سنتے ہی بھوت رساتل چلا گیا۔ کیول وہاں ایک چھید رہ گیا۔

سُمنت نے دوسری دو بوٹیاں پگڑی میں باندھ لیں اور گھر چلا آیا، دیکھا کہ وجے اور اس کی استری آئے ہوئے ہیں۔ بڑا پرسن ہوا۔

وجے بولا — بھائی سُمنت! جب تک مجھے نوکری نہ ملے، ہم دونوں کو یہاں رکھ سکتے ہو؟

سُمنت — کیوں نہیں آپ کا گھر ہے۔ آپ یہاں آنند سے رہیے ۔

بھوج کرتے سمے وجے کی سھیہ استری پتی سے بولی کہ سُمنت کے شریر سے مجھے درگندھ آتی ہے' اسے باہر بھیج دو۔

وجے — سُمنت 'میری استری کہتی ہے کہ تمھارے شریر سے درگندھ آتی ہے۔ پاس بیٹھا نہیں جاتا۔ تم باہر جاکر بھوجن کرلو۔

سُمنت — بہت اچھا' تمھیں کشٹ نہ ہو۔

۴

دوسرے دن وجے والا بھوت کھیت میں آکر سُمنت والے بھوت کو کھوجنے لگا۔ کہیں پتا نہیں ملا ، کھیت کے ایک کونے پر چھید دکھائی دیا ۔

بھوت جان گیا کہ ساتھی کام آیا اور کھیت جوت چکا۔ کیا ہوا' چراور میں چل کر اس مؤرکھ کو دیکھتا ہوں۔ سُمنت کے چراور میں پہنچ کر اس نے اتنا پانی چھوڑا کہ ساری گھاس اس میں ڈوب گئی۔

اتنے میں سُمنت وہاں آکر ہنسوے سے گھاس کاٹنے لگا۔ ہنسوئے کا منہ مڑ گیا، گھاس کسی طرح نہ کٹتی تھی۔ سُمنت نے سوچا کہ اب یہاں وِرتھ سمے گنوانے سے کیا لابھ ہوگا' پہلے ہنسوا تیز کرنا چاہیے۔ رہا کام' یہ تو میرا دھرم ہے' ایک سپتاہ کیوں نہ لگ جائے' میں گھاس کاٹے بنا یہاں سے چلا جاؤں ۔میرا نام سُمنت نہیں۔

سُمنت گھر جاکر ہنسوا ٹھیک کرلایا۔ بھوت نے ہنسوا کو پکڑنے کا ساہس کیا۔ پرنتو پکڑ نہ سکا، کیونکہ سُمنت لگاتار گھاس کاٹے جاتا تھا جب کیول گھاس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا شیش رہ

گیا تو بھوت بھاگ کر اس میں جا چھپا۔

سُمنت کب رکنے والا تھا، وہ وہاں پہنچ کر گھاس کاٹنے لگا۔ بھوت وہاں سے بھاگا' بھاگتے سے اس کی پونچھ کٹ گئی۔

بھوت نے وِچارا کہ چلو جئی کے کھیتوں میں چلیں' دیکھیں جئی کیسے کاٹتا ہے۔ وہاں جاکر دیکھا تو جئی کٹی پڑی ہے۔

بھوت نے وچار کیا کہ یہ مُورکھ بڑا چنڈال ہے۔ دن نکلنے نہیں دیا۔ رات رات میں ساری جئی کاٹ ڈالی۔ یہ دشٹ تو رات کو بھی کام میں لگا رہتا ہے۔ اچھا کھلیان میں چل کر اس کا بھوسا سڑاتا ہوں۔

بھوت بھاگ کر چری میں چھپ گیا۔ سُمنت گاڑی لے کر چری لادنے کے لیے کھلیان میں پہنچا۔ ایک ایک پولی اُٹھا کر گاڑی میں رکھنے لگا کہ ایک پولا میں سے بھوت نکل پڑا۔

سُمنت — ارے دُشٹ تو پھر آیا؟

بھوت — میں دوسرا ہوں، پہلا میرا بھائی تھا۔

سُمنت — کوئی ہو، اب جانے نہ پاؤگے۔

بھوت — کرپا کرکے مجھے چھوڑ دیجیے۔آپ جو آگیا دیں، وہی کرنے کو تیار ہوں۔

سُمنت — تم کیا کر سکتے ہو؟

بھوت — میں بھوسے کے سپاہی بنا سکتا ہوں۔

سُمنت — سپاہی کیا کام دیتے ہیں؟

بھوت — تم ان سے جو چاہو، سو کام کرا سکتے ہو۔

سُمنت — وہ گانا گا سکتے ہیں؟

بھوت — کیوں نہیں!

سُمنت — اچھا بناؤ۔

بھوت — تم چری کے پولے لے کر یہ منتر پڑھو۔ ''ہے پولے میری آگیا سے سپاہی بن جا'' اور پھر پولے کو دھرتی پر مارو، سپاہی بن جائے گا۔

سُمنت نے ویسا ہی کیا۔ پولے سپاہی بننے لگے۔ یہاں تک کہ پوری پلٹن بن گئی اور

مرو باجا بجنے لگا۔

سُمنت (ہنس کر) — واہ! بھائی واہ ! یہ توخوب تماشا ہے' اسے دیکھ کر بالک بہت پرسن ہوں گے۔

بھوت — آ گیا ہے'اب جاؤ۔

سُمنت — نہیں' ابھی مجھے پھر پولے بنا دینے کا منتر بھی سکھادو،نہیں تو یہ ہمارا سارا اناج ہی چٹ کرجائیں گے۔

بھوت — بس' یہ منتر پڑھو' ہے سپاہی، میرے سیوک، میری آ گیا سے پھر پولے بن جاؤ۔ تب یہ سب پھر سے پولے بن جائیں گے۔

سُمنت نے منتر پڑھا۔ سب کے سب پولے بن گئے۔

اب جاؤں؟ آ گیا ہے۔

سُمنت — ہاں جاؤ، بھگوان تم پردیا کرے۔

بھگوان کا نام سنتے ہی بھوت دھرتی میں سما گیا۔ پہلے کے بھانتی ایک چھید شیش رہ گیا۔

سُمنت جب گھر لوٹا تو دیکھا کہ استری سہت منجھلا بھائی تارا بھاگ کر آیا ہوا ہے۔ وہ سُمنت سے بولا — بھائی سُمنت، لین داروں کے ڈر سے تمھارے پاس آئے ہیں۔ جب تک کوئی روزگار نہ کریں' یہاں ٹھہر سکتے ہیں کہ نہیں ؟

سُمنت — کیوں نہیں۔گھر کس کا اور میں کس کا؟ آنند سے رہیے۔

بھوجن پرسے جانے پر تارا کی استری نے تارا سے کہا کہ میں گنوار کے پاس بیٹھ کر بھوجن نہیں کرسکتی۔

تارا — بھائی سُمنت، میری استری تم سے گھن کرتی ہے۔ باہر جا کر بھوجن کرلو۔

سُمنت — اچھی بات ہے۔آپ کا چِت پرسن چاہیے۔

۵

دوسرے دن تارا والا بھوت سُمنت کو دکھ دینے کے واسطے کھیت میں پہنچ کر ساتھیوں کو ڈھونڈنے لگا پر کسی کا پتا نہ چلا۔ کھوجتے کھوجتے ایک چھید تو کھیت کے کونے میں ملا، دوسرا کھلیان میں۔ اسے معلوم ہوگیا کہ دونوں کے دونوں یملوک جا پہنچے۔ اب مجھی سے اس مُرکھ کی

بنے گی۔ دیکھوں کہاں بچ کر جاتا ہے۔

اتیو وہ سُمنت کی کھوج لگانے لگا۔ سُمنت اس سے مکان بنانے کے واسطے جنگل میں ورکش کاٹ رہا تھا۔ دونوں بھائیوں کے آجانے سے گھر میں آدمیوں کے لیے جگہ نہ تھی۔ بھائی یہ چاہتے تھے کہ الگ الگ مکان میں رہیں، اس لیے مکان بنانا آوشیک ہوگیا تھا۔

بھوت ورکش پر چڑھ کر شاکھاؤں پر بیٹھ سُمنت کے کام میں وِگھن ڈالنے لگا۔ سُمنت کب ٹلنے والا تھا، سندھیا ہوتے ہوتے اس نے کئی ورکچھ کاٹ ڈالے۔ انت میں اس نے اس ورکش کو بھی کاٹ دیا، جس پر بھوت چڑھا بیٹھا تھا۔ ٹہنیاں کاٹتے سے بھوت اس کے ہاتھ میں آگیا۔

سُمنت — ہیں، تم پھر آگئے؟

بھوت — نہیں، نہیں، میں تیسرا ہوں، پہلے دونوں میرے بھائی تھے۔

سُمنت — کچھ بھی ہو، اب میں نہیں چھوڑنے کا۔

بھوت — تم جو کچھ کہو گے، وہی کروں گا، کرپا کر کے مجھے جان سے نہ ماریے۔

سُمنت — تم کیا کر سکتے ہو؟

بھوت — میں ورکش کے پتّوں سے سونا بنا سکتا ہوں۔

سُمنت — اچھا بناؤ۔

بھوت نے ورکش کے سوکھے پتّے لے کر ہاتھ سے ملے اور منتر پڑھ کر سونا بنا دیا۔ سُمنت نے منتر سیکھ لیا اور سونا دیکھ کر پرسنّ ہوا۔

سُمنت — بھائی بھوت اس کا رنگ تو بڑا سندر ہے' بالکوں کے کھلونے اس کے اچھے بن سکتے ہیں۔

بھوت — اب آگیا ہے، جاؤں؟

سُمنت — جاؤ، پرمیشور تم پر انوگرہ کریں۔

پرمیشور کا نام سنتے ہی یہ بھوت بھی بھومی میں سما گیا۔کیول چھید ہی چھید ہی باقی رہ گیا۔گھر بنا کر تینوں بھائی سکھ پروک جیون ویتیت کرنے لگے۔ جنماشٹمی کے تہوار پر سُمنت نے بھائیوں کو بھوجن کرنے کا نیوتا بھیجا انھوں نے اتر دیا کہ ہم گنواروں کے ساتھ پرتی بھوجن نہیں کر سکتے۔

سُمنت نے اس پر کچھ بُرا نہیں۔ ماتا گاؤں کے استری پُروش بالک اور بالیکاؤں ایکترت کر کے بھوجن کرنے لگا۔

بھوجن کرنے کے اُپرانت سُمنت بولا — کیوں بھائی متروں' ایک تماشا دکھلاؤں ؟

سب ہاں دکھلایئے۔

سُمنت نے سوکھے پتے لے کر سونے کا ایک ٹوکرا بھر دیا اور لوگوں کی اُور پھینکنے لگا۔ کسان لوگ سونے کے ٹکڑے لوٹنے لگے۔آپس میں اتنا دھکم دھکا ہوا کہ ایک بیچاری بڑھیا کچل گئی۔

سُمنت نے سب کو دھتکار کر کہا —تم لوگوں نے بوڑھی ماتا کو کیوں کچل دیا' شانت ہوجاؤ تو اور سونا دوں۔ یہ کہہ کر ٹوکری کا سب سونا لٹا دیا، پھر سُمنت نے استریوں سے کہا کچھ گاؤ، استریاں گانے لگیں۔

سُمنت — ہوں تمھیں گانا نہیں آتا۔

استریاں — ہمیں تو ایسا ہی آتا ہے اور اچھا سننا ہے تو کسی اور کو بلالو۔

سُمنت نے ترنت ہی بھوسے کے سپاہی بنا کر پلٹن کھڑی کردی' بینڈ بجنے لگا 'گنوار لوگوں کو بڑا ہی اچنبھا ہوا۔ سپاہی بڑی دیر تک گاتے رہے، تب سُمنت نے ان کو بھوسا بنا دیا اور سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

۷

پراتہ کال وجے نے یہ چرچا سنی تو ہانپتا ہانپتا سُمنت کے پاس آیا' بولا -- بھائی سُمنت یہ سپاہی تم کس ریتی سے بنائے تھے ؟

سُمنت — کیوں ؟ آپ کو کیا کام ہے ؟

وجے — کام کی ایک ہی کہی۔ سپاہیوں کی سہایتا سے تو ہم راجیہ جیت سکتے ہیں۔

سُمنت — یہ بات ہے ! تم نے پہلے کیوں نہیں کہا ؟ کھلیان میں چلیے،وہاں چل کر جتنے کہو اتنے سپاہی بنا دیتا ہوں' پرنتو شرط یہ ہے کہ انھیں ترنت ہی یہاں سے باہر لے جانا نہیں تو وہ گاؤں کا گاؤں چٹ کر جائیں گے۔

اتیو کھلیان میں جا کر اس نے کئی پلٹنیں بنادیں اور پوچھا بس، کہ اور؟

وجے — (پرسن ہو کر) بس بہت ہے، تم نے بڑا احسان کیا۔

سُمنت — احسان کی کون سی بات ہے، اب کے ورش بھوسا بہت ہوا ہے، یدی کبھی ٹوٹا پڑ جائے تو پھر آجانا پھر سپاہی بنادوں گا۔

اب وجے دھرتی پر پاؤں نہیں رکھتا تھا۔ سینا لے کر اس نے ترنت یدھ کرنے کے واسطے پرستھان کر دیا۔

وجے کے جاتے ہی تارا بھی آپہنچا اور سُمنت سے بولا — بھائی صاحب، میں نے سنا ہے کہ تم سونا بنا لیتے ہو۔ ہائے ہائے، یدی تھوڑا سا سونا مجھے مل جائے تو میں سارے سنسار کا دھن کھینچ لوں۔

سُمنت — اچھا، سونے میں یہ گن ہے! تم نے پہلے کیوں نہیں کہا، تو بتلاؤ کتنا سونا بنا دوں۔

تارا — تین ٹوکرے بنا دو۔

سُمنت نے تین ٹوکرے سونا بنادیا۔

تارا — آپ نے بڑی دیا کی۔

سُمنت — دیا کی کون بات ہے، جنگل میں پتے بہت ہیں۔ یدی کمی ہوجائے تو پھر آجانا جتنا سونا مانگو گے اتنا ہی بنا دوں گا۔

سونا لے کر تارا بیوپار کرنے چل دیا۔

وجے نے سینا کی سہایتا سے ایک بڑا بھاری راجیہ وجے کر لیا۔ ادھر تارا کے دھن کا بھی پاراوار نہ رہا۔ ایک دن دونوں میں ملاقات ہوئی۔ باتیں ہونے لگیں۔

وجے — بھائی تارا، میں نے اپنا راجیہ الگ بنالیا اور اب میں چین کرتا ہوں۔ پرنتو ان سپاہیوں کا پیٹ کہاں سے بھروں؟ روپے کی کمی ہے، سدیو یہی چنتا بنی رہتی ہے۔

تارا — تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے چنتا نہیں ہے، میرے دھن کی گنتی نہیں، پر اس کی رکھوالی کرنے کو سپاہی نہیں ملتے، بڑی وپتی میں پڑا ہوں۔

وجے — چلیے سُمنت مُورکھ کے پاس چلیں۔ میں تمھارے واسطے تھوڑے سے سپاہی بنوادوں اور تم میرے لیے تھوڑا سا سونا بنوا دو۔

تارا — ہاں ٹھیک ہے چلیے۔

دونوں بھائی سُمنت کے پاس پہنچے۔

وجے — بھائی سُمنت میری سینا میں کچھ کمی ہے، کچھ سپاہی اور بنا دو۔

سُمنت — نہیں اب میں اور سپاہی نہیں بناتا۔

وجے — پر تم نے وچن جو دیا تھا، نہیں تو میں آتا ہی کیوں؟ کارن کیا ہے؟ کیوں نہیں بناتے؟

سُمنت — کارن یہ کہ تمھارے سپاہیوں نے ایک منش کو مار ڈالا۔ کل جب میں اپنا کھیت جوت رہا تھا، تو پاس سے ایک ارتھی دیکھی۔ میں نے پوچھا، کون مرگیا؟ ایک استری نے کہا کہ وجے کے سپاہیوں نے یدھ میں میرے پتی کو مار ڈالا۔ میں تو آج تک کیول یہ سمجھتا تھا کہ سپاہی بینڈ بجایا کرتے ہیں۔ پرنتو وہ تو منش کی جان مارنے لگے۔ ایسے سپاہی بنانے سے سنسار کا ناش ہوجائے گا۔

تارا — اچھا یدی سپاہی نہیں بناتے، تو میرے لیے سونا تو تھوڑا سا اور بنادو۔ تم نے وچن دیا تھا کہ کمی ہوجانے پر پھر بنادوں گا۔

سُمنت — ہاں وچن تو دیا تھا پر میں اب سونا بھی نہ بناؤں گا۔

تارا — کیوں؟

سُمنت — اس لیے کہ تمھارے سونے نے بسنت کی لڑکی سے اس کی گائے چھین لی۔

تارا — یہ کیسے؟

سُمنت — وسنت کی پُتری کے پاس ایک گائے تھی، بالک اس کا دودھ پیتے تھے۔ کل وہ بالک میرے پاس دودھ مانگنے آئے۔ میں نے پوچھا، تمھاری گائے کہاں گئی، تو کہنے لگے کہ تارا کا ایک سیوک آکر، تین ٹکڑے سونے کے دے کر ہماری گائے لے گیا۔ میں تو یہ جانتا تھا کہ سونا، بنوا بنوا کر تم بالکوں کو بہلایا کروگے، پرنتو تم نے تو اس کی گائے ہی چھین لی، بس، سونا اب نہیں بن سکتا۔

دونوں بھائی نراش ہوکر لوٹ پڑے۔ راہ میں یہ سمجھوتا ہوا کہ وجے تارا کو کچھ سپاہی دے دے اور تارا وجے کو کچھ سونا۔ کچھ دن بعد دھن کے بل سے تارا نے بھی ایک راجیہ لے لیا اور دونوں بھائی راجا بن کر آنند کرنے لگے۔

۸

سُمنت گونگی بہن کے سہت کھیتی کا کام کرتے ہوئے اپنے ماتا پتا کی سیوا کرنے لگا۔
ایک دن اس کی کتیا بیمار ہوگئی' اس نے تتکال پہلے بھوت کی دی ہوی بوٹی اسے کھلا دی۔ وہ نروگ ہو کر کھیلنے کودنے لگی۔ یہ حال دیکھ کر ماتا پتا نے اس کا بیورا پوچھا۔ سُمنت نے کہا کہ مجھے ایک بھوت نے دو بوٹیاں دی تھیں۔ وہ سب پرکار کے روگوں کو دور کرسکتی ہیں۔ ان میں سے ایک بوٹی کتیا کو کھلا دی۔

اسی سمے دیوگتی سے وہاں کے راجا کی کنیا بیمار ہوگئی۔ راجا نے یہ دونڈی پٹوائی تھی کہ جو پُروش میری کنیا کو اچھا کردے گا، اس کے ساتھ اس کا ویواہ کردیا جائے گا۔ ماتا پتا نے سُمنت سے کہا، یہ تو بڑا اچھا اَوسر ہے، تمھارے پاس ایک بوٹی بچی ہے، جاکر راجا کی کنیا کو اچھا کردو اور عمر بھر چین کرو۔

سُمنت جانے پر راضی ہوگیا۔ باہر آنے پر دیکھا کے دوار پر کنگال بڑھیا کھڑی ہے۔

بڑھیا — سُمنت میں نے سنا ہے کہ تم روگیوں کے روگ دور کرسکتے ہو۔ میں روگ کے ہاتھوں بہت دنوں سے کشٹ بھوگ رہی ہوں۔ پیٹ کو روٹیاں ملتی ہی نہیں، دوا کہاں سے کروں؟ تم مجھے کوئی دوا دے دو' تو بڑا ایش ہوگا۔

سُمنت تو دیا کا بھنڈار تھا۔ بوٹی نکال کر ترنت بڑھیا کو کھلا دی' وہ چنگی ہوکر اسے آشیش دیتی ہوئی گھر کو چلی گئی۔

ماتا پتا یہ حال سن کر بڑے دکھی ہوئے اور کہنے لگے کہ سُمنت تم بڑے مُورکھ ہو۔ کہاں راج کنیا اور کہاں یہ کنگال بڑھیا۔ بھلا اس بڑھیا کو چنگا کرنے سے تمھیں کیا لابھ ملا؟

سُمنت — مجھے راج کنیا کے روگ دور کرنے کی بھی چنتا ہے۔ وہاں بھی جاتا ہوں۔

ماتا — بوٹی تو ہے ہی نہیں، جاکر کیا کرو گے؟

سُمنت — کچھ چنتا نہیں، دیکھوں تو سہی کیا ہوتا ہے۔

سم درشی پُروش دیو روپ ہوتا ہے۔ سُمنت کے راج محل پر پہنچتے ہی راج کنیا نروگ ہوگئی، راجا نے اتی پرسن ہو کر اس کا ویواہ سُمنت کے ساتھ کر دیا۔

اس کے کچھ کال پیچھے راجا کا دیہانت ہو گیا۔ پُتر نہ ہونے کے کارن وہاں کا راجیہ سُمنت کو مل گیا۔

اب تینوں بھائی راج پدوی پر پہنچ گئے۔

۹

وجے کا پربھاؤ سوریہ کی بھانتی چمکنے لگا۔ اس نے بھوسے کے سپاہیوں سے سچ مچ کے سپاہی بنا دیے۔ راجیہ بھر میں یہ حکم جاری کر دیا کہ دس گھر پیچھے ایک منش سینا میں بھرتی کیا جائے اور قوائد پریڈ کرا کر سینا کو استر شستر ودھا میں ایسا چتُر کر دیا کہ جب کوئی شترو سامنا کرتا تو وہ ترنت اس کا ودھونس کر دیتا۔ سارے راجا اس کے بھے سے کانپنے لگے۔ وہ اکھنڈ راج کرنے لگا۔

تارا بڑا بدھیمان تھا، اس نے دھن سنچے کرنے کے نِمت منشیوں، گھوڑوں، گاڑیوں، جوتوں، جرابوں، ستروں، تاتپریہ یہ کہ جہاں تک ہو سکا، سب ویوہارک وستوؤں پر کر بٹھا دیا۔ دھن رکھنے کو لوہے کی سلاخوں والے پکّے خزانے بنا دیے۔ اور چوری چکاری، لوٹ مار، دھن سمبندھی جھگڑے بند کرنے کے نمت انگنت قانون جاری کر دیے۔ سنسار میں روپیہ ہی سب کچھ ہے۔ روپے کی بھوک سے سب لوگ آ کر اس کی سیوا کرنے لگے۔

سُمنت مُرکھ کی کرتوت سنیے۔ سُسر کا کریاکرم کر کے اس نے راجسی رتن جٹت وستروں کو اتار کر صندوق میں بند کر الگ دھر دیے، موٹے جھوٹے کپڑے پہن لیے اور کسانوں کی بھانتی کھیتی کا کام کرنے کا وچار کیا۔ بیٹھے بیٹھے اس کا جی اُوبتا تھا۔

بھوجن نہ پچتا، بدن میں چربی بڑھنے لگی، نیند اور بھوک دونوں جاتی رہی۔ اس نے اپنی گونگی بہن اور ماتا پتا کو اپنے پاس بلا لیا اور ٹھیک پہلے کی بھانتی کھیتی کا کام کرنا آرمبھ کر دیا۔

منتری — آپ تو راجا ہیں، آپ یہ کیا کام کرتے ہیں۔

سُمنت — تو کیا میں بھوکا مر جاؤں؟ مجھے تو کام کے بنا بھوک ہی نہیں لگتی۔ کروں تو کیا کروں؟

دوسرا منتری — (سامنے آ کر) مہاراج، راجیہ کا پربندھ کس پرکار کیا جائے؟ نوکروں

کو طلب کہاں سے دیں ؟ روپیہ تو ایک نہیں ۔

سُمنت — یدی روپیہ نہیں تو طلب مت دو ۔

منتری — طلب لیے بنا کام کون کرے گا ؟

سُمنت — کام کیسا، نہ کرنے دو ۔کرنے کو کھیتوں میں کیا کام تھوڑا ہے ۔کھاد سنبھالنا، سمے پر کھیتی کرنا ۔یہ سب کام ہی ہیں کہ اور کچھ؟

اتنے میں ایک مقدمے والے سامنے آئے ۔

کسان — مہاراج ! اس نے میرے روپے چرا لیے۔

سُمنت — کوئی بات نہیں، اس کو روپے کی ضرورت ہوگی ۔

سب لوگ جان گئے کہ سُمنت مہامُورکھ ہے۔ایک دن رانی بولی ۔پران ناتھ، سب لوگ یہی کہتے ہیں کہ آپ مُورکھ ہیں۔

سُمنت — تو اس میں ہانی ہی کیا ہے۔

رانی نے وِچارا کہ دھرم شاستر کی یہی آگیا ہے کہ استری کا پرمیشور پتی ہے۔ جس میں وہ پرسن رہے، وہی کام کرنا دھرم ہے۔ اتیو وہ بھی راجا سُمنت کے ساتھ کھیتی کا کام کرنے لگی ۔

یہ دَشا دیکھ کر بدھیمان پُرش سب کے سب انیہ دیشوں میں چلے گئے ۔کیول مُرکھ ہی مُورکھ وہاں رہ گئے۔ اس راجیہ میں روپیہ پرچلت نہ تھا ۔راجا سے لے کر رنک تک کھیتی کا کام کرتے تھے ۔آپ کھاتے اور دوسروں کو کھلا کر پرسن ہوتے ۔

۱۰

اِدھر ادھرم راج بیٹھے دیکھ رہے ہیں کہ تینوں بھائیوں کا سروناش کرکے بھوت اب آتے ہیں، اب آتے ہیں ۔پرنتو وہاں آتا کون ہے ؟ادھرم کو بڑا آشچر یہ ہوا کہ یہ کیا بات ہے۔انت میں سوچ وچار کر کے سوئیم کھوج لگانے کے لیے چلا ۔

سُمنت کے پرانے گاؤں میں جانے پر ڈھونڈنے سے تین چھید ملے ۔ادھرم کو معلوم ہوگیا کہ تینوں بھوت مارے گئے ۔وہ بھائیوں کی کھوج میں چلا، جا کر دیکھا تو تینوں بھائی راجا بن بیٹھے ہیں، پھر کیا تھا جل بھن کر راکھ ہی تو ہوگیا، دانت پیس کر بولا ۔دیکھوں یہ سب میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جاتے ہیں ؟وہ ایک سینا پتی کا بھیش بدل کر پہلے وجے کے

پاس پہنچا اور ہاتھ جوڑ کر ونے کی ،مہاراج !میں نے سنا ہے کہ آپ مہا شورویر ہیں۔ میں استر شستر ودھا میں اتی نپُن ہوں ۔اچھا ہے کہ آپ کی سیوا کر کے اپنا گن پرکٹ کروں۔

وجے اس کی چتونوں کو تاڑ گیا کہ آدمی چتور اور بدھیمان ہے۔ اسے جھٹ سینا پتی کی پدوی پر نیوکت کر دیا۔

نوین سیناپتی سینا کو بڑھانے کا پربندھ کرنے لگا۔ وجے سے بولا ۔مہاراج! میرے دھیان میں راجیہ میں بہت لوگ ایسے ہیں، جو کچھ نہیں کرتے ۔ راجیہ کی استھرتا سینا سے ہی ہوتی ہے۔ اس لیے ایک تو سب یووک پُروشوں کو رنگروٹ بھرتی کر کے سینا پہلے سے پانچ گنی کر دینی چاہیے ،دوسرے نئے نمونے کی بندوقیں اور توپیں بنانے کے واسطے راجدھانی میں کارخانے کھولنے چاہیے ۔میں ایک فائر میں سو گولی چلانے والی بندوق اور گھوڑے، مکان ،پُل اتیادی نشٹ کردینے والی توپیں بنا سکتا ہوں ۔

وجے نے پرسنتا پروک جھٹ ساری راجدھانی میں آگیا پتر جاری کردیا کہ سب لوگ رنگروٹ بھرتی کیے جائیں۔ نئے نمونے کی توپیں اور بندوقیں بنانے کے واسطے جگہ جگہ کارخانے کھول دیے۔ یدھ کی سمست سامگری جمع ہونے پر پہلے اس نے پڑوسی راجا کو جیتا، پھر میسور کے راجا پر چڑھائی کا ڈنکا بجا دیا۔

پرسوبھاگیہ سے میسور کے راجا نے وجے کا سارا ورتانت سن رکھا تھا۔ وجے نے تو پُروشوں کو ہی بھرتی کیا تھا، اس نے استریوں کو بھی سینا میں بھرتی کرلیا۔ نئے سے نئے نمونوں کی بندوقیں اور توپیں بنا ڈالیں۔ سینا وجے سے چوگنی کردی اور نوین کلپنا یہ کی کہ بم کے ایسے گولے بنائے جائیں جو آکاش سے چھوڑے جائیں اور دھرتی پر پھٹ کر شترو کی سینا کا ناش کردیں ۔

وجے نے سمجھا تھا کہ پڑوسی راجا کی بھانتی چھن میں میسور کے راجا کو جیت کر اس کا راجیہ چھین لوں گا، پرنتو یہاں رنگت ہی کچھ اور ہوئی۔ سینا ابھی گولی کی مار میں بھی نہیں پہنچی تھی کہ شترو کی سینا کی استریوں نے آکاش سے بم کے گولے برسانے آرمبھ کردیے ۔ وجے کی ساری سینا کائی کی بھانتی پھٹ گئی۔ آدھی وہیں کام آئی، آدھی بھیبھت ہوکر بھاگ گئی۔ وجے اکیلا کیا کرسکتا تھا، بھاگتے ہی بنی۔ میسور کے راجا نے اس کے راجیہ پر اپنا ادھیکار کرلیا۔

وجے کا سروناش کر کے ادھرم تارا کے راجیہ میں پہنچا اور سوداگر کا بھیس دھارن کر کے وہاں ایک کوٹھی کھول دی، جو پُروش کوئی مال بیچنے آتا ' اُسے چوگنے پچگنے دام پر لے لیتا۔ شیگھر ہی وہاں کی پرجا مالدار ہوگئی، تارا یہ حال دیکھ کر بڑا پرسن ہوا اور کہنے لگا کہ ویاپار بڑی وَستو ہے، اس سوداگر کے آنے سے میرا کوش دھن سے بھر گیا، کسی بات کی کمی نہیں رہی ۔

اب تارا نے ایک محل بنانا شروع کیا۔ اسے وشواس تھا کہ روپیہ کے لالچ سے راج مزدور مسالا، سب کچھ سامگری شیگھر ہی مل جائے گی، کوئی کٹھنائی نہ ہوگی۔ پرنتو راجا کا محل بنانے کے واسطے کوئی نہ آیا۔ اُدھرم سوداگر کے پاس روپے کی گنتی نہ تھی، اس کی اِچھا راجا اس سے ادھک مزدوری اور دام نہیں دے سکتا۔ اس کا محل نہ بن سکا ۔تارا کو سادھارن مکان میں ہی رہنا پڑا۔

اس کے پیچھے اس نے ایک باغ لگانا آرمبھ کیا ۔ اس سوداگر نے تالاب کھدوانا شروع کردیا، سب لوگ روپے ادھک ہونے کے کارن سوداگر کے وَش میں تھے۔ راجا کا کام کوئی نہ کرتا تھا ۔ باغ بھی بیچ میں ہی رہ گیا ۔شیت کال آنے پر تارا نے اونی وستر آدی خریدنے کا وچار کیا ۔سارا سنسار چھان ڈالا، جہاں پوچھا یہی اتر ملا ۔ کہ سوداگر نے کوئی وستر نہیں چھوڑا ، سارے کے سارے خرید کر لے گیا۔

یہاں تک کہ روپے کے پربھاؤ سے ادھرم نے راجا کے سب نوکر اپنے پاس کھینچ لیے۔ راجا بھوکوں مرنے لگا ۔کرُدھ ہوکر اس نے سوداگر کو اپنی راجدھانی سے نکال دیا ۔ادھرم نے سیما پر جاکر ڈیرا جمایا ۔ تارا کو کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتا تھا۔ اسے اپواس کیے تین دن بیت چکے تھے کہ وجے آکر سَمّکھ کھڑا ہوگیا۔

وجے — بھائی تارا ' میں تو مرچکا ۔میری سینا، راج پاٹ، سب نشٹ ہوگیا ۔میسور کے راجا نے میری راجدھانی پر اپنا ادھکار کرلیا، بھاگ کر تمھارے پاس آیا ہوں، میری کچھ سہایتا کیجیے ۔

تارا — سہایتا کی ایک ہی کہی ۔یہاں آپ اپنی جان پر آبنی ہے۔ اپوٰاس کیے ہوئے تین دن ہوچکے ہیں۔کھانے کو اَنّ تک تو ملتا نہیں، تمھاری سہایتا کس پرکار کروں؟

وجے اور تارا کی یہ دشا کرکے ادھرم پھر کرنل کا ویش بدل کر سُمنت کے پاس پہنچا اور نویدن کیا۔

مہاراج ! سینا کے بنا راجا کی شوبھا نہیں ہوتی اور نہ راجا کی رکشا ہوتی ہے۔ یدی آگیا ہو تو چتورنگنی سینا تیار کردوں۔

سُمنت — بہت اچھا' سینا تیار کرو اور اسے گانا بجانا سکھاؤ ۔ مجھے گانا بہت پسند ہے۔ مارو باجا مجھے بڑا برا لگتا ہے۔ سینا تیار کرکے انھیں کیول باجا بجانا سکھانا اور کچھ نہیں ۔

اُدھرم لوگوں کے پاس جاکر سمجھانے لگا کہ تم لوگ سپاہی بن جاؤ، تمھیں وستر اور انّ دیا جائے گا ۔

لوگ — ہمارے پاس انّ بہت ہے، اِستریاں کپڑے سی لیتی ہیں، ہمیں کچھ نہیں چاہیے، جاؤ، اپنا کام کرو۔ ہم سپاہی نہیں بنتے ۔

ادھرم نے سُمنت کے پاس آکر کہا — مہاراج آپ کی پرجا بڑی مُوْرکھ ہے' مجھے نشچے ہوگیا کہ وہ بنا سرکاری حکم کے سپاہی نہ بنیں گے۔ یہ حکم جاری کردیا جائے کہ جو کوئی سپاہی نہ بنے گا ، اسے پھانسی دے دی جائے گی ۔

سُمنت اُدھرم کا کہنا مان کر ویسا ہی حکم جاری کردیا۔ لوگ ادھرم کے پاس آکر بولے۔

تم کہتے ہو کہ یدی ہم فوج میں بھرتی نہیں ہوں گے، تو جان سے مار دیے جائیں گے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ بھرتی ہوکر ہمارا کیا بنے گا ؟ ہم نے سنا ہے کہ یدھ میں سپاہیوں کو مار ڈالا جاتا ہے ۔

اُدھرم— ہاں کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے۔

لوگ— جب مرنا ہی ٹھہرا تو گھر میں رہ کر ہی کیوں نہ مریں؟ یدھ میں پران دینے سے کیا لابھ ہے؟ ہم سپاہی نہیں بنتے۔

ادھرم— تم مہامُوْرکھ ہو، یدھ میں جاکر تم مارے ہی جاؤگے، یہ بات نہیں ہے، بچ بھی سکتے ہو ۔ پرنتو سپاہی نہ بننے سے تمھیں پھانسی ضرور ہی ہو جائے گی ۔

لوگ ڈر کر سُمنت کے پاس پہنچے اور بولے -- مہاراج ' ایک سیناپتی ہمیں اچرج کی بات سناتا ہے اس کا کتھن ہے کہ یدی ہم سپاہی نہ بنیں گے تو مہاراج ہم کو اوشیہ پھانسی

دے دیں گے کیا یہ بات سچ ہے؟

سُمنت — (ہنس کر) بھلا سوچو تو، میں اکیلا تم سب کو کیسے پھانسی دے سکتا ہوں؟

لوگ — تو ہم سپاہی کیوں بنیں؟

سُمنت — مت بنو۔

لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ادھرم بہت نراش ہوا کہ یہ منتر تو نہ چلا۔ اچھا پڑوسی راجا کے پاس جاکر اسے یہ اپدیش کرتا ہوں کہ ایسا مُورکھ راجا کا دیش چھین لے۔

اتیو ایک دوسرے راجا کے دربار میں جاکر اس نے ونے کی۔ مہاراج، سُمنت کے راجیہ میں اَن اور پشو بہت ہیں، روپیہ نہ ہوا، تو کیا ہے، بس چڑھائی کرکے اس کا راجیہ چھین لیجیے۔

راجا نے ادھرم کا کہنا مان کر یدھ کی تیاری کردی۔

ادھر سُمنت کی پرجا خبر پاکر سُمنت کے پاس پہنچی کہ مہاراج، اتر دیش کا راجا یدھ کرنے کے واسطے آتا ہے۔

سُمنت نے کہا — آنے دو، ہماری کچھ ہانی نہیں۔

اتر دیشادِھپتی نے سُمنت کی سینا کا بھید لینے کے لیے کچھ سپاہی بھیجے۔ وہاں سینا کہاں تھی، بھید کس کا لیں؟ وہ لوٹ گئے۔ تب اس راجا نے سینا کو یہ آگیا دی کہ جاکر دیش لوٹ لے۔ سپاہی گاؤں میں پہنچ کر انّ، وستر، پشو اتیادی لوٹنے لگے۔ سُمنت کی پرجا نے کسی کا سامنا نہیں کیا، کچھ نہ بولے، ورن سپاہیوں کی سیوا کرنے لگے اور کہنے لگے۔ بھائیوں، یدی اپنے دیش میں رہنے سے تمھیں کوئی کشٹ ہوتا ہے تو یہاں آکر ہمارے پاس رہو۔

اب سپاہی سوچنے لگے کہ یدھ کریں تو کس سے کریں؟ یہاں تو یہ سب لوگ آپ سے آپ سب کچھ دینے کو تیار ہیں اپنے راجا کے پاس جاکر بولے کہ مہاراج، سُمنت کی پرجا تو سویم سب کچھ دینے کو تیار ہے۔ لڑائی کس کے ساتھ کی جائے؟

راجا نے کہا — کچھ چنتا نہیں، جاؤ، گاؤں جلا دو۔ سب پشو مار ڈالو، ہم لڑائی اوشیہ کریں گے۔ یدی میرا کہا نہیں مانو گے، تو تمھیں توپ کے منہ پر باندھ کر اڑا دوں گا۔

سپاہی بھیبھیت ہوکر پھر لوٹے اور گاؤں آدی جلانے لگے۔ سُمنت کی پرجا نے ان سے پریم پُروک کہا۔ ایسی اچھی چیزوں کو بھسم کرنے سے آپ کو کیا پھل ملے گا؟ یدی اِچھا ہے تو یہ سب پدارتھ اپنے دیش کو لے جاؤ۔ ہمیں کوئی شوک نہیں ہوگا، پرنتو اس پرکار پشوؤں

کو وَدھ کرنے سے ہمیں کلیش ہوتا ہے۔

اَنت میں سینا کو پرجا پر دیا آگئی، سپاہی راجا کی نوکری چھوڑ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ سُمنت آنند سے راجیہ کرتا رہا۔

اُدھرم سوچنے لگا کہ اب کیا کریں، اس مُورکھ نے تو بڑا کشٹ دیا۔ سچ ہے، بدھمانوں کو وش میں کرلینا سہج ہے، مُورکھ کو سمجھنا کٹھن ہے۔ اچھا، ایک بھدر پُروش کا ویش بنا کر سُمنت کے پاس چلتے ہیں۔ شاید کہنا مان جائے۔

وہ ترنت ویش بدل کر سُمنت مُورکھ کی سیوا میں آیا اور بولا -- مہاراج ' میری اِچھا ہے کہ آپ کی راجدھانی میں ویوپار پھیلاؤں۔ ویوپار کرنے سے پُروش بدھیمان اور چتر ہوجاتا ہے۔

سُمنت — بہت اچھا آیئے، ویوپار پھیلایئے۔

دوسرے دن ادھرم سُورن مُدرا کی تھیلی لے کر چوراہے پر پہنچا اور مہریں دکھلا کر لوگوں سے کہنے لگا کہ جو کوئی میرا کام کرے گا ' اسے مہریں دی جائیں گی۔ وہاں کی مُرکھ پرجا مہروں کا نام تک نہیں جانتی تھی۔ سونے کے سندر سندر ٹکڑے دیکھ کر وہ لوگ پرسن ہوگئے اور ادھرم کا کام کرنے لگے۔

ادھرم نے سمجھا تارا والا منتر چل گیا۔

تھوڑے دن لوگ ادھرم کا کام کرتے رہے' اسے اَنّ وستر بھی دیتے رہے' جب ان کے پاس مہریں بہت ہوگئیں اور انھوں نے اپنی استریوں اور بالکوں کو گہنے بنا دیے' تب انھوں نے ادھرم کا کام کرنا چھوڑ دیا' یہاں تک کہ اس کے ہاتھ آٹا دال بھی بیچنا بند کردیا۔

ادھرم کی وِچتر گتی بنی۔ ایک' دن ایک کسان کے گھر جاکر وہ کہنے لگا۔ بھائی، اس مہر کے بدلے آدھا سیر آٹا تو دے دو۔

کسان بولا — مُہریں لے کر کیا کروں گا؟ مُہر تو پہلے کی ہی بہت پڑی ہیں ۔ آٹا نہیں بیچتا۔ ہاں پرمیشور کے نام پر مانگوگے تو دینے کوتیار ہوں۔ بھگوان کا نام سنتے ہی ادھرم کانپ اٹھا اور بھاگ کر دوسرے کسان کے گھر پہنچا۔ وہاں بھی یہی حال ہوا۔ انت میں رات کو وہ بھوکا ہی سویا۔

پرجا کے لوگ سُمنت کے پاس آکر کہنے لگے' مہاراج ' ایک دھنی آدمی آیا ہے، کوٹ

پتلون ڈالے رہتا ہے۔ کھاتا پیتا خوب ہے' کام کچھ نہیں کرتا۔ مہریں لیے پھرتا ہے، یدی ہم پرمیشور کے نام پر اسے انّ دینا چاہتے ہیں تو نہیں لیتا۔ مہریں دکھلاتا ہے، انّ بیچنے کی ہمیں آوشیکتا نہیں' اسے بھوکا رہنا بھی اُچت نہیں ۔کیا اُپائے کریں ؟ اس طرح تو وہ بھوکوں مرجائے گا ۔

سُمنت — اسے بھوجن تو دینا ہی پڑے گا ۔گھر پیچھے ایک دن باندھ دو ۔

اب ادھرم مہاراج گھر گھر جاکر روٹی مانگ کر کھانے لگے' ہوتے ہوتے ایک دن راجا سُمنت کے گھر کی باری آگئی۔ وہاں جاکر دیکھتا کیا ہے کہ سُمنت کی گونگی بہن روٹی پکا رہی ہے۔

بہودھا ایسا ہوچکا تھا کہ نکمے پُروش' یہاں رسوئی میں آکر بھوجن پا جایا کرتے تھے، اس کارن منورما نے یہ نیم باندھ دیا تھا کہ جن کے ہاتھ کام کرنے کے کارن کٹھور ہوگئے ہوں، وہی لوگ رسوئی میں بیٹھ کر بھوجن پایا کریں' دوسرا کوئی نہیں ۔

ادھرم کو یہ بات معلوم نہ تھی' وہ جھٹ سے رسوئی گھر میں جاکر بیٹھ گیا ۔گونگی منورما نے اسے وہاں سے اٹھا دیا۔ رانی بولی -- مہاشیہ بُرا نہ مانیے یہاں کی یہ ریتی ہے کہ کومل ہاتھوں والے کو بچا کھچا بھوجن دیا جاتا ہے' آپ باہر ٹھہریں' جوکچھ انّ بچے گا مل جائے گا ۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ سُمنت بھی وہاں آگیا ۔

اُدھرم — (سُمنت سے) آپ کے راجیہ میں یہ انوکھا نیم ہے کہ پرتیک پرانی کو ہاتھوں سے کام کرنا چاہیے، کام کیا کیول ہاتھوں سے ہی کیا جاتا ہے۔ آپ کو سیات معلوم نہیں کہ چتر پُروش کیسے کام کرتے ہیں؟

سُمنت — بھلا مُورکھ کیا جانیں' ہم تو پرایہ ہاتھوں سے ہی کام کرتے ہیں ۔

ادھرم — اسی کارن آپ لوگ مُورکھ ہیں۔ اب میں آپ کو مستک دُوارا کام کرنا بتلاوں گا۔ تب آپ کو وِدِت ہوجائے گا کہ مستک دُوارا کام کرنا ہاتھوں دوارا کام کرنے سے کہیں ادھک پھل دائک ہے ۔

سُمنت — اوہو' تو ہم لوگ نِسندیہہ مُورکھ ہیں ۔

ادھرم — مستک دوارا کام کرنا سہج نہیں۔ مجھے آپ رسوئی میں بٹھا کر اس کارن بھوجن نہیں کراتے کہ میرے ہاتھ کومل ہیں اور میں ہاتھوں سے کام نہیں کرتا' پرنتو میں آپ سے ستیہ کہتا ہوں کہ مستک دوارا کام کرنا اَتی کٹھن ہے، یہاں تک کہ کبھی کبھی مستک پھٹنے

لگ جاتا ہے۔

سُمنت — تو متر، ایسا کشٹ کیوں اٹھاتے ہو؟ مستک پھٹنا کیا اچھا معلوم ہوتا ہے؟ ہاتھوں سے سہج میں کام کیوں نہیں کر لیتے ؟

ادھرم— مجھے آپ لوگوں کی یہ گتی دیکھ کر دیا آتی ہے، اس کارن چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو بھی یہ کام سکھادوں ۔

سُمنت — بہت اچھا سکھا دیجیے' کام کرتے کرتے جب ہمارے ہاتھ تھک جایا کریں گے' تو ہم مستک سے کام لیا کریں گے۔

دوسرے دن سُمنت نے اپنی سمست راجدھانی میں ڈھنڈورا پٹوادیا کہ ایک مہاتما مستک دوارا کام کرنا بتلائیں گے کیونکہ اس پرکار کام کرنا اتی لابھ دائک ہے۔ سب لوگ آکر ان کا اُپدیش سنیں ۔

لوگوں کے دَل کے دَل آنے لگے۔ سُمنت نے چتر پُروش کو ایک بڑے اونچے بُرج پر چڑھا دیا کہ لوگ اسے بھلی پرکار دیکھ سکیں ۔اس بُرج پر ایک لالٹین گڑی ہوئی تھی ۔

ادھرم چوٹی پر پہنچ کر ویاکھیان دینے لگا، لوگ سمجھے تھے کہ وہ مستک دوارا کام کرنا بتلائے گا، پرنتو وہ خالی گھوڑے ہانکنے لگا کہ ہاتھوں سے کام کیے بنا منش بہت چین سے رہ سکتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ سبھی لوگ ہاتھوں سے کام کریں۔ لوگ ایک اکشر نہ سمجھے اور نراش ہوکر اپنے گھروں کولوٹ گئے ۔

ادھرم کئی دن بُرج پر بیٹھا بکواد کرتا رہا۔ اسے بھوک ستانے لگی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ جب مستک دوارا کام کرنا ہاتھوں سے کام کرنے سے اُتم ہے تو اسے بھوجن کی کیا کمی ہوسکتی ہے۔ اس کارن انھوں نے بھوجن نہیں پہنچایا۔

سُمنت نے پرجا سے پوچھا کہ کیا مہاتما نے مستک دوارا کام کرنا آرمبھ کردیا ؟

سب نے یہی اتر دیا— مہاراج' ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا وہ تو کورا گال بجائے چلا جاتا ہے' دکھاتا دکھاتا کچھ نہیں ۔

تیسرے دن ادھرم بھوک اور پیاس کے مارے ویاکل ہوکر گر پڑا اور چوٹی پر سے لڑکھتا دھرتی پر آگرا اور اس کا مستک پھٹ گیا۔

لوگوں نے دوڑ کر رانی سے یہ باتیں کہیں۔ رانی دوڑی ہوئی کھیت میں گئی، مُورکھ

سُمنت اس سے کھیت میں ہل چلا رہا تھا۔

رانی — مہاراج، شیگھر چلیے، وہ مہاتما مستک دوارا کام کرنے لگا ہے۔

راجا — اچھا تو چلو۔

سُمنت نے آکر دیکھا کہ مہاشے جی دھرتی پر پڑے ہیں اور ان کا مستک پھٹ گیا ہے۔

سُمنت — بھائیوں، مہاتما ستیہ کہتا تھا کہ کام کرتے کرتے مستک پھٹ جایا کرتا ہے دیکھو انت میں بچارے کا مستک پھٹ ہی گیا۔

سُمنت چاہتا تھا کہ پاس جاکر دیکھوں کہ اس نے کتنا کام کیا ہے۔ پرنتو ادھرم اپنی مُرکھتا کے پربھاؤ سے دھرتی میں سما گیا۔ کیول ایک چھید باقی رہ گیا۔

سُمنت — اوہو، یہ تو بھوت تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ تینوں کا پتا تھا۔

سُمنت ابھی جیتا ہے، راجدھانی کی بستی نتیہ بڑھتی جاتی ہے، وجے اور تارا بھی اس کے پاس آکر رہنے لگے ہیں، اتیتھی سیوا کرنا سُمنت نے پرم دھرم مان رکھا ہے۔

اس راجدھانی میں یہی ایک وِلکشن ریتی ہے کہ لوگوں کے ساتھ رسوئی میں بیٹھ کر کیول وہی پُروش بھوجن کرسکتا ہے، جس کے ہاتھ کٹھور ہوں اور دوسروں کو بچا کھچا بھوجن دیا جاتا ہے۔

دیالو سوامی

ایک سے کسی نگر میں ایک سدا چاری دیالو اور دھنی پُروش رہتا تھا ۔ اس کے بہت سے سیوک تھے ۔ ایک دن جب سیوک آپس میں باتیں کرنے لگے کہ ہمارے سوامی سے بڑھ کر دوسرا سجن آج پرتھوی پر کوئی نہیں اور دھنی لوگ اپنے کو دیوتا مانتے ہیں ، سیوکوں کو پشو سمجھتے ہیں اور انھیں اتی کشٹ دیتے ہیں ۔ ہمارا سوامی کبھی کھوٹا وچن مکھ سے نہیں نکالتا ،تس پر پتا سمان ہمارا پالن پوشن کرتا ہے ۔ ہمارے ساتھ اس کا اتھاہ پریم ہے ، ایسے سوامی کے گھر میں رہ کر ہم بہت سکھی ہے ۔

ادھرم کو سوامی اور سیوکوں میں اس طرح پریتی دیکھ کر یہ دکھ ہوا کہ سنسار میں یدی اسی پرکار سوامی بھکتی پھیل گئی تو ہمارا تو جگت میں سے راجیہ ہی اٹھ جائے گا، کوئی اُپ دَرو کھڑا کرنا چاہیے ۔ اس نے گوپال نام کے ایک سیوک کو اپنے وَش میں کر لیا ۔

کئی دن پیچھے جب سب سیوک ایکتر ہو کر پھر سوامی کی بڑائی کرنے لگے تو گوپال بولا — سوامی کی اتنی بڑائی کرنا تمھاری مُرکھتا ہے، جتنا ہم کام اس کا کرتے ہیں، یدی کسی راکشش کا بھی کرتے تو وہ بھی پرسن ہو جاتا۔ ہم اس کے اشاروں پر کام کرتے ہیں، اس کے حکم کی راہ نہیں دیکھتے۔ ہم اس کی آگیا نہ مانیں تب تو وہ اُپرسن ہو، ہاں، کوئی کام بگاڑ کر دیکھو کیسا دنڈ دیتا ہے، ایک چھن میں نکال دے گا۔

کام بگاڑنے کی کسی نوکر نے ہامی نہیں بھری۔ گوپال نے کہا کہ دیکھو کل کیا تماشا دکھاتا ہوں ۔

گوپال سوامی کی گائے بھیڑ چرایا کرتا تھا۔ سوامی گایوں کا بڑا پریمی تھا۔ پراتہ کال سوامی اپنے متروں کو جب گائے دکھلانے لایا، تو گوپال نے متروں کو آنکھ ماری کہ دیکھتے رہنا

کیا ہوتا ہے۔ ادھرم بھی ورکش پر بیٹھا تماشا دیکھ رہا تھا۔

سوامی اپنے متروں کو گائیں دکھاتا پھرتا تھا کہ گوپال نے ریوڑ کو ڈرا دیا۔ وہ ادھر ادھر بھاگنے لگیں، ریوڑ میں کجری آنکھوں والا ایک بچھڑا بڑا سندر تھا اور سوامی اسے بہت چاہتا تھا۔

سوامی بولا — گوپال، ذرا وہ بچھڑا تو پکڑ لو، میرے متر اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔

گوپال جھپٹ کر بچھڑے کو اس بھانتی پکڑا کہ اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ادھرم بڑا پرسن ہوا کہ اب لڑائی ہوگی، سیوک بھی کھڑے دیکھتے تھے کہ کیا ہوتا ہے۔ سوامی نے بچھڑے کی یہ دشا دیکھی تو اس کی آنکھوں سے جوالا نکلنے لگی کنتو شبدھ جیبھ پر آئے۔ سارے شریر میں رومانچ ہوگیا۔ پر ایک چھن میں اس نے انگڑائی لی اور لمبی سانس کھینچ کر بولا -- گوپال تمھارے سوامی نے تمھیں یہ آگیا دی تھی کہ مجھے کرودھت کرو، پرنتو میرا سوامی تمھارے سوامی سے کہیں ادھک بلوان ہے۔ میں تم پر کرودھ نہیں کرتا، ورنچ تمھارے سوامی کو اپرسن کرتا ہوں۔ تمھیں دنڈ کا بھے ہے، تم میری نوکری چھوڑنا چاہتے ہو، میں تمھیں نہیں روکتا۔ جہاں چاہو جاؤ۔ یہ لو وستر۔

یہ کہہ کر دیا لو سوامی متر سہت اپنے گھر لوٹ گیا۔ اور ادھرم نراش ہوکر لوپ ہوگیا۔

بال لیلا

ہولی کے دن تھے۔ رات کو ورشا ہوجانے کے کارن گاؤں کی گلیوں میں پانی بہہ رہا تھا ۔ ایک گاؤں میں دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں نوین وَستر پہنے گلی میں آ کر کھیلنے لگیں ۔مایا نے دھرتی پر ایسا پیر مارا کہ دیوکی کی آنکھوں میں چھینٹے پڑ گئے اور اس کا کرتا خراب ہوگیا ۔ مایا ڈر کر بھاگنا چاہتی تھی کہ دیوکی کی ماں آ گئی۔ اس نے دیوکی کو روتے دیکھ، مایا کے منہ پر تھپڑ مارا۔

مایا زور سے رونے لگی ۔ اس کی ماں اس کے رونے کا شبد سن کر باہر آ گئی اور بولی-- کیوں' کیا ہوا ؟ میری لڑکی کو کیوں مار رہی ہو؟

مایا نے رو کر کہا— ہوں'ہوں دیوکی کی ماں نے مارا ، بس پھر کیا تھا، وہ لگی دیوکی کی ماں کو کوسنے ۔

شنیہ شنیہ دونوں گھر کے اور لوگ آ گئے اور لگے آپس میں لڑنے۔ ایک بڑھیا بولی کہ کیا کرتے ہو؟ ہولی کا دن ہے' جانے دو' چُپ کرو۔ پرنتو کون سنتا تھا، انت میں دیوکی اور مایا نے ہی لڑائی بند کی اور وہ اس پرکار کہ ادھر تو استری پُروش لڑائی کرر ہے تھے، ادھر دیوکی مایا کو منا کر پھر وہیں جا کر کھیلنے لگی۔ ان دونوں نے گڑھے میں ایک نالی بنا کر اس میں گھاس کے تنکے تیرانے شروع کیے۔ ایک تنکا بہہ نکلا۔ وہ دونوں اس کے پیچھے دوڑتی دوڑتی وہاں پہنچ گئیں، جہاں یہ مہابھارت چھڑا ہوا تھا ۔

بڑھیا لڑکیوں کو آتے دیکھ کر بولی — تمھیں لجا نہیں آتی۔ انہیں لڑکیوں کے کارن لڑائی ہورہی ہے کہ اور بھی کچھ ؟ یہ بیچاری تو پریم بھاؤ سے سب کچھ بھول کر اپنے کھیل میں لگی ہوئی ہیں ،تم نے یُدھ یکیہ رچ رکھا ہے۔تم سے ادھک بدھی ان لڑکیوں میں ہے ۔

سب کے سب چُپ ہوگئے اور مہاتماؤں کا یہ وَچن اسمرن کرنے لگے کہ بالکوں کی بھانتی جب تک پُروش اپنا انتہ کرن شدھ نہیں کرتا، پرماتما میں نہیں مل سکتا ۔

سکھ تیاگ میں ہے

اودھ راجیہ میں چتر سنگھ نامک ایک کسان رہتا تھا۔ ویواہ ہونے کے ایک ورش پیچھے اس کے پتا کا دہانت ہوگیا۔ اس سے اس کے پاس دھن دولت نہ تھی۔ دو گائے، دو بیل، ایک گھوڑی اور دس بھیڑیں تھیں، لیکن پشو پالن میں کشل ہونے کے کارن پینتیس ورش کے لگاتار پریشرم سے اب اس کے پاس دو سو گائیں، ڈیڑھ سو بیل، بارہ سو بھیڑیں ہوگئی تھیں۔ وہ بڑے پرتشٹھت پُروشوں میں گنا جانے لگا۔

جیسا کہ سنسار کی ریتی ہے۔ بہت لوگ اس سے ڈاہ کرتے اور کہتے تھے۔ چتر سنگھ بڑا بھاگیوان ہے۔ دھن دولت سب کچھ اس کے پاس ہے، سنسار اب اسے سکھ روپ ہو رہا ہے۔ چتر سنگھ کو اتتھی سیوا کا پریم تھا۔ اس کے دو پتر اور ایک کنیا تھی۔ وہ سب بیاہے ہوئے تھے' غریبی کی دشا میں تو سب مل کر کام کیا کرتے تھے۔ دھنوان ہوجانے پر دشا بگڑگئی۔ بڑا لڑکا مدھ کا سیون کرتے کرتے ایک دن کسی لڑائی میں کام آیا ،چھوٹا لڑکا ایک گلہاری استری سے ویواہ کرکے پتا سے الگ رہنے لگا۔

وپتی کے دن پھر آئے۔ پشوؤں میں مری پڑی، سب پشو مرگئے ، ایک نہ بچا۔ دھن کچھ چوروں نے ہر لیا، کچھ یوں ہی نبٹ گیا۔ یہاں تک کہ چتر سنگھ کے پاس کوڑی نہ بچی۔ پڑوسی آنند سنگھ نے ترس کھاکر اسے اور اس کی اِستری کو اپنے گھر میں نوکر رکھ لیا۔

آنند سنگھ کو ان کے نوکر رکھ لینے میں بڑا لابھ ہوا، کیونکہ پُروش اِستری دونوں بڑے سداچاری اور سوامی بھگت تھے۔

ایک دن آنند سنگھ کے گھر میں اس کے کچھ سمبندھی آئے۔ بھوجن کرتے سمے آنند سنگھ نے اپنے سمبندھی سے کہا کہ تم نے اس بوڑھے کو دیکھا؟

سمبندھی— اس بوڑھے میں کیا بات ہے؟

آنند سنگھ— وہ اس پرانت میں کبھی سب سے ادھک مالدار تھا، اس کا نام چتر سنگھ

ہے۔

سمبندھی — ہاں، چتر سنگھ! میں نے اس کا نام تو سن رکھا تھا، دیکھا اسے آج ہی ہے۔

آنند سنگھ— اب وہ اتنا کنگال ہوگیا ہے کہ اسے نوکری کرنی پڑی۔

سمبندھی — بھاوی بڑی پربل ہے۔ لکشمی کبھی استھر نہیں رہتی! میرے وِچار میں چتر سنگھ پچھلی بات یاد کرکے بہت دکھی رہتا ہوگا۔

آنند سنگھ— مجھے کچھ معلوم نہیں، میرے سامنے کبھی کچھ نہیں بولتا، چپکے چپکے کام کیے جاتا ہے۔

سمبندھی — بھلا پوچھوں' تو کہ کیا حال ہے۔

آنند سنگھ— ہاں پوچھ' دیکھو۔

سمبندھی —(چتر سنگھ سے) بابا' تم ہمیں اس بھانتی آنند سے گدے' تکیے پر لیٹتے' نانا پرکار کے وینجن کھاتے دیکھ کر اوشیہ دکھی ہو گے، کیونکہ ایک سمے تھا کہ تم بھی دھنی تھے۔

چتر سنگھ (ہنس کر) —اپنے سکھ دکھ کا بیورا یدی میں تمھیں سناؤں گا، تو تمھیں وشواس نہیں ہوگا۔ ہاں میری استری سے پوچھ دیکھو کہ وہ کیا کہتی ہے، کیونکہ استریوں کو اپنی بہن لکشمی سے بڑا پیار ہوتا ہے۔

استری پچھلی اُور کواڑوں کی اوٹ میں بیٹھی تھی' سمبندھی نے اس سے پوچھا — مائی کہوکہ پہلے سکھ تھا کہ اب ہے؟

استری — سنیے میں اور میرا پتی دونوں پچاس ورش تک یتھارتھ سکھ کو کھوجتے رہے، وہ نہیں ملا۔ جب سے اس گھر میں نوکر ہوئے ہیں' تب سے کچھ سکھ پراپت ہوا ہے۔ اب ہمیں کسی بات کی ابھلاشا نہیں۔

سوائے چتر سنگھ کے سب اُپہاس کرنے لگے۔

استری — میں ستیہ کہتی ہوں، ہنسی نہیں کرتی۔ دھنوان ہونے پر ذرا بھی سکھ نہ تھا، سکھ اب ہے۔

سمبندھی — کیوں؟

استری دھن ہونے پر ہم سدیو ایسے چنتا گرست رہتے تھے کہ پرماتما کو کبھی اسمرن نہیں کرتے تھے، آج کوئی بڑا آدمی آگیا، اس کی سیوا میں کوئی تروٹی نہ رہ جائے' نہیں تو

ایمان ہوگا۔ نوکر کام نہیں کرتے ،کیا کریں! گائے بہت ہیں، رات کوکہیں باگھ نہ اٹھا لے جائے، سدا چوروں کا بھے رہتا تھا، ساری رات جاگتے کٹتی تھی، پھر کبھی میری اور پتی کی کسی نہ کسی بات پر لڑائی بھی چل جاتی تھی، تاتپریہ یہ کہ کوئی چھن ایسا نہ تھا کہ چین سے بیٹھے ہوں۔

سمبندھی — بھلا' اب ؟

استری — اب لڑائی ہے نہ چنتا۔جب کانٹا نہ رہا تو پیڑا کیوں ہو؟ سوامی کا کام کیا اور چھٹی ہوئی ۔اودھو کا لینا نہ مادھو کا دینا۔ دُکھ کا اب لیش نہیں ۔

وہ سب ہنسنے لگے ۔

چتر سنگھ — یہ بات ہنسنے کی نہیں۔منش جیون میں ستیہ وچن ہے تو یہی ہیں۔ دھن نشٹ ہوجانے پر پہلے ہم وِلاپ کیا کرتے تھے جب سے گیان چکشو کھل گئے ہیں، تب سے ہم موہ کے بندھن سے چھوٹ گئے ۔ سنساری وشے میں لپت ہونے سے سُکھ پراپت نہیں ہوسکتا ۔

وہیں ایک پنڈت بھی بیٹھا ہوا تھا، وہ بولا — بہت ستیہ ہے، نسند یہہ سُکھ تیاگ میں ہی ہے، راگ میں نہیں ۔

بھوت اور روٹی

ایک دن پراتہ کال ایک غریب کسان گھر سے دو روٹی پلّے باندھ کر ہل جوتنے چلا۔ کھیت میں پہنچ کر روٹی تو اس نے ایک جھاڑی تلے رکھ دی اور آپ ہل چلانے لگا۔ دوپہری ہونے پر اس نے بیلوں کو چرنے چھوڑ دیا اور آکر جب روٹی اٹھانے لگا تو روٹی ندارد!

ادھر دیکھا، اُدھر دیکھا، کچھ پتہ نہیں۔ کوئی جاتا بھی دکھائی نہیں دیا۔ پھر روٹی کس نے اٹھالی؟

واستو میں روٹی ایک بھوت نے اٹھالی تھی۔ وہ جھاڑی کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا۔

کسان بولا — کیا ہوا ایک دن روٹی نہ کھائی تو مر نہیں جاؤں گا۔ کسی بھوکے نے ہی اٹھائی ہوگی، بھگوان اس کا بھلا کرے۔

یہ کہہ کر کنوئیں پر پانی پی، اس نے پھر کھیت جوتنا شروع کر دیا۔ بھوت اداس ہوکر اُدھرم کے پاس پہنچا اور اسے سارا ورتانت کہہ سنایا۔

اُدھرم — (کرودھ سے) تم مُرکھ ہو، کام کرنا کیا جانو! یدی سنساری لوگ اس پرکار سنتوش کرکے جیون وتیت کرنے لگیں گے تو ہمارا بیڑا ہی ڈوب جائے گا۔ جاؤ، ترنت جاکر کوئی ایسا اُپائے کرو کہ منش میں سنتوش اور دیا بھاؤ کا لوپ ہو جائے، نہیں تو تمھیں پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔

بھوت لوٹ کر وِچار کرنے لگا کہ کیا یتن کیا جائے۔ سوچتے سوچتے اسے اُپائے سوجھ ہی گیا۔

اس نے ایک کسان کا روپ دھر لیا اور اسی کسان کے پاس جاکر نوکر ہوگیا۔ پہلے ورش تو اس نے کسان کو یہ صلاح دی کہ دلدل میں کھیتی بوؤ۔ دیوگتی سے اس سال چوماسہ نہ لگا، سب لوگوں کی کھیتیاں جل گئیں۔ اس کسان کو بڑا لابھ ہوا۔ کھال کی دھرتی ہونے کے کارن کافی اناج اُگا۔

دوسرے ورش اس نے کسان سے کہہ کر ایک اونچے ٹیلے پر کھیتی بووائی۔ کال وش اتی ورشٹی ہونے کے کارن سب کھیتیاں پانی میں ڈوب کر سڑ گئیں۔ اس کسان کو کوئی ہانی نہ پہنچی۔

اب کسان کے پاس اتنا جو پیدا ہوا کہ کوٹھے بھر گئے۔ کرے تو کیا کرے؟ بھوت نے اسے جو سے مدھ بنانا سکھلا دیا۔ بس، پھر کیا تھا، کسان مدھ بنا بنا کر متروں سہت اس کا سیون کرنے لگا۔

بھوت نے اُدھرم راج کے پاس پہنچ کر وِنے کی۔ مہاراج اب چل کر دیکھیے کہ میں نے کیسا منتر چلایا ہے۔ اب کسان کداپی نہیں بچ سکتا۔ اتیو وہ دونوں کسان کے گھر پر پہنچے۔

دیکھا کہ وہاں آس پاس کے کسان اکتر ہیں۔ کسان کی استری ان سب کو مدھ پلا رہی ہے۔ اتنے میں اس نے ٹھوکر کھائی اور مدھ کا پیالا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

کسان — (کرودھاتُر) پھوہڑ کہیں کی! کیا تو اسے ڈاب کا پانی سمجھتی ہے؟

بھوت نے ادھرم سے کہا— یہ وہ کسان ہے، جو رنک ہونے پر بھی روٹی کھانے کی کچھ بھی چنتا نہیں کیا کرتا تھا۔

استری کو جھڑک کر کسان آپ سب کو مدھ پلانے لگا۔ اسی سمے وہاں کوئی سادھو بھوجن مانگنے آ گیا۔ کسان اسے دُتکار کر بولا۔ جاؤ یہاں سے، بھیتر گھس آتے ہو؟ یہاں بھوجن ووجن کچھ نہیں۔

ادھرم بڑا پرسن ہوا، بھوت بولا — ابھی کیا ہے، دیکھتے جائیے، کیا کیا ہوتا ہے۔ سب کسان پہلا پیالا پی کر مست ہو گئے اور آپس میں چکنی چپڑی باتیں کرنے لگے۔

اُدھرم — واہ بھائی بھوت کیا کہنا ہے، یدی یہ لوگ مدھ کے بھکت بن کر ایک دوسرے سے لومڑیوں کی طرح کپٹ کی باتیں کرنے لگیں گے، تو ہمارا راجیہ اچل ہو جائے گا۔

بھوت — مہاراج، ابھی تو پہلا ہی پیالا ہے، دوسرا پیالا پینے دیجیے، پھر ان کو آپ باگھ کے روپ میں دیکھیں گے۔

دوسرا پیالا پینے کی دیر تھی کہ وہ لوگ لگے آپس میں کولاہل اور ہاتھا پائی کرنے۔ کسی نے کسی کی ناک کاٹ لی، کسی نے کسی کے کان۔ سوئم گھر کے مالک پر بے بھاؤ کی پڑی۔

اُدھرم (اتی پرسنتا سے) — واہ! واہ کیا خوب!

بھوت — بس تیسرا پیالا پیٹ میں گیا کہ سب کے سب سور بنے۔

کسانوں نے تیسرا پیالا پی لیا ۔ درشیہ ہی اور ہو گیا۔ وہ پشو سمان ننگے ہو کر ناچنے لگے ۔کوئی ادھر بھاگا کوئی ادھر ۔کوئی کہیں گر پڑا، کوئی کہیں ۔ کسان دوڑ کر موری میں گر پڑا اور سوؤر کی بھانتی وہیں پڑا ابلا مچاتا رہا۔

ادھرم — بھائی بھوت ،تم نے تو بڑا کام کیا ، یہ منتر تو ایک ہی ہے ۔ میری سمجھ میں تم نے مدھ بناتے سمے اس میں لومڑی، باگھ اور سور کا رودھِر اوشیہ ملا دیا ہے جس سے وہ باری باری لومڑی باگھ اور سور بن گئے ۔

بھوت — مہاراج یہ بات نہیں۔ یہ نیم ہے کہ منش کو نتیہ کیول شودھا نوارن کرنے کو اَن ملتا رہتا ہے، تو وہ کوئی اُپدرو نہیں کرتا ۔ جیوں ہی اسے ادھِک ملا کہ اس نے دھوم مچائی۔ بس یہی منتر میں نے اس کسان پر چلایا ہے ۔ جب تک وہ نردھن تھا ۔ سنتوش سے جیون ویتیت کرتا تھا ۔ میں نے اسے اتنا اَنّ دیا کہ اس کی بدھی بھرشٹ ہوگئی۔ مدھ بنانا سیکھ کر اس نے پرمیشور کے دیے ہوئے گُن کارک پدارتھوں کو وشے بھوگ کے نمت مادک بنا ڈالا ۔ لومڑی، باگھ اور سوؤر کا انش اس میں پہلے سے اپستھت تھا ۔ اوسر پاتے ہی سب کچھ پرکٹ ہوگیا ۔ اب وہ مدھ بھکت ہوکر سدیو پشو بنا رہے گا ۔

ادھرم نے اتی پرسن ہوکر بھوت کو پردھان کی پدوی دے دی۔

ایک آدمی کو کتنی بھومی چاہیے

ایک دن اُرملا اپنی چھوٹی بہن نرملا سے گاؤں میں ملنے آئی ۔ اُرملا ایک دھنی سوداگر سے بیاہی تھی اور نرملا گاؤں میں ایک غریب کسان کے ساتھ ۔ بھوجن کرتے سے ان میں یوں بات چیت ہونے لگی ۔

اُرملا — نرملا' مجھے گاؤں میں رہنا پڑے تو گاؤں میں ذرا بھی جی نہ لگے ۔ دیکھو ہم نگر میں رہ کر کیسے سندر وستر پہنتی ہیں ۔ نانا پرکار کے ویجن کھاتی ہیں ۔ ناٹک تماشے دیکھتی ہیں ۔ باغ بغیچوں میں سیر کرتی ہیں اور سدیو رنگ رلیاں مناتی ہیں ۔

نرملا (ابھیمان سے) — مجھ سے کہتی ہو؟ میں تو کبھی بھی تمھارے ساتھ ادلا بدلی نہ کروں ۔ مانا کہ ہم موٹا جھوٹا کھاتے ہیں، لیکن ہمیں رات دن چنتا تو نہیں گھیرے رہتی۔ تمھیں تو سدیو لگی رہتی ہے ۔ ہانی لابھ دو جڑواں بھائی ہیں، جو آج راجا ہے وہی کل کنگال ہے ۔ یہاں تو سدیو ایک رس رہتے ہیں ۔ کسان دھنوان نہیں بن سکتے، لیکن ان و وستر کی تو ان کو کمی ہو ہی نہیں سکتی ۔

اُرملا — اَن کی ایک ہی کہی۔ تم تو پشو ہو ۔ ریتی نیتی، آچار ویوہار، کیا جانو ؟ کتنا ہی مارو کھپو تم اور تمھاری سنتان ایک دن اِسی کھاد کے ڈھیر پر پران تیاگ کر دے گی اور بس۔

نرملا — اس سے کیا! مرنا تو ایک دن سبھی کو ہے ۔ کھیتی کا کام کٹھن ہے، پر ہمیں کسی کا بھے نہیں ، نہ کسی کو مستک جھکانا پڑتا ہے ۔ نگر میں رہتے ہوئے منش کا چت چنچل رہتا ہے ۔ کیا جانے، کل تمھارا پتی مدھ سیوی بن کر جواری اور ویشیا گامی ہو جائے ۔ ایسی باتیں آئے دن سننے میں آیا کرتی ہیں ۔

متھرا چارپائی پر پڑا ہوا یہ باتیں سن رہا تھا۔ من میں سوچنے لگا، میری اِستری کہتی تو سچ ہے ہم بال پن سے ہی کھیتوں کے کام میں لگے رہتے ہیں کہ ہمیں کُکرم کرنے کا دھیان

تک نہیں آتا ۔ پر دکھ یہی ہے کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ۔ ہمارے پاس کھیت نہیں ہیں۔ یدی میرے پاس دھرتی کافی ہو جائے تو پھر چاندی ہے ۔

سنیوگ سے اُدھرم بھی وہاں بیٹھا یہ باتیں سن رہا تھا ۔ متھرا میں دھرتی کی لالسا اُتپن ہوتے دیکھ کر پرسن ہو کہنے لگا کہ اسی ترشنا کے وَش ایک دن اس کا سروناش کروں گا ۔

۲

اس گاؤں کے سمیپ ایک زمیندارن رہتی تھی، جس کے پاس دو سو بیگھے بھومی تھی۔ اس نے ایک بوڑھا سپاہی کارندہ رکھ چھوڑا تھا ۔ وہ کارندہ اسامیوں کو بڑا دکھ دیتا تھا ۔ متھرا اپنے پشوؤں کو سنبھال سنبھال کر رکھتا تھا، پر کبھی کبھی وہ اس کے کھیت کھلیان میں چلے ہی جاتے تھے ۔ کئی بار اس کی اور کارندے کی لڑائی ہوئی ۔ متھرا اتینت دکھی ہو گیا تھا ۔

کچھ دن اپرانت یہ چرچا پھیلی کہ بڑھیا اپنی ریاست بیچتی ہے اور گاؤں کا بنیا اسے مول لینے کو تیار ہے ۔ گاؤں والے ڈرے کہ یدی بنیا مالک بن گیا، تو اس کے سپاہی کارندے سے بھی ادھک دکھ دیں گے ۔ اچت یہ ہے کہ سب مل کر ریاست خرید لیں ۔ پرنتو ادھرم نے ان میں ایسی پھوٹ ڈالی کہ وہ لوگ کوئی نشچے نہ کر سکے ۔ تب انھوں نے فیصلہ کیا کہ لوگ اپنے اپنے نام سے بھومی خریدیں ۔ بڑھیا اس پر بھی راضی ہو گئی ۔ ایک کسان نے پچاس بیگھا دھرتی بڑھیا سے اس شرط پر مول لی کہ آدھا دام ترنت دوں گا اور آدھا ایک ورش پیچھے ۔

یہ سن کر متھرا کے من میں بھی ارشیا اتپن ہوئی ۔ اس نے وچارا کہ کچھ بھی ہو، چالیس بیگھا دھرتی اوشیہ مول لینی چاہیے ۔ سو روپے گھر میں جمع تھے ۔ باقی کچھ اناج اور بیل بیچ کر چالیس بیگھا دھرتی خرید ہی لی ۔ آدھا دام پہلے دے دیا، آدھا دو ورش پیچھے چکا دینے کا وچن دیا ۔

متھرا بڑا پُروشارتھی تھا ۔ خوب محنت سے کھیت جوتے، بوئے، فصل اچھی لگی ۔ دو ورش کے بھیتر بھیتر رِن چک گیا ۔ اب وہ اپنے کھیتوں، پشوؤں، بھوسے، کھلیان، چراند کو دیکھ کر پھولا نہ سماتا ۔ یہ کھیت وہاں پہلے بھی تھے اور متھرا انھیں نتیہ دیکھا بھی کرتا تھا ۔ پرنتو ممتو ہو جانے کے کارن ان کو دیکھنے میں اب کچھ اور ہی آنند ملتا تھا۔

۳

اب متھرا کے پاس اپنی زمین تھی اور اس کے دن سکھ سے کٹ سکتے تھے ۔ پرنتو پڑوسی بڑا دکھ دینے لگے ۔ کبھی کوئی کھیت میں بیل چھوڑ دیتا، کبھی گاؤں کے بالک چراند میں ڈنگر چرانے لگتے ۔ پہلے پہلے تو وہ سب سہن کرتا رہا، پر کہاں تک کرے ؟ اس نے وچارا کہ یدی اس پرکار چپ لگائے رہوں گا تو یہ چین نہ لینے دیں گے۔ آخر اس نے نالش کر کے کئی منشیوں پر ڈنڈ لگوا دیا ۔ لوگ اس سے جل کر اور بھی دکھ دینے لگے ۔

ایک رات دیارام نے متھرا کی دھرتی میں سے سارے ورکش کاٹ ڈالے۔ اس نے پراتہ کال جا کر دیکھا تو سارے ورکچھ کٹے پڑے ہیں، آگ ہو گیا۔ سوچنے لگا، یہ کس کی شرارت ہے ؟ کوئی ایک آدھ ورکش کاٹ لیتا تو خیر، کچھ بات نہ تھی ، پر اس چنڈال نے تو ایک بھی ورکش نہ چھوڑا ۔ ہو نہ ہو، یہ اُپدرو تو دیارام نے کیا ہے ۔

بس کرودھ سے بھرا ہوا وہ دیارام کے گھر پہنچا اور بولا -- تم نے ورکش کیوں کاٹے ؟ دیارام لڑنے مرنے پر تیار ہوگیا ۔ کیسے ورکچھ ؟ کس نے کاٹے ؟ جاؤ، نہیں تو ابھی سر پھوڑ دیتا ہوں ۔ متھرا بھلا یہ باتیں کب سہہ سکتا تھا ؟ ترنت کچہری میں پہنچا اور نالش ٹھونک دی ۔ فیصلہ ہونے پر دیارام کورا بچ گیا ۔ ورکچھ کاٹنے کا کوئی ساکشی نہ تھا ۔ متھرا جل بھن کر حاکموں کو گالیاں دینے لگا کہ تم چوروں کو چھوڑ دیتے ہو ۔ تم سوئم چور ہو اتیا دی ۔

تاتپریہ یہ ہے کہ اب کوئی دن ایسا نہ تھا کہ پڑوسیوں سے اس کا لڑائی جھگڑا نہ ہو ۔ پہلے جب گھر کی ایک بسوا دھرتی پاس نہ تھی، تو وہ بڑا سکھی تھا ۔ اب نتیہ کلیش رہتا تھا ۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں ۔

ان ہی دنوں گاؤں میں یہ چرچا ہوئی کہ لوگ گھر بار چھوڑ کسی نئے دیش میں جانے کا وچار کر رہے ہیں ۔ متھرا بڑا پرسن ہوا کہ اُجاڑ ہوجانے پر بہت سی دھرتی مل جائے گی ، آنند پُروک دن کاٹوں گا ۔

ایک دن متھرا کے گھر میں ایک اتیتھی آیا ۔ متھرا نے اس کا بڑا آدر ستکار کیا ۔ راتری کو بھوجن کرتے سمے اتیتھی بولا کہ سرکار نے پنجاب میں ایک نئی بستی بسائی ہے ۔ منش پیچھے پچیس بیگھا زمین ملتی ہے۔ زمین بڑی سندر ہے ۔ ابھی ایک منش خالی ہاتھ وہاں آیا تھا ،

دو ورش کے اندر مالا مال ہوگیا۔

یہ سن کر متھرا کو ترشنا نے آگھیرا۔ کہنے لگا — میں اس اندھ کوپ میں کیوں سڑوں۔ گھر بار بیچ کر اس نئی بستی میں کیوں نہ چلا جاؤں؟ یہاں تو پڑوسیوں نے وپتی میں جان ڈال رکھی ہے، پرنتو پہلے جاکر دیکھ آؤں۔

ان دنوں ریل نہ تھی۔ تین سو میل پیدل چلنے کا کشٹ اٹھا کر وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ اتیتھی سچ کہتا تھا۔ منش پیچھے پچیس بیگھا زمین ملی ہوئی ہے۔ یدی کوئی چاہے تو ایک روپیہ بیگھا پر ادھک دھرتی بھی مول لے سکتا ہے۔

بس پھر کیا تھا، دیکھ بھال کرکے ترنت گھر کو لوٹ آیا اور دھرتی، مکان، پشو آدی سب بیچ باچ کر نوین بستی کو چل دیا۔ ہائے ترشنا!

۴

متھرا کٹمب سہت نئی بستی میں پہنچا اور چودھریوں سے مترتا کرکے ایک سو پینتیس بیگھا دھرتی لے لی اور مکان بنا کر وہاں نواس کرنے لگا۔

اس بستی میں یہ ریتی تھی کہ ایک ہی کھیت کو لگاتار دو ورش باہنے بونے کے پیچھے دھرتی چھوڑنا پڑتا تھا تاکہ دھرتی نکمی نہ ہونے پاوے۔ لوبھ پاپ کا مول ہے۔ پہلے پہلے تو متھرا آنند سہت اپنا کام کرتا رہا، پرنتو اب اس کے دھیان میں ۱۳۵ بیگھا دھرتی بھی تھوڑی تھی۔ اس کی لالسا تو یہ تھی کہ ساری دھرتی میں گیہوں بوئے۔ دھرتی پرتی چھوڑے تو کہاں سے چھوڑے؟ پھر اس نے دیکھا کہ بہت لوگ پنچایت سے الگ زمین لے کر کھیتی کرکے دھن سنچے کرنے لگے ہیں۔ اتیو وہ سدا چنتا گرست رہنے لگا۔

پھل یہ ہوا کہ وہ دوسروں سے کھیت لے کر بٹائی پر کھیتی کرنے لگا۔ یدپی بہت سا دھن اکتر کر چکا تھا۔ تس پر بھی ترشنا بڑھتی ہی جاتی تھی۔ تیسرے ورش ٹھیک فصل کے سمے جب بٹائی والی دھرتی میں گیہوں پکے کھڑے تھے تو مالک نے اپنی دھرتی چھڑا لی۔ پھر تو متھرا کے کلیش کی کوئی سیما نہ رہی۔ کہنے لگا کہ یدی آج یہ دھرتی میری اپنی ہوتی، تو کیا ایسا ہوسکتا تھا۔

دوسرے دن معلوم ہوا کہ پڑوسی اپنی تیرہ سو بیگھا دھرتی پندرہ سو روپے میں بیچتا ہے۔

سودا پکا ہو رہا تھا کہ اکسمات ایک اتیتھی آ پہنچا ۔

اتیتھی (متھُرا سے) — تم بڑے ہی مُرکھ ہو کہ پندرہ سو روپے میں تیرہ سو بیگھا دھرتی مول لیتے ہو ۔ گجرات دیش میں کیوں نہیں چلے جاتے ؟ وہاں دھرتی بڑی سستی ہے ۔ میں نے وہاں ایک ہزار روپے میں تیرہ ہزار بیگھا دھرتی مول لی ہے ۔ وہاں کا راجا بڑا سیدھا سادا ہے، بس وہاں جا کر اسے پرسن کر لو جتنی دھرتی چاہو گے، مل جائے گی ۔

متھُرا نے اس کا کہنا مان لیا اور اس بستی میں دھرتی لینے کا وِچار چھوڑ دیا ۔

۵

دوسرے دن متھُرا کُٹمب کو بستی میں چھوڑ کر ایک نوکر ساتھ لے ایک ہزار روپے پلّے باندھ، گجرات کو چل دیا ۔ پانچ سو میل چلنے پر وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ سب لوگ ڈیروں میں رہتے ہیں، نہ کوئی دھرتی بوتا ہے، نہ اَنّ کھاتا ہے۔ گائے، بھینس، گھوڑے اتیادی ترائی میں چرتے پھرتے ہیں ۔ استریاں دودھ دوہ کر مکھن آدی بنا لیتی ہیں' یہی ان کی جیوکا ہے۔ سب لوگ ہنستے کھیلتے، گاتے بجاتے، آنند سہت کال ویتیت کر رہے ہیں، کوئی جھگڑا ہے، نہ لڑائی ۔ سب کے سب اَن پڑھ اور مُوَرکھ ہیں ۔ پرنتو کپٹ کا نام نہیں ۔

متھُرا کو دیکھ کر وہ لوگ بڑے آننددت ہوئے اور بڑی آؤ بھگت سے اسے ایک ڈیرے میں لے گئے ۔ متھرا نے انھیں کچھ پدارتھ بھینٹ کیے۔

لوگ (بھینٹ لے کر) — مہاشے یہاں کی یہ ریتی ہے کہ جو کوئی ہمیں بھینٹ دیتا ہے اس کے بدلے میں ہم اسے کچھ اوشیہ دیتے ہیں ۔ اس کارن آپ بتلائیے کہ آپ کیا چاہتے ہیں ۔

متھُرا — مجھے کیول دھرتی کی ابھلاشا ہے ۔ ہمارے دیش میں بستی بڑھ جانے کے کارن ماتا نے پھل دینا چھوڑ دیا ہے۔ تمھاری دھرتی اچھی معلوم ہوتی ہے ۔

لوگ (ہنس کر) — ہاہا! یہ بات تو نہیں ۔ دھرتی جتنی چاہو لے لو ۔ پرنتو ہم اپنے راجا سے پوچھ لیں ۔

۶

اتنے میں راجا بھی وہاں آ گیا ۔ یہ باتیں سن کر متھرا سے کہنے لگا -- ہاں! جتنی بھومی چاہے لے لو ۔

متھرا — میں آپ کو دھنیہ واد دیتا ہوں ۔ مجھے بہت نہیں چاہیے ۔ ہاں، اتنی بات ہے کہ دھرتی ناپ کر پٹا لکھ دیجیے ۔ مرنا جینا بنا ہوا ہے' لکھا پڑھی بنا سودا ٹھیک نہیں ہوتا ۔ آج آپ دے دیں، کل سیات آپ کی سنتان مجھ سے دھرتی چھین لے تو کیا بنا لوں گا ؟

راجا — بہت ٹھیک' دھرتی ناپ کر پٹا لکھ دیں گے ۔

متھرا — دام کیا ہوں گے ؟

راجا — ہم ایک بات جانتے ہیں، دوسری نہیں ۔ بس ایک دن کی ایک سہستر مُدرا ۔

متھرا — دن کا کیا حساب ہے، میں نہیں سمجھا۔

راجا — بھائی صاحب 'بگھا سگھا ہم کچھ نہیں جانتے 'ہم تو ایک دن کی ایک سہستر مُدرا لیتے ہیں ۔ سوریہ اُدے سے سریہ اَست تک جتنا چکر کوئی منش کاٹ لے ۔ اتنی ہی دھرتی اس کی ہو جاتی ہے ۔

متھرا — کیا کہا ؟ ایک دن میں تو منش بڑا بھاری چکّر کاٹ سکتا ہے ۔

راجا — ہاں' تو کیا ہوا ۔ پرنتو ایک بات یہ ہے کہ جہاں سے چلوگے سوریہ اَست سے پہلے پہلے تمھیں وہیں آنا پڑے گا ۔

متھرا — بھلا چکّر کا چنھ کون لگائے گا ؟

راجا — تم ایک کدال لے جانا اور گڈھے دیتے جانا ۔ پرنتو یہ یاد رہے کہ جہاں سے چلو سوریہ اَست سے پہلے وہیں آ جاؤ ۔

متھرا — بہت اچھا۔

یہ باتیں سن کر متھرا اتینت پرسن ہوا ۔

۷

ہدرا کہاں ؟ متھرا رات بھر اسی سوچ وِچار میں رہا کہ میں پینتیس میل کا چکّر سہج میں

کاٹ سکتا ہوں ۔ اوہو، پینتیس میل! پھر تو میں بڑا علاقہ دار بن جاؤں گا ۔ سوبھاگیہ سے دن بھی بڑے ہیں، پینتیس میل دھرتی بہت ہوتی ہے ! گھٹیا دھرتی بیچ ڈالوں گا ۔ اچھے اچھے کھیت آپ رکھ لوں گا ۔

دن نکلنے کے پہلے متھرا کی ایک چھن کے لیے آنکھیں جھپک گئیں ۔ کیا سوپن دیکھتا ہے کہ گجرات دیش کا راجا سمکھ کھڑا ہنس رہا ہے۔ پاس جا کر ہنسنے کا کارن پوچھا تو جان پڑا کہ راجا نہیں، وہ تو گجرات دیش کا سوچنا دینے والا اتیتھی ہے ۔ تم کہاں ! پر معلوم ہوا، وہ تو نوین بستی کی بات بتلانے والا بنک ہے ۔ سمیپ جاکر دیکھنے لگا تو بنک کہاں ! وہاں تو ساکشات ادھرم راج منہ بائے کھڑے ہیں اور ان کے پیروں کے نیچے دھوتی کپڑا پہنے ایک پُروش چت مرا پڑا ہے ۔ جھک کر دیکھا تو متھُرا ! وہ بھیبت ہوکر اٹھ بیٹھا ۔ او ہو، سوپن میں بھی کیا کیا بھینکر درشیہ دکھائی پڑتے ہیں ۔

سوریہ اُگتے ہی وہ راجا سہت جنگل کو چل دیا ۔

۸

جنگل میں پہنچ کر راجا نے کہا کہ جہاں تک درشٹی جاتی ہے، ہمارا ہی دیش ہے ۔ کہیں سے چکّر کاٹنا آرمبھ کر دو ۔ دیکھو میں یہ چھڑی رکھ دیتا ہوں ۔ بس سوریہ اَست سے پہلے یہیں آ جانا ۔

متھرا چھڑی پر ایک ہزار روپے رکھ کر، روٹی پلّے باندھ، چھڑی ہاتھ میں لے، چکّر کاٹنے لگا ۔ تین میل چلنے پر ایک پہر دن چڑھ آیا ۔ اسے گرمی ستانے لگی ۔

متھرا نے من میں کہا، دن کے چار پہر ہوتے ہیں ۔ ابھی تو تین پہر شیش ہیں ۔ ابھی لوٹنا اُچت نہیں ۔ جوتے اُتار ڈالوں، ننگے پیر چلنے میں سوبھیتا ہوگا ۔ تین میل اور جاکر بائیں اُور پھر جاؤں گا ۔ اہا ہا! یہ ٹکڑا تو بہت ہی اچھا ہے، بھلا یہ کہیں چھوڑنے یوگیہ ہے ! یہاں تو جیوں جیوں آگے بڑھتا ہوں ۔ اچھی ہی اچھی دھرتی آتی جاتی ہے ۔ (پھر کر) او ہو! راجا آدی تو کوئی دکھائی نہیں پڑتا ، شاید دور نکل آیا ۔ اب لوٹنا چاہیے ۔ گرمی بڑھ گئی ہے ۔ پیاس سے گلا سوکھا جاتا ہے ۔ اس کے بائیں اُور لوٹتے لوٹتے دوپہر ہوگئی ، تب وہ ذرا دم لینے کو بیٹھ گیا ۔ روٹی نکال کر کھائی، پانی پیا اور پھر چل کھڑا ہوا ہے ۔ سوریہ کا تیج سہا نہ جاتا تھا ۔

گرمی اتنی تھی کہ شریر جھلسا جاتا تھا ۔ پرنتو ترشنا کا بھوت سر پر سوار تھا ۔ کرے تو کیا کرے! کہنے لگا -- کیا چنتا ہے ! ابھی دکھ' پھر سکھ' چلو۔ چلتے چلتے دور نکل گیا ، تب اسے دھیان آیا - یہ تو برا ہوا ۔ میں نے بڑی چوک کی ۔ اب یدی پورا گھیرا دے کر دھرتی کو ٹھیک چوکور بناؤں گا تو سوریہ اَست سے پہلے چھڑی پر پہنچنا اَسمبھو ہے' اچھا تکونا ہی رہنے دو ۔ یہیں سے لوٹ چلوں ۔ ایسا نہ ہو کہ سوریہ اَست ہو جائے اور میں بیچ میں ہی رہ جاؤں ۔

۹

متھرا ناک کی سیدھ میں چھڑی کی اُور چلنے لگا ۔ گرمی کے مارے اس کا مکھ سوکھ گیا' شریر جل اٹھا' پاؤں گھائل ہوگئے ۔ ٹانگیں تھک گئیں ۔ ٹھہرے کیسے ؟ سوریہ اس کا چاکر تو تھا نہیں کہ اس کے لیے کھڑا رہ جاتا ۔

سوچنے لگا ۔ ہائے ہائے! یہ میں نے کیا کیا ؟ مجھے کیا لالچ نے مار گرایا ۔ سوریہ ڈوبنے آیا' چھڑی کا کہیں پتہ نہیں' کروں تو کیا کروں! ہے بھگوان !

اب صافہ سر سے پھینک' لاٹھی چھوڑ کر وہ دوڑنے لگا ۔

دوڑتے دوڑتے چھاتی لوہار کی دھوکنی بن گئی ۔ اس کا ہردے دھڑکنے لگا۔ وہ سر سے پیروں تک پسینے میں ڈوب گیا ۔ اس کی ٹانگیں لڑکھڑا گئیں ۔ اس نے سمجھا کہ اب پران گئے، چلاّ پڑا ۔ ہائے، ساری کے لالچ میں آدھی بھی کھو بیٹھا ! پرنتو اتنا کشٹ اٹھا کر یدی ٹھہر جاؤں گا ، تو لوگ مجھے مہامُرکھ سمجھیں گے ۔ دوڑو؛ جیسے بن سکے' چھڑی پر پہنچو ۔

اتنے میں اسے وراٹ دیش واسیوں کا شبد سنائی دینے لگا سوریہ ڈوبنے کو ہوا' لالی چھا گئی۔ چھڑی سامنے دکھائی دینے لگی ۔ پاس راجا بیٹھا ہے ۔ چھڑی پر ایک سہستر مُدرا پڑی ہوئی ہے ۔ اسے راتری والا سوپن اسمرن ہوا۔ نراش ہوکر بولا — دھرتی تو مل گئی، پرنتو کیا میں چھڑی تک پہنچ سکتا ہوں ؟

اتنے میں سوریہ اَست ہوگیا ۔ ٹیلے پر وہ کس پرکار پہنچے ؟ وہ چلاّ اٹھا — ہائے ہائے! میرا سارا پریشرم نشپھل ہوا ، سوریہ است ہوگیا ۔

لوگ ٹیلے پر بیٹھے ہوئے پکارنے لگے ۔نہیں نہیں' سوریہ ابھی اَست نہیں ہوا دوڑو ۔

وہ جی توڑ کر دوڑا اور انت میں ٹیلے پر چڑھ گیا ۔ دیکھا کہ چھڑی پڑی ہے ۔ راجا

پاس بیٹھا ہنس رہا ہے۔ پھر سوپن یاد آیا' اس کی ٹانگیں کانپ گئیں۔ وہ منہ کے بل پرتھوی پر گر پڑا۔

گرتے ہوئے اس کا ہاتھ چھڑی کو جا لگا۔ راجا بولا — بڑا اُدھمی ہے' اس نے کتنی دھرتی پر ادھِکار جما لیا!

نوکر جا کر اٹھانے لگا تو دیکھا کہ متھُرا کے مکھ سے رودِھر کی دھارا بہہ رہی ہے اور وہ مرا پڑا ہے۔

پھر کیا تھا' سب نے وہیں جنگل میں لکڑیاں اِکتر کر کے اس کا داہ کرم کیا اور سب کو وِدِت ہو گیا کہ اسے کیول ڈیڑھ گز بھومی کی آوشیکتا تھی۔

انڈے کے برابر دانہ

ایک سمے کھیلتے کھیلتے ندی میں سے بالکوں کو انڈے کے برابر اناج کا ایک دانہ ملا۔ پاس سے ایک راہی جارہا تھا' اس نے ایک آنے میں مول لے کر اس دانے کو کسی راجا کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

راجا دیکھ کر بڑا چکِت ہوا۔سارے منتریوں کو اِکتر کر کے پوچھنے لگا کہ یہ کیا ہے؟ کوئی نہ بتا سکا۔ راجا نے اسے کھڑکی میں رکھ دیا۔ ایک دن مرغی نے آکر اس دانے میں چھید کر دیا۔ تب منتریوں نے جانا کہ وہ اناج کا دانہ ہے۔

راجا نے اپنے راجیہ کے سمست ودوانوں کو آگیا دی کہ کھوج لگائے کہ ایسا دانہ کس دیش میں اُگتا ہے۔ ودوانوں نے پستکیں چھان ماریں' کچھ پتہ نہ چلا۔ انھوں نے آکر راجا سے نویدن کیا کہ مہاراج ہماری پستکوں میں اس دانے کی کہیں ویاکھیا نہیں ملتی۔ کسی کسان کو بلا کر پوچھنا چاہیے۔

راجا نے سیوک بھیج کر ایک کسان کو بلایا۔ کسان بوڑھا، کبڑا۔ پیت بدن، منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، آنکھوں سے اندھا، کانوں سے بہرا، دونوں ہاتھوں میں لاٹھیاں لیے، گرتا پڑتا راجا کے سامنے آیا۔

راجا (ہاتھ میں دانا لے کر) — تم بتلا سکتے ہو کہ ایسا دانہ کس دیش میں اُتپن ہوتا ہے؟ تم نے ایسا دانا کبھی مول لیا ہے۔ اتھوا اپنے کھیت میں بویا ہے؟

کسان (دانہ ٹٹول کر) — پرتھوی ناتھ' میں نے ایسا دانہ کبھی نہیں دیکھا' نہ کبھی میں نے مول لیا، نہ کبھی بویا۔ میں نے تو یہی سادھارن دانے دیکھے ہیں۔سیات میرے پتا کو کچھ معلوم ہو۔ ان سے پوچھ دیکھیے۔

راجا نے اس کے پتا کو بلا بھیجا۔ پتا کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی' وہ بیٹے سے اچھا تھا۔ آنکھ کان نے بھی جواب نہ دیا تھا۔

راجا (دانہ دکھا کر) — بابا، یہ دانا کس دیش کا ہے؟ تم نے ایسا دانہ کبھی خریدا اتھوا بویا ہے؟

پتا — مہاراج، میں نے ایسا دانہ کبھی نہیں بویا۔ مول لینے کے وشے میں میری یہ ونتی ہے کہ میرے سمے میں روپے کی چال نہ تھی۔ اناج کے بدلے میں ہی سب ویوہار چلتا تھا۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے سمے میں آج کل سے دانا بڑا پیدا ہوتا تھا۔ سیات میرے پتا کو کچھ معلوم ہو۔ انھیں بلوا بھیجیے۔

راجا نے اس کے پتا کو بلایا۔ وہ ہٹا کٹا نکھ شِکھ سے ٹھیک، ہاتھ میں لاٹھی نہ سوٹا، راجا کے سامنے آیا۔ راجا نے اسے دانہ دکھایا اور پہلے کی بھانتی وہی پرشن کیا۔

بوڑھا (ہاتھ میں دانا لے کر) — سوامی، یہ دانہ میں نے بہت دنوں سے دیکھا ہے (چکھ کر) ہاں، ٹھیک وہی ہے۔

راجا — بھلا یہ تو بتلاؤ کہ ایسا دانہ کب اور کہاں ہوتا تھا؟ تم نے ایسا دانہ مول لے کر کبھی اپنے کھیت میں بویا تھا؟

بوڑھا — میرے سمے میں سب جگہ ایسا ہی دانہ ہوتا تھا، میں ایسے ہی دانوں سے پلا ہوں۔ ہمارے کھیت میں سروداا یسے ہی دانے اُگا کرتے تھے۔

راجا — پرنتو تم انھیں کہیں سے مول لایا کرتے تھے کیا؟

بوڑھا (ہنس کر) — مہاراج، اس سمے مول لینے اتھوا بیچنے کا پاپ کرم کوئی نہیں کرتا تھا۔ ہم روپے کا نام تک بھی نہ جانتے تھے۔ سب کے پاس کافی اناج ہوتا تھا۔

راجا — تمھارے کھیت کہاں تھے؟

بوڑھا — پرماتما کی پرتھوی ہمارے کھیت تھے۔ جو جہاں چاہتا تھا، ہل چلا سکتا تھا۔ دھرتی کسی ایک آدمی کی نہ تھی۔ سب لوگ اپنے ہاتھوں کی کمائی سے پیٹ بھرتے تھے۔

راجا — اچھا، پہلے یہ بتلاؤ کہ اس سمے دھرتی ایسا بڑا دانہ کیوں اُتپن کرتی تھی، اب کیوں نہیں کرتی؟ دوسرے، تمھارا پوتا دو لاٹھیوں کے سہارا چلتا ہے، تمھارا بیٹا ایک لاٹھی کے سہارے اور تم بنا سہارے چلتے ہو۔ تمھاری آنکھیں اچھی ہیں، دانت ایک بھی نہیں ٹوٹا۔ یہ بات کیا ہے؟

بوڑھا — سوامی اس کا کارن یہ ہے کہ اس سمے منش نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔

دوسروں کی کمائی سے اپنا اُور پالن کرتے ہیں ۔ پراچین سمے میں لوگ پرماتما کی آگیا پالن کرکے ہاتھوں سے پراپت کی ہوئی وستو کو اپنی وستو سمجھتے تھے' دوسروں کی کمائی پر ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے ۔

دھرم پُتر

کسی مہاتما کے وردان سے ایک اتی نردھن کسان کے ایک پُتر ہوا۔ مہاتما نے یہ بتلا دیا تھا کہ جنم ہوتے ہی کسی پُروش کو بالک کا دھرم پِتا اور کسی استری کو اس کی دھرم ماتا بنا دینا ، نہیں تو بالک کو جان کی جوکھم ہے ۔

پتر جنم کے اگلے دن کسان نے ایک پڑوسی سے کہا کہ میرے بالک کے دھرم پتا بن جایئے ۔ اس نے اُتر دیا کہ میں ایسے کنگال کے پتر کا دھرم پتا نہیں بنتا ۔ اس پر بیچارا کسان سارے گاؤں میں پھرا ۔ پر کسی نے اس کے پتر کا دھرم پتا بننا سویکار نہ کیا، تب وہ نراش ہو کر دوسرے گاؤں چل دیا ۔ راہ میں ایک مہا پُروش سے اس کی بھینٹ ہوئی۔

مہاتما — بچہ کہاں جاتے ہو؟

کسان — مہاراج ' کہاں جاتے ہو؟ پرماتما نے اس بڑھاپے میں آنکھوں کا تارا، جیون کا سہارا، نام لیوا، پانی دیوا ایک پُتر دیا ہے ۔ اس کے دھرم پتا ماتا بنائے بنا اس کا جیون کٹھن ہے ۔ مہاتما کا وردان ہی ایسا ہے ۔ میرے نردھن ہونے کے کارن کوئی اس کا دھرم پتا نہیں بنتا ۔ اب کسی دوسرے گاؤں میں جاتا ہوں ۔ شاید کوئی دیا کر کے بالک کا دھرم پتا بن جائے ۔

مہاتما — اوہو' یہ بات ہے۔ میں بَن جاتا ہوں ۔

کسان (پرسن ہوکر) — آپ نے مجھ پر بڑی دیا کی، مگر اب اس کی دھرم ماتا کون بنے ؟

مہاتما — یہاں سے تھوڑی دور پر ایک نگر ہے ۔ چوراہے پر ایک دھنی وڑک کا گھر ہے، وہاں چلے جاؤ ۔ دوار پر تمھاری اس سے بھینٹ ہو جائے گی ۔ یہ سب ورتانت سنا کر کہنا کہ آپ اپنی پُتری سے کہہ دیجیے کہ میرے پُتر کی دھرم ماتا بن جائے ۔

کسان — ایسے دھنی پُروش سے یہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں ؟ وہ مجھ سے شاید بات نہ کرے ۔

مہاتما — نہیں، ایسی بات نہیں ۔ تم ترنت چلے جاؤ ۔

کسان اس سوداگر کے پاس پہنچا ۔ اس نے بڑے ہرش سے اپنی پتری کو اس کے پتر کی دھرم ماتا بنانا منظور کر لیا ۔

۲

یہ بالک بڑا پراکرمی اور بدھیمان تھا ۔ دس ورش کی اوستھا میں اس کی بدھی ایسی اچھی تھی کہ جو ودیا انیہ بالک پانچ ورش میں سیکھ سکتے تھے، وہ ایک ورش میں سیکھ لیتا تھا ۔

ایک بار دیپ مالا کے اوسر پر بالک ماتا پتا کی آگیا لے کر نگر میں اپنے دھرم پتا کو پرنام کرنے گیا ۔ سندھیا سے گھر لوٹ آنے پر وہ پتا سے کہنے لگا ۔

پتا جی اپنی دھرم ماتا کو تو پرنام کر آیا پر دھرم پتا کا درشن کرنا بھی آوشیک ہے ۔ کرپا کر کے مجھے بتایئے ۔ ان کا استھان کہاں ہے؟

پتا — بیٹا ہمیں سوئیم اس کا بڑا دکھ ہے کہ ہم ان کا نواس استھان نہیں جانتے ۔ تمھارے نامکرن کے بعد ہم نے انھیں کبھی نہیں دیکھا ۔ کیا جانے مر گئے کہ جیتے ہیں!

بالک — میں ان کے درشن کروں گا ۔ آج کرپا کر مجھے آگیا دیجیے ۔ اُدیوگ کرنے سے کہیں نہ کہیں بھینٹ ہو ہی جائے گی ۔

ماتا پتا نے بالک کو آگیا دے دی اور اس نے گھر سے باہر نکل کر جنگل کی راہ لی ۔

اکسمات راہ میں ایک مہاتما دکھائی پڑے ۔

مہاتما — بیٹا، کہاں جاتے ہو؟

بالک — اپنے دھرم پتا کی کھوج میں ۔ میں نے آج تک کبھی ان کے درشن نہیں کیے ۔ مجھے ان کے درشن کی بڑی ابھلاشا ہے، پر میرے ماتا پتا کی آگیا لے کر میں اپنے دھرم پتا کو ڈھونڈنے جاتا ہوں ۔

مہاتما — واہ واہ! لو، تمھارا کام بن گیا ۔ میں ہی تمھارا دھرم پتا ہوں ۔

بالک نے پرسن ہو کر ان کے چرن چھوئے اور پوچھا، تو اب آپ کدھر جا رہے ہیں؟ یدی میرے گھر چلنے کا وچار ہے تو اہو بھاگیہ نہیں تو میں آپ کے ساتھ چلوں گا ۔

مہاتما — مجھے اس سمے تمھارے گھر چلنے کا اوکاش نہیں، اور بہت کام کرنے ہیں ۔

میں کل نج استھان کو لوٹوں گا ۔ تم کل وہاں آجانا ۔

بالک — میں آپ کا گھر نہیں جانتا، آؤں گا کہاں ؟

مہاتما — کل پراتہ کال اپنے گھر سے باہر نکل کر سیدھے پورب دشا کی راہ لینا ۔ کچھ دور چل کر تمھیں جنگل ملے گا ۔ وہاں ایک گھاٹی ہے ۔ اس گھاٹی میں بیٹھ کر تنک وشرام کرکے دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے ۔ جو کچھ دیکھو، اسے بھولنا نہیں ۔ پھر وہاں سے آگے چل دینا۔ جنگل نکل جانے پر ایک باغ آئے گا ۔ اس میں سنہری چھت والا استھان میرا گھر ہے میں دوار پر ہی تمھیں مل جاؤں گا ۔

بالک — جو آگیا ۔

یہ کہہ کر دھرم پتا انتردھان ہوگئے اور بالک اپنے گھر لوٹ آیا ۔

۴

دوسرے دن پراتہ کال بالک نے جنگل کی راہ لی ۔ پورب دِشا کی اُور چلتے چلتے وہ گھاٹی میں پہنچ گیا ۔ دیکھا کہ بیچ میں چیڑ کا ایک ورکش ہے، اسی شاکھا میں رسّے سے بندھا ہوا ایک بڑا شہتیر لٹک رہا ہے اور ٹھیک اس کے نیچے شہد سے بھرا ہوا ایک کنڈ ہے۔ بالک بیٹھ کر دیکھنے لگا ۔ اتنے میں بچوں کے سنگ اسے ایک ریچھنی آتی دکھائی دی۔ وہ سب دوڑ کر مدھو کنڈ کے پاس پہنچے ۔ ریچھنی لٹکتے ہوئے شہتیر کو سر سے ڈھکیل کر مدھو کھانے لگی اور بچوں نے بھی ویسا ہی کیا۔ اتنے میں شہتیر الٹ کر بچوں کو جا لگی۔ ریچھنی نے اسے پھر دھکّا دیا۔ وہ الٹ کر ایک بچے کی پیٹھ پر لگی ۔ بچے بھاگ گئے ۔ ریچھنی نے شہتیر کو پھر بڑی زور سے دھکا دیا۔ اس سمے بچے آکر مدھو کھانے لگے تھے ۔ بلّی الٹ کر ایک بچے کو ایسی لگی کہ وہ مر گیا ۔ ریچھنی کو کرودھ آگیا۔ اس نے بلّی کو ایسا جھٹکا دیا کہ رسّا ٹوٹ گیا ۔ بلّی ریچھنی کے سر پر گری اور وہ مر گئی ۔

۵

بالک اس درشیہ کا ارتھ کچھ نہ سمجھا اور وہاں سے چل دیا ۔ باغ میں پہنچ کر پھاٹک پر دھرم پتا سے اس کی بھینٹ ہوگئی ۔ وہ بالک کو بھیتر لے گیا ۔ بالک نے ایسا سندر اور رمنک استھان

کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ دھرم پِتا نے اسے سارا محل دکھایا اور تب ایک دوار پر کھڑا ہوکر کہنے لگا

بیٹا ' دیکھو ' اس دوار میں تالا نہیں ' کیول مہر لگی ہوئی ہے۔ یہ دوار کھل سکتا ہے، پرنتو تم کبھی اسے کھولنے کا ارادہ نہ کرنا ۔ جب تک چاہو اس گھر میں رہو، پر اس دوار کو کبھی نہ کھولنا ۔ یدی بھول کر کبھی کھول بیٹھو تو ریچھنی والا درشیہ یاد رکھنا ،بھول نہ جانا ۔

اگلے دن دھرم پِتا تو کہیں باہر چلا گیا ، دھرم پُتر وہاں آنند پُروَک نواس کرنے لگا۔رہتے رہتے تین ورش بیت گئے ۔ ایک دن مُہر والے دوار پر کھڑا ہوکر وہ وِچار کرنے لگا کہ دھرم پِتا نے اس دوار کو کھولنے کا نشیدھ کیوں کیا ہے ۔ دیکھوں تو اس کے بھیتر ہے کیا؟

دھکا دینے پر مُہر ٹوٹ گئی، دُورا کُھل گیا۔ دیکھا کہ اندر بڑا دالان ہے ۔ بیچ میں ایک سنگھاسن پڑا ہوا ہے اور اس پر ایک گدا رکھی ہوئی ہے ۔ دھرم پُتر نے جھٹ سے سنگھاسن پر چڑھ کر گدا اٹھا لی ۔ گدا اٹھاتے ہی دالان تو لوپ ہو گیا ، اسے سارا سنسار درشٹی گوچر ہونے لگا ۔ کہیں سمندر، کہیں دھرتی، کہیں جنگل، کہیں بستی، کہیں اجاڑ، کہیں پُن آتما، کہیں پاپ آتما،سب کے سب آنکھوں کے سامنے آ گئے ۔ اب دھرم پُتر نے وِچارا کہ چلو اپنے کھیت تو دیکھیں کہ اناج کیسا پیدا ہوا ہے ۔ دیکھتا کیا ہے کہ کھیتی پکی کھڑی ہے اور دولو چور رات کو چوری سے فصل کاٹ کر اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے ۔ دھرم پُتر نے سوچا کہ یہ تو ساری کھیتی ہی چرا لے جائے گا ۔ مجھے پِتا کو جگا دینا اُچت ہے ۔ اس نے اپنے پِتا کو جگا دیا۔ پِتا نے پڑوسیوں کو جگا کر کھیت میں پہنچ کر دولو کو پکڑ لیا اور اسے کاراگار میں بھجوا دیا ۔

تب دھرم پُتر نے وِچارا کہ چلو' اپنی دھرم ماتا کو دیکھیں کہ وہ کیا کرتی ہیں ۔ دھرم ماتا کا ویواہ ایک سوداگر سے ہوچکا تھا' اس سمے وہ سوئی پڑی تھی۔ اس کا پتی اسے سوتا دیکھ کر کسی پراستری کے پاس چل دیا تھا۔ دھرم پُتر نے یہ دَشا دیکھ کر دھرم ماتا کو جگا دیا اور کہا کہ تمھارا پتی اس وقت کسی اموک استری کے پاس گیا ہے ۔ دھرم ماتا اس استری کے گھر جاکر اپنے پتی کو نکال لائی اور اپنی سوت کو بہت مارا ۔

۶

اس کے بعد دھرم پُتر نے دیکھا کہ اس کی ماتا جھونپڑے میں سوئی ہوئی ہے، ایک چور بھیتر گھس کر اس کا صندوق توڑنے لگا ہے ۔ ماتا جاگ اٹھی، چور مارنے دوڑا ۔ دھرم پُتر

نے کرودھ سے چور کو گدا ماری ۔ چور ترنت مرگیا اور گدا ہاتھ سے چھوٹ گئی ۔

گدا چھوٹتے ہی سنسار کا درشیہ جاتا رہا، پھر وہی دالان تھا اور باہر سے دھرم پِتا آکر کھڑا تھا ۔اس نے دھرم پُتر کو سنگھاسن سے نیچے اتار کر کہا ۔

آخر تم نے میری آگیا بھنگ کی ۔ دیکھو، پہلا پاپ تم نے یہ کیا کہ مُہر توڑی، دوسرا پاپ یہ کہ سنگھاسن پر بیٹھ کر میری گدا ہاتھ میں لی، تیسرا پاپ یہ کہ گدا ہاتھ میں لے کر تم نے جگت میں اتنا پاپ پھیلا دیا کہ یدی تم آدھا گھنٹہ اور بیٹھے رہتے تو آدھا سنسار نشٹ ہو جاتا ۔ دیکھو، میں سوئم سنگھاسن پر بیٹھ کر تمھیں دکھاتا ہوں کہ تم نے کیا کر ڈالا ۔

یہ کہہ، اس نے سنگھاسن پر بیٹھ کر گدا ہاتھ میں لے لی ۔ پھر سنسار آنکھوں کے سامنے آگیا ۔

دھرم پِتا — دیکھ، تو نے اپنے پِتا کی کیا دُردشا کر دی ہے ۔ دولو چور کاراگار میں رہ کر سب پرکار کے دُشکرم سیکھ آیا ہے ۔ اب اس کا سدھار اسمبھو ہے ۔ وہ تیرے پِتا کے دو بیل چرا چکا ہے ۔اس سے وہ کھلیان میں آگ جلانے کو تیار ہے ۔ یہ سب تیری ہی کرتوت ہے ۔

دھرم پُتر اپنے پِتا کا کھلیان جلتا دیکھ شوکاتُر ہوا ۔

دھرم پِتا— دیکھ، اب ادھر دیکھ، یہ تیری دھرم ماتا کا پتی ہے۔ اس نے پر استری گامی ہوکر اپنی ویواہتا استری کو تیاگ دیا۔ اس کی پہلی پریہ ویشیا بن گئی ہے۔ تیری دھرم ماتا دُکھ سے پیڑت ہو کر مدھ سیونی ہوگئی ہے۔ دیکھ، اچھا اب یہ اپنی ماتا کو دیکھ کہ وہ کیا کررہی ہے۔

ماتا کہہ رہی تھی کیا اچھا ہوتا یدی چور اس رات مجھے مار ڈالتا، میں ان پاپوں سے بچ جاتی ۔

تب دھرم پِتا نے دھرم پُتر کو کاراگار کا درشیہ دکھایا کہ دو سپاہی ایک ڈاکو کو پکڑے کھڑے ہیں ۔

دھرم پِتا — دیکھ، اس ڈاکو نے دس منش کا وَدھ کیا ہے ۔ اُچت یہ تھا کہ وہ اپنے پاپ کرموں پر آپ پشچاتاپ کرتا، پرنتو تو نے اسے مار کر اس کے سارے پاپ اپنے اوپر لے لیے ۔ پاپ کرم کا پھل بھوگنا ہی پڑے گا ۔ یدی تو ریچھنی والا درشیہ اسمرن رکھتا تو تیری یہ دَشا نہ ہوتی ۔ دیکھ ریچھنی نے پہلی بار شہتیر ڈھکیلا تو بچے ڈر گئے، پھر ڈھکیلا تو ایک بچہ مر گیا، تیسری بار ڈھکیلا تو آپ پران کھو بیٹھی ۔ وہی تو نے کیا ۔ اب اُپائے یہی ہے کہ تیں ورش

تپ کر کے تو ڈاکو کے پاپوں کا پرایشچت کر نہیں تو اس کے بدلے تجھے نرک بھوگنا پڑے گا۔

دھرم پُتر — ڈاکو کے پاپوں کا پرایشچت میں کس بھانتی کر سکتا ہوں؟

دھرم پِتا — جتنا پاپ تو نے جگت میں پھیلایا ہے،اس کو دور کر دینا ہی ڈاکو اور اپنے پاپوں کا پرایشچت کر دینا ہے۔

دھرم پُتر — میں سنسار سے پاپ کیسے دور کر سکتا ہوں؟

دھرم پِتا — پورب دِشا کو جانے پر تجھے کھیت میں کچھ منش ملیں گے ۔ نج بدھی انوسار انھیں شکچھا دینا اور راستے میں جو کچھ دیکھو ، اسے اسمرن رکھنا۔ چوتھے دن تجھے ایک جنگل ملے گا ۔ وہاں ایک کُٹیا ہے۔ اس میں ایک سادھو نواس کرتا ہے ۔اسے سارا ورتانت سنا دینا ۔ وہ تجھے پرایشچت کرنے کی کریا بتلا دے گا ۔ اس کی آگیانوسار تپ کرنے سے تیرے پاپ دور ہو جائیں گے ۔

دھرم پُتر یہ باتیں سن کر وہاں سے چل دیا ۔

۷

راہ میں دھرم پُتر یہ وچار کرتا جا رہا تھا کہ بنا اپنے اوپر پاپ لیے، سنسار سے پاپ کس پرکار نشٹ ہوسکتا ہے ۔ پاپیوں کو کاراگار بھیجنے یا وَدھ کرنے سے ہی جگت سے پاپ دور ہو سکتا ہے اور کوئی اُپائے نہیں ۔

دیکھتا کیا ہے کہ کھیت میں ایک بچھڑا گھسا ہے۔ لوگ اسے باہر نکال رہے ہیں ۔وہ نکلتا نہیں ، ایک بڑھیا باہر کھڑی پکار رہی ہے کہ میرے بچھڑے کو کیوں مارتے ہوں ؟

دھرم پُتر نے کسانوں سے کہا کہ تم کیوں ویرتھ بلاّ مچاتے ہو؟ باہر آجاؤ۔ بڑھیا آپ اپنے بچھڑے کو بلا لے گی ۔

کسان باہر نکل آئے ۔ بڑھیا نے بچھڑے کو پکارا ۔ وہ جھٹ دوڑ کر باہر آگیا اور بڑھیا کے ہاتھ چاٹنے لگا ۔

دھرم پُتر اتنا تو سمجھ گیا کہ پاپ پاپ سے بڑھتا ہے۔ منش پاپ کرم دوارا پاپ نشٹ کرنے کا جتنا یتن کرتے ہیں، اتنا ہی پاپ پھیلتا ہے ، پرنتو اسے نشٹ کیوں کروں؟ دیکھو،

بڑھیا کے پکارنے پر بچھڑا باہر نہ نکلتا تو کیا ہوتا ۔

۸

اگلے دن دھرم پُتر ایک گاؤں میں پہنچا اور ایک کسان کے گھر میں جاکر چارپائی پر بیٹھ گیا ۔ ایک استری میلے وستر سے پتھر کی چوکی صاف کر رہی تھی ۔ وہ جتنا صاف کرتی تھی، چوکی اتنی ہی میلی ہو جاتی تھی ۔

دھرم پُتر — مائی یہ کیا کرتی ہو؟

استری — چوکی صاف کرتی ہوں، میں تو تھک گئی ۔ یہ کسی طرح صاف ہی نہیں ہوتی ۔

دھرم پُتر — شدھ کیسے ہو، وستر تو میلا ہے، پہلے وَستر دھو کر سوَچھ کرلو پھر چوکی ترنت صاف ہو جائے گی ۔

استری نے ویسا ہی کیا ۔ چوکی صاف ہوگئی ۔ اگلے دن دھرم پُتر ایک جنگل میں پہنچا دیکھا کہ کچھ منش ایک لوہے کی چھڑ کو موڑ رہے ہیں، پر وہ نہیں مڑتی ۔ لوگ اپنا چکر کھائے چلے جاتے ہیں ۔

بات یہ تھی کہ جس کھمبے کے ساتھ انھوں نے چھڑ کا سرا باندھ رکھا تھا ۔ وہ سوئَم گھومتا تھا ۔ چھڑ مُڑے کیسے ؟ چھڑ کے ساتھ ساتھ کھمبا چکر کھاتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ منش بھی چکر کھاتے جاتے تھے ۔

دھرم پُتر — تم یہ کیا کرتے ہو؟

لوگ — تم دیکھتے نہیں کہ ہم کیا کرتے ہیں ۔ ہم چھڑ موڑ رہے ہیں ۔ ہم پرشرم کرتے کرتے ہار گئے ۔ پرنتو یہ چھڑ مڑتی ہی نہیں ۔

دھرم پُتر — تم یہ کیا کرتے ہو؟

دھرم پُتر — موڑیں کیسے کھمبا تو گھوم جاتا ہے؟ یدی پہلے کھمبے کو اِستھر کرلوں تو چھڑ ترنت موڑ جائے گی ۔

کسانوں نے ویسا ہی کیا اور چھڑ مڑ گئی ۔ اگلے دن دھرم پُتر کو کچھ چرواہے ملے ۔ دیکھا کہ وہ شیت نوارن کے لیے آگ جلا رہے تھے ۔ انھوں نے سوکھی لکڑیاں اِکتّرت کرکے

آگ جلائی۔ ابھی آگ جلی ہی تھی کہ انھوں نے اوپر سے گیلی گھاس ڈال دی ۔ آگ بجھ گئی۔ چرواہوں نے کئی بار ایسا ہی کیا ۔ پرنتو آگ نہ جلی ۔

دھرم پُتر — بھائی کچھ دھیریہ دھارن کرو ۔ پہلے آگ کو بھلی بھانتی دہک لینے دو ۔ پرچنڈ ہوجانے پر جو ڈالو گے، بھسم ہو جائے گا۔

چرواہوں نے ویسا ہی کیا ۔ آگ جلنے لگی، پرنتو دھرم پُتر نے اِن درشیوں کا تاتپریہ کچھ نہ سمجھا ۔

۹

چوتھے دن دھرم پُتر سادھو کی کُٹیا پر پہنچ گیا ۔

سادھو — کون ؟

دھرم پُتر — پاپی اور مہان پاپی، میں اپنے اور دوسروں کے پاپوں کا پرائشچت کرنے آپ کے پاس آیا ہوں۔

سادھو (باہر آکر) — کون سے پاپ ؟

دھرم پُتر نے آدی سے لے کر انت تک سارا ورتانت سادھو کو کہہ سنایا اور بولا ۔ پربھو میں یہ تو سمجھ گیا کہ پاپ سے پاپ دور نہیں ہوتا ۔ کنتو بڑھتا ہی ہے، پرنتو آپ کرپا کر یہ اُپدیش کیجیے کہ پاپ نشٹ کس پرکار ہوسکتا ہے ؟

سادھو — اچھا میرے ساتھ آؤ ۔

سادھو نے جنگل میں جاکر دھرم پُتر کو ایک کُٹھار دے کر کہا کہ اس وِرکش کو کاٹ کر اس کے تنے کے تین ٹکڑے کرکے انھیں آگ سے جھلس دو ۔ دھرم پُتر نے ویسا ہی کیا، تب سادھو بولا ، اچھا اب انھیں یہاں دھرتی میں گاڑ دو۔ سامنے پہاڑی کے نیچے ایک ندی بہتی ہے ، وہاں سے منہ میں بھر بھر کر پانی لاؤ اور ان تینوں ٹکڑوں کو سینچتے رہو ۔ پہلا ٹنڈ استری، دوسرا کسانوں اور تیسرا چرواہوں والا ہے ۔ جب تینوں ٹنڈ ہرے ہوجائیں تو جان لینا کہ تیری تپسیا پورن ہوگئی ۔

یہ کہہ کر سادھو اپنی کُٹیا میں چلا گیا ۔

جب دھرم پُتر ٹنڈوں کو پانی دے کر سندھیا کے سمے کٹیا میں پہنچا تو دیکھا کہ سادھو مرا ہوا پڑا ہے، اس نے سادھو کا داہ کرم کیا۔

لوگوں میں یہ بات پرسدھ ہوگئی کہ سادھو کا دیہانت ہوگیا ہے اور اس نے دھرم پُتر کو اپنا شیشیہ بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ سادھو کی اس پرانت میں بڑی پرتشٹھا تھی' اس کارن دھرم پُتر کو اَن پانی کا گھاٹا نہ رہا۔

ایک ورش کے پشچات دور دور یہ چرچا پھیل گئی کہ دھرم پُتر نتیہ منہ میں پانی بھر بھر کر لاتا ہے ،اور اس سے ٹنڈوں کو سینچ کر کٹھن تپسیا کرتا ہے۔ پھر کیا تھا چڑھاوا چڑھنے لگا۔ سنساری پُروش سوارتھ کے وَش دور دورسے اس کے پاس آنے لگے اور دھرم پُتر پوجنے لگا ۔پرنتو اس کا یہ نیم تھا کہ جو کچھ آتا' اناتھوں کو بانٹ دیتا' اپنے لیے کیول اُدر پُرن یوگیہ اَن ہی رکھتا اور کچھ نہیں۔

یدیپی اسے ٹنڈ سینچتے سینچتے کئی ورش ہوگئے، پرنتو ہرا ایک بھی نہیں ہوا ۔ایک دن کٹیا کے باہر اسے گھوڑے پر سوار کوئی منش جاتا دکھائی دیا ۔دھرم پُتر نے باہر جا کر پوچھا ۔تم کون ہو؟

پُروش — میں ڈاکو ہوں ۔منشیوں کو مار کر، ان کا دھن چرا کر موج کرتا ہوں۔

دھرم پُتر — (بھے سے سوگت) اس کا سدھار اسمبھو ہے اور لوگ تو میرے پاس آکر اپنے پاپوں پر پشچاتاپ کرتے ہیں، کنتو یہ تو اپنے پاپوں کی پرشنسا کرتا ہے ۔ ہائے، ہائے، یدی یہ ڈاکو یہاں آیا جایا کرے گا تو لوگ ڈر کے مارے میرے پاس آنا چھوڑ دیں گے پھر مجھے اَن پانی بھی نہ ملے گا ۔(پرکٹ) تیری وارتا سن کر مجھے بڑا آشچریہ ہوتا ہے۔ لوگ تو میرے پاس آکر اپنے پاپ کرموں کا اسمرن کر کے پشچاتاپ کرتے ہیں ،کنتو تو ان پر گھمنڈ کرتا ہے ۔سو بھاوتہ تجھے پرمیشور کا بھے نہیں ہے ۔دیکھ یہاں تیرے آنے سے لوگ بھے کھا کر میرے پاس آنا چھوڑ دیں گے ۔اس کارن تو یہاں سے چلا جا اور پھر یہاں نہ آنا۔

ڈاکو — میں پرماتما سے نہیں ڈرتا ۔رہی چوری ،سو اس میں پاپ ہی کیا ہے؟ تو تپسیا سے پیٹ بھرتا ہے ، میں چوری سے۔ پیٹ پالن سب کو ہی کرنا پڑتا ہے ۔یہ باتیں تو ان ہی مُرکھوں کو سکھلانا، مجھے کیا سکھلاتا ہے ۔ میں تو پرماتما کے نام پر کل اور دو منش کا وَدھ کر ڈالوں گا، بس کہ اور کچھ بھی ؟ میں تیرے رودھِر سے اپنے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔ دیکھ پھر میرے

منہ نہ لگنا۔

یہ کہہ کر ڈاکو وہاں سے چل دیا۔

۱۱

دھرم پتر کو وہاں رہتے رہتے آٹھ ورش وتیت ہوگئے۔ ڈاکو کے بھے سے لوگوں نے کٹیا پر آنا چھوڑ دیا۔ دھرم پتر کو اس کا بڑا کھید ہوا۔ ایک سمے اس نے چت میں سوچا۔ ڈاکو ستیہ کہتا ہے۔ میں تو نسندیہہ تپسیا کو جیویکا بنا رکھا ہے۔ سادھو نے تو تپ کرنے کو کہا تھا۔ کنتو میں نے اچھا تپ کیا کہ مہنت بن کر اپنے کو پجوانے لگا، جب لوگ یہاں آکر استوتی کرتے ہیں، تو پرسن ہوتا ہوں' جب نہیں آتے تو دُکھ مانتا ہوں۔ کیا اسی کا نام تپسیا ہے؟ مان اور پرتشٹھا کے لوبھ میں ہوں' پاپ نشٹ تو کیا کرتا' اُلٹا اور سنچے کرلیے۔ اب اُتم یہی ہے کہ وِرکت ہوکر ایکانت میں بیٹھ کر پہلے انتہ کرن شدھ کروں، تب کچھ بنے گا انیتھا نہیں۔

یہ نشچے کرکے وہ کٹیا چھوڑ کر جنگل کو چل دیا۔ مارگ میں اس کی ڈاکو سے بھینٹ ہوئی۔

ڈاکو — کیوں آج کہاں چلے؟

دھرم پتر — ایکانت سیون کرنے' کیونکہ اب میں ایسے استھان پر نواس کرنا چاہتا ہوں، جہاں کوئی نہ آئے۔

ڈاکو — تو پیٹ کہاں سے بھروگے؟

دھرم پتر — جیسی ایشور اِچھا' دیکھا جائے گا۔

ڈاکو تو چل دیا۔ دھرم پتر سوچنے لگا۔ میں نے اسے اپدیش کیوں نہ کیا؟ آج تو اس کا مکھ شانت تھا۔ سمبھوتہ کچھ سن کر وہ سنمارگ پر چلنے کا اُدھوگ کرتا۔

دھرم پتر (ڈاکو کو پکار کر) — اوہ بھائی ڈاکو' پرماتما سروتر ویاپک ہے' اب بھی مان جاؤ' یہ دُشٹ کرم تیاگ دو۔

ڈاکو یہ سن کر چھرا نکال کر دھرم پتر کو مارنے دوڑا۔ دھرم پتر ڈر کر جھٹ سے جنگل میں بھاگ گیا۔

ڈاکو — جا' چلا جا' چھوڑ دیتا ہوں۔ یدی پھر کبھی میرے سامنے آیا تو مار ہی ڈالوں گا۔

سندھیا سے دھرم پتر جب ٹنڈ سینچنے گیا تو اس نے دیکھا کہ استری والا ٹنڈ ہرا ہوگیا۔

۱۲

اب دھرم پتر وِرکت ہوکر ایکانت سیون کرنے لگا۔ ایک دن جب وہ کُشدھا وش ہوکر کند مول پھل کھانے گپھا سے باہر نکلا، تو دیکھتا کیا ہے کہ سامنے کے ورکش پر صافے میں بندھی روٹی لٹک رہی ہے۔ روٹی لے کر وہ گپھا میں لوٹ آیا۔

جب کبھی بھوک ستاتی اور وہ گپھا سے باہر آتا، تب اسے ورکش سے روٹی مل جاتی۔ وہ سُکھ پُروک کال ویتیت کرنے لگا۔ اسے کیول یہ بھے بنا رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تپسیا پُرن ہونے سے پہلے ہی ڈاکو مجھے مار ڈالے۔ یدی کبھی ڈاکو کی آہٹ پاتا تو وہ گپھا میں چھپ جاتا۔ دس ورش بیت جانے پر وہ ایک دن ٹنڈوں کو پانی دے رہا تھا، تو اس کے چِت میں یہ وچار اُتپن ہوا۔ میں مرتیو سے ڈرتا ہوں، یہ بھی پاپ ہے۔کون جانے کہ میں پرانانت ہونے سے ہی پاپوں سے نِورت ہوجاؤں۔ ہانی لابھ سب پرماتما کے ہاتھ ہے۔منش کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اس وِویک کے اُتپن ہوتے ہی وہ ابھے ہوکر ڈاکو کی کھوج میں چلا۔تھوڑی دور جانے پر اسے سامنے سے ڈاکو آتا دکھائی پڑا۔دیکھتا کیا ہے کہ ڈاکو نے ہاتھ پیر باندھے ایک منش کو گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا ہے۔

دھرم پتر — بھائی ڈاکو' یہ کون ہے؟ اسے کہاں لیے جاتے ہو؟

ڈاکو— یہ ایک دھناڈھیہ سوداگر کا پُتر ہے۔ اپنے پِتا کے دھن کا پتا نہیں بتلاتا، میں اسے جنگل میں لے جاکر کسی ورکش سے باندھ کر اتنے چابک ماروں گا کہ یہ آپ ہی بتلادے گا۔

دھرم پتر —نہیں نہیں ایسا مت کرو، اسے چھوڑ دو۔

ڈاکو— کیوں کیا تمھارا جی بھی مار کھانے کو چاہتا ہے ؟ ہٹو اپنا راستہ لو،نہیں تو ابھی مار ڈالوں گا۔

دھرم پتر (نڈر ہوکر) — میں ابھے ہوں، مرنے سے نہیں ڈرتا۔بس پرماتما کی یہی آگیا ہے کہ اس منش کو چھوڑ دو۔

ڈاکو— اچھا، چھوڑ دیتا ہوں، دیکھو میں نے کتنی بار کہا ہے کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ پرنتو تم نہیں مانتے۔

دھرم پتر— بھائی، اب بھی لوٹ مار چھوڑ دو۔

ڈاکو نے کچھ نہ سنا۔ وہ گھوڑا دوڑا کر وہاں سے چل دیا، منش پرسن ہوکر دھرم پتر کا دھنیہ واد کرتا ہوا اپنے گھر لوٹ آیا۔

سندھیا سمے دھرم پتر نے جا کر دیکھا کہ کسانوں والا ٹنڈ ہرا ہوگیا ہے۔

۱۳

دس ورش بیت گئے۔ دھرم پتر شانت سوروپ راگ دویش سے رہت ابھے پد پراپت ہوکر آنند میں مگن بیٹھا ایک دن یہ وچار کرنے لگا۔

آہا، پرماتما کیسا کرپالو اور دیالو ہے۔ اس نے منشیوں کے لیے کیا کیا ادبھت پدارتھ اُپستھت کیے ہیں۔ تس پر بھی منش دُکھ سے کلیشیت کیوں ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ منش سُکھ سے جیون کیوں ویتیت نہیں کرتے؟ میرے دھیان میں کیول اگیان ہی اس کا مؤل کارن ہے۔ یدی پریم بھاؤ سے پرانیوں کو سدُپدیش دیا جائے تو انھیں سُکھ مل سکتا ہے۔ ایکانت میں رہنا پاپ ہے۔ میرا دھرم ہے کہ اس تپ سے جوکچھ مجھے پراپت ہوا ہے۔ دوسروں پر اس کو پرکٹ کروں۔

اس سمے اس کا چت دیا سے پرپُرن ہوگیا اتنے میں اسے ڈاکو دکھائی پڑا۔ پہلے تو اس نے وچارا کہ ڈاکو کو اُپدیش کرنا ویرتھ ہے، اتنی بار سمجھا چکا ہوں۔ پرنتو اس نے سوچا کہ کیا ہوا، میرا تو دھرم ہی یہ ہے کہ پرانی ماتر میں پریم اور دیا بھاؤ اتپن کروں۔

دھرم پتر نے دیکھا کہ ڈاکو نیتر نیچے کیے، ملین من اس کی اور آرہا ہے وہ دوڑ کر ڈاکو کے چرنوں میں گر پڑا اور بولا -- بھائی، اے بھائی پیارے، اپنے سوروپ کو وچارو۔ دیکھو، تمھارے بھیتر ست چت آنند سوروپ شدھ نتیہ، مُکت پرماتما وِراجمان ہے۔ اگیان کے کارن کیوں دوسروں کو کشٹ دیتے اور آپ کشٹ بھوگتے ہو؟ کیوں جنم جنمانتر کے لیے پاپ کا بوجھا اکٹھا کرتے ہو؟ بھائی، میرا کہنا مانو، اپنا سروناش مت کرو۔ مان جاؤ، بھائی، مان جاؤ۔

ڈاکو (کرودھ سے)— بس، بس! اس بکواس کو چھوڑو، جاؤ اپنا کام کرو۔

پرنتو اب دھرم پتُر وہاں سے ٹلنے والا نہ تھا۔ وہ ڈاکو کو آلنگن کرکے رونے لگا۔ ڈاکو کا چت اس کی یہ دشا دیکھ کر ترنت دَروِت ہوگیا۔ وہ جھٹ دھرم پتر کے چرنوں میں گر پڑا اور بولا — دھرم پتُر آج تم نے مجھے پراجت کیا۔ بیس ورش تک میں تمھارا سامنا کرتا رہا۔ میں نے تمھاری ایک نا سنی، پرنتو آج ویوش ہوں ،دیکھو، پہلی بار جب تم نے مجھے اُپدیش کیا تھا' میں نے بڑا کرودھ کیا تھا۔ پھر جب تم گپھا میں نِواس کرنے لگے تو میں سمجھ گیا کہ تم ویراگی ہوگئے اسی دن سے میں تمھارے بھوج نارتھ میں روٹی لٹکانے لگا۔

تب دھرم پتُر نے سمجھا کہ استری چوکی تبھی شدھ کرسکی جب اس نے پہلے وَستر شدھ کرلیا۔ ارتھات اپنا انتہ کرن شدھ کیے بنا دوسروں کا انتہ کرن شدھ کرنا اسمبھو ہے۔

ڈاکو —تم مرتیو سے ابھے ہوگیے تو میرا چت پھر گیا۔

دھرم پتُر جان گیا کہ جس پرکار کھمبے کو استھر کیے بنا چھڑ نہیں مڑسکتی تھی' اسی پرکار اپنا چت استھر کیے بنا دوسروں کے چت کو اپنی اُور موڑنا کٹھن ہے۔

ڈاکو— پرنتو دیکھو' جب تک تم دیامے نہیں بنے' میرا چت بھی دَروِت نہیں ہوا، پرنتو تمھارا پریم روپ بنتا تھا کہ میں تمھارے ادھین ہوگیا۔

دھرم پتُر پرمانند کو پراپت ہوکر ڈاکو سہت ٹنڈوں کے پاس گیا۔ دیکھا کہ چرواہوں والا ٹنڈ بھی ہرا ہوگیا ہے۔ تب دھرم پتر کو نشچے ہوگیا کہ جس پرکار مدھیم اگنی گیلی گھاس کو نہیں جلاسکتی تھی، اسی پرکار جب تک پُرش کا اپنا چت پرکاش سروپ نہیں ہوجاتا، تب تک وہ دوسروں کو پرکاشِت نہیں کرسکتا۔

تین ٹنڈوں کے ہرا بھرا ہوجانے پر دھرم پتر کے آنند کی کوئی سیما نہ رہی۔ اسے وشواس ہوگیا کہ میری تپسیا پُرن ہوئی۔ اس نے ڈاکو کو دکشِت کرکے ترنت سادھی لے لی۔ اب ڈاکو بڑے اُتساہ سے اپنے گرو کے آگیانوسار جگت میں بھکتی مارگ کا اُپدیش کرکے جیون ویتت کرنے لگا۔

دیا مے کی دیا

کسی سمے ایک منش ایسا پاپی تھا کہ اپنے ستر ورش کے جیون میں اس نے ایک بھی اچھا کام نہیں کیا تھا۔ نتیہ پاپ کرتا تھا، لیکن مرتے سمے اس کے من میں گلانی ہوئی اور وہ رو رو کر کہنے لگا۔ ہے بھگوان مجھ پاپی کا بیڑا کیسے پار ہوگا؟ بھگت وتسل کرپا اور دیا کے سمندر ہو، کیا مجھ جیسے پاپی کو چھما نہ کرو گے؟

اس پشچاتاپ کا یہ پھل ہوا کہ وہ نرک میں نہ گیا، سورگ کے دوار پر پہنچا دیا گیا۔ اس نے کنڈی کھڑ کائی۔

بھیتر سے آواز آئی۔ سورگ کے دوار پر کون کھڑا ہے؟ چتر گپت، اس نے کیا کیا کرم کیے ہیں؟

چتر گپت — مہاراج، یہ بڑا پاپی ہے۔ جنم سے لے کر مرن پرینت اس نے ایک بھی شبھ کرم نہیں کیا۔

بھیتر سے — جاؤ، پاپیوں کو سورگ میں آنے کی آگیا نہیں ہوسکتی۔

منش — آپ کون ہیں؟

بھیتر سے — یوگیشور۔

منش — یوگیشور، مجھ پر دیا کیجیے۔ اور جیو کی اگیانتا پر وچار کیجیے۔ آپ ہی اپنے من میں سوچیے کہ کس کٹھنائی سے آپ نے موکش پد پراپت کیا ہے۔ مایا موہ سے رہت ہوکر من کو شدھ کرنا کیا کوئی کھیل ہے؟ نسندیہہ میں پاپی ہوں، پرنتو پرماتما دیالو ہیں، مجھے چھما کریں گے۔

بھیتر کی آواز بند ہوگئی۔ منش نے پھر کنڈی کھٹکھٹائی۔

بھیتر سے پھر آواز آئی۔ کون ہے؟ مرتیولوک میں اس نے کیا کام کیے ہیں؟

چتر گپت — سوامی اس نے جیون پرینت ایک کام بھی اچھا نہیں کیا۔

بھیتر سے — جاؤ تمھارے سریکھے پاپیوں کے لیے سورگ نہیں بنا ہے۔

منش — مہاراج ' آپ کون ہیں ؟

بھیتر سے — بُدھ

منش — مہاراج ' کیول دَیا کے کارن آپ اوتار کہلائے۔ راج پاٹ، دھن دولت، سب پر لات مار کر پرانی ماتر کا دُکھ نِوارن کرنے ہیتو آپ نے بیراگ دھارن کیا۔آپ کے پریم اُپدیش نے سنسار کو دیامے بنا دیا۔میں نے مانا کہ میں پاپی ہوں، پرنتو انت سمے پریم کا اتپن ہونا نشپھل نہیں ہوسکتا۔

بُدھ مہاراج مون ہوگئے۔

پاپی نے پھر دوار ہلایا۔

بھیتر سے — کون ہے؟

چتر گپت — سوامی' یہ بڑا دُشٹ ہے۔

بھیتر سے — جاؤ بھیتر آنے کی آگیا نہیں۔

پاپی — مہاراج ' آپ کا نام؟

بھیتر سے — کرشن !

پاپی (اتی پرسنتا سے) — آہا، آہا! اب میرے بھیتر چلے جانے میں کوئی سندیہہ نہیں، آپ سوئیم پریم کی مورتی ہیں۔ پریم وَش ہوکر آپ کیا ناچ ناچے ہیں' اپنی کیرتی کو وچاریے، آپ تو سدیو پریم کے وشیبھوت رہتے ہیں۔آپ ہی کا اُپدیش تو ہے۔'' ہری کو بھجے سو ہری کا ہوئی۔'' اب مجھے کوئی چنتا نہیں۔

سورگ کا دوار کھل گیا اور پاپی بھیتر چلا گیا۔

سورت کا چائے خانہ

بمبئی صوبے کے سورت نگر میں چائے کی ایک دکان تھی، جہاں دیش دیشانتر کے نواسی چائے پینے آیا کرتے تھے۔ ایک دن وہاں فارس دیش کا وِدوان ملا چائے پینے آیا۔ اس نے سارا جیون پرمیشور کا سچا سروپ جاننے اور اسی وشے میں پستکیں لکھنے اور پڑھنے میں ویتیت کیا تھا۔ پھل یہ ہوا کہ وہ ناستک ہوگیا تھا! فارس کے بادشاہ نے اسے بہت بُرا مانا اور اسے اپنے راجیہ سے نکال دیا۔

جنم بھر آدی کارن کی کھوج کرتے کرتے یہ ابھاگا ملا انت میں بدّھی ہین ہوکر یہ ماننے پر اُتر آیا کہ اس سنسار کا کوئی کرتا نہیں۔

اس ملا کے ساتھ ایک حبشی غلام تھا۔ ملا تو دکان میں چلا گیا، حبشی باہر بیٹھ کر دھوپ کھانے لگا۔ ملا نے افیم پھانک کر چائے کی پیالی پی اور غلام سے بات چیت کرنے لگا۔

ملا — ابے او نالائق، بھلا بتا، خدا ہے کہ نہیں؟

حبشی — خدا کے نہ ہونے میں بھی شک ہوسکتا ہے؟ کبھی نہیں، خدا ہے (کاٹھ کی مورتی دکھا کر) دیکھیئے یہ میرا خدا ہے۔ یہ ہمیشہ میری حفاظت کرتا ہے۔ ہمارے مُلک میں اس لکڑی کو پاک مانا جاتا ہے۔

اس سمے دکان میں اور بھی لوگ اپستھت تھے۔ سوامی سیوک میں یہ باتیں دیکھ کر ایک برہمن دیوتا بولے — حبشی تو اتینت مُورکھ ہے، پرماتما کبھی جیب میں سما سکتا ہے۔ وہ تو سنسار کا کرتا دھرتا اور ہرتا ہے، اس سروشکتی مان برہم کے مندر شری گنگاجی کے تٹ پر بنے ہوئے ہیں، وہاں کے پجاری ہی اس پرماتما کا واستوک سروپ جانتے ہیں۔ دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ سہستروں ورشوں کے الٹ پھیر سے ان پجاریوں کے سمان اتھوا ادھکار اور پرتشٹھا میں کوئی نیوتا نہیں ہوئی، جس سے سِدھ ہوتا ہے کہ بھگوان سوئم ان کی رکچھا کرتے رہتے ہیں۔

یہودی — ہرگز نہیں، سچے خدا کا گھر ہندوستان میں نہیں، نہ وہ برہمنوں کی حفاظت کرتا ہے۔ برہمنوں کا خدا سچا نہیں ہوسکتا۔ سچا خدا تو ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کا ہے۔ یہ سوا بنی

اسرائیل کے اور کسی قوم کی حفاظت نہیں کرتا۔ ہمیشہ سے ہماری قوم خدا کو پیاری ہے۔ آج کل تو ہم گرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دراصل ہمارا امتحان ہو رہا ہے، کیونکہ خدا ہمیں قول دے چکا ہے کہ وہ ایک دن ہم سب کو یروشلم میں جمع کردے گا۔ اس وقت وہاں کے پرانے مندر کی شان دگنی ہوکر کل دنیا پر ہماری بادشاہت قائم ہوجائے گی۔

یہ کہہ کر یہودی کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

اس پر ایک پادری صاحب بولے — جھوٹ! سراسر جھوٹ!! تم تو پرماتما کو اپنائی ٹھہراتے ہو۔ وہ سب سے پریم کرتا ہے، کیول تم سے ہی نہیں۔ مانا کہ پراچین سمے میں اس نے تمھاری سہایتا کی تھی، پرنتو ادھر انیس سو ورش ہوئے کہ وہ تم سے اپرسن ہے۔ اس کارن کوئی بھی منش تمھارا مت انگیکار نہیں کرتا۔ پرماتما نے اپنے بیٹے یسوع کو منش کا پاپ ہرنے کے لیے بھیجا اور جب تک کوئی یسوع کی شرن میں نہ آئے، اس کی مکتی نہیں ہوسکتی۔

یہ سن کر ایک مسلمان تُرک بول اٹھا — آپ دونوں کا یقین غلط ہے۔ بارہ سو ورش ہوئے کہ حضرت محمدﷺ صاحب نے سچا دین پھیلا کر آپ کے مذہب کو رد کردیا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یورپ، ایشیا اور چین میں دینِ اسلام کی روشنی کس تیزی سے پھیل رہی ہے؟ آپ لوگ خود مانتے ہیں کہ خدا یہودیوں سے خفا ہے، پھر اسلام قبول کیوں نہیں کرتے، شیعہ کافر ہیں، سنت جماعت بنا اور اصلی رب کو پاؤ۔

ایرانی ملاّ شیعہ تھا۔ شیعوں پر یہ کٹاکش سن کر بگڑا اور کچھ جواب دینا چاہتا تھا، پرنتو حبشیوں، عیسائیوں، تبت نواسی لاماؤں اور فارس آدی دیش دیشانتر کے رہنے والوں میں مت متانتر وشیک ایسا کولاہل مچا کہ وہ کچھ نہ بول سکا۔ پرتیک منش یہی کہتا تھا کہ میرے ہی دیش میں سچا پرمیشور ہے اور میں ہی سچی یتھارتھ ریتی سے اس کی پوجا کرتا ہوں۔ ایک چینی الگ چپ چاپ بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ ترک نے اس سے کہا۔

بھائی صاحب، آپ چپ کیوں بیٹھے ہیں؟ میری مدد کیوں نہیں کرتے؟ میرے پاس آنے والے چینی سوداگر سب یہی کہتے ہیں کہ آپ لوگ اسلام کو سب مذہبوں سے اچھا خیال کرتے ہیں۔ آپ اس موقعے پر ضرور اپنی رائے دیں۔

چینی — مہاشے، میرے وچار میں ان جھگڑوں اور لڑائیوں کا مکھیہ کارن اگیان ہے۔ سنیے، میں آپ کو ایک درشٹانت سناتا ہوں۔

جس جہاز میں میں چین سے یہاں آیا ہوں ۔ وہ ساری پرتھوی کا چکر لگا چکا ہے۔آتے سے ہم پانی لینے کے لیے ایک دن ساترا ٹاپو کے پوربی تٹ پر ٹھہرے ۔تٹ پر ناریل کے ورکش کھڑے تھے ، سب کے سب جہاز سے اتر ،تٹ پر جاکر ،ورکشوں کی چھایا میں بیٹھ گئے ۔

اتنے میں وہاں ایک اندھا آیا ۔ بات چیت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ سوریہ کے پرکاش کا تتو جاننے کے نمت لگاتار سوریہ پر درشٹی رکھنے سے اندھا ہوگیا ہے۔ہمارے پاس آکر وہ کہنے لگا ۔دیکھو ،سوریہ کا پرکاش پانی نہیں ،کیونکہ ہم اسے پانی کے سمان ایک برتن سے دوسرے برتن میں نہیں ڈھال سکتے اور وایو اسے ہلا بھی نہیں سکتی ۔یہ اگنی بھی نہیں ، یدی اگنی ہوتی تو پانی سے بجھ جاتی۔ وہ آتما بھی نہیں، کیونکہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے ، پرکرتی بھی نہیں، کیونکہ وہ نتیہ ہے۔ بس سدھ ہوا کہ سوریہ کا پرکاش نہ جل ہے، نہ اگنی، نہ آتما ہے ،نہ پرکرتی ۔تو ہے کیا؟ کچھ بھی نہیں !

اس اندھے کے ساتھ گوپال نامک ایک نوکر تھا۔ اندھا تو ہم سے باتیں کرتا رہا گوپال نے ناریل کی جٹا اور دودھ سے ایک موم بتی تیار کرلی ۔ اندھا گوپال سے بولا --
گوپال ، دیکھو ، کیسا اندھیرا ہے! میں نے تم سے ٹھیک کہا تھا کہ سوریہ نہیں ہے ، پھر بھی سب لوگ کہا کرتے ہیں کہ سوریہ ہے، پرنتو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ وہ کیا ہے ؟
گوپال— سوریہ کیا ہے ، یہ جاننے سے مجھے کچھ پریوجن نہیں۔ ہاں پرکاش کو میں بھلی بھانتی جانتا ہوں ۔ دیکھیے میں نے یہ موم بتی بنا لی ہے ۔یہ میرا سوریہ ہے۔ رات کو اسی کی سہایتا سے میں سب کام کرسکتا ہوں ۔

پاس ہی سوماترا ٹاپو کا رہنے والا ایک لنگڑا بیٹھا تھا، ہنس کر بولا — معلوم ہوا کہ جنم ہی سے اندھے ہو ، جب ہی کہتے ہو سوریہ نہیں ہے۔ سنو، اگنی کا ایک گولہ ہے، پراتہ کال نتیہ سمندر سے نکلتا ہے اور سندھیا سمے ہمارے ٹاپو کے پربتوں میں چھپ جاتا ہے۔ مجھے دکھ ہے کہ تم کو نیتر نہیں، نہیں تو سویم دیکھ لیتے ۔

ایک دھیور بیٹھا یہ باتیں سن رہا تھا۔ بولا — واہ ، جی واہ ! کیا کہنا ہے، تم کبھی ٹاپو کے باہر نہیں گیے ۔ یدی نوکا پر بیٹھ کر دور سمندر میں جاتے، تو پتہ لگ جاتا کہ سوریہ ٹاپو کے پربتوں میں لوپ نہیں ہوتا، کنتو سمندر سے ہی نکلتا اور سائیں کال کو سمندر میں ہی ڈوب جاتا

ہے۔ یہ سب کچھ میں نے اپنے نیتروں سے دیکھا ہے۔

اس پر ہمارے ساتھ ایک ہندستانی نے کہنا آرمبھ کیا ۔ مجھے آپ کی مُرکھتا دیکھ کر اچرج ہوتا ہے ۔ سوریہ یدی اگنی کا گولا ہوتا تو سمندر میں ڈوب کر بجھ نہ جاتا؟ بھائی صاحب، یہ بات نہیں وہ تو ساکشات دیوتا ہے ۔رتھ میں سوار سُمیرو پربت کے گرد گھومتا ہے ۔ کبھی کبھی راہو اور کیتو اسے پکڑ لیتے ہیں۔ پرنتو برہمن لوگ ایشور سے ونتی کرکے اسے چھڑا لیتے ہیں۔تم یہ سمجھتے ہو کہ سوریہ دیو کیول تمھارے ٹاپو میں پرکاش کرتے ہیں ،اور جگہ نہیں۔تمھارے یہ وچار متھیا ہیں ۔

ایک جہاز کا کپتان بھی وہاں موجود تھا۔ بولا — دیوتا کی ایک ہی کہی سوریہ دیوتا نہیں، وہ کیول ہندستان میں ہی پرکاش نہیں کرتا۔ میں نے دیش دیشانتر کی یاترا کی ہے۔ سوریہ تو ساری پرتھوی پر پرکاش کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ جاپان دیش میں نکلتا ہے اور انگلستان کے پیچھے چھپ جاتا ہے ، اسی کارن جاپانی اپنے دیش کو نپن ارتھات سوریہ کی جنم بھومی کہتے ہیں ۔

ایک انگریز بھی وہاں بیٹھا تھا۔ بولا — تم سب مُورکھ ہو، سوریہ کی چال کا نرنے ہم نے کیا ہے ۔ وہ نہ کہیں سے نکلتا ہے، نہ چھپتا ہے ۔ سدیو پرتھوی کے گرد گھومتا رہتا ہے ۔ یدی ایسا نہ ہوتا تو ابھی ہم پرتھوی کا چکر کاٹ کر آئے ہیں۔ کہیں نہ کہیں ہم اوشیہ سوریہ سے ٹکراتے ۔

کپتان — تم سب مُورکھ ہو ۔سوریہ پرتھوی کے گرد نہیں گھومتا، ورَن پرتھوی سوریہ کے گرد گھومتی ہے ۔وہ اپنی دھوری پر پھرتی ہوئی چوبیس گھنٹے میں ایک چکر پورا کرتی ہے۔ جو بھاگ گھومتے سمے سوریہ کے سمکھ ہوتا ہے ، وہاں دن ہوتا ہے، باقی سب دیشوں میں رات ہوتی ہے۔ سوریہ کسی وشیش پربت، دیپ، سمندر اتھوا دیش میں پرکاش نہیں کرتا، ورَن اس کا پرکاش سبھی گرہ اُپ گرہوں کو سمان پرِمان میں ملتا ہے ۔وچار کرکے دیکھو تو آپ کو میرا کہنا بالکل ٹھیک جچے گا۔ تب آپ کو وشواس ہوجائے گا کہ سوریہ تارے سب کے لیے سمان اُپکاری ہیں ۔

بدھیمان کپتان نے اس پرکار اپنے انوبھو اور درشٹانت سے سب کو سمجھا دیا ۔

چینی پھر کہنے لگا — بھِن بھِن مت والے کہتے ہیں کہ ہم بھگوان کو مانتے ہیں، دوسرا

کوئی نہیں مانتا اور جس پر برہم نے سارے جگت کو رچا ہے اسے اپنے اپنے مندروں میں بند کرنے کی چیشٹا کرتے ہیں۔

پرماتما نے منش کو سمتا دکھلانے کے لیے اپنا مندر آپ بنا دیا ہے۔ جو ادوتیہ ہے۔

وہ مندر یہی ویراٹ سنسار ہے۔ سارے مانشی مندر اس مندر کی پرتی چھایا ہیں۔ سادھارن مندروں میں تو شنکھ، گھنٹا، دیپک، چتر، مورتیاں، دھارمک پستکیں، ہون کنڈ اور پجاری آدی پائے جاتے ہیں۔ پر کیا کوئی ایسا مندر ہے، جہاں سمندر کے سمان کنڈ، سوریہ، چندر اور اُپگرہوں کے سمان پر کاشمان دیپک اور نبھ منڈل کی طرح منوہاری چتر ہوں؟ کیا ان ادھریہ سامگریوں کی سنسار کی ان نشور وستوؤں سے تلنا کی جاسکتی ہے؟ ایشور کی کرپا اور دیا کی ویاکھیا کرنے کے لیے سنسارک سُکھ سامگری کی اپیکشا اور کون سی دھرم پستک ادھِک اُپیوگی ہوسکتی ہے؟ پُروش کی نج آتما سے ادھِک دھرم شاستر کون سا ہے؟ پروپکار کے سمان کون سا بلیدان ہے اور یوگی کے چِت کے تلیہ اور کون ہون کنڈ ہے، جہاں سویم بھگوان نواس کرتے ہیں؟

پُروش کی نج بدھی کے انوسار پرماتما کا گیان ہوتا ہے۔ جیوں جیوں پرانی پرم دیو کی کرپا اور پربھو کی اپنے چِت میں استھاپنا کرکے اسے انوبھو کرتا ہے، تیوں تیوں وہ پرماتما کے سمیپ ہوجاتا ہے۔

اس کارن گیانی کو اگیانی سے گلانی کرنا اَدھرم ہے، یوگی اور مہاتما وہی ہے، جو ناستک سے بھی دویش نہیں کرتا۔

چینی کی وارتا سن کر سب چپ ہوگئے۔

مہنگا سودا

بھارت ورش میں مین پوری ایک بہت چھوٹی سی ریاست ہے ۔اس میں کیول سات ہزار منشیوں کی بستی ہے، پرنتو کیا ہوا، محل، منتری، جنرل، کرنل سب ہیں ۔سینا میں ساٹھ سپاہی ہیں، پرنتو نام تو سینا ہے۔ ساٹھ ہوں چاہے ساٹھ ہزار۔ سب ویوہارک پدارتھوں پر کر لگا ہوا ہے۔ پرنتو منش ہی اتنے تھوڑے ہیں کہ کر کی آمدنی سے راجا تک کا پیٹ نہیں بھرتا۔ منتری آدی کا تو کہنا ہی کیا ہے ۔ اس کارن راجا نے آمدنی کا ایک اور اُپائے کر رکھا ہے۔ ارتھارت جوا گھر بنا کر اسے ٹھیکے پر دے رکھا ہے ۔جوا کھیلنے والے ہاریں اتھوا جیتیں راجا اپنا ٹکینا لے لیتا ہے۔ یہاں وشیش آمدنی اس کارن ہوتی ہے کہ اور راجاؤں نے اپنے دیشوں میں جوا بند کرر کھا ہے، کیونکہ منش جوا ہار کر پرایہ آتم گھات کرلیا کرتے تھے ۔ مین پوری کا راجا سوتنتر ہے ، اس لیے اسے جوا کھلانے سے کون روک سکتا ہے؟

اس جوا گھر میں دیش دیشانتر کے لوگ جوا کھیلنے آتے ہیں ۔یدیپی راجا اس کمائی کو پاپ سمجھتا ہے ، پرنتو کرے کیا ۔ستیہ ویوہار سے دھن نہیں ملتا۔ بنا دھن کے کام نہیں چلتا۔ اس کارن اسے جوا کھلانا ہی پڑتا ہے ۔

بڑی راجدھانیوں کی بھانتی یہاں کسی بات کی کمی نہیں ۔ دربار ہوتے ہیں ، سینا قواعد پریڈ کرتی ہے ۔ چیف کورٹ، وکیل ،قانون آدی سب کچھ وِدیہ مان ہیں ۔ یہاں کی پرجا بڑی سوشیل ہے ۔پرنتو دیو یوگ سے یہاں کسی منش نے ایک پُروش کو مار ڈالا۔ اب بڑے ٹھاٹ باٹ سے چیف کورٹ کے جج ایکتر ہوئے ۔ وکیل بیرسٹر آدی سب کے سامنے انھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ گھاتک کا سر کاٹ دیا جائے ۔

مشکل یہ پڑی کہ اس راجدھانی میں گلا کاٹنے کی کل ودیہ مان نہ تھی ۔ راجا نے منتریوں کی سمّتی سے کاشمیر کے راجا کو پتر لکھا کہ کرپا کرکے گلا کاٹنے کی کل بھیج دیجیے۔ اس راجا نے دس ہزار روپے مانگے۔ اب تو راجا جی چکرائے کہ دس ہزار کا تو آدمی بھی نہیں۔ کل

کے دام اتنے ! پھر دکھن کے مہاراج کو لکھا۔ اس نے آٹھ ہزار مول کیا' راجا نے وچارا کہ یدی گلا کاٹنے کی کُل مول لی گئی تو ساری راجدھانی ہی بک جائے گی، یہ ٹھیک نہیں۔ کیا کریں، منتریوں نے کہا۔ مہاراج، سینا پتی سے کہیے کہ وہ کسی سپاہی کو حکم دے دیں کہ وہ خونی کا گلا کاٹ دے، کیونکہ یدھ میں بھی تو وہ یہی کام کرتے ہیں۔ پرنتو کسی سپاہی نے گلا کاٹنا انگیکار نہیں کیا۔

راجا نے اس وشے میں منتریوں سے صلاح کی اور اس سبھا نے اُپ سبھا بنائی۔ انت میں بڑے جھگڑے کے بعد یہ نشچے ہوا کہ خونی کو عمر بھر کے لیے قید کردیا جائے۔

راجا نے یہ بات مان لی۔ اب بندی خانہ کہاں سے لائیں؟ ایک سادھارن کوٹھری تھی، وہیں خونی کو قید کرکے اس پر پہرا لگا دیا۔ حکم دیا کہ پہرے والا دو قیدی کے واسطے راجا کے لنگر میں سے نتیہ روٹی لادیا کرے۔

ایک ورش پورا ہوجانے پر راجا جب راجدھانی کا حساب دیکھنے لگا تو اس نے پانچ سو روپے خونی کے بھوجن، چھاجن، پہرے آدمی کا خرچ لکھا ہوا دیکھا۔ سوچنے لگا، ہیں یہ کیا، پانچ سو روپے! یہ خونی ابھی تو جوان ہے۔ مرنے کے سمے تک تو ہماری راجدھانی چٹ کرجائے گا۔

منتریوں کو بلا کر کہنے لگا کہ شگھر اس خونی کا کوئی ٹھکانا کرو۔

منتری آپس میں وِچار کرنے لگے۔

پہلا — پہرا ہٹادو۔

دوسرا — خونی یدی بھاگ گیا؟

اتیو پہرا ہٹا دیا گیا۔ مگر خونی بھاگا نہیں۔ آپ نتیہ جاکر راجا کے لنگر سے روٹی لے آتا، رات کو کوٹھری بندکرکے آنند سہت سوتا اور بھاگنے کا نام تک نہ لیتا تھا۔

منتری بڑی چکِت ہوئے کہ اب کیا کریں، اس کے یہاں پڑے رہنے سے ہمارے راجا کی ہانی ہی ہانی ہے، لابھ کچھ بھی نہیں۔ ایک منتری نے خونی کو بلایا اور بات چیت کرنے لگا۔

منتری — بھائی، تم بھاگتے کیوں نہیں؟ تم جہاں چاہو جا سکتے ہو، مہاراج اس کا برا نہ مانیں گے۔

خونی — مہاراج برا مانے اتھوا بھلا، میں جاؤں کہاں اور کروں کیا ؟ آپ نے تو

میرا سرو ناش کردیا' کام کرنے کا ابھیاس مجھے نہیں رہا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ آپ اسی سمے میرا گلا کاٹ ڈالتے۔ ہائے ہائے' یہ کیسا انیائے ہے، پہلے منش کو قید کر کے نکما بنا دینا اور پھر کہنا کہ بھاگ جاؤ۔ میں نہیں جاتا' میں تو اب یہیں پران دوں گا۔

لیجیے' اب پھر کمیشن بیٹھا۔ کئی دن کے ادھویشن کے اپرانت یہ نشچے ہوا کہ سو روپے سال پنشن دے کر اسے یہاں سے وِداع کردیا جائے۔

اندھے کو چاہیے دو آنکھیں۔ خونی پنشن پاکر بڑا پرسن ہوا۔ مین پوری چھوڑ کر دوسری راجدھانی میں دھرتی مول لے کر کھیتی کرنے لگا۔ اب وہ آئے ورش مین پوری جاکر سو روپے لے آتا ہے اور آنند پروک جیون ویتیت کرتا ہے۔

بس' اس میں یہی بات اچھی ہوئی کہ اس نے کسی ایسے دیش میں اپرادھ نہیں کیا، جہاں قیدی کا گلا کاٹنے اتھوا بندی خانے میں رکھنے کے لیے خرچ کی کچھ بھی چنتا نہیں کی جاتی۔

راجا دِرگ پال اور چندر دیو

وجے نگر کے راجا دِرگ پال نے راجا چندر دیو کے ساتھ یدھ کرکے اس کی سینا کے سہسروں یودھا مار ڈالے' گاؤں جلادیے اور سویم چندر دیو کو پکڑ کر پنجرے میں قید کردیا۔

رات کو چارپائی پر پڑا ہوا دِرگ پال یہ وچار کررہا تھا کہ چندر دیو کا کس پرکار ودھ کروں کہ اکسمات ایک بوڑھا دکھائی پڑا۔

بوڑھا — تم چندر دیو کے وَدھ کرنے کا وچار کررہے ہو؟

دِرگ پال — ہاں' بات تو یہی ہے، پرنتو ابھی تک میں نے کچھ نشچے نہیں کیا۔

بوڑھا — پرنتو تم تو سویم چندر دیو ہو۔

دِرگ پال — جھوٹ' میں چندر دیو!

بوڑھا — تم اور چندر دیو ایک ہو۔ چندر دیو کو جو تم اپنے سے بھِن مانتے ہو، یہ کیول تمھاری بھول ہے۔

درگ پال — آپ کہتے کیا ہیں! میں یہاں کومل بچھونے پر پڑا ہوں۔ داس داسی میری سیوا میں لگے ہیں۔ آج کی بھانتی کل میں اپنے متروں کے سنگ پریتی بھوجن کروں گا۔ چندر دیو پکشی کی طرح پنجرے میں بند ہے۔ کل وہ کتوں سے پھڑوا دیا جائے گا۔

بوڑھا — اس کی آتما کا تو ناش نہیں کرسکتے۔

دِرگ پال — واہ' واہ! چودہ ہزار یودھا مار کر ڈھیر کیسے لگا دیا؟ میں جیتا ہوں، وہ مر گئے، کیا اس سے یہ سدھ نہیں ہوتا کہ میں آتما کو نشٹ کرسکتا ہوں؟

بوڑھا — یہ آپ کس طرح جانتے ہیں کہ وہ مرگئے؟

درگ پال — اس لیے کہ وہ دکھائی نہیں دیتے۔ اس پر ایک بات یہ ہے کہ انھیں کشٹ ہوا اور مجھے راجیہ ملا۔

بوڑھا — یہ بھی آپ کو بھرم ہوا ہے۔ آپ نے انھیں کشٹ نہیں دیا، وَرن اپنے آپ

کو کشٹ دیا ہے ۔

درگ پال — میں آپ کی بات نہیں سمجھا ۔

بوڑھا — آپ کو سمجھنے کی اِچھا ہے ؟

دِرگ پال — ہاں سمجھنے کی اِچھا ہے ۔

بوڑھا — اچھا ' تو آؤ ' اس تالاب پر چلیں۔

تالاب پر پہنچ کر بوڑھے نے کہا کہ وستر اتار کر اس تالاب میں اتر جاؤ ۔ جوں ہی میں تمھارے سر پر پانی ڈالنے لگوں، تم تالاب میں غوطہ لگانا۔ راجا درگ پال نے ویسا ہی کیا۔ غوطہ لگاتے ہی اس نے دیکھا کہ میں راجا درگ پال نہیں، کوئی اور ہوں۔ پاس ایک سندر استری لیٹی ہوئی ہے۔ یدیپی اس استری کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، پھر بھی اسے وہ اپنی رانی سمجھ رہا تھا ۔

استری — پیارے پران پتی ' کل کی تھکان کے کارن آپ کو سوتے سوتے دیر ہوگئی ہے۔ میں نے آپ کو جگایا نہیں۔ اب آپ اٹھیے ' وَستر پہن کر دربار میں جایئے۔ راجے مہاراجے آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔

راجا درگ پال اپنے کو چندر دیو سمجھ کر ترنت اٹھ کر دربار میں چلا گیا ۔

وہاں راجے ' مہا راجے چندردیو کو دیکھ کر اتی پرسن ہوئے اور پرنام کرکے بولے۔ مہاراج ہم کو درگ پال بڑا دُکھ دے رہا ہے ۔ یہ اپمان اب نہیں سہا جاتا۔ آگیا دیجیے کہ یدھ کی درندر بھی بجائی جائے ۔

چندر دیو بولا —نہیں ' پہلے دوت بھیج کر درگ پال کو سمجھانا اُچت ہے ۔

دوت بھیج کر آپ شکار کھیلنے چل دیا اور وہاں جاکر جنگل سے دو سنگھ مار لایا۔ پھر محل میں جاکر اس نے بھوجن کیا اور راتری کو رانی کے ساتھ وِہار کرتا رہا ۔

اب اس پرکار سدیو وہ راج کاج کرکے مدرگیا کرنے جاتا، راتری کو محل میں آکر رانی کے ساتھ وہار کرتا۔ مہینوں بیت گئے، اتنے میں اس کے دوت لوٹ آئے، پر ان کے ناک کان کٹے ہوئے تھے ۔ راجا درگ پال نے کہلایا تھا کہ دوتوں کی جو درگتی ہوئی ہے، وہی چندر دیو کی بھی ہوگی۔ اگر اس نے سونا چاندی کا کر نہ دیا ۔

چندر دیو (واستو میں دِرگ پال) نے منتریوں کو ایکتر کرکے آگیا دیا کہ چتورنگنی سینا

سجا کر یدھ کی تیاری کرو ۔ میں سویم سنگرام کروں گا ۔ آٹھویں دن چندر دیو اور درگ پال میں گھور سنگرام ہوا ، چندر دیو ارتھات درگ پال پکڑا گیا۔ اسے بھوک پیاس کا اتنا دُکھ نہ تھا، جتنا کہ ایمان اور پرتشٹھا کا۔ پنجرے میں بند رہ کر سدا اپنے متروں اور سمبندھیوں کو بندھے ہوئے دیکھ کر اس کا من بہت دُکھی ہوتا۔ نتیہ یہی وچار کرتا تھا کہ شترو کو کس پرکار ماروں، یہاں تک کے جب اپنی رانی کے ہاتھ پاؤں بندھے دیکھے اور یہ جانا کہ درگ پال کے پاس لے جارہے ہیں ، تو وہ کرودھ سے جل اُٹھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پنجرہ توڑ کر باہر نکل جائے، پرنتو وہ بے سدھ ہوکر اندر ہی گر پڑا ۔

اتنے میں وَدِھکوں نے آکر اس کی مشکیں کس لیں اور اسے پھانسی پر لے چلے ۔ چندر دیو رو رو کر کہنے لگا ۔ مجھے مت مارو، مجھ پر دیا کرو۔ پرنتو کسی نے نہ سنا۔ پھانسی پر لٹکنے کو ہی تھا کہ اسے دھیان آیا۔ اوہو یہ تو میرا بھرم ہے، میں تو درگ پال ہوں ۔ یہ تو سوپن ہے۔ وہ زور مار کر سر باہر نکالنا ہی چاہتا تھا کہ پھر سوگیا ۔ اور دیکھا کہ میں تو پشو بن گیا ہوں ۔

اب وہ پشو بن کر جنگل میں چرنے لگا، بچے اس کا دودھ پینے لگے۔ تب درگ پال نے سمجھا کہ میں ہرنی بن گیا۔ پرنتو اس اوستھا میں بڑا سکھ مان رہا تھا۔ اتنے میں کسی شکاری نے بچے کو گولی ماری، بچہ گر پڑا اور بھیانک منش نے آکر اس کا سر کاٹ ڈالا ۔

درگ پال نے بھے سے چونک کر سر باہر نکال دیا اور دیکھا کہ بوڑھا پاس کھڑا ہے اور وہاں کچھ نہیں ۔

درگ پال — اوہو ! میں نے کتنے سال پرینت کشٹ بھوگا کہ میں کچھ ورنن نہیں کرسکتا ۔

بوڑھا — ابھی تو آپ نے سر ڈبویا تھا، میرا تو لوٹا بھی خالی نہیں ہوا ۔ آپ کہتے ہیں کہ چر کال تک آپ نے دُکھ بھوگا۔ وچارو کہ چندر دیو اور جن یودھاؤں اور پشوؤں کو تم نے مارا ہے' وہ سب واستو میں تم ہی ہو ۔ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ آتما کیول تم میں ہی ہے ۔ پرنتو میں نے تمھارا چولا بدل کر یہ دکھلا دیا ہے کہ دوسروں کو کشٹ دینے سے واستو میں تم اپنے کو ہی کشٹ دیتے ہو۔ آتما ایک ہے اور سروتر ویاپک ہے۔ اسی کا ایک انش تم میں ہے۔ اس انش کو شدھ کرنا تمھارے بس میں ہے۔ سب کو اپنی آتما سمجھ کر ان کے ساتھ پریم کرنے سے تمھاری آتما شدھ ہوجائے گی۔ دوسروں کو دُکھ دے کر نج آتما کو پالن کرنے سے تمھاری آتما

بھرشٹ ہوجائے گی آتما اوینا شی ہے۔ جو مرگئے' وہ تمھیں دکھائی نہیں دیتے، پرنتو آتما نہیں مرتی۔ تم دوسروں کو مار کر اپنی آیو بڑھانا چاہتے ہو، یہ اسمبھو ہے۔ آتما چھوٹی بڑی نہیں ہوسکتی۔ یہ دیش کال سے پرے ہے۔ اس سے بھِن جو کچھ دکھائی دیتا ہے' وہ سب بھرانتی ماتر ہے۔

یہ کہہ کر بوڑھا انتر دھان ہوگیا۔

اگلے دن درگ پال نے چندردیو کو چھوڑ دیا اور پتُر کو راجیہ سونپ کر بن میں تپسیا کرنے چلا گیا۔

انتہ کرن کا میل دور کر کے اب درگ پال سادھو ویش میں پرانی ماتر کو دیش دیش پھر کر یہ اُپدیش کرتا ہے کہ دوسروں کا اپکار کرنا سویم اپنا اُپکار کرنا ہے۔

تین پرشن

ایک سمے ایک راجا نے وِچار کیا کہ مجھے یہ معلوم ہوجانا چاہیے کہ

۱— کسی کام کو شروع کرنے کا ٹھیک سمے کون سا ہے ؟

۲— کن لوگوں کی بات سُنی چاہیے، کن کی نہیں ؟

۳— سنسار کا سب سے اُتم پدارتھ کیا ہے، جس سے میں جو چاہوں کرسکتا ہوں ؟

اتیو اس نے اپنی راجدھانی میں دونڈی پٹوا دی کہ جوکوئی پُروش ان تین باتوں کا اتر دے گا، اسے بہت انعام دیا جائے گا۔ اب بدھیمان پُروش آکر راجا کو ان پرشنوں کا اتر دینے لگے ۔

پہلے پرشن کے اُتر میں کسی نے کہا کہ منش کو کام کرنے کے واسطے پہلے دنوں، مہینوں اور ورشوں کا سوچی پتر بنا لینا چاہیے۔ کسی نے کہا کہ کاریہ آرمبھ کرنے کا ٹھیک سمے نیت کرنا اسمبھو ہے ۔ منش کو چاہیے کہ ورتھا سمے نہ گنوائیں' جو کرتویہ ہو سدا اسے کرتا رہے۔ کسی نے کہا کہ راجا کتنا بھی چتر اور ساودھان کیوں نہ ہو ، وہ اکیلا پرتیک کاریہ آرمبھ کرنے کا ٹھیک سمے نہیں جان سکتا ۔ اسے بدھیمان لوگوں کی سبھا بنا کر ان سے سمّتی لینی چاہیے ۔

اس پر دوسرے بولے کہ کچھ کاریہ ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں ترنت کرنا پڑتا ہے۔ سبھا میں ان پر وچار کرنے کا اوکاش نہیں مل سکتا اور کاریہ کرنے سے پہلے اس کا پھل جاننا آوشیک ہے ۔ یہ سب باتیں اوجھے پنڈت جانتے ہیں، اس کارن ان سے پوچھنا اُچت ہے ۔

اسی پرکار لوگوں نے دوسرے پرشن کے بھی انیک اُتر دیئے۔ کسی نے کہا— راجا کے منتری اتی اُتم ہونے چاہیے۔ کوئی بولا— پنڈت' کوئی بولا— وید' کسی نے کہا— سینا اتیادی۔

تیسرے پرشن کا اُتر بھی ایسا ہی ملا ، کوئی کہتا کہ پدارتھ ودیا سب سے اُتم ہے، کوئی کہتا تھا کہ شاستر ودیا، تو کوئی پوجا پاٹھ بتلاتا تھا۔

راجا کو کوئی اُتر ٹھیک معلوم نہ ہوا ۔ پاس کے جنگل میں جگت وکھیات بدھیمان سادھو نواس کرتا تھا۔ راجا نے وِچارا کہ چلو اس سادھو سے ان پرشنوں کا اُتر پوچھیں ۔

سادھو کٹیا چھوڑ کر کہیں باہر نہیں جاتا تھا اور کیول دین منش سے ملا کرتا تھا۔ اس کارن راجا سادھارن وستر پہن کر پیدل سادھو کی کٹیا پر پہنچا۔ دیکھا کہ سادھو کٹیا کے سامنے دھرتی کھود رہا ہے۔ راجا کو دیکھتے ہی راجا کو پرنام کیا اور پھر کھودنے لگا۔ وہ بہت دُبلا اور کمزور تھا اور پھاوڑا چلاتے ہوئے ہانپتا تھا۔

راجا نے کہا — مہاراج! میں آپ سے تین باتیں پوچھنے آیا ہوں۔ پہلی یہ کہ میں ٹھیک کام کرنے کا ٹھیک سے کس پرکار جان سکتا ہوں۔ دوسری یہ کہ مجھے کن لوگوں سے سہواس کرنا اُچت ہے۔ تیسرا یہ کہ کون سا وشے سب سے اُتم ہے۔

سادھو نے کوئی اتر نہیں دیا۔ اور دھرتی کھودتا رہا۔

راجا — مہاراج! آپ تھکے معلوم ہوتے ہیں۔ لائیے پھاوڑا مجھے دیجیے اور آپ ذرا وشرام کر لیجیے۔

سادھو نے راجا کو دھنیہ واد دیا اور پھاوڑا ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ آپ زمین میں بیٹھ گیا۔

راجا کیاریوں کو کھود چکا تو رک گیا اور پھر اپنے تینوں پرشن دوہرائے۔ سادھو نے اُتر دیا — ہاں اور پھاوڑا لینے کو ہاتھ بڑھا دیا، لیکن راجا نے پھاوڑا نہ دیا اور کھودتا ہی رہا۔ یہاں تک کہ سانجھ ہوگئی۔ تب راجا نے پھاوڑا زمین پر رکھ دیا اور بولا — مہاراج! میں تو آپ سے اپنے پرشنوں کا اُتر لینے آیا تھا، یدی آپ کوئی اتر نہیں دے سکتے تو میں لوٹ جاتا ہوں۔

سادھو — دیکھو، کوئی بھاگا آتا ہے۔

راجا نے منہ پھیر کر دیکھا ایک داڑھی والا منش جنگل کی اُور سے دوڑا آرہا ہے۔ اس نے اپنے پیٹ کو ہاتھ سے دبا رکھا تھا اور ہاتھوں کے بیچ سے رودھر بہہ رہا تھا۔ راجا کے پاس پہنچ کر وہ بے سدھ ہوکر دھرتی پر گر پڑا۔ راجا اور سادھو نے کُرتا اٹھا کر دیکھا تو اس کے پیٹ میں بڑا بھاری گھاؤ پایا۔ راجا نے گھاؤ کو پانی سے دھوکر اپنا رومال اس پر باندھ دیا۔ رودھک بند ہوگیا۔ کچھ کال اُپرانت منش کو سدھ آئی۔ پانی مانگا، راجا نے ترنت جل لاکر منش کو پلایا۔ اتنے میں سوریہ اَست ہوگیا۔ راجا سادھو کی سہایتا سے منش کو کو اٹھا کر کٹیا میں لے گیا اور وہاں چارپائی پر لٹا دیا۔ گھائل آدمی کو نیند آگئی۔ راجا بھی تھک جانے کے کارن ترنت سوگیا۔ بھور ہونے پر اُٹھا تو گھائل نے کہا کہ راجن آپ مجھے چھما کیجیے۔

راجا — چھما کیسی، میں تو تمھیں جانتا بھی نہیں !

منش — آپ مجھ کو نہیں جانتے ' پرنتو میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ نے میرے بھائی کا دھن ہر لیا تھا، اس کارن میں نے پرتگیا کی تھی کہ آپ سے بدلہ لوں گا۔ میں جانتا تھا کہ آپ سادھو سے مل کر سندھیا سے اکیلے گھر کو لوٹیں گے۔ اس کارن جنگل میں چھپ رہا تھا۔ آپ کے سپاہیوں نے مجھے وہاں دیکھ کر پہچان لیا اور مجھے گولی ماری۔ میں بھاگ کر یہاں آیا، یدی آپ میرے گھاؤ نہ بند کرتے تو میں اوشیہ مرجاتا۔ آپ نے مجھ پر بڑی دَیا کی۔ میں آپ کو مارنا چاہتا تھا پرنتو آپ نے میری جان بچائی۔ اب بھوشیہ میں آپ کا داس بن کر سیوا کروں گا۔ آپ چھما کریں۔

راجا بڑا پرسن ہوا کہ ایسا گھاتک شترو سہج میں ہی متر بن گیا۔ اس نے اپنے وید کو اس کی دوا کرنے کو بلا بھیجا اور اپنے نوکر، اس کی سیوا کرنے کے لیے بلائے۔ اس سے وداع ہوکر راجا نے سادھو سے کہا — مہاراج ! آپ نے میرے پرشنوں کا کوئی اُتر نہیں دیا۔ اچھا پرنام' آگیا دیجیے۔

سادھو — آپ کے پرشنوں کا اُتر تو مل چکا۔

راجا — میں نے نہیں سمجھا۔

سادھو — دیکھو' یدی تم کل مجھ پر ترس کھاکر دھرتی نہ کھودتے اور شیگھر ہی لوٹ جاتے تو یہ منش راہ میں تمھیں کشٹ دیتا، اور تم پچھتاتے کہ میں سادھو کے پاس کیوں نہ ٹھہر گیا اس لیے ودِت ہوا کہ اُچت سمے وہ تھا، جب تم دھرتی کھود رہے تھے اور اُچت منش میں تھا اور میرا بھلا کرنا، تمھارا پرم کرتویہ تھا۔ اس کے پیچھے جب وہ منش آیا تو اُچت سمے وہ تھا، جب تم اس کے گھاؤ کو بند کر رہے تھے، اور وہ اُچت منش تھا اور اس کے گھاؤ کو بند کرنا تمھارا کرتویہ تھا۔ سارانش یہ کہ سدیو ورتمان کال ہی اُچت کال ہے، کیوں کہ ورتمان کال پر ہی ہمارا اُچت ادھِکار ہے، جو منش مل جائے وہی اُچت منش ہے ! کون جانتا ہے کہ پل میں کیا ہوجائے اورکوئی ملے اتھوا نہ ملے۔ سروُتم کرتویہ پروپکار ہے، کیونکہ اُپکار کے ہی لیے منش اس مرتیو لوک میں شریر دھارن کرتا ہے۔

مہاتما شیخ سعدی

فہرست

پرچے

شیخ سعدی کی گنتا ان مہاتماؤں میں ہے۔ جن کے وچاروں کا پربھاؤ کیول ایران ہی پر نہیں بلکہ سمست سنسار پر پڑا ہے۔ وہ کوی تھے لیکن ایسے کوی جو کسی اُچّے ادیشیہ کو پورا کرنے کے لیے جنم لیتے ہیں۔ انھوں نے کیول کاویہ پریمیوں کے لیے منورنجاتھ اپنی کاویہ شکتی کا اپیوگ نہیں کیا، ان کا ادیشیہ اپنے بھائیوں کی نیتی وچار تتھا ویوہار کا سنشودھن کرنا تھا۔ انھوں نے اپنی سمپورن کاویہ شکتی اسی ادیشیہ کی بھینٹ کردی۔ یدی سنسار کے کسی کوی کے وشیے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایشور کا سندیشہ وہ اپنے بندھوؤں کو سنانے کے لیے آیا تھا تو وہ کوی شیخ سعدی ہے۔ ایک وِدوان پُرش کا کتھن ہے کہ کوی کا کام مانو چرتر کا انکن یا بھاوں کا درشانا نہیں ہے۔ اس کا کام ان سچائیوں کو پرکٹ کرنا ہے۔ جن کا اس نے اپنے جیون میں انوبھو کیا ہے۔ اس درشٹی سے دیکھیے تو سعدی کا استھان بہت اونچا ہے۔ مانو سوبھاؤ کا جتنا انوبھو ان کو تھا۔ سنسار کو جتنا اور جس طرح انھوں نے دیکھا اتنا کداچت کسی انیہ کوی نے نہ دیکھا ہوگا۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کا اپنا انوبھو ہے۔ اس سمے پرتھوی کا جو بھاگ سبھیہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ سدیو سعدی کے پیروں تلے رہتا تھا۔ وہ بہودھا بھرمن کرتے رہتے تھے اور جو انوٹھی تتھا شکچھا پرد باتیں دیکھتے تھے۔ انھیں اپنے وچار کوش میں سنگرہ کرتے جاتے تھے۔ یہی کارن ہے کہ شیخ سعدی کی گلستاں اور بوستاں کا آج جتنا آدر ہے، اتنا تلسی کرت رامائن کے سوا کداچت کسی انیہ گرنتھ کا نہ ہوگا۔ جس نے کچھ تھوڑی سی بھی فارسی پڑھی ہے وہ سعدی سے اوشیہ پرچت ہے۔ ان کی دونوں پستکیں پرتیک پستکالیہ یا پرتیک ودھالیہ تتھا پرتیک ودھیا پریمی کے آدر کی سامگری رہی ہے۔ سعدی کیول پد رچنا ہی نہ کرتے تھے وہ گرنتھ رچنا میں بھی ادیوتیہ تھے۔ گلستاں کا جتنا آدر ہے اتنا بوستاں کا نہیں ہے۔ سعدی نے سویم گلستاں پر اپنا گورو پرکٹ کیا ہے۔ بوستاں کی ٹکر کی پستکیں فارسی میں ودھمان ہے۔ لیکن گلستاں کی سمانتا کرنے والی پستک نہیں ہے۔ انیک بڑے بڑے لیکھکوں نے اس ڈھنگ کی

پستک لکھنے کا پریتن کیا۔ کنتو سپھل نہ ہوئے۔ اس کی بھاشا اتنی مدھر، لیکن شیلی اتنی ہردیہ گراہی اور واکیہ رچنا ایسی انوٹھی ہے کہ نیتی وشے پر ایسے گرنتھ بہت کم ہوں گے۔ ایسپ کی نیتی کتھائیں بہت پرسدھ ہیں۔ اسی پرکار پنچ تنتر اور ہتوپدیش کی کتھاوں کا بھی بہت پرچار ہے۔ پر ان پستکوں میں کتھا پرایہ لمبی اور پشو پکچھی آدی کے سمبندھ میں ہے۔ سعدی کے پاس نج انبھوت گتھاؤں کا اتنا باہُلیہ ہے کہ اور وہ ایسے موقع سے انھیں کام میں لاتے ہیں۔ انھیں کلپت کتھاؤں کے گڑھنے کی آوشیکتا ہی نہیں تھی۔ ورتمان سمے میں انگریزی کے پرسدھ گرنتھ کار ڈاکٹر اسما ایلس بلیکی، کابیٹ، مارڈن آدی نے چرتر سدھار اور نیتی پر اچھی اچھی پستکیں لکھی ہیں، کنتو وچار کر کے دیکھنے پر ان کی پستکوں میں بوڑھے شیخ سعدی کی لیکھ شیلی صاف جھلکتی ہے۔ شعدی نے اس پستک کا نام بہت ہی اچت رکھا ہے۔ یہ ایسی منورم واٹکا ہے کہ آج چھ شتابدیاں بیت جانے پر بھی ویسی ہی ہری بھری نوپشپت اور اور سُسجت بنی ہوئی ہے۔ سنسار میں ایسی کداچت ہی کوئی اُنّت بھاشا ہوگی، جس میں ان کا انوواد نہ ہوا ہو۔ اتیو ایسے مہان لیکھک سے ہندی پریمیوں کا پریچے کرانا آویشک ہے۔

جیون چرتر

پرتھم ادھیائے

جنم

شیخ مصلح الدین (اُپ نام سعدی) کا جنم سن ۱۱۷۲ عیسوی میں شیراز نگر کے پاس ایک گاؤں میں ہوا تھا۔ ان کے پتا کا نام عبداللہ اور دادا کا نام شرف الدین تھا۔'' شیخ '' اس گھرانے کی سمان سوچک پدوی تھی۔ کیونکہ ان کی ورتی دھارمک شکچھا دیکھا دینے کی تھی لیکن ان کا خاندان سید تھا۔ جس پرکار انیہ مہان پروشوں کے جنم کے سمبندھ میں انیک الوکک گھٹنائیں پرسدھ ہیں۔ اسی پرکار سعدی کی جنم کے وشے میں بھی لوگوں نے کلپنائیں کی ہیں لیکن ان کے اُللیکھ کی ضرورت نہیں۔ سعدی کا جیون تتھا سنسکرت کے انیک کویوں کے جیون کی بھانتی ہی اندھکار میں ہے۔ ان کے جیونی کے سمبندھ میں ہمیں انومان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یدیپی ان کا جیون ورتانت فارسی گرنتھوں میں بہت وستار کے ساتھ ہے۔ تتھاپی اس میں انومان کی ماترا اتنی ادھک ہے کہ گولی سے بھی، جس نے سعدی کا چرتر انگریزی میں لکھا ہے۔ دودھ اور پانی کا فیصلہ نہ کرسکا۔ کویوں کا جیون چرتر ہم پرایہ اس لیے پڑھتے ہیں کہ ہم کوی کے منو بھاوں سے پریچت ہوجائیں اور اس کی رچناؤں کو بھلی بھانتی سمجھنے میں سہایتا ملے۔ نہیں تو ہم کو ان جیون چرتروں سے اور کوئی وشیش شکچھا نہیں ملتی۔ کنتو سعدی کا چرتر آدی سے انت تک شکچھا پورن ہے۔ اس سے ہم کو دھیریہ، ساہس اور کٹھنائیوں میں ستیہ پتھ پر ڈٹے رہنے کی شکچھا ملتی ہے۔

شیراز اس سمے فارس کا پرسدھ استھان ہے اور اس زمانے میں تو وہ سارے ایشیا کی وِدّیا، گن اور کوشل کی کھان تھا۔ مصر، عراق، حبش، چین، خراسان، آدی دیش دیشانتروں کے گنی لوگ وہاں آشریے پاتے تھے۔ گیان وگیان درشن دھرم شاستر آدی کے بڑے بڑے

وِدیالیہ کھلے ہوئے تھے۔ ایک سَمُنّت راجیہ میں سادھارن سماج کی جیسی اچھی دشا ہونی چاہیے ویسی ہی وہاں تھی۔ اسی سے سعدی کی بالیہ اوستھا ہی سے وِدوانوں کے ست سنگ کا سُواوسر پراپت ہوا۔ سعدی کے پتا عبداللہ کا 'سعد بن زنگی' (اس سمے ایران کا بادشاہ) کے دربار میں بڑا مان تھا۔ نگر میں بھی یہ پریوار اپنی وِدیا اور دھارمک جیون کے کارن بڑی سمّان کی درشٹی سے دیکھا جاتا تھا۔ سعدی بچپن ہی سے اپنے پتا کے ساتھ مہاتماؤں اور گنیوں سے ملنے جایا کرتے تھے۔ اس کا پربھاؤ ان کے انوکرن شیل سوبھاؤ پر اوشیہ ہی پڑا ہوگا۔ جب سعدی پہلی بار سعد بن زنگی کے دربار میں گئے تو بادشاہ نے انھیں وشیش اسنیہ پورن درشٹی سے دیکھ کر پوچھا "میاں لڑکے تمھاری عمر کیا ہے؟" سعدی نے اتینت نمرتا سے اتر دیا "حضور کے گورو شیل راجیہ کال سے پورے بارہ سال چھوٹا ہوں!" الپا وستھا میں اس چتورائی اور بدھی کی پرکھرتا پر بادشاہ مُگدھ ہوگیا۔ عبداللہ سے کہا "بالک بڑا ہونہار ہے اس کے پالن پوشن تتھا شِکچھا کا اُتّم پربندھ کرنا۔ سعدی بڑے حاضر جواب تھے۔ موقع کی بات انھیں خوب سوجھتی تھی۔ یہ اس کا پہلا اداہرن ہے۔

شیخ سعدی کے پتا دھارمک ورتی کے منش تھے۔ اتہ انھوں نے اپنے پتر کی شِکچھا میں بھی دھرم کا سماویش اوشیہ کیا ہوگا۔ اس دھارمک شِکچھا کا پربھاؤ سعدی پر جیون پریتن رہا۔ ان کے من کا جھکاؤ بھی اس اور تھا اور بچپن ہی سے روزہ نماز آدی کے پابند رہے۔ سعدی کے لکھنے سے پرکٹ ہوتا ہے کہ ان کے پتا کا دیہانت ان کے بالیہ کال میں ہی ہوگیا تھا۔ سمبھو تھا کہ ایسی دَراوستھا میں انیک یووکوں کی بھانتی سعدی بھی دروسنوں میں پڑجاتے لیکن ان کے پتا کی دھارمک شِکچھا نے ان کی رکچھا کی۔

یدیپی شیراز میں اس سمے وِدوانوں کی کمی نہ تھی اور بڑے بڑے وِدیالیہ استھاپت تھے، کنتو وہاں کے بادشاہ سعد بن زنگی کو لڑائی کرنے کی ایسی دھن تھی کہ وہ بہودھا اپنی سینا لے کر عراق پر آکرمن کرنے چلا جایا کرتا تھا اور راج کاج کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتا تھا۔ اس کے پیچھے دیش میں گھور اُپدرو مچتے رہتے تھے اور بلوان شترو دیش میں مارکاٹ مچا دیتے تھے۔ ایسی کئی درگھٹنائیں دیکھ کر سعدی کا جی شیراز سے اچٹ گیا۔ ایسی اپدرو کی دشا میں پڑھائی کیا ہوتی۔ اس لیے سعدی نے یوا اوستھا میں ہی شیراز سے بغداد کو پرستھان کیا۔

دوسرا ادھیائے

شکچھا

اس سمے شیراز سے بغداد کی یاترا بہت کٹھن تھی۔ قافلے چلا کرتے تھے۔ سعدی بھی ایک قافلے کے ساتھ ہو لیے۔ گھر پر جو مال اسباب تھا، سب متروں اور غریبوں کو بھینٹ کر دیا۔ کیول ایک ''قرآن'' جوان کے آدی گرو نے دیا تھا۔ اپنے پاس رکھ لیا۔ اس سے ودِت ہوتا ہے کہ وہ کیسے تیاگی اور ساہسی پرش تھے۔ مارگ میں بیمار پڑ جانے کے کارن قافلے والوں کا ساتھ چھوٹ گیا لیکن وہ اکیلے ہی چل کھرے ہوئے۔ جس گاؤں میں ٹھہرے تھے وہاں کے لوگوں نے سمجھایا کہ آگے کا مارگ بہت وکٹ ہے۔ کنتو سعدی کے پاس کیا رکھا تھا کہ چوروں سے ڈرتے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ڈاکوؤں سے سامنا ہو گیا۔ سعدی نے ان سے ونے پوروک کہا کہ میں ایک غریب ودیارتھی ہوں، ودیوپارجن کے لیے بغداد جا رہا ہوں۔ میرے پاس اس شریر کے کپڑے اور قرآن کے سوائے کچھ نہیں ہے، یدی جی چاہے تو ان وستوؤں کو لے جاؤ لیکن کرپا کر کے ان کا دُراپیوگ نہ کرنا۔ کسی غریب ودیارتھی کو دے دینا۔ سعدی کے اس کتھن کا یہ اثر ہوا کہ ڈاکو لجت ہو گئے اور سدیو کے لیے اس کو مارگ کو چھوڑنے کا سنکلپ کر لیا۔ ان میں سے دو آدمی سعدی کی رکچھا کے لیے ساتھ چل دیے۔ سد ویوہار میں کتنا پربھاؤ ہے یہ اس گھٹنا سے بھلی بھانتی پرمانت ہو جاتا ہے۔ لیکن ایشور کو یہ سویکار تھا کہ اس یاترا میں سعدی کو ایشوریہ نیائے اور ڈنڈ کا انوھو ہو جائے۔ ان کے دونوں ساتھیوں میں سے ایک کو سانپ نے کاٹ کھایا اور دوسرا ایک پیڑ سے گر کر مر گیا۔ دونوں نے بڑے کشٹ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دیں۔ ان کے جیون کے اس دُش پرینام نے سعدی کے ہردے پر گہرا اثر ڈالا۔ انھوں نے نشچے کر لیا کہ کبھی کسی کو کشٹ نہ دوں گا، ہمیشہ دوسروں

کے ساتھ دیا کا ویوہار کروں گا۔

بغداد اس سمے ترک سامراجیہ کی راجدھانی تھا۔ مسلمانوں نے بصرا سے یونان تک وجے پراپت کرلی تھی اور سمپورن ایشیا ہی میں نہیں یورپ میں بھی ان کا سا ویبھو شالی اور کوئی راجیہ نہ تھا۔ راجا وکرمادیتیہ کے سمے میں اجین کی اور موریہ ونش کے راجیہ کال میں پاٹلی پوتر کی جو اُنتی تھی وہی اس سمے بغداد کی تھی۔ بغداد کے بادشاہ خلیفہ کہلاتے تھے۔ رونق اور آبادی میں یہ شہر شیراز سے کہیں بڑھا چڑھا تھا۔ یہاں کے کئی خلیفہ بڑے وِدیا پریمی تھے۔ انھوں نے سیکڑوں ودیالیہ استھاپت کیے تھے۔ دور دور سے وِدوان لوگ پٹھن پاٹھن کے نمت آیا کرتے تھے۔ یہ کہنے میں اَتی یکتی نہ ہوگی کہ بغداد کا سا اننت نگر اس سمے سنسار میں نہیں تھا۔ برے بڑے عالم، فاضل، مولوی، ملا، وگیان ویتا اور دارشنکوں میں جن کی رچنائیں آج بھی گورو کی درشٹی سے دیکھی جاتی ہیں۔ بغداد ہی کے ودیالیہ میں شکچھا پائی۔ ویشیشتہ، مدرسہ نظامیہ، ورتمان آکسفورڈ یا برلن کی یونیورسٹیوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔ سات آٹھ، سہستر چھاتر اس میں شکچھا پاتے تھے۔ اس کے ادھیاپکوں اور ادھشٹھا تاؤں میں ایسے ایسے لوگ ہوگئے ہیں۔ جن کے نام پر مسلمانوں کو آج بھی گرو ہے۔ اس مدرسے کی بنیاد ایک ایسی وِدھیا پریمی نے ڈالی جس کے شکچھا پریم کے سامنے شاید کارنیگی بھی لجّت ہو جائیں۔ اس کا نام نظام الملک طوسی تھا۔ جلال الدین سلجوقی کے سمے میں وہ راجیہ کا پردھان منتری تھا۔ اس نے بغداد کے اتیریکت بصرا، نیشاپور، اصفہان آدی نگروں میں بھی ودیالیہ استھاپت کیے تھے۔ راجیہ کوش کے اتیرکت اپنے نج کے اسنکھیہ روپیہ شکچھا نوتی میں وییہ کیا کرتا تھا۔ 'نظامیہ مدرسے کی کھیاتی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ سعدی نے اسی مدرسے میں پرویش کیا۔ یہ نشچت نہیں ہے کہ وہ کتنے دنوں بغداد میں رہے۔ لیکن ان کے لیکھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں فقہ (دھرم ساشتر) حدیث آدی کے اتِرکت انھوں نے وگیان، گنِت، کھگول، بھوگول، اتہاس آدی ویشیوں کا اچھی طرح اَدھین کیا ور'علامہ' کی سند پراپت کی۔ اتنے گہن وشیوں کے پنڈت ہونے کے لیے سعدی کو دس ورش سے کم نہ لگے ہوں گے۔

کال کی گتی وِچتر ہے۔ جس سمے سعدی نے بغداد سے پرستھان کیا۔ اس سمے اس نگر پر لکشمی اور سرسوتی دونوں ہی کی کرپا تھی۔ لیکن لگ بھگ بیس ورش بعد انھوں نے اسی سمردھ شالی نگر کو ہلاکو خان کے ہاتھوں نشٹ بھرشٹ ہوتے دیکھا اور انتم خلیفہ، جس کے دربار

میں بڑے بڑے راجا رئیسوں کی بھی مشکل سے پہنچ ہوتی تھی۔ بڑے ایمان اور کرورتا سے مارا گیا۔

سعدی کے ہردے پر اس گھور وِپلو کا ایسا پربھاؤ پڑا کہ انھوں نے اپنے لیکھوں میں بارمبار نیتی رکچھا، پرجا پالن، تتھا نیائے پرتا کا اپدیش دیا ہے۔ ان کا وچار تھا اور اس کے یتھارت ہونے میں کوئی سندیہ نہیں کہ نیائے پریے پرجا وتسل راجا کو کوئی شترو پراجت نہیں کرسکتا۔ جب ان گنوں میں کوئی انش کم ہوجاتا ہے تبھی سے برے دن دیکھنے پڑتے ہیں۔ سعدی نے دینوں پر دیا، دکھیوں سے سہانبھوتی، دیش بھائیوں سے پریم آدی گنوں کا بڑا مہتو درشایا ہے۔ کوئی آشچریہ نہیں کہ ان کے اُپدیشوں میں جو سجیوتا دیکھ پڑتی ہے وہ انھیں ہردے وچارک درشیوں سے اُتپن ہوئی ہے۔

تیسرا ادھیائے

دیش بھرمن

مسلمان یاتریوں میں ابن بطوطہ (پرکھیات یاتری ایوم مہتو پورن گرنتھ ''سفرنامہ'' کا لیکھک) سب سے سریشٹھ سمجھا جاتا ہے۔ سعدی کے وشے میں ودوانوں نے استھر کیا ہے کہ ان کی یاترائیں 'بطوطہ' سے کچھ ہی کم تھیں۔ اس سمے کے سمھیہ سنسار میں ایسا کوئی استھان نہیں تھا۔ جہاں سعدی نے پداپرن نہ کیا ہو۔ وہ سدیو پیدل سفر کیا کرتے تھے۔ اس سے وِدِت ہوسکتا ہے کہ ان کا سواستھ کیسا اچھا رہا ہوگا اور وہ کتنے بڑے پریشرمی تھے۔ سادھارن وستروں کے سوا اپنے ساتھ کوئی سامان نہیں رکھتے تھے۔ ہاں رکچھا کے لیے کلہاڑا لے لیا کرتے تھے۔ آج کل کے یاتریوں کے بھانتی پاکٹ میں نوٹ بک داب کر گائیڈ (پتھ درشک) کے ساتھ پرسدھ استھانوں کا دیکھنا اور گھر پہنچ کر یاترا ورتانت چھپوا کر اپنی وِدوتا درشانا سعدی کا ادیشیہ نہ تھا۔ وہ جہاں جاتے تھے۔ مہینوں رہتے تھے۔ جن سمودائے کے ریتی رواج، رہن سہن اور آچار ویوہار کو دیکھتے تھے۔ ودوانوں کا ستسنگ کرتے تھے۔ اور جو وچتر باتیں دیکھتے تھے۔ انھیں اپنے اسمرن کوش میں سنگرہ کرتے جاتے تھے۔ ان کی گلستاں اور بوستاں دونوں ہی پستکیں ان ہی انوبھووں کا پھل ہے۔ لیکن انھوں نے وِچتر جیو جنتوؤں، کورے پراکرتک درشیوں اتھوا ادبھت وسترابھوشنوں کے گھوڑوں سے اپنی کتابیں نہیں بھریں۔ ان کی درشٹی سدیو ایسی باتوں پہ رہا کرتی تھی۔ جن کا سدا چار سمبندھی پرینام ہوسکتا ہو، جن سے منو ویگ اور ورتیوں کا گیان ہو، جن سے منش کی سجنتا یا درجنتا کا پتا چلتا ہو، سداچرن، پارسپرک ویوہار اور نیتی پالن ان کے اپدیشوں کے وِشے تھے۔ وہ ایسی ہی گھٹناؤں پر وچار کرتے تھے جن سے ان اچچ ادیشوں کی پورتی ہو۔ یہ آوشیک نہیں تھا کہ گھٹنائیں ادبھت ہی ہوں نہیں، وہ سادھارن باتوں سے بھی ایسے سدھانت نکال لیتے تھے، جو سادھارن بدھی کی

پہنچ سے باہر ہوتے تھے۔ تمن لکھت دو چار اُدھارنوں سے یہ ان کی سوکھم درشٹا اسپشٹ ہوجائے گی۔



مجھے کیش نامی دویپ میں ایک سوداگر سے ملنے کا سینوگ ہوا۔اس کے پاس سامان سے لدے ہوئے ایک سو پچاس اونٹ اور چالیس خدمت گار تھے۔ اس نے مجھے اپنا اتیتھی بنایا۔ ساری رات اپنی رام کہانی سناتا رہا کہ میرا اتنا مال ترکستان میں پڑا ہے۔ اتنا ہندوستان میں۔ اتنی بھومی امک استھان پر ہے، اتنے مکان امک استھان پر ہیں، کبھی کہتا مجھے مصر جانے کا شوق ہے، لیکن وہاں کی جلوایو ہانی کارک ہے۔ جناب شیخ صاحب! میرا وچار ایک اور یاترا کرنے کا ہے، اگر وہ پوری ہوجائے تو پھر ایکانت واس کرنے لگوں، میں نے پوچھا وہ کون سی یاترا ہے، تو آپ بولے پارس کا گندھک چین دیش میں لے جانا چاہتا ہوں، کیونکہ سنا ہے وہاں اس کے اچھے دام کھڑے ہوتے ہیں۔ چین کے پیالے روم لے جانا چاہتا ہوں۔ وہاں سے روم کا۔ ''دیبا'' (ایک پرکار کا بہومولیہ ریشمی کپڑا) لے کر ہندوستان میں اور ہندوستان کا فولاد ''حلب'' میں اور حلب کا آئینہ یمن میں اور یمن کی چادریں لے کر پارس لوٹ جاؤں گا۔ پھر چپکے سے ایک دکان کرلوں گا اور سفر چھوڑ دوں گا، آگے ایشور مالک ہے۔ اس کی یہ ترشنا دیکھ کر میں اکتا گیا اور بولا۔ ''آپ نے سنا ہوگا کہ ''غور'' کا ایک بہت بڑا سوداگر جب گھوڑے سے گرکر مرنے لگا تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ترشنا وان منش کی ان دو آنکھوں کو سنتوش ہی بھرسکتا ہے یا قبر کی مٹی۔

کوئی تھکا ماندہ بھوک کا مارا پتھک ایک دھنوان کے گھر جانکلا۔ وہاں اس سمے آمود پرمود کی باتیں ہورہی تھی۔ کنتو اس بیچارے کو ان میں ذرا بھی مزا نہ آتا تھا۔ انت میں گرہ سوامی نے کہا، جناب، کچھ آپ بھی کہیے۔ مسافر نے جواب دیا۔ کیا کہوں میرا بھوک سے برا حال ہے۔ سوامی نے لونڈی سے کہا، کھانا لا۔ دستر خوان بچھا کر کھانا رکھا گیا۔ لیکن ابھی سبھی چیزیں تیار نہ تھیں۔ سوامی نے کہا۔ کرپا کر ذرا ٹھہر جایئے، ابھی کوفتہ تیار نہیں ہے۔ اس پر مسافر نے یہ شعر پڑھا۔

کوفتہ در سفر اے ماگو مباش
کوفتہ رانانِ تہی کوفتہ است

بھاورتھ --- مجھے کوفتہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بھوکے آدمی کو خالی روٹی ہی کوفتہ ہے۔



ایک بار میں متروں اور بندھوؤں سے اکتا کر فلسطین کے جنگل میں رہنے لگا۔ اس سمے مسلمانوں اور عیسائیوں میں لڑائی ہورہی تھی۔ ایک دن عیسائیوں نے مجھے قید کرلیا اور کھائی کھودنے کے کام پر لگادیا۔ کچھ دن بعد وہاں حلب دیش کا ایک دھنانیہ مُنش آیا، وہ مجھے پہچانتا تھا۔ اسے مجھ پر دیا آئی۔ وہ دس دینار دے کر مجھے قید سے چھڑا کر اپنے گھر لے گیا اور کچھ دن بعد اپنی لڑکی سے میرا نکاح کرا دیا۔ وہ استری کرکشا تھی۔ آدر ستکار تو دور ایک دن کرودھت ہوکر بولی۔ کیوں صاحب! تم وہی ہونا جسے میرے پتا نے دس دینار پر خریدا تھا۔ میں نے کہا۔جی ہاں، میں وہی لابھ کاری وستو ہوں، جسے آپ کے پتا نے دس دینار پر خرید کر آپ کے ہاتھ سو دینار پر بیچ دیا۔ یہ وہی مثل ہوئی کہ ایک دھرماتما پُرش کسی بکری کو بھیڑیوں کے پنجوں سے چھڑا لایا لیکن رات کو اس بکری کو اس نے خود ہی مار ڈالا۔



مجھے ایک بار کئی فقیر ساتھ سفر کرتے ہوئے ملے۔ میں اکیلا تھا۔ ان سے کہا کہ مجھے بھی ساتھ لیتے چلیے۔ انھوں نے سویکار نہ کیا، میں نے کہا۔ یہ رکھائی سادھوؤں کو شوبھا نہیں دیتی۔ تب انھوں نے جواب دیا۔ناراض ہونے کی بات نہیں، کچھ دن ہوئے ایک مسافر کو اسی طرح ساتھ لے لیا تھا۔ایک دن ایک قلعے کے نیچے ہم لوگ ٹھہرے۔اس مسافر نے آدھی رات کو ہمارا لوٹا اٹھایا کہ لگھو شنکا کرنے جاتا ہوں۔ لیکن خود غائب ہوگیا۔ یہاں تک بھی کشل تھی۔ لیکن اس نے قلعے میں جاکر خود جواہرات چرائے اور کھسک گیا۔ پراتہ کال قلعے والوں نے ہمیں پکڑا۔ بہت کھوج کے پیچھے اس دُشٹ کا پتہ ملا، تب ہم لوگ قید سے مکت ہوئے۔ اس لیے ہم لوگوں نے پرن کرلیا ہے کہ انجان آدمی کو اپنے ساتھ نہ لیں گے۔



دو خراسانی فقیر ایک ساتھ سفر کررہے تھے۔ ان میں ایک بڈھا دودن کے بعد کھانا کھاتا تھا۔ دوسرا جوان دن میں تین بار بھوجن پر ہاتھ پھیرتا تھا۔ سنیوگ سے دونوں کسی شہر میں جاسوسی کے بھرم میں پکڑے گئے۔ انھیں ایک کوٹھری میں بند کرکے دیوار چنوادی گئی۔ دو سپتاہ بعد معلوم ہوا کہ دونوں نراپرادھ ہیں، اس لیے بادشاہ نے آگیاں دی کہ دونوں کو چھوڑ

دیا جائے۔ کوٹھری کی دیوار توڑی گئی جوان مرا ملا اور بوڑھا جیوت۔ اس پر لوگ کوتوہل کرنے لگے۔ اتنے میں ایک بدھیمان پرش وہاں سے آنکلا۔ اس نے کہا -- اس میں آشچریہ کیا ہے۔ اس کے وپریت ہوتا تو آشچریہ کی بات تھی۔

☆

ایک سال حاجیوں کے قافلے میں پھوٹ پڑگئی۔ میں بھی ساتھ ہی یاترا کررہا تھا۔ ہم نے خوب لڑائی کی۔ ایک اونٹ وان نے ہماری یہ دشا دیکھ کر اپنے ساتھی سے کہا کہ کھید کی بات ہے کہ شطرنج کے پیادے تو جب میدان پار کرلیتے تو وزیر بن جاتے ہیں، مگر حاجی پیادے جوں جوں آگے بڑھتے ہیں، پہلے سے بھی خراب ہوتے جاتے ہیں، ان سے کہو، تم کیا حج کروگے جو یوں ایک دوسرے کو کاٹے کھاتے ہو۔ حاجی تو تمھارے اونٹ ہیں، جو کانٹے کھاتے ہیں اور بوجھ بھی اٹھاتے ہیں۔

☆

روس میں ایک سادھو مہاتما کی پرشنسا سن کرہم ان سے ملنے گئے۔ انھوں نے ہمارا وشیش سواگت کیا۔ کنتو کھانا نہ کھلایا۔ رات کوتو وہ اپنی مالا پھیرتے رہے اور ہمیں بھوک میں نیند نہیں آئی۔ صبح ہوئی تو انھوں نے کل کا سا آگت سواگت آرمبھ کیا۔ اس پر ہمارے ایک مونہہ پھٹ متر نے کہا، مہاتمن، اتیتھی کے لیے اس ستکار سے ادھک ضرورت بھوجن کی ہے۔ بھلاایسی اُپاسنا سے کبھی اپکار ہوسکتا ہے جب کئی آدمی گھر میں بھوک کے مارے کروٹیں بدلتے رہیں۔

☆

ایک بار میں نے ایک منش کو تیندوے پر سوار دیکھا۔ بھے سے کانپنے لگا۔ اس نے یہ دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا، سعدی ڈرتا کیوں ہے، یہ کوئی آشچریہ کی بات نہیں ہے۔ یدی منش ایشور کی آگیا سے منہ نہ موڑے تو اس کی آگیا سے بھی کوئی منہ نہیں موڑ سکتا۔

☆

سعدی نے بھارت کی بھی یاترا کی تھی۔ کچھ ودوانوں کا انومان ہے کہ وہ چار بار ہندوستان آئے۔ پرنتو اس کا کوئی پرمان نہیں، ہاں ان کا ایک بار یہاں آنا نربھرانت ہے۔ وہ گجرات تک آئے اور شاید وہیں سے لوٹ گئے۔ سومناتھ کے وشے میں انھوں نے ایک

گھٹنا لکھی ہے جو شاید سعدی کی یاترا ورتانت میں سب سے ادھک کوتوہل جنک ہے۔

جب میں سومناتھ پہنچا تو دیکھا کہ سہستروں استری اور پروش مندر کے دوار پر کھڑے ہیں۔ ان میں کتنے ہی مرادیں مانگنے، دور دور سے آئے ہیں۔ مجھے ان کی مؤرکھتا پر کھید ہوا۔ ایک دن میں نے کئی آدمیوں کے سامنے مورتی پوجا کی نندا کی۔ اس پر مندر کے بہت سے پجاری جمع ہوگئے اور مجھے گھیر لیا۔ میں ڈرا کہیں یہ لوگ مجھے پیٹنے نہ لگیں۔ میں بولا۔ میں نے کوئی بات اشردھا سے نہیں کہی۔ میں تو خود اس مورتی پر موہت ہوں، لیکن میں ابھی یہاں کے گپت رہسیوں کو نہیں جانتا۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ اس تتو کا پورن گیان پراپت کرکے اپاسک بنوں۔ پجاریوں کو میری یہ باتیں پسند آئیں۔ انھوں نے کہا۔۔ آج رات کو تو مندر میں رہ۔ تیرے سب بھرم مٹ جائیں گے۔ میں رات بھر وہاں رہا۔ پراتہ کال جب نگر واسی یہاں اکترت ہوئے تو اس مورتی نے اپنے ہاتھ اٹھائے جیسے کوئی پرارتھنا کررہا ہو! یہ دیکھتے ہی سب لوگ جے جے پکارنے لگے۔ جب لوگ چلے گئے تو پجاری نے ہنس کر مجھ سے کہا، کیوں اب تو کوئی شنکا نہیں رہی؟ میں کرتم بھاؤ بناکر رونے لگا اور لجا پرکٹ کی۔ پجاریوں کو مجھ پر وشواس ہوگیا۔ میں کچھ دنوں کے لیے ان میں مل گیا۔ جب مندر والوں کا مجھ پر وشواس جم گیا تو ایک رات کو اوسر پاکر میں نے مندر کا دوار بند کردیا اور مورتی کے سنہاسن کے نکٹ جاکر دھیان سے دیکھنے لگا۔ وہاں مجھے ایک پردہ دکھائی پڑا۔ جس کے پیچھے ایک پجاری بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈور تھی۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ جب وہ اس ڈور کو کھینچتا ہے تو مورتی کا ہاتھ اٹھ جاتا ہے۔ اسی کو لوگ دَیوِک بات سمجھتے ہیں۔

یدیپی سعدی متھیاوادی نہیں تھے۔تھتاپی اس ورتانت میں کئی باتیں ایسی ہے جو ترک کی کسوٹی پر نہیں کسی جاسکتی۔ لیکن اتنا ماننے میں کوئی آپتی نہیں ہونی چاہیے کہ سعدی گجرات آئے اور سومناتھ میں ٹھہرے تھے۔

چوتھا ادھیائے

سعدی کا شیراز میں پنر آگمن

تیس چالیس سال تک بھرمن کرنے کے بعد سعدی کو جنم بھومی کا اسمرن ہوا۔ جس سمے وہ شیراز سے چلے تھے۔ وہاں اشانتی پھیلی ہوئی تھی۔ کچھ تو اس کودشا اور کچھ ودیا لابھ کی اِچھا سے پریرت ہوکر سعدی نے دیش تیاگ کیا تھالیکن اب شیراز کی وہ دشا نہ تھی۔ سعد بن زنگی کی مرتیو ہو چکی تھی اور اس کا بیٹا اتا بک ابوبکر راج گدی پر تھا۔ وہ نیائے پر یہ راجیہ کاریہ کشل راجا تھا۔ اس کے سشاسن نے دیش کی بگڑی ہوئی اوستھا کو بہت کچھ سدھار دیا تھا۔ سعدی سنسار کو دیکھ چکے تھے۔ اوستھا وہ آپہنچی تھی جب منشیہ کو اکانت واس کی اچھا ہونے لگتی ہے۔ سانسارک جھگڑوں سے من اداسین ہوجاتا ہے۔ اتیو انومان کہتا ہے کہ پینسٹھ یا ستر ورش کی اوستھا میں سعدی شیراز آئے۔ یہاں سماج اور راجا دونوں ہی نے ان کا اچت آدر کیا۔ لیکن سعدی ادھک تر ایکانت واس میں ہی رہتے تھے۔ راج دربار میں بہت کم آتے جاتے۔ سماج سے بھی کنارے رہتے۔ اس کا کداچت ایک کارن یہ بھی تھا کہ اتا بک ابوبکر کو ملاؤں اور ودوانوں سے کچھ چڑ تھی۔ وہ انھیں پاکھنڈی اور اپدروی سمجھتا تھا۔ کتنے ہی سرو مانیہ ودوانوں کو اس نے دیش سے نکال دیا تھا۔ اس کے وپریت وہ مورکھ فقیروں کی بہت سیوا اور ستکار کرتا۔ جتنا ہی ان پڑھ فقیر ہوتا اتنا ہی اس کا مان ادھک کرتا تھا۔ سعدی ودوان بھی تھے، ملا بھی تھے، یدی پرجا سے ملتے جلتے تو ان کا گورو اوشیہ بڑھتا اور بادشاہ کو ان سے کھٹکا ہوجاتا۔ اس کے سوا یدی وہ راج دربار کے اپاسک بن جاتے تو ودوان لوگ ان پر کٹا کچھ کرتے۔ اس لیے سعدی نے دونوں سے منہ موڑنے میں ہی اپنا کلیان سمجھا اور تٹستھ رہ کر دونوں کے کرپا پاتر بنے رہے۔ انھوں نے گلستاں اور بوستاں کی رچنا شیراز ہی میں کی۔ دونوں گرنتھوں میں سعدی نے مورکھ سادھو اور فقیروں کی خوب خبر لی اور راجا، بادشاہوں کو بھی نیائے، دھرم اور دیا کا اپدیش دیا اور اندھ وشواس پر سیکڑوں جگہ دھارمک چوٹیں کی ہیں۔ ان کا

تاتپریہ یہ ہی تھا کہ اتابک ابوبکر سچیت ہوجائے اور ودوانوں سے وِدروہ کرنا چھوڑدے۔ سعدی کو بادشاہ کی کی اپیکچھا یوراج سے ادھک سنہہ تھا۔ اس کا نام فخرالدین تھا۔ وہ بغداد کے خلیفہ کے پاس کچھ تحفے بھینٹ لے کر ملنے گیا تھا۔ لوٹتی بار مارگ ہی میں اسے اپنے پتا کے مرنے کا سماچار ملا۔ یوراج بڑا پتر بھگت تھا۔ یہ خبر سنتے ہی شوک سے بیمار پڑگیا۔ اور راستے میں ہی پرلوک سدھار گیا۔ ان دونوں مرتیو سے سعدی کو اتنا شوک ہوا ہو کہ وہ شیراز سے پھر نکل کھڑے ہوئے اور بہت دنوں تک دیش بھرمن کرتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کال کے اپرانت وہ پھر شیراز آگئے تھے کیونکہ ان کا دیہانت یہیں ہوا۔ ان کی قبر ابھی تک موجود ہے، لوگ اس کی پوجا درشن (زیارت) کرنے جایا کرتے ہیں لیکن ان کی سنتانوں کا کچھ حال نہیں ملتا ہے۔ سمبھوتہ سعدی کی مرتیو بارہ سو اٹھاسی کے لگ بھگ ہوئی۔ اس سمے ان کی اوستھا ایک سوسولہ ورش کی تھی۔ شاید ہی کسی ساہتیہ سیوی نے اتنی بری عمر پائی ہو۔

سعدی کے پریمیوں میں علاء الدین نام کاایک بڑا ادار ویکتی تھا۔ جن دنوں یوراج فخرالدین کی مرتیو کے پیچھے سعدی بغداد آئے تو علاء الدین وہاں کے سلطان اباقا خاں کا وزیر تھا۔ ایک دن مارگ میں سعدی سے اس کی بھینٹ ہوگئی۔ اس نے بڑا آدر ستکار کیا۔ اس سمے سے انت تک وہ بڑی بھکتی سے سعدی کی سیوا کرتا رہا اس کے دیے ہوئے دھن سے سعدی اپنے بیاہ کے لیے تھوڑا سا لے کر شیش دینوں کو دان دیا کرتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ علاء الدین نے اپنے غلام کے ہاتھ سعدی کے پاس پانچ سو دینار بھیجے۔ غلام جانتا تھا کہ شیخ صاحب کبھی کسی چیز کو گنتے تو ہیں نہیں، اتیو اس نے دھورتتا سے سے ایک سو پچاس دینار نکال لیے۔ سعدی نے دھن واد میں ایک کویتا لکھ کر بھیجی، ان میں تین سو پچاس دیناروں کا ہی ذکر تھا۔ علاء الدین بہت لجت ہوا۔ غلام کو دنڈ دیا اوراپنے ایک متر کو جو شیراز میں ایک کسی اُچچ پد پر نیوکت تھا۔ لکھ بھیجا کہ سعدی کو دس ہزار دینار دے دو۔ لیکن اس پتر کے پہنچنے سے دو دن پہلے ہی ان کے یہ متر پرلوک سدھار چکے تھے، روپیے کون دیتا؟ اس کے بعد علاء الدین نے اپنے ایک پرم وشوست منش کے ہاتھ سعدی کے پاس پچاس ہزار دینار بھیجے۔ اس دھن سے سعدی نے ایک دھرم شالہ بنوادی۔ مرتے سمے تک شیخ سعدی اسی دھرم شالہ میں نواس کرتے رہے۔ اسی میں اب ان کی سمادھی ہے۔

پانچواں ادھیائے

چرتر

سعدی ان کویوں میں ہیں.....جن میں چرتر کا پرتی بمب ان کا کاویہ روپی درپن میں اسپشٹ دکھائی دیتا ہے۔ ان کے اپدیش ہردیہ سے نکلتے تھے۔ یہی کارن ہے کہ ان میں اتنی پربل شکتی بھری ہوئی ہے۔ سینکڑوں انیکوں اپدیشکوں کی بھانتی وہ دوسروں کو پرمارتھ سکھا کر آپ سوارتھ پر جان نہ دیتے تھے۔ دوسرں کو نیائے، دھرم اور کرتویہ پالن کی شکچھا دے کر آپ ولاستا میں لپت نہ رہتے تھے۔ ان کی ورتی سوبھاوتہ ساتوک تھی۔ ان کا من کبھی واسناؤں سے وچلت نہیں ہوا۔ انیہ کویوں کی بھانتی انھوں نے کسی راج دربار کا آشریہ نہیں لیا۔ لوبھ کو کبھی اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ لیش اور ایشوریہ دونوں ہی ست کرم کے پھل ہیں۔ لیش دیوک ہے، ایشوریہ مانوشک۔ سعدی نے دیوک پھل پر سنتوش کیا۔ مانوشک کے لیے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ دھن کی دیوی جو بلیدان چاہتی ہے۔ وہ دینے کی سامرتھ سعدی میں نہیں تھی۔ وہ آتما کا الپ آنش بھی اسے بھینٹ نہیں کرسکتے تھے۔ یہی ان کی نربھیکتا کا اولمب ہے۔ راجاؤں کو اپدیش دینا سانپ کے بل میں انگلی ڈالنے کے سمان ہے۔ یہاں ایک پاؤں اگر پھولوں پر رہتا ہے، تو دوسرا کانٹوں پر۔ وشیش کر سعدی کے سمے میں راج نیتی کا اپدیش اور بھی جوکھم کا کام تھا۔ ایران اور بغداد دونوں ہی دیش میں عربوں کا پتن ہورہا تھا۔ تاتاری بادشاہ پرجا کو پیروں تلے کچلے ڈالتے تھے۔ لیکن سعدی نے اس کٹھن سمے میں بھی اپنی ٹیک نہ چھوڑی۔ جب وہ شیراز سے دوسری بار بغداد گئے تو وہاں ہلاکو خاں مغل کا بیٹا اباقا خاں بادشاہ تھا۔ ہلاکو خاں کے گھور اتیاچار چنگیز اور تیمور کی پیشاچک کرورتاؤں کو بھی لجت کرتے تھے۔ اباقا خاں یدیپی ایسا اتیا چاری نہ تھا۔ تتھاپی اس کے بھے سے پرجا تھر تھر کانپتی تھی۔ اس کے دو پردھان کرم چاری سعدی کے بھگت تھے۔ ایک دن سعدی بازار میں گھوم رہے تھے کہ بادشاہ کی سواری دھوم دھام سے ان کے سامنے سے نکلی۔ ان کے دونوں کرم چاری ان کے ساتھ تھے۔ انھوں نے سعدی کو دیکھا تو گھوڑے سے اتر پڑے اور ان کا بڑا ستکار کیا۔ بادشاہ کو اپنے وزیروں کی شردھا دیکھ کر بڑا کوتوہل ہوا۔ اس نے پوچھا یہ کون آدمی ہے؟

وزیروں نے سعدی کا نام اور گن بتایا۔ بادشاہ کے ہردے میں بھی سعدی کی پریکھا کرنے کا وچار پیدا ہوا، بولا۔ کچھ اپدیش مجھے بھی دیجیے۔ سمبھوتہ اس نے سعدی سے اپنی پرشنسا کرانی چاہی ہوگی۔ لیکن سعدی نے نربھیتا سے یہ اُڑیشیہ پورن شعر پڑھے۔

شہہ کہ پاسِ رعیت نگاہ می دارد
حلال بعد خراجش کہ مژدہ چو پانیست
بگر نہ رایے خلقست زہر مارش باد
کہ ہرچہ می خرد از جزیہ مسلمانیست

بھاوارتھ۔ بادشاہ جو پرجا پالن کا دھیان رکھتا ہے۔ایک چرواہے کے سمان ہے۔ پرجا سے جو کر لیتا ہے وہ اس کی مزدوری ہے۔ یدی وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ حرام کا دھن کھاتا ہے۔



اباقاخاں یہ اپدیش سن کر چکت ہوگیا۔ سعدی کی نربھیتا نے اسے بھی سعدی کا بھگت بنادیا۔ اس نے سعدی کو بڑے سمّان کے ساتھ وِدا کیا۔

سعدی میں آتم گورو کی ماترا بھی کم نہ تھی۔ وہ آن پر جان دینے والے منشیوں میں سے تھے۔ نیچتا سے انھیں گھرنا تھی۔ ایک بار اسکندریا میں بڑا آکال پڑا۔ لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔وہاں ایک بڑا سمپتی شالی خواجہ تھا۔ وہ غریبوں کو کھانا کھلاتا اور ابھیاگتوں کی اچھی سیوا سمان کرتا۔ سعدی بھی وہیں تھے، لوگوں نے کہا۔ آپ بھی اسی خوجے کے مہمان بن جایے۔ اس پر سعدی نے اتر دیا۔ شیر کبھی کتے کا جوٹھا نہیں کھاتا، چاہے اپنی ماند میں بھوکوں بھلے ہی مرجائے۔

سعدی کو دھرم ڈھونگ سے بڑی چڑ تھی۔وہ پرجا کو مورکھ اور سوارتھی ملّاؤں کے پھندے پڑتے دیکھ کر جل جاتے تھے۔ انھوں نے کاشی متھرا، ورنداون یا پریاگ کے پاکھنڈی پنڈوں کی پوپ لیلائیں دیکھی ہوتیں تو اس وشے میں انکی لیکھنی اور بھی تیور ہوجاتی۔ چھتر دھاری، ہاتھی پر بیٹھنے والے مہنت، پالکیوں میں چنور ڈلانے والے پجاری، گھنٹوں تلک مدرا میں سے خرچ کرنے والے پنڈت اور راجا رئیسوں کے دربار میں کھلونا بننے والے مہاتما ان کی سالوچنا کو کتنی روچک اور ہردے گرہی بنادیتے؟ ایک بار لیکھک نے دو جٹا دھاری

سادھوؤں کو ریل گاڑی میں بیٹھے دیکھا۔دونوں مہاتما ایک پورے کمپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے تھے اور کسی کو اندر نہ گھسنے دیتے تھے۔ ملے ہوئے کمپارٹمنٹوں میں اتنی بھیڑ تھی کہ آدمیوں کو کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہ ملتی تھی۔ ایک وردھ یاتری کھڑے کھڑے تھک کر دھیرے سے سادھوؤں کے ڈبے میں جا بیٹھا۔ پھر کیا تھا۔سادھوؤں کی یوگ شکتی نے پرچنڈ روپ دھارن کیا، بڈھے کو ڈانٹ بتائی اور جوں ہی اسٹیشن آیا۔اسٹیشن ماسٹر کے پاس جاکرفریاد کی کہ بابا، یہ بوڑھا یاتری سادھوؤں کو بیٹھنے نہیں دیتا۔ ماسٹر صاحب نے سادھوؤں کی ڈگری کردی۔ بھسم اور جٹا کی یہ چمتکارک شکتی دیکھ کر سارے یاتری رعب میں آگئے اور پھر کسی کو ان کی اس گاڑی کو اپوتر کرنے کا ساہس نہیں ہوا۔ اسی طرح ریواں میں لیکھک کی ملاقات ایک سنیاسی سے ہوئی وہ سویم اپنے گیروے وانے پر لجت تھے۔ لیکھک نے کہا آپ کوئی ادھم کیوں نہیں کرتے؟ بولے، اودھم کرنے کی سامرتھیہ نہیں اور کروں بھی تو کیا۔ محنت مزدوری ہوتی نہیں، وڈیا کچھ پڑھی نہیں، یہ جیون تو اسی بھانتی کٹے گا۔ ہاں، ایشور سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ دوسرے جنم میں مجھے ست بدھی دے اور اس پاکھنڈ میں نہ پھسادے،سعدی نے ایسی ہزاروں گھٹنائیں دیکھی ہوں گی، اورکوئی آشچریہ نہیں کہ ان ہی باتوں سے ان کا دیالو ہردے بھی پاکھنڈیوں کے پرتی ایسا کٹھور ہوگیا ہو۔

سعدی مسلمانی دھرم شاستر کے پورن پنڈت تھے۔لیکن درشن میں ان کی گتی بہت کم تھی۔ ان کی نیتی شکچھا سورگ اور نرک، تتھا بھے پر ہی اولمبت ہے۔ (اپیوگ واد) تتھا پرمارتھ واد کی ان کے یہاں کوئی چرچا نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ سرودھارن میں نیتی کا اپدیش کرنے کے لیے ان کی آویشکتا ہی کیا تھی۔ وہ سدا چار جس کی نیودرشن کے سدھانتوں پر ہوتی ہے۔ دھارمک سداچار سے کتنے ہی وشیوں میں ورودھ رکھتا ہے اور یدی اس کا پورا پورا پالن کیا جائے تو سمجھو ہے کہ سماج میں گھور وپلو مچ جائے۔

سعدی نے سنتوش پر بڑا زور دیا ہے۔ یہ ان کی سداچار شکچھا کا ایک ماتر مول آدھار ہے۔ وہ سویم بڑے سنتوشی منش تھے۔ ایک بار ان کے پیروں میں جوتے نہیں تھے۔ راستہ چلنے میں کشٹ ہوتا تھا۔ آرتھک دشا بھی ایسی نہیں تھی کہ جوتا مول لیتے۔ چت بہت کھنّ ہورہا تھا۔ اسی وکلتا میں کوفہ کی مسجد میں پہنچے تو ایک آدمی کو مسجد کے دوار پر بیٹھے دیکھا۔ جس کے پاؤں ہی نہیں تھے۔ اس کی دشا دیکھ کر سعدی کی آنکھیں کھل گئیں۔ مسجد میں چلے گئے اور

ایشور کو دھنیہ واد دیا۔اس نے انھیں پاؤں سے تو ونچت نہیں کیا۔ایسی شکچھا اس بیسویں شتابدی میں کچھ اٹپیکت سی پرتیت ہوتی ہے۔ یہ اسنتوش کا سے ہے۔ آج کل سنتوش اور اداسینتا میں کوئی انتر نہیں سمجھا جاتا۔ سماج کی انتی اسنتوش کی رُنی سمجھی جاتی ہے۔لیکن سعدی کی سنتوش شکچھا سدادیوگ کی اپیکچھا نہیں کرتی۔ ان کا کتھن ہے کہ یدھپی ایشور سمست سرشٹی کی سدھی لیتا ہے۔لیکن اپنی جیویکا کے لیے یتن کرنا منش کا پرم کرتویہ ہے۔

یدھپی سعدی کے بھاشا لالتیہ کا ہندی انواد میں درشانا بہت ہی کٹھن ہے۔تتھاپی ان کی کتھاؤں اور واکیوں سے ان کی شیلی کا بھلی بھانتی پریچے ملتا ہے۔ نہ سندیہہ وہ سمست ساہتیہ سنسار کے ایک سم اُجول رتن ہیں اور منش سماج کے ایک سچے پتھ پر درشک۔ جب تک سرل بھاوؤں کو سمجھنے والے، اور بھاشا لالتیہ کا رسا سوادن کرنے والے پرانی سنسار میں رہیں گے، تب تک سعدی کا سویش جیوت رہے گا، اور لوگ ان کی پرتبھا کا آدر کریں گے۔

چھٹا ادھیائے

رچنائیں اور ان کا مہتو

سعدی کے رچت گرنتھوں کی سنکھیا پندرہ سے ادھک ہے۔ ان میں چار گرنتھ کیول غزلوں کے ہیں۔ ایک دو گرنتھوں میں وہ قصیدے درج ہیں جو انھوں نے سمے سمے پر بادشاہوں یا وزیروں کی پرشنسا میں لکھے تھے۔ ان میں ایک عربی بھاشا میں ہے۔ دو گرنتھ بھگتی مارگ پر ہیں۔ ان کی سمست رچنا میں مولکتا اور اوج ودھمان ہے، کتنے ہی بڑے بڑے کویوں نے انھیں غزلوں کا بادشاہ مانا ہے۔ لیکن سعدی کی کھیاتی اور کیرتی وشیش کر ان کی گلستاں اور بوستاں پر نربھر ہے۔ سعدی نے سداچار کا اپدیش کرنے کے لیے جنم لیا تھااور ان کے قصیدوں اور غزلوں میں بھی یہی گن پردھان ہے۔ انھوں نے قصیدوں میں بھاٹ پنا نہیں کیا۔ جھوٹی تعریفوں کے پل نہیں باندھے ہیں۔ غزلوں میں بھی ہجر اور وصال، زلف اور کمر کے دکھڑے نہیں روئے ہیں۔ کہیں بھی سداچار کو نہیں چھوڑا۔ گلستاں اور بوستاں کا کہنا ہی کیا ہے؟ ان کی تو رچنا ہی اپدیش کی نمتی ہوئی تھی۔ ان دونوں گرنتھوں کو فارسی ساہتہ کا سوریہ اور چندر کہیں تو اتیکتی نہ ہوگی۔ اپدیش کا وشے بہت شُشک سمجھا جاتا ہے اور اپدیشک سدا سے اپنی کڑوی اور نیرس باتوں کے لیے بدنام رہتے آئے ہیں۔ نصیحت کسی کو اچھی نہیں لگتی۔ اس لیے ودوانوں نے اس کڑوی اوشدھی کو بھانتی بھانتی کے میٹھے شربتوں کے ساتھ پلانے کی چیشٹا کی ہے۔ کوئی چیل کوے کی کہانیاں گڑھتا ہے، کوئی کلپت کتھائیں نمک مرچ لگا کر بکھانتا ہے۔ لیکن سعدی نے اس دُستر کاریہ کو ایسی دلکش کشلتا اور بدھیمتا سے پورا کیا ہے کہ ان کا اپدیش کاویہ سے بھی ادھک سرس اور سبودھ ہوگیا ہے۔ ایساچتر اپدیشک کداچت ہی کسی دوسرے دیش میں اتپن ہوا ہو۔

سعدی کا سروتم گن وہ واکیہ نپنتا ہے۔ جو سوا بھاوک ہوتی ہے۔ اور اُدھیوگ سے پراپت نہیں ہوسکتی۔ وہ جس بات کو لیتے ہیں اسے ایسے اُتکرشٹ اور بھاو پورن شبدوں میں ورنن کرتے ہیں، جوانیہ کسی کے دھیان میں نہیں آسکتی۔ ان میں کتنا کچھ کرنے کی شکتی کے ساتھ ایسی مارمکتا ہوتی ہے کہ پڑھنے والے مگدھ ہوجاتے ہیں۔ اداہرن کی بھانتی اس بات کو کہ پیٹ پاپی ہے،اس کے کارن منش کو بڑی کٹھنائیاں جھیلنی پڑتی ہیں، وہ اس پرکار ورنن

کرتے ہیں۔

اگر زور شکم نہ بود، ہیچ مرغ در
دام نہ افتادِ، بلکہ صیاد خود
دام نہ نہادِ

بھاو ۔ یدی پیٹ کی چنتا نہ ہوتی تو کوئی چڑیا جال میں نہ پھنستی، بلکہ کوئی بہیلیاں جال ہی نہ بچھاتا۔

اسی طرح اس بات کو کہ نیا یادھیش بھی رشوت سے وش میں ہوجاتے ہیں، وہ یوں بیان کرتے ہیں۔

ہما کسرا دنداں بہ ترشی کند گردد
مگر قاضیاں رابہ شیرینی

بھاو ۔ انیہ منش کے دانت کھٹائی سے گٹھل ہوجاتے ہیں۔لیکن نیائے کاریوں کے مٹھائی سے۔

ان کو یہ لکھنا تھا کہ بھیک مانگنا جو ایک نندھ کرم ہے۔ اس کا اپرادھ کیول فقیروں پر ہی نہیں بلکہ امیروں پر بھی ہے، اس کو وہ اس طرح لکھتے ہیں۔

اگر شمارا انصاف بودِ و مارا قناعت
رسمِ سوال از جہان برخاستِ

بھاو-یدی تم میں نیائے ہوتااورہم میں سنتوش،توسنسار میں مانگنے کی پرتھاہی اٹھ جاتی۔

ان کے پردھان گرنتھ گلستاں اور بوستاں کا دوسرا گن ان کی سرلتا ہے۔ یدھپی ان میں ایک واکیہ بھی نیرس نہیں ہے، کنتو بھاشا ایسی سرل اور مدھر ہے کہ اس پر آشچر یہ ہوتا ہے۔ سادھارن لیکھک جب سجیلی بھاشا لکھنے کی چیشٹھا کرتا ہے۔ تو اس میں کرتمتا آجاتی ہے۔لیکن سعدی نے سادگی اور سجاوٹ کا ایسا مشرن کردیا ہے کہ آج تک کسی انیہ لیکھک کو اس شیلی کے انوکرن کرنے کا ساہس نہ ہوا، اور جنھوں نے ساہس کیا، انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ جس سے گلستاں کی رچنا ہوئی اس سے فارسی بھاشا اپنی بالیا وستھا میں تھی۔ پدھ کا تو پرچار ہوگیا تھا۔ لیکن گدھ کا پرچار کیول بات چیت ہاٹ بازار میں تھا۔ اس لیے سعدی کو اپنا مارگ آپ بنانا تھا وہ فارسی گدھ کے جنم داتا تھے۔ یہ ان کی ادبھت پرتبھا ہے کہ آج چھ سو

ورش کے اپرانت بھی ان کی بھاشا سرؤتم سمجھی جاتی ہے۔ ان کے پیچھے کتنی ہی پستکیں گدھ میں لکھی گئیں، لیکن ان کی بھاشا پرانی ہونے کا کلنک لگ گیا۔ گلستاں جس کی رچنا آدی میں ہوئی تھی آج بھی فارسی بھاشا کا شرنگار سمجھی جاتی ہے۔ اس کی بھاشا پر سے کا کچھ بھی پربھاؤ نہیں پڑا۔

ساہتیہ سنسار اور کوی ورگ میں ایسا بہت کم دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک ہی وشے پر گدھ اور پدھ کے دو گرنتھوں میں گد رچنا ادھک سریشٹھ ہو کنتو سعدی نے یہی کر دکھایا ہے گلستاں اور بوستاں دونوں میں نیتی کا وشے لیا گیا ہے۔ لیکن جو آدر پرچار گلستاں کا ہے وہ بوستاں کا نہیں۔ بوستاں کے جوڑ کی کئی کتابیں فارسی بھاشا میں ورتمان ہیں۔ مثنوی (بھگتی کے وشے میں مولانا جلا الدین کا مہا کاویہ) سکندر نامہ (سکندر بادشاہ کے چرتر پر نظامی کا کاویہ) اور شاہنامہ (فردوسی کا اپورن کاویہ ایران دیش کے بادشاہوں کے وشے میں فارسی کا مہابھارت) یہ تینوں گرنتھ اُچّچ کوٹی کے ہیں اور ان میں یدھپی شبد یوجنا، کاویہ سوندریہ النکار اور ورنن شکتی بوستاں سے ادھک ہے تھاپی اس کی سرلتا، اور اس کی گپت چٹکیاں اور یکتیاں ان میں نہیں ہیں لیکن گلستاں کے جوڑ کا کوئی گرنتھ فارسی بھاشا میں ہے ہی نہیں۔ اس کا وشے نیا نہیں اس کے بعد سے نیتی پر فارسی میں سینکڑوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں اس میں جو کچھ چمتکار ہے وہ سعدی کے بھاشا لالیتیہ اور واکیہ چاتُری کا ہے۔ اس میں بہت سی کتھائیں سوئیم لیکھک نے انوبھو کی ہیں۔ اس لیے ان میں ایسی سجیوتا اور پربھاؤ اُتپادکتا کا سنچار ہوگیا ہے جو کیول انوبھو سے ہی ہوسکتا ہے سعدی پہلے ایک بہت سادھارن کتھا چھیڑتے ہیں لیکن انت میں ایک ایسی چٹیلی اور مرم بھیدی بات کہہ دیتے ہیں کہ جس نے ساری کتھا النکرت ہوجاتی ہے۔ یوروپ کے سالوچکوں نے سعدی کی تلنا، ہوریس (یونان کا سرو شریشٹھ کوی) سے کی ہے۔ انگریز وِدوان نے انھیں ایشیا کے شیکسپئر کی پدوی دی ہے۔ اس سے وِدت ہوتا ہے کہ یوروپ میں سعدی کا کتنا آدر ہے۔ گلستاں کے لیٹن، فرنچ، جرمن، ڈچ، انگریزی، ترکی آدی بھاشاؤں میں ایک نہیں کئی انوواد ہیں۔ بھارتیہ بھاشاؤں میں اردو، گجراتی، بنگلہ میں اس کا انوواد ہوچکا ہے۔ ہندی بھاشا میں بھی مہاشے مہر چند داس کا کیا ہوا گلستاں کا گدیہ پدیہ مے انوواد ۱۸۸۸ء میں پرکاشت ہوچکا ہے۔ سنسار میں ایسے تھوڑے ہی گرنتھ ہیں جن کا اتنا آدر ہوا ہو۔

ساتواں ادھیائے

گلستاں

ہم یہاں گلستاں کی کچھ کتھائیں دیتے ہیں جن سے پاٹھکوں کو بھی سعدی کے لیکھن کوشل کا پریچے دے سکیں۔

گلستاں میں آٹھ پرکرن ہیں۔ پرتیک پرکرن میں نیتی اور سداچار کے بھن بھن سدھانتوں کا ورنن کیا گیا ہے۔ پرتھم پرکرن میں بادشاہوں کا آچار، ویوہار اور راج نیتی کے اپدیش دیے گئے ہیں۔

سعدی نے راجاؤں کے لیے نمن لکھت باتیں بہت آوشیک اور دھیان یوگیہ بتلائی ہیں۔

۱۔ پرجا پر کبھی سویم اتیاچار نہ کرے نہ اپنے کرم چاریوں کو کرنے دے۔

۲۔ کسی بات کا ابھمان نہ کرے۔ اور سنسار کے ویبھو کو نشور سمجھتا رہے۔

۳۔ پرجا کے دھن کو اپنے بھوگ ولاس میں نہ اڑا کر ان ہی کے آرام میں خرچ کرے۔

گلستاں کی کتھائیں

میں دمشق میں ایک اولیاء کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ عرب دیش کا اتیاچاری بادشاہ وہاں پوجا کرنے آیا۔ نماز پڑھنے کے پشچات وہ مجھ سے بولا کہ میں آج کل بلوان شترو کے ہاتھوں تنگ آگیا ہوں۔ آپ میرے لیے دعا کیجیے۔ میں نے کہا کہ شترو کے پنجے سے بچنے کے لیے سب سے اچھا اپائے یہ ہے کہ اپنی دین پرجا پر دیا کیجیے۔

ایک اتیاچاری بادشاہ نے کسی سادھو سے پوچھا کہ میرے لیے کون سی اپاسنا اُتم ہے۔ اتر ملا کہ تمھارے لیے دوپہر تک سونا سب اپاسناؤں سے اُتم ہے۔ جس میں اتنی دیر تم کسی کو ستا نہ سکو۔

ایک دن خلیفہ ہارون رشید کا ایک شہزادہ کرودھ سے بھرا ہوا اپنے پتا کے پاس آکر بولا، مجھے اُمک سپاہی کے لڑکے نے گالی دی ہے۔ بادشاہ نے منتریوں سے پوچھا کیا ہونا چاہیے۔ کسی نے کہا اسے قید کردیجیے۔ کوئی بولا جان سے مروا ڈالیے۔ اس پر بادشاہ نے شہزادے سے کہا، بیٹا، اچھا تو یہ ہے کہ اسے چھما کردو۔ یدی اتنے اُدار نہیں ہوسکتے ہو تو اسے بھی گالی دے لو۔



ایک سادھو سنسار سے ورکت ہوکر بن میں رہنے لگا۔ ایک دن راجا کی سواری ادھر سے نکلی۔ سادھو نے کچھ دھیان نہ دیا۔ تب منتری نے اس سے جا کر کہا، سادھو جی، راجا جی تمھارے سامنے سے نکلے اور تم نے ان کا کچھ سمان نہ کیا۔ سادھو نے کہا، بھگون، راجا سے کہیے کہ نمسکار پرنام کی آشا اس سے رکھے جو ان سے کچھ چاہتا ہو۔ دوسرے راجا پرجا کے لیے ہے نہ کہ راجا کی بندگی کے لیے۔

ایک بار نیائے شیل نوشیرواں جنگل میں شکار کھیلنے گیا۔ وہاں بھوجن بنانے کے لیے

نمک کی ضرورت ہوئی۔ نوکر کو بھیجا کہ پاس والے گاؤں سے جا کر نمک لے آؤ۔ لیکن بنا دام دیے مت لانا نہیں تو گاؤں ہی اجڑ جائے گا۔ نوکر نے کہا، تنک سا نمک لے لینے سے گاؤں کیسے اجڑ جائے گا۔ نوشیرواں نے اتّر دیا۔ اگر راجا پرجا کے باغ سے ایک سیب کھالے تو نوکر لوگ اس ورکچھ کی جڑ تک کھود کھاتے ہیں۔

☆

ایک بادشاہ بیمار تھا۔ اس کے جیون کی کوئی آشا نہ تھی۔ ویدیوں نے جواب دے دیا تھا۔ ان دنوں ایک سوار نے آکر اسے کسی قلعے کے جیتنے کا سُکھ سنواد سنایا۔ بادشاہ نے لمبی سانس لے کر کہا، یہ خبر میرے لیے نہیں، میرے اترادھکاریوں کے لیے سکھ دائک ہوسکتی ہے۔

☆

ایک بادشاہ کسی اسادھیہ روگ سے پیڑت تھا۔ حکیموں نے بہت کچھ یتن کیا، پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انت میں انھوں نے بادشاہ کو منش کا گردہ سیون کرانے کا وچار کیا۔ وہ منش کس روپ رنگ کا ہو اس کی وی وِیچنا بھی کردی۔ بہت کھوجنے میں ایک زمیندار کے پتر میں یہ سب گن پائے گئے۔ اس کے ماتا پتا روپے لے کر لڑکے کو ودھ کرانے پر راضی ہوگئے۔ قاضی صاحب نے بھی وہ ویوستھا دے دی کہ بادشاہ کی پران رکچھا کے لیے ہتّیا نیائے وِرودھ نہیں ہے۔ انت میں جب جلاد اسے مارنے کھڑا ہوا تو لڑکا آکاش کی اور دیکھ کر ہنس پڑا۔ بادشاہ نے وسمت ہوکر ہنسی کا کارن پوچھا۔ لڑکے نے کہا میں اپنے بھاگیہ کی وچترتا پر ہنستا ہوں۔ ماتا پتا کے پریم، قاضی کا نیائے، اور بادشاہ کے پرجا پالن سب نے میری رکچھا سے ہاتھ کھینچ لیے اب کیول ایشور ہی میرا سہایک ہے۔ بادشاہ کے ہردئے میں دیا اتپن ہوئی، بالک کو گود میں لے لیا اور بہت سا دھن دے کر ودا کیا۔

☆

کسی بادشاہ کے پاس ایک پروپکاری منتری تھا۔ دیو یوگ سے کسی بات پر بادشاہ نے ناراض ہوکر اسے جیل خانے بھیج دیا۔ پر جیل میں بھی اس کے کتنے ہی متر تھے جو پہلے کی بھانتی ہی اس کا مان سمان کرتے رہے۔ ادھر ایک دوسرے رئیس کو اس گھٹنا کی خبر ملی تو اس نے منتری کے نام گپت ریتی سے پتر لکھا کہ جب وہاں پر آپ کا انادر ہو رہا ہے تو کیوں یہ کشٹ جھیل رہے ہیں۔ یدی آپ یہاں چلے آئیں تو آپ کا یتھوچت سمان کیا جائے گا اور

ہم لوگ اسے اپنا دھنیہ بھاگ سمجھیں گے۔ منتری نے بہت سنکچھپت اتر لکھ بھیجا۔ اتنے میں کسی نے بادشاہ سے جا کر کہا، دیکھیے منتری جی اتنے پر بھی اپنی کُٹِلتا سے باز نہیں آتے، انیہ دیشوں کے رئیسوں سے لکھا پڑی کرر ہے ہیں۔ بادشاہ نے گپت چر کے پکڑے جانے کا حکم دیا۔ پتر دیکھا گیا تو لکھا تھا، اس آدر کے لیے میں آپ کا بہت انوگرہیت ہوں، لیکن جس ریاست کا ورشوں تک نمک کھا چکا ہوں اس سے تھوڑی سی تاڑنا کے کارن وِمکھ نہیں ہوسکتا۔ آپ مجھے چھما کریں۔ بادشاہ یہ پتر دیکھ کر بہت پرسن ہوا اور منتری کو کاراگار سے نکال کر پھر پرانے پد پر نیکت کردیا اور اپنی نردیتا پر بہت لجت ہوا۔

ایک پہلوان اپنے ایک ششیہ سے وشیش پریتی رکھتا تھا۔ اس نے اسے ایک پیچ کے سوائے اپنے اور سب پیچوں کا ابھیاس کرادیا۔ اس ششیہ کا آہنکار ہوگیا۔ اس نے بادشاہ سے جا کر کہا' میرے گروجی اب کیول نام کے گرو ہیں۔ مَل یدھ میں وہ میرا سامنا نہیں کرسکتے۔ بادشاہ نے یووک کا یہ گھمنڈ توڑنے کا نشچے کیا۔ ایک دنگل کرانے کا حکم دیا جس میں گور اور ششیہ اپنا اپنا پراکرم دکھائیں۔ سہستروں منش ایکتر ہوئے۔ کشتی ہونے لگی۔ ششیہ نے گروجی کے سب پیچ کاٹ دیے پر انتم پیچ کی کاٹ نا جانتا تھا، پراست ہوگیا۔ بادشاہ نے گرو کو انعام دیا اور یووک کو بہت دھتکارا کہ اسی بل بوتے پر تو اتنی ڈینگ مارتا تھا۔ ششیہ نے کہا، دین بندھوں، گروجی نے یہ پیچ مجھ سے چھپا رکھا تھا۔ گروجی نے کہا، ہاں اسی دن کے لیے چھپایا تھا کیوں کہ چتر منشیوں کی کہاوت ہے کہ متر کو اتنا سبل نہ بنادینا چاہیے کہ وہ شترو ہوکر ہانی پہنچا سکے۔



دوسرا پرکرن:

سعدی نے پاکھنڈی سادھوؤں، مولویوں اور فقیروں کو شکچھا دی ہے، جنھیں اس پراچین کال میں بھی اس کی کچھ کم اُوشیکتا نہ تھی، سعدی کو پنڈتوں، مولوی، ملاؤں کے ساتھ رہنے کے بہت اوسر ملے تھے۔ اتیو وہ ان کے رنگ ڈھنگ کو بھلی بھانتی جانتے تھے۔ ان اپدیشوں میں باربار سمجھایا ہے کہ مولویوں کو سنتوش رکھنا چاہیے۔ انھیں راجا رئیسوں کی خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں۔ گیروے بانے کی آڑ میں سوارتھ سِدھی کو وہ اتینت گھرنا کی درشٹی سے دیکھتے تھے۔ ان کے کتھنانوسار کسی بنے ہوئے سادھو سے بھوگ ولاس میں پھنسا ہوا منش اچھا ہے، کیوں

کہ وہ کسی کو دھوکا تو دیتا نہیں چاہتا۔



مجھے یاد ہے کہ ایک بار جب میں بالیاوستھا میں ساری رات قرآن پڑھتا رہا تو کئی آدمی میرے پاس خراٹے لے رہے تھے۔ میں نے اپنے پوجیہ پتا سے کہا، ان سونے والوں کو دیکھیے، نماز پڑھنا تو دور رہا کوئی سر بھی نہیں اٹھاتا۔ پتا جی نے اتر دیا بیٹا، تو بھی سو جاتا تو اچھا تھا کیونکہ اس چھدرانویشن سے تو بچ جاتا۔



کسی دیش میں ایک بھکشک نے بہت سا دھن جمع کرر کھا تھا۔ وہاں کے بادشاہ نے اسے بلاکر کہا، سنا ہے تمھارے پاس بڑی سمپتی ہے۔ مجھے آج کل دھن کی بڑی آوشیکتا ہے۔ یدی اس میں سے کچھ دے دو تو کوش میں روپے آتے ہی میں چکادوں گا۔فقیر نے کہا جہاں پناہ، مجھ جیسے بھکاری کا دھن آپ کے کام کا نہیں ہے کیونکہ میں نے مانگ مانگ کر کوڑی کوڑی بٹوری ہے۔ بادشاہ نے کہا، اس کی کچھ چنتا نہیں، میں یہ روپے کافروں، ادھرمیوں کو ہی دوں گا۔ جیسا دھن ہے ویسا ہی اپیوگ ہوگا۔



ایک وردھ پرش نے ایک یوتی کنیا سے وِواہ کیا۔ جس کمرے میں اس کے ساتھ رہتا اسے پھولوں سے خوب سجاتا۔ اس کے ساتھ ایکانت میں بیٹھا ہوا اس کی سندرتا کا آنند اٹھایا کرتا۔ رات بھر جاگ جاگ کر منوہر کہانیاں کہا کرتا کہ کداچت اس کے ہردئے میں کچھ پریم اتپن ہوجائے۔ ایک دن اس سے بولا، تیرا نصیب اچھا تھا کہ تیرا وِواہ میرے جیسے بوڑھے سے ہوا جس نے زمانہ دیکھا ہے، سکھ دکھ کا بہت انوبھو کرچکا ہے۔ جو متر دھرم کا پالن کرنا جانتا ہے، جو مردُو بھاشی، پرسن چت اور شیلوان ہے۔ تو کسی ابھمانی یُوک کے پالے پڑی ہوتی، جو رات دن سیر سپاٹے کیا کرتا، اپنے ہی بناؤ سنگار میں بھولا رہتا، نتیہ نئے پریم کی کھوج میں رہتا، تو تجھ سے روتے بھی نہ بنتا۔ یُوک لوگ سندر اور رسک ہوتے ہیں۔ کنتو پریتی پالن کرنا نہیں جانتے۔ بوڑھے نے سمجھا کہ اس بھاشن نے کامنی کو موہت کرلیا، لیکن اکسمات یُوتی نے ایک گہری سانس لی اور بولی آپ نے بہت ہی اچھی باتیں کہیں، لیکن ان

میں سے ایک بھی اتنی نہیں چبھتی جتنا میری دائی کا یہ واکیہ کہ یوتی کو تیر کا گھاؤ اتنا دکھدائی نہیں ہوتا جتنا وردھ منش کا سہواس۔



میں دیار بکر میں ایک وردھ دھنوان منش کا اتیتھی تھا۔ اس کا ایک روپوان پتر تھا۔ ایک دن اس نے کہا، اس لڑکے کے سوا میرے اور کوئی سنتان نہیں ہوئی۔ یہاں سے پاس ہی ایک پوتر ورکچھ ہے، لوگ وہاں جا کر منتیں مانتے ہیں۔ کتنے دنوں تک رات رات بھر میں نے اس ورکچھ کے نیچے ایشور سے ونتی کی، تب مجھے یہ پتر پراپت ہوا۔ ادھر لڑکا دھیرے دھیرے متروں سے کہہ رہا تھا یدی مجھے اوسر کچھ کا پتہ ہوتا تو جا کر ایشور سے پتا کی مرتیو کے لیے ونے کرتا۔



میرے متروں میں ایک یوک بڑا پرسنیہ چت، ہنس مکھ اور رسک تھا۔ شوک اس کے ہردئے میں گھسنے بھی نہ پاتا تھا۔ بہت دنوں کے بعد جب بھینٹ ہوئی تو دیکھا کہ اس کے گھر میں استری اور بچے ہیں۔ ساتھ ہی نہ وہ پہلے کی سی منورنجکتا ہے نا اتساہ۔ پوچھا، کیا حال ہے؟ بولا، جب بچوں کا باپ ہو گیا تو بچوں کا کھلاڑی پن کہاں سے لاؤں؟ اوستھا انکول ہی سب باتیں شوبھا دیتی ہیں۔



کسی بادشاہ نے ایک ایشور بھکت سے پوچھا کہ کبھی آپ مجھے بھی یاد کرتے ہوں گے۔ بھکت نے کہا، ہاں، جب ایشور کو بھول جاتا ہوں تو آپ یاد آجاتے ہیں



ایک بادشاہ نے کسی وپتی کے اوسر پر نشچے کیا کہ یدی یہ وپتی ٹل جائے تو اتنا دھن سادھو سنتوں کو دان کر دوں گا۔ جب اس کی کامنا پوری ہو گئی تو اس نے اپنے نوکر کو روپیوں کی ایک تھیلی سادھوؤں کو بانٹنے کے لیے دی۔ وہ نوکر چتر تھا۔ سندھیا کو وہ تھیلی جیوں کی تیوں دربار میں واپس لایا، بولا دین بندھو، میں نے بہت کھوج کی کنتو ان روپیوں کا لینے والا کوئی

نہ ملا۔ بادشاہ نے کہا، تم بھی وچتر آدمی ہو، اسی شہر میں چار سو سے ادھک سادھو ہوں گے۔ نوکر نے ونئے کی، بھگون، جو سنت ہیں وہ تو اس درویہ کو چھوتے نہیں اور جو مایا سکت ہیں انھیں میں نے دیا نہیں۔



کسی مہاتما سے پوچھا گیا کہ دان گرہن کرنا آپ اچت سمجھتے ہیں یا انوچت۔ انھوں نے اتر دیا۔ کسی سُکاریہ کی پُورتی ہو تب تو اُچت ہے۔ اور کیول سنگرہہ اور بیوپار کے نمتّی اتینت انُوچت ہے۔



ایک سادھو کسی راجا کا اتیتھی ہوا تھا۔ جب بھوجن کا سمے آیا تو اس نے بہت الپ بھوجن کیا۔ لیکن جب نماز کا وقت آیا تو اس نے خوب لمبی نماز پڑھی۔ جس میں راجا کے من میں شردھا اتپن ہو۔ وہاں سے وِدا ہوکر گھر پر آئے تو بھوک کے مارے برا حال تھا۔ آتے ہی بھوجن مانگا۔ پتر نے کہا، پتا جی کیا راجا نے بھوجن نہیں دیا۔ بولے۔ بھوجن تو دیا کنتو میں نے سویم جان بوجھ کر کچھ نہیں کھایا جس میں بادشاہ کو میرے یوگ سادھنا پر پورا وشواس ہوجائے۔ بیٹے نے کہا، تو بھوجن کرکے نماز بھی پھر سے پڑھیئے۔ جس طرح وہاں کا بھوجن آپ کا پیٹ نہیں بھرسکا، ویسے ہی وہاں کی نماز بھی سدھ نہیں ہوئی۔

تیسرا پرکرن:

سنتوش کی مہما ورنن کی گئی ہے۔ سعدی کی نیتی شکچھا میں شنتوش کا پد بہت اونچا ہے۔ اور یتھارتھ بھی یہی ہے۔ سنتوش سدا چار کا مول منتر ہے۔ سنتوش روپی نوکا پر بیٹھ کر ہم اس بھاؤ ساگر کو نروِگھن پار کرسکتے ہیں۔



مصر دیش میں ایک دھنوان منش کے دو پُتر تھے۔ ایک نے ودھیا پڑھی، دوسرے نے دھن سنچے کیا۔ ایک پنڈت ہوا اور دوسرا مصر کا پردھان منتری کوشادھیکچھ۔ اس نے اپنے

وددان بھراتا سے کہا، دیکھو مین راج پد پر پہنچا اور تم جیوں کے تیوں رہ گئے۔ اس نے اتر دیا۔ ایشور نے مجھ پر وشیش کرپا کی ہے، کیونکہ مجھ کو ودھیا دی جو دیو درلبھ پدارتھ ہے اور تم کو مصر کی اس گدی کا منتری بنایا جو فرعون (مصر کا ایک ابھیمانی بادشاہ جسے موسیٰ نبی نے نیل ندی میں ڈوبا دیا) کی تھی۔



ایران کے بادشاہ بہمن کے سمبندھ میں کہا جاتا ہے کہ اس نے عرب کے ایک حکیم سے پوچھا کہ نتیہ کتنا بھوجن کرنا چاہیے۔ حکیم نے اتر دیا، ۲۹ تولے۔ بادشاہ بولا، بھلا اتنے سے کیا ہوگا۔ اتر ملا اتنے سے تم زندہ رہ سکتے ہو۔ اس کے اپرانت جو کچھ کھاتے ہو وہ بوجھ ہے جو تم وِیرتھ اپنے اوپر لادتے ہو۔



ایک منش پر کسی بنیے کے کچھ روپیہ چڑھ گئے تھے۔ وہ اس سے پرتی دن مانگا کرتا اور کڑی کڑی باتیں کہتا رہتا۔ بے چارہ سن سن کر دکھی ہوتا تھا، سہنے کے سوائے کوئی دوسرا اپائے نہ تھا۔ ایک چتر نے یہ کوتک دیکھ کر کہا۔ پرچھاؤں کا ٹالنا اتنا کٹھن نہیں ہے جتنا بنیوں کا۔ قصائیوں کے تقاضے سہنے کی اپیکچھا مانس کی ابھلاشا میں مرجانا کہیں اچھا ہے۔



ایک فقیر کو کوئی کام آپڑا۔ لوگوں نے کہا امک پرش بڑا دیالو ہے۔ یدی اس سے جاکر اپنی آوشیکتا کہو تو وہ تمہیں کداپی نراش نہ کرے گا۔ فقیر پوچھتے پوچھتے اس پرش کے گھر پہنچا۔ دیکھا تو وہ رونی صورت بنائے، کرودھ میں بھرا بیٹھا ہے۔ الٹے پاؤں لوٹ آیا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں بھائی کیا ہوا؟ بولے صورت ہی دیکھ کر من بھر گیا۔ یدی مانگنا ہی پڑے تو کسی پرسنیہ چت آدمی سے مانگو۔ منحوس آدمی سے نہ مانگنا ہی اچھا ہے۔



لوگوں نے حاتم طائی (ادارتا میں عرب کا ہریش چند) سے پوچھا، کیا تم نے سنسار میں اپنے سے ادھک یوگیہ منش دیکھا یا سنا ہے؟ بولا۔ ہاں ایک دن میں نے لوگوں کی بڑی

بھاری دعوت کی۔ سنیوگ سے اس دن کسی کاریہ وش مجھے جنگل کی طرف جانا پڑا۔ ایک لکڑہارے کو دیکھا بوجھ لیے آرہا ہے۔ اس سے پوچھا بھائی حاتم کے مہمان کیوں نہیں بن جاتے ہو؟ آج دیش بھر کے آدمی اس کے اتیتھی ہیں)۔ جو اپنی محنت کی روٹی کھاتا ہے وہ حاتم کے سامنے ہاتھ کیوں پھیلائے۔



ایک بار یواوستھا میں میں نے اپنی ماتا سے کچھ کٹھور باتیں کہہ دی۔ ماتا دکھی ہوکر ایک کونے میں جابیٹھی اور روکر کہنے لگی بچپن بھول گیا، اس لیے اب منہ سے ایسی باتیں نکلتی ہیں۔



ایک بوڑھے سے لوگوں نے پوچھا وِواہ کیوں نہیں کرتے؟ وہ بولا وردھا استریوں سے میں وواہ نہیں کرنا چاہتا۔ لوگوں نے کہا، تو کسی یُوتی سے کر لو۔ جب میں بوڑھا ہوکر بوڑھی استریوں سے بھاگتا ہوں تو وہ یوتی ہوکر بوڑھے منش کو کیسے چاہے گی؟



چوتھا پرکرن:

بہت چھوٹا ہے اور اس میں مِت بھاشی ہونے کا جو اپدیش کیا گیا ہے اس کی سبھی باتوں سے آج کل کے شکچھت سہمت نہ ہوں گے۔ جن کا سدّھانت ہی ہے کہ اپنی رائی بھر بدھی کو پروت بنا کر دکھایا جائے۔ آج کل وِنے ایوگیتا کی کھوتک سمجھی جاتی ہے اور وہی منش چلتے پرزے اور کاریہ کشل سمجھے جاتے ہیں جو اپنی بدّھی اور چترتا کی مہماگان کرنے میں کبھی نہیں چوکتے۔ کسی یوروپی بجن نے یہ لکھنے میں سنکوچ نہیں کیا کہ چپ رہنے سے مورکھتا پرکٹ ہوتی ہے۔ لیکن اس میں کسی کو شدکا نہیں ہوسکتی کہ مِت بھاش ہونا بھی سماج کی اُنّتی کے لیے اپیوگی ہے۔ ایسے اوسر بھی آجاتے ہیں جب ہم کو اپنی واچالتا پر پچھتانا پڑتا ہے۔ اس وشے میں سعدی نے کئی مرپورن اپدیش دیے ہیں۔ جن پر چلنے سے ہم کو وشیش لابھ ہوسکتا ہے۔



ایک چتر یُوک کا نیم تھا کہ بدّھمانوں کی سبھا میں بیٹھتا تو مون دھارن کرلیتا۔ لوگوں نے اس سے کہا تم بھی کبھی کبھی کسی وشے پر بولو کرو۔ اس نے کہا کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ مجھ سے ایسی باتیں پوچھ بیٹھیں جو مجھے آتی ہی نہ ہوں اور مجھے لجّت ہونا پڑے۔



ایک وِدوان نے کہا کہ یدی سنسار میں کوئی ایسا ہے جو اپنی مورکھتا کو سویکار کرتا ہو تو وہی منش ہے جو کسی آدمی کی بات سماپت ہونے سے پہلے ہی بول اٹھتا ہے۔



حسن نام کے ایک منتری پر بادشاہ محمود غزنی کا بڑا وشواش تھا۔ ایک دن اس سے انیہ کرمچاریوں نے پوچھا کہ آج بادشاہ نے امک وشے کے سمبندھ میں تم سے کیا کہا؟ حسن نے کہا، جو تم سے کہا، وہی ہم سے بھی کہا۔ بولے، جو باتیں تم سے ہوتی ہیں وہ ہم سے نہیں کرتے۔ اتر دیا، جب بادشاہ مجھ پر وشواس کرکے کوئی بھید کی باتیں کرتے ہیں تو مجھ سے کیوں پوچھتے ہو۔



کسی مسجد میں اویتنک مولوی ایسی بری طرح نماز پڑھتا کہ سننے والوں کو گھرنا ہوتی۔ مسجد کا سوامی دیالو تھا۔ وہ مولوی کا دل دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ مولوی سے کہا کہ اس مسجد کے کئی پرانے ملاّ ہیں جنھیں میں پانچ روپے ماسک دیتا ہوں تمھیں دس روپئے دوں گا، لیکن کسی دوسری مسجد میں جاکر نماز پڑھ آیا کرو! مولوی نے اسے سویکار کرلیا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں وہ پھر سوامی کے پاس آیا اور بولا، آپ نے تو مجھے دس روپے دے کر یہاں سے نکالا اب جہاں ہوں وہاں کے لوگ مجھے مسجد سے جانے کے لیے بیس روپے دے رہے ہیں۔ سوامی خوب ہنسا اور بولا، پچاس دینار لیے بنا پنڈ مت چھوڑنا۔



پانچواں اور چھٹواں پرکرن:

جیون کی ہی مکھیہ اوستھاؤں سے سمبندھ رکھتے ہیں۔ ایک میں یواوستھا، دوسرے میں وردھاوستھا کا ورنن ہے۔ یواوستھا میں ہماری منوورتیاں کیسی ہوتی ہیں، ہمارے کرتویہ کیا ہوتے ہیں، ہم واسناؤں میں کس پرکار لپت ہوجاتے ہیں، بڑھاپے میں ہمیں کیا کیا انوبھو

ہوتے ہیں، من میں کیا ابھلاشائیں رہتی ہیں۔ ہمارا کیا کرتو یہ ہونا چاہیے۔ ان سب وشیوں کا سعدی نے اس طرح ورنن کیا ہے مانوں وہ بھی سداچار کے انگ ہیں۔ اس میں کتنی ہی کتھائیں ایسی ہیں جن سے منورنجن کے سوا کوئی نتیجہ نکلتا، ورن کچھ کتھائیں ایسی بھی ہیں جن کو گلستاں جیسے گرنتھ میں استھان نہ ملنا چاہیے تھا۔ وشیش کر یاوستھا کا ورنن کرتے ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے مانو سعدی کو جوانی نشہ چڑھ گیا تھا۔



ساتواں پرکرن:
شکچھا سے سمبندھ رکھتا ہے۔ سعدی نے شکچھکوں کے دوش اور گن ششیہ اور گرو کے پارسپرک ویوہار اور شکچھا کے پھل اور وپھل کا ورنن کیا ہے۔ ان کا سدھانت تھا کہ شکچھا چاہے کتنی ہی اُتم ہو مانو سوبھاؤ کو نہیں بدل سکتی اور شکچھک چاہے کتنا ہی ودوان اور سچرتر کیوں نہ ہو کٹھورتا کے بنا اپنے کاریہ میں سپھل نہیں ہوسکتا۔ یدی پی آج کل وہ سھانت نربھرانت نہیں مانے جاتے۔ تتھاپی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں کچھ بھی مہتو نہیں ہے۔ کوئی شکچھا پدھتی ایسی نہیں نکلتی ہے جو ڈند کا نشیدھ کرتی ہو۔ ہاں کوئی شاریرک ڈند کے پکش میں ہے کوئی مانسک۔



ایک ودوان کسی بادشاہ کے لڑکے کو پڑھاتا تھا وہ اسے بہت مارتا اور ڈانتا تھا۔ راج پتر نے ایک دن اپنے پتا سے جاکر ادھیاپک کی شکایت کی۔ بادشاہ کو بھی کرودھ آیا۔ ادھیاپک کو بلاکر پوچھا، آپ میرے لڑکے کو اتنا کیوں مارتے ہیں؟اتنی نردیتا آپ انیہ لڑکوں کے ساتھ نہیں کرتے؟ادھیاپک نے اتر دیا۔ مہاراج راج پتر میں نرمتا اور سدا چار کی ویشیش اوشیکتا ہے کیوں کہ بادشاہ لوگ جو کچھ کہتے یا کرتے ہیں وہ پرتییک منش کی زبان پر رہتا ہے پر جسے بچپن سے سچرترتا کی شکچھا کٹھورتا پوروک نہیں ملتی اس میں بڑے ہونے پر کوئی اچھا گن نہیں آسکتا۔ ہری لکڑی کو چاہے جتنی جھکالو لیکن سوکھ جانے پر وہ نہیں مڑسکتی۔ میں نے افریقہ دیش میں ایک مولوی کو دیکھا۔ یہ اتینت کروپ کٹھور اور کٹوبھاشی تھا۔ لڑکوں کو پڑھاتا کم اور مارتا زیادہ لوگوں نے اسے نکال کر ایک دھارمک نرم اور سہن شیل مولوی رکھا۔

یہ حضرت لڑکوں سے بہت پریم سے بولتے اور کبھی ان کی طرف کڑی آنکھ سے بھی نہ دیکھتے۔ لڑکے ان کا یہ سوبھاؤ دیکھ کر ڈھیٹھ ہوگئے۔ آپس میں لڑائی دنگا مچاتے اور لکھنے کی تختیاں لڑایا کرتے۔ جب میں دوسری بار پھر وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ تو وہی پہلے والا مولوی بالکوں کو پڑھا رہا ہے پوچھنے پر ودت ہوا کہ دوسرے مولوی کی نمرتا سے اکتا جانے پر لوگ پہلے مولوی کو منا کر لائے تھے۔



ایک بار میں بلخ سے کچھ یاتریوں کے ساتھ آرہا تھا۔ ہمارے ساتھ ایک بہت بلوان نویوک تھا جو ڈینگ مارتا چلا آتا تھا کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا۔ بدان ہم کو کئی ڈاکوؤں نے گھیرلیا میں نے پہلوان سے کہا، اب کیوں کھڑے ہو، کچھ اپنا پراکرم دکھاؤ۔ لیکن لٹیروں کو دیکھتے ہی اس منش کے ہوش اڑگئے۔ مکھ پھیکا پڑگیا تیر کمان چھوٹ کر ہاتھ سے گر گیا اور ہاتھ تھر تھر کانپنے لگے۔ جب اس کی یہ دشا دیکھی تو اپنا اسباب وہیں چھوڑ کر ہم لوگ بھاگ کھڑے ہوئے کسی طرح پران بچے۔ جسے یدھ کا انوبھو ہو وہی سامنے اڑسکتا ہے۔ اس کے لیے بَل سے ادھک ساہس کی ضرورت ہے۔



آٹھواں پرکرن:

سعدی نے سداچار اور سدویوہار کے نیم لکھے ہیں کتھاؤں کا آشرے نہ لے کر کھلے کھلے اپدیش کیے ہیں۔ اس لیے سمان ریتی سے یہ پرکرن وشیش روچک نہ ہوسکتا تھا، کنتو اس کمی کو سعدی نے رچنا سوندریہ سے پورا کیا ہے۔ چھوٹے واکیوں میں سوتروں کے بھانتی ارتھ بھرا ہوا ہے۔ مانو یہ پرکرن سعدی کے اپدیشوں کا نچوڑ ہے یہ وہ اپون ہے جس میں راج نیتی سداچار، منووگیان، سماج نیتی، سبھا چاتری آدی رنگ برنگی پرش لہلہا رہے ہیں۔ ان پھولوں میں چھپے ہوئے کانٹے بھی ہیں جن میں وہ ادبھت گن ہے کہ وہ وہیں چبھتے ہیں جہاں چبھنے چاہیے۔

☆

یدی کوئی نربل شترو تمھارے ساتھ مترتا کرے تو تم اس سے ادھک سچیت رہنا چاہیے۔ جب متر کی سچائی ہی کا بھروسہ نہیں تو شتروؤں کی خوشامد کا کیا وشواس۔

☆

یدی کبھیں دو دشمنوں کے بیچ میں کوئی بات کہنی ہو تو اس بھانتی کہو کہ اگر وہ پھر متر ہو جائیں تو تمہیں لجّت نہ ہونا پڑے۔

☆

جو منش اپنے متر کے شتروؤں سے مترتا کرتا ہے وہ اپنے متر کا شترو ہے۔

☆

جب تک دھن سے کام نکلے۔ تب تک جان کو جوکھم میں نہ ڈالو۔ جب کوئی اپائے نہ رہے تو میان سے تلوار کھینچو۔

☆

شتروؤں کی صلاح کے وِرودھ کام کرنا ہی بدھیمانی ہے اگر وہ تمھیں تیر کے سمان سیدھی راہ دکھاوے تو بھی اسے چھوڑ دو اور الٹی (اس کے وِرودھ) راہ جاؤ۔

☆

نہ تو اتنے کٹھور بنو کہ لوگ تم سے ڈرنے لگیں اور نہ اتنے کومل کہ لوگ سر چڑھیں۔

☆

دو منش راجیہ اور دھرم کے شترو ہیں، نردئی راجا اور مورکھ سادھو۔

☆

راجا کو اُچت ہے کہ اپنے شتروؤں پر اتنا کرودھ نہ کرے کہ جس سے متروں کے من میں بھی کھٹکا ہو جائے۔

☆

جب شترو کی کوئی چال کام نہیں کرتی تب وہ مترتا پیدا کرتا ہے، مترتا کی آڑ میں وہ ان سب کاموں کو کرسکتا ہے جو دشمن رہ کر نہ کرسکتا۔

☆

سانپ کے سر کو اپنے بیری کے ہاتھ سے کچلواو یا تو سانپ ہی مرے گا یا دشمن ہی سے گلا چھوٹے گا۔

☆

جب تک تمھیں پورن وشواس نہ ہو کہ تمھاری بات پسند آوے گی تب تک بادشاہ کے سامنے کسی کی نندا مت کرو، انیتھا تمھیں سویم ہانی اٹھانی پڑے گی۔

☆

جو ویکتی کسی گھمنڈی آدمی کا اپدیش کرتا ہے، وہ خود نصیحت کا محتاج ہے۔

☆

جو منش سامرتھوان ہوکر بھی بھلائی نہیں کرتا اسے سامرتھ ہین ہونے پر دکھ بھوگنا پڑے گا۔ اتیاچاری کا وپد میں کوئی ساتھی نہیں ہوتا۔

☆

کسی کے چھپے ہوئے عیب مت کھولو، اس سے تمھارا بھی وشواس اٹھ جائے گا۔
ودیا پڑھ کر اس کا انشیلن نہ کرنا زمین جوت کر بیج نہ ڈالنے کے سمان ہیں۔

☆

جس کی بھجاؤں میں بل نہیں ہے، یدی وہ لوہے کی کلائی والے سے پنجا لے تو یہ اس کی مورکھتا ہے۔

☆

دُرجن لوگ بجنوں کو اسی طرح نہیں دیکھ سکتے جس طرح بازاری کتے شکاری کتوں کو دیکھ کر دور سے غراتے ہیں، لیکن پاس جانے کی ہمت نہیں کرتے۔

☆

گُن ہین گنوانوں سے دُویش کرتے ہیں۔

☆

بدھیمان لوگ پہلا بھوجن پچ جانے پر پھر کھاتے ہیں، یوگی لوگ اتنا کھاتے ہیں جتنے سے جیوت رہے، جوان لوگ پیٹ بھر کھاتے ہیں، بوڑھے جب تک پسینہ نہ آجائے کھاتے ہی رہتے ہیں، کٹو قلندر اتنا کھاجاتے ہیں کہ سانس کی بھی جگہ نہیں رہتی۔

☆

اگر پتھر ہاتھ میں ہو اور سانپ نیچے تو اس سے سوچ وچار نہیں کرنا چاہیے۔

☆

جس متر کو تم نے بہت دنوں میں پایا ہے اس سے متر تا نبھانے کا یتن کرو۔



وو یک اندریوں کے اُدھین ہے جیسے کوئی سیدھا منش کسی چنچل استری کے ادھین ہو۔



بدھی، بنا بل کے چھل اور کپٹ ہے، بل بنا بدھی کے مورکھتا ور کرورتا ہے۔



جو ویکتی لوگوں کو پرشنسا پاتر بننے کی اِچھا سے واسناؤں کا تیاگ کرتا ہے وہ حلال کو چھوڑ کر حرام کی اور جھکتا ہے۔



دہ بات اسبھو ہیں،ایک تو اپنے انش سے ادھک کھانا، دوسرے مرتیو سے پہلے مرنا۔

آٹھواں ادھیائے

بوستاں

فارسی ساہتیہ کی پاٹھیہ پستکوں میں گلستاں کے بعد بوستاں کا ہی پرچار ہے۔ یہ کہنے میں کچھ اَتیکتِ نہ ہوگی کہ کاویہ گرنتھوں میں بوستاں کا وہی آدر ہے جو گدھ میں گلستاں کا ہے۔ نظامی کا سکندر نامہ، فردوسی کا شاہ نامہ، مولانا روم کی مثنوی اور دیوان حافظ یہ چاروں گرنتھ بوستاں کے ہی سمان گنے جاتے ہیں۔ نظامی اور فردوسی ویر رس میں اِدوِتیہ ہیں۔ مولانا روم کی مثنوی بھگتی سمبندھی گرنتھوں میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اور حافظ پریم رس کے راجا ہیں۔ ان چاروں کاویوں کا آدر کسی نہ کسی انش میں ان کے وشے پر نربھر ہے۔ لیکن بوستاں ایک نیتی گرنتھ ہے اور نیتی کے گرنتھ بہودھا جنتا کو پریے نہیں ہوا کرتے۔ اتیو بوستاں کا جو آدر اور پرچار ہے وہ سروتھا اس کی سرلتا اور وچاروتکرشتا پر نربھر ہے۔ مولانا روم نے جیون کے گوڑھ تتو کا ورنن کیا ہے۔ اور دھارمک وچار سے منش میں اس کا بڑا مان ہے۔ بھاشا کی مدھرتا ور پریم کے بھاؤ میں حافظ سعدی سے بہت بڑے ہوئے ہیں۔ ان کی سی مرم اسپرشنی کویتا فارسی میں اور کسی نے نہیں کی۔ ان کی غزلوں کے کتنے ہی شعر جیون کی سادھارن باتوں پر ایسے گھٹتے ہیں مانو اسی اوسر کے لیے لکھے گئے ہوں۔ دھنیہ ہے۔ شیراز کی وہ پوتر بھومی جس نے سعدی اور حافظ جیسے دو ایسے امولیہ رتن اتپن کیے۔ بھاشا اور بھاؤ کی سرلتا میں سعدی سروسریشٹھ مانے جاتے ہیں۔ فردوسی اور نظامی بہودھا الوکک باتوں کا ورنن کرتے ہیں۔ پر سعدی نے کہیں الوکک گھٹناؤں کا سہارا نہیں لیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی اتیکتیاں بھی اسوابھاوِک نہیں ہوتیں۔ انھوں نے سے انوسار سبھی رسوں کا ورنن کیا ہے۔ لیکن کرونا رس ان میں سرو پردھان ہے۔ دیا کے ورنن میں ان کی لیکھنی بہت ہی کرون ہوگئی ہے۔ سعدی نماز اور روزے کے پابند تو تھے ہی کنتو سیوا دھرم کو اس سے بھی سریشٹھ سمجھتے تھے۔ انھوں

نے بار بار سیوا پر زور دیا ہے۔ ان کا دوسرا پریے وشے راج نیتی ہے۔ بادشاہوں کے نیائے دھرم دین پالن اور چھما کا اپدیش کرنے میں وہ کبھی نہیں تھکتے۔ ان کو راج نیتی پر لالیٹی (راج بھکتی) ایسا رنگ نہیں چڑھا تھا کہ وہ کھری کھری باتوں کو کہنے سے چوک جائیں ان کے راج نیتی وشیک وچاروں کی سوتنتر تا پر آج بھی آشچریے ہوتا ہے۔ اس بیسویں شتابدی میں بھی ہمارے یہاں بیگار کی پرتھا قائم ہے۔ لیکن آج سے کئی سو ورش پہلے اپنے گرنتھوں میں سعدی نے کئی جگہ اس کا ورودھ کیا ہے۔

بوستاں میں دس ادھیائے ہیں۔ ان کی وشے سوچی دیکھنے سے وِدت ہوتا ہے کہ سعدی کی نیتی شکچھا کتنی وِستیرن ہے۔

پرتھم ادھیائے	نیائے اور راج نیتی
دوتیے ادھیائے	دیا
ترتیے ادھیائے	پریم
چترتھ ادھیائے	ونے
پنچم ادھیائے	دھیریہ
ششٹھ ادھیائے	سنتوش
سپتم ادھیائے	شکچھا
اشٹم ادھیائے	کرتگیتا
نوم ادھیائے	پرایشچت
دشم ادھیائے	ایشور پرارتھنا

نیتی گرنتھوں کی آوشیکتا یوں تو جنم بھر رہتی ہے۔ لیکن پڑھنے کا سب سے اُپیکت سمے بالیا وستھا ہے۔ اس سمے ان کے مانو چرتر کا آرمبھ ہوتا ہے اسی لیے پاٹھیہ پستکوں میں بوستاں کا اتنا پرچار ہے۔ سنسار کی کئی پرسدھ بھاشاؤں میں اس کے انوواد ہو چکے ہیں۔ سرو سادھارن میں اس کے جتنے شعر لوکوکتی کے روپ میں پرچلت ہیں اتنے گلستاں کے نہیں۔ اداہرن کی بھانتی کچھ کتھائیں دے کر ہی سنتوش کریں گے۔

بوستاں کی کتھائیں

سیریا دیش کا ایک بادشاہ جس کا نام ''صالح'' تھا کبھی کبھی اپنے غلام کے ساتھ بھیس بدل کر بازاروں میں نکلا کرتا تھا۔ ایک بار اسے ایک مسجد میں دو فقیر ملے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہتا تھا کہ اگر یہ بادشاہ لوگ جو بھوگ ولاس میں جیون ویتیت کرتے ہیں سورگ میں آویں گے تو میں ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں گا۔ سورگ میں ہمارا ادھکار ہے۔ کیونکہ ہم اس لوک میں دکھ بھوگ رہے ہیں۔ اگر صالح وہاں باغ کی دیوار کے پاس بھی آیا تو جوتے سے اس کا بھیجا نکال لوں گا۔ صالح یہ باتیں سن کر وہاں سے چلا گیا۔ پراتہ کال اس نے دونوں فقیروں کو بلایا اور یتھوچت آدر ستکار کر کے اُنچ آسن پر بٹھایا۔ انھیں بہت سا دھن دیا۔ تب ان میں سے ایک فقیر نے کہا، اے بادشاہ تو ہماری کس بات سے ایسا پرسن ہوا؟ بادشاہ ہرش سے گد گد ہو کر بولا۔ میں وہ منش نہیں ہوں کہ اَیشوریہ کے ابھمان میں دربلوں کو بھول جاؤں۔ تم میری اور سے اپنا ہردیہ صاف کر لو اور سورگ میں مجھے ٹھوکر مارنے کا وچار مت کرو۔ میں نے آج تمھارا ستکار کیا ہے تم کل میرے سامنے سورگ کا دروازہ نہ بند کرنا۔



ایران دیش کا بادشاہ دارا یک دن شکار کھیلنے گیا اور اپنے ساتھیوں سے چھوٹ گیا۔ کہیں کھڑا ادھر ادھر تاک رہا تھا کہ ایک چرواہا دوڑتا ہوا سامنے آیا۔ بادشاہ نے اس بھے سے کہ یہ کوئی شترو نہ ہو۔ ترنت دھنش چڑھایا۔ چرواہے نے چلا کر کہا۔ ہے مہاراج میں آپ کا بیری نہیں ہوں۔ مجھے مارنے کا وچار مت کیجیے۔ میں آپ کے گھوڑوں کو اسی چراگاہ میں چرانے لایا کرتا ہوں۔ تب بادشاہ کو دھیرج ہوا۔ بولا۔ تو بڑا بھاگیوان تھا کہ آج مرتے مرتے بچ گیا۔ چرواہا ہنس کر بولا۔ مہاراج! یہ بڑے کھید کی بات ہے کہ راجا اپنے متروں اور شتروں کو نہ پہچان سکے۔ میں ہزاروں بار آپ کے سامنے گیا ہوں۔ آپ نے گھوڑے کے

سمبندھ میں مجھ سے باتیں کی ہیں۔ آج آپ مجھے ایسا بھول گئے۔ میں تو اپنے گھوڑوں کو لاکھوں گھوڑوں میں پہچان سکتا ہوں۔ آپ کو آدمیوں کی پہچان ہونی چاہیے۔



بادشاہ ''عمر'' کے پاس ایک ایسی بہومولیہ انگوٹھی تھی کہ بڑے بڑے جوہری اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتے۔ اس کا نگینہ رات کو تارے کی طرح چمکتا تھا۔ سنیوگ سے ایک بار دیش میں اکال پڑا، بادشاہ نے انگوٹھی بیچ دی۔ اس نے ایک سپتاہ تک اپنی بھوکی پرجا کا اُدر پالن کیا۔ بیچنے سے پہلے بادشاہ کے شبھ چنتکوں نے اسے بہت سمجھایا کہ ایسی اَپُوروَ انگوٹھی مت بیچیے، پھر نہ ملے گی۔ عمر نہ مانا۔ بولا۔ جس راجا کی پرجا دکھ میں ہو، اسے یہ انگوٹھی شوبھا نہیں دیتی۔ رتن جڑت آبھوشنوں کو ایسی دشا میں پہننا کب اچت کہا جاسکتا ہے کہ جب میری پرجا دانے دانے کو ترستی ہو۔



دمشق میں ایک بار ایسی اناورشٹی ہوئی کہ بڑی بڑی ندیاں اور نالے سوکھ گئے، پانی کا کہیں نام نہ رہا۔ کہیں تھا تو اناتھوں کی آنکھوں میں۔ یدی کسی گھر سے دھواں اٹھتا تھا تو وہ چولہے کا نہیں کسی ودھوا، دین کی آہ کا دھواں تھا۔ اس سمے میں نے اپنے ایک دھنوان متر کو دیکھا۔ جو اُداسین سوکھ کر کانٹا ہوگیا تھا۔ میں نے کہا۔ بھائی تمھاری یہ کیا دَشا ہورہی ہے۔ تمھارے گھر میں کس بات کی کمی ہے؟ یہ سنتے ہی اس کے نیتر سجل ہوگئے۔ بولا۔ میری یہ دشا اپنے دکھ سے نہیں، بلکہ دوسروں کے دکھ سے ہوئی ہے۔ اناتھوں کو چھدھا سے بلکتے دیکھ کر میرا ہردے پھٹا جاتا ہے۔ وہ منش پشو سے بھی نیچ ہے، جو اپنے دیش واسیوں کے دکھ سے ویتھت نہ ہو۔



ایک دُشٹ سپاہی کسی کنوئیں میں گر پڑا۔ ساری رات پڑا روتا چلاتا رہا۔ کوئی سہایک نہ ہوا۔ ایک آدمی نے الٹے یہ نردیتا کی کہ اس کے سر پر ایک پتھر مار کر بولا۔ دُراتمن، تو نے کبھی کسی کے ساتھ نیکی کی ہے جو آج دوسروں سے سہایتا کی آشا رکھتا ہے۔

جب ہزاروں ہردے تیرے انیائے سے تڑپ رہے ہیں، تو تیری سدھی کون لے گا؟ کانٹے بوکر پھول کی آشا مت رکھ۔



ایک اتیاچاری راجا دیہاتیوں کے گدھے بیگار میں پکڑلیا کرتا تھا۔ ایک بار وہ شکار کھیلنے گیا اور ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے آدمیوں سے بہت آگے نکل گیا۔ یہاں تک کہ سندھیا ہوگئی۔ ادھر ادھر اپنے ساتھیوں کو دیکھنے لگا لیکن کوئی دیکھ نہ پڑا۔ وِوَش ہوکر نکٹ کے ایک گاؤں میں رات کاٹنے کی ٹھانی۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک دیہاتی اپنے موٹے تازے گدھے کو ڈنڈوں سے مار مار کر اس کے دُھرّے اڑا رہا ہے۔ راجا کو اس کی یہ کٹھورتا بری معلوم ہوئی بولا۔ ارے بھائی کیا تو اس دین پشو کا مار ہی ڈالے گا؟ تیری نردیتا پرکاشٹھا کو پہنچ گئی۔ یدی ایشور نے تجھے بل دیا ہے تو اس کا ایسا دُرپیوگ مت کر۔ دیہاتی نے بگڑ کر کہا۔ تم سے کیا مطلب ہے؟ میں جانے کیا سمجھ کر اسے مارتا ہوں۔ راجا نے کہا۔ اچھا بہت بک بک مت کر! تیر بدھی بھرشٹ ہوگئی ہے۔ شراب تو نہیں پی لی۔ دیہاتی نے گمبھیر بھاؤ سے کہا۔ میں نے نہ شراب پی ہے نہ پاگل ہوں۔ میں اسے کیول اسی لیے مارتا ہوں جس سے یہ اس دیش کے اتیاچاری راجا کے کسی کام کا نہ رہے۔ لنگڑا اور بیمار ہوکر میرے دوار پر پڑا رہے۔ یہ مجھے سویکار ہے لیکن راجا کو بیگار میں دینا سویکار نہیں۔ راجا یہ اتر سن کر چپ رہ گیا۔ رات تارے گن گن کر کاٹی۔ پراتہ کال اس کے آدمی کھوجتے ہوئے، یہاں آپہنچے جب کھاپی کر نشچنت ہوا تو راجا کو اس گنوار کی یاد آئی۔ اسے پکڑوا منگایا اور تلوار کھینچ کر اس کا سر کاٹنے پر تیار ہوا۔ دیہاتی جیون سے نراش ہوگیا اور نربھے ہوکر بولا۔ ہے راجن تیرے اتیاچار سے سارے دیش میں ہائے ہائے مچی ہوئی ہے۔ کچھ میں ہی نہیں، بلکہ تیری سمست پرجا تیرے اتیا چار سے گھبرا اٹھی ہے۔ یدی تجھے میری بات کڑی لگتی ہے تو نیائے کر کہ پھر ایسی باتیں سننے میں نہ آوے۔ اس کا اُپائے میرا سر کاٹنا نہیں، بلکہ اتیاچار کو چھوڑ دینا ہے۔ راجا کے ہردئے میں گیان اُتپن ہوگیا۔ دیہاتی کو چھما کردیا اور اس دن سے پرجا پر اتیاچار کرنا چھوڑ دیا۔



سنا ہے کہ ایک فقیر نے کسی بادشاہ سے اس کے اتیاچاروں کی ِنندا کی۔ بادشاہ کو یہ بات بری لگی اور اسے قید کردیا۔ فقیر کے ایک متر نے اس سے کہا۔ تم نے یہ اچھا نہیں کیا، بادشاہوں سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہیے۔ فقیر بولا۔ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سب ستیہ ہے۔ اس قید کا کیا ڈر، دوچار دن کی بات ہے۔ بادشاہ کے کان میں یہ بات پہنچی۔ فقیر کو کہلا بھیجا، اس بھول میں مت رہنا کہ دو چار دن میں چھٹی مل جائے گی۔ تم اسی قید میں مروگے۔ فقیر بولا جاکر بادشاہ سے کہہ دو کہ مجھے دھمکی نہ دیں۔ یہ زندگی دوچار دن سے زیادہ نہیں رہے گی۔ میرے لیے دُکھ سُکھ دونوں سمان ہیں۔ تو اونچے آسن پر بیٹھا دے تو اس کی خوشی نہیں، سر کاٹ ڈال تو اس کا رنج نہیں۔ مرنے پر ہم اور تم دونوں برابر ہوجائیں گے۔ دیاہین بادشاہ یہ سن کر اور بھی بگڑا اور حکم دیا کہ اس کی زبان تالو سے کھینچ لی جائے۔ فقیر بولا۔ مجھے اس کا بھی بھے نہیں۔ خدا میرے من کا حال بنا کہے بھی جانتا ہے۔ تو اپنے کو رو کہ جس شبھ دن مرے گا دیش میں آنند اُتسو کی ترنگیں اٹھنے لگیں گی۔



ایک کوی کسی سجّن کے پاس جاکر بولا۔ میں بڑی وپتی میں پڑا ہوں۔ ایک نیچ آدمی کے مجھ پر کچھ روپے آتے ہیں۔ اس رِن کے بوجھ سے میں دبا جاتا ہوں۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ وہ میرے دوار کا چکر نہ لگاتا ہو۔ اس کی بان سریکھی باتوں نے میرے ہردئے کو چھلنی بنادیا ہے۔ وہ کون سا دن ہوگا میں اس رِن سے مکت ہوجاؤں گا۔ سجّن پُرش نے یہ سن کر اسے ایک اشرفی دی۔ کوی اتی پرسن ہوکر چلا گیا۔ ایک دوسرا منش وہیں بیٹھا تھا۔ بولا۔ آپ جانتے ہیں۔ وہ کون ہے؟ وہ ایسا دھورت ہے کہ بڑے بڑے دُشٹوں کے بھی کان کاٹتا ہے۔ وہ اگر مر بھی جائے تو رونا نہ چاہیے۔ سجّن نے اس سے کہا کہ چپ رہ! کسی کی نندا کیوں کرتا ہے۔ اگر اس پر واستو میں رِن ہے تب تو اس کا گلا چھوٹ گیا لیکن یدی اس نے مجھ سے دھورتا کی ہے تب بھی مجھے پچھتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ روپے نہ پاتا تو وہ میری نندا کرنے لگتا۔



میں نے سنا ہے کہ حجاز کے راستے پر ایک آدمی پگ پگ پر نماز پڑھتا جاتا تھا۔ وہ اس سد مارگ میں اتنا لین ہورہا تھا کہ پیروں سے کانٹے بھی نہیں نکالتا تھا۔ ندان اسے ابھمان ہوا کہ ایسی کٹھن تپسیا دوسرا کون کرسکتا ہے؟ تب آکاش وانی ہوئی کہ بھلے آدمی تو اپنی تپسیا کا ابھمان نہ کر۔ کسی منش پر دیا کرنا پگ پگ نماز پڑھنے سے اُتّم ہے۔



ایک دین منش کسی دھنی آدمی کے پاس گیا اور کچھ مانگا۔ دھنی منش نے دینے کے نام نوکر سے دھکّے دلوا کر باہر نکلوادیا۔ کچھ کال اپرانت سے پلٹا۔ دھنی کا دھن نشٹ ہوگیا، سارا کاروبار بگڑ گیا۔ کھانے تک کا ٹھکانا نہ رہا۔ اس کا نوکر ایک ایسے سجّن کے ہاتھ پڑا جسے کسی دین کو دیکھ کر وہی پرسنتا ہوتی تھی جو دِردرا کو دھن سے ہوتی ہے۔ انیہ نوکر چاکر چھوڑ بھاگے۔ اس دُروستھا میں بہت دن بیت گئے۔ ایک دن رات دھرماتما کے دوار پر کسی سادھو نے آکر بھوجن مانگا۔ اس نے نوکر سے کہا۔ بھوجن دے دو! نوکر جب بھوجن دے کر لوٹا تو اس کے نیتروں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سوامی نے پوچھا۔ کیوں روتا ہے۔ بولا۔ اس سادھو کو دیکھ کر مجھے بڑا دکھ ہوا۔ کسی سمے اس کا سیوک تھا۔ اس کے پاس دھن، دھرتی سب تھا۔ آج اس کی یہ دشا ہے کہ بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ سوامی سن کر ہنسا اور بولا۔ بیٹا سنسار کا یہی رہسیہ ہے۔ میں بھی وہی دین منش ہوں۔ جسے اس نے تجھ سے دھکّے دے کر باہر نکلوایا تھا۔



یاد نہیں آتا کہ مجھ سے کس نے یہ کتھا کہی تھی کہ کسی سمے یمن میں ایک بڑا دانی راجا تھا۔ وہ دھن کو ترن وت سمجھتا تھا، جیسے میگھ سے جل کی ورشا ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کے ہاتھ سے دھن کی ورشا ہوتی تھی۔ حاتم کا نام بھی کوئی اس کے سامنے لیتا تو چڑ جاتا۔ کہا کرتا کہ اس کے پاس نہ راجیہ ہے، نہ خزانہ اس کی اور میری کیا برابری؟ ایک بار اس نے کسی آنند اتسو میں بہت سے منشیوں کو نمنترن دیا۔ بات چیت میں پرسنگ وش حاتم کی بھی چرچا

آ گئی اور دو چار منش اس کی پرشنسا کرنے لگے۔ راجا کے ہردئے میں جوالا سی دہک اٹھی۔ ترنت ایک آدمی کو آگیا دی کہ حاتم کا سرکاٹ لاؤ۔ وہ آدمی حاتم کی کھوج میں نکلا۔ کئی دن کے بعد اس کو راستے میں ایک یووک سے بھینٹ ہوئی۔ وہ اتی گُنی اور شیلوان تھا۔ گھاتک کو اپنے گھر لے گیا، بڑی اُدارتا سے اس کا آدر ستکار کیا۔ جب پراتہ کال گھاتک نے وِدا مانگی تو یووک نے اتینت ونیت بھاؤ سے کہا کہ آپ ہی کا گھر ہے، اتنی جلدی کیوں کرتے ہیں۔ گھاتک نے اتر دیا کہ میرا جی تو بہت چاہتا ہے کہ ٹھہروں لیکن ایک کٹھن کاریہ کرنا ہے۔ اس میں ولمب ہوجائے گا۔ حاتم نے کہا، کوئی ہانی نہ ہو تو مجھ سے بھی بتلاؤ کون سا کام ہے، میں بھی تمھاری سہایتا کروں۔ منش نے کہا۔ یمن کے بادشاہ نے مجھے حاتم کا وَدھ کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ معلوم نہیں ان میں کیوں وِرودھ ہے، تو حاتم کو جانتا ہو تو اس کا پتا بتادے۔ یووک نربھیکتا سے بولا۔ حاتم میں ہی ہوں۔ تلوار نکال اور شیگھر اپنا کام پورا کر۔ ایسا نہ ہو کہ ولمب کرنے سے تو کاریہ سدھ نہ کرسکے۔ میرے پران تیرے کام آویں تو اس سے بڑھ کر مجھے کیا آنند ہوگا۔ یہ سنتے ہی گھاتک کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ وہ حاتم کے پیروں پر گر پڑا اور بڑی دینتا سے بولا۔ حاتم تو واستو میں دان ویر ہے۔ تیری جیسی پرشنسا سنتا تھا۔ اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ میرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، اگر تجھ پر ایک کنکری بھی پھینکوں۔ میں تیرا داس ہوں اور سدیو رہوں گا۔ یہ کہہ وہ یمن لوٹ آیا۔ بادشاہ کا منورتھ پورا نہ ہوا تو اس نے اس منش کا بہت ترسکار کیا اور بولا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو حاتم سے ڈرکر بھاگ آیا۔ اتھوا تجھے اس کا پتہ نہ ملا۔ اس منش نے اتر دیا۔ راجن! حاتم سے میری بھینٹ ہوئی لیکن میں اس کا شیل اور آتمسمر پن دیکھ کر وشی بھوت ہوگیا۔ اس کے پشچات اس نے سارا ورتانت کہہ سنایا، بادشاہ سن کر چکت ہوگیا اور سویم حاتم کی پرشنسا کرتے ہوئے بولا۔ واستو میں وہ دانیوں کا راجا ہے، اس کی جیسی کیرتی ہے، ویسے ہی اس میں گُن ہیں۔

☆

بایزید کے وشے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اَتِتھی پالن میں بہت اُدار تھا۔ ایک بار اس کے یہاں ایک بوڑھا آدمی آیا، جو بھوک پیاس سے بہت دکھی معلوم ہوتا تھا۔ بایزید نے ترنت ان کے سامنے بھوجن منگوایا۔ وِردھ منش بھوجن پر ٹوٹ پڑا۔ اس کی زبان سے 'بسم

اللہ شبد نہ نکلا۔ بایزید کو نشچے ہوگیا کہ وہ کافر ہے اسے اپنے گھر سے نکلوادیا۔ اسی سمے آکاشوانی ہوئی کہ بایزید میں نے اس کافر کا سو ورش تک پالن کیا اور تم سے ایک دن بھی نہ کرتے بن پڑا۔



کسی بھگت نے سپنے میں ایک سادھو کو نرک میں اور ایک راجا کو سورگ میں دیکھ کر اپنے گرو سے پوچھا۔ کہ یہ الٹی بات کیوں کر ہوئی۔ گرو جی بولے، اس راجا کو سادھوؤں اور بھگتوں کے ست سنگ سے روچی تھی اس لیے اس نے مرنے کے پیچھے ورگ میں ان ہی کے سنگ واس پایا۔ اور اس سادھو کو راجاؤں اور امیروں کی سنگت کا شوق تھا سو وہی واسنا اس کو نرک میں ان کی مصاحبت کے لیے کھینچ لائی۔



قارون بادوشاہ کو حضرت موسیٰ نے اپدیش کیا کہ بھلائی ویسی ہی گپت ریتی سے کر جیسے مالک نے تیرے ساتھ کی ہیں۔ ادارتا وہی ہے جس میں نہورے کا میل نہ ہو تبھی اس کا پھل ملتا ہے۔ سچے اپکار کے پیڑ کی ڈالیاں آکاش کے پرے پہنچتی ہیں۔



کسی نے سپنے میں پرلے کی لیلا دیکھی کہ ایک بھاری جھنڈ کُکرمیوں کا بھے اور کشٹ سے چلاّ رہا ہے۔ پر ان میں سے ایک آدمی موتی کی مالا پہنے شیتل چھاؤں میں بیٹھا ہے۔ اس نے پوچھا۔ تیرا کس کارن ایسا آدر ہوا ہے۔ جواب دیا۔ میں نے اپنے دوار پر انگور کی ٹٹی لگائی تھی، جس کی چھاؤں میں ایک بار ایک ایک نہاتما نے وشرام کیا تھا۔



ایک بُدھیمان اپنے لڑکوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ بیٹا وِدّیا سیکھو، سنسار کے دھن دھام پر بھروسہ نہ رکھو، تمھارا اِدھکار تمھارے دیش کے باہر کام نہیں دے سکتا اور دھن کے چلے

جانے کا سدا ڈر رہتا ہے۔ چاہے اسے ایکبارگی چور لے جائے یا دھیرے دھیرے خرچ ہوجائے پرنتو وِدّیا دھن کا اٹوٹ سروت ہے اور یدی کوئی وِدوان نردھن ہوجائے تو بھی دُکھی نہ ہوگا کیونکہ ان کے پاس وِدّیا روپی دروبیہ موجود ہے۔ ایک سمے دمشق نگر میں غدر ہوا۔ سب لوگ بھاگ گئے۔ تب کسانوں کے بدھمان لڑکے بادشاہ کے منتری ہوئے اور پرانے منتریوں کے مورکھ لڑکے گلی گلی بھیک مانگنے لگے۔ اگر پتا کا دھن چاہتے ہو تو پتا کے گن سیکھو۔ کیونکہ دھن تو چار دن میں چلا جاسکتا ہے۔



کسی نے حضرت امام مرشد بن غزالی سے پوچھا کہ آپ میں یہ ایسی بھاری یوگیتا کہاں سے آئی۔ جواب دیا۔ اس طرح کہ جو باتیں میں نہیں جانتا تھا اسے دوسروں سے پوچھ کر سیکھنے میں میں نے لاج نہ کی۔ یدی روگ سے چھٹنا چاہتے ہو تو کسی گنی وید کو ناڑی دکھاؤ، جو بات نہ جانتے ہو، اس کے پوچھنے میں لاج یا آلس نہ کرو کیونکہ اس سہج جگج سے یوگیتا کی سیدھی سڑک پر پہنچ جاؤ گے۔



ایک بادشاہ نے مرتے سمے آگیہ دی کہ میرے مرنے کے سویرے پہلا آدمی جو نگر میں بھاٹک میں گھسے وہ بادشاہ بنایا جائے۔ دیوگتی سے سویرے ایک بھکمنگا پھاٹک میں گھسا۔ اسے لوگوں نے لاکر راج گدی پر بٹھایا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کی ایوگیتا اور نربلتا سے کتنے ہی راج منتری اور صوبے سوتنتر ہو بیٹھے اور آس پاس کے بادشاہوں نے چڑھائی کرکے بہت سا حصہ اس کے راجیہ کا چھین لیا۔ بیچارا بھکشک راجا ان اتپاتوں سے اداس اور دکھی تھا کہ اس کا پہلا ساتھی، جو باہر گیا ہوا تھا لوٹ کر آیا اور اپنے پرانے متر کو اس کا اچرج بھاگ جگنے پر بدھائی دی۔ بادشاہ بولا۔ بھائی میرے ابھاگیہ پر روؤ کیونکہ بھیک مانگنے کے کال میں مجھے کیول روٹی کی چنتا تھی۔ اب دیش بھر کی جھنجھٹ اور سمہال کا بوجھ میرے سر پر ہے اور چوکنے کی دشا میں اسہیہ دکھ۔ سنسار کے جنجال میں جو پھنسا سو مر مٹا، یہاں کا سکھ بھی نپٹ دکھ روپ ہے، اب میری آنکھوں کے سامنے صاف درساتا ہے کہ سنتوش کے برابر دوسرا دھن سنسار میں نہیں ہے۔

نواں ادھیائے

سعدی کی لوکوکتیاں

کسی لیکھک کی سرو پریتا اس بات سے بھی دیکھی جاتی ہے کہ اس کے واکیہ اور پد، کہاوتوں کے روپ میں کہاں تک پرچلت ہیں۔ مانو چرتر پارسپرک ویوہار آدی کے سمبندھ میں جب لیکھک کی لیکھنی سے کوئی ایسا سارگر بھت واکیہ نکل جاتا ہے جو سرودیا پک ہو تو وہ لوگوں کی زبان پر چڑھ جاتا ہے۔ گوسوامی تلسی داس جی کی کتنی ہی چوپائیاں کہاوتوں کے روپ میں پرچلت ہیں۔ انگریزی میں شیکسپئر کے واکیوں سے سارا ساہتیہ بھرا پڑا ہے۔ فارسی میں جنتا نے یہ گورو شیخ سعدی کو پردان کیا ہے۔ اس چھیتر میں وہ فارسی کے سمست کویوں سے بڑھے چڑھے ہیں۔ یہاں اُداہرن کے لیے کچھ واکیہ دیئے جاتے ہیں۔

اگر منزل خری از دست خوش خونے
بہ از شیرینی از دستِ ترش روے

کوی رحیم کے اس دوہے میں یہی بھاو اس طرح درشایا گیا ہے۔

امی پیاوت مان بن رحیم ہمیں نہ سہائے
پریم سہت مریو بھلو، جو وشے دیئی بلائے

آنکہ غنی ترند محتاج ترند

(جو ادھک دھناڈھیہ ہے وہی ادھک محتاج ہے)

ہر عیب کہ سلطاں بہ پسند ''ہنر است''

(یدی راجا کسی عیب کو بھی پسند کرے وہ ہنر ہو جاتا ہے۔)

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

(سندرتا بنا سنگار ہی کے من کو موہتی ہے)

سو بھاوک سوندریہ جو سو ہے سب انگ ماہیں
تو کر ترم آ بھرن کی آوشیکتا نا ہی
پر توے نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بدست
(جس کی اصل خراب ہے اس پر بجّنوں کے ستسنگ کا کچھ اثر نہیں ہوتا)
دشمن ناتواں حقیر و بے چارہ نہ برد
(شترو کو کبھی دُربل نہ سمجھنا چاہیے)
درباغ لالہ روید و در شور بوم خس
(لالہ پھل باغ میں اگتا ہے۔ خس جو گھاس ہے اُوسر میں)
عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
(بھیڑیے کا بچہ بھیڑیا ہی ہوتا ہے)
تو نگری بہ دل است، نہ بہ مال،
بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال
(دھنی ہونا دھن پر نہیں بلکہ ہردے پر نربھر ہے۔ بڑپّن اوستھا پر نہیں بلکہ بدھی پر نربھر ہے۔)
سکھن ہون تے ہوت نہیں، کوؤں لچھ میوان
من جاکو دھنوان ہے، سوئی دھنی مہان
حسود را چہ کنم کہ از خود برنج درست
(ایرشیالو منش سوئیم ہی ایرشا اگنی میں جلا کرتا ہے اسے اور ستانا ویرتھ ہے)
قدر عافیت آنکس داند کہ بہ مصیبت گرفتار آید
(دکھ بھوگنے سے سکھ کے مولیہ کا گیان ہوتا ہے)
دپتی بھوگ گرو جن لوگنی بہو بار
سمپتی کے گن جان ہی وے ہی بھلے پرکار
چوں عضوے بہ درد آورد روزگار
دگر عضو ہارا نہ ماند قرار
(جب شریر کے کسی انگ میں پیڑا ہوتی ہے تو سارا شریر ویاکل ہو جاتا ہے۔)

ہر کجا چشمے بود شیرین
مردم و مرغ ومور گرد ایند
وِل مدھور جل سوبھرا جہاں جلاشیے ہوئے
پشو پکشی اروناری نرجات تہاں سب کوئے
آں را کہ حساب پاکست از محاسبہ چہ باک
(جس کا لیکھا صاف ہے، اسے حساب سمجھانے والے کا کیا ڈر)
دوست آں باشد گیرو دستِ دوست
در پریشاں حالی و در ماندگی
(متر وہی ہے جو وپتی میں کام آوے)
تو پاک باش برادر مدار از کس باک
زنند جامہ ناپاک گاجراں برسنگ
(تو برائیوں سے پوتر (دور) رہے تو تیرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دھوبی کیول میلے کپڑے کو پتھر پر پٹکتا ہے)
چوں از قومے یکے بیدانشی کرد
نہ کہرا منزلت ماند نہ مہرا
(کسی جاتی کے ایک آدمی سے برائی ہوجاتی ہے تو ساری کی ساری جاتی بدنام ہو جاتی ہے۔ نہ چھوٹے کی عزت رہتی ہے نہ بڑے کی)
پائے در زنجیر پیشِ دوستاں
بہ کہ بابیگانگاں بوستاں
(متروں کیساتھ بندی گرہ بھی سورگ ہے پردوسروں کے ساتھ اپون نرک سمان ہے)
نیک باشی وبدت گوید خلق
بہ کہ بد باشی و نیکت گویند
(ست مارگ پر چلتے ہوئے اگر لوگ برا کہیں تو یہ اس سے اچھا ہے کہ کو مارگ پر چلتے ہوئے لوگ تمھاری پرشنسا کرے)
باطل است انچہ مدعی گوید

(پکچھی کی بات متھیا سمجھی جاتی ہے)

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
گرنوشت است پند بر دیوار

(منش کو چاہیے کہ یدی دیوار پر بھی اپدیش لکھا ہوا ملے تو اسے گرہن کرے)

ہمرہ اگر شتاب کند ہمرہِ تو نیست

(تیرا ساتھی جلدی کرتا ہے تو وہ تیرا ساتھی نہیں ہے)

حقہ کہ باعقوبت دوزخ برابر است
رفتن باپائے مروی ہم سایا در بہشت

(پڑوسی کی سفارش سے سورگ میں جانا نرک میں جانے کے تلیہ ہے)

رزق ہر چند بے گماں برسد
شرطِ عقل است جستن از درہا

(یدپی بھوکوں کوئی نہیں مرتا ایشور سب کی سدھی لیتا ہے تتھاپی بدھی مان آدمی کا دھرم ہے کہ اس کے لیے پریتن کرے)

بدوزد طمع دیدہ ہوش مند

(ترشنا چتر کو بھی اندھا بنا دیتی ہے)

گردنِ بے طمع بلند بود

(نسپر یہہ منش کا سر سدا اونچا رہتا ہے)

نکوئی با بداں کردن چنا نیست
کہ بد کردن برائے نیک مردا

(درجنوں کے ساتھ بھلائی کرنا سب جنوں کے ساتھ برائی کرنے کے سمان ہے)

یکے نقصانِ مایا دیگر شوبھا تتے ہم سایا

(گانٹھ سے دھن جائے لوگ ہنسے)

خطائے بزرگاں گرفتن خطاست

(بڑوں کا دوش دکھانا دوش ہے)

خرِ عیسیٰ اگر بہ مکہ شود
چوں بیاید ہنوز خر باشد
(کوا کبھی ہنس نہیں ہوسکتا)

جورِ استاد بہ زمہر پدر
(گرو کی تاڑنا پتا کے پیار سے اچھی ہے)

کریما را بدست اندر درم نیست
خدا بندہ نیام ترا کرم نیست
(دانیوں کے پاس دھن نہیں ہوتا اور دھنی دانی نہیں ہوتے)

پراگندہ روزو پراگندہ دل
(ورتی ہین منش کا چت استھر نہیں رہتا)

پیش دیوار انچہ گوئی ہوش دار
تانہ باشد درپسِ دیوار گوش
(دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں اس کا دھیان رکھ)

کہ خبث نفس نہ گردو با سالہا معلوم
(سو بھاؤ کی نیچتا برسوں میں بھی نہیں معلوم ہوتی)

مشک آنست کہ خود بوید نہ کہ عطار بگوید
(کستوری کی پہچان اس کی سوگندھ سے ہوتی ہے گاندھی کے کہنے سے نہیں)

کہ بسیار خور است بسیار خوار
(بہت کھانے والے آدمی کا کبھی آدر نہیں ہوتا)

کہن جامہ خویش آراستن
بہ از جامہ عاریت خواستن
(اپنے پرانے کپڑے منگنی کے کپڑوں سے اچھے ہیں)

چوں سائل از تو بازاری طلب کند چیزے
بدہ بگر نہ ستم گر بزور بستاند
(دونوں کو دیں ورنہ چھین کر لے لیں گے)

سخنش تلخ ناخواہی دہنش شیریں کن

(اگر کسی کی کڑوی بات نہیں سننا چاہیں تو اس کا منہ میٹھا کر)

مورچہ گاں راچوں بود اتفاق

شیرِ زیاں را بدارد پوست

(اگر چیونٹیاں ایکا کرلیں تو شیر کی کھال کھینچ سکتی ہیں)

ہنر بکارنا آید چوں بختِ بد شاہ

(بھاگیہ ہین منش کے گن بھی کام نہیں آتے)

ہر کہ سخن نہ سنجد از جواب برنجدہ

(جو آدمی تول کر بات نہیں کرتا ہے اسے کٹھور باتیں سننی پڑتی ہیں)

اندک اندک بہم شودبسیار

(ایک ایک دانا مل کر ڈھیر ہوجاتا ہے)

یدیپی سعدی نے جو اپدیش دیے ہیں وہ انیہ لیکھکوں کے یہاں بھی پائے جاتے ہیں، لیکن فارسی میں سعدی کی سی کھیاتی کسی نے نہیں پائی تھی۔ اس سے وِدِت ہوتا ہے کہ لوک پریتا بہت کچھ بھاشا سوندریہ پر اولمبت ہوتی ہے۔ یہاں ہم نے سعدی کے کچھ واکیہ دیے ہیں لیکن یہ سمجھنا بھول ہوگی کہ کیول یہی پرسدھ ہیں۔ ساری گلستاں ایسے ہی مارمک واکیوں سے پری پورن ہے۔ سنسار میں ایسا ایک بھی گرنتھ نہیں ہے جس میں ایسے واکیوں کا اتنا ادھکیہ ہو جو کہاوت بن سکتے ہوں۔

گوسوامی تلسی داس پر یہ دوشاروپن کیا جاتا ہے کہ انھوں نے کئی بھرموتپادک چوپائیاں لکھ کر سماج کو بڑی ہانی پہنچائی ہے کچھ لوگ سعدی پر بھی یہی دوش لگاتے ہیں اور یہ واکیہ اپنے پکچھ کی پشٹی میں پیش کرتے ہیں۔

اگر شہ روز را گوید شبست ایں

بہ باید گفتہ ای کہ ماہ و برویں

(اگر بادشاہ دن کو رات کہے تو کہنا چاہیے کہ ہاں، حضور، دیکھیے چاند نکلا ہوا ہے)

اس پر یہ آکشیپ کیا جاتا ہے کہ سعدی نے بادشاہوں کی جھوٹی خوشامد کرنے کا پرامرش دیا ہے، لیکن جس نربھیتا اور سوتنترتا سے انھوں نے بادشاہوں کو گیان اپدیش کیا ہے

اس پر وچار کرتے ہوئے سعدی پر آکشیپ کرنا باکل نیائے سنگت نہیں معلوم ہوتا۔ اس کا ابھپرائے کیول یہ ہے کہ خوشامدی لوگ ایسا کرتے ہیں۔

اسی طرح لوگ اس واکیہ پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔

دروغِ مصلحت آمیز بہ

از راستی فتنہ انگیز

(وہ جھوٹ جس سے کسی کی جان بچے اس سچ سے اتّم ہے، جس سے کسی کی جان جائے)

کہا جاتا ہے کہ استیہ سروتھا اُچھمیہ ہے اور سعدی کا یہ واکیہ جھوٹ کے لیے راستہ کھول دیتا ہے۔ لیکن وِواد کے لیے اس واکیہ کی اُپیکچھا چاہے کی جائے اور آدرش کے اپاسک چاہیں اسے بندھ سمجھیں پر کوئی سہروئے منش اس کی اپیکشا نہ کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی سعدی نے آگے چل کر ایک اور واکیہ لکھا ہے، جس سے ودت ہوتا ہے کہ وہ سوارتھ کے لیے کسی بھی حالت میں جھوٹ بولنا اُچت نہیں سمجھتے تھے۔

گریست سخن گوئی بدر بند بہ معانی

بہ زآں کہ دروغت دہد از بند رہائی

(یدی سچ بولنے سے تم قید ہو جاؤ تو یہ اس جھوٹ سے اچھا ہے، جو قید سے مکت کردے)

اس سے جان پڑتا ہے کہ پہلا واکیہ کیول دوسروں کی وپتی کے پکش میں ہے، اپنے لیے نہیں۔

دسواں ادھیائے

غزلیں

غزل فارسی کویتا کا پردھان انگ ہے۔ کوئی کوی جب تک کہ وہ غزل کہنے میں نپُن نہ ہو کوی سماج میں آدر کا استھان نہیں پاتا۔ یوں تو غزل سنگار کا وشے ہے، کنتو کویوں نے اس کے دوارا سبھی رسوں کا ورنن کیا ہے، جس میں بھکتی، بیراگیہ، سنسار کی اسارتا آدی وشے بڑے مہتو کے ہیں۔ غزلوں کے سنگریہہ کو فارسی میں دیوان کہتے ہیں۔ سعدی کی سمپورن غزلوں کے چار دیوان ہیں۔ جن کے نام لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ ان چاروں دیوانوں میں کوئی تو یووا کال میں، کوئی پروڑھاوستھا میں لکھا گیا ہے۔ کنتو ان میں کہیں بھاؤ کا وہ انتر نہیں پایا جاتا جو بہودھا بھن بھن اوستھا کی کویتاؤں میں ملا کرتا ہے۔ ان کی سبھی غزلیں سرلتا اور واکیہ نپنتا میں سمتلیہ ہیں اور یہ کوی کی رچنا شکتی کا بہت بڑا پرمان ہے۔

یدیپی شیخ سعدی کے پوروکالین کوی گن بھی غزلیں کہتے تھے۔ کنتو اس سمے قصیدے اور مثنوی کی پردھانتا تھی۔ غزلوں میں سادھارن بھاؤ پرکٹ کیے جاتے تھے اور سنگار کو چھوڑ کر دوسرے رسوں کا اس میں پرایہ آبھاؤ تھا۔ سعدی نے غزلوں میں ایسے گوڑھ رہسیوں اور مرم اسپرشی بھاووں کو ویکت کیا ہے کہ لوگ قصیدے تتھا مثنویاں کو چھوڑ کر غزلوں پر ٹوٹ پڑے اور غزل فارسی کویتا کا پردھان انگ بن گئی۔ اسی سے سالوچکوں نے سعدی کو غزل میں پردھان مانا ہے۔ سعدی کے پہلے دو کویوں نے قصیدے کہنے میں وشیش پرتبھا دکھائی ہے۔ انوریؔ اور خاقانیؔ ۔ یہ دونوں کوی اس وشے میں ادوتیہ ہیں، لیکن ان کی غزلوں میں وہ مارمکتا نہیں پائی جاتی جو سعدی نے اپنی غزلوں میں کوٹ کوٹ کر بھردی۔ بات یہ ہے کہ غزل کہنے کے لیے ہردئے میں نانا پرکار کے بھاووں کا ہونا اتیاوشیک ہے، کیول اتنا ہی نہیں، ان بھاوؤں کو کچھ ایسے انوٹھے ڈھنگ سے ورنن کرنا چاہیے کہ ان سے سننے والا ترنت مگدھ ہو جائے۔

انوریؔ کا ایک شعر ہے:

ہما با من جفا کند لیکن

بہ جفا ہیچ از و نیا زارم

بھاوارتھ۔ وہ (پریتم) میرے اوپر سدیو ظلم کیا کرتا ہے، کنتو میں ان کی ذرا بھی شکایت نہیں کرتی۔

بھاؤ کے سندر ہونے میں سندیہہ نہیں، کیونکہ دکھڑا عاشقوں کی پرانی بات ہے۔ کنتو کوی نے اسے اسپشٹ روپ سے ورنن کرکے اس کی مٹی خراب کردی۔ دیکھیے اسی بھاؤ کو سعدی صاحب کس ڈھنگ سے درشاتے ہیں:

قادر بر ہرچہ می خواہی بہ جز آزار من

جاں کی گر شمشیر بر فرقم زنی آزار نیست

بھاوارتھ: تو سب کچھ کرسکتا ہے کنتو مجھ پر ظلم نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یدی تو میرے سر پر تلوار مارے تو اس سے مجھے کشٹ نہیں ہوتا۔

یہ اسمرن رکھنا چاہیے کہ غزل پر دھانتہ سنگار کا وشے ہے۔ اس لیے کوی گن جب اس کے دوارا بھگتی ویراگیہ وندنا آدی کا ورنن کرتے ہیں تو ان کو رسکتا کی ہی آڑ لینی پڑتی ہے۔ اتیو شراب کی مستی سے ایشور پریم، شراب سے گیان، آتم درشن، شراب پلانے والے ساقی سے گرو، گیانی، معشوق (پریتما) سے ایشور کا بودھ کراتے ہیں۔ اسی پرکار وہ بلبل سے پریمی اس کے پنجرے سے دُکھ مے سنسار اور مالی سے وپتّی کا آشے پرکٹ کرتے ہیں۔ یہ پرنالی اتنی سرو پر سدھ ہوگئی کہ کسی کو کوی کے آنترک بھاووں کو جاننے میں سندیہہ نہیں ہوسکتا۔ بھکتی کے لیے ہردئے کی سوچھتا تتھا نرملتا کا ہونا آوشیک ہے۔ کپٹ کے ساتھ بھگتی کا میل نہیں ہوسکتا، اس لیے کوی گن بھگوے بانے کی ِنندا کرنے سے کبھی نہیں تھکتے۔ مسجد کے عابد کی اپیکھا جو سنسار کو دکھانے کے لیے یہ سوانگ رچے ہوئے ہیں۔ ہے وہ واسناؤں میں پھنسا ہوا منش کہیں سہردئے ہے، جس کے ہردئے میں کپٹ نہیں۔ وِدوتا اور دھرم تتھا کرتو یہ پرایتا آدی گنوں سے منش میں بہودھا ابھمان کا اُدبھو کرتے ہیں، اگیان، مورکھتا تتھا بھرشٹتا کہیں اُتم ہے جو مانو ہردئے میں ونے دینتا تتھا نرمتا اتپن کرتی ہے۔

اس لیے کوی گن سادھوویش، ودوتا، دھارمکتا، وویک آدی کی خوب دل کھل کر ہنسی

اڑاتے ہیں اور بھرشٹا، مورکھتا، رسکتا کو خوب سراہتے ہیں۔ وہ پتو سندھاری مہاتماؤں کو لتاڑتے ہیں اور شرابیوں تتھا سنگاریوں کے آگے شیش جھکاتے ہیں وہ گیانیوں کو مورکھ اور مورکھوں کو گیانی کہتے ہیں۔ شیخ سعدی کے پہلے بھی یہ پرنالی سنسکرت ہوچکی تھی پر سعدی نے اس کے پربھاؤ اور چمتکار کو اتول کردیا اور یہ پرنالی کچھ ایسی سروپریے سدھ ہوئی کہ بعد والے کویوں نے تو ان ہی وشیوں کو غزل کا موکھیہ انگ بنادیا، اور حافظ نے سعدی کو بھی پیچھے کردیا۔

اب ہم سعدی کی غزلوں کے کچھ شعر ادھرت کرتے ہیں جن کو دیکھ کر رسک ورند سویم یہ نرنے کرسکیں گے کہ ان غزلوں میں کتنا لالتیہ اور رس بھرا ہوا ہے۔

آے کہ گفتی ہیچ مشکل چوں فراقِ یار نیست
گر امیدِ وصل باشد آں چنا دشوار نیست

بھاوارتھ۔ یدھپی پریتم کا ویوگ بہت کشٹ جنک ہے، تتھاپی ملاپ کی آشا ہو تو اس کا سہنا کچھ کٹھن نہیں ہے۔

ہرکو بہ ہما عمرش سودائے گُلِ بودست
ند کہ چہ را بُلبُل دیوانہ ہمیں باشد

بھاوارتھ۔ جس منش نے سارا جیون کسی پھل کے پریم میں ویتیت کیا ہے وہی جانتا ہے کہ بلبل کیوں دیوانہ ہوتا ہے۔

دل وجانم بہ تو مشغول ونگاہ بٹ چپ و راست
تانا داند رقیباں کہ تو منظور منی

بھاوارتھ۔ میں تو تیری اور تنمے ہوں پر آنکھیں داہنے بائیں پھیرتا رہتا ہوں جس میں پرتی دوندیوں کو یہ گیات نہ ہوسکے کہ تو میرا پریتم ہے۔

اس شعر میں کتنا لالتیہ ہے۔ اسے رسک جن سویم انوبھو کرسکتے ہیں۔

دیگرا چوں بہ روندازنظر از دل بہ روند
تو چنا در دلِ من رفتہ کہ جو در بنی

بھاوارتھ۔ سادھارنتہ جب کوئی نظروں سے دور ہوجاتا ہے تو اس کی یاد بھی مٹ جاتی ہے، کنتو تونے میرے ہردیے میں اس پرکار پرویش کیا ہے۔ جیسے پران شریر میں۔

کتنی منورم اُکتی ہے!

شربتِ تلخ تر از دردِ فراقت باید
تا کنند لذتِ وصلِ تو فراموش مرا

بھاوارتھ۔ تجھ سے پریم آلنگن کے آنند کو بھلانے کے لیے تیرے ویوگ سے بھی دارُن دکھ چاہیے۔

انیہ کویوں نے ویوگ دکھ ورنن میں خوب آنسو بہائے ہیں۔ پر سعدی پریما لاپ کے سمرن میں برہ کے دکھ کو بھول جاتا ہے ویوگ وسمرتی کا کتنا اچھا آپائے،کیسی اکسیر دوا نکلتی ہے۔

براندلی بہ عاشق گروش کنی قفس را
عرض ذوق اندرونش پروایدِ در نہ باشد

بھاوارتھ۔ پریم مگن بلبل کے پنجرے کو یدی تو توڑ ڈالے تو بھی اپنے ہردیا نرراگ کے کارن اسے دروازے کی سدھی بھی نہ رہے گی۔ کتنا پیارا لاجواب شعر ہے! بلبل پریما نوراگ میں ایسی تنمے ہورہی تھی کہ یدی کوئی اس کے پنجرے کو توڑ ڈالے تو بھی وہ اس سے نہ نکلے۔ انیہ کویوں کے عاشق کپڑے پھاڑتے ہیں، جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں ۔ برہ کلپنا میں آٹھوں پہر آنسو کی دھارا بہایا کرتے ہیں، موقع پاتے ہیں قید خانے سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، زنجیروں کو توڑ ڈالتے ہیں، دیواروں کو پھاند جاتے ہیں۔ یدی اتنا ساہس نہ ہوا تو بہار اور گل چمن کی یاد میں تڑپتے رہتے ہیں۔ پر سعدی پریم میں اتنے مگن ہیں کہ انھیں کسی بات کی چنتا ہی نہیں۔ پریم کا کتنا اونچا آدرش ہے، اس کے گہرے رہسیہ کو کتنے مگدھ کاری آنند مے شبدوں میں ورنن کیا ہے۔

بود ہمیشہ پیش ازیں رسمِ تو بے گنہ کشی
ازچہ مرانمی کشی من چہ گناہ کردہ ام

بھاوارتھ۔ اس کے پہلے تو بے گناہوں کو قتل کیا کرتا تھا۔ میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ مجھے قتل نہیں کرتا۔

جوں نہ دارد ہر کہ جانانِ نیش نیست
تنگ عیش است آں کہ بوستانیش نیست

بھاوارتھ۔ وہ پرانؔ شونیہ ہے جس کا کوئی پران ایشور نہیں، وہ بھاگیہ ہیں جس کا کوئی

بھاگیہ نہیں۔

اس شعر میں بھکتی رس کا کتنا گمبھیر سواد بھرا ہوا ہے۔

چناں بہ موئے تو آشفتہ ام بوئے مست
کہ نیستم خبر از ہرچہ در دوعالم است

بھاوارتھ۔ میں تیرے کیشوں میں ایسا الجھا اور ان کی سوگندھی میں ایسا مست ہوں کہ مجھے لوک پرلوک کی کچھ سدھی ہی نہیں۔

غلام ہمت آنم کہ پابند یہ کیست
باجانب متعلق شد از ہزار بروست

بھاوارتھ۔ میں کیول اسی کا سیوک ہوں جو کیول ایک کا انوراگی ہے جو ایک کا ہوکر ہزاروں سے مکت ہوجاتا ہے۔

نگاہیں من بہ تو و دیگراں بہ تو مشغول
معاشراں زمے و عارفاں ز ساقی مست

بھاوارتھ۔ میری آنکھیں تیری اور ہیں۔ تجھ سے انیہ لوگ باتیں کررہے ہیں۔ بھوگیوں کے لیے شراب چاہیے۔ گیانی شراب پلانے والوں کو دیکھ کر ہی مست ہوجاتا ہے۔

بڑے معرکے کا شعر ہے۔ پریما نوراگ میں ایک نازک پہلو کو اتینت بھاؤ پورن روپ سے ورنن کیا ہے۔ بھکتوں کو اپشٹ چنتن ہی سب سے بڑا پدارتھ ہے، اس کے درشن کرنے کی انھیں ابھلاشا نہیں۔ شراب پی کر مست ہوئے تو کیا بات ہوئی، مزا تو جب ہے کہ ساقی (شراب پلانے والے) کے درشن ہی سے آتما ترپت ہوجائے۔

دل کہ عاشق و صابر بود مگر سنگست
زعشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است

بھاوارتھ۔ جس ہردے میں پریم کے ساتھ دھیریہ بھی ہے وہ پرسپر ہے۔ پریم اور دھرم میں سوکوس کا انتر ہے۔

چہ تربیت شنوم یا مصلحت بینم
مرا کہ چشم بہ ساقی و گوش بر چنگست

بھاوارتھ۔ میں کسی کا اپدیش کیا سنوں اور کیا اچت انوچت کا وچار کروں، میری تو

ساقی کی اور کان چنگ کی اور لگے ہوئے ہیں۔ آشے اسپشٹ ہے۔

خلق می گوید کہ جاہ و فضل در فرض انکست

گومباش ایں ہاں، کہ رندان فھینا ام

بھاوارتھ۔ اگر پران کے بدلے میں بھی شراب ملے تو سستی ہے، لے لے کیوں کہ شراب خانہ کی مٹی بھی امرت سے اتّم ہے۔

روئے است ماہ پیکر موئے است مشک بوئے

ہر لالۂ کہ می دمد از خاک و سنبلے

بھاوارتھ۔ مٹی سے جو لالے (ایک پرکار کا پھل) یا سنبل (ایک پرکار کی گھاس) نکالتے ہیں۔ واستو میں پرتیک کسی کا چندر مکھ یا سوگندھ سے بھرے ہوئے کیش ہے۔ سنبل کی کیش سے اپمادی جاتی ہے۔ویدانت کا سارا ایک شعر میں نکال کر رکھ دیا ہے۔

غزلوں کا سماج پر کیا پر بھاؤ پڑا اس کے وشے میں کچھ کہنا اَنُپ یُکت نہ ہوگا۔ سنگار رس کی کویتا ولاستا کو اتیجت کرتی ہے۔ یہ ایک سروسدھ بات ہے اور جب سنگار کے ساتھ کویتا میں ودھیا، دھرم آچار، نیم اور سدھانت کا اپمان بھی کیا جائے تو اس کی وکارک شکتی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس میں سندیہہ نہیں کہ سعدی اور انیہ کویوں نے کبیر صاحب کی بھانتی ڈھونگ، ڈھکوسلا اور نمائش کا انادر کرنے ہی کے نمت یہ رچنا شیلی گرہن کی ہے اور آچار، نیتی تتھا گیان کے بڑے بڑے جٹل اور مرم اسپرشی وشے روپک دوارا درشائے ہیں پر جنتا ان غزلوں کے آشیے کو اپنے اُدرچت اور من کی ورتیوں کے انوسار ہی سمجھتی ہے۔ کرتن میں جو سورگیہ آنند ایک بھکت کو ہوگا وہ ولاساندھیہ منش کو کداپی نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے چرتر اور سوبھاؤ کی دربلتا کے کارن اوپری آشیے ہی کا آنند اٹھاتا ہے۔ مرم تک اس کی ستھل بدھی پہنچ ہی نہیں سکتی۔ یہ شیلی کچھ ایسی سرو پریے ہوگئی ہے کہ اب فارسی یا اردو کویوں کو اس کا تیاگ یا سنشودھن کرنے کا ساہس ہی نہیں ہوسکتا۔ شروتاؤں کو ان غزلوں میں کچھ آنند ہی نہ آئے گا جو اس شیلی کے انوکول نہ ہوں۔ اس وشے میں سعدی کے اردو جیون کار مولانا الطاف حسین حالی نے بڑی اپیوکت باتیں لکھی ہیں، جنھیں پڑھ کر پاٹھک سیوم جان جائیں گے کہ اردو ہی کے کوی اور لیکھک اس وشے میں کیا سمّتی رکھتے ہیں۔

ان غزلوں کے وشے میں پرایہ لوگ پرچت ہیں۔ یہ سرودا بدھی اور گیان، مان اور

مریادا دھرم او سدھانت، دھن اور ادھکار کی اپیکشا کرتی ہے۔ تتھا وِردرتا اور ایمان اودھیا اور اگیان کو سروشریشٹھ بتلاتی ہے۔ سنسار پر لات مارنا بدھی سے کبھی کام نہ لینا سنتوش اور ورتی کے نشے میں اپنے اپنے جیون کو نشٹ اور منشتو کا پتن کرنا سنسار کو اسار اور انتیہ سمجھتے رہنا کسی وستو کے تتو جاننے کی چیشٹا نہ کرنا سو پر بندھ تتھا مرتویا تا کو اوگن سمجھنا، جو کچھ ہاتھ لگے اسے ترنت ویرتھ کھودیان اور اسی پرکار کی اور کتنی ہی باتیں ان سے پرکٹ ہوتی ہیں۔ ودِت ہی ہے کہ یہ سشے بے فکروں اور نو یووکوں کو سوبھاوتہ رچکر پرتیت ہوتا ہے۔ یدھپی یہ سدھ کرنا کٹھن ہے کہ ہمارا ورتمان نیتک پتن انھیں غزلوں کا پرینام ہے، لیکن اس میں سندیہہ نہیں کہ سنگار اور ویراگیہ کی کویتا نے اس دشا کو پشٹ کرنے میں وشیش بھاگ لیا ہے۔

گیارہواں ادھیائے

قصیدے

قصیدہ فارسی کویتا کے اس انگ کو کہتے ہیں۔ جس میں کوئی کسی مہان پرش یا کسی وشیش وستو کی پرشنسا کرتا ہے۔ جس پرکار بھوشن، متی رام، کیشو آدی کوی جن اپنے سمکالین مہیپتیوں یا پد ادھکاریوں کی پرشنسا کرکے نام، دھن تتھا لیش پراپت کرتے تھے۔ اسی پرکار مسلمان بادشاوں کے دربار میں بھی اس وشیش کام کے لیے کیویوں کو سمّان کا استھان ملتا تھا۔ ان کا کام یہی تھا کہ کثی پے اوسروں پر اپنے بادشاہ کا گنگان کریں۔ اس کے لیے کویوں کو بڑی بڑی جاگیریں ملتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک ایک شعر کا پرتیوشک ایک ایک لاکھ دینار (جو پچیس روپے کے برابر ہوتا ہے) تک جا پہنچتا تھا۔ شیواجی نے بھوشن کا جیسا ستکار کیا تھا، یدی یہ اتیوکت نہ ہوتو ایرانی کویوں کے سمبندھ میں بھی ان کے الوکک ستکار کی کتھائیں سچی ماننے میں کوئی بادھا نہ ہونی چاہیے۔ یہ پرتھا ایسی ادھک ہوگئی تھی کہ کسی بادشاہ کا دربار کویوں سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اس کے اترکت ہزاروں کوی بھرمن کرکے بادشاہوں کو قصیدے سناتے پھرتے تھے۔ وِدوانوں کی ایک بڑی سنکھیا اسی جھوٹی سراہنا پر اپنی آتما کا بلدان کیا کرتی تھی اور قصیدوں کی رچنا شیلی ایسی وِکرت ہوگئی تھی کہ خدا کی پناہ۔ شاعر لوگ پرشنسا میں زمین اور آسمان کے قلابے ملاتے تھے۔ پرشنسا کیا، وہ ایک پرکار کی اپرشنسا ہوجاتی تھی۔ کسی کے دان ورت کا بکھان کرتے تو سمندر کے موتی اور سنسار کے سمست کھنج سمپدا اس کے لیے تھوڑی ہوجاتی تھی۔ اس کی ویرتا کو بکھانتے تو سوریہ اور چندر اس کے گھوڑوں کی ٹاپ بن جاتے تھے۔ جوکوی جتنا ہی لمبا اور بے سر پیر کی باتوں سے بھرا ہوا قصیدہ کہے اس کا اتنا ہی سمّان ہوتا تھا۔ ان قصیدوں میں اتیکتی ہی نہیں بڑا پانڈتیہ بھرا جاتا تھا۔ ویدانت درشن تتھا شاستروں کے بڑے بڑے گہن وشیوں کا ان میں سماویش ہوتا تھا۔ ان کا ایک ایک شبد النکاروں سے وبھوشت کیا جاتا تھا۔ آج ان قصیدوں کو پڑھیے تو رچنے والے

کی وڈیا بدھی تتھا کاویہ چمتکار کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ شیخ سعدی کے پورو اس پرتھا کا بڑا زور تھا۔ انوریؔ ، خاقانیؔ آدی کوی سمراٹ سعدی کے پہلے ہی اپنے قصیدے لکھ چکے تھے۔ جنھیں دیکھ کر آج ہم چکت ہوجاتے ہیں۔ پر سعدی نے اس پرچلت پدھتی کو گرہن نہ کیا۔ ان کا نربھے، نسپرہہ، نوکت جیون اس کام کے لیے نہ بنا تھا۔ انھیں سوبھاوتہ اس بھاٹ پنے سے گھرنا ہوتی تھی اور سروچیہ کویوں کو سنسارک لابھ کے لیے اپنی یوگیتا کا اس بھانتی دراپیوگ کرتے دیکھ کر ہاردک دکھ ہوتا تھا۔ ایک استھان پر انھوں نے لکھا ہے کہ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اسے سعدی تو کیوں کشٹ اٹھاتا ہے اور کیوں اپنی کویتا شکتی سے لابھ نہیں اٹھاتا؟ یدی تو قصیدے کہے تو نہال ہوجائے۔ مگر مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی رئیس یا امیر کے دوار پر اپنا سوارتھ لے کر بھکشکوں کی بھانتی جاؤں۔ یدی کوئی ایک جو بھر گن کے بدلے مجھ کو سو کوش پردان کردے تو وہ چاہے کتنا ہی پرشنسیہ ہو پر میں گھرنت ہوجاؤں گا۔

لیکن منش پر اپنے سے کا پربھاؤ پڑنا سوا بھاوِک ہے۔ اتیو سعدی نے بھی قصیدے کہے ہیں، لیکن انھیں دھن سمپتی کی لالساتھی ہی نہیں کہ وہ جھوٹی تعریفوں کے پل باندھتے۔ اپنے قصیدوں کو انھوں نے پرایہ مہپدھروں تتھا ادھکاریوں کو نیائے، دیا، نمرتا آدی کے سد اپدیش کا سادھن ماتر بنایا ہے۔ ان مہاتماؤں کو سامانیہ ریتی سے اپدیش نہ دے سکتے تھے۔اس لیے قصیدوں کے دوارا اس کرتویہ کا پرتپادن کیا ہے۔ جب کسی کی پرشنسا بھی کی ہے تو سرل اور سوابھاوک ریتی سے ان میں النکاروں اور اوکتیوں کی بھرمار نہیں۔ اور نہ وہ کیول سوارتھ سدھی کے ابھپرایہ سے لکھے گئے ہیں، بلکہ ان میں سچی سہردیتا اور آتمیتا جھلکتی ہے۔ کیونکہ انھوں نے ایسے لوگوں کی پرشنسا کی ہے جو پرشنسا کے پاتر تھے۔ اُن کے سرل قصیدوں کو دیکھ کر بہت لوگ انمان کرتے ہیں کہ سعدی ان کے رچنے میں کشل نہ تھے۔ پرواستو میں ایسا نہیں ہے۔ وہ سرل سوبھاؤ منش تھے ایک سادھاران سی بات کو گھما پھرا کر شبدوں کے ویرتھ آڈمبر کے ساتھ ورنن کرنے کی انھیں عادت نہ تھی۔ اور یدیپی ان کے قصیدوں میں اوج اور گروتو نہیں ہیں پر مادھریہ اور سرلتا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اتنا ہی نہیں ان کو پڑھ کر ہردیہ پر ایک پوتر بھاؤ پڑتا ہے۔ یہاں ہم سعدی کے دو قصیدوں کے کچھ شعروں کا بھاوارتھ دیتے ہیں، جس سے ان کی رچنا شیلی کا پرمان مل جائے گا۔

پارس کے بادشاہ اتابک ابوبکر کی شان میں۔

اس ملک میں بڑے بڑے بادشاہوں نے راجیہ کیا لیکن جیون کا انت ہوجانے پر ٹھوکریں کھانے لگے۔

تجھے ایشوریہ آگیا کا پالن کرنا چاہیے۔ ویبھو اور سمپتی کی ضرورت نہیں، ڈھول کے سدرش گرجنے کی کیا آوشیکتا ہے۔ جب بھیتر بالکل خالی ہے۔ کرتویہ پالنا سیکھ۔ یہی سورگ مارگ کی سامگری ہے، اس دن اودبیز (برتن جس میں اگر جلاتے ہیں) اور عنبر سائے (وہ برتن جس میں عنبر گھستے ہیں) کچھ کام نہ آئیں گے۔

جو منش پرجا کو دکھ دے وہ دیش کا دروہی ہے۔ اس کے مارے جانے کا حکم دے۔

پورب تک، پشچم تک اپنا راجیہ بڑھا، پر رن بھومی میں مت جا یہ اس پرکار ہوسکتا ہے کہ دلوں کو اپنے ہاتھ میں لے اور ان کی میل دھو۔ میں مِشٹ بھاشی کویوں کی بھانتی یہ نہ کہوں گا کہ تو کستوری کی ورشا کرنے والا میگھ ہے۔

جتنی آیو لکھی ہوئی ہے وہ گھٹ بڑھ نہیں سکتی تو یہ کہنے سے کیا فائدہ کہ تو قیامت تک زندہ اور سلامت رہے۔

۲

فقیروں کا کام بادشاہوں کی بڑائی کرنا نہیں ہے، جو میں کہوں کہ تو سمندر کے سمان اگادھ اور میگھ کے سمان دان شیل ہے۔

میں یہ نہ کہوں گا کہ دیا میں تو اولیاء سے بڑھا ہوا ہے، نہ یہ کہ نیائے میں تو بادشاہوں کا نیتا ہے۔

اور یدی یہ سب گن تجھ میں ہیں، تو تجھے اپدیش کرنا اور بھی اُتم ہے کیونکہ سچے پریم اور شردھا کے پرکٹ کرنے کا یہی مارگ ہے۔

خدا نے یوسف کو اس لیے سمانت نہیں کیا کہ وہ روپ وان تھا، بلکہ اس لیے کہ وہ ست کرمی تھا۔

سینا، دھن، ایشوریہ، ایک بھی سکیرتی کے سوائے تیرے کام نہ آئیں گے۔

تیرے ادھیچیہ کے استھر رہنے کا بس ایک ہی منتر ہے، کہ کسی سبل کا ہاتھ کسی نربل پر نہ اٹھنے پائے۔

میں یہ آشیرواد نہ دوں گا کہ تو سہستر ورشوں تک جیوت رہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تو اسے اتیوکتی سمجھے گا۔

تجھے رکیرتی اور یش لابھ کرنے میں ادھک سامرتھ ہو کہ نیائے کا پالن کرے اور انیائے کی تاڑنا کرے۔

بارہوں ادھیائے

آمود۔ پرمود

سعدی کی کلیات کے سب سے انتم بھاگ میں جو تیس پرشٹوں سے ادھک نہ ہوگا، آمود پرمود کی کویتائیں ملتی ہیں، جن میں کچھ سرُوچی کے پد سے اتنی گر گئی ہیں کہ انھیں اشلیل کہا جاسکتا ہے۔ ہم نے اس پستک کے پہلے سنسکرن میں پرشٹھ ستاسی پر یہ لکھا تھا کہ یہ کویتائیں سعدی کی کدابِی نہیں ہوسکتی، لیکن اس وشے میں وشیش چھان بین کرنے پر یہ گیات ہوا کہ واستو میں سعدی ہی ان کے کرتا ہیں اور یہ سعدی کے پرتبھا روپی چندر پر ایسا دھبہ ہے جو کسی طرح نہیں مٹ سکتا۔ جب وچار کرتے ہیں کہ شیخ سعدی کتنے نیتی وان، کتنے سدا چاری کتنے سدگنی، مہان پرش تھے تو اشلیل کویتاؤں کو دیکھ کر بڑا کھید ہوتا ہے۔ اس بھاگ میں سعدی نے اپنی نتیکیا تا اور گامبھیر یہ کو تیاگ کر خوب گندی باتیں لکھیں ہیں۔ اس میں تو کوئی سندیہہ نہیں کہ سعدی ونودشیل پرش تھے اور ونودشیلتا سوبھاؤ کا دوشن نہیں بلکہ گن ہے۔ وشیش کر کے نیتیو پدیش میں وہاں اس کی بڑی آوشیکتا ہوتی ہے، جہاں اپدیش کا وشچار اور دشٹتا کی آلوچنا کرنی پڑتی ہے۔ یہ گن بھودھا اپدیش کو رُچی کر بنادیا کرتا ہے، پر وہی بات جب اوچِتیہ سے آگے بڑھ جاتی ہے تو اشلیل ہوجاتی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ شیخ سعدی نے یہ رچنا ونودارتھ کی یا کسی اور کارن سے۔ یہ بات ان کی پنکتیوں سے اسپشٹ ودت ہوجاتی ہے جو انھون نے اس بھاگ کے آدی میں چھما پرارتھنا کے بھاؤ سے لکھی ہے۔

''ایک بادشاہ نے مجھے بادھیہ کیا کہ میں کچھ اشلیل باتیں لکھوں۔ جب میں نے انکار کیا تو اس نے مجھے مار ڈالنے کی دھمکی دی۔ اس لیے وِوش ہوکر مجھے یہ کویتائیں لکھنی پڑیں اور میں اس کے لیے پرماتما سے چھما مانگتا ہوں۔''

اس سے یہ پورنیہ سدھ ہوجاتا ہے کہ سعدی نے یہ کویتائیں وِوش ہوکر رچیں اور وہ ان کے لیے لجت ہیں۔ وہ شویم اسے انوچت سمجھتے ہیں۔ یدیپی اس سے سعدی کی نرمتا پر

کٹھارا گھات ہوتا ہے پر اس سے کی رُچی تتھا سجیتا کو دیکھتے ہوئے یہی بہت ہے کہ سعدی نے اس رچنا پر کھید تو پرکٹ کیا۔ اس سے کوی گن بادشاہوں کے آمود پرمود کے نمت پرایہ گندی کویتائیں لکھا کرتے تھے۔ یہ پرتھا ایسی پرچلت ہوگئی تھی کہ بڑے بڑے ودوانوں اور پنڈتوں کو بھی ان کے لکھنے میں لیش ماتر سنکوچ نہ ہوتا تھا۔ ودھجن ان رچناؤں کا آنند اٹھاتے تھے۔ رسک گن ان کی سراہنا کرتے تھے۔ ایسی دشا میں سعدی نے بھی یدی ان کویتاؤں کی رچنا کو بہت آپتی جنک نہ سمجھا ہو تو آشچریہ کی بات نہیں۔ انھوں لجا تتھا کھید پرکٹ کیا، اسی پر سنتوش کرنا چاہیے۔ ان کویتاؤں میں وہ پرپھلتا اور آنند پردایِنی ونودشیلتا نہیں ہے، جو ان کا ایک پردھان گن ہے۔ اس سے وِدت ہوتا ہے کہ شیخ نے ادشیہ ان کی رچنا دراگرہ سے کی ہے، اپنی رُچی سے نہیں۔

پتا کے پتر پُتری کے نام

فہرست

سنسار پستک ہے

جب تم میرے ساتھ رہتی ہو تو اکثر مجھ سے بہت سی باتیں پوچھا کرتی ہو اور میں ان کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔لیکن اب جب تم مسوری میں ہو اور میں الہٰ آباد میں۔ ہم دونوں اس طرح بات چیت نہیں کرسکتے۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ کبھی کبھی تمھیں اس دنیا کی اور ان چھوٹے بڑے دیشوں کی، جو اس دنیا میں ہیں، چھوٹی چھوٹی کتھائیں لکھا کروں۔تم نے ہندستان اور انگلینڈ کا کچھ حال اتہاس میں پڑھا ہے۔لیکن انگلینڈ کیول ایک چھوٹا سا ٹاپو ہے اور ہندستان، جو ایک بہت بڑا دیش ہے، پھر ہندستان دنیا کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ اگر تمھیں اس دنیا کا کچھ حال جاننے کا شوق ہے، تو تمھیں ان سب دیشوں کا، اور ان سب جاتیوں کا، جو اس میں بسی ہوئی ہیں، دھیان رکھنا پڑے گا۔ کیول اس ایک چھوٹے سے دیش کا نہیں، جس میں تم پیدا ہوئی ہو۔

مجھے معلوم ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے خطوں میں بہت تھوڑی سی باتیں ہی بتلاسکتا ہوں۔ لیکن مجھے آشا ہے کہ ان تھوڑی سی باتوں کو تم شوق سے پڑھوگی تو سمجھوگی کہ دنیا ایک ہے اور دوسرے لوگ جو اس میں آباد ہیں، ہمارے بھائی بہن ہیں۔ جب تم بڑی ہوجاؤ گی تو تم دنیا اور دنیا والوں کا حال تم موٹی موٹی کتابوں میں پڑھوگی۔ اس میں تمھیں جتنا آنند ملے گا، اتنا کسی کہانی یا اپنیاس میں بھی نہ ملا ہوگا۔

یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ یہ دھرتی لاکھوں، کروڑوں ورشوں پرانی ہے، اور بہت دنوں تک اس میں کوئی آدمی نہ تھا۔ آدمیوں کے پہلے صرف جانور تھے، اور جانوروں سے پہلے ایک ایسا سمے تھا جب اس دھرتی پر کوئی جاندار چیز نہ تھی۔ آج جب یہ دنیا ہر طرح کے جانوروں اور آدمیوں سے بھری ہوئی ہے، اس زمانے کا خیال کرنا بھی مشکل ہے جب یہاں کچھ نہ تھا۔ لیکن وگیان جاننے والے ودوانوں نے، جنھوں نے اس وشے کو خوب سوچا اور

پڑھا ہے، لکھا ہے کہ ایک سمے ایسا تھا، جب یہ دھرتی بے حد گرم تھی اور اس پر کوئی جاندار چیز نہیں رہ سکتی تھی۔ اور اگر ہم ان کی کتابیں پڑھیں اور پہاڑوں اور جانوروں کی پرانی ہڈیوں کو غور سے دیکھیں تو ہمیں خود معلوم ہوگا کہ ایسا سمے ضرور رہا ہوگا۔

تم اتہاس کی کتابوں میں ہی پڑھ سکتی ہو۔ لیکن پرانے زمانے میں تو آدمی پیدا ہی نہ ہوا تھا، کتابیں کون لکھتا؟ تب ہمیں اس زمانے کی باتیں کیسے معلوم ہوں؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہم بیٹھے بیٹھے ہر ایک بات سوچ نکالیں۔ یہ بڑے مزے کی بات ہوتی، ہم جو چیز چاہتے سوچ لیتے، اور سندر پریوں کی کہانیاں گڑھ لیتے۔ لیکن جو کہانی کسی بات کو دیکھے بنا ہی گڑھ لی جائے وہ ٹھیک کیسے ہوسکتی ہے؟ لیکن خوشی کی بات ہے کہ اس پرانے زمانے کی لکھی ہوئی کتابیں نہ ہونے پر بھی کچھ ایسی چیزیں ہیں، جن سے ہمیں اتنی ہی باتیں معلوم ہوتی ہیں جتنی کسی کتاب سے ہوتی ہیں۔ یہ پہاڑ، سمندر، ستارے، ندیاں، جنگل، جانوروں کی پرانی ہڈیوں اور اسی طرح کی اور بھی کتنی ہی چیزیں ہیں، جن سے ہمیں دنیا کا پرانا حال معلوم ہوسکتا ہے۔ مگر حال جاننے کا اصلی طریقہ یہ نہیں کہ ہم کیول دوسروں کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھ لیں، بلکہ خود سنسار روپی پستک کو پڑھیں۔ مجھے آشا ہے کہ پتھروں اور پہاڑوں کو پڑھ کر تم تھوڑے ہی دنوں میں ان کا حال جاننا سیکھ جاؤ گی۔ سوچو کتنے مزے کی بات ہے، ایک چھوٹا سا روڑا جسے تم سڑک پر یا پہاڑ کے نیچے پڑا ہوا دیکھتی ہو، شاید سنسار کی پستک کا چھوٹا سا پرشٹ ہو، شاید اس سے تمھیں کوئی نئی بات معلوم ہوجائے شرط یہی ہے کہ تمھیں اسے پڑھنا آتا ہو۔ کوئی زبان، اردو، ہندی یا انگریزی، سیکھنے کے لیے تمھیں اس کے اچھر سیکھنے ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمھیں پہلے پرکرتی کے اچھر پڑھنے پڑیں گے، تبھی تم اس کی کہانی اس کی پتھروں اور چٹانوں کی کتابوں سے پڑھ سکوگی، شاید اب بھی تم اسے تھوڑا تھوڑا پڑھنا جانتی ہو، جب تم کوئی چھوٹا سا گول چمکیلا روڑا دیکھتی ہو تو کیا وہ تمھیں کچھ نہیں بتلاتا؟ وہ کیسے گول چکنا اور چمکیلا ہوگیا اور اس کے کھردرے کنارے اور کونے کیا ہوئے؟ اگر تم کسی بری چٹان کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو اور ہر ایک ٹکڑا کھردرا اور نوکیلا ہوگا۔ وہ گول چکنے روڑے کی طرح بالکل نہیں ہوتا۔ پھر یہ روڑا کیسے اتنا گول چکنا اور چمکیلا ہوگیا؟ اگر تمھاری آنکھیں دیکھیں اور تمھارے کان سنیں تو تم اسی کے منہ سے اس کی کہانی سن سکتی ہو۔ وہ تم سے کہے گا کہ ایک سمے شاید جسے بہت دن گزرے ہوں وہ بھی ایک چٹان کا ٹکڑا تھا۔ ٹھیک اسی

ٹکڑے کی کی طرح اس میں کنارے اور کونے تھے، جسے تم بڑی چٹان سے توڑتی ہو۔ شاید وہ کسی پہاڑ کے دامن میں پڑا رہا، تب پانی آیا اور اسے بہا کر چھوٹی گھاٹی تک لے گیا۔ وہاں سے ایک پہاڑی نالے نے اسے دھکیل کر ایک چھوٹے دریا میں پہنچا دیا۔ اس چھوٹے سے دریا سے وہ بڑے دریا میں پہنچا اس بیچ وہ دریا کے پینڈے میں لڑھکتا رہا۔ اس کے کنارے گھس گئے اور وہ چکنا اور چمکدار ہوگیا۔ اس طرح وہ کنکر بنا جو تمھارے سامنے ہے کسی وجہ سے دریا اسے چھوڑ گیا اور تم اسے پاگئیں۔ اگر دریا اسے اور آگے لے جاتا تو وہ چھوٹا ہوتے ہوتے انت میں بالو کا ایک ذرہ ہوجاتا اور سمندر کے کنارے اپنے بھائیوں سے جا ملتا، جہاں ایک سندر بالو کا کنارہ بن جاتا، جس پر چھوٹے چھوٹے بچے کھیلتے اور بالو کے گھروندے بناتے۔

اگر ایک چھوٹا سا روڑا تمھیں اتنی باتیں بتاسکتا ہے، اور پہاڑوں اور دوسری چیزوں سے، جو ہمارے چاروں طرف ہیں، ہمیں اور کتنی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں۔

شروع کا اِتہاس کیسے لکھا گیا

اپنے پہلے پتر میں میں نے تمھیں بتایا تھا کہ ہمیں سنسار کی کتاب سے ہی دنیا کے شروع کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔ اس کتاب میں چٹان، پہاڑ، گھاٹیاں، ندیاں، سمندر، جوالا مکھی اور ہر ایک چیز جو ہم اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں، شامل ہے۔ یہ کتاب ہمیشہ ہمارے سامنے کھلی رہتی ہے لیکن بہت ہی تھوڑے آدمی اس پر دھیان دیتے ہیں، یا اسے پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم اسے پڑھنا اور سمجھنا سیکھ لیں تو ہمیں اس میں کتنی ہی منوہر کہانیاں مل سکتی ہیں۔ اس کے پتھر کے پرشٹوں میں ہم جو کہانیاں پڑھیں گے وہ پریوں کی کہانیوں سے کہیں سندر ہوگی۔

اس طرح ہمیں سنسار کی اس پستک سے ہمیں اس پرانے زمانے کا حال معلوم ہو جائے گا جب کہ ہماری دنیا میں کوئی آدمی یا جانور نہ تھا۔ جیوں جیوں ہم پڑھتے جائیں گے ہمیں معلوم ہوگا کہ پہلے جانور کیسے آئے اور ان کی تعداد کیسے بڑھتی گئی۔ اس کے بعد آدمی آئے، مگر وہ ان آدمیوں کی طرح نہ تھے، جنھیں ہم آج دیکھتے ہیں۔ وہ جنگلی تھے اور جانوروں میں اور ان میں کم فرق تھا۔ دھیرے دھیرے انھیں تجربہ ہوا اور ان میں سوچنے کی طاقت آئی۔ اسی طاقت نے انھیں جانوروں سے الگ کردیا۔ یہ اصلی طاقت تھی جس نے انھیں بڑے سے بڑے اور بھیانک سے بھیانک جانوروں سے زیادہ بلوان بنادیا۔ تم دیکھتی ہو کہ ایک بڑے سے ہاتھی پر ایک چھوٹا سا آدمی بیٹھ کر جو چاہے کرالیتا ہے۔ ہاتھی، بڑے ڈیل ڈول کا جانور ہے اور اس مہاوت سے کہیں زیادہ بلوان ہے، جو اس کی گردن پر سوار ہے۔ لیکن مہاوت میں سوچنے کی طاقت ہے اور اسی کی بدولت وہ مالک ہے اور ہاتھی اس کا نوکر۔ جیوں جیوں آدمی کے سوچنے کی طاقت بڑھتی گئی، اس کی سوچ بھی بڑھتی گئی۔ اس نے بہت سی باتیں سوچ نکالیں۔ آگ جلانا، زمین جوت کر کھانے کی چیزیں پیدا کرنا، کپڑا بنانا

اور پہننا، اور رہنے کے لیے گھر بنانا، یہ سبھی باتیں اسے معلوم ہوگئیں۔ بہت سے آدمی مل کر ایک ساتھ رہتے تھے اور اس طرح پہلے شہر بنے۔ شہر بننے سے پہلے لوگ جگہ جگہ گھومتے پھرتے تھے اور شاید کسی طرح کے خیموں میں رہتے ہوں گے۔ تب تک انھیں زمین سے کھانے کی چیزیں پیدا کرنے کا طریقہ نہیں آتا تھا۔ نہ اس کے پاس چاول تھے نہ گیہوں جس سے روٹیاں بنتی ہیں۔ نہ تو ترکاریاں تھیں نہ دوسری چیزیں جو ہم آج کھاتے ہیں۔ شاید کچھ پھل اور بیج انھیں کھانے کو مل جاتے ہوں گے مگر زیادہ تر وہ جانوروں کو مارکر ان کا ماس کھاتے تھے۔

جیوں جیوں شہر بنتے گئے لوگ طرح طرح کی سندر کلائیں سیکھتے گئے۔ انھوں نے لکھنا بھی سیکھا۔ لیکن بہت دنوں تک لکھنے کا کاغذ نہ تھا، اور لوگ بھوج پتر یا تاڑ کے پتوں پر لکھتے تھے۔ آج بھی کئی پستکالیوں میں تمھیں سموچی کتابیں ملیں گی جو اسی پرانے زمانے میں بھوج پتر پر لکھی گئی تھیں۔ تب کاغذ بنا اور لکھنے میں آسانی ہوگئی۔ لیکن چھاپے خانے نہ تھے اور آج کل کی بھانتی کتابیں ہزاروں کی تعداد میں نہ چھپ سکتی تھیں۔ کوئی کتاب جب لکھ لی جاتی تھی تو بڑی محنت کے ساتھ ہاتھ سے اس کی نقل کی جاتی تھی۔ ایسی دشا میں کتابیں بہت نہ تھیں۔ تم کسی کتاب بیچنے والے کی دکان پر جاکر چٹ پٹ کتاب نہ خرید سکتیں تھیں۔ تمھیں کسی سے اس کی نقل کرانی پڑتی اور اس میں بہت سمے لگتا۔ لیکن ان دنوں لوگوں کے اچھر بہت سندر ہوتے تھے اور آج بھی پستکالیوں میں ایسی کتابیں موجود ہیں جو ہاتھ سے بہت سندر اچھروں میں لکھی گئی تھیں۔ ہندستان میں خاص کر سنسکرت، فارسی اور اردو کی کتابیں ملتی ہیں۔ اکثر نقل کرنے والے پرشٹوں کے کناروں پر سندر بیل بوٹے بنادیا کرتے تھے۔

شہروں کے بعد دھیرے دھیرے دیشوں اور جاتیوں کی بنیاد پڑی۔ جو لوگ ایک ملک میں پاس پاس رہتے تھے ان کا ایک دوسرے سے میل جول ہوجانا سوبھاوک تھا۔ وہ سمجھنے لگے کہ ہم دوسرے ملک والوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں اور بیوقوفی میں ان سے لڑنے لگے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی، اور آج بھی لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ لڑنے اور ایک دوسرے کی جان لینے سے بڑھ کر بیوقوفی کی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا۔

جس زمانے مین شہر اور ملک بنے اس کی کہانی جاننے کے لئے پرانی کتابیں کبھی کبھی

مل جاتی ہیں۔ لیکن ایسی کتابیں بہت نہیں ہیں۔ ہاں دوسری چیزوں سے ہمیں مدد مل سکتی ہے۔ پرانے زمانے کے راجے مہاراجے اپنا حال اپنے زمانے کے پتھروں اور کھمبوں پر لکھوادیا کرتے تھے۔ کتابیں بہت دن تک نہیں چل سکتیں۔ ان کا کاغذ بگڑ جاتا ہے اور اسے کیڑے کھاجاتے ہیں۔ لیکن پتھر بہت دن چلتا ہے۔ شاید تمھیں یاد ہوگا کہ تم نے الہ آباد کے قلعے میں اشوک کی بڑی لاٹ دیکھی ہے۔ کوئی سو سال ہوئے اشوک ہندستان کا ایک بڑا راجا تھا۔ اس نے اس کھمبے پر ایک آدیش کھدوادیا ہے۔ اگر تم لکھنؤ کے عجائب گھر میں جاؤ، تو تمھیں بہت سے پتھر کے ٹکڑے ملیں گے جن پر اکچھر کھدے ہوئے ہیں۔

سنسار کے دیشوں کا حال پڑھنے لگو گی تو تمھیں ان بڑے بڑے کاموں کا حال معلوم ہوگا جو چین اور مصر والوں نے کیے تھے۔ اس سمے یورپ کے دیشوں میں جنگلی جاتیاں بستی تھی۔ تمھیں ہندستان کے اس شاندار زمانے کا حال معلوم ہوگا جب رامائن اور مہابھارت لکھے گئے اور ہندستان بلوان اور دھنوان دیش تھا۔ آج ہمارا ملک بہت غریب ہے اور ایک ودیشی جاتی ہمارے اوپر راجیہ کررہی ہے۔ ہم اپنے ہی ملک میں آزاد نہیں ہیں اور جو کچھ کرنا چاہیں نہیں کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ حال ہمیشہ نہیں تھا اور اگر ہم پوری کوشش کریں تو شاید ہمارا دیش پھر آزاد ہوجائے، جس سے ہم غریبوں کی دشا سدھار سکیں اور ہندستان میں رہنا اتنا ہی آرام دہ ہوجائے، جتنا کے آج یورپ کے کچھ دیشوں میں ہے۔

میں اپنے اگلے خط میں سنسار کی منوہر کہانیاں شروع سے لکھنا آرمبھ کروں گا۔

زمین کیسے بنی

تم جانتی ہو کہ زمین سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے اور چاند زمین کے چاروں طرف گھومتا ہے۔ شاید تمھیں یہ بھی یاد ہے کہ ایسے اور بھی کئی گولے ہیں، جو زمین کی طرح سورج کا چکر لگاتے ہیں۔ یہ سب ہماری زمین کو ملاکر، سورج کے گرہ کہلاتے ہیں۔ چاند زمین کا اُپ گرہ کہلاتا ہے، اس لیے کہ وہ زمین کے ہی آس پاس رہتا ہے۔ دوسرے گرہوں کے بھی اپنے اپنے اُپ گرہ ہیں۔ سورج اس کے گرہ اور گرہوں کے اُپ گرہ مل کر مانوں ایک سکھی پریوار بن جاتا ہے۔ اس پریوار کو سور جگت کہتے ہیں۔ سور کا ارتھ ہے، سورج سب گرہوں اور اُپ گرہوں کا بابا ہے۔ اسی لیے اس پریوار کو سور جگت کہتے ہیں۔

رات کو تم آسمان میں ہزاروں ستاروں کو دیکھتی ہو۔ ان میں سے تھوڑے ہی سے گرہ ہیں اور باقی ستارے ہیں۔ کیا تم بتاسکتی ہو کہ تارے اور گرہوں میں کیا فرق ہے؟ گرہ ہماری زمین کی طرح ستاروں سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں لیکن آسمان میں وہ بڑے نظر آتے ہیں، کیونکہ زمین سے ان کا فاصلہ کم ہے۔ ٹھیک ایسا ہی سمجھو جیسے چاند جو بالکل بچے کی طرح ہے۔ ہمارے نزدیک ہونے کی وجہ سے اتنا بڑا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ستاروں اور گرہوں کے پہچاننے کا اصلی طریقہ یہ ہے کہ وہ جگمگاتے ہیں یا نہیں۔ ستارے جگمگاتے ہیں، گرہ نہیں جگمگاتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سوریہ کی روشنی سے چمکتے ہیں۔ چاند اور گرہوں میں جو چمک ہم دیکھتے ہیں وہ دھوپ کی ہے۔ اصلی ستارے بالکل سورج کی طرح ہیں وہ بہت گرم اور جلتے ہوئے گولے ہیں جو آپ ہی آپ چمکتے ہیں۔ دراصل سورج خود ایک ستارا ہے۔ ہمیں یہ بڑا آگ کا گولا معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ زمین سے اس کی دوری اور ستاروں سے کم ہے۔

اس سے اب تمھیں معلوم ہوگیا کہ ہماری زمین بھی سورج کے پریوار میں سور جگت میں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زمین بہت بڑی ہے اور ہمارے جیسے چھوٹی سی چیز کو دیکھتے ہوئے وہ ہے بھی بہت بڑی۔ اگر کسی تیز گاڑی یا جہاز پر بیٹھو تو اس کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک جانے میں ہفتوں اور مہینے لگ جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں چاہے یہ کتنی ہی بڑی دکھائی دے

اصل میں یہ دھول کے ایک کنٹر کی طرح ہوا میں لٹکی ہوئی ہے۔ سورج زمین سے کروڑوں میل دور ہے اور دوسرے ستارے اس سے بھی زیادہ دور ہیں۔

جیوتشی یا وہ لوگ جو کہ ستاروں کے بارے میں بہت سی باتیں جانتے ہیں، ہمیں بتلاتے ہیں کہ بہت دن پہلے ہماری زمین اور سارے گرہ سوریہ ہی میں ملے ہوئے تھے۔ آج کل کی طرح اس سے بھی سورج جلتی ہوئی دھات کا نہایت گرم گولا تھا۔ کسی وجہ سے سورج کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس سے ٹوٹ کر ہوا میں نکل پڑے۔ لیکن وہ اپنے پتا سوریہ سے بالکل الگ نہ ہوسکے، وہ اس طرح سوریہ کے گرد چکر لگانے لگے، جیسے ان کو کسی نے رسی سے باندھ کر رکھا ہو۔ یہ وچتر شکتی جس کی میں نے رسی سے مثال دی ہے ایک ایسی طاقت ہے جو چھوٹی چیزوں کو بڑی چیزوں کی طرف کھینچتی ہے۔ یہ وہی طاقت ہے، جو وزن دار چیزوں کو زمین پر گرادیتی ہے۔ ہمارے پاس زمین ہی سب سے بھاری چیز ہے اسی سے وہ ہر ایک چیز کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

اس طرح ہماری زمین بھی سورج سے نکل بھاگی تھی۔ اس زمانے میں یہ بہت گرم رہی ہوگی۔ اس کے چاروں طرف کی ہوا بھی بہت گرم رہی ہوگی لیکن سورج سے بہت ہی چھوٹی ہونے کے کارن وہ جلدی ٹھنڈی ہونے لگی۔ سورج کی گرمی بھی دن دن کم ہوتی جارہی ہے، لیکن اسے بالکل ٹھنڈا ہوجانے میں لاکھوں برس لگیں گے۔ زمین کے ٹھنڈے ہونے میں بہت تھوڑے دن لگے۔ جب یہ گرم تھی تب اس پر کوئی جاندار چیز جیسے آدمی، جانور، پودھا یا پیڑ نہ رہ سکتے تھے۔ سب چیزیں جل جاتیں۔

جیسے سورج کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر زمین ہوگیا اسی طرح زمین کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر نکل بھاگا اور چاند ہوگیا۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ چاند کے نکلنے سے جو گڈھا ہوگیا وہ امریکہ اور جاپان کے بیچ نکلنے والا ساگر ہے۔ مگر زمین کو ٹھنڈے ہونے میں بھی بہت دن لگ گئے۔ دھیرے دھیرے زمین کی اوپری تہہ تو زیادہ ٹھنڈی ہوگئی لیکن اس کا بھیتری حصہ گرم بنا رہا۔ اب بھی اگر تم کسی کوئلے کی کھان میں گھسو تو جیوں جیوں تم نیچے اترو گی، گرمی بڑھتی جائے گی۔ شاید اگر تم زیادہ دور نیچے چلی جاؤ تو تمھیں زمین انگارے کی طرح ملے گی۔ چاند بھی ٹھنڈا ہونے لگا۔ وہ زمین سے بھی زیادہ چھوٹا تھا، اس لئے اس کے ٹھنڈے ہونے میں زمین سے بھی کم دن لگے! تمھیں اس کی ٹھنڈک کتنی پیاری معلوم ہوتی ہے۔ اسے ٹھنڈا چاند

بھی کہتے ہو۔ شاید وہ برف کے پہاڑوں اور برف سے ڈھکے ہوئے میدانوں سے بھرا ہوا ہو۔

جب زمین ٹھنڈی ہوگئی تو ہوا میں جتنی بھاپ تھی وہ جم کر پانی بن گئی اور شاید مینہہ بن کر برس پڑی۔ اس زمانے میں بہت ہی زیادہ پانی برسا ہوگا۔ یہ سب پانی زمین کے بڑے بڑے گڈھوں میں بھرگیا اور اس طرح بڑے بڑے سمندر اور ساگر بن گئے۔

جیوں جیوں زمین ٹھنڈی ہوتی گئی اور سمندر بھی ٹھنڈے ہوتے گئے تیوں تیوں دونوں جاندار چیزوں کے رہنے لائق ہوتے گئے۔

دوسرے خط میں میں تمھیں جاندار چیزوں کے پیدا ہونے کا حال لکھوں گا۔

جاندار چیزیں کیسے پیدا ہوئیں

پچھلے خط میں میں تمھیں بتلا چکا ہوں کہ بہت دنوں تک زمین اتنی گرم تھی کہ کوئی جاندار چیز اس پر رہ ہی نہ سکتی تھی۔ تم پوچھوگی کہ زمین پر جاندار چیزوں کا کب آنا شروع ہوا اور پہلے کون کون سی چیزیں آئیں۔ یہ بڑے مزے کا سوال ہے، پر اس کا جواب دینا بھی آسان نہیں ہے۔ پہلے یہ دیکھو کہ جان ہے کیا چیز۔ شاید تم کہوگی کہ آدمی اور جانور جاندار ہیں۔ لیکن درختوں، جھاڑیوں اور پھولوں اور ترکاریوں کو کیا کہوگی؟ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ سب بھی جاندار ہیں وہ پیدا ہوتے ہیں، پانی پیتے ہیں، ہوا میں سانس لیتے ہیں اور مرجاتے ہیں۔ درخت اور جانور میں خاص فرق یہ ہے کہ جانور چلتا پھرتا ہے اور درخت ہل نہیں سکتے۔ تم کو یاد ہوگا کہ میں نے لندن کے 'کیوگارڈن' میں تمھیں کچھ پودھے دکھائے تھے۔ وہ پودھے جنھیں آرکڈ اور پچر کہتے ہیں، سچ مچ مکھیاں کھاتے ہیں۔ اور اسی طرح کچھ جانور بھی ایسے ہی ہیں، جو سمندر کے نیچے رہتے ہیں اور چل پھر نہیں سکتے۔ سپنج ایسا جانور ہے، کبھی کبھی تو کسی چیز کو دیکھ کر یہ بتلانا مشکل ہوجاتا ہے کہ وہ پودھا ہے یا جانور۔ جب تم بنسپتی شاستر (پیڑوں اور پودھوں کی ودھا) یا جیوشاستر (جس میں جیوجنتوؤں کا حال لکھا ہوتا ہے) پڑھوگی تو تم ان عجیب چیزوں کو دیکھوگی جو نہ جانور ہیں نہ پودھے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ پتھروں اور چٹانوں میں بھی ایک قسم کی جان ہے اور انھیں ایک طرح کا درد ہوتا ہے، مگر ہم کو اس کا پتہ نہیں چلتا۔ شاید تمھیں ان مہاشے کی یاد ہوگی جو ہم سے جنیوا میں ملنے آئے تھے ان کا نام ہے سر جگدیش بوس۔ انھوں نے پریکچھا کرکے ثابت کیا ہے کہ پودھوں میں بہت کچھ جان ہوتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ پتھروں میں بھی کچھ جان ہوتی ہے۔

اس سے تمھیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ کسی چیز کو جاندار یا بے جان کہنا کتنا مشکل ہے۔ لیکن اس وقت ہم پتھروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف جانوروں اور پودھوں پر ہی وچار کرتے ہیں۔ آج سنسار میں ہزاروں جاندار چیزیں ہیں۔ وہ سبھی قسم کی ہیں۔ مرد ہیں یا عورتیں ہیں

اور ان میں کچھ لوگ ہوشیار ہیں اور کچھ لوگ بیوقوف ہیں۔ جانور بھی بہت طرح کے ہیں اور ان میں بھی ہاتھی بندر یا چیونٹی کی طرح سمجھدار جانور ہیں اور بہت سے جانور بالکل بے سمجھ بھی ہیں۔ مچھلیاں اور سمندر کی بہت سی چیزیں جانداروں میں اور بھی نیچے درجے کی ہیں ان سے بھی نیچا درجہ اسپنج اور مربّے کی شکل کی مچھلیوں کا ہے جو آدھا پودھا اور جانور ہیں۔

اب ہم کو اس بات کا پتہ لگانا ہے کہ یہ بھِن بھِن پرکار کے جانور ایک ساتھ اور ایک وقت پیدا ہوئے یا ایک ایک کرکے دھیرے دھیرے۔ ہمیں یہ کیسے معلوم ہوا۔ اس پرانے زمانے کی لکھی ہوئی تو کوئی کتاب ہے نہیں۔ لیکن کیا سنسار کی پستک سے ہمارا کام چل سکتا ہے؟ ہاں چل سکتا ہے۔ ہاں پرانی چٹانوں میں جانوروں کی ہڈیاں ملتی ہیں، انھیں انگریزی میں فوسل یا پتھرائی ہوئی ہڈی کہتے ہیں۔ ان ہڈیوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس چٹان کے بننے میں بہت پہلے وہ جانور ضرور رہا ہوگا جس کی ہڈیاں ملی ہیں۔ تم نے اس طرح کی بہت سی چھوٹی اور بڑی ہڈیاں لندن کے ساوتھ کینسنگٹن کے عجائب گھر میں دیکھی تھیں۔

جب کوئی جانور مرجاتا ہے تو اس کا نرم اور مانس والا بھاگ تو فوراً سڑ جاتا ہے، لیکن اس کی ہڈیاں بہت دنوں تک بنی رہتی ہیں۔ یہی ہڈیاں ہمیں اس پرانے زمانے کا حال بتاتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی جانور بنا ہڈی کا ہی ہو جیسے مربّے کی شکل والی مچھلیاں ہوتی ہیں تو اس کے مرجانے پر کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔

جب اس چٹان کو غور سے دیکھتے ہیں اور بہت سی پرانی ہڈیوں کو جمع کرلیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بھِن بھِن سے میں بھن بھن پرکار کے جانور رہتے تھے۔ سب کے سب ایک بارگی کہیں سے کود کر نہیں آگئے۔ سب سے پہلے چھلکے دار جانور پیدا ہوئے جیسے گھونگھے۔ سمندر کے کنارے تم جو سندر گھونگھے بٹورتی ہو وہ ان جانوروں کے چھلکے ہیں جو مرچکے ہیں۔ اس کے بعد زیادہ اونچے درجے کے جانور پیدا ہوئے جن میں سانپ اور ہاتھی جیسے بڑے جانور ہیں۔ اور وہ چڑیاں اور جانور بھی جو آج تک موجود ہیں سب کے پیچھے آدمیوں کی ہڈیاں ملتی ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کے پیدا ہونے میں بھی ایک کرم تھا۔ پہلے نیچے درجے کے جانور آئے، پھر زیادہ اونچے درجے کے جانور پیدا ہوئے اور جیوں جیوں دن گزرتے گئے وہ اور بھی باریک ہوتے گئے اور آخر میں سب سے اونچے

درجے کا جانور یعنی آدمی پیدا ہوا۔ سیدھے سادھے سپنج اور گھونگھے میں کیسے اتنی تبدیلیاں پیدا ہوئیں اور کیسے وہ اتنے اونچے درجے پر پہنچ گئے، یہ بڑی مزے دار کہانی ہے اور کسی دن میں اس کا حال بتاؤں گا۔ اس وقت ہم صرف انہی جانوروں کا ذکر کررہے ہیں جو پہلے پیدا ہوئے۔

زمین کے ٹھنڈے ہوجانے کے بعد شاید پہلی جاندار چیز وہ نرم مربے کی سی چیز تھی جس پر نہ کوئی خول تھا نہ کوئی ہڈی تھی وہ سمندر میں رہتی تھی۔ ہمارے پاس ان کی ہڈیاں نہیں ہیں کیوں کہ ان کی ہڈیاں تھی ہی نہیں، اس لیے ہمیں کچھ نہ کچھ انکل سے کام لینا پڑتا ہے۔ آج بھی سمندر میں بہت سی مربے کی سی چیزیں ہیں وہ گول ہوتی ہیں لیکن ان کی صورت برابر بدلتی رہتی ہے کیونکہ نہ ان میں کوئی ہڈی ہے نہ خول۔ ان کی صورت کچھ اس طرح کی ہوتی ہے۔

تم دیکھتی ہو کہ بیچ میں ایک داغ ہے۔ اسے بیج کہتے ہیں اور وہ ایک طرح سے ان کا دل ہے۔ یہ جانور یا جو چاہو کہو عجیب طریقے سے کٹ کر ایک کے دو ہوجاتے ہیں۔ پہلے وہ ایک جگہ سے پتلے ہونے لگتے ہیں اور اسی طرح پتلے ہوتے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ ٹوٹ کر مربے کی سی چیزیں بن جاتے ہیں اور دونوں ہی شکل اصلی لوتھڑے کی سی ہوتی ہے۔

بیج یا دل کے بھی دو ٹکڑے ہوجاتے ہیں اور دونوں لوتھڑوں کے حصے میں اس کا ایک ایک ٹکڑا آجاتا ہے۔ اس طرح یہ جانور ٹوٹتے اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

اسی طرح کی کوئی چیز سب سے پہلے ہمارے سنسار میں آئی ہوگی۔ جاندار چیزوں کا کتنا سیدھا سادھا اور تچھ روپ تھا! ساری دنیا میں اس سے اچھی یا اونچے درجے کی چیز اس وقت نہ تھی۔ اصلی جانور پیدا نہ ہوئے اور آدمی کے پیدا ہونے میں لاکھوں برس کی دیر تھی۔

ان لوتھڑوں کے بعد سمندر کی گھانس اور گھونگھے، کیکڑے اور کیڑے پیدا ہوئے تب مچھلیاں آئیں۔ ان کے بارے میں ہمیں بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ان پر کڑے خول اور ہڈیاں تھیں۔ اور اسے وہ ہمارے لیے چھوڑ گئی ہیں تاکہ ہم ان کے مرنے کے بہت دنوں کے بعد ان پر غور کرسکیں۔ یہ گھونگھے سمندر کے کنارے بہت دنوں تک پڑے رہ گئے۔ ان پر بالو اور تازی مٹی جمتی گئی۔ اور یہ بہت حفاظت سے پڑے رہے۔ نیچے کی مٹی اوپر کی بالو اور مٹی کے بوجھ اور دباؤ سے کڑی ہوگئی یہاں تک کہ وہ پتھر جیسی ہوگئی اس طرح سمندر

کے نیچے چٹان بن گئی۔ کسی بھونچال کے آجانے سے یا اور کسی سبب سے یہ چٹانیں سمندر کے نیچے سے نکل آئیں اور سوکھی زمین بن گئیں تب اس سوکھی چٹان کو ندیاں اور مینھہ بہا کر لے گئیں اور جو ہڈیاں ان میں لاکھوں برسوں سے چھپی تھیں باہر نکل آئیں۔ اس طرح ہمیں یہ ہڈیاں یا گھونگھے مل گئے۔ جس سے ہمیں معلوم ہوا کہ ہماری زمین آدمی کے پیدا ہونے سے پہلی کیسی تھی۔

دوسری چٹھی میں ہم اس بات پر وچار کریں گے کہ یہ نیچے درجے کے جانور کیسے بڑھتے بڑھتے آج کل کی سی صورت کے ہو گئے۔

جانور کب پیدا ہوئے

ہم بتلا چکے ہیں کہ شروع میں چھوٹے چھوٹے سمندری جانور اور پانی میں ہونے والے پودھے دنیا کی جاندار چیزوں میں تھے۔ وہ صرف پانی ہی میں رہ سکتے تھے اور اگر کسی وجہ سے باہر نکل آتے اور انھیں پانی نہ ملتا تو ضرور مرجاتے ہوں گے جیسے آج بھی مچھلیاں سوکھے میں آجانے سے مرجاتی ہیں۔ لیکن اس زمانے مُں آج کل سے کہیں زیادہ سمندر اور دلدل رہے ہوں گے۔ وہ مچھلیاں اور دوسرے جانور جن کی کھال ذرا چمڑی تھی، سوکھی زمین پر دوسروں سے کچھ زیادہ دیر تک جی سکتے ہوں گے۔ کیونکہ انھیں سوکھنے میں دیر لگتی تھی اس لیے نرم مچھلیاں اور اسی کی طرح کے دوسرے جانور دھیرے دھیرے کم ہوتے گئے کیونکہ سوکھی زمین پر زندہ رہنا ان کے لیے مشکل تھا اور جن کی کھال زیادہ سخت تھی وہ بڑھتے گئے۔ سوچو کتنی عجیب بات ہے! اس کا یہ مطلب ہے کہ جانور دھیرے دھیرے اپنے کو آس پاس کی چیزوں کے انوکول بنالیتے ہیں۔ تم نے لندن کے عجائب گھر میں دیکھا تھا کہ جاڑوں میں اور ٹھنڈے دیشوں میں جہاں کثرت سے برف گرتی ہے، چڑیاں اور جانور برف کی طرح سفید ہوجاتے ہیں۔ گرم دیشوں میں جہاں ہریالی اور درخت بہت ہوتے ہیں وہ ہرے یا کسی دوسرے چمکدار رنگ کے ہوجاتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنے کو اسی طرح کا بنا لیتے ہیں، جیسے ان کے آس پاس کی چیزیں ہوں ان کا رنگ اس لیے بدل جاتا ہے کہ وہ اپنے کو دشمنوں سے بچا سکیں، کیونکہ اگر ان کا رنگ آس پاس کی چیزوں سے مل جائے تو وہ آسانی سے دکھائی نہ دیں گے۔ سرد ملکوں میں ان کی کھال پر بال نکل آتے ہیں جس سے وہ گرم رہ سکیں۔ اس لیے چیتے کا رنگ پیلا اور دھاری دار ہوتا ہے۔ اس دھوپ کی طرح جو درختوں سے ہوکر جنگل میں آتی ہے۔ وہ گھنے جنگل میں مشکل سے دکھائی دیتا ہے۔

اس عجیب بات کا جاننا بہت ضروری ہے۔ جانور اپنے رنگ ڈھنگ کو آس پاس کی چیزوں سے ملالیتے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ جانور اپنے کو بدلنے کی کوشش کرتے ہوں، لیکن جو اپنے کو بدل کر اپنے آس پاس کی چیزوں سے ملالیتے ہیں ان کو زندہ رہنا زیادہ آسان ہو

جاتا ہے۔ ان کی تعداد بڑھنے لگتی ہے دوسروں کی نہیں بڑھتی۔ اس سے بہت سی باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دھیرے دھیرے نیچے درجے کے جانور اونچے درجوں میں پہنچتے ہیں اور ممکن ہے کہ لاکھوں برسوں کے بعد آدمی ہوجاتے ہیں۔ ہم یہ تبدیلیاں جو ہمارے چاروں طرف ہوتی رہتی ہیں دیکھ نہیں سکتے کیونکہ وہ بہت دھیرے دھیرے ہوتی ہیں اور ہماری زندگی کم ہوتی ہے، لیکن پرکرتی اپنا کام کرتی رہتی ہے اور چیزوں کو بدلتی اور سدھارتی رہتی ہے وہ نہ تو کبھی رکتی ہے نہ آرام کرتی ہے۔

تمھیں یاد ہے کہ دنیا دھیرے دھیرے ٹھنڈی ہورہی تھی اور اس کا پانی سوکھتا جاتا تھا۔ جب وہ زیادہ ٹھنڈی ہوگئی تو جل وایو بدل گئی اور اس کے ساتھ ہی بہت سی باتیں بدل گئیں جیوں جیوں دنیا بدلتی گئی جانور بھی بدلتے گئے اور نئے نئے قسم کے جانور پیدا ہوتے گئے۔ پہلے نیچے درجے کے دریائی جانور پیدا ہوئے پھر زیادہ اونچے درجے کے۔ اس کے بعد جب سوکھی زمین زیادہ ہوگئی تو ایسے جانور پیدا ہوئے جو پانی اور زمین دونوں ہی پر رہ سکتے ہیں جیسے، مگر یا مینڈک۔ اس کے بعد وہ جانور پیدا ہوئے جو صرف زمین پر رہ سکتے ہیں۔ اور تب ہوا میں اڑنے والی چڑیاں آئیں۔

میں نے مینڈک کا ذکر کیا ہے اس عجیب جانور کی زندگی سے بڑی مزے کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ دریائی جانور بدلتے بدلتے کیوں کر زمین کے جانور بن جاتے ہیں۔ مینڈک پہلے مچھلی ہوتا ہے لیکن بعد میں وہ خشکی کا جانور ہوجاتا ہے اور دوسرے خشکی کے جانوروں کی طرح پھیپھڑوں سے سانس لیتا ہے اس پرانے زمانے میں جب خشکی کے جانور پیدا ہوئے، بڑے بڑے جنگل تھے۔ زمین ساری کی ساری جھاور رہی ہوگی۔ اس پر گھنے جنگل ہوں۔ آگے چل کر یہ چٹان اور مٹی کے بوجھ سے ایسے دب گئے کہ وہ دھیرے دھیرے کوئلہ بن گئے۔ تمھیں معلوم ہے کہ کوئلہ گہری کھانوں سے نکلتا ہے۔ یہ کھانیں اصل میں پرانے زمانے کے جنگل ہیں۔

شروع شروع میں زمین کے جانوروں میں بڑے بڑے سانپ، چھپکلیاں اور گھڑیال تھے۔ ان میں سے بعض سو فٹ لمبے تھے۔ سو فٹ لمبے سانپ یا چھپکلی کا ذرا دھیان تو کرو۔ تمھیں یاد ہوگا کہ تم نے ان جانوروں کی ہڈیاں لندن کے عجائب گھر میں دیکھی تھیں۔

اس کے بعد وہ جانور پیدا ہوئے جو کچھ کچھ حال کے جانوروں سے ملتے ہیں۔ یہ

اپنے بچوں کو دودھ پلاتے تھے۔ پہلے وہ بھی آج کل کے جانوروں سے بہت بڑے ہوتے تھے۔ جو جانور آدمی سے بہت ملتا جلتا ہے وہ بندر یا بن مانس ہے۔ اس سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ آدمی بن مانس کی نسل ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جیسے اور جانوروں نے اپنے کو آس پاس کی چیزوں کے انوکول بنالیا اور ترقی کرتے گئے اسی طرح آدمی بھی پہلے ایک اونچے قسم کا بن مانس تھا۔ یہ سچ ہے کہ یہ ترقی کرتا گیا یا یوں کہو کہ پرکرتی اسے سدھارتی گئی۔ پر آج اس کے گھمنڈ کا ٹھکانا نہیں۔ یہ خیال کرتا ہے کہ اور جانوروں سے اس کا مقابلہ ہی کیا۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم بندروں اور بن مانسوں کے بھائی بند ہیں اور آج شاید ہم میں سے بیشتروں کا سوبھاو بندروں جیسا ہے۔

آدمی کب پیدا ہوا

میں نے تمھیں پچھلے خط میں بتلایا تھا کہ پہلے دنیا میں بہت نیچے درجے کے جانور پیدا ہوئے اور دھیرے دھیرے ترقی کرتے ہوئے لاکھوں برس میں اس صورت میں آئے جو ہمیں آج دیکھتے ہیں۔ ہمیں ایک بڑی دلچسپ بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جاندار ہمیشہ اپنے کو آس پاس کی چیزوں سے ملانے کی کوشش کرتے گئے۔ ان کوششوں سے ان میں نئی نئی تبدیلیاں پیدا ہوگئیں اور وہ زیادہ اونچے درجے کے جانور ہوتے گئے۔ ہمیں یہ تبدیلی اور ترقی کئی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شروع شروع کے جانوروں میں ہڈیاں نہ تھیں، لیکن ہڈیوں کے بغیر وہ بہت دنوں تک جیتے نہ رہ سکتے تھے اس لیے ان میں وہ ہڈیاں پیدا ہوگئیں۔ سب سے پہلے ریڑھ کی ہڈی پیدا ہوئی۔ اس طرح دو قسم کے جانور ہوگئے۔ ہڈی والے اور بغیر ہڈی والے۔ جن آدمیوں اور جانوروں کو تم دیکھتی ہو وہ سب ہڈی والے ہیں۔

ایک اور مثال لو۔ نیچے درجے کے جانوروں میں مچھلیاں انڈے دے کر انھیں چھوڑ دیتی ہیں۔ وہ ایک ساتھ ہزاروں انڈے دیتی ہیں۔ لیکن ان کی بالکل پرواہ نہیں کرتیں۔ ماں بچوں کی بالکل خبر نہیں لیتی۔ وہ انڈوں کو چھوڑ دیتی ہیں اور ان کے پاس کبھی نہیں آتیں۔ ان انڈوں کی حفاظت تو کوئی کرتا نہیں اس لیے زیادہ تر مرجاتے ہیں بہت تھوڑے سے انڈوں سے مچھلیاں نکلتی ہیں۔ کتنی جانیں برباد ہوجاتی ہیں! لیکن اونچے درجے کے جانوروں کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ان کے انڈے یا بچے کم ہوتے ہیں لیکن وہ ان کی خوب حفاظت کرتے ہیں۔ مرغی بھی انڈے دیتی ہے۔ لیکن وہ ان پر بیٹھتی ہے اور انھیں سیتی ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں تو وہ کئی دن تک انھیں چگاتی ہے جب بچے بڑے ہوجاتے ہیں، تب ماں ان کی فکر چھوڑ دیتی ہے۔

ان جانوروں میں اور ان جانوروں جو بچے کو دودھ پلاتے ہیں بڑا فرق ہے۔ یہ جانور انڈے نہیں دیتے۔ ماں انڈے کو اپنے اندر لیے رہتی ہے اور پورے طور پر بنے ہوئے بچے جنتی ہے۔ جیسے کتے، بلی یا خرگوش۔ اس کے بعد ماں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے، لیکن

ان جانوروں میں بھی بہت سے بچے برباد ہوجاتے ہیں۔ خرگوش کے کئی کئی مہینوں کے بعد بہت سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر مرجاتے ہیں۔ لیکن اونچے درجے کے جانور ایک ہی بچہ دیتے ہیں اور بچے کو اچھی طرح پالتے پوستے ہیں جیسے ہاتھی۔

اب تم کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جانور جیوں جیوں ترقی کرتے ہیں وہ انڈے نہیں دیتے بلکہ اپنی پوری صورت کے بنے ہوئے بچے جنتے ہیں جو صرف کچھ چھوٹے ہیں۔ اونچے درجے کے جانور عام طور پر ایک وقت میں ایک ہی بچے کو جنم دیتے ہیں۔ تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اونچے جانوروں کو اپنے بچوں سے تھوڑا بہت پریم ہوتا ہے۔ آدمی سب سے اونچے درجے کا جانور ہے۔ اس لیے ماں اور باپ اپنے بچوں کو بہت پیار کرتے ہیں ان کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی ضرور نیچے درجے کے جانوروں سے پیدا ہوا ہوگا۔ شاید شروع کے آدمی آج کل کے آدمیوں کی طرح تھے ہی نہیں۔ وہ آدھے بن مانس اور آدھے آدمی رہے ہوں گے اور بندروں کی طرح رہتے ہوں گے۔ تمھیں یاد ہے کہ جرمنی کے ہائیڈل برگ میں تم ہم لوگوں کے ساتھ ایک پروفیسر سے ملنے گئی تھیں؟ انھوں نے ایک عجائب خانہ دکھایا تھا جس میں پرانی ہڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ خاص کر ایک پرانی کھوپڑی جسے وہ صندوق میں رکھے ہوئے تھے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ شروع شروع کے آدمی کی کھوپڑی ہوگی۔ ہم اب اسے ہائیڈل برگ کا آدمی کہتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ کھوپڑی ہائیڈل برگ کے پاس گڑی ہوئی ملی تھی۔ یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ اس زمانے میں نہ تو ہائیڈل برگ کا پتہ تھا نہ کسی دوسرے شہر کا۔

اس پرانے زمانے میں جب کہ آدمی ادھر ادھر گھومتے پھرتے تھے، بڑی سخت سردی پڑتی تھی۔ اسی لیے اسے برف کا زمانہ کہتے ہیں۔ برف کے بڑے بڑے پہاڑ جیسے آج کل اتری دُھرو کے پاس ہے، انگلینڈ اور جرمنی تک بہتے چلے جاتے تھے۔ آدمیوں کا رہنا بہت مشکل ہوتا ہوگا اور انھیں بڑی تکلیف سے دن کاٹنے پڑتے ہوں گے، وہ وہیں رہ سکتے ہوں گے۔ جہاں برف کے پہاڑ نہ ہوں۔ ویگیانک لوگوں نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں بھومدھیہ ساگر نہ تھا بلکہ وہاں ایک یا دو جھیلیں تھیں۔ لال ساگر بھی نہ تھا۔ یہ سب زمین تھی۔ شاید ہندوستان کا بڑا حصہ ٹاپو تھا۔ اور ہمارے صوبے پنجاب کا کچھ حصہ سمندر تھا۔ خیال کرو

کہ سارا دکشنی ہندستان اور مدھیہ ہندستان ایک بہت بڑا دویپ ہے اور ہمالیہ اور اس کے بیچ سمندر لہریں مار رہا ہے۔ تب شاید تمھیں جہاز میں بیٹھ کر مسوری جانا پڑتا۔

شروع شروع میں جب آدمی پیدا ہوا تو اس کے چاروں طرف بڑے بڑے جانور رہے ہوں گے اور اسے ان سے برابر کھٹکا لگا رہتا ہوگا۔ آج آدمی دنیا کا مالک ہے اور جانوروں سے جو کام چاہتا ہے کرا لیتا ہے۔ بعضوں کو وہ پال لیتا ہے جیسے گھوڑا، گائے، ہاتھی، کتا، بلی وغیرہ۔ بعضوں کو وہ کھاتا ہے۔ اور بعضوں کا وہ دل بہلانے کے لیے شکار کرتا ہے جیسے شیر اور چیتا، لیکن اس زمانے میں وہ مالک نہ تھا، بلکہ بڑے بڑے جانور اسی کا شکار کرتے تھے اور وہ ان سے جان بچاتا پھرتا تھا۔ مگر دھیرے دھیرے اس نے ترقی کی اور دن بہ دن زیادہ طاقت ور ہوتا گیا، یہاں تک کہ وہ سب جانوروں سے مضبوط ہوگیا۔ یہ بات اس میں کیسے پیدا ہوئی؟ بدن کی طاقت سے نہیں کیونکہ ہاتھی اس سے کہیں زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ بدھی اور دماغ کی طاقت سے اس میں یہ بات پیدا ہوئی۔

آدمی کی عقل کیسے دھیرے دھیرے بڑھتی گئی اس کا شروع سے آج تک پتا ہم لگا سکتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ بدھی ہی آدمیوں کو اور جانوروں سے الگ کر دیتی ہے۔ بنا سمجھ کے آدمی اور جانور میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پہلی چیز، جس کا آدمی نے پتا لگایا وہ شاید آگ تھی۔ آج کل ہم دیا سلائی سے آگ جلاتے ہیں۔ لیکن دیا سلائیاں تو ابھی حال میں بنی ہیں۔ پرانے زمانے میں آگ بنانے کا یہ طریقہ تھا کہ وہ چکمک پتھروں کو رگڑتے تھے یہاں تک کہ چنگاری نکل آتی تھی اور اس چنگاری سے سوکھی گھاس یا کسی دوسری سوکھی چیز میں آگ لگ جاتی تھی، جنگلوں میں کبھی کبھی پتھروں کی رگڑ یا کسی دوسری سوکھی چیز کی رگڑ سے آپ ہی آگ لگ جاتی ہے۔ جانوروں میں اتنی عقل کہاں تھی کہ اس سے کوئی مطلب کی بات سوچتے۔ لیکن آدمی زیادہ ہوشیار تھا اس نے آگ کے فائدے دیکھے۔ یہ جاڑوں میں اسے گرم رکھتی تھی اور بڑے بڑے جانوروں کو، جو اس کے دشمن تھے، بھگا دیتی تھی۔ اس لیے جب کبھی آگ لگ جاتی تھی تو مرد اور عورت اس میں سوکھی پتیاں پھینک پھینک کر اسے جلائے رکھنے کی کوشش کرتے ہوں گے۔ دھیرے دھیرے انہیں معلوم ہوگیا کہ وہ چکمک پتھروں کو رگڑ کر خود آگ پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے یہ بڑے موقعے کی بات تھی، کیونکہ اس نے انھیں دوسرے جانوروں سے طاقتور بنادیا۔ آدمی کو دنیا کا مالک بننے کا راستہ مل گیا۔

شروع کے آدمی

میں نے اپنے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ آدمی اور جانور میں صرف عقل کا فرق ہے۔ عقل نے آدمی کو ان بڑے بڑے جانوروں سے زیادہ چالاک اور مضبوط بنادیا جو معمولی طور پر اسے نشٹ کرڈالتے۔ جیوں جیوں آدمی کی عقل بڑھتی گئی وہ زیادہ بلوان ہوتا گیا۔ شروع میں آدمی کے پاس جانوروں سے مقابلہ کرنے کے لیے کوئی ہتھیار نہ تھے۔ وہ ان پر صرف پتھر پھینک سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے پتھر کی کلہاڑیاں اور بھالے اور بہت سی دوسری چیزیں بھی بنائی جن میں پتھر کی سوئی بھی تھی۔

دھیرے دھیرے برف کا زمانہ ختم ہوگیا جس کا میں نے اپنے پچھلے خط میں ذکر کیا ہے۔ برف کے پہاڑ مدھیہ ایشیا اور یورپ سے غائب ہوگئے۔ جیوں جیوں گرمی بڑھتی گئی آدمی پھیلتے گئے۔

اس زمانے میں نہ تو مکان تھے اور نہ کوئی دوسری عمارت تھی۔ لوگ گپھاؤں میں رہتے تھے۔ کھیتی کرنا کسی کو نہ آتا تھا۔ لوگ جنگلی پھل کھاتے تھے یا جانوروں کا شکار کرکے مانس کھاکر رہتے تھے۔ روٹی اور بھات انھیں کہاں میسر ہوتا کیوں کہ انھیں کھیتی کرنی آتی ہی نہ تھی۔ وہ پکانا بھی نہ جانتے تھے، ہاں شاید مانس کو آگ میں گرم کرلیتے ہوں۔ ان کے پاس پکانے کے برتن، جیسے کڑھائی اور پتیلی بھی نہ تھی۔

ایک بات بڑی عجیب ہے۔ ان جنگلی آدمیوں کو تصویر کھینچنا آتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ ان کے پاس کاغذ، قلم، پینسل یا برش نہ تھے۔ ان کے پاس صرف پتھر کی سوئیاں اور نوکدار اوزار تھے۔ انھی سے وہ گپھاؤں کی دیواروں پر جانوروں کی تصویریں بنایا کرتے تھے۔ ان کے بعض بعض خاکے خاصے اچھے ہیں۔ تمھیں معلوم ہے کہ یک رخی تصویر کھینچنا آسان ہے اور بچے اسی طرح کی تصویریں کھینچا کرتے ہیں۔ گپھاؤں میں اندھیرا ہوتا تھا اس لیے ممکن ہے کہ وہ چراغ جلاتے ہوں گے۔

جن آدمیوں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، وہ پاشانڑ یا پتھر ویگ کے آدمی کہلاتے ہیں۔ اس زمانے کو پتھر کا یگ اس لیے کہتے ہیں کہ آدمی اپنے سبھی اوزار پتھر کے بناتے تھے۔

دھاتوؤں کو کام میں لینا وہ نہ جانتے تھے۔ آج کل ہماری چیزیں اکثر دھاتوؤں سے بنتی ہیں، خاص کر لوہے سے۔ لیکن اس زمانے میں کسی کو لوہے یا کانسے کا پتہ نہ تھا اس لیے پتھر کام میں لایا جاتا تھا، حالانکہ اس سے کوئی کام کرنا بہت مشکل تھا۔

پاشانڑ یگ کے ختم ہونے کے پہلے ہی دنیا کی آب و ہوا بدل گئی اور اس میں گرمی آ گئی۔ برف کے پہاڑ اب اتری ساگر تک ہی رہتے تھے اور مدھیہ ایشیا اور یورپ میں بڑے بڑے جنگل پیدا ہوگئے۔ انھیں جنگلوں میں آدمیوں کی ایک نئی قوم رہنے لگی۔ یہ لوگ بہت سی باتوں میں پتھر کے آدمیوں سے زیادہ ہوشیار تھے لیکن وہ بھی پتھر کے ہی اوزار بناتے تھے، یہ لوگ بھی پتھر ہی کے یگ کے تھے، مگر وہ پچھلا پتھر کا یگ تھا اس لیے وہ نئے پتھر کے یگ کے آدمی کہلاتے تھے۔

غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نئے پتھر کے یگ کے آدمیوں نے بڑی ترقی کرلی تھی۔ آدمی کی عقل اور جانوروں کے مقابلے میں اسے تیزی سے بڑھائے لئے جارہی ہے۔ انھیں نئے پاشانڑ یگ کے آدمیوں نے ایک بہت بڑی چیز نکالی۔ یہ کھیتی کرنے کا طریقہ تھا۔ انھوں نے کھیتوں کو جوت کر کھانے کی چیزیں پیدا کرنی شروع کیں۔ ان کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی اب انھیں آسانی سے کھانا مل جاتا تھا، اس کی ضرورت نہ تھی کہ وہ رات دن جانوروں کا شکار کرتے رہے اب انھیں سوچنے اور آرام کرنے کی زیادہ فرصت ملنے لگی اور انھیں جتنی ہی زیادہ فرصت ملتی تھی نئی چیزیں اور طریقے نکالنے میں وہ اتنی ہی زیادہ ترقی کرتے تھے۔ انھوں نے مٹی کے برتن بنانے شروع کیے اور ان کی مدد سے کھانا بنانے لگے۔ پتھر کے اوزار بھی زیادہ اچھے بننے لگے اور ان پر پالش بھی اچھی ہونے لگی۔ انھوں نے گائے، کتا، بھیڑ، بکری وغیرہ جانوروں کو پالنا سیکھ لیا اور وہ کپڑا بھی بننے لگے۔

وہ چھوٹے چھوٹے گھروں یا جھونپڑی میں رہتے تھے۔ یہ جھونپڑے اکثر جھیلوں کے بیچ میں بنائے جاتے تھے، کیونکہ جنگلی جانور یا دوسرے آدمی وہاں ان پر آسانی سے حملہ نہ کرسکتے تھے۔ اس لیے وہ لوگ جھیل کے رہنے والے کہلاتے تھے۔

تمھیں اچنبھا ہوتا ہوگا کہ ان آدمیوں کے بارے میں ہمیں اتنی باتیں کیسے معلوم ہوگئیں۔ انھوں نے کوئی کتاب تو لکھی نہیں لیکن میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ان آدمیوں کا حال جس کتاب میں ہمیں ملتا ہے وہ سنسار کی کتاب ہے۔ اسے پڑھنا آسان

نہیں۔ اس لیے بڑے ابھیاس کی ضرورت ہے۔ بہت سے آدمیوں نے اس کتاب کے پڑھنے میں اپنی ساری عمر ختم کردی۔ انھوں نے بہت سی ہڈیاں اور پرانے زمانے کی بہت سی نشانیاں جمع کردی ہیں۔ یہ چیزیں بڑے بڑے عجائب گھروں میں جمع ہیں اور وہاں ہم عمدہ چمکتی ہوئی کلہاڑیاں اور برتن پتھر کے تیر اور سوئیاں بہت سی دوسری چیزیں دیکھ سکتے ہیں جو پچھلے پتھر یگ کے آدمی بناتے تھے۔تم نے خود ان میں بہت سی چیزیں دیکھی ہیں لیکن شاید تمھیں یاد نہ ہو، اگر تم پھر انھیں دیکھوتو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکو گی۔

مجھے یاد آتا ہے کہ جینوا کے عجائب گھر میں جھیل کے مکان کا ایک بہت اچھا نمونہ رکھا ہوا تھا۔جھیل میں لکڑی کے ڈنڈے گاڑ دیے گئے تھے۔ اور ان کے اوپر لکڑی کے تختے باندھ کر ان پر جھونپڑیاں بنائی گئی تھیں۔ اس گھر اور زمین کے بیچ میں ایک چھوٹا سا پُل بنادیا گیا تھا۔ یہ پچھلے پتھر کے یگ والے آدمی جانوروں کی کھالیں پہنتے تھے اور کبھی کبھی سن کے موٹے کپڑے بھی پہنتے تھے۔سن ایک پودا ہے۔ جس کے ریشوں سے کپڑا بنتا ہے۔ آج کل سن سے مہین کپڑے بنائے جاتے ہیں۔ لیکن اس زمانے کے سن کے کپڑے بہت ہی بھدے رہے ہوں گے۔

یہ لوگ اسی طرح ترقی کرتے چلے گئے، یہاں تک کہ انھوں نے تانبے اور کانسے کے اوزار بنانے شروع کیے۔تمھیں معلوم ہے کہ کانسہ تانبے اور رانگے کے میل سے بنتا ہے۔ اور ان دونوں سے زیادہ سخت بنتا ہے۔ وہ سونے کا استعمال کرنا بھی جانتے تھے اور اس کے زیور بنا کر اتراتے تھے۔

ہمیں یہ ٹھیک تو معلوم نہیں کہ ان لوگوں کو ہوئے کتنے دن گزرے لیکن انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ دس ہزار سال سے کم نہ ہوئے ہوں گے۔ ابھی تک تو ہم لاکھوں برسوں کی باتیں کررہے تھے، لیکن دھیرے دھیرے ہم آج کل کے زمانے کے قریب آتے جاتے ہیں۔ نئے پاشانڑ یگ کے آدمیوں میں اور یکایک کوئی تبدیلی نہیں آگئی۔ پھر بھی ہم ان کے سے نہیں ہیں۔ جو کچھ تبدیلیاں ہوئیں بہت دھیرے دھیرے ہوئیں اور یہی پرکرتی کا نیم ہے۔ طرح طرح کی قومیں پیدا ہوئیں اور ہر ایک قوم کے رہن سہن کا ڈھنگ الگ تھا۔ دنیا کے الگ الگ حصوں کی آب و ہوا میں بہت فرق تھا اور آدمی کو اپنا رہن سہن اسی کے مطابق بنانا پڑتا تھا۔ اس طرح لوگوں میں تبدیلیاں ہوتی جاتی تھیں۔ لیکن اس بات کا ذکر ہم آگے چل

کر کریں گے۔

آج میں تم سے ایک بات کا ذکر اور کروں گا۔ جب نیا پتھر کا یگ ختم ہو رہا تھا تو آدمی پر ایک بڑی آفت آئی۔ میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اس زمانے میں مدھیہ ساگر تھا ہی نہیں۔ وہاں چند جھیلیں تھیں اور انھیں میں لوگ آباد تھے۔ یکایک یوروپ اور افریقہ کے بیچ زیبرالٹر کے پاس زمین بہہ گئی اور اٹلانٹک سمندر کا پانی اس نیچے کھڈّے میں بھر گیا۔ اس باڑھ میں بہت سے آدمی اور عورتیں جو وہاں رہتے تھے ڈوب گئے ہوں گے۔ بھاگ کر جاتے کہاں؟ سینکڑوں میل تک پانی کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ اٹلانٹک ساگر کا پانی برابر بھرتا گیا۔ اور اتنا بھرا کہ بھو مدھیہ ساگر بن گیا۔

تم نے شاید پڑھا ہوگا، کم سے کم سنا تو ہے ہی، کہ کسی زمانے میں بڑی بھاری باڑھ آئی تھی۔ بائیبل میں اس کا ذکر ہے اور بعض سنسکرت کی کتابوں میں بھی اس کی چرچا آئی ہے۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ مدھیہ ساگر کا بھرنا ہی وہ باڑھ ہوگی۔ یہ اتنی بڑی آفت تھی کہ اس سے بہت تھوڑے آدمی بچے ہوں گے۔ اور انھوں نے اپنے بچوں سے یہ حال کہا ہوگا۔ اسی طرح یہ کہانی ہم تک پہنچی۔

طرح طرح کی قومیں کیوں کر بنیں

اپنے پچھلے خط میں میں نے نئے پتھر یگ کے آدمیوں کا ذکر کیا تھا جو خاص کر جھیلوں کے بیچ میں مکانوں میں رہتے تھے۔ ان لوگوں نے بہت سی باتوں میں بڑی ترقی کرلی تھی۔ انھوں نے کھیتی کرنے کا طریقہ نکالا۔ وہ کھانا پکانا جانتے تھے، یہ بھی جانتے تھے کہ جانوروں کو پال کر کیسے کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ باتیں کئی ہزار ورش پرانی ہیں اور ہمیں ان کا حال بہت کم معلوم ہے لیکن شاید آج دنیا میں آدمیوں کی جتنی قومیں ہیں ان میں سے اکثر انھیں نئے پتھر یگ کے آدمیوں کی سنتان ہیں۔ یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ آج کل دنیا میں گورے، کالے، پیلے، بھورے سبھی رنگوں کے آدمی ہیں۔ لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ آدمیوں کی قوموں کو انھیں چار حصوں میں بانٹ دینا آسان نہیں ہے۔ قوموں میں ایسا میل جول ہوگیا ہے کہ ان میں سے بہتوں کے بارے میں یہ بتلانا کہ وہ کس قوم میں سے ہیں، بہت مشکل ہے۔ وِگیانِک لوگ آدمیوں کے سروں کو ناپ کر کبھی کبھی ان کی قوم کا پتا لگا لیتے ہیں، اور بھی ایسے کئی طریقے ہیں جن سے اس بات کا پتہ چل سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ طرح طرح کی قومیں کیسے پیدا ہوئیں؟ اگر سب کے سب ایک ہی قوم کے ہیں تو ان میں آج اتنا فرق کیوں ہے؟ جرمن اور حبشی میں کتنا فرق ہے! ایک گورا ہے اور دوسرا بالکل کالا۔ جرمن کے بال ہلکے رنگ کے اور لمبے ہوتے ہیں مگر حبشی کے بال کالے، چھوٹے اور گھنگھر الے ہوتے ہیں۔ چینی کو دیکھو تو وہ ان دونوں سے الگ ہیں۔ تو یہ بتلانا بہت مشکل ہے کہ یہ فرق کیوں کر پیدا ہوگیا، ہاں اس کے کچھ کارن ہمیں معلوم ہیں۔ میں تمھیں پہلے ہی بتلاچکا ہوں کہ جوں جوں جانوروں کا رنگ ڈھنگ آس پاس کی چیزوں کے مطابق ہوتا گیا۔ ان میں دھیرے دھیرے تبدیلیاں پیدا ہوتی گئیں۔ ہوسکتا ہے کہ جرمن اور حبشی الگ الگ قوموں سے پیدا ہوئے ہوں لیکن کسی نہ کسی زمانے میں ان کے پُرکھے ایک ہی رہے ہوں گے۔ ان میں جو فرق پیدا ہوا اس کی وجہ یا تو یہ ہوسکتی ہے کہ انھیں اپنا رہن سہن اپنے پاس پڑوس کی چیزوں کے مطابق بنانا پڑا یا یہ کہ بعض جانوروں کی طرح کچھ جاتیوں نے اوروں سے زیادہ آسانی کے ساتھ اپنا رہن سہن بدل دیا ہو۔

میں تم کو اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ جو آدمی اتر کے ٹھنڈے اور برفیلے ملکوں میں رہتا ہے۔ اس میں سردی برداشت کرنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس زمانے میں بھی اسکیمو جاتی والے اتر کے برفیلے میدانوں میں رہتے ہیں اور وہاں کی بھیانک سردی برداشت کرتے ہیں۔ اگر وہ ہمارے جیسے گرم ملک میں آئیں تو شاید جیتے ہی نہ رہ سکیں اور چونکہ وہ دنیا کے اور حصوں سے الگ ہیں اور انھیں بڑی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انھیں دنیا کی اتنی باتیں نہیں معلوم ہوئیں جتنی اور حصوں کے رہنے والے جانتے ہیں۔ جو لوگ افریقہ یا وشووت ریکھا کے پاس رہتے ہیں، جہاں بڑی سخت گرمی پڑتی ہے، اس گرمی کے عادی ہوجاتے ہیں۔ اسی تیز دھوپ کی سبب سے ان کا رنگ کالا ہوجاتا ہے۔ یہ تو تم نے دیکھا ہی ہے کہ اگر تم سمندر کے کنارے یا کہیں اور دیر تک دھوپ میں بیٹھو تو تمھارا چہرہ سانولا ہوجاتا ہے۔ اگر چند ہفتوں تک دھوپ کھانے سے آدمی کچھ کالا پڑجاتا ہے تو وہ آدمی کتنا کالا ہوگا جسے ہمیشہ دھوپ ہی میں رہنا پڑتا ہے۔ تو پھر جو لوگ سینکڑوں ورشوں تک گرم ملکوں میں رہیں اور وہاں رہتے ان کی کئی پیڑھیاں گزر جائیں ان کے کالے ہوجانے میں کیا تعجب ہے۔ تم نے ہندستانی کسانوں کو دوپہری کی دھوپ میں کھیتوں میں کام کرتے دیکھا ہے وہ غریبی کی وجہ سے نہ زیادہ کپڑے پہن سکتے ہیں، نہ پہنتے ہی ہیں۔ ان کی ساری دیہہ دھوپ میں کھلی رہتی ہے اور اسی طرح ان کی پوری عمر گزر جاتی ہے۔ پھر وہ کیوں نہ کالے ہوجائیں۔

اس سے تمھیں یہ معلوم ہوا کہ آدمی کا رنگ اس آب و ہوا کی وجہ سے بدل جاتا ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ رنگ سے آدمی کی لیاقت، بھلمنسی یا خوبصورتی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر گورا آدمی کسی گرم ملک میں بہت دنوں تک رہے اور دھوپ سے بچنے کے لئے ٹٹیوں کی آڑ میں یا پنکھوں کے نیچے نہ چھپا بیٹھا رہے تو وہ ضرور سانولا ہوجائے گا۔ تمھیں معلوم ہے کہ ہم لوگ کشمیری ہیں اور سو سال پہلے ہمارے پُرکھے کشمیر میں رہتے تھے۔ کشمیر میں سبھی آدمی یہاں تک کے کسان اور مزدور بھی، گورے ہوتے ہیں اس کا سبب یہی ہے کہ کشمیر کی آب و ہوا سرد ہے لیکن وہی کشمیری جب ہندستان کے دوسرے حصوں میں آتے ہیں جہاں زیادہ گرمی پڑتی ہے، کئی پشتوں کے بعد سانولے ہوجاتے ہیں۔ ہمارے بہت سے کشمیری بھائی خوب گورے ہیں اور بہت سے بالکل سانولے بھی ہیں۔ کشمیری جتنے زیادہ دنوں تک ہندستان

کے اس حصے میں رہے گا اس کا رنگ اتنا ہی سانولا ہوگا۔

اب تم سمجھ گئیں کہ آب و ہوا کی ہی وجہ سے آدمی کا رنگ بدل جاتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ گرم ملک میں رہیں لیکن مالدار ہونے کی وجہ سے انھیں دھوپ میں کام نہ کرنا پڑے وہ بڑے بڑے مکانوں میں رہیں اور اپنے آپ کو بچاسکیں۔ امیر خاندان اس طرح کئی پیڑھیوں تک اپنے رنگ کو آب و ہوا کے اثر سے بچائے رکھ سکتا ہے۔ لیکن اپنے ہاتھوں سے کام نہ کرنا اور دوسروں کی کمائی کھانا ایسی بات نہیں جس پر ہم غرور کرسکیں۔ تم نے دیکھا کہ ہندستان میں کشمیر اور پنجاب کے آدمی عام طور پر گورے ہوتے ہیں لیکن جیوں جیوں ہم دکشن جائیں وہ کالے ہوجاتے ہیں۔ مدراس اور لنکا میں یہ بالکل کالے ہوتے ہیں تم ضرور ہی سمجھ جاؤگی کہ اس کا سبب آب و ہوا ہے۔ کیونکہ دکشن کی طرف ہم جتنا ہی بڑھیں، وشووت ریکھا کے پاس پہنچتے جاتے ہیں اور گرمی بڑھتی جاتی ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے اور یہی ایک خاص وجہ ہے کہ ہندستانیوں کے رنگ میں اتنا فرق ہے۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ یہ فرق کچھ اس وجہ سے بھی ہے کہ شروع میں جو قومیں ہندستان میں آکر بسی تھیں ان میں آپس میں فرق تھا۔ پرانے زمانے میں ہندستان میں بہت سی قومیں آئیں اور حالانکہ بہت دنوں تک انھوں نے الگ رہنے کی کوشش کی لیکن وہ آخر میں بنا ملے نہ رہ سکیں۔ آج کسی ہندستانی کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ پوری طرح سے کسی ایک اصلی قوم کا ہے۔

آدمیوں کی قومیں اور زبانیں

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کے کس حصہ میں پہلے پہل آدمی پیدا ہوئے۔ نہ ہمیں یہی معلوم ہے کہ شروع میں وہ کہاں آباد ہوئے۔ شاید آدمی ایک ہی وقت میں کچھ آگے پیچھے دنیا کے کئی حصوں میں پیدا ہوئے۔ ہاں! اس میں زیادہ سند یہ نہیں کہ جیوں جیوں برف کے زمانے کے بڑے بڑے برفیلے پہاڑ پگھلتے اور اتر کی اور ہٹتے جاتے تھے، آدمی زیادہ گرم حصوں میں آتے جاتے تھے۔ برف کے پگھل جانے کے بعد بڑے بڑے میدان بن گئے ہوں گے۔ کچھ انھی میدانوں کی طرح جو آج کل سائبیریا میں ہیں۔ اس زمین پر گھاس اگ آئی اور آدمی اپنے جانوروں کو چرانے کے لیے ادھر ادھر گھومتے پھرتے ہوں گے۔ جو لوگ کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہتے بلکہ ہمیشہ گھومتے رہتے ہیں "خانہ بدوش" کہلاتے ہیں۔ آج بھی ہندستان اور بہت سے دوسرے ملکوں میں یہ خانہ بدوش یا بنجارے موجود ہیں۔

آدمی بری بڑی ندیوں کے پاس آباد ہوئے ہوں گے، کیونکہ ندیوں کے پاس کی زمین بہت اپجاؤ اور کھیتی کے لیے بہت اچھی ہوتی ہے۔ پانی کی تو کوئی کمی تھی ہی نہیں اور زمین میں کھانے کی چیزیں آسانی سے پیدا ہوجاتی تھیں، اس لیے ہمارا خیال ہے کہ ہندستان میں لوگ سندھ اور گنگا جیسی بڑی بڑی ندیوں کے پاس بسے ہوں گے، میسو پوٹامیا میں دجلہ اور فرات کے پاس، مصر میں نیل ندی کے پاس اور اسی طرح چین میں بھی ہوا ہوگا۔

ہندستان کی سب سے پرانی قوم، جس کا حال ہمیں کچھ معلوم ہے، دراوڑ ہے۔ اس کے بعد، ہم جیسا آگے دیکھیں گے، آریہ آئے اور پورب میں منگول جاتی کے لوگ آئے۔ آج کل بھی دکشنی ہندستان کے آدمیوں میں بہت سے دراوڑوں کی سنتانیں ہیں۔ یہ اتر کے آدمیوں سے زیادہ کالے ہیں، اس لیے کہ شاید دراوڑ لوگ ہندستان میں اور زیادہ دنوں سے رہ رہے ہیں۔ دراوڑ جاتی والوں نے بڑی انتی کرلی تھی، اس کی الگ ایک زبان تھی اور وہ دوسری جاتی والوں سے بڑا دیاپار بھی کرتے تھے۔ لیکن ہم بہت تیزی سے بڑھے جارہے ہیں۔

اس زمانے میں پچھمی ایشیا اور پوربی یوروپ میں ایک نئی جاتی پیدا ہورہی تھی۔ یہ

آریہ کہلاتی تھی۔ سنسکرت میں آریہ شبدھ کا ارتھ ہے شریف آدمی یا اونچے کُل کا آدمی۔ سنسکرت آریوں کی ایک زبان تھی اسی لیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے کو بہت شریف اور خاندانی سمجھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی آج کل کے آدمیوں کی ہی طرح شیخی باز تھے۔ تمھیں معلوم ہے کہ انگریز اپنے کو دنیا میں سب سے بڑھ کر سمجھتا ہے، فرانسیسی کا بھی یہی خیال ہے کہ میں ہی سب سے بڑا ہوں، اسی طرح جرمن، امریکن اور دوسری جاتیاں بھی اپنے بڑپّن کا راگ آلاپتی ہیں۔

یہ آریہ اتری ایشیا اور یوروپ کے چراگاہوں میں گھومتے رہتے تھے۔ لیکن جب ان کی آبادی بڑھ گئی اور پانی اور چارے کی کمی ہوگئی تو ان سب کے لیے کھانا ملنا مشکل ہوگیا اس لیے وہ کھانے کی تلاش میں دنیا کے دوسرے حصوں میں جانے کے لیے مجبور ہوئے۔ ایک طرف تو وہ سارے یوروپ میں پھیل گئے، دوسری طرف ہندستان، ایران، اور میسو پوٹامیا آپہنچے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یوروپ، اتری ہندستان اور میسوپوٹامیا کی سبھی جاتیاں اصل میں ایک ہی پرکھوں کی سنتان ہیں، یعنی آریوں کی، حالانکہ آج کل اس میں بڑا فرق ہے۔ یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ ادھر بہت زمانہ گزر گیا اور تب سے بڑی بڑی تبدیلیاں ہوگئیں اور قومیں آپس میں بہت کچھ مل گئیں اس طرح آج کی بہت سی جاتیوں کے پرکھے آریہ ہی تھے۔

دوسری طرف بڑی جاتی منگول ہیں۔ یہ سارے پوربی ایشیا ارتھات چین، جاپان، تبت، سیام (اب تھائی لینڈ) اور برما میں پھیل گئیں۔ انھیں کبھی کبھی پیلی جاتی بھی کہتے ہیں۔ ان کے گالوں کی ہڈیاں اونچی اور آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں۔

افریقہ اور کچھ دوسری جگہوں کے آدمی حبشی ہیں۔ وہ نہ آریہ ہیں، نہ منگول اور ان کا رنگ بہت کالا ہوتا ہے۔ عرب اور فلسطین کی جاتیاں عربی اور یہودی، ایک دوسری ہی جاتی سے پیدا ہوئیں۔

یہ سبھی جاتیاں ہزاروں سال کے دوران میں بہت سی چھوٹی جاتیوں میں بٹ گئی ہیں اور کچھ مل جل گئی ہیں۔ مگر ہم ان کی طرف دھیان نہ دیں گے۔ بھِنّ بھِنّ جاتیوں کے پہچاننے کا ایک اچھا اور دلچسپ طریقہ ان کی زبانوں کا پڑھنا ہے۔ شروع شروع میں ہر ایک جاتی کی ایک الگ زبان تھی، لیکن جیوں جیوں دن گزرتے گئے اس ایک زبان سے بہت سی

زبانیں نکلتی گئیں۔ لیکن یہ سب زبانیں ایک ہی ماں کی بیٹیاں ہیں۔ ہمیں ان زبانوں میں بہت سے شبدھ ایک سے ہی ملتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی گہرا ناتا ہے۔

جب آریہ ایشیا اور یوروپ میں پھیل گئے تو ان کا آپس میں میل جول نہ رہا۔ اس زمانے میں نہ ریل گاڑیاں تھیں، نہ تار و ڈاک، یہاں تک کہ لکھی ہوئی کتابیں تک نہ تھیں۔ اسی لیے آریوں کا ہر ایک حصہ ایک ہی زبان کو اپنے اپنے ڈھنگ سے بولتا تھا، اور کچھ دنوں کے بعد یہ اصلی زبان سے، یا آریہ دیشوں کی دوسری بہنوں سے، بالکل الگ ہو گئیں۔ یہی سبب ہے کہ آج دنیا میں اتنی زبانیں موجود ہیں۔

لیکن اگر ہم ان زبانوں کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ گو وہ بہت سی ہیں لیکن اصلی زبانیں بہت کم ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھو کہ جہاں جہاں آریہ جاتی کے لوگ گئے، وہاں ان کی زبان آریہ خاندان کی ہی رہی ہے۔ سنسکرت، لیٹن، یونانی، انگریز، فرانسیسی، جرمن، اٹالین اور بعض دوسری زبانیں سب بہنیں ہیں اور آریہ خاندان کی ہی ہیں۔ ہماری ہندستانی زبانوں میں بھی جیسے ہندی، اردو، بنگلہ، مراٹھی اور گجراتی سب سنسکرت کی سنتان ہیں اور آریہ پریوار میں شامل ہیں۔

زبان کا دوسرا بڑا خاندان چینی ہے۔ چینی، برمی، تبتی اور سیامی زبانیں اسی سے نکلی ہیں۔ تیسرا خاندان شیم زبان کا ہے۔ جس سے عربی اور عبرانی زبانیں نکلیں ہیں۔

کچھ زبانیں جیسے ترکی اور جاپانی ان میں سے کسی ونش میں نہیں ہیں۔ یہ چاروں دراوڑ خاندان کی ہیں اور بہت پرانی ہیں۔

زبانوں کا آپس میں رشتہ

ہم بتلا چکے ہیں کہ آریہ بہت سے ملکوں میں پھیل گئے اور جو کچھ بھی ان کی زبان تھی اسے اپنے ساتھ لیتے گئے۔ لیکن طرح طرح کی آب و ہوا اور طرح طرح کی حالتوں نے آریوں کی بڑی بڑی جاتیوں میں بہت فرق پیدا کردیا۔ ہر ایک جاتی اپنے ہی ڈھنگ پر بدلتی گئی اور اس کی عادتیں اور رسمیں بھی بدلتی گئیں۔ وہ دوسرے ملکوں میں دوسری جاتیوں سے نہ مل سکتے تھے کیونکہ اس زمانے میں سفر کرنا بہت مشکل تھا۔ ایک گروہ دوسرے سے الگ ہوتا تھا۔ اگر ایک ملک کے آدمیوں کو کوئی نئی بات معلوم ہوجاتی تو وہ اسے دوسرے ملک والوں کو نہ بتلا سکتے، اس طرح تبدیلیاں ہوتی گئیں اور کئی پشتوں کے بعد ایک آریہ جاتی کے بہت سے ٹکڑے ہوگئے۔ شاید وہ یہ بھی بھول گئے کہ ہم ایک ہی بڑے خاندان سے ہیں۔ ان کی ایک زبان سے بہت سی زبانیں پیدا ہوگئیں۔ جو آپس میں بہت کم ملتی جلتی تھیں۔

لیکن گو ان میں اتنا فرق معلوم ہوتا تھا، ان میں بہت سے شبد ایک ہی تھے اور کئی دوسری باتیں بھی ملتی جلتی تھیں۔ آج ہزاروں سال کے بعد بھی ہمیں طرح طرح کی بھاشاؤں میں ایک ہی شبد ملتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ بھاشائیں ایک ہی رہی ہوں گی۔ تمھیں معلوم ہے کہ فرانسیسی اور انگریزی میں بہت سے ایک جیسے شبد ہیں۔ وہ بہت گھریلو اور معمولی شبد لے لو، 'فادر' اور 'مدر' ہندی اور سنسکرت میں شبد 'پتا' اور 'ماتا' ہیں۔ لیٹن میں 'پیٹر' اور 'میٹر' ہیں۔ یونان میں 'پیٹر' اور 'میٹر' ہیں۔ جرمن میں 'فاٹیر' اور 'مٹر' فرانسیسی میں 'پیر' اور 'میر' اور اسی طرح اور زبانوں میں بھی یہ شبد آپس میں کتنے ملتے جلتے ہیں۔ بھائی بہنوں کی طرح ان کی صورتیں کتنی سمان ہیں۔ یہ سچ ہے کہ بہت سے شبد ایک بھاشا سے دوسری بھاشا میں آگئے ہوں گے۔ ہندی نے بہت سے شبد انگریزی سے لیے ہیں اور انگریزی نے بھی کچھ شبد ہندی سے لیے ہیں۔ لیکن فادر اور مدر اس طرح کبھی نہ لیے گئے ہوں گے۔ یہ نئے شبد نہیں ہوسکتے۔ شروع شروع میں لوگوں نے ایک دوسرے سے بات کرنی سیکھی تو اس وقت ماں باپ تو تھے ہی ان کے لیے شبد بھی بن گئے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شبد باہر سے نہیں آئے وہ ایک ہی پرکھے یا ایک ہی خاندان سے نکلے ہوں

گے اور اس سے ہمیں معلوم ہوسکتا ہے کہ جو قومیں آج دور دور کے ملکوں میں رہتی ہیں اور بھن بھن بھاشائیں بولتی ہیں وہ سب کسی زمانے میں ایک ہی بڑے خاندان کی رہی ہوں گی۔ تم نے دیکھ لیا نا کہ زبانوں کا سیکھنا کتنا دلچسپ ہے اور اس سے ہمیں کتنی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اگر ہم تین چار زبانیں جان جائیں تو اور زبانوں کا سیکھنا آسان ہوجاتا ہے۔

تم نے یہ بھی دیکھا کہ بہت سے آدمی جو اب دور دور ملکوں میں ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں، کسی زمانے میں ایک قوم کے تھے۔ تب سے ہم میں بہت فرق ہوگیا ہے۔ اور ہم اپنے پرانے رشتے بھول گئے ہیں۔ ہر ایک ملک کے آدمی خیال کرتے ہیں کہ ہم ہی سب سے اچھے اور عقل مند ہیں اور دوسری جاتیاں ہم سے گھٹیا ہیں۔ انگریز خیال کرتا ہے کہ وہ اور اس کا ملک سب سے اچھا ہے، فرانسیسی کو اپنے ملک اور اپنی فرانسیسی چیزوں پر گھمنڈ ہے۔ جرمن اور ایٹالین اپنے ملکوں کو سب سے اونچا سمجھتے ہیں۔ اور بہت سے ہندوستانیوں کا خیال ہے کہ ہندوستان بہت سی باتوں میں ساری دنیا سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ سب ڈینگ ہے۔ ہر ایک آدمی اپنے کو اور اپنے ملک کو اچھا سمجھتا ہے لیکن دراصل کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس میں کچھ عیب اور کچھ ہنر نہ ہوں اسی طرح کوئی ایسا ملک نہیں ہے جس میں کچھ باتیں اچھی اور کچھ بری نہ ہوں۔ ہمیں جہاں کوئی اچھی بات ملے اسے لے لینا چاہیے اور برائی جہاں کہیں ہو اسے دور کردینا چاہیے ہمیں تو اپنا ملک ہندستان کی سب سے زیادہ فکر ہے۔ ہمارے دربھاگیہ سے اس زندگی میں کوئی خوشی نہیں ہے۔ ہمیں اس کا پتا لگانا ہے کہ ہم انھیں کیسے سکھی بناسکتے ہیں۔ یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے رسم و رواج میں کیا خوبیاں ہیں۔ اور ان کو بچانے کی کوشش کرنا ہے، جو برائیاں ہیں انھیں دور کرنا ہے۔ اگر ہمیں دوسرے ملکوں میں کوئی اچھی بات ملے تو ہمیں اسے ضرور لے لینا چاہیے۔

ہم ہندستانی ہیں اور ہمیں ہندستان میں رہنا ہے۔ اور اس کی بھلائی کے لیے کام کرنا ہے، لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ دنیا کے اور حصوں میں رہنے والے ہمارے رشتے دار اور کٹمبی ہیں۔ کیا ہی اچھی بات ہوتی کہ دنیا کے سبھی آدمی سکھی اور خوش ہوتے۔ ہمیں کوشش کرنا چاہیے کہ ساری دنیا ایسی ہوجائے جہاں لوگ چین سے رہ سکیں۔

سبھیتا کیا ہے

میں تمھیں آج پرانے زمانے کی سبھیتا کا کچھ حال بتاتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ سبھیتا کا ارتھ کیا ہے۔ کوش میں تو اس کا ارتھ لکھا ہے اچھا کرنا، سدھارنا، جنگلی عادتوں کی جگہ اچھی عادتیں پیدا کرنا۔ اور اس کا ویوہار کسی سماج یا جاتی کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔ آدمی کی جنگلی دشا کو، جب وہ بالکل جانوروں کا سا ہوتا ہے بربرتا کہتے ہیں۔ سبھیتا اس کی بالکل الٹی چیز ہے۔ ہم بربرتا سے جتنا دور جاتے ہیں اتنے ہی سبھیہ ہوتے جاتے ہیں۔

لیکن ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ کوئی آدمی یا سماج جنگلی ہے یا سبھیہ؟ یوروپ کے بہت سے آدمی سمجھتے ہیں کہ ہمیں سبھیہ ہیں اور ایشیا والے جنگلی ہیں۔ کیا اس کا یہ سبب ہے کہ یوروپ والے ایشیا اور افریقہ والوں سے زیادہ کپڑے پہنتے ہیں؟ لیکن کپڑے تو آب و ہوا پر نربھر کرتے ہیں۔ ٹھنڈے ملک میں لوگ گرم ملک کے لوگوں والوں سے زیادہ کپڑے پہنتے ہیں تو کیا اس کا یہ سبب ہے کہ جس کے پاس بندوق ہے وہ نہتھے آدمی سے زیادہ مضبوط ہے اور اس لیے زیادہ سبھیہ ہے؟ چاہے وہ زیادہ سبھیہ ہو یا نہ ہو۔ کمزور آدمی اس سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ سبھیہ نہیں ہیں، کہیں مضبوط آدمی جھلا کر اسے گولی مار دے، تو وہ بیچارہ کیا کرے گا۔

تمھیں معلوم ہے کہ کئی سال پہلے ایک بڑی لڑائی ہوئی تھی۔ دنیا کے بہت سے ملک اس میں شریک تھے اور ہر ایک آدمی دوسری طرف کے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو مار ڈالنے کی کوشش کررہا تھا۔ انگریز جرمنی والوں کے خون کے پیاسے تھے اور جرمن انگریزوں کے خون کے۔ اس لڑائی میں لاکھوں آدمی مارے گئے اور ہزاروں کے انگ بھنگ ہوگئے۔ کوئی اندھا ہوگیا، کوئی لنگڑا ور لولا، تم نے فرانس اور دوسری جگہ بھی ایسے بہت سے لڑائی کے زخمی دیکھے ہوں گے۔ پیرس کی سُرنگ والی ریل گاڑی میں، جسے میٹرو کہتے ہیں، ان کے لیے خاص جگہیں ہیں۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ اس طرح اپنے بھائیوں کو مارنا سبھیتا اور سمجھداری کی بات ہے؟ دو آدمی گلیوں میں لڑنے لگتے ہیں تو، پولیس والے ان میں بیچ بچاؤ کردیتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں کتنے بے وقوف ہیں۔ تو جب بڑے بڑے ملک آپس میں لڑنے

لگیں اور ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کو مارنے لگیں تو وہ کتنی بڑی بے وقوفی اور پاگل پن ہے۔ یہ ٹھیک ویسا ہی ہے کہ جیسے دو وحشی آپس میں لڑ رہے ہوں۔ اور اگر وحشی آدمی جنگلی کہے جاسکتے ہیں تو وہ مورکھ کس قدر جنگلی ہیں جو آپس میں اس طرح لڑ رہے ہیں؟

اگر اس نگاہ سے تم اس معاملے کو دیکھو، تو تم فوراً کہوگی کہ انگلینڈ، جرمنی، فرانس، اٹلی اور بہت سے دوسرے ملک جنھوں نے اتنی مار کاٹ کی ذرا بھی سبھیہ نہیں ہیں اور تم جانتی ہو کہ ان ملکوں میں کتنی اچھی اچھی چیزیں ہیں اور وہاں کتنے اچھے اچھے آدمی رہتے ہیں۔

اب تم کہوگی کہ سبھیتا کا مطلب سمجھنا آسان نہیں ہے، اور یہ ٹھیک ہے۔ یہ بہت ہی مشکل معاملہ ہے۔ اچھی اچھی عمارتیں، اور اچھی اچھی تصویریں اور کتابیں اور طرح طرح کی دوسری اور خوبصورت چیزیں ضرور سبھیتا کی پہچان ہیں مگر ایک بھلا آدمی جو سوارتھی نہیں ہے وہ سب کی بھلائی کے لیے دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔ سبھیتا کی اس سے بھی بڑی پہچان ہے۔ مل کر کام کرنا اکیلے کام کرنے سے اچھا ہے، اور سب کی بھلائی کے لیے ایک ساتھ مل کر کام کرنا سب سے اچھی بات ہے۔

جاتیوں کا بننا

میں پچھلے خطوں میں تمھیں بتلایا کہ شروع میں جب آدمی پیدا ہوا تو وہ بہت کچھ جانوروں سے ملتا تھا۔ دھیرے دھیرے ہزار ورشوں میں اس نے ترقی کی اور پہلے سے زیادہ ہوشیار ہوگیا۔ پہلے وہ اکیلے ہی جانوروں کا شکار کرتا ہوگا، جیسے جنگلی جانور آج بھی کرتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اور آدمیوں کے ساتھ ایک گروہ میں رہنا زیادہ عقل کی بات ہے اور اس میں جان جانے کا ڈر بھی کم ہے۔ ایک ساتھ رہ کر وہ زیادہ مضبوط ہوجاتے تھے اور جانوروں یا دوسرے آدمیوں کے حملوں کا زیادہ اچھی طرح مقابلہ کرسکتے تھے۔ جانور بھی تو اپنی رکشا کے لیے اکثر جھنڈوں میں ہی رہا کرتے ہیں۔ بھیڑ، بکریاں اور ہرن، یہاں تک کہ ہاتھی بھی جھنڈوں میں ہی رہتے ہیں۔ جب جھنڈ سوتا ہے، تو ان میں سے ایک جاگتا رہتا ہے اور ان کا پہرا دیتا ہے۔ تم نے بھیڑیوں کے جھنڈ کی کہانیاں پڑھی ہوں گی۔ روس میں جاڑوں کے دنوں میں وہ جھنڈ باندھ کر چلا کرتے ہیں۔ اور جب انھیں بھوک لگا کرتی ہے، جاڑوں میں انھیں زیادہ بھوک لگتی بھی ہے تو آدمیوں پر بھی حملہ کردیتے ہیں۔ ایک بھیڑیا کبھی آدمی پر حملہ نہیں کرتا لیکن ایک جھنڈ اتنا مضبوط ہوجاتا ہے کہ وہ کئی آدمیوں پر حملہ کربیٹھتا ہے۔ تب آدمیوں کو اپنی جان لے کر بھاگنا پڑتا ہے اور اگر اکثر بھیڑیوں اور برف والی گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے آدمیوں میں دوڑ ہوتی ہے۔

اس طرح پرانے زمانے کے آدمیوں نے سبھیتا میں جو پہلی ترقی کی وہ مل کر جھنڈوں میں رہنا تھا۔ اس طرح جاتیوں (فرقوں) کی بنیاد پڑی۔ وہ ساتھ ساتھ کام کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے رہتے تھے۔ ہر ایک آدمی پہلے اپنی جاتی کا خیال کرتا تھا اور تب اپنا۔ اگر جاتی پر کوئی سنکٹ آتا تو ہر ایک آدمی جاتی کی طرف سے لڑتا تھا۔ اور اگر کوئی آدمی جاتی کے لیے لڑنے سے انکار کرتا تو باہر نکال دیا جاتا تھا۔

اب اگر بہت سے آدمی ایک ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہیں تو انھیں قاعدے کے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔ اگر ہر ایک آدمی اپنی مرضی کے مطابق کام کرے تو وہ جاتی بہت دن نہ چلے گی۔ اس لیے کسی ایک کو ان کا سردار بننا پڑتا ہے۔ جانوروں کے جھنڈوں میں بھی تو سردار ہوتے ہیں۔ جاتیوں میں وہی آدمی سردار چنا جاتا ہے جو سب سے مضبوط ہوتا ہے۔

اس لیے کہ اس زمانے میں بہت لڑائیاں کرنا پڑتی تھیں۔

اگر ایک جاتی کے آدمی آپس میں لڑنے لگیں تو جاتی نشٹ ہوجائے گی۔ اس لیے سردار دیکھتا رہتا تھا کہ لوگ آپس میں نہ لڑنے پاویں۔ ہاں ایک جاتی دوسری جاتی سے لڑسکتی تھی اور لڑتی تھی۔ یہ طریقہ اس پرانے طریقہ سے اچھا تھا جب ہر ایک آدمی اکیلا ہی لڑتا تھا۔

شروع شروع کی جاتیاں بڑے بڑے پریواروں کی طرح رہیں ہوں گی۔ اس کے سب آدمی ایک دوسرے کے رشتے دار ہوتے ہوں گے۔ جوں جوں یہ پریوار بڑھے، جاتیاں بھی بڑھیں۔

اس پرانے زمانے میں آدمی کا جیون بہت کٹھن رہا ہوگا، خاص کر جاتیاں بننے سے پہلے۔ نا ان کے پاس کوئی گھر تھا، نہ کپڑے تھے۔ ہاں، شاید جانوروں کی کھالیں پہننے کو مل جاتی ہوں اور اسے برابر لڑنا پڑتا ہوگا۔ اپنے بھوجن کے لیے یا تو جانوروں کا شکار کرنا پڑتا تھا، یا جنگلی پھل جمع کرنے پڑتے تھے۔ اسے اپنے چاروں طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے ہوں گے۔ پرکرتی بھی اسے دشمن معلوم ہوتی ہوگی، کیونکہ اولے اور برف اور بھونچال وہی تو لاتی تھی۔ بیچارے کی دشا کتنی دین تھی۔ زمین پر رینگ رہا ہے، اور ہر ایک چیز سے ڈرتا ہے اس لیے کہ وہ کوئی بات سمجھ نہیں سکتا۔ اگر اولے گرتے تو وہ سمجھتا کہ کوئی دیوتا بادل میں بیٹھا ہوا اس پر نشانہ مار رہا ہے۔ وہ ڈر جاتا تھا اور اس بادل میں بیٹھے ہوئے آدمی کو خوش کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا چاہتا تھا جو اس پر اولے اور پانی اور برف گرا رہا تھا۔ لیکن اسے خوش کرے تو کیسے ! نہ وہ بہت سمجھدار تھا، اور نہ ہوشیار تھا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ بادلوں کا دیوتا ہماری ہی طرح ہوگا۔ اور کھانے کی چیزیں پسند کرتا ہوگا۔ اس لیے وہ کچھ مانس رکھ دیا کرتا تھا، یا کسی جانور کی قربانی کرکے چھوڑ دیتا تھا کہ دیوتا آکر کھالے۔ وہ سوچتا تھا کہ اس اپائے سے اولا یا پانی بند ہوجائے گا۔ ہمیں یہ پاگل پن معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہم مینہ یا اولے یا برف کے گرنے کا سبب جانتے ہیں۔ جانوروں کے مارنے سے اس کا کوئی سمبندھ نہیں ہے۔ لیکن آج بھی ایسے آدمی موجود ہیں جو اتنے ناسمجھ ہیں کہ اب تک وہی کام کیے جاتے ہیں۔

مذہب کی شروعات اور کام کا بٹوارا

پچھلے خط میں میں نے تمھیں بتلایا تھا کہ پرانے زمانے میں آدمی ہر ایک چیز سے ڈرتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ اس پر مصیبتیں لانے والے دیوتا ہیں جو کرودھی ہیں اور ایرشیا کرتے ہیں۔ اسے یہ فرضی دیوتا جنگل، پہاڑ، ندی، بادل سبھی جگہ نظر آتے تھے۔ دیوتا کو وہ دیالو اور نیک نہیں سمجھتا تھا، اس کے خیال میں وہ بہت ہی کرودھی تھا اور بات بات پر جھلا اٹھتا تھا۔ اور چونکہ وہ اس کے غصہ سے ڈرتے تھے اس لیے وہ اسے بھینٹ دے کر، خاص کر کھانا پہنچا کر، ہر طرح کی رشوت دینے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ جب کوئی بڑی آفت آجاتی تھی، جیسے بھونچال یا باڑھ، مہاماری جس میں بہت سے آدمی مرجاتے تھے، تو وہ لوگ ڈر جاتے تھے اور سوچتے تھے کہ دیوتا ناراض ہیں۔ انھیں خوش کرنے کے لیے وہ انھیں مردوں عورتوں کا بلیدان کرتے، یہاں تک کہ اپنے ہی بچوں کو مار کر دیوتاؤں کو چڑھادیتے۔ یہ بڑی بھیانک بات معلوم ہوتی ہے لیکن ڈرا ہوا آدمی جو کچھ نہ کر بیٹھے تھوڑا ہے۔

اس طرح مذہب شروع ہوا ہوگا۔ اس لیے مذہب پہلے ڈر کے روپ میں آیا اور جو بات ڈر سے کی جائے بری ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ مذہب ہمیں بہت سی اچھی اچھی باتیں سکھاتا ہے۔ جب تم بڑی ہوجاؤ گی تو تم دنیا کے مذہبوں کا حال پڑھوگی۔ اور تمھیں معلوم ہوگا کہ مذہب کے نام پر کیا کیا بری اور اچھی باتیں کی گئیں ہیں۔ یہاں ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ مذہب کا خیال کیسے پیدا ہوا، اور کیوں کر بڑھا۔ لیکن چاہے وہ جس طرح بڑھا ہو ہم آج بھی لوگوں کو مذہب کے نام پر ایک دوسرے سے لڑتے اور سر پھاڑتے دیکھتے ہیں۔ بہت سے آدمیوں کے لیے مذہب آج بھی ویسی ہی ڈراونی چیز ہے۔ وہ اپنا وقت فرضی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے مندروں میں پوجا چڑھانے اور جانوروں کی قربانی کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں آدمی کو کتنی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اسے روز کا کھانا تلاش کرنا پڑتا تھا۔ نہیں تو بھوکوں مرجاتا۔ ان دنوں کوئی آلسی آدمی زندہ نہ

رہ سکتا تھا کوئی ایسا بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ایک ہی دن بہت سا کھانا جمع کر لے اور بہت دنوں تک آرام سے پڑا رہے۔

جب جاتیاں (فرقے) بن گئیں، تو آدمی کو کچھ سودھا ہوگئی۔ ایک جاتی کے سب آدمی مل کر اس سے زیادہ کھانا جمع کر لیتے تھے۔ جتنا کہ وہ الگ الگ کرسکتے تھے۔ تم جانتی ہو کہ مل کر کام کرنا یا سہیوگ، ایسے بہت سے کام کرنے میں مدد دیتا ہے جو ہم اکیلے نہیں کرسکتے۔ ایک یا دو آدمی بھاری بوجھ نہیں اٹھاسکتے، لیکن کئی آدمی مل کر آسانی سے اٹھالے جاسکتے ہیں۔ دوسری بڑی ترقی جو اس زمانے میں ہوئی وہ کھیتی تھی۔ تمھیں یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کھیتی کا کام پہلے کچھ چینٹیوں نے شروع کیا تھا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ چینٹیاں بیج بوتیں، ہل چلاتیں یا کھیتی کاٹتیں ہیں۔ مگر وہ کچھ اس طرح کی باتیں کرتی ہیں۔ اگر انھیں ایسی جھاڑی ملتی ہے جس سے وہ بیج کھاتی ہوں تو وہ بڑی ہوشیاری سے اس کے آس پاس کی گھانس نکال ڈالتی ہیں۔ اس سے وہ درخت زیادہ پھلتا پھولتا ہے اور بڑھتا ہے شاید کسی زمانے میں آدمیوں نے بھی یہی کیا ہوگا جو چینٹیاں کرتیں ہیں۔ تب انھیں یہ سمجھ کیا تھی کہ کھیتی کیا چیز ہے اس کے جاننے میں انھیں ایک زمانہ گزر گیا ہوگا اور تب انھیں معلوم ہوا ہوگا کہ بیج کیسے بویا جاتا ہے۔

کھیتی شروع ہوجانے پر کھانا ملنا بہت آسان ہوگیا۔ آدمی کو کھانے کے لیے سارے دن شکار کرنا پڑتا تھا۔ اس کی زندگی پہلے سے زیادہ آرام سے گزرنے لگی۔ اسی زمانے میں ایک اور بڑی تبدیلی پیدا ہوئی۔ کھیتوں سے پہلے ہر آدمی شکاری تھا اور شکار اس کا ایک کام تھا۔ عورتیں شاید بچوں کی دیکھ ریکھ کرتی ہوں گی اور پھل بٹورتی ہوں گی۔ لیکن جب کھیتی شروع ہوگئی تو طرح طرح کے کام نکل آئے۔ کھیتوں میں بھی کام کرنا پڑتا تھا، شکار کرنا، گائے بیلوں کی دیکھ ریکھ کرنا بھی ضروری تھا۔ عورتیں شاید گایوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور ان کو دہتی تھیں۔ کچھ آدمی ایک طرح کا کام کرنے لگے، کچھ دوسری طرح کا۔

آج تمھیں دنیا میں ہر ایک آدمی ایک خاص قسم کا کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی سڑکوں اور پلوں کو بنانے والا، انجینئر، کوئی بڑھئی، کوئی لوہار، کوئی گھروں کا بنانے والا، کوئی موچی کوئی درزی وغیرہ۔ ہر ایک آدمی کا اپنا الگ پیشہ ہے اور دوسرے پیشہ کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا۔ اسے کام کا بانٹنا کہتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی ایک ہی کام

کرے تو اسے بہت اچھی طرح کرے گا۔ بہت سے کام وہ اتنی اچھی طرح پورے نہیں کرسکتا، دنیا میں آج کل اسی طرح کام بٹا ہوا ہے۔

جب کھیتی شروع ہوئی تو پرانی جاتیوں میں اسی طرح دھیرے دھیرے کام کا بٹنا شروع ہوا۔

کھیتی سے پیدا ہوئی تبدیلیاں

اپنے پچھلے خط میں میں نے کاموں کو الگ الگ کیے جانے کا کچھ حال بتلایا تھا۔ بالکل شروع میں جب آدمی صرف شکار پر بسر کرتا تھا۔ کام بٹے ہوئے نہ تھے۔ ہر ایک آدمی شکار کرتا تھا۔ اور مشکل سے کھانے بھر کو پاتا تھا۔ پہلے مردوں اور عورتوں کے بیچ میں کام بٹنا شروع ہوا ہوگا۔ مرد شکار کرتا ہوگا اور عورت گھر میں رہ کر بچوں اور پالتو جانوروں کی نگرانی کرتی ہوگی۔

جب آدمیوں نے کھیتی کرنا سیکھا تو بہت سی نئی نئی باتیں نکلیں۔ پہلی بات یہ ہوئی کہ کام کئی حصوں میں بٹ گیا۔ کچھ لوگ شکار کھیلتے اور کچھ کھیتی کرتے اور ہل چلاتے۔ جوں جوں دن گزرتے گئے آدمی نے نئے پیشے سیکھے اور ان میں پکے ہوگئے۔

کھیتی کرنے کا دوسرا اچھا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ گاؤں اور قصبوں میں آباد ہونے لگے۔ کھیتی کے پہلے لوگ ادھر ادھر گھومتے پھرتے تھے اور شکار کرتے تھے۔ ان کے لیے ایک جگہ رہنا ضروری نہیں تھا۔ شکار ہر ایک جگہ مل جاتا تھا۔ اس کے سوا انھیں گایوں بکریں اور اپنے دوسرے جانوروں کی وجہ سے ادھر ادھر گھومنا پڑتا تھا۔ ان جانوروں کے چرانے کے لیے چراگاہ کی ضرورت تھی۔ ایک جگہ کچھ دنوں تک چرنے کے بعد زمین میں جانوروں کے لیے کافی گھاس نہ پیدا ہوتی تھی اور ساری جاتی کو دوسری جگہ جانا پڑتا تھا۔

جب لوگوں کو کھیتی کرنا آگیا تو ان کا زمین کے پاس رہنا ضروری ہوگیا۔ زمین کو جوت بو کر وہ چھوڑ نہ سکتے تھے۔ انھیں سال بھر تک لگاتار کھتی کا کام لگا ہی رہتا تھا اور اس طرح گاؤں اور شہر بن گئے۔

دوسری بڑی بات جو کھیتی سے پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ آدمی کی زندگی زیادہ آرام سے کٹنے لگی۔ کھیتی سے زمین میں کھانا پیدا کرنا سارے دن شکار کھیلنے سے کہیں زیادہ آسان تھا۔ اس کے سوا زمین میں کھانا بھی اتنا پیدا ہوتا تھا جتنا وہ ایک دم کھا نہیں سکتے تھے اسے وہ حفاظت میں رکھتے تھے۔ ایک اور مزے کی بات سنو۔ جب آدمی نپٹ شکاری تھا تو وہ کچھ جمع

نہ کرسکتا تھا یا کر بھی سکتا تھا تو بہت کم، کسی طرح پیٹ بھرلیتا تھا۔ اس کے پاس بینک نہ تھے، جہاں وہ اپنے روپے و دوسری چیزیں رکھ سکتا۔ اسے تو اپنا پیٹ بھرنے کے لیے روز شکار کھیلنا پڑتا تھا، کھیتی میں اسے ایک فصل میں ضرورت سے زیادہ مل جاتا تھا اس فالتو کھانے کو وہ جمع کردیتا تھا۔ اس طرح لوگوں نے فالتو اناج جمع کرنا شروع کیا۔ لوگوں کے پاس فالتو کھانا اس لیے ہوجاتا تھا کہ وہ اس سے کچھ زیادہ محنت کرتے تھے جتنا صرف پیٹ بھرنے کے لیے ضروری تھا۔ تمھیں معلوم ہے کہ آج کل بینک کھلے ہوئے ہیں جہاں لوگ روپیہ جمع کرتے ہیں اور چیک لکھ کر نکال سکتے ہیں۔ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ اگر تم غور کرو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ یہ فالتو روپیہ یعنی ایسا روپیہ جسے لوگوں کو ایک بارگی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے وہ بینک میں رکھتے ہیں۔ وہی لوگ مالدار ہیں جن کے پاس بہت سا فالتو روپیہ ہے، اور جن کے پاس کچھ نہیں ہے وہ غریب ہیں۔ اگر تمھیں معلوم ہوگا کہ فالتو روپیہ آتا کہاں سے ہے۔ اس کا سبب نہیں ہے کہ آدمی دوسرے سے زیادہ کام کرتا ہے۔ زیادہ کماتا ہے بلکہ آج کل جو آدمی بالکل کام نہیں کرتا اس کے پاس تو بچت ہوتی ہے اور جو پسینہ بہاتا ہے اسے خالی ہاتھ رہنا پڑتا ہے۔ کتنا برا انتظام ہے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اسی برے نظام کے سبب سے دنیا میں آج کل اتنے غریب آدمی ہیں۔ ابھی شاید تم یہ بات سمجھ نہ سکو اس لیے اس میں سر نہ کھپاؤ۔ تھوڑے دنوں میں تم اسے سمجھنے لگو گی۔

اس وقت تو تمھیں اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ کھیتی سے آدمی کو اس سے زیادہ کھانا ملنے لگا، جتنا وہ ایک دم کھا سکتا تھا یا جمع کرلیا جاتا تھا۔ اس زمانے میں نہ روپے تھے نہ بینک۔ جن کے پاس بہت سی گائیں، بھیڑیں، اونٹ یا اناج ہوتا تھا وہی امیر کہلاتے تھے۔

خاندان کا سرغنہ کیسے بنا

مجھے بھے ہے کہ میرے خط کچھ پیچیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن اب زندگی بھی تو پیچیدہ ہوگئی ہے۔ پرانے زمانے میں لوگوں کی زندگی بہت سادی تھی۔ اب ہم اس زمانے پر آگئے ہیں جب زندگی پیچیدہ ہونی شروع ہوئی اگر ہم پرانی باتوں کو ذرا ساودھانی کے ساتھ جانچے اور ان تبدیلیوں کو سمجھنے کی کوشش کریں جو آدمی کی زندگی اور سماج میں پیدا ہوتی گئی تو ہماری سمجھ میں بہت سی باتیں آجائیں گی۔ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو ہم ان باتوں کو کبھی نہ سمجھ سکیں گے، جو آج دنیا میں ہورہی ہیں۔ ہماری حالت ان بچوں کی سی ہوگی جو کسی جنگل میں راستہ بھول جائیں۔ یہی سبب ہے کہ تمھیں ٹھیک جنگل کے کنارے پر لیے چلتا ہوں تا کہ ہم اس میں سے اپنا راستہ ڈھونڈ نکالیں۔

تمھیں یاد ہوگا کہ تم نے مجھ سے مسوری میں پوچھا تھا کہ بادشاہ کیا ہیں اور وہ کیسے بادشاہ ہوگئے۔ اس لیے ہم اس پرانے زمانے پر ایک نظر ڈالیں گے جب راجا بننے شروع ہوئے۔ پہلے پہل وہ راجا نہ کہلاتے تھے۔ اگر ان کے بارے میں کچھ معلوم کرنا ہے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ شروع کیسے ہوئے۔

میں جاتیوں کے بننے کا حال تمھیں بتلا چکا ہوں۔ جب کھیتی باڑی شروع اور لوگوں کے کام الگ الگ ہوگئے تو یہ ضروری ہوگیا کہ جاتی کا کوئی بڑا بوڑھا کام کو آپس میں بانٹ دے۔ اس کے پہلے بھی جاتیوں میں ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی تھی جو انھیں دوسری جاتیوں سے لڑنے کے لیے تیار کرے۔ اکثر جاتی کا سب سے بوڑھا آدمی سرغنہ ہوتا تھا۔ وہ جاتی کا بزرگ کہلاتا تھا۔ سب سے بوڑھا ہونے کی وجہ سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ سب سے زیادہ تجربے کار اور ہوشیار ہے۔ یہ بزرگ جاتی کے اور آدمیوں کی ہی طرح ہوتا تھا۔ وہ دوسروں کے ساتھ کام کرتا تھا اور جتنی کھانے کی چیزیں پیدا ہوتی تھیں وہ جاتی کی سب آدمیوں میں بانٹ دی جاتی تھیں۔ ہر ایک چیز جاتی کی ہوتی تھی۔ آج کل کی طرح ایسا نہ ہوتا تھا کہ ہر ایک آدمی کا اپنا مکان اور دوسری چیزیں ہوں اور آدمی جو کچھ کماتا تھا وہ آپس میں بانٹ لیا

جاتا تھا کیونکہ وہ سب جاتی کا سمجھا جاتا تھا۔ جاتی کا بزرگ یا سرغنہ اس حصے، بخرے کا انتظام کرتا تھا۔

لیکن تبدیلیاں بہت آہستہ آہستہ ہونے لگیں۔ کھیتی کے آجانے سے نئے نئے کام نکل آئے، سرغنہ کا اپنا بہت سا وقت انتظام کرنے میں اور یہ دیکھنے میں کہ سب لوگ اپنا اپنا کام ٹھیک طور پر کرتے ہیں یا نہیں خرچ کرنا پڑتا تھا۔ دھیرے دھیرے سرغنہ نے جاتی کے معمولی آدمیوں کی طرح کام کرنا چھوڑ دیا۔ وہ جاتی کے اور آدمیوں سے بالکل الگ ہوگیا۔ اب کام کی بٹائی بالکل دوسرے ڈھنگ کی ہوگئی۔ سرغنہ تو انتظام کرتا تھا، اور آدمیوں کو کام کرنے کا حکم دیتا تھا، اور دوسرے لوگ کھیتوں میں کام کرتے تھے، شکار کرتے تھے۔ یا لڑائیوں میں جاتے تھے اور اپنے سرغنوں کے حکم مانتے تھے۔ اگر دو جاتیوں میں لڑائی ٹھن جاتی تو سرغنہ اور بھی طاقتور ہوجاتا کیونکہ لڑائی کے زمانے میں بغیر کسی اگوا کے اچھی طرح لڑنا ممکن نہ تھا۔ اس طرح سرغنہ کی طاقت بڑھ گئی۔

جب انتظام کرنے کا کام بہت بڑھ گیا تو سرغنہ کے لیے اکیلے سب کام مشکل ہوگیا۔ اس نے اپنی مدد کے لیے دوسرے آدمیوں کو لیا۔ انتظام کرنے والے بہت سے ہوگئے۔ ہاں، ان کا اگوا سرغنہ ہی تھا۔ اس طرح جاتنی دو حصوں میں بٹ گئی۔ جو لوگ انتظام کرتے تھے ان کا معمولی مزدوروں پر دباؤ ہوتا تھا۔

اگلے خط میں میں دکھاؤں گا کہ سرغنہ کا ادھیکار کیوں کر بڑھا۔

سرغنہ کا اختیار کیسے بڑھا

مجھے امید ہے کہ پرانی جاتیوں اوران کے بزرگوں کا حال تمہیں روکھانہ معلوم ہوتا ہوگا۔

میں نے تمہیں اپنے پچھلے خط میں بتلایا تھا کہ اس زمانے میں ایک چیز ساری جاتی کی ہوتی تھی کسی کی الگ نہیں۔ سرغنہ کے پاس بھی اپنی کوئی خاص چیز نہ ہوتی تھی۔ جاتی کے اور آدمیوں کی طرح اس کا بھی ایک ہی حصہ ہوتا تھا۔ لیکن وہ انتظام کرنے والا تھا اور اس کا یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ جاتی کے مال اور جائیداد کی دیکھ ریکھ کرتا رہے۔ جب اس کا ادھیکار بڑھا تو اسے یہ سوجھی کہ وہ مال اور اسباب جاتی کا خود مختار بھی ہے اس طرح کسی چیز کو اپنا سمجھنے کا خیال پیدا ہوا۔ آج ہر ایک چیز کو میرا تیرا کہنا اور سمجھنا معمولی بات ہے۔ لیکن میں جیسا تم سے پہلے کہہ چکا ہوں ان پرانی جاتیوں کے مرد اور عورت اس طرح خیال نہ کرتے تھے۔ تب ہر ایک چیز ساری جاتی کی ہوتی تھی۔ آخر یہ ہوا کہ سرغنہ اپنے ہی کو جاتی کا مختار سمجھنے لگا۔ اس لیے جاتی کا مال و اسباب اسی کا ہوگیا۔

جب سرغنہ مرجاتا تھا تو جاتی کے سب آدمی جمع ہوکر کوئی دوسرا سرغنہ چنتے تھے۔ لیکن عام طور پر سرغنہ کے خاندان کے لوگ انتظام کے کام کو دوسرے سے زیادہ سمجھتے تھے۔ سرغنہ کے ساتھ ہمیشہ رہنے اور اس کے کام میں مدد دینے کی وجہ سے وہ ان کاموں کو خوب سمجھ جاتے تھے۔ اس لیے جب کوئی بوڑھا سرغنہ مرجاتا ہے تو جاتی کے لوگ اسی خاندان کے کسی آدمی کو سرغنہ چن لیتے تھے اس طرح سے سرغنہ کا خاندان دوسرے سے الگ ہوگیا اور جاتی کے لوگ اسی خاندان سے اپنا سرغنہ چننے لگے یہ تو ظاہر ہے کہ سرغنہ کو بڑے اختیار ہوتے تھے اور وہ چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا یا بھائی اس کی جگہ سرغنہ بنے اور بھرسک اس کی کوشش کرتا تھا۔ اس لیے وہ اپنے بھائی یا بیٹے کسی سگے رشتے دار کو کام سکھایا کرتا تھا جس سے وہ اس کی گدی پر بیٹھے۔ وہ جاتی کو لوگوں سے کبھی کبھی کہہ بھی دیا کرتا تھا کہ فلاں آدمی جسے میں نے

کام سکھادیا میرے بعد سرغنہ چنا جاوے۔ شروع میں شاید جاتی کے آدمیوں کو یہ تاکید اچھی نہ لگی ہو لیکن تھوڑے ہی دنوں میں انھیں اس کی عادت پڑ گئی اور وہ اس کا حکم ماننے لگے۔ نئے سرغنہ کا چناؤ بند ہوگیا۔ بوڑھا سرغنہ طے کر دیتا تھا کہ کون اس کے بعد سرغنہ ہوگا اور وہی ہوتا تھا۔

اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ سرغنہ کی جگہ موروثی ہوگئی یعنی اسی خاندان میں باپ کے بعد بیٹا یا کوئی اور رشتے دار سرغنہ ہونے لگا۔ سرغنہ کو اب پورا بھروسہ ہوگیا کہ جاتی کا مال اسباب دراصل میرا ہی ہے یہاں تک کہ اس کے مرجانے کے بعد بھی وہ اس کے خاندان میں ہی رہتا تھا۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ میرا تیرا کا خیال کیسے پیدا ہوا۔ شروع میں کسی کے دل میں یہ بات نہ تھی۔ سب لوگ مل کر جاتی کے لیے کام کرتے تھے، اپنے لیے نہیں۔ اگر بہت سی کھانے کی چیزیں پیدا کرتے، تو جاتی کے ہر ایک آدمی کو اس کا حصہ مل جاتا تھا۔ جاتی میں امیر غریب کا فرق نہ تھا۔ سبھی لوگ جاتی کی جائداد میں برابر کے حصے دار تھے۔

لیکن جیوں ہی سرغنہ نے جاتی کی چیزوں کو ہڑپ کرنا شروع کیا اور انھیں اپنی کہنے لگا۔ لوگ امیر اور غریب ہونے لگے۔ اگلے خط میں اس کے بارے میں کچھ اور لکھوں گا۔

سرغنہ راجا ہوگیا

بوڑھے سرغنہ نے ہمارا بہت سا وقت لے لیا۔ لیکن ہم اس سے جلد ہی فرصت پا جائیں گے یا یوں کہو اس کا نام کچھ اور ہو جائے گا۔ میں نے تمھیں یہ بتلانے کا وعدہ کیا تھا کہ راجا کیسے ہوئے اور وہ کون تھے۔ اور راجاؤں کا حال سمجھنے کے لیے پرانے زمانے کے سرغنہ کا ذکر ضروری تھا۔ تم نے تاڑ لیا ہوگا کہ یہ سرغنہ بعد میں راجا مہاراجا بن بیٹھے۔ پہلے وہ اپنی جاتی کا اگوا ہوتے تھے۔ انگریزی میں اسے پیٹریارک کہتے ہیں۔ پیٹریارک لیٹن شبد پیٹر سے نکلا ہے۔ جس کے معنی پتا کے ہیں۔ پیٹریاک بھی اس لیٹن شبد سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں پتر بھومی۔ فرانسیسی میں اسے پاتری کہتے ہیں۔ سنسکرت اور ہندی میں ہم اپنے ملک کو ماتر بھومی کہتے ہیں تمھیں کون پسند ہے؟ جب سرغنہ کی جگہ موروثی ہوگئی یا باپ کے بعد بیٹے کو ملنے لگی تو اس میں اور راجا میں کوئی فرق نہ رہا۔ وہی راجا بن بیٹھا اور راجا کے دماغ میں یہ بات سما گئی کہ ملک کی سب چیزیں میری ہی ہیں۔ اس نے اپنے کو سارا ملک سمجھ لیا۔ ایک مشہور فرانسیسی بادشاہ نے ایک مرتبہ کہا تھا۔ میں ہی راجیہ ہوں۔ راجا بھول گئے کہ لوگوں نے انھیں صرف اس لیے چنا ہے کہ وہ انتظام کرے اور ملک کی کھانے کی چیزیں اور دوسرے سامان آدمیوں میں بانٹ دے۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ وہ صرف اس لیے چنے جاتے تھے کہ وہ اس جاتی یا ملک میں سب سے ہوشیار اور تجربہ کار سمجھے جاتے تھے۔ وہ سمجھنے لگے کہ ہم مالک ہیں اور ملک کے سب آدمی ہمارے نوکر ہیں۔ اصل میں وہ ہی ملک کے نوکر تھے۔

آگے چل کر جب تم اتہاس پڑھوگی، تو تمھیں معلوم ہوگا کہ راجا اتنے ابھیمانی ہوگئے کہ وہ سمجھنے لگے کہ پرجا کو ان کے چناؤ سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں ایشور نے راجا بنایا ہے۔ اسے وہ ایشور کا دیا ہوا حق کہنے لگے۔ بہت دنوں تک یہ بے انصافی کرتے رہے۔ اور خوب عیش کے ساتھ راجیہ کے مزے اڑاتے رہے۔ اور ان کی پرجا بھوکوں مرتی رہی۔ لیکن آخر کار پرجا اسے برداشت نہ کر سکی اور بعض ملکوں میں انھوں نے راجاؤں کو مار بھگایا۔ تم آگے چل کر پڑھوگی کہ انگلینڈ کی پرجا اپنے راجا پرتھم چارلس کے خلاف اٹھ کھڑی

ہوئی تھی، اسے ہرادیا اور مارڈالا۔ اسی طرح فرانس کی پرجا نے بھی ایک بڑے ہنگامے کے بعد یہ طے کیا کہ اب ہم کسی کو راجا نہ بنائیں گے۔ تمھیں یاد ہوگا کہ ہم فرانس کے کونسیر زیری قید خانے کو دیکھنے گئے تھے۔ کیا تم ہمارے ساتھ تھیں۔ اس قید خانے میں فرانس کا راجا اور اس کی رانی میری انتانیت اور دوسرے لوگ رکھے گئے تھے۔ تم روس کی راجیہ کرانتی کا حال بھی پڑھوگی۔ جب روس کی پرجا نے کئی بہال ہوئے اپنے راجا کو نکال باہر کیا جسے 'زار' کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راجاؤں کے برے دن آگئے اور اب بہت سے ملکوں میں راجا ہیں ہی نہیں فرانس، جرمنی، روس، سوئزرلینڈ، امریکہ، چین اور بہت سے دوسرے ملکوں میں کوئی راجا نہیں ہے۔ وہاں پنچایتی راج ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ پرجا سے پر اپنے حاکم اور اگوا چن لیتی ہے اور ان کی جگہ موروثی نہیں ہوتی۔

تمھیں معلوم ہے کہ انگلینڈ میں ابھی تک راجا ہے لیکن اسے کوئی ادھیکار نہیں ہیں وہ کچھ کر نہیں سکتا۔ سب اختیار پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔ جس میں پرجا کے چنے ہوئے اگوا بیٹھتے ہیں۔ تمھیں یاد ہوگا کہ تم نے لندن میں پارلیمنٹ دیکھی تھی۔

ہندوستان میں ابھی تک بہت سے راجا، مہاراجا اور نواب ہیں۔ تم نے انھیں بھڑکیلے کپڑے پہنے، قیمتی موٹرگاڑیوں میں گھومتے، اپنے اوپر بہت سا روپیہ خرچ کرتے دیکھا ہوگا۔ انھیں یہ روپیہ کہاں سے ملتا ہے؟ یہ رعایا پر ٹیکس لگا کر وصول کیا جاتا ہے۔ ٹیکس دیئے تو اس لیے جاتے ہیں کہ اس سے ملک کے سبھی آدمیوں کی مدد کی جائے، اسکول اور اسپتال، پستکالیہ، اور عجائب گھر کھولے جائیں، اچھی سڑکیں بنائی جائیں اور پرجا کی بھلائی کے لیے اور بہت سے کام کیے جائیں۔ لیکن ہمارے راجا مہاراجا اسی فرانسیسی بادشاہ کی طرح اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں راجیہ ہیں اور پرجا کا روپیہ اپنے عیش میں اڑاتے ہیں، وہ تو اتنی شان سے رہتے ہیں ان کی پرجا جو پسینہ بہا کر انھیں روپیہ دیتی ہے، بھوکوں مرتی ہے اور ان کے بچوں کے پڑھنے کے لیے مدرسے بھی نہیں ہوتے۔

شروع کا رہن سہن

سرغنوں اور راجاؤں کی چرچا ہم کافی کر چکے۔ اب ہم اس زمانے کے رہن سہن اور آدمیوں کا کچھ حال لکھیں گے۔

ہمیں اس پرانے زمانے کے آدمیوں کا بہت زیادہ حال تو معلوم نہیں، پھر بھی پرانے پتھر کے یُگ اور نئے پتھر کے یُگ کے آدمیوں سے کچھ زیادہ ہی معلوم ہے۔ آج بھی بڑی بڑی عمارتوں کے کھنڈر موجود ہیں۔ جنھیں بنے ہزاروں سال ہوگئے۔ ان پرانی عمارتوں، مندروں اور محلوں کو دیکھ کر ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ وہ پرانے آدمی کیسے تھے اور انھوں نے کیا کیا کام کیے اور پرانی عمارتوں کی سنگتراشی اور نقاشی سے خاص کر بڑی مدد ملتی ہے۔ ان پتھروں کے کاموں سے ہمیں کبھی کبھی اس کا پتہ چل جاتا ہے کہ وہ لوگ کیسے کپڑے پہنتے تھے اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں۔

ہم یہ تو ٹھیک نہیں کہہ سکتے کہ پہلے آدمی کہاں آباد ہوئے اور رہنے سہنے کے طریقے نکالے۔ بعض آدمیوں کا خیال ہے کہ جہاں اٹلانٹک ساگر ہے وہاں اٹلانٹک نام کا ایک بہت بڑا ملک تھا۔ کہتے ہیں کہ اس ملک میں رہنے والوں کا رہن سہن بہت اونچے درجے کا تھا، لیکن کسی وجہ سے سارا ملک اٹلانٹک ساگر میں سما گیا اور اب اس کا کوئی حصہ باقی نہیں ہے۔ اس لیے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن قصے کہانیوں کو چھوڑ کر ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں امریکہ میں اونچے درجے کی سبھیتا پھیلی ہوئی تھی۔ تمھیں معلوم ہے کہ کولمبس کو امریکا کا پتہ لگانے والا کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کولمبس کے جانے سے پہلے امریکہ تھا ہی نہیں۔ اس کا خالی اتنا مطلب ہے کہ یوروپ والوں کو کولمبس کے پہلے اس کا پتہ نہ تھا۔ کولمبس کے جانے کے بہت پہلے سے وہ ملک آباد اور سبھیہ تھا۔ یکیٹن میں، جو اتری امریکہ کے میکسیکو راجیہ میں ہے اور دکھنی امریکہ کے پیرو راجیہ میں پرانی عمارتوں کے کھنڈر ہمیں ملتے ہیں۔ اس سے اس کا یقین

ہوجاتا ہے کہ بہت پرانے زمانے میں بھی پیرو اور میکسیکو کے لوگوں میں سبھیتا پھیلی ہوئی تھی لیکن ان کا اور زیادہ حال ہمیں اب تک نہیں معلوم ہوسکا۔ شاید کچھ دنوں کے بعد ہمیں ان کے بارے میں کچھ اور باتیں معلوم ہوں۔

یوروپ اور ایشیا کو ملاکر یوریشیا کہتے ہیں۔ یوریشیا میں سب سے پہلے میسوپوٹامیا، مصر، کریٹ، ہندوستانی اور چین میں سبھیتا پھیلی، مصر اب افریقہ میں ہے لیکن ہم اسے یوریشیا میں رکھ سکتے ہیں کیونکہ اس سے وہ بہت نزدیک ہے۔

پرانی جاتیاں جو ادھر ادھر گھومتی پھرتی تھیں، جب کہیں آباد ہونا چاہتی ہوں گی تو وہ کیسے جگہ پسند کرتی ہوں گی؟ وہ ایسی جگہ ہوتی ہوگی جہاں وہ آسانی سے کھانا پکاسکیں۔ ان کا کچھ کھانا کھیتی سے زمین میں پیدا ہوتا تھا اور کھیتی کے لیے پانی کا ہونا ضروری ہے۔ پانی نہ ملے تو کھیت سوکھ جاتے ہیں اور ان میں کچھ نہیں پیدا ہوتا۔ تمھیں معلوم ہے کہ جب چوماسے میں ہندوستان میں کافی بارش نہیں ہوتی تو اناج بہت کم ہوتا ہے اور اکال پڑجاتا ہے۔ غریب آدمی بھوکوں مرنے لگتے ہیں۔ پانی کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ پرانے زمانے کے آدمیوں کو ایسی ہی زمین چننی پڑی ہوگی جہاں پانی کی بہتات ہو۔ یہی ہوا بھی۔

میسوپوٹامیا میں وہ دجلہ اور فرات ان دو بڑی ندیوں کے بیچ آباد ہوئے۔ مصر میں نیل ندی کے کنارے۔ ہندوستان میں ان کے قریب قریب سبھی شہر سندھ، گنگا، جمنا اتیادی بڑی بڑی ندیوں کے کنارے آباد ہوئے۔ پانی ان کے لیے اتنا ضروری تھا کہ وہ ان ندیوں کو دیوتا سمجھنے لگے جو انھیں کھانا اور آرام کی دوسری چیزیں دیتا تھا۔ مصر میں نیل کو 'پتا نیل' کہتے تھے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔ ہندستان میں گنگا کی پوجا ہونے لگی اور اب تک اسے پوتر سمجھا جاتا ہے۔ لوگ اسے گنگا مائی کہتے ہیں اور تم نے یاتریوں کو گنگا مائی کی جے کا شور مچاتے سنا ہوگا۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ وہ کیوں ندیوں کی پوجا کرتے تھے۔ کیونکہ ندیوں سے ان کے سبھی کام نکلتے تھے۔ ان سے صرف پانی ہی نہ ملتا تھا۔ اچھی مٹی اور بالو بھی ملتی تھی جس سے ان کے کھیت اپجاؤ ہوجاتے تھے۔ ندی ہی کے پانی اور مٹی سے تو اناج کے ڈھیر لگ جاتے تھے پھر وہ ندیوں کو کیوں نہ ماتا اور پتا کہتے۔ لیکن آدمیوں کی عادت ہے کہ اصلی سبب کو بھول جاتے ہیں وہ بنا سوچے سمجھے لکیر پیٹتے چلے جاتے ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ نیل اور گنگا کی بڑائی صرف اس لیے ہے کہ ان سے آدمیوں کو اناج اور پانی ملتا ہے۔

پرانی دنیا کے بڑے بڑے شہر

میں لکھ چکا ہوں کہ آدمیوں نے پہلے پہل بڑی بڑی ندیوں کے پاس اور اپجاؤ گھاٹیوں میں بستیاں بنائیں۔ جہاں انھیں کھانے کی چیزیں اور پانی بہتات سے مل سکتا تھا۔ ان کے بڑے بڑے شہر ندیوں کے کنارے پر تھے۔ تم نے ان میں بعض مشہور شہروں کا نام سنا ہوگا۔ میسوپوٹامیا میں بابل، نینوا اور اُسر نام کے شہر تھے لیکن ان میں سے کسی شہر کا اب پتہ نہیں ہے۔ ہاں اگر بالو یا مٹی میں گہری کھدائی ہوتی ہے تو کبھی کبھی ان کے کھنڈر مل جاتے ہیں۔ ان ہزاروں برسوں میں وہ پوری طرح مٹی اور بالو سے ڈھک گئے اور ان کا کوئی نشان بھی نہیں ملتا۔ بعض جگہوں میں ان ڈھکے ہوئے شہروں کے اوپر نئے شہر بس گئے۔ جو لوگ ان پرانے شہروں کی کھوج کررہے تھے۔ انھیں گہری کھدائی کرنی پڑی ہے اور کبھی کبھی تلے اوپر کئی شہر ملے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ یہ شہر ایک ساتھ ہی تلے اوپر رہے ہوں۔ ایک شہر سینکڑوں برسوں تک آباد رہا ہوگا۔ لوگ وہاں پیدا ہوئے ہوں گے اور مرے ہوں گے اور کئی پشتوں تک یہی سلسلہ جاری رہا ہوگا۔ دھیرے دھیرے شہر کی آبادی گھٹنے لگی ہوگی اور وہ ویران ہوگیا ہوگا۔ آخر وہاں کوئی نہ رہ گیا ہوگا اور شہر ایک ملبہ کا ڈھیر بن گیا ہوگا۔ تب اس پر بالو اور گرد جمنے لگی ہوگی اور یہ شہر اس کے نیچے ڈھک گئے ہوں گے۔ کیونکہ کوئی آدمی صفائی کرنے والا نہ تھا۔ ایک مدت کے بعد سارا شہر اس کے بالو اور مٹی سے ڈھک گیا ہوگا اور لوگوں کو اس بات کی یاد بھی نہ رہی ہوگی کہ یہاں کوئی شہر تھا۔ سینکڑوں برس گزر گئے ہوں گے۔ تب نئے آدمیوں نے آکر نیا شہر بسایا ہوگا۔ یہ نیا شہر بھی کچھ دنوں کے بعد پرانا ہوگیا ہوگا۔ لوگوں نے اسے چھوڑ دیا ہوگا اور وہ بھی ویران ہوگیا ہوگا۔ ایک زمانے کے بعد وہ بھی بالو اور دھول کے نیچے غائب ہوگیا ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ کبھی کبھی ہمیں کئی شہروں کے کھنڈر اوپر نیچے ملتے ہیں۔ یہ حالت خاص کر بلوائی جگہوں میں ہوئی ہوگی کیونکہ بالو ہر ایک چیز پر جلدی جم جاتی ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ایک کے بعد دوسرے شہر بنیں، مردوں عورتوں اور بچوں کے جمگھٹوں سے گلزار ہوں اور تب دھیرے دھیرے اجڑ جائیں اور جہاں یہ پرانے شہر تھے وہاں

نئے شہر بسیں اور نئے نئے آدمی آکر وہاں آباد ہوں، پھر ان کا بھی خاتمہ ہوجائے اور شہر کا کوئی نشان نہ رہے۔ میں تو ان شہروں کا حال دوچار واکیوں میں لکھ رہا ہوں۔ لیکن سوچو کہ ان شہروں کے بننے اور بگڑنے اور ان کی جگہ نئے شہروں کے بننے میں کتنے یگ بیت گئے ہوں گے۔ جب کوئی آدمی ستر یا اسی سال کا ہوجاتا ہے تو ہم اسے بڈھا کہتے ہیں۔ لیکن ان ہزاروں برسوں کے سامنے ستر یا اسی سال کیا ہیں؟ جب یہ شہر رہے ہوں گے تو ان میں کتنے چھوٹے چھوٹے بچے بوڑھے ہوکر مرگئے ہوں گے اور کئی پیڑھیاں گزر گئی ہوں گی اور اب بابل اور نینوا کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ ایک دوسرا بہت پرانا شہر دمشق تھا لیکن دمشق ویران نہیں ہوا وہ اب تک موجود ہے اور بڑا شہر ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ دمشق دنیا کا سب سے پرانا شہر ہے۔ ہندستان میں بھی کئی بڑے بڑے شہر، ندیوں کے کنارے پر ہیں۔ سب سے پرانے شہروں میں ایک کا نام اندر پرستھ تھا جو کہیں دہلی کے آس پاس تھا، لیکن اندر پرستھ کا اب نشان بھی نہیں ہے۔ بنارس یا کاشی بھی بہت پرانا شہر ہے۔ شاید دنیا کے سب سے پرانے شہروں میں سے ہوں۔ الٰہ آباد، کان پور اور پٹنہ اور بہت سے دوسرے شہر جو تمھیں خود یاد ہوں گے۔ ندیوں ہی کے کنارے ہیں۔ لیکن یہ بہت پرانے نہیں ہیں۔ ہاں پریاگ یا الٰہ آباد اور پٹنہ جس کا نام پاٹلی پُتر تھا۔ کچھ پرانے ہیں

اس طرح چین میں بھی پرانے شہر ہیں۔

مصر اور کریٹ

پرانے زمانے میں شہروں اور گاؤں میں کس طرح کے لوگ رہتے تھے؟ ان کا کچھ حال ان کے بنائے ہوئے بڑے بڑے مکانوں اور عمارتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کچھ حال ان پتھر کی تختیوں کی لکھاوٹ سے بھی معلوم ہوتا ہے جو وہ چھوڑ گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ بہت پرانی کتابیں بھی ہیں۔ جن سے اس پرانے زمانے کا بہت کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔

مصر میں اب بھی بڑے بڑے مینار اور اسفنکس موجود ہیں۔ لکسر اور دوسری جگہوں میں بڑے مندروں کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ تم نے انھیں دیکھا نہیں ہے لیکن جس وقت ہم سویز نہر سے گزر رہے تھے، وہ بہت دور نہ تھے۔ لیکن تم نے ان کی تصویریں دیکھیں ہیں۔ شاید تمھارے پاس ان کی تصویروں کے پوسٹ کارڈ موجود ہوں۔ اسفنکس عورت کے سر والی شیر کی مورتی کو کہتے ہیں۔ اس کا ڈیل ڈول بہت بڑا ہے۔ کسی کو یہ نہیں معلوم کہ یہ مورتی کیوں بنائی گئی اور اس کا کیا مطلب ہے اور اس عورت کے چہرے پر ایک عجیب مرجھائی ہوئی مسکراہٹ ہے۔ اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیوں مسکرا رہی ہے۔ کسی آدمی کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اسفنکس کی طرح ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ تم اسے بالکل نہیں سمجھتے۔

مینار بھی بہت لمبے چوڑے ہیں۔ دراصل وہ مصر کے پرانے بادشاہوں کے مقبرے ہیں جنھیں فرعون کہتے تھے۔ تمھیں یاد ہے کہ تم نے لندن کے عجائب گھر میں مصر کی ممی دیکھی تھی؟ ممی کسی آدمی یا جانور کی لاش کو کہتے ہیں۔ جس میں کچھ ایسے تیل اور مسالے لگادیے گئے ہوں کہ وہ سڑ نہ سکے۔ فرعونوں کی لاشوں کی ممی بنادی جاتی تھیں اور تب وہ بڑے بڑے میناروں میں رکھ دی جاتی تھیں۔ لاشوں کے پاس سونے اور چاندی کے گہنے اور سجاوٹ کی چیزیں اور کھانا رکھ دیا جاتا تھا۔ کیونکہ لوگ خیال کرتے تھے کہ شاید مرنے کے بعد انھیں ان چیزوں کی ضرورت ہو۔ دو تین سال ہوئے کچھ لوگوں نے ان میں سے ایک مینار کے اندر ایک فرعون کی لاش پائی جس کا نام توتن خامن تھا۔ اس کے پاس بہت سی خوبصورت اور قیمتی چیزیں رکھی ہوئی ملیں۔

اس زمانے میں مصر میں کھیتی کو سینچنے کے لیے اچھی اچھی نہریں اور جھیلیں بنائی جاتی

تھیں۔ میریڈو نام کی جھیل خاص طور پر مشہور تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے کے مصر کے رہنے والے کتنے ہوشیار تھے اور انھوں نے کتنی ترقی کی تھی۔ ان نہروں اور جھیلوں اور بڑے بڑے میناروں کو اچھے اچھے انجینئروں نے ہی تو بنایا ہوگا۔

کینڈیا یا کریٹ ایک چھوٹا سا ٹاپو ہے جو بھومدھیہ ساگر میں ہے۔ سعید بندر سے وینس جاتے وقت ہم اس ٹاپو کے پاس سے ہوکر نکلے تھے۔ اس چھوٹے سے ٹاپو میں اس پرانے زمانے میں بہت اچھی سبھیتا پائی جاتی تھی۔ نوسوز میں ایک بہت بڑا محل تھا اور اس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ اس محل میں غسل خانے تھے اور پانی کی نلیں بھی تھیں۔ جنھیں نادان لوگ نئے زمانے کی نکلی ہوئی چیز سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت خوبصوت مٹی کے برتن، پتھر کی نقاشی، تصویریں اور دھاتوں اور ہاتھی دانت کے باریک کام بھی ہوتے تھے۔ اس چھوٹے سے ٹاپو میں لوگ شانتی سے رہتے تھے اور انھوں نے خوب ترقی کی تھی۔

تم نے میداس بادشاہ کا حال پڑھا ہوگا جس کی نسبت مشہور ہے کہ جس چیز کو چھولیتا تھا وہ سونا ہوجاتی تھی۔ وہ کھانا نہ کھا سکتا تھا کیونکہ کھانا سونا ہوجاتا تھا اور سونا تو کھانے کی چیز نہیں ہے۔ اس کے لالچ کی اسے یہ سزا دی گئی تھی۔ یہ ہے تو ایک مزیدار کہانی، لیکن اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سونا اتنی اچھی اور لابھ دایک چیز نہیں جتنی لوگ خیال کرتے ہیں۔ کریٹ کے سب راجا میداس کہلاتے تھے اور یہ کہانی انھیں میں سے کسی راجا کی ہوگی۔

کریٹ کی ایک اور کتھا ہے جو شاید تم نے سنی ہو۔ وہاں مینوٹار نام کا ایک دیو تھا، جو آدھا آدمی اور آدھا بیل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جوان آدمی اور لڑکیاں، اسے کھانے کو دی جاتی تھیں۔ میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مذہب کا خیال شروع میں کسی انجانی چیز کے ڈر سے پیدا ہوا۔ لوگوں کو پرکرتی کا کچھ گیان نہ تھا۔ نہ ان باتوں کو سمجھتے تھے جو دنیا میں برابر ہوتی رہتی تھیں۔ اس لیے ڈر کے مارے وہ بہت سی بیوقوفی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کا یہ بلیدان کسی دیو کو نہ کیا جاتا ہو بلکہ وہ محض خیالی دیو ہو کیونکہ میں سمجھتا ہوں ایسا دیو کبھی ہوا ہی نہیں۔

اس پرانے زمانے میں سارے سنسار میں مردوں اور عورتوں کا فرضی دیوتاؤں کے لیے بلیدان کیا جاتا تھا۔ یہی ان کی پوجا کا ڈھنگ تھا۔ مصر میں لڑکیاں نیل ندی میں ڈال دی جاتی تھیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس سے 'پتا نیل' خوش ہوں گے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب آدمیوں کا بلیدان نہیں کیا جاتا۔ ہاں شاید دنیا کے کسی کونے میں کبھی کبھی ہوجاتا ہو۔ لیکن اب بھی ایشور کو خوش کرنے کے لیے جانوروں کا بلیدان کیا جاتا ہے۔ کسی کی پوجا کرنے کا یہ کتنا انوکھا ڈھنگ ہے۔

چین اور ہندستان

ہم لکھ چکے ہیں کہ شروع میں میسو پوٹامیا، مصر اور بھومدھیہ ساگر کے چھوٹے سے ٹاپو کریٹ میں سبھیتا شروع ہوئی اور پھیلی، اسی زمانے میں چین اور ہندستان میں بھی اونچے درجے کی سبھیتا شروع ہوئی اپنے ڈھنگ سے پھیلی۔

دوسری جگہوں کی طرح چین میں بھی لوگ بڑی ندیوں کی گھاٹیوں میں آباد ہوئے۔ یہ اس جاتی کے لوگ تھے جنھیں منگول کہتے ہیں۔ وہ پیتل کے خوبصورت برتن بناتے تھے اور کچھ دنوں بعد لوہے کے برتن بھی بنانے لگے۔ انھوں نے نہریں اور اچھی اچھی عمارتیں بنائیں، اور لکھنے کا ایک ڈھنگ نکالا۔ یہ لکھاوٹ ہندی، اردو، انگریزی سے بالکل نہیں ملتی۔ یہ ایک قسم کی تصویردار لکھاوٹ تھی۔ ہر ایک شبد اور کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے جملوں کی بھی تصویر ہوتی تھی۔ پرانے زمانے میں مصر، کریٹ اور بابل میں بھی تصویری لکھاوٹ ہوتی تھی۔ اسے اب چترلپی کہتے ہیں۔ تم نے یہ لکھاوٹ عجائب گھر کی بعض کتابوں میں دیکھی ہوگی۔ مصر اور پچھم کے ملکوں میں لکھاوٹ صرف بہت پرانی عمارتوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان ملکوں میں بھی اس لکھاوٹ کا بہت دنوں سے رواج نہیں رہا۔ لیکن چین میں اب بھی ایک قسم کی تصویر دار لکھاوٹ موجود ہے اور اوپر سے نیچے کو لکھی جاتی ہیں۔ انگریزی یا ہندی کی طرح بائیں سے دائیں طرف یا اردو کی طرح داہنی سے بائیں طرف نہیں۔

ہندستان میں بہت سی پرانے زمانے کی عمارتوں کے کھنڈر شاید ابھی تک زمین میں نیچے دبے پڑے ہیں۔ جب تک انھیں کوئی کھود نہ نکالے تب تک ہمیں ان کا پتا نہیں چلتا۔ لیکن اتر میں بعض بہت پرانے کھنڈروں کی کھدائی ہو چکی ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ بہت پرانے زمانے میں جب آریہ لوگ ہندوستان میں آئے تو یہاں دراوڑ جاتی کے لوگ رہتے تھے۔ اور ان کی سبھیتا بھی اونچے درجے کی تھی۔ وہ دوسرے ملک والوں کے ساتھ بیوپار کرتے تھے۔ وہ اپنی بنائی ہوئی بہت سی چیزیں میسوپوٹامیا اور مصر میں بھیجا کرتے تھے۔ سمندری راستے سے وہ خاص کر چاول اور مسالے اور ساکھو کی عمارتی لکڑیاں بھی بھیجا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ میسو پوٹامیا کے 'اُر' نامی شہر کے بہت سے پرانے محل دکشنی ہندستان سے

آئی ہوئی ساکھو کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سونا، موتی، ہاتھی دانت، مور اور بندر ہندستان سے پچھم کے ملکوں کو بھیجے جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہندستان اور دوسرے ملکوں میں بہت ویاپار ہوتا تھا۔ ویاپار تبھی بڑھتا ہے جب لوگ سبھیہ ہوتے ہیں۔

اس زمانے میں ہندستان اور چین میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں یا راجیہ تھے۔ ان میں سے کسی ملک میں بھی ایک راجیہ نہ تھا۔ ہر ایک چھوٹا شہر جس میں کچھ گاؤں اور کھیت ہوتے تھے، ایک الگ راجیہ ہوتا تھا۔ وہ شہری ریاستیں کہلاتی ہیں۔ اس پرانے زمانے میں ان سے بہت سی ریاستوں میں پنچایتی راجیہ تھا۔ بادشاہ نہ تھے، راجیہ کا انتظام کرنے کے لیے چنے ہوئے آدمیوں کی ایک پنچایت ہوتی تھی۔ پھر بھی بعض ریاستوں میں راجا راجیہ تھا۔ گو کہ ان شہری ریاستوں کی سرکاریں الگ ہوتی تھیں۔ لیکن کبھی کبھی وہ ایک دوسرے کی مدد کیا کرتی تھیں، کبھی کبھی ایک بڑی ریاست کئی چھوٹی ریاستوں کی اگوا بن جاتی تھی۔

چین میں کچھ ہی دنوں بعد ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی جگہ ایک بہت بڑا راجیہ ہو گیا۔ اسی راجیہ کے زمانے میں چین کی بڑی دیوار بنائی گئی تھی۔ تم نے اس بڑی دیوار کا حال پڑھا ہے۔ وہ کتنی عجیب و غریب چیز ہے۔ وہ سمندر کے کنارے سے اونچے اونچے پہاڑوں تک بنائی گئی تھی، تاکہ منگول جاتی کے لوگ چین میں گھس کر نہ آسکیں۔ یہ دیوار چودہ سو میل لمبی، بیس سے تیس فیٹ تک اونچی اور پچیس فیٹ چوڑی ہے۔ تھوڑی تھوڑی دور پر قلعے اور بُرج ہیں۔ اگر ایسی دیوار ہندستان میں بنے تو وہ اتر میں لاہور سے لے کر دکشن میں مدراس تک چلی جائے گی۔ وہ دیوار اب بھی موجود ہے اور اگر تم چین جاؤ تو اسے دیکھ سکتی ہو۔

سمندری سفر اور بیوپار

فنیشین بھی پرانے زمانے کی ایک سبھیہ جاتی تھی۔ اس کی نسل بھی وہی تھی جو یہودیوں اور عربوں کی ہے۔ وہ خاص کر ایشیا مائیز کی پچھمی کنارے پر رہتے تھے۔ جو آج کل کا ترکی ہے۔ ان کے خاص خاص شہر ایکر ٹائر اور سڈون مدھیہ سمندر کے کنارے پر تھے۔ وہ ویاپار کے لیے لمبے سفر کرنے میں مشہور تھے۔ وہ مدھیہ سمندر سے ہوتے ہوئے سیدھے انگلینڈ تک چلے جاتے تھے۔ شاید وہ ہندوستان بھی آئے ہوں۔

اب ہمیں دو بڑی بڑی باتوں کی دلچسپ شروعات کا پتہ چلتا ہے۔ سمندری سفر اور ویاپار۔ آج کل کی طرح اس زمانے میں اچھے اگن بوٹ اور جہاز نہ تھے۔ سب سے پہلی ناؤ کسی درخت کے تنے کو کھوکھلا کر بنی ہوگی۔ ان کے چلنے کے لیے ڈنڈوں سے کام لیا جاتا تھا۔ اور کبھی کبھی ہوا کے زور کے لیے ترپال لگادیتے تھے۔ اس زمانے میں سمندر کے سفر بہت دلچسپ اور بھیانک رہے ہوں گے۔ عرب ساگر کو ایک چھوٹی سی کشتی پر، جو ڈانڈوں اور پالوں سے چلتی طے کرنے کا خیال تو کرو۔ ان میں چلنے پھرنے کے لیے بہت کم جگہ رہتی ہوگی اور ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی اسے تلے اوپر کردیتا ہے۔ اکثر وہ ڈوب بھی جاتی تھی۔ کھلے سمندر میں ایک چھوٹی سی کشتی پر نکلنا بہادری ہی کا کام تھا۔ اس میں بڑے بڑے خطرے تھے اور ان میں بیٹھنے والے آدمیوں کو مہینوں تک زمین کے درشن نہ ہوتے تھے۔ اگر کھانا کم پڑجاتا تھا تو انھیں بیچ سمندر میں کوئی چیز نہ مل سکتی تھی۔ جب تک کہ وہ مچھلی یا چڑیا کا شکار نہ کریں۔ سمندر خطرے اور جوکھم سے بھرا ہوا تھا۔ پرانے زمانے کے مسافروں کو جو خطرے پیش آتے تھے اس کا بہت کچھ حال کتابوں میں موجود ہے۔

لیکن اس جوکھم کے ہوتے ہوئے بھی لوگ سمندری سفر کرتے تھے۔ ممکن ہے کچھ لوگ اس لیے سفر کرتے ہوں کہ انھیں بہادری کے کام پسند تھے، لیکن زیادہ تر لوگ سونے اور دولت کے لالچ میں سفر کرتے تھے۔ وہ ویاپار کرنے جاتے تھے، مال خریدتے تھے اور بیچتے تھے، اور دھن کماتے تھے۔ بیوپار کیا ہے؟ آج تم بڑی بڑی دوکانیں دیکھتی ہو اور ان

میں جا کر اپنی ضرورت کی چیز خرید لینا کتنا سہل ہے۔ لیکن کیا تم نے دھیان دیا ہے کہ جو چیزیں تم خریدتی ہو وہ آتی کہاں سے ہیں؟ تم الٰہ آباد کی ایک دکان میں ایک شال خریدتی ہو۔ وہ کشمیر سے یہاں تک کا راستہ طے کرتا ہوا آیا ہوگا۔ اور اون کشمیر اور لداخ کی پہاڑیوں میں بھیڑوں کی کھال پر پیدا ہوا ہوگا۔ دانت کا منجن جو تم خریدتی ہو شاید جہاز اور ریل گاڑیوں پر ہوتا ہوا امریکہ سے آیا ہو۔ اسی طرح چین، جاپان، پیرس، لندن کی بنی ہوئی چیزیں بھی مل سکتی ہیں۔ ولایتی کپڑے کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو لے لو جو یہاں بازار میں بکتا ہے۔ روئی پہلے ہندستان میں پیدا ہوئی اور انگلینڈ بھیجی گئی۔ ایک بڑے کارخانے نے اسے خریدا، صاف کیا، اس کا سوت بنایا اور تب کپڑا تیار کیا۔ یہ کپڑا پھر ہندستان آیا اور بازار میں بکنے لگا۔ بازار میں بکنے کے پہلے اسے لوٹا پھیری میں کتنے ہزار میلوں کا سفر کرنا پڑا۔ یہ نادانی کی بات معلوم ہوتی ہے کہ ہندستان میں پیدا ہونے والی روئی اتنی دور انگلینڈ بھیجی جائے، وہاں اس کا کپڑا بنے اور پھر ہندستان میں آوے۔ اس میں کتنا وقت اور روپیہ اور محنت برباد ہوجاتی ہے۔ اگر روئی کا کپڑا ہندستان میں ہی بنے تو وہ ضرور زیادہ سستا اور اچھا ہوگا۔ تم جانتی ہو کہ ہم ولایتی کپڑے نہیں خریدتے۔ ہم کھدر پہنتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تک ممکن ہو اپنے ملک میں پیدا ہونے والی چیز کو خریدنا عقل مندی کی بات ہے۔ ہم اس لیے بھی کھدر خریدتے اور پہنتے ہیں کہ اس سے ان غریب آدمیوں کی مدد ہوتی ہے جو اسے کاتتے اور بنتے ہیں۔

اب تمھیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ آج کل ویاپار کتنی پیچیدہ چیز ہے۔ بڑے بڑے جہاز ایک ملک کا مال دوسرے ملک میں پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن پرانے زمانے میں یہ بات نہ تھی۔

جب ہم پہلے پہل کسی ایک جگہ پر آباد ہوئے تو ہمیں ویاپار کرنا بالکل نہ آتا تھا۔ آدمی کو اپنی ضرورت کی چیزیں اپنے آپ بنانی پڑتی تھیں۔ یہ سچ ہے کہ اس وقت آدمی کو بہت چیزوں کی ضرورت نہ تھی۔ جیسا تم سے پہلے کہہ چکا ہوں۔ اس کے بعد جاتی میں کام بانٹا جانے لگا۔ لوگ طرح طرح کے کام کرنے لگے اور طرح طرح کی چیزیں بنانے لگے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہوگا کہ ایک جاتی کے پاس ایک چیز زیادہ ہوتی ہوگی۔ اور دوسری جاتی کے پاس دوسری چیز۔ اس لیے اپنی اپنی چیزوں کو بدل لینا ان کے لیے بالکل سیدھی بات تھی۔ مثال کے طور پر ایک جاتی ایک بورے چنے پر ایک گائے دیتی ہوگی۔ اس زمانے میں روپیہ

نہ تھا، چیزوں کا صرف بدلہ ہوتا تھا اس طرح بدلہ شروع ہوا۔ اس میں کبھی کبھی دقت پیدا ہوتی ہوگی۔ ایک بورے چنے یا اسی طرح کی دوسری چیز کے لیے ایک آدمی کو ایک گائے یا دو بھیڑیں لے جانی ہوتی ہوں گی لیکن پھر بھی ویاپار ترقی کرتا رہا۔

جب سونا اور چاندی نکلنے لگا تو لوگوں نے اسے کام میں لانا شروع کیا۔ انھیں لے جانا زیادہ آسان تھا۔ اور دھیرے دھیرے مال کے بدلے میں سونا چاندی کا مال لینے کا رواج نکل پڑا۔ جس آدمی کو پہلے پہل یہ بات سوجھی ہوگی وہ بہت ہوشیار ہوگا۔ سونے چاندی کو اس طرح کام میں لانے سے بیوپار کرنا بہت آسان ہوگیا۔ لیکن اس وقت بھی آج کل کی طرح سکے نہ تھے۔ سونا ترازو پر تول کر دوسرے آدمی کو دے دیا جاتا تھا۔ اس کے بہت دنوں کے بعد سکے کا رواج ہوا اور اس سے ویاپار اور بدلے میں اور بھی سوبھیتا ہوگیا۔ تب تولنے کی ضرورت نہ رہی۔ کیونکہ سبھی آدمی سکے کی قیمت جانتے تھے۔ آج کل سبھی جگہ سکے کا رواج ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ نرا روپیہ ہمارے کسی کام کا نہیں ہے۔ یہ ہمیں اپنی ضرورت کی دوسری چیزوں کے لینے میں مدد دیتا ہے۔ اس سے چیزوں کا بدلنا آسان ہوجاتا ہے۔ تمھیں راجا میداس کا قصہ یاد ہوگا جن کے پاس سونا تو بہت تھا لیکن کھانے کو کچھ نہیں اس لیے روپیہ بیکار ہے۔ جب تک ہم اس سے ضرورت کی چیز نہ خرید لیں۔

مگر آج کل بھی تمھیں دیہاتوں میں ایسے لوگ ملیں گے جو سچ مچ چیزوں کا بدلہ کرتے ہیں اور دام نہیں دیتے۔ لیکن عام طور پر روپیہ کام میں لایا جاتا ہے کیونکہ اس میں بہت زیادہ سوبھیتا ہے۔ بعض نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ روپیہ خود ہی بہت اچھی چیز ہے اور وہ اسے خرچ کرنے کے بدلے بٹورتے اور گاڑتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ انھیں یہ نہیں معلوم ہے کہ روپیہ کا رواج کیسے پڑا اور یہ دراصل کیا ہے۔

بھاشا، لکھاوٹ اور گنتی

ہم طرح طرح کی بھاشاؤں کا پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں۔ اور دکھا چکے ہیں کہ ان کا آپس میں کیا ناتا ہے۔ آج ہم یہ وچار کریں گے کہ لوگوں نے بولنا کیونکر سیکھا۔

ہمیں معلوم ہے کہ جانوروں کی بھی کچھ بولیاں ہوتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بندروں میں تھوڑی سی معمولی چیزوں کے لیے شبد یا بولیاں موجود ہیں۔ تم نے بعض جانوروں کی عجیب آوازیں بھی سنیں ہوں گی۔ جو وہ ڈر جانے پر اور اپنے بھائی بندھو کو کسی خطرے کی خبر دینے کے لیے منہ سے نکالتے ہیں۔ شاید اسی طرح آدمیوں میں بھی بھاشا کی شروعات ہوئی۔ شروع میں بہت سیدھی سادی آوازیں رہی ہوں گی۔ جب وہ کسی چیز کو دیکھ کر ڈر جاتے ہوں گے اور دوسروں کو اس کی خبر دینا چاہتے ہوں گے تو وہ خاص طرح کی آواز نکالتے ہوں گے۔ شاید اس کے بعد بھی مزدوروں کی بولیاں شروع ہوئیں۔ جب بہت سے آدمیوں کو کوئی چیز کھینچتے یا کوئی بھاری بوجھ اٹھاتے دیکھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ساتھ ہانک لگانے میں انھیں کچھ سہارا ملتا ہے۔ یہی بولیاں پہلے پہل آدمی کے منہ سے نکلی ہوں گی۔

دھیرے دھیرے اور شبد بنتے گئے ہوں گے۔ جیسے پانی اور آگ، گھوڑا، بھالو۔ پہلے شاید صرف نام ہی تھے کریائیں نہ تھیں۔ اگر کوئی آدمی یہ کہنا چاہتا ہوگا کہ میں نے بھالو کو دیکھا ہے۔ تو وہ ایک شبد ''بھالو'' کہتا ہوگا اور بچوں کی طرح بھالو کی طرف اشارہ کرتا ہوگا۔ اس وقت لوگوں میں بہت کم بات چیت ہوتی ہوگی۔ دھیرے دھیرے بھاشا ترقی کرنے لگی۔ پہلے چھوٹے چھوٹے واکیہ پیدا ہوئے، پھر بڑے بڑے۔ کسی زمانے میں بھی شاید سبھی جاتیوں کی ایک ہی بھاشہ نہ تھی۔ لیکن کوئی زمانہ ایسا ضرور تھا جب بہت سی طرح طرح کی بھاشائیں نہ تھیں۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تب تھوڑی سی بھاشائیں تھیں۔ مگر بعد کو ان میں سے ہی ہر ایک کی کئی شاکھائیں پیدا ہو گئیں۔

سبھیتا شروع ہونے کے زمانے تک، جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں بھاشا نے بہت ترقی کر لی تھی۔ بہت سے گیت بن گئے تھے اور بھانڈ و گویئے انھیں گاتے تھے۔ اس زمانے میں نہ لکھنے کا بہت رواج تھا اور نہ بہت کتابیں تھیں۔ اس لیے لوگوں کو اب سے کئی باتیں یاد

رکھنی پڑتی تھیں۔ تک بندیوں اور چھندوں کو یاد رکھنا زیادہ سہل ہے۔ ان ملکوں میں جہاں پرانے زمانے میں سبھیتا پھیلی ہوئی تھی، تک بندیوں اور لڑائی کے گیتوں کا بہت رواج تھا۔

بھاٹوں اور گویوں کو مرے ہوئے ویروں کی بہادری کے گیت بہت اچھے لگتے تھے۔ اس زمانے میں آدمی کی زندگی کا خاص کام لڑنا تھا اس لیے ان کے گیت بھی لڑائیوں ہی کے ہیں۔ ہندستان ہی نہیں، دوسرے ملکوں میں بھی یہی رواج تھا۔

لکھنے کی شروعات بھی بہت مزیدار ہے۔ میں چینی لکھاوٹ کا ذکر کرچکا ہوں۔ سبھی میں لکھنا تصویروں سے شروع ہوا ہوگا۔ جو آدمی مور کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوگا، اسے مور کی تصویر کا خاکہ بنانا پڑتا ہوگا۔ ہاں اس طرح کوئی بہت زیادہ نہ لکھ سکتا ہوگا۔ دھیرے دھیرے صرف تصویریں نشانیاں رہ گئیں ہوں گی اس کے بہت دنوں پیچھے ورن مالا نکلی ہوگی اور اس کا رواج ہوا ہوگا۔ اس سے لکھنا بہت سہل ہوگیا اور جلدی جلدی ترقی ہونے لگی۔

عدد اور گنتی کا نکلنا بھی بڑے معرکے کی بات رہی ہوگی۔ گنتی کے بغیر کوئی روزگار کرنے کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جس آدمی نے گنتی نکالی وہ بڑا دماغ والا یا ہوشیار آدمی رہا ہوگا۔ یوروپ میں پہلے انک بہت بے ڈھنگے تھے۔ رومن انکوں کو تم جانتی ہو I,II,III,IV,V, VI,VII,IX,X اتیادی۔ یہ بہت بے ڈھنگے ہیں اور انھیں کام میں لانا بہت مشکل ہے۔ آج کل ہم ہر ایک بھاشا میں، جن انکوں کو کام میں لاتے ہیں وہ بہت اچھے ہیں۔ میں ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، وغیرہ انکوں کو کہہ رہا ہوں۔ انھیں عربی انک کہتے ہیں کیونکہ یوروپ والوں نے انھیں عرب جاتی سے سیکھا ہے۔ لیکن عرب والوں نے انھیں ہندستانیوں سے سیکھا تھا۔ اس لیے انھیں ہندوستانی انک کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

لیکن میں تو سرپٹ دوڑ رہا ہوں۔ ابھی ہم عرب جاتی تک نہیں پہنچے ہیں۔

آدمیوں کے الگ الگ درجے

لڑکے، لڑکیوں اور سیانوں کو بھی اتیہاس اکثر ایک عجیب ڈھنگ سے پڑھایا جاتا ہے۔ انھیں راجاؤں اور دوسرے آدمیوں کے نام اور لڑائیوں کی تاریخیں یاد کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن دراصل اتیہاس لڑائیوں، کا یا تھوڑے سے راجاؤں یا سیناپتیوں کا نام نہیں ہے۔ اتیہاس کا کام یہ ہے کہ ہمیں کسی ملک کے آدمیوں کا حال بتلائے کہ وہ کس طرح رہتے تھے، کیا کرتے تھے اور کیا سوچتے تھے، کس بات سے انھیں خوشی ہوتی تھی، کس بات سے رنج ہوتا تھا، ان کے سامنے کیا کیا کٹھنائیاں آئیں اور ان لوگوں نے کیسے ان پر قابو پایا۔ اگر ہم اتیہاس کو اس طریقے سے پڑھیں تو ہمیں اس سے بہت سی باتیں معلوم ہوں گی۔ اگر اسی طرح کی کوئی کٹھنائی یا آفت ہمارے سامنے آئے تو اتیہاس کے جاننے سے ہم اس پر وجے پاسکتے ہیں۔ پرانے زمانے کا حال پڑھنے سے ہمیں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ لوگوں کی حالت پہلے سے اچھی ہے یا خراب انھوں نے کچھ ترقی کی ہے یا نہیں۔

یہ سچ ہے کہ ہمیں پرانے زمانے کے مردوں اور عورتوں کے چرت سے کچھ نہ کچھ سبق لینا چاہیے۔ لیکن ہمیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ پرانے زمانے میں بھن بھن جاتی کے آدمیوں کا کیا حال تھا۔

میں تمھیں بہت سے خط لکھ چکا ہوں۔ یہ چوبیسواں خط ہے لیکن اب تک ہم نے بہت پرانے زمانے کی ہی چرچا کی ہے، جس کے بارے میں ہمیں تھوڑی ہی سی باتیں معلوم ہیں۔ اسے ہم اتیہاس نہیں کہہ سکتے ۔ اسے ہم اتیہاس کی شروعات، یا اتیہاس کا ادے کہہ سکتے ہیں۔ جلد ہی ہم بعد کے زمانے کا ذکر کریں گے۔ جس سے ہم زیادہ واقف ہیں اور جسے اتیہاسک کال کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اس پرانی سبھیتا کا ذکر چھوڑنے کے پہلے آؤ ہم اس پر پھر ایک نگاہ ڈالیں اوراسکا پتہ لگائیں کہ اس زمانے میں آدمیوں کی کون کون سی قسمیں تھیں۔

ہم یہ پہلے دیکھ چکے ہیں کہ پرانی جاتیوں کے آدمیوں نے طرح طرح کے کام کرنے شروع کیے۔ کام یا پیشے کا بٹوارا ہوگیا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جاتی کے سرپنچ یا سرغنہ نے اپنے پریوار کو دوسروں سے الگ کرلیا اور کام کا انتظام کرنے لگا۔ اور اونچے درجے

میں آدمی بن بیٹھا، یا یوں سمجھ لو کہ اس کا پریوار اوروں سے اونچے میں آگیا۔ اس طرح آدمیوں کے دو درجے ہوگئے۔ ایک انتظام کرتا تھا اور حکم دیتا تھا، اور دوسرا اصلی کام کرتا تھا۔ اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ انتظام کرنے والے درجے کا اختیار زیادہ تھا اور اس کے زور سے انھوں نے وہ سب چیزیں لے لیں جن پر وہ ہاتھ بڑھا سکے۔ وہ زیادہ مالدار ہوگئے اور کام کرنے والوں کی کمائی کو دن دن زیادہ ہڑپنے لگیں۔

اس طرح جیوں جیوں کام کی بانٹ ہوتی گئی اور درجے پیدا ہوتے گئے۔ راجا اور اس کا پریوار تو تھا ہی، اس کے درباری بھی پیدا ہوگئے۔ وہ ملک کا انتظام کرتے تھے اور دشمنوں سے اس کی حفاظت کرتے تھے۔ وہ عام طور پر دوسرا کام نہ کرتے تھے۔

مندروں میں پجاریوں اور نوکروں کا ایک دوسرا درجہ تھا۔ اس زمانے میں ان لوگوں کا بہت رعب داب تھا اور ہم ان کا ذکر پھر کریں گے۔

تیسرا درجہ ویاپاریوں کا تھا۔ یہ وہ سوداگر لوگ تھے جو ایک ملک کا مال دوسرے ملک میں لے جاتے تھے، مال خریدتے تھے اور بیچتے تھے اور دکانیں کھولتے تھے۔

چوتھا درجہ کاریگروں کا تھا، جو ہر ایک قسم کی چیزیں بناتے تھے، سوت کاتتے اور کپڑے بنتے تھے، مٹی کے برتن بناتے تھے، پیتل کے برتن گڑھتے تھے، سونے اور ہاتھی دانت کی چیزیں بناتے تھے اور بہت سے اور کام کرتے تھے۔ یہ لوگ اکثر شہروں میں یا شہروں کے نزدیک رہتے تھے لیکن بہت سے دیہاتوں میں بسے ہوئے تھے۔

سب سے نیچا درجہ ان کسانوں اور مزدوروں کا تھا جو کھیتوں میں یا شہروں میں کام کرتے تھے اس درجے میں سب سے زیادہ آدمی تھے اور سبھی درجوں کے لوگ انھیں پر دانت لگائے رہتے تھے اور ان سے کچھ نہ کچھ اینٹھتے رہتے تھے۔

راجا، مندر اور پجاری

ہم نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ آدمیوں کے پانچ درجے بن گئے۔ سب سے بڑی جماعت مزدور اور کسانوں کی تھی۔ کسان زمین جوتتے تھے اور کھانے کی چیزیں پیدا کرتے تھے۔ اگر کسان یا اور لوگ زمین نہ جوتتے اور کھیتی نہ ہوتی تو اناج پیدا ہی نہ ہوتا، یا ہوتا تو بہت کم۔ اس لیے کسانوں کا درجہ بہت ضروری تھا، وہ نہ ہوتے تو سب لوگ بھوکوں مرجاتے۔ مزدور بھی کھیتوں یا شہروں میں بہت فائدے کا کام کرتے تھے۔ لیکن ان ابھاگوں کو اتنا ضروری کام کرنے اور ہر ایک آدمی کے کام آنے پر بھی مشکل سے گزارے بھر کو ملتا تھا۔ ان کی کمائی کا بڑا حصہ دوسروں کے ہاتھ پڑجاتا تھا۔ خاص کر راجا اور اس کے درجے کے دوسرے آدمیوں اور امیروں کے ہاتھ ان کی ٹولی کے دوسرے لوگ جن میں درباری بھی شامل تھے انھیں بالکل چوس لیتے تھے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ راجا اور اس کے درباریوں کا بہت دباؤ تھا۔ شروع میں جب جاتیاں بنیں، تو زمین کسی ایک آدمی کی نہ ہوتی تھی، جاتی بھر کی ہوتی تھی۔ لیکن جب راجا اور اس کی ٹولی کے آدمیوں کی طاقت بڑھ گئی تو وہ کہنے لگے کہ زمین ہماری ہے، وہ زمیندار ہوگئے اور بیچارے کسان جو چھاتی پھاڑ کر کھیتی باڑی کرتے تھے، ایک طرح سے محض ان کے نوکر ہوگئے۔ پھل یہ ہوا کہ کسان کھیتی کرکے جو کچھ پیدا کرتے تھے وہ بٹ جاتا تھا اور بڑا حصہ زمیندار کے ہاتھ لگتا تھا۔

بعض مندروں کے قبضے میں بھی زمین تھی، اس لیے پجاری بھی زمیندار ہوگئے۔ مگر یہ مندر اور ان کے پجاری تھے کون۔ میں ایک خط میں لکھ چکا ہوں کہ شروع میں جنگلی آدمیوں کو ایشور اور مذہب کا خیال اس وجہ سے پیدا ہوا کہ دنیا کی بہت سی باتیں سمجھ میں نہ آتی تھیں اور جس بات کو وہ سمجھ نہ سکتے تھے، اس سے ڈرتے تھے۔ انھوں نے ہر ایک چیز کو دیوتا یا دیوی بنادیا، جیسے ندی، پہاڑ، سورج، پیڑ، جانور اور بعض ایسی چیزیں جنھیں وہ دیکھ تو نہ سکتے تھے پر کلپنا کرتے تھے۔ جیسے بھوت پریت۔ وہ ان دیوتاؤں سے ڈرتے تھے، اس لیے انھیں ہمیشہ یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ انھیں سزا دینا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے دیوتاؤں کو بھی اپنی ہی

طرح کرودھی اور نردئی سمجھتے تھے اور ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے یا انھیں خوش کرنے کے لیے قربانیاں دیا کرتے تھے۔

انھیں دیوتاؤں کے لیے مندر بننے لگے۔ مندر کے بھیتر ایک منڈپ ہوتا تھا، جس میں دیوتا کی مورتی ہوتی تھی۔ وہ کسی ایسی چیز کی پوجا کیسے کرتے جسے وہ دیکھ ہی نہ سکیں یہ ذرا مشکل ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ چھوٹا بچہ انھیں چیزوں کا خیال کرسکتا ہے جنھیں وہ دیکھتا ہے۔ شروع زمانے کے لوگوں کی حالت کچھ بچوں کی سی تھی۔. چونکہ وہ مورتی کے بنا پوجا ہی نہ کرسکتے تھے، وہ اپنے مندروں میں مورتیاں رکھتے تھے۔ یہ کچھ عجیب بات ہے کہ یہ مورتیاں برابر ڈراونے، کروپ جانوروں کی ہوتی تھیں، یا کبھی کبھی آدمی اور جانوروں کی ملی ہوئی۔ مصر میں ایک زمانے میں بلی کی پوجا ہوتی تھی، اور مجھے یاد آتا ہے کہ ایک دوسرے زمانے میں بندر کی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ ایسی بھیانک مورتیوں کی پوجا کیوں کرتے تھے۔ اگر مورتی ہی پوجنا چاہتے تھے تو اسے خوبصورت کیوں نہ بناتے تھے؟ لیکن شاید ان کا خیال تھا کہ دیوتا ڈراونے ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ان کی ایسی بھیانک مورتی بناتے تھے۔

اس زمانے میں شاید لوگوں کا یہ خیال نہ تھا کہ ایشور ایک ہے، یا وہ کوئی بڑی طاقت ہے جیسا لوگ آج سمجھتے ہیں۔ وہ سوچتے ہوں گے، کہ بہت سے دیوتا اور دیویاں ہیں۔ جن میں شاید کبھی کبھی لڑائیاں بھی ہوتی ہیں۔ الگ الگ شہروں اور ملکوں کے دیوتا بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔

مندروں میں بہت سے پجاری اور پجارنیں ہوتی تھیں۔ پجاری لوگ عام طور پر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور دوسرے آدمیوں سے زیادہ پڑھے لکھے ہوتے تھے۔ اس لیے راجا لوگ ان سے صلاح لیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں کتابوں کو لکھنا یا نقل کرنا پجاریوں کا ہی کام تھا۔ انھیں کچھ ودھائیں آتی تھیں۔ اس لیے وہ پرانے زمانے کے رشی سمجھے جاتے تھے۔ وہ حکیم بھی ہوتے تھے اور اکثر محض یہ دکھانے کے لیے کہ وہ لوگ کتنے پہنچے ہوئے ہیں وہ لوگوں کے سامنے جادو کے کرتب کیا کرتے تھے۔ لوگ سیدھے اور مُورکھ تو تھے ہی وہ پجاریوں کو جادوگر سمجھتے تھے اور ان سے تھرتھر کانپتے تھے۔

پجاری لوگ ہر طرح سے آدمیوں کی زندگی کے کاموں میں ملے جلے رہتے تھے۔ وہی اس زمانے کے عقلمند آدمیوں میں تھے اور ہر ایک آدمی مصیبت یا بیماری میں ان کے پاس

جاتا تھا۔ وہ آدمیوں کے لیے بڑے بڑے تہواروں کا انتظام کرتے تھے۔اس زمانے میں پترے نہ تھے، خاص کہ غریب آدمیوں کے لیے۔وہ تہواروں ہی سے دنوں کا حساب لگاتے تھے۔

پجاری لوگ پرجا کو ٹھگتے اور دھوکا دیتے تھے لیکن ان کے ساتھ کئی باتوں میں ان کی مدد بھی کرتے اور انھیں آگے بھی بڑھاتے تھے۔

ممکن ہے کہ جب لوگ پہلے پہل شہروں میں بسنے لگے ہوں تو وہ ان پر راجیہ کرنے والے راجہ نہ رہے ہوں، پجاری ہی رہے ہوں۔ بعد کو راجا آئے ہوں گے اور چونکہ وہ لوگ لڑنے میں زیادہ ہوشیار تھے، انھوں نے پجاریوں کو نکال دیا ہوگا۔بعض جگہوں میں ایک ہی آدمی راجا اور پجاری دونوں ہی ہوتا تھے۔ جیسے مصر کے فرعون لوگ اپنی زندگی ہی میں آدھے دیوتا سمجھے جانے لگے تھے، اور مرنے کے بعد تو وہ پورے دیوتاؤں کی طرح پجنے لگے۔

پیچھے کی طرف ایک نظر

تم میری چٹھیوں سے اوب گئی ہوں گی! ذرا دم لینا چاہوتی ہوگی۔ خیر، کچھ عرصے تک میں تمھیں نئی بات نہ لکھوں گا۔ ہم نے تھوڑے سے خطوں میں ہزاروں لاکھوں برسوں کی دوڑ لگا ڈالی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ ہم دیکھ آئے ہیں، اس پر تم ذرا غور کرو۔ ہم اس زمانے سے چلے تھے، جب زمین سورج ہی کا ایک حصہ تھی، تب وہ اس سے الگ ہوکر دھیرے دھیرے ٹھنڈی ہوگئی۔ اس کے بعد چاند نے اچھال ماری اور زمین سے نکل بھاگا۔ مدتوں تک یہاں کوئی جانور نہ تھا۔ تب لاکھوں، کروڑوں، برسوں میں دھیرے دھیرے جانداروں کی پیدائش ہوئی۔ دس لاکھ برسوں کی مدت کتنی ہوتی ہے۔ اس کا تمھیں کچھ اندازہ ہوتا ہے؟ اتنی بڑی مدت کا اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ تم ابھی کل دس برس کی ہو اور کتنی بڑی ہوگئی ہو! خاصی کماری ہوگئی ہو۔ تمھارے لیے سو سال ہی بہت ہیں۔ پھر کہاں ہزار اور کہاں لاکھ، جس میں سو ہزار ہوتے ہیں۔ ہمارا چھوٹا سا سر اس کا ٹھیک اندازہ کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن ہم اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں اور ذرا ذرا سی باتوں پر جھنجھلا اٹھتے ہیں اور گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن دنیا کے اس پرانے اتہاس میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی حقیقت ہی کیا؟ اتہاس کے ان اپاریگوں کا حال پڑھنے اور ان پر وچار کرنے سے ہماری آنکھیں کھل جائیں گی اور ہم چھوٹی چھوٹی باتوں سے پریشان نہ ہونگے۔

ذرا ان بے شماریگوں کا خیال کرو۔ جب کسی جاندار کا نام تک نہ تھا۔ پھر اس لمبے زمانے کی سوچو۔ جب صرف سمندر کے جنتو ہی تھے۔ دنیا میں کہیں آدمی کا پتہ نہیں ہے۔ جانور پیدا ہوتے ہیں اور لاکھوں سال بھٹکتے ادھر ادھر کولیلیں کیا کرتے ہیں۔ کوئی آدمی نہیں ہے، جو ان کا شکار کرسکے اور انت میں آدمی جب پیدا بھی ہوتا ہے تو بالکل پتے بھر کا، ننھا سا، سب جانوروں سے کمزور! دھیرے دھیرے ہزاروں برسوں میں وہ زیادہ مضبوط اور ہوشیار ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ دنیا کے جانوروں کا مالک ہوجاتا ہے اور دوسرے جانور اس کے تابعدار اور غلام ہوجاتے ہیں اور اسکے اشارے پر چلنے لگتے ہیں۔

تب سبھیتا کے پھیلنے کا زمانہ آتا ہے۔ ہم اس کی شروعات دیکھ چکے ہیں۔ اب ہم یہ

دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ آگے چل کر اس کی کیا حالت ہوئی۔ اب ہمیں لاکھوں برسوں کا ذکر نہیں کرنا ہے۔ پچھلے خطوں میں ہم تین چار ہزار سال پہلے کے زمانے تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن ادھر کے تین چار ہزار برسوں کا حال ہمیں ادھر کے لاکھوں برسوں سے زیادہ معلوم ہے۔ آدمی کے اتہاس کی ترقی دراصل انھیں تین ہزار برسوں میں ہوئی ہے۔ جب تم بڑی ہوجاؤ گی تو تم اتہاس کے بارے میں بہت کچھ پڑھوگی۔ میں ان کے بارے میں کچھ تھوڑا سا لکھوں گا۔ جس سے تمھیں کچھ خیال ہوجائے کہ اس چھوٹی سی دنیا میں آدمی پر کیا کیا گذری۔

'فوسِل' اور پرانے کھنڈر

میں نے عرصہ سے تمھیں کوئی خط نہیں لکھا۔ پچھلے دو خطوں میں ہم نے اس پرانے زمانے پر ایک نظر ڈالی تھی۔ جس کا ہم اپنے خطوں میں چرچہ کررہے ہیں۔ میں نے تمھیں پرانی مچھلیوں کی ہڈیوں کے چتر پوسٹ کارڈ بھیجے تھے۔ جس سے تمھیں خیال ہوجائے کہ یہ 'فوسِل' کیسے ہوتے ہیں۔ مسوری میں جب تم سے میری ملاقات ہوئی تھی تو میں نے تمھیں دوسرے قسم کے 'فوسِل' کی تصویریں دکھائی تھی۔

پرانے رینگنے والے جانوروں کی ہڈیوں کو خاص طور پر یاد رکھنا سانپ، چھپکلی، مگر اور کچھوے وغیرہ جو آج بھی موجود ہیں۔ رینگنے والے جانور ہیں۔ پرانے زمانے کے رینگنے والے جانور بھی اسی جاتی کے تھے۔ لیکن قد میں بہت بڑے تھے اور ان کی شکل میں فرق تھا۔ تمہیں ان بڑے بڑے جنتوؤں کی یاد ہوگی۔ جنھیں ہم نے ساؤتھ کینگسٹن کے عجائب گھر میں دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک تیس یا چالیس فٹ لمبا تھا۔ ایک قسم کا مینڈک بھی تھا۔ جو آدمی سے بڑا تھا اور کچھوا بھی اتنا ہی بڑا تھا۔ اس زمانے میں بڑے بھاری بھاری چمگاڈر اڑا کرتے تھے اور ایک جانور جسے ایگوآنوڈان کہتے ہیں۔ کھڑا ہونے پر وہ ایک چھوٹے سے پیڑ کے برابر ہوتا ہے۔

تم نے کھان سے نکلے ہوئے پودے بھی پتھر کی صورت میں دیکھے تھے۔ چٹانوں میں فرن، پتیوں اور تاڑوں کے خوبصوت نشان تھے۔

رینگنے والے جانوروں کے پیدا ہونے کے بہت دن بعد وہ جانور پیدا ہوئے۔ جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ زیادہ تر جانور جنھیں ہم دیکھتے ہیں، اور ہم لوگ بھی، اسی جاتی میں ہیں۔ پرانے زمانے کے دودھ پلانے والے جانور ہمارے آج کل کے بعض جانوروں سے بہت ملتے تھے۔ ان کا قد اکثر بہت بڑا ہوتا تھا لیکن رینگنے والے جانوروں کے برابر نہیں۔ بڑے بڑے دانتوں والے ہاتھی اور بڑے ڈیل ڈول کے بھالو بھی ہوتے تھے۔

تم نے آدمی کی ہڈیاں بھی دیکھی تھیں۔ ان ہڈیوں کی کھوپڑیوں کو دیکھنے میں بھلا کیا مزا آتا۔ اس سے زیادہ دلچسپ وہ چقمق کے اوزار تھے۔ جنھیں شروع زمانے کے لوگ کام میں لاتے تھے۔

میں نے تمھیں مصر کے مقبروں اور ممیوں کی تصویریں بھی دکھائی تھیں۔ تمھیں یاد ہوگا کہ ان میں سے بعض بہت خوبصورت تھیں۔ لکڑی کے تابوتوں پر لوگوں کی بڑی بڑی کہانیاں لکھی تھیں تھنیس کے مصری مقبروں کی دیواروں کی تصویریں بہت ہی خوبصورت تھیں۔

تم نے مصر کے تھنیس نامی شہر میں محلوں اور مندروں کے کھنڈروں کی تصویریں دیکھی تھیں۔ کتنی بڑی بڑی عمارتیں اور کتنی بھاری بھاری کھمبے تھے۔ تھنیس کے پاس ہی میمن کی بہت بڑی مورتی ہے۔ اوپری مصر میں کرناک کے پرانے مندروں اور عمارتوں کی تصویریں بھی تھیں۔ ان کھنڈروں سے بھی تمھیں کچھ اندازہ ہوسکتا ہے کہ مصر کے پرانے آدمی معماری کے کام میں کتنے ہوشیار تھے۔ اگر انھیں انجینئرنگ کا اچھا گیان نہ ہوتا تو وہ یہ مندر اور محل کبھی نہ بناسکتے۔

ہم نے سرسری طور پیچھے لکھی ہوئی باتوں پر ایک نظر ڈال لی۔ اس کے بعد کے خط میں ہم اور آگے چلیں گے۔

آریوں کا ہندستان میں آنا

اب تک ہم نے بہت ہی پرانے زمانے کا حال لکھا ہے۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ انسان نے کیسی ترقی کی اور کیا کیا کام کیے۔ اس پرانے زمانے کو اتہاس کا پہلا زمانہ کہتے ہیں کیونکہ اس زمانے کا ہمارے پاس کوئی سچا اتہاس نہیں ہے۔ ہمیں بہت کچھ اندازے سے کام لینا پڑتا ہے۔ اب ہم اتہاس کے شروع میں پہنچ گئے ہیں۔

پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ اتہاس میں کون کون سی باتیں ہوئیں۔ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ بہت پرانے زمانے میں مصر کی طرح ہندستان میں بھی سبھیتا پھیلی ہوئی تھی۔ روزگار ہوتا تھا اور یہاں کے جہاز ہندستانی چیزوں کو مصر، میسو پوٹامیا اور دوسرے دیشوں کو لے جاتے تھے۔ اس زمانے میں ہندستان میں رہنے والے دراوڑ کہلاتے تھے۔ یہ وہی لوگ ہیں، جن کی سنتان آج کل دکشنی ہندستان میں مدراس کے آس پاس رہتی ہے۔

ان دراڑں پر آریوں نے اتر سے حملہ کیا۔ اس زمانے میں مدھیہ ایشا میں بے شمار آریہ رہتے ہوں گے۔ مگر سب کا گزر نہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے وہ دوسرے ملکوں میں پھیل گئے۔ بہت سے ایران چلے گئے اور بہت سے یونان تک اور اس سے بھی بہت پچھم تک نکل گئے۔ ہندستان میں بھی ان کے دَل کے دَل کشمیر کے پہاڑوں کو پار کرکے آئے۔ آریہ ایک مضبوط لڑنے والی جاتی تھی۔ اس نے دراوڑں کو بھگادیا۔ آریوں کے ریلے پر ریلے اتر پچھم سے ہندستان میں آئے ہوں گے۔ پہلے دراوڑں نے انھیں روکا لیکن جب ان کی تعداد بڑھتی ہی گئی تو وہ دراوڑوں کے روکے نہ رک سکے۔ بہت دنوں تک آریہ لوگ اتر میں صرف افغانستان اور پنجاب میں رہے تب وہ اور آگے بڑھے اور اس حصے میں آئے جو اب سنیوکت پرانت کہلاتا ہے، جہاں ہم رہتے ہیں وہ اسی طرح بڑھتے بڑھتے مدھیہ بھارت کے وندھیا پہاڑ تک چلے گئے۔ اس زمانے میں ان پہاڑوں کو پار کرنا مشکل تھا۔ کیونکہ وہاں گھنے جنگلات تھے۔ اس لیے ایک مدت تک آریہ لوگ وندھیا پہاڑ کے آخر تک ہی رہے۔ بہتوں نے تو پہاڑیوں کو پار کرلیا اور دکشن میں چلے گئے۔ لیکن ان کے جھنڈ کے جھنڈ نہ جاسکے۔ اس لیے دکھن دراوڑوں کا ہی دیش بنارہا۔

آریوں کے ہندستان میں آنے کا حال بہت دلچسپ ہے۔ پرانی سنسکرت کتابوں میں تمھیں ان کا بہت سا حال ملے گا۔ ان میں سے بعض کتابیں جیسے وید اسی زمانے میں لکھی گئی ہوں گی۔ رگ وید سب سے پرانا وید ہے اور اس سے تمھیں کچھ اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت آریہ لوگ ہندستان کے کس حصے میں آباد تھے۔ دوسرے ویدوں سے اور پرانوں اور دوسری سنسکرت کی پرانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آریہ پھیلتے چلے جارہے تھے۔ شاید ان پرانی کتابوں کے بارے میں تمھاری جانکاری بہت کم ہے۔ جب تم بڑی ہوگی تو تمھیں اور باتیں معلوم ہوں گی۔ لیکن اب بھی تمھیں بہت سی کتھائیں معلوم ہیں جو پرانوں سے لی گئی ہیں۔ اس سے بہت دنوں بعد رامائن لکھی گئی اور اس کے بعد مہابھارت۔

ان کتابوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب آریہ لوگ صرف پنجاب اور افغانستان میں رہتے تھے، تو وہ اس حصے کو برھماورت کہتے تھے۔ افغانستان کو اس سمے گندھار کہتے تھے۔ تمھیں مہابھارت میں گاندھاری کا نام یاد ہے۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ وہ گاندھار یا افغانستان کی رہنے والی تھی۔ افغانستان اب ہندستان سے الگ ہے لیکن اس زمانے میں دونوں ایک تھے۔

اب آریہ لوگ اور نیچے گنگا اور جمنا کے میدانوں میں آئے، تو انھوں نے اتری ہندستان کے نام آریہ ورت رکھا۔

پرانے زمانے کی دوسری جاتیوں کی طرح وہ بھی ندیوں کے کنارے پر بسے شہروں میں بھی آباد ہوئے۔ کاشی یا بنارس، پریاگ اور بہت سے دوسرے شہر ندیوں کے ہی کنارے ہیں۔

ہندستان کے آریہ کیسے تھے

آریوں کو ہندستان آئے ہوئے بہت زمانہ ہوگیا۔ سب کے سب ایک ساتھ تو آئے نہیں ہوں گے، ان کی فوجوں پر فوجیں، جاتی پر جاتی اور کٹمب پر کٹمب سیکڑوں برس تک آتے رہے ہوں گے۔ سوچو کہ وہ کس طرح لمبے قافلے میں سفر کرتے ہوئے، گرہستی کی بھی چیزیں گاڑیوں اور جانوروں پر لادے ہوئے آئے ہوں گے۔ وہ آج کل کے یاتریوں کی طرح نہیں آئے تھے۔ وہ پھر لوٹ کر جانے کے لیے نہیں آئے تھے۔ وہ یہاں رہنے کے لیے یا لڑنے اور مرجانے کے لیے آئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر تو اتر پچھّم کی پہاڑیوں کو پار کرکے آئے، لیکن شاید کچھ لوگ سمندر سے ایران کی کھاڑی ہوتے ہوئے آئے اور اپنے چھوٹے چھوٹے جہازوں میں سندھ ندی تک چلے گئے۔

یہ آریہ کیسے تھے؟ ہمیں ان کے بارے میں ان کی لکھی ہوئی کتابوں سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ان میں سے کچھ کتابیں جیسے وید، شاید دنیا کی سب سے پرانی کتابوں میں سے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں وہ لکھی نہیں گئی تھیں۔ انھیں لوگ زبانی یاد کرکے دوسروں کو سناتے تھے۔ وہ ایسی سندر سنسکرت میں لکھی ہوئی ہیں کہ ان کے گانے میں مزا آتا ہے، جس آدمی کا گلا اچھا ہو اور وہ سنسکرت بھی جانتا ہو، اس کے منہ سے وید یا پاٹھ سننے میں اب بھی آنند آتا ہے۔ ہندو ویدوں میں وہ سب گیان جمع کردیا گیا ہے جو اس زمانے کے رشیوں اور منیوں نے حاصل کیا تھا۔ اس زمانے میں ریل گاڑیاں، تار اور سنیما نہ تھے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس زمانے کے آدمی مورکھ تھے۔ کچھ لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ پرانے زمانے میں لوگ عقل مند ہوتے تھے، اتنے اب نہیں ہوتے۔ لیکن وہ چاہے زیادہ عقل مند رہے ہوں یا نہ رہے ہوں۔ انھوں نے بڑے معرکے کی کتابیں لکھیں جو آج بھی بڑے آدر سے دیکھی جاتی ہیں۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے کے لوگ کتنے بڑے تھے۔

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ وید پہلے لکھے نہ گئے تھے۔ لوگ انھیں یاد کرلیا کرتے

تھے۔اور اس طرح وہ ایک پشت سے دوسری پشت تک پہنچتے گئے۔ اس زمانے میں لوگوں کی یاد کرنے کی طاقت بھی بہت اچھی رہی ہوگی۔ ہم میں سے اب کتنے آدمی ایسے ہیں جو پوری کتابیں یاد کرسکتے ہیں؟

جس زمانے میں وید لکھے گئے۔ اسے وید کا زمانہ کہتے ہیں۔ پہلا وید رِگ وید ہے۔ اس میں وہ بھجن اور گیت ہیں جو پرانے آریہ گایا کرتے تھے۔ وہ لوگ بہت خوش مزاج رہے ہوں گے۔ روکھے اور اداس نہیں بلکہ جوش اور حوصلہ سے بھرے ہوئے اپنی ترنگ میں تھے۔ وہ اچھے اچھے گیت بناتے تھے اور اپنے دیوتاؤں کے سامنے گاتے تھے۔

انھیں اپنی جاتی اور اپنے آپ پر بڑا غرور تھا۔ ''آریہ''شبد کے معنی ہیں 'شریف آدمی' ''اونچے درجے کا آدمی'' اور انھیں آزاد رہنا بہت پسند تھا۔ وہ آج کل کی ہندستانی سنتان کی طرح نہ تھے جن میں ہمت کا نام نہیں اور نہ اپنی آزادی کھوجانے کا رنج ہے۔ پرانے زمانے کے آریہ موت کو غلامی یا بےعزتی سے اچھا سمجھتے تھے۔

وہ لڑائی کے فن میں بہت ہوشیار تھے اور کچھ کچھ وگیان بھی جانتے تھے مگر کھیتی باڑی کا گیان انھیں بہت اچھا تھا۔ کھیتی کی قدر کرنا ان کے لیے سوبھاوِک بات تھی اور اس لیے جن چیزوں سے کھیتی کو فائدہ ہوتا تھا ان کی بھی وہ بہت قدر کرتے تھے۔ بڑی بڑی ندیوں سے انھیں پانی ملتا تھا۔ اسی لیے وہ انھیں پیار کرتے تھے اور انھیں اپنا دوست اور اپکاری سمجھتے تھے۔ گائے اور بیل سے بھی انھیں اپنی کھیتی کے روز مرّہ کاموں میں بہت مدد ملتی تھی، کیونکہ گائے دودھ دیتی تھی۔ جسے وہ بہت شوق سے پیتے تھے۔ اس لیے وہ ان جانوروں کی بہت حفاظت کرتے تھے اور ان کی تعریف کے گیت گاتے تھے۔ اس کے بہت دنوں کے بعد لوگ یہ تو بھول گئے کہ گائے کی اتنی حفاظت کیوں کی جاتی تھی اور اس کی پوجا کرنے لگے۔ بھلا سوچو تو اس پوجا سے کس کا کیا فائدہ تھا؟ آریوں کو اپنی جاتی کا بڑا گھمنڈ تھا اور اس لیے وہ ہندستان کی دوسری جاتیوں سے مل جل جانے سے ڈرتے تھے۔ اس لیے انھوں نے ایسے قاعدے اور قانون بنائے کہ ملاوٹ نہ ہونے پائے۔ اسی وجہ سے آریوں کی دوسری جاتیوں میں وواہ کرنا منع تھا۔ بہت دنوں کے بعد اسی نے آج کل کی جاتیاں پیدا کردیں۔ اب تو یہ رواج بالکل ڈھونگ ہوگیا ہے۔ کچھ لوگ دوسروں کے ساتھ کھانے یا انھیں چھونے سے بھی ڈرتے ہیں مگر یہ بڑی اچھی بات ہے کہ یہ رواج کم ہوتا جارہا تھا۔

رامائن اور مہابھارت

گد کے زمانہ کے بعد کاویوں کا زمانہ آیا۔ اس کا اس لیے یہ نام پڑا کہ اس زمانے میں دو مہاکاویہ رامائن اور مہابھارت لکھے گئے، جس کا حال تم نے پڑھا ہے۔ مہاکاویہ پد اس بڑی پستک کو کہتے ہیں، جس میں ویروں کی کتھا بیان کی گئی ہو۔

کاویوں کے زمانے میں آریہ لوگ اتری ہندستان سے وندھیا پہاڑ تک پھیل گئے تھے۔ جیسا میں تم سے پہلے کہہ چکا ہوں اس ملک کو آریہ ورت کہتے تھے۔ جس صوبہ کو آج ہم سنیوکت پردیش کہتے ہیں۔ وہ اس زمانے میں مدھیہ پردیش کہلاتا تھا۔ جس کا مطلب ہے بیچ کا ملک۔ بنگال کو بنگ کہتے تھے۔

یہاں ایک بڑے مزے کی بات لکھتا ہوں۔ جسے جان کر تم خوش ہوگی۔ اگر تم ہندستان کے نقشہ پر نگاہ ڈالو اور ہمالیہ آؤ، وندھیا پربت کے بیچ کے حصے کو دیکھو، جہاں آریہ ورت رہا ہوگا تو تمھیں وہ دوج کے چاند کے آکار کا معلوم ہوگا۔ اسی لیے آریہ ورت کو اندو دیش کہتے تھے۔

آریوں کو دوج کے چاند سے بہت پریم تھا۔ وہ اس شکل کی سبھی چیزوں کو پوتر سمجھتے تھے۔ ان کے کئی شہر اسی شکل کے تھے جیسے بنارس۔ معلوم نہیں تم نے خیال کیا ہے یا نہیں کہ الہٰ آباد میں گنگا بھی دوج کے چاند کی سی ہوگئی ہے۔

یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ رامائن میں رام اور سیتا کی کتھا اور لنکا کے راجا راون کے ساتھ ان کی لڑائی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پہلے اس کتھا کو بالمیکی نے سنسکرت میں لکھا تھا۔ بعد کو وہی کتھا بہت سی دوسری بھاشاؤں میں لکھی گئی۔ ان میں تلسی داس کا ہندی میں لکھا ہوا رام چرتر مانس سب سے مشہور ہے۔

رامائن پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دکھنی ہندستان کے بندروں نے رام چندر کی مدد کی تھی، اور ہنومان ان کا بہادر سردار تھا۔ ممکن ہے کہ رامائن کی کتھا آریوں اور دکھن کے آدمیوں کی لڑائی کی کتھا ہو، جن کے راجا کا نام راون رہا ہو، رامائن میں بہت سی سندر

کتھائیں ہیں۔ لیکن میں یہاں اکا دکا ذکر نہ کروں گا، تم کو خود ان کتھاؤں کو پڑھنا چاہیے۔

مہابھارت اس کے بہت دنوں بعد لکھا گیا۔ یہ رامائن سے بہت بڑا گرنتھ ہے۔ یہ آریوں اور دکھن کے دراوڑوں کی لڑائی کی کتھا نہیں بلکہ آریوں کے آپس کی لڑائیوں کی کتھا ہے۔ لیکن اس لڑائی کو چھوڑ دو تو بھی یہ بہت اونچے درجے کی کتاب ہے۔ جس کے گہرے وچاروں اور سندر کتھاؤں کو پڑھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ سب سے بڑھ کر ہم سب کو اس لیے اس سے پریم ہے کہ اس میں وہ امولیہ گرنتھ رتن ہے۔ جسے بھگوت گیتا کہتے ہیں۔

یہ کتابیں کئی ہزار برس پہلے لکھی گئیں تھیں۔ جن لوگوں نے ایسی کتابیں لکھیں۔ وہ ضرور بڑے آدمی تھے۔ اتنے دن گزر جانے پر بھی یہ پستکیں اب تک زندہ ہیں۔ لڑکے انھیں پڑھتے ہیں اور سیانے ان سے اپدیش لیتے ہیں۔

سکھ داس

(جارج ایلیٹ کا سروشریشٹھ اُپنیاس)

(سائیلس مارنز کا ترجمہ)

فہرست

بھومِکا

'سائیلس مارنر' انگریزی کا مشہور اپنیاس ہے۔ وہ مانو ہردیے کا ایک انوٹھا چتر ہے۔ لیکھک نے بھاؤوں کی مارمکتا کو ایسی اتّم ریتی سے چِریتارتھ کیا ہے کہ انگریزی بھاشا کے کتنے ہی وِگّیوں کے وچار میں یہ انگریزی کا سروتّم اپنیاس ہے۔ اس کی بھاشا اتنی چٹیلی، اتنی مرم اسپرشی اور اتنی پرتبھا پورن ہے کہ اس کا اُتّم انوواد کرنا کسی ہندی کے دُھرندھر لیکھک ہی کا کام ہے۔ 'سکھ داس' اس کا انوواد ہونے کا دعوا نہیں کرتا۔ یہ اس کا کیول روپانتر ماتر ہے، کیول النکار وہین چھایا ہے۔ اسے انگریزی کپڑوں کے بدلے دیسی کپڑے پہنا دیے گئے ہیں، بھاؤ، استھان، ویش، ریتی نیتی سب کچھ جاتیہ رنگ میں رنگ دیے گیے ہیں۔ کم سے کم اس کی چیشٹا کی گئی ہے۔ اس ویش پریورتن میں ہمیں وِوش ہوکر بہت کچھ الٹ پھیر کرنا پڑا ہے۔ ایلیٹ کے اپنیاسوں میں انگریزی جیون کا بہت چوکھا رنگ ہوتا ہے۔ ہم کو یہ سب مٹانا پڑا۔ سکھ داس اس سائیلس مارنر روپی دودھ کا مکھن چاہے نہ ہو، پر اس لکڑی کا ہیر اوشیہ ہے، اتھوا اسے اس تصویر کا رنگ رہت خاکہ سمجھیے۔ ہم نے چیشٹا کی ہے کہ پاتروں کے دوارا کوئی ایسے بھاؤ نہ پرکٹ کرائے جائیں، جو ہم بھارت واسیوں کو اپریچت سے جان پڑیں۔ قصہ وہی رہے، پر سو بھاوِکتا ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ ہم کہاں تک اس پریتن میں سپھل ہوئے ہیں اس کا انومان کرنا پاٹھکوں پر چھوڑنا ہی اُچت ہے۔

'جارج ایلیٹ' کا اصلی نام 'میری این ایوینس' تھا۔ اس نے استری ہوکر پُرش کا نام رکھا تھا، اس کا کارن یہ ہے کہ اس سمے لیکھکاؤں کو ساہتیہ سماج میں آدر کی درشٹی سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ یدھپی اس کے سمے میں بھی کئی اپنیاس لیکھکائیں ورتمان تھیں جنھیں اپنا اصلی نام پرکٹ کرنے میں کوئی سنکوچ نہ ہوتا تھا اور آج کل تو سینکڑوں مہلائیں اپنیاس لکھتی ہیں پرتو بھی اس سمے میں 'لیڈی ناولسٹوں' کی کچھ نہ کچھ اپیکچھا اوشیہ ہوتی تھی۔ پر میری این ادھیک سمے تک گپت نہ رہ سکیں۔ چارلس ڈکنس نے، جو اس سمے کے سروشریشٹھ اپنیاس کار تھے، جارج ایلیٹ کی پہلی رچنا کو دیکھ کر اسپشٹ کہہ دیا کہ اس کو لکھنے والی اوشیہ کوئی استری ہے۔

میری این کا جنم نومبر 1819 کو ہوا۔ اس کے پتا کا نام رابرٹ ایوینس تھا جو بڑھئی اور راج کا ویوسائے کرتا تھا۔ وہ بہت ہی کاریہ کشل اور ستیہ وادی منش تھا۔ جارج ایلیٹ نے 'آڈم بیڈ' نام کے اپنیاس میں اپنے پتا کا بہت ہی واستوک اور اُتّم چرتر انکت کیا ہے۔

میری این کی اوستھا کے 21 ورش اپنی جنم بھومی ہی میں ویتیت ہوئے۔ یہیں اس کو گرامین جیون کا وہ انوبھو پراپت ہوا جس کا اس نے اپنے اپنیاسوں میں بڑی مارمک ریتی سے ورنن کیا ہے۔ گرامین جیون کا اُلیکھ ہی الیٹ کے اپنیاسوں کا پردھان گن ہے۔ یہاں اس نے جو کچھ دیکھا اور سنا وہ اس کے ہردیے استھان پر انکت ہوتا گیا۔ کلپنا کے اتکرشٹ رنگوں میں رنگ کر اس کی بالیا وستھا کے دیہاتی منش امر ہوگیے ہیں۔

میری این نے 16 برس کی اوستھا میں اسکول کی شکچھا پراپت کرلی اور وہ اپنے پتا کی گرہنی بن گئی۔ اسکول میں وہ ایک سادھارن بالیکا تھی۔ پرتبھا کا اس سمے تک وکاس نہ ہوا تھا۔ ہاں، پستکالوکن سے اسے وشیش رُچی تھی اور اس کے سوبھاؤ میں وچارشیلتا اور دیالوتا کی ماترا ادھک تھی۔

میری اینَ جب 21 ورش کی یووتی ہوئی تو دھیرے دھیرے دھارمک وشیوں سے اس کا پرچے ہونے لگا۔ اس سمے میں یورپ کے سبھی پردیشوں میں عیسائی مت پر وڈجنوں کو شنکائیں ہونے لگی تھیں اور سوتنتر دھارمک وچاروں کا پرابلیہ ہوتا جاتا تھا۔ میری اینَ پر وچار سواتنتر کا جادو چل گیا۔ اس کی کئی سوادھین متالمبیوں سے مترتا ہوگئی اور ان کے ست سنگ کا اس پر اتنا پربھاؤ پڑا کہ انت کو اس نے بھی عیسائی دھرم کو تیاگ دیا اور گرجا گھر میں ایشوندنا کے نمت جانے سے وہ سنکوچ کرنے لگی۔ اس کے بوڑھے اور پراچین دھرم کے بھکت پتا کو اس کے وچار پریورتن سے اتینت دکھ ہوا۔ وشیش اس لیے کہ میری اینَ گرجا میں نہ جاتی تھی۔ نکٹ تھا کہ یہ دھارمک مت بھید انھیں سدا کے لیے پرتھک کر دیتا، پر متروں کے سمجھانے بجھانے کا یہ اثر ہوا کہ میری اینَ نے اپنے پتا کو پرسن رکھنے کے لیے گرجا گھر جانا سویکار کیا۔ پر وہ اپنے سوتنتر وچاروں کو نہ تیاگ سکی۔ اسی دھن میں اس نے جرمن بھاشا میں لکھے ہوئے ''عیسیٰ مسیح'' کے ایک جیون چرتر کا انگریزی بھاشا میں انواد کیا، جس میں اسوابھاوک چمتکاروں کا خوب کھنڈن کیا گیا تھا۔ یدیپی اس نے اپنے پراچین دھرم کو چھوڑ دیا تھا تس پر بھی وہ دراگرہ پورن شنکاواد کا سمرتھن نہ کرتی تھی۔ وہ عیسائی دھرم کے سدگنوں کو سویکار کرتی تھی۔ اس کے گرنتھوں کو دیکھ کر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ایک پکے عیسا متانوراگی کی رچنا نہیں ہے۔ وہ دھارمک سرلتا اور دڑھتا کا ہردے سے آدر کرتی ہے اور عیسائی دھرم تتھا جیون کے بہت ہی سہردیتا پورن چتر کھینچتی ہے۔ کداچت وہ اردھ شکچھت جنتا کے لیے عیسائی مت ہی کو اُپ یکت سمجھتی تھی۔ جنتا کو وچار سوادھنتا سے لابھ کے بدلے الٹے ہانی ہونے کا بھے بھی تھا۔ اسے وہ شکچھت سموادئے کے لیے انوکول سمجھتی تھی۔ وودانوں میں سدھانت پریم جو کام کرتا ہے، وہی کام جنتا میں شردھا کرتی ہے اور شردھا سدھانتوں سے پریم نہیں کرتی۔ وہ اوتاروں میں بھگتی کرتی ہے۔

سن 1849 میں رابرٹ ایوئیس صاحب کا دیہانت ہوگیا۔ میری اینَ نے پتا کی

مرتیو کے پشچات کچھ سمے تک یورپ کے پردھان دیشوں میں بھرمن کیا۔ وہاں سے لوٹ کر وہ لندن کے ایک پرسدھ ماسک پتر کی سہایک سمپادِکا کا کام کرنے لگی۔ یہاں اسے بڑے بڑے لیکھکوں اور ودوانوں سے سنرگ کا اوسر ملا۔ ہر برٹ اسپینسر سے اسی سمے اس کا پریچے ہوا اور دونوں میں مترتا ہوگئی، جو جیون پرینت رہی۔ انھیں ودوان متروں میں ایک سجن جارج ہنری لوئس تھے۔ انھیں کی پریرنا سے میری اینَ نے ساہتیہ چھیتر میں پدارپن کیا۔ 1857 میں اس نے اپنی کئی گلپوں کا ایک سنگرہ پرکاشت کرایا۔ جس میں عیسائیوں کے دھارمک جیون کے چتر کھینچے گئے تھے۔اس پستک کا چارلس ڈکنس آدی اپنیاسکاروں نے ایسا ادارتا پورن سواگت کیا کہ اس سے اتیجت ہوکر جارج ایلیٹ نے 1857 میں اپنا پہلا اپنیاس ''آڈم بڈ'' پرکاشت کیا۔ ''سائلس مارنر'' جو اس کا تیسرا اپنیاس ہے، 1861 میں پرکاشت ہوا۔ یہ اس کی سروتکرشٹ رچنا مانی جاتی ہے۔

یہ چاروں گرنتھ جارج ایلیٹ کے سروتم گرنتھ ہیں۔ ان ہی نے اس کی کھیاتی دیش دیشانتروں میں پھیلادی۔ ان پستکوں میں اس نے اسی جیون کے درشیہ اور چرتر دکھائے ہیں، جنھیں اس نے سویم اپنے بالیہ کال میں دیکھے تھے۔ اور اسی کارن یہ بہت ہی سجیو اور مارمک ہوگئے ہیں۔

اس کے پشچات اس نے پھر اٹلی کی سیر کی اور وہاں سے لوٹ کر ایک اتہاسک اپنیاس لکھا جس کا نام ''رومولا'' ہے۔ 1868 میں اس کا ''فیلکس ہولٹ'' نکلا جو کچھ سمالوچکوں کے وچار میں روندر بابو کے گھرے اور باہرے کا مولادھار ہے۔ 1876 میں اس کی انتم پستک ''ڈینیل ڈیرونڈا'' پرکاشت ہوئی۔ ان پچھلی رچناؤں میں جارج ایلیٹ کو وہ سپھلتا نہیں ہوئی جو پورو رچناؤں میں ہوئی تھی۔ اس میں اس نے اپنی وِدوتا، اپنے دارشنک سدھانتوں اور اپنے نیتک اپدیشوں کو چریتارتھ کیا ہے۔ چرتروں کا وشلیشن ان کا اتھان اور پتن اور ان کی منوورتیوں کی میمانسا ان گرنتھوں کے پردھان گن ہیں۔ پر ان میں وہ سجیوتا اور

سوابھاوکتا نہیں آسکی ہے جو اس کی پورو رچناؤں کے مہتو کا کارن ہے۔ اپنیاس وہی اُتم ہوتا ہے جو سوابھاوک اور روچیکر ہو۔ وڈوتا کے لیے یہاں بہت کم استھان ہوتا ہے۔ چرتروں کی ممانسا اوشیہ اپنیاسوں میں ہونی چاہیے۔ کنتو اتنی جٹل اور سوکچھم نہیں کہ پرتیک واقعہ اور وچار کی چھان بین کی جائے۔ اس سے کہانی کے پرواہ میں بادھا پڑتی ہے، اور پاٹھک اکتاکر پڑھنا چھوڑ دیتا ہے۔ جارج ایلیٹ کے پچھلے گرنتھوں میں یہ دوش ہے۔ جس کے کارن وہ بہت کم پڑھے جاتے ہیں۔ وہ شُشک اور نرجیو دارشنک، نیتک اور سماجک سدھانتوں کے بوجھ سے لدے ہوئے ہیں۔ 1880میں 61 ورش کی اوستھا میں جارج ایلیٹ کا دیہانت ہوگیا۔

پریم چند

پہلا ادھیائے

ایک ایسا سمے بھی گزرا ہے جب کہ بھارت کے گاؤں گاؤں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں میں استریاں چرخا کاتا کرتی تھیں۔ کیول سادھارن شرینی کی استریاں ہی نہیں، ریشمی وستروں سے وبھوشت استریاں بھی اس کام کے کرنے میں سنکوچ نہ کرتی تھیں۔ کبھی کبھی دورستھ بستیوں میں سادھارن پرکار اور پیلے رنگ کے پھیری والے بھی دکھائی دیتے تھے، جو ہرشٹ پرشٹ گرامینوں کی اپیکچھا لگھوتر معلوم ہوتے تھے۔ کرشکوں کے کتے انھیں اپریچت معلوم ہوتے تھے۔ یہ لوگ یا تو جولاہے ہوتے تھے، یا بساطی۔ ان کی پیٹھ پر سوت یا بساطے کی وستوؤں کی گٹھری ہوتی تھی، جس کے بوجھ سے وہ جھکے ہوئے چلتے تھے۔

گت شتابدی کے آرمبھ میں سکھ داس نام کا جولاہا ایک پتھر کے مکان میں اپنا کام کیا کرتا تھا، جو لالپور میں استھت تھا۔ اس کے کرگھے اور چرخے میں سے اس پرکار جھنجھناتی ہوئی دھونی نکلتی تھی کہ گاؤں کے بالک اپنے روچک کھیلوں کو چھوڑ کر اس کے مکان کی کھڑکیوں میں سے یہ کوتک دیکھا کرتے تھے۔ وہ چرخے کے بھِن بھِن پرکار کے سؤر اور پھرکیوں کو دیکھ کر آشچریہ کرتے تھے۔ کبھی کبھی جب سکھ داس ٹوٹے ہوئے دھاگوں کو جوڑنے یا اور کوئی دوش دور کرنے کے لیے اپنے استھان سے اٹھتا اور بالکوں کو کھڑکیوں میں سے جھانکتے ہوئے دیکھتا تو ان کو بھے دکھانے کے لیے ان کی اُور آنکھیں نکال کر دوڑتا تھا۔ بیچارے بالک ڈر کے مارے چمپت ہو جاتے تھے۔

گرام کے بالکوں نے اپنے پتا ماتا سے سنا تھا کہ سکھ داس چاہے تو گٹھیا آدی کی اوشدھی کر سکتا ہے۔ وہ بھوت پریت آدی سے بھی پرچت بتلایا جاتا تھا۔ اس سمے کے کرشکوں کے کچھ اسی پرکار کے وچار تھے اور ہونے بھی چاہیے تھے، کیونکہ وہ سنسار کی باتوں سے کورے تھے۔ ان کے سمیپ دکھ اور کشٹ کا چھیتر آنند اور سکھ کے چھیتر سے ادھک وستیرن تھا۔ ان کے من اور وچار ان باتوں کی کلپنا بھی نہ کر سکتے تھے، جو اِچھاؤں اور آشاؤں کا سروت ہیں۔

اس کے پرتیکول ان کے مشتشک ان وچاروں اور شروتیوں سے پریپورن تھے، جو بھیکاری ہوتے تھے۔

لائلپور دیش کے اس بھاگ میں استھت تھا، جہاں کی بھومی سرمئی تھی اور سڑک سے ایک گھنٹے کے مارگ پر ہونے کے کارن وہاں دھرم اور بھکتی کی چرچا بھی رہتی تھی۔ سکھ داس اس گاؤں میں ۱۵ ورش پورو آکر بسا تھا۔ یدھپی ناگرکوں کے سمیپ اس منش میں کوئی ادبھُت بات نہ تھی تتھاپی گرامینوں کے وچار سے وہ ایک ادبھت منش تھا۔ اس کے رہن سہن کا ڈھنگ کچھ نرالا سا تھا۔ نہ تو کسی کے گھر جاتا اور نہ کسی کو اپنے گھر بلاتا۔ وہ تمباکو یا مدرا آدی بھی نہ پیتا تھا۔ وہ کیول اپنے جیوکا سمبندھی کاریوں کے وش تو دوسروں کے پاس جاتا باقی سمے اپنے ویوسائے اور وشرام میں ویتیت کرتا تھا۔

سکھ داس مدھیم اونچائی کا منش تھا۔ اس کا رنگ پیلا تھا، اس کے نیتر ادبھُت پرکار کے تھے، مانو کسی مردے کی آنکھیں ہوں۔ اس نے اپنی ماں سے جڑی بوٹیوں کا گیان پراپت کیا تھا اور تنتر منتر بھی وہ جانتا تھا۔ جھاڑ پھونک کر روگیوں کو اچھا کر دیتا تھا۔ انھیں باتوں کے کارن وہ ادبھت پرکرتی رکھتے ہوئے بھی لوگوں کے اتیاچار سے سورکھشت رہ سکتا تھا۔

پر ۱۵ ورش پہلے جب وہ مدھوون نام کے گاؤں میں رہتا تھا، اس کا جیون ایسا شُشک اور آنند وہین نہ تھا۔ وہاں اس کا آدر کیا جاتا تھا اور لوگ اسے دھارمک منش سمجھتے تھے۔ اسی گاؤں میں ایک بار کرتن کے سمے وہ شوالے میں اچیت ہوگیا تھا۔ تب سے اس پر لوگوں کی شردھا اور بھی ہوگئی تھی۔ وہاں اس کے متروں میں گوپال نام کا ایک یووک تھا۔ سکھ داس بہودھا اس کے ساتھ آمود پرمود کیا کرتا تھا۔ وہ دونوں سدیو ایک ساتھ بھوجن کرتے تھے، گوپال بھی چترتر سمجھا جاتا تھا اور رامائن آدی پڑھ سکتا تھا، جس کے کارن وہ شوالے کے پجاری کو بھی تچھ سمجھتا تھا۔ دونوں متروں میں پرایہ مکتی اور اس کے سادھن کے وشئے میں وارتا ہوا کرتی تھی۔ گوپال ہی کے ادھیوگ سے سکھ داس کا وواہ بھی نشچت ہوگیا تھا اور اس کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔ انھیں دنوں گاؤں کے مندر کے مہنت رام داس بیمار ہوگئے۔ گاؤں کے لوگ ان کو پوجیہ سمجھتے تھے۔ اتیو باری باری سے ان کی سیوا شوشرشا کرنے لگے۔ شینہ شینہ سکھ داس کی باری آئی۔ ایک راتری جب کہ وہ اکیلے مہنت جی کے پاس تھا تو ان کا دیہانت ہوگیا۔ اس دن گوپال کی باری بھی تھی۔ پر وہ ایک گھنٹے کے لیے بھی نہ آیا۔ پراتہ کال گاؤں

میں یہ سماچار پھیلا تو لوگ جمع ہو کر مہنت جی کی داہ کریا کا پربندھ کرنے لگے۔وہاں سے لوٹنے پر سکھ داس گوپال کے پاس جانے ہی والا تھا کہ مندر کے پجاری جی اسے لیے ہوئے سوئیم آگیے اور بولے — آج کرتن کے سمے اوشیہ آنا۔سکھ داس نے اس کا کارن پوچھا، تو انھوں نے اتر میں کہا کہ کارن وہیں گیات ہو جائے گا۔یہ کہہ کر وہ گوپال کے ساتھ چلے گئے۔

سکھ داس جب نیئمت سمے پر مندر میں پہنچا، تو گاؤں کے کتنے ہی سجن جمع تھے۔ پجاری نے ایک چاقو نکال کر سکھ داس کو دکھایا اور پوچھا—'یہ چاقو تم کہاں بھول گئے تھے؟'

سکھ داس نے اتر دیا—'یہ تو میرے جیب میں تھا۔'

پجاری —تو میرے پاس کیسے آگیا؟

سکھ داس—'یہ میں نہیں بتلا سکتا'۔

پجاری—'تم اپنا دوش ویرتھ چھپاتے ہو۔ یہ چاقو مہنت جی کے بستر کے نیچے ملا ہے، جہاں مندر کی آمدنی ایک تھیلی میں بھری ہوئی رکھی تھی۔ کسی نے وہ تھیلی وہاں سے اڑا دی اور اڑانے والا اس چاقو کے مالک کے سوا اور کون ہوسکتا ہے!'

سکھ داس کئی منٹ تک چپ کھڑا رہا۔ انت میں اس نے کہا—میں نردوش ہوں۔ مجھے نہ تو معلوم ہے کہ میرا چاقو وہاں کیسے پہنچ گیا اور نہ یہ جانتا ہوں کہ روپے کس نے لیے۔تم میری اور میرے گھر کی تلاشی لے لو۔ تمھیں وہاں کیول ۵۰ روپے رکھے ہوئے ملیں گے جو میں نے بچا کر رکھ چھوڑے ہیں۔وہ وہاں چھ مہینے سے رکھے ہوئے ہیں اور یہ بات گوپال بھی جانتا ہے۔'

گوپال— یہ سن کر بھنبھنانے لگا، جس کا آشیہ یہ تھا کہ میں کسی کے گھر کا حال کیا جانوں پر پجاری جی نے زور دے کر کہا—سکھو! میرے پاس پورا پرمان ہے۔ روپیہ گت رات کولوپ ہوگیا۔رات کوتم ہی مہنت جی کے پاس تھے۔ گوپال وہاں اسوستھ ہو جانے کے کارن نہیں گیا۔ اسے تم بھی سویکار کرتے ہو۔ اب تمھیں بتاؤ، کس پر سندیہہ کیا جائے؟

سکھ داس ---سمبھو ہے، میں سو گیا ہوں، یا مجھے مرچھا آ گئی ہوگی جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو۔ کداچت اسی سمے کوئی چور آ گیا ہوگا۔ میں نردوش ہوں، تم ابھی چل کر میرے گھر کی تلاشی لے لو، کیونکہ ابھی گھر سے میں کہیں گیا بھی نہیں!

ندان سکھ داس کے گھر کی تلاشی لی گئی اور گوپال نے مہنت جی کی خالی تھیلی سکھ داس کے دروازے کے پیچھے ٹنگی ہوئی پائی۔ اس نے کہا ''متر اپرادھ سویکار کرلو، جھوٹ بولنے سے کیا لابھ؟''

سکھ داس نے گوپال کی اور تچھ درشٹی سے دیکھ کر کہا۔'تم مجھے نو ورشوں سے جانتے ہو۔تم نے کبھی مجھے جھوٹ بولتے ہوئے دیکھا ہے؟ میں جھوٹ سے گھرنا کرتا ہوں۔ ایشور مجھے اوشئے نردوش سدھ کریں گے۔

گوپال— مجھے کیا خبر کہ تم اپنے من میں کیا کیا گپت سنکلپ کرتے ہو اور اس میں پشاچ کو استھان دیتے ہو۔

یہ بات سن کر سکھ داس کا چہرہ تمتما گیا۔ وہ کچھ کہنے ہی کو تھا کہ کسی آنترک دکھ کے کارن رک گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور ہونٹ کانپنے لگے۔ انت میں اس نے گوپال کی اور دیکھ کر کہا۔۔اب مجھے یاد آرہا ہے کہ جب میں مہنت جی کے پاس گیا تو میرے جیب میں چاقو نہیں تھا۔

گوپال میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا کہتے ہو۔ اس چھل کپٹ سے اب کام نہ چلے گا۔ سکھ داس کو کئی آدمیوں نے چاروں اُور سے گھیر لیا اور وہ بھن بھن پرشن پوچھنے لگے۔ پر اس نے کسی کو اتر نہ دیا۔ کیول یہی کہتا رہا کہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ایشور مجھے نردوش سدھ کرے گا۔

قانون کا آشریہ لینا اس مندر کے نیم کے وِرودھ تھا۔ اس اپرادھ کا جو بڑے سے بڑا دنڈ دیا جا سکتا تھا،وہ یہ تھا کہ صرف ذات سے حقہ پانی بند کر دیا جائے۔ اور یہی کیا گیا۔ کچھ لوگوں نے چور کا پتہ لگانے کے لیے چٹھیاں ڈالیں اور سنیوگ وش اس میں بھی سکھ داس ہی کا نام نکلا۔ اب اس کے چور ہونے میں کوئی سندیہہ نہ رہا۔ پجاری نے اسے برادری میں ملنے کا اب بھی ایک اَوسَر دیا۔ اس شرط پر کہ روپیہ واپس دے دے اور پھر چوری نہ کرنے کا پرن کرے۔ پر سکھ داس نے اس کا بھی اتر نہ دیا۔

اس کے پشچات سکھ داس نراش ہو کر گھر چلا آیا اور اپنے من میں اس درگھٹنا پر آلوچنائیں کرنے لگا۔ میں نے پچھلی بار ایک دھاگا کاٹنے کے لیے چاقو دیا تھا، تب سے پھر اسے میں نے جیب میں نہیں رکھا۔ وہ اوشیہ ہی گوپال کے پاس تھا۔ گوپال نے میرے ساتھ

وشواس گھات کیا۔ اس سنسار پر نیائے کاری ایشور شاشن نہیں کرتا، بلکہ وہ انیائی ہے جو نردوشیوں کو دوشی سدھ کرتا ہے۔ وہ دن بھر اداس بیٹھا رہا۔ دوسرے دن اس چنتا کو دور کرنے کے لیے اس نے کام کرنا شروع کیا، پر اس کا جی بالکل نہ لگا۔ وہ ایک ماس تک اس گاؤں میں اؤر رہا۔ بالکل اسی طرح جیسے قیدی کاراواس کرے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے کسی استھان پر چلا گیا۔

دوسرا ادھیاے

مدھوبن سے نکل کر وہ جس گاؤں میں آیا، اس گاؤں کا نام لالپور تھا۔ یدھپی اس سے کوئی پرچت نہ تھا، پر زمیندار کی دیالوتا سے اسے چھوٹا سا مکان مل گیا اور وہاں وہ اکانتواسی بن کر جیون ویتیت کرنے لگا۔ ادھیکتر وہ اپنا سمے کرگھے پر لگاتا تھا۔اپنے ہاتھوں سے بھوجن بناتا، اپنا پانی آپ بھرتا اور اپنے کپڑے بھی آپ دھو لیتا۔ وہ لوگوں سے الگ رہنے لگا۔ بیتے ہوئے سمے کو بھول کر بھی اسمرن نہ کرتا۔ بھوشیہ میں بھی اسے کچھ آشا نہ تھی۔اس متھیا دوشاروپن نے اسے دھرم اور سنسار دونوں سے وِمکھ کر دیا۔

وہ اپنے کام میں اتینت چتر تھا۔دھیرے دھیرے اس کے کپڑوں کی مانگ بڑھنے لگی۔ اس گاؤں میں سوبھاگی نام کی ایک ٹھکرائن رہتی تھی۔ اس نے سکھ داس سے ایک اوڑھنی بنوائی اور اسے مجوری میں ایک مہر دی۔ پرنتو اس کے لیے وہ اشرفی کس کام کی تھی، جبکہ اس کا ہردئے اوشواس سے پیڑت ہو رہا تھا۔

ایک دن جب کہ سکھ داس اپنے جوتوں کی مرمّت کرانے کے لیے موچی کے یہاں گیا تو دیکھا کہ اس کی استری اس کے پاس بیٹھی ہوئی ہے! اس کی صورت سے جلودر روگ کے چنہہ پرکٹ ہوتے تھے۔ اس سمے اسے اپنی ماتا کا اسمرن آیا، جس کا دیہانت اسی روگ سے ہوا تھا۔ اتہہ اسے دکھنی پر دیا آگئی۔ اس نے ایک اوشدھی بنا کر اسے دی اور سنیوگ وش اسے اس سے لابھ ہوا۔اس بیچاری کو ویدھوں اور حکیموں کی اوشدھی سے کوئی لابھ نہ ہوا تھا۔ جب اسے سکھ داس کی اوشدھی سے لابھ ہوا تو لوگوں کو بڑا آشچریہ ہوا۔ ویدھوں کی اوشدھی سے سوستھ ہونا ایک سوبھاوک اور سادھارن بات تھی، پرنتو ایک جولاہے کی اوشدھی سے سواستھ لابھ کرنا اشچریہ جنک تھا۔ اس گاؤں میں یہ پہلا ہی اوسر تھا کہ ایک جولاہے کی اوشدھی سے اسادھیہ روگ جاتا رہا۔ تب سے سکھ داس کو لوگ ایک ادھبت منش سمجھنے لگے۔

اس گھٹنا سے سکھ داس چاروں اُور پرسدھ ہوگیا۔ ماتائیں آتیں، کوئی بچے کی کھانسی

کے نوار نارتھ منتر مانگتیں۔کوئی دودھ اترنے کا ٹوٹکا پوچھتی۔کوئی منش گٹھیا کی اوشدھی مانگتا اور کوئی پٹھے کے درد کی۔ یدی وہ دوا دینے میں کچھ سنکوچ کرتا تو اسے روپیہ کا لوبھ دیا جاتا۔ پر سکھ داس روپیہ کا داس نہ تھا اور کبھی بھی نہ ہوا تھا۔ پر جب روگیوں کی سنکھیا دن و دن بڑھنے لگی تو سکھ داس کو ان لوگوں سے کشٹ ہونے لگا۔ انت میں اس نے ایک دن صاف کہہ دیا کہ میرے پاس کوئی روگی نہ آئے۔ مجھے نہ تو کوئی سدھی ہے اور نہ جادوٹونے آتے ہیں۔ اس کا پھل یہ ہوا کہ سارے گاؤں کے لوگ سکھ داس سے اپرسن ہوگئے۔ یدی کسی اُچ جاتی کے منش نے یہ بات کہی ہوتی تو وہ چھمیہ سمجھا جاتا، پر ایک جولاہے کو اتنا گھمنڈ ہو، یہ روگیوں کی سہن شکتی سے بھی باہر تھا۔ لوگ اس کی صورت سے بھی چڑھنے لگے۔

سکھ داس کو گاؤں والوں کی اس اپکچھا سے لیشمائر بھی کھید نہ ہوا۔ وہ اپنے کام میں تنمئے ہوگیا۔ پرتی دن ۱۶ گھنٹے پریشرم کرتا۔ روکھا اور سادھارن بھوجن کرتا۔ اسے روپے جمع کرنے کی چاٹ پڑ گئی۔ وہ ہر دم اس چنتا میں رہتا کہ کسی طرح مہروں کی سنکھیا بڑھ جائے۔یدی اس ماس میں پانچ مہریں ہیں تو دوسرے میں بیس اور پھر تیس ہو جائیں۔ اسی کرم سے اس کی اِچھا اتروتر بڑھتی جاتی تھی۔کام کرتے کرتے بھی اسے اپنی سمپتی کا دھیان آجاتا تھا۔کام سے چھٹی پاتے ہی وہ ہر راتری کو وہ برتن نکالتا جس میں اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں، اور انھیں نکال کر گنتا۔ اس کام میں اسے اسیم آنند اور سنتوش ہوتا تھا۔ مانو وہ دروبیہ کا اپاسک تھا۔

گننے کے بعد ان اشرفیوں کو ایک تھیلی میں بند کرکے ایک گڈھے میں رکھ دیتا تھا اور اوپر سے بالو پھیلا دیتا تھا۔ اسے چور اور ڈاکوؤں کا ڈر نہ تھا۔ کیونکہ اس سمے کے لوگ ایماندار ہوتے تھے۔

پرتی ورش سکھ داس کا دھن بڑھتا گیا اور برتن اشرفیوں سے بھرتا گیا۔ اس کے جیون کے اب کیول دو اولمب تھے۔ایک کپڑے بننا، دوسرا دھن سنچئے۔ وہ کٹھن پرشرم کرتا اور دھن سنچے کرنے میں اس پرکار لپٹ رہتا، مانو یہی اس کے جیون کی مہتوکانچھا ہے۔ اس نرنتر پرشرم سے وہ دبلا ہوگیا۔ ۴۰ ورش ہی کی اوستھا میں اس کی کمر جھک گئی، رنگ پیلا پڑ گیا اور آنکھوں سے کم دِکھنے لگا۔ اتیو گاؤں کے بالک اسے بوڑھا سکھ داس کہنے لگا۔

اس سانسارک ویریکت کے ہونے پر بھی سکھ داس میں پریم کا چنہ شیش تھا جو اس گھٹنا سے وِدِت ہوتا ہے۔ جب سے وہ لال پور آیا تھا، تبھی سے اس کے پاس ایک جل کا

گھڑا تھا، جسے وہ بہت چاہتا تھا۔ سوئیم وہ کنوئیں سے جل لاتا اور نتیہ گھڑے کو اس کے نیمت استھان پر رکھ دیتا۔ ایک دن جب وہ گھڑا بھر کر لوٹ رہا تھا، تو اس نے ٹھوکر کھائی، گھڑا گرا اور ایک پتھر سے لگ کر ٹکرے ٹکرے ہو گیا۔ سکھ داس کو بہت کھید ہوا۔ یدھپی پھوٹے گھڑے سے کوئی کام نہ نکل سکتا تھا تتھاپی وہ ٹکروں کو لے آیا اور اس نے اسے جوڑ کر نشچت استھان پر رکھ دیا۔ پھوٹے گھڑے کو دیکھنے سے اس کے چت کو شانتی ہوتی تھی۔

سکھ داس کے جیون کے پندرہ ورش اسی بھانتی لال پور میں بیتے۔ دن بھر کام کرتا، رات کو بھی کام کرتا۔ کچا پکا بھوجن بنا کر کھاتا، تب اشرفیوں اور روپیوں کو گنتا۔ اس کے بعد شیین کرتا۔ وہ صرف چاندی کے سکّوں کو ویئے کرتا تھا، اشرفیوں کو کبھی نہ بھناتا تھا۔ اشرفیوں کو گنتے سمے اس کے نیتروں سے درویئے پریم کی جیوتی نکلتی تھی۔ جب دھن ادھک بڑھ گیا تو اس نے اسے چمڑے کی تھیلی میں رکھنا شروع کیا، پر اس کا دھناولوکن اور نریکھن پوروت جاری رہا۔ اسے درویہ سے اتنا پریم ہو گیا تھا کہ رات کو سوتے سمے بھی وہ روپیوں اور اشرفیوں کا ہی سوپن دیکھتا۔ یدھپی اس کے پاس بہت دھن جمع ہو گیا تھا، پر گاؤں والوں کو اس کی ذرا بھی خبر نہ تھی۔

تیسرا ادھیاے

لاپور میں سب سے پرسدھ اور پرتیشٹھت پروش ٹھاکر نریش سنگھ تھے۔ وہ ایک وشال بھون میں رہتے تھے۔ یدھپی ان کے پاس بھومی بہت تھوڑی تھی اور آسامی بھی ادھک نہ تھے۔ پر سمے پڑنے پر وہ ان کے یہاں اس پرکار سے دوہائی مچانے جاتے، مانو وہ ان کے راجا ہیں۔ جنتا نے انھیں راجا کی پدوی پردان کر دی تھی۔ لاپور میں اس سمے تک کبیر کے اپدیشوں کا پربھاو نہیں پڑا تھا۔ وہاں کے نواسی آنند سے جیون ویتیت کرتے تھے۔

ٹھاکر نریش سنگھ ایک تو سوئیم فضول خرچ آدمی تھے، دوسرے ان کی استری کا دہانت ہو چکا تھا۔ اس لیے ان کے گھر میں بہت کچھ کُپر بندھ تھا۔ ان کے دو لڑکے تھے۔ بڑا لڑکا مہیپ سنگھ ایک سچرت یووک تھا، پر آلس میں پڑے رہنے کے کارن وہ گھر کے کاموں میں اپنے پتا کی سہائتا نہ کرتا تھا۔ دوسرا پتر دلیپ سنگھ شرابی اور آوارہ تھا۔ وہ کبھی کبھی اپنے بڑے بھائی سے روپیا ادھار لے لیا کرتا، پر دینا نہ جانتا تھا۔ اور یدھپی مہیپ سنگھ کو کئی بار اس کا انوبھو ہو چکا تھا، پر وہ سرل سوبھاو ہونے کے کارن دلیپ سنگھ کی باتوں میں آجاتا تھا۔

ایک دن سندھیا سمے مہیپ سنگھ نے دلیپ سنگھ کو بلا کر ان روپیوں کا تقاضا کیا، جو اس نے ایک آسامی سے وصول کر کے دیے تھے۔ دلیپ اس وقت شراب کے نشے میں تھا، اکڑا ہوا آیا اور گرَو سے بولا''—آپ نے مجھے کیوں یاد کیا؟''

مہیپ — ''پتا جی کو روپیوں کی آتینت وشیش اوشیکتا ہے۔ کریم کا لگان، جو میں نے تم کو دیا ہے۔ چٹ پٹ دے دو۔ نہیں تو میں پتا جی سے صاف کہہ دوں گا کہ میں نے روپے تمھیں دیے ہیں۔ میں تمھارے پیچھے ان کی اپرسنتا نہیں سہنا چاہتا''۔

دلیپ—''روپیوں کا پربندھ تو آپ زیادہ آسانی سے کر سکتے ہیں''۔

مہیپ —''یدی میں پربندھ کر سکتا تو تمھیں کشٹ نہ دیتا۔ اور میں پربندھ کر بھی سکوں، تو بھی تمھیں روپے دینے چاہیے''۔

دلیپ —'' چاہیے تو پر آئے کہاں سے؟''

مہیپ —'' لینے کے سمے تمھیں سوئیم اس پرشن کا اُتر سوچ لینا چاہیے تھا۔

دلیپ—''اتنی ہی سمجھ ہوتی، تو سب کی پھٹکار کیوں سہتا؟ آپ نے جہاں مجھ پر اتنی دیا کی ہے، وہاں اتنی کرپا اور کیجیے کہ کسی سے رِن لے کر پتا جی کو ان کے روپیے دے دیجیے۔ ہمارا اور آپ کا لیکھا پھر ہوتا رہے گا۔''

مہیپ نے سوچ کر کہا—''ایک بات ہوسکتی ہے۔تم میرا گھوڑا بیچ لاؤ۔ اس کے سوا مجھے انیہ کوئی اپائے نہیں سوجھتا۔ پر یہ سمجھ لو کہ میرا اور تمھارا یہ اُنتم ویوہار ہے۔ اب میں تمھیں ایک کوڑی بھی نہ دوں گا۔

دلیپ—''اتنی کٹھن پرتگیا نہ کیجیے، پر آپ کا گھوڑا میں بیچ لانے کے لیے تیار ہوں اور آپ کو وشواس دلاتا ہوں کہ ایک روپیہ بھی شراب پینے میں نہ خرچ کروں گا۔''

یدیپی مہیپ اس گھوڑے کو بہت چاہتا تھا، پر اس سمے ووش ہوکر اسے بیچنا پڑا۔ دلیپ ایک کُچرتر یووک تھا۔ رات دن جوئے، مدرا پان تتھا کُچیشٹاؤں میں آسکت رہتا تھا۔ مہیپ اسے اپنا گھوڑا دیتے ہوئے ڈرتا تھا کہ کہیں وہ اسے بیچ کر اس کے روپے نہ اڑا جائے اور چاہے اتنا ساہس نہ کر سکے، پر اس میں تو کوئی سندیہہ ہی نہیں تھا کہ پورا مُلیہ میرے ہاتھوں میں نہ آئے گا۔وہ سوئیم دس کوس تک گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنے کا کشٹ سہنے میں اسمرتھ تھا۔ آلسمے جیون نے پریشرم سے اس کے من میں گھرنا پیدا کر دی تھی۔ یہاں تک کہ گھوڑا کے مُلیہ کے اڑ جانے تتھا اساودھانی سے دوڑانے کے کارن اس کے پرانانت ہو جانے کی شنکا نے بھی اس کو اُتیجت نہ کیا۔

پراتہ ہوتے ہی دلیپ گھوڑے پر سوار ہوکر بازار چلا۔ جب وہ اس مکان کے نکٹ پہنچا، جس میں سکھ داس رہتا تھا، تو اس کے من میں یہ وچار اتپن ہوا کہ یہ مؤرکھ وِردھ جولاہا اوشیہ بہت دھنی ہوگا۔ نی سندیہہ اس کا دھن کسی جگہ گڑا ہوگا۔ آشچر یہ ہے کہ میں نے مہیپ کو یہ بات کبھی نہ بجھائی کہ وہ اس جولاہے سے وشواس پر رِن لینے کا یتن کرے۔ اس وچار کے اٹھتے ہی اس نے گھوڑا کی باگ ڈور گھر کی اوٗر موڑ دی۔ اسے وشواس تھا کہ مہیپ اس سمپتی کو سہرش سویکار کر لے گا، پر نہ جانے اس کے دل میں یکا یک کیا آیا کہ وہ پھر پلٹ کر مارگ پر چلا آیا اور گھوڑے کو دوڑانے لگا۔ وہ روپوان تھا اور گھوڑے کی سواری میں بہت چتور تھا۔ تیز گھوڑے پر سوار ہونے میں اسے بڑا آنند ملتا تھا۔ جب راہگیر لوگ کھڑے ہو ہو

کر اسے آشچر یہ سے دیکھتے تو وہ گھوڑے کو اور تیز کر دیتا تھا۔ جب وہ بازار پہنچا، تو سینکڑوں آنکھیں اس کی اوٗر اٹھ گئیں، وہاں پر سینکڑوں گھوڑے موجود تھے، پر اس شان کا ایک بھی گھوڑا نہ تھا۔ وہاں کے سب سے بڑے ویاپاری کا نام صاحب خاں تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی سمیپ آیا اور اس کا سواگت کر کے بولا — ''آج تو آپ اپنے بھائی صاحب کے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے ہیں۔ یہ نئی بات ہے۔''

دلیپ — ''اب تو یہ گھوڑا میرا ہے، میں نے ان سے جھپٹ لیا''

صاحب خاں — ''جھپٹ کیسے لیا؟''

دلیپ — ''ایسا ہی میرے ان کے بیچ کچھ حساب تھا، جو ایک گھوڑا لے کر طے ہوگیا۔''

یدیپی دلیپ نے یہ نہیں کہا کہ میں گھوڑے کو بیچنا چاہتا ہوں، پر صاحب خاں تاڑ گیا کہ وہ اسے بیچنے ہی کے لیے لایا ہے۔ اس نے دلیپ سے کہا — ''یدی آپ اسے بیچنا چاہیں، تو آپ کو اس کے اچھے دام مل سکتے ہیں۔''

دلیپ — ''مجھے بیچنے کی اِچھا نہیں، مجھے اس کے آج ہی ۳۰۰ روپے مل رہے تھے۔''

صاحب خاں — ''یہ مت کہو، میں نے آج تک کوئی ایسا منش نہ دیکھا جو ڈیوڑھے دام پاکر گھوڑے کو بیچ نہ ڈالے۔ دام تو اس کے وہی ۳۰۰ روپے ہوں گے' پر آپ کو پان کھانے کے لیے کچھ اور مل جائیں گے''۔

صاحب خاں نے یہ کہا ہی تھا کہ اس کا ایک متر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اسے دوڑا کر اس کی چال دیکھنے لگا۔ انت میں ساڑھے تین سو روپے پر سودا طے ہوگیا، پر شرط یہ تھی کہ دلیپ گھوڑے کو صاحب خاں کے اصطبل میں پہنچا دے۔ دلیپ راضی ہوگیا۔ وہ اسی وقت اس اصطبل کی طرف چلا، جو وہاں سے تین میل پر تھا، تاکہ شام ہوتے ہوتے وہ روپے سے جیب گرم کر کے کرائے کے گھوڑے پر سوار ہو کر گھر پہنچ جائے۔ وہ ایک میل آیا ہوگا کہ اسے گھڑدوڑ کا میدان دکھائی دیا۔ وہاں گھوڑے کے کودنے کے لیے ٹٹیاں لگی ہوئی تھیں۔دلیپ امنگ میں آکر ٹٹیاں کدانے لگا، پر دُربھاگیہ وش کئی ٹٹیاں کدانے کے پشچات گھوڑا ایک ٹٹی پر گر پڑا۔ ٹٹی کی ایک لکڑی اس کے کنٹھ میں گھس گئی، دلیپ بھی گر پڑا اسے

تھوڑی چوٹ لگی۔ گھوڑا اسی دم تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

دلیپ ان منشیوں میں تھا' جو کسی ہانی پر کیول کچھ ہی منٹ تک کھید کرتے ہیں۔ وہ پرتھوی سے اٹھا۔ پہلے اپنی دیکھ بھال کی کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ اسے گھوڑے کے مرنے کا اتنا دکھ نہ ہوا، جتنا یہ چنتا کہ گھر کیوں کر پہنچوں۔ اسے مہیپ کے کرودھ کا بھئے بھی اوشیہ تھا، پر اس نے سوچا، جب میں انھیں سکھ داس سے رِن لینے کی بات سنا دوں گا، تو وہ مجھے چھما کر دیں گے۔

وہ من میں سکھ داس سے روپے لینے کے وچار کو آشاروپ میں پرینت کرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ صاحب خاں کے اصطبل تک پہنچا اور اس نے ایک گھوڑا کرایہ پر لینا چاہا، پرنتو جس منش نے ابھی ابھی ایک گھوڑے کی جان لے لی ہو، اسے کون اپنا گھوڑا بھاڑے پر دیتا؟ اس سمے دن کے چار بجے تھے، آکاش میں بادل گھرنے لگے تھے۔ اس نے بوٹ کس ہنٹر ہاتھ میں لیا اور وہ تیزی کے ساتھ پکّی سڑک پر چلنے لگا۔

بادل ادھک گھرتے گئے، دلیپ بھی ڈگ بڑھاتا ہوا لالپور کی سیما تک آیا۔ اس سمے بادل اتنے گھنے ہوگئے تھے کہ ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ اسی دشا میں جب کہ وہ سکھ داس کے گھر کے پاس پہنچا، تو اس کے دل میں اس سے وارتالاپ کرنے کا وچار اتپن ہوا۔ وہ کیول روپے کے وشیہ میں اس کا من لینا نہیں چاہتا تھا، بلکہ گھرتے ہوئے بادلوں سے رکچھا بھی چاہتا تھا۔ دروازے کے دراز سے نکلتا ہوا پرکاش اس اندھکار میں اسے بہت آشاجنک معلوم ہوا۔ وہ اس گھر کی اوُر چلا اسے آشا تھی کہ سکھ داس کے یہاں سے ایک لالٹین اوشیہ مل جائے گی، جس سے وہ اپنے گھر تک پہنچ سکے گا، کیونکہ اس کا مکان اب بھی کوئی پون میل کی دوری پر تھا۔ وہ دو ہی چار پگ چلا تھا کہ زور سے ورشا ہونے لگی۔ تب وہ دوڑتا ہوا سکھ داس کے دروازے پر جا پہنچا اور اسے اُچ سوَر سے پکارنے لگا، پر بھیتر سے کوئی اُتر نہ آیا۔ اس پر اس نے اور زور سے پکارنا شروع کیا، پر پھر بھی اُتر نہ ملا۔ تب اس نے زور سے دروازے پر دھکا مارا۔ دوار کھل گیا۔ اور دلیپ نے اندر پرویش کیا، پر دیکھا تو گھر سونا تھا۔ سکھ داس کا کہیں پتا نہیں۔ چولہے میں آگ جل رہی تھی۔ اور اس پر ایک ہنڈلی رکھی ہوئی تھی، جس کا بُد بُد شبد اس سنّاٹے کو بھنگ کر رہا تھا۔ دلیپ نے سوچا کہ کداچت سکھ داس کوئی آوشیک وستو لانے کے لیے باہر گیا ہے۔ اس سمے یکایک اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ سکھ داس

کے روپے کہاں رکھے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی اور سارے وچار اس کے دل سے دور ہوگئے۔ ایسے مکان میں کیول تین ہی جگہیں ایسی تھیں۔ جہاں روپیہ رکھا جاسکتا تھا۔ چھپر، چارپائی، یا کوئی بل۔ سکھ داس کے مکان میں کوئی چھپّر تھا ہی نہیں، اتہ دلیپ نے بچھونے اور پلنگ کو ٹٹولنا آرمبھ کیا۔ ساتھ ہی بھومی پر درشٹی دوڑائی پر کہیں کوئی ایسی جگہ نہ دکھائی دی جہاں روپیہ رکھنے کے گپت استھان کا سندیہہ ہوسکتا۔ کیول ایک جگہ کچھ ریت پڑی ہوئی تھی۔ جس پر انگلیوں کے چنہہ بنے تھے۔

اس استھان کو دیکھتے ہی دلیپ چونک پڑا۔ اسے بھاؤنا ہوئی کہ روپیہ یہیں رکھا ہوگا۔ وہ وہاں لپک کر پہنچا اور ریت کو ہٹا کر دیکھا تو اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے شیگھرتا سے ان اینٹوں کو نکال دیا تو ایک بڑی بل دکھائی دی۔ دلیپ نے بل میں ہاتھ ڈال کر اِدھر اُدھر ٹٹولا، تو اسے ایک چمڑے کی تھیلی مل گئی۔ اس نے اسے باہر نکال لیا۔ اس کو بوجھ سے اسے پُورن وشواس ہوگیا کہ اس میں روپے اور اشرفیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اس نے تھیلی کو ایک اُور رکھ کر اینٹوں کو بھیتر رکھا اور اوپر ریت پھیلا کر پوروت کر دیا۔ اسے یہاں کل پانچ منٹ لگے تھے، پر یہ پانچ منٹ کئی گھنٹوں سے ادھک معلوم ہوئے۔

دلیپ مارے بھے کے کانپ رہا تھا اور ہردئے وکچھ استھل میں ہاتھوں اچھل رہا تھا۔ وہ چمڑے کی تھیلی کو لے کر کھڑا ہوا اور باہر نکلتے ہی اس نے دوار بند کر دیا کہ بھیتر کا پرکاش باہر نہ آسکے۔ اس تھیلی کو لیے ہوئے وہ آگے بڑھا۔ اس سمے اندھیرا بھی بڑھ گیا تھا اور موسلا دھار پانی برس رہا تھا۔ سکھ داس کے گھر میں جانے سے پہلے یہ اندھیرا برا معلوم ہوتا تھا۔ پر اس سمے بہت ہی بھلا لگا۔ کیونکہ وہ اس کے پاپ کو چھپا سکتا تھا۔

چوتھا ادھیائے

جب دلیپ یہاں سے چلا، تو سکھ داس ۱۰۰ گَپ کی دوری پر تھا۔ وہ پیٹھ پر ایک بورا لادے اور ہاتھ میں لالٹین لیے گاؤں سے آ رہا تھا۔ یدیپی وہ تھکا ماندا تھا، تو بھی گرم گرم بھوجن کی آشا اسے پرسن چت بنائے ہوئے تھی۔ آج بھوجن کی سامگری اس کے ایک گراہک نے بھیٹ کی تھی۔ اس لیے وہ روکھا نہ تھا۔ سکھ داس نیمانوسار رات کو بھوجن اچھانوسار بھر پیٹ کرتا تھا۔ کیونکہ اس سمے اس کی سمپتی اس کی آنکھوں کے سامنے رہتی تھی۔

سکھ داس گھر سے چلتے سمے تالا لگانا بھول گیا تھا۔ اسے یہ شنکا ہی نہ تھی کہ اس ورشا میں کوئی چور اس گھر میں آ سکتا ہے کیونکہ گت ۱۵ ورشوں میں ایک بار بھی اسے اس پرکار کا کھٹکا نہ ہوا تھا۔ دوار پر پہنچ کر اس نے کیواڑ کھولے اور اندر گیا۔ سب چیزیں جوں کی تیوں ملیں۔ کوئی پریورتن نہ دکھائی پڑا۔ اگنی پرجولت تھی۔ کھانا پک رہا تھا اور دیپک پرکاشمان تھا۔ اس نے بورا ایک اوٗر رکھا، لالٹین دوسری اوٗر اور پگڑی اتار کر کھونٹی پر ٹانگ دی۔ نشچنت ہو کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا، جس سے وہ پدچِہن مٹ گئے، جو دلیپ ریت پر چھوڑ گیا تھا۔ تب اس نے پیر دھوئے۔ اور چوکی میں بیٹھ کر اس نے کھچڑی کی بٹولی اپنے سامنے رکھ لی۔

یدی کوئی منش اس کے روپ کو اگنی کے پرکاش میں دیکھتا تو اوشیہ ڈر جاتا۔ اس کی گول تیبر آنکھیں، بکھرے ہوئے بال، پیلا چہرا، دربل شریر اس پرکاش میں اور بھی بھئے کاری ہو رہے تھے۔ یدیپی اسے لوگ سندیہہ کی درشٹی سے دیکھتے تھے۔ واستو میں وہ نتانت سرل منش تھا۔ اس کے سیدھے سادھے ہردئے پٹل پر کپٹ کا کوئی چِہن نہ تھا۔ چونکہ وشواس کا پرکاش اس کی آتما میں لوپ ہو چکا تھا۔ پریم میں اسے اسپھلتا ہو چکی تھی۔ وہ سنسار کی ساری باتوں کو چھوڑ کر کیول پرشرم کرنے اور روپے جمع کرنے میں لپت رہتا تھا۔ مانو یہی دو کام اس کے جیون کے دو مکھیہ اُدیش تھے۔

جب اگنی کے پاس بیٹھے ہوئے کچھ وِلمب ہوا، تو اس نے سوچا کہ بھوجن کے بعد اپنے دھن کا نریکشن کرنے میں دیر ہوگی۔ اتہ اس نے اینٹوں کو ہٹا کر بل میں ہاتھ ڈالا۔

وہاں تھیلی کا پتا نہیں تھا۔ اس کا دل زور سے اچھل پڑا، پرنتو اسے یہ وشواس نہ ہوا کہ کوئی واستو میں اشرفیوں کو چرا لے گیا ہے۔ کیول ایک شنکا کا انوبھو ہوا اور اس شنکا کو وہ دور کر دینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے بل کو خوب ٹٹولا کہ کہیں مجھے دھوکا تو نہیں ہو رہا ہے۔ تب اس نے بتی کو بل میں ڈال دیا اور سر سے پیر تک کانپتے ہوئے اسے دھیانپوروک دیکھا، انت میں اس کے شریر میں ایسی کپکپی ہوئی کہ لالٹین اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اس نے ہاتھ سر پر رکھ لیا کہ ساودھان ہو کر کچھ وچار کر سکے۔

اس گھبراہٹ کی دشا میں اس کے من میں یہ پرشن ہوا کہ گت راتری کو میں نے اپنی اشرفیاں کسی انیہ استھان پر تو نہیں رکھ دیں۔ اس سے اس کی دشا اس ڈوبتے ہوئے منش کی سی تھی جو اندھیرے میں ٹٹول رہا ہو۔اور اس کو کہیں سے پرکاش نہ ملتا ہو۔ اس نے مکان کا کونا کونا ڈھونڈ مارا، بستر الٹ کر دیکھا، کر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا پر اشرفیوں کا پتا نہ ملا۔ انت میں اس نے ایک بار پھر بل میں ہاتھ ڈالا اور اسے اچھی طرح ٹٹولا، پرنتو بھینکر سچائی سے اسے ایک چھن کے لیے بھی شرن نہ ملی۔

جب کوئی منش نراشا کے پنجے میں پھنس جاتا ہے، تو وہ چاروں اور آشامئے درشٹی دوڑاتا ہے۔ سکھ داس بڑی کھٹنتا سے اٹھا اور اس نے اس چوکی کو دیکھا جس پر وہ اپنے برتن رکھا کرتا تھا۔ تب وہ مکان کے دروازے پر آیا، پھر پچھواڑے کی طرف گیا اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا، پر اشرفیاں کہیں بھی نظر نہ آئیں۔ جب وہ چاروں طرف سے نراش ہو گیا، تو اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ ایک دیرگھ شواس کھینچا۔ اس کے پشچات وہ کچھ دیر تک استھر بھاؤ سے کھڑا رہا۔ پھر کرگھے کی اور لڑکھڑاتا ہوا بڑھا اور اس استھان پر بیٹھ گیا جہاں بیٹھ کر کام کیا کرتا تھا۔

سبھی پرکار کی جھوٹی آشاؤں کے لپت ہو جانے کے بعد چور کا وچار اس کے دل میں اٹھنے لگا اور اس وچار کو اس نے بل پوروک استھر کیا۔ کیونکہ یہاں اس کی آشاؤں کو ٹھہرنے کا استھان مل سکتا تھا۔ چور پکڑا جا سکتا تھا اور اس سے اشرفیاں واپس کی جا سکتی تھیں۔ وہ کرگھے سے اٹھ کر دوار تک آیا۔ جیوں ہی اس نے کیواڑ کھولے کہ ورشا کا ایک جھونکا اس کے منہ پر لگا۔ وہ سر سے پیر تک بھیگ گیا۔ اتنی دیر میں اس میں وچار کرنے کی شکتی لوٹ آئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ چور کس سے آیا۔ جب میں دن کو باہر گیا تھا تو میں نے کیواڑ بند کر

دیے تھے۔ منش کے پد چنہ دوار کے سامنے نہ تھے۔ سندھیا سے بھی سب وستوئیں ویسی ہی تھیں، جیسی کہ دن میں۔ کوئی نئی بات نہ دکھائی دی تھی۔ نہ تو گھر کے باہر اور نہ گھر کے بھیتر۔ اس نے پھر سوچا، یہ کوئی پشا چک لیلا تو نہیں ہے کہ جس نے جیون میں دوسری بار مجھے نشٹ کیا۔ پر یہاں سے اس کا وچار شیگھر ہی دوسری اُور پھرا۔ لالپور میں دکھی نام کا ایک اہیر رہتا تھا جو ایک بار چوری کا ڈنڈ پا چکا تھا۔ وہ سکھ داس کے یہاں آیا جایا کرتا اور اس کے دھن کے وشئے میں کبھی کبھی ہنسی کیا کرتا تھا۔ سکھ داس کا سندیہہ دکھی پر ہوا اور اسے پربل اچھا ہوئی کہ اس کے پاس چل کر اپنے روپے واپس لوں۔ وہ اسے ڈنڈ دینا یا دلانا نہ چاہتا تھا۔ وہ نیا لئے سے پرچت نہ تھا وہ کیول اپنے روپے چاہتا تھا، اس لیے اس نے سنکلپ کیا کہ نریش سنگھ کے پاس چل کر دہائی دے۔ وہ ننگے سر اور مکان کو کھلا ہوا چھوڑ کر پانی میں بھاگتا ہوا گاؤں کی اور بھاگا۔ پرنتو جب مارگ میں اس کا سانس پھولنے لگا تو وہ دھیرے دھیرے چلنے لگا۔

اس سمے نریش سنگھ کے چوپال میں گاؤں کے دھنی مانی پروش بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر ادھر گپ شپ ہو رہی تھی۔ ایک مہاشے بھوتوں کی کتھا سنا رہے تھے۔ چلم پر چلم بھری جاتی تھی اور تمباکو کی سوگندھ اڑ رہی تھی۔ سکھ داس کچھ دیر تک دوار پر کھڑا رہا۔ اسے اندر جانے کا ساہس نہ ہوا، پرانت میں وہ جی کڑا کر کے چوپال میں گھس گیا۔ بھوت پشاچ کی تو چرچا ہو ہی رہی تھی، اکسمات سکھ داس ہانپتا ہوا ننگے سر پہنچا تو لوگ چونک پڑے۔ نریش سنگھ نے پوچھا''کہو سکھداس، تم کیسے چلے؟''

سکھ داس—''سرکار میں لٹ گیا، میں آپ سب لوگوں کے سامنے دہائی کرتا ہوں''

نریش سنگھ—''دکھی، ذرا اس جولاہے کو پکڑ تو لو معلوم ہوتا ہے کہ سنک گیا ہے۔''

یدیپی دکھی سکھ داس کے سمکھ ہی بیٹھا تھا، پر اس نے اس آگیا کا پالن نہ کیا اور بولا —''وہ سنکا نہیں ہے اس کی چوری ہوگئی ہے کداچت پیٹا بھی گیا ہے۔

سکھ داس نے کہا—''دکھی'' اور وہ اس کی اوٗر وچتر آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

دکھی نے پوچھا—''کیا مجھ سے کچھ کام ہے؟'' سکھ داس نے ہاتھ جوڑ کر اتینت دین بھاؤ سے کہا—''دکھی'' یدی تم نے میرے روپے چرائے ہوں تو مجھے دے دو، میں تم سے کچھ نہ بولوں گا۔ میں پولس میں بھی نہ لکھاؤں گا، کیول میرے روپے لوٹا دو، ایک اشرفی

بھی تمھیں بھینٹ کردوں گا۔''

دکھی کے تیوروں پر بل پڑگئے۔ اس نے سروش ہو کر کہا---''میں نے تیرے روپے چرائے ہیں؟ یدی ایسی بات پھر منہ سے نکالے گا تو اس چھڑی سے تیری آنکھیں پھوڑ دوں گا۔'' نریش سنگھ بولا — ''یدی تجھے کچھ کہنا ہے تو ساودھان ہو کر کیوں نہیں کہتا۔ تیری باتیں کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔''

کارندہ صاحب بولے —''یہ اس طرح چلاّ رہا ہے مانو پاگل ہو گیا ہے''

کئی منشیوں نے اس پر کہا—''ہاں، ہاں اسے بٹھاؤ''

نریش سنگھ نے سکھ داس کو الگ ایک ماچے پر بٹھلایا اور جب وہ ذرا ساودھان ہو گیا تو اس سے پوچھا —''ہاں، سکھو بتاؤ، اب کیا کہتے ہو۔ تمھاری چوری ہوگئی؟''

دکھی بول اٹھا—''کشل اسی میں ہے کہ یہ مجھ پر چوری کا دوش نہ لگائے۔''

نریش سنگھ—'' تم اپنی زبان بند کرو۔ ہاں سکھو صاف صاف بتلاؤ''۔

سکھ داس نے تب اپنا ورتانت کہہ سنایا۔ لوگ اسے بھانتی بھانتی کے پرشن کرنے لگے۔ اس نے بہت دھریہ سے سب کو اتر دیے۔ جس سے لوگوں کو اس کی چوری ہو جانے کا وشواس ہوا۔ نریش سنگھ بولے—''سکھو! تمھارا روپیا چرانے والا دکھی نہیں ہے۔ تم اس پر سندیہہ نہ کرو۔ وہ کل سے میرے دروازے سے نہیں ٹلا''

کارندہ—''ہاں ہم کو کسی نراپرادھ منش پر دوش نہ لگانا چاہیے۔''

یہ سن کر سکھ داس کو وہ سمے یاد آیا جب وہ سوئیم نراپرادھ تھا اور اس پر چوری کا اپرادھ لگایا گیا تھا۔ وہ ماچے سے اٹھا اور دکھی کے پاس جا کر اتینت دینتا سے بولا—''دکھی!'' مجھے چھما کرو۔ مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔ میں نے تمھارا نام کیول اس لیے لیا تھا کہ تم بہودھا میرے گھر آیا کرتے ہو۔ اب میں تم کو دوش نہیں ٹھہراتا۔''

نریش سنگھ—''تمھاری تھیلی میں کتنے روپے تھے؟''

سکھ داس—''کل ۲۷۰ اشرفیاں تھیں، میں نے کل شام کو گن کر رکھیں تھیں۔

کارندہ—''اتنے روپے تو بہت بھاری نہیں ہوتے، انھیں ایک منش سرلتا سے لے جا سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ گھر میں کسی کا پد چھہ نہیں ہے اور وہ استھان بھی جیوں کا تیوں ہے۔ جہاں تمھاری اشرفیاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ میری رائے تو یہ ہے

کہ چل کر کسی اوجھا سے پوچھنا چاہیے۔ وہ اپنے منتروں سے اوشیہ چور کا پتا لگا لے گا۔

نریش سنگھ— ''کیا ویرتھ بات چیت کر رہے ہو؟ چور پکڑنا اوجھا کا کام نہیں ہے، پولس کا کام ہے۔ سکھ داس کے ساتھ ٹانڈے کے تھانے میں جاؤ اور وہاں رپورٹ لکھاؤ۔ اس کے سوا اور کوئی اپائے نہیں ہے''۔

یدیپی سکھ داس تھانے کے نام سے ڈرتا تھا، پر نریش سنگھ کے آگرہ سے اسے ووش ہو کر تھانے جانا پڑا۔ اس کی آشائیں کوئی نہ کوئی سہارا ڈھونڈتی تھیں۔ نریش سنگھ کے یہاں کوئی استھان نہ پاکر وہ تھانے کی اور پھریں۔ پانی زور سے برس رہا تھا۔ سکھ داس کارندہ کے ساتھ ٹانڈے کی طرف چلا۔

پانچواں ادھیائے

مہیپ سنگھ رات کو پاس کے ایک گاؤں میں نیوتا کھانے گیا ہوا تھا، ساری رات ناچ گانا دیکھتا رہا، صبح کو جب وہ اپنے گاؤں میں آیا، تو دیکھا کہ چاروں طرف ہلچل مچی ہوئی ہے۔ پوچھنے سے وِدِت ہوا کہ سکھ داس کی چوری ہوگئی ہے۔ کوئی اس کی اشرفیاں اٹھا لے گیا ہے۔ مہیپ دیاوان آدمی تھا، اسے سکھ داس پر دیا آگئی۔ چوری کا پتا لگانے میں وہ بھی تتپر ہو گیا۔

پراتہ کال تھانے دار صاحب کئی کانسٹیبلوں کے ساتھ سکھ داس کے گھر پر آپہنچے اور اس کے بھیتر اور باہر پرتیک وستو کو بڑے دھیان سے دیکھنے لگے۔ پھر من میں کچھ وچار کر اس تالاب کی اُور بڑھے، جو سکھ داس کے گھر کے پاس ہی تھا۔ تالاب کے کنارے وہاں انھیں دیاسلائی کا ایک بکس دکھائی دیا۔ تھانیدار نے لپک کر وہ بکس اٹھا لیا اور وہ اسے اس بھانتی دیکھنے لگے، مانو چوری سے اس کا کوئی گہرا سمبندھ ہے۔ گاؤں کے بہت سے آدمی وہاں جمع تھے، ان سب کو بھی یہی خیال ہوا۔ بہت کھوج پوچھ کرنے پر یہ پتا چلا کہ وہ ڈبیا ایک بساطی کی ہے جو کئی دن ہوئے گاؤں میں سودا بیچنے آیا تھا۔ اس نے سکھ داس کے گھر حقّہ پیا تھا۔ اور اس کے ہاتھوں کئی چیزیں بیچی تھیں۔ تھانیدار اپنی بدھی کی تیورتا پر پھول کر بولا ''کیا اس بساطی کے کانوں میں بالیاں بھی تھیں۔؟''

کارندہ نے کہا— ''مجھے یہ تو اسمرن ہے کہ اس کے صندوق میں بالیاں تھیں۔ پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ کانوں میں تھیں یا نہیں''۔

تھانیدار— ''جب بالیاں بیچتا تھا تو انومان تو ہوتا ہے کہ پہنتا بھی ہوگا''

گاؤں میں اس بات کی جانچ کی گئی تو کئی منش نے کہا کہ بساطی کے کانوں میں بالیاں تھیں۔ ایک ستیہ وکتا استری نے کہا کہ ''بالیاں بڑی بڑی تھیں'' ایک دوسری استری نے اس کا سمرتھن بھی کیا۔ اس کے پشچات تھانیدار صاحب نے ان چیزوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا، جو اس بساطی سے گاؤں والوں نے مول لی تھیں۔ اس میں بالیاں بھی نکلیں۔ تاتپریہ یہ

کہ تھانیدار صاحب کو پوری طرح وشواس ہوگیا کہ بساطی ہی نے سکھ داس کی چوری کی ہے۔ گراموا سیوں کا بھی یہی وشواس تھا ، پر جب سکھ داس سے پوچھا گیا، تو اس نے کہا کہ ''بساطی میرے گھر آیا تو اوشیہ تھا پر جب میں نے کہا کہ مجھے کسی وستو کی اوشیکتا نہیں ہے تو وہ باہر ہی باہر چلا گیا تھا۔

جن لوگوں نے اپنے وچار میں بساطی کی پُورنتہ دوشی سمجھ لیا تھا، انھیں سکھ داس کے بچن سے بڑی ہی نراشا ہوئی۔ کچھ لوگ تو اسے مؤرکھ اور پاگل کہنے لگے۔ اس سمے نٹ ذاتی کے لوگ بہودھا بساطیوں کا بھیش دھارن کرکے چوری کیا کرتے تھے اور چوری کے ساتھ ہتیا بھی کرتے تھے۔ وہ بہودھا کانوں میں بالیاں پہنتے تھے۔ پندرہ بیس ورش پہلے ایک بالیاں پہننے والے منش کو ایک ہتیا کرنے کے دوش میں پھانسی دی گئی تھی۔ اس پرمانوں کو دیکھتے ہوئے گراموا سیوں کو یہ نشچئے کرنا کٹھن تھا کہ وہ بساطی سکھ داس کا چور نہیں ہے۔ ان کے وچار میں یہ سکھ داس کی بھول معلوم ہوتی تھی۔ یہ بھی پرسدھ تھا کہ نٹ لوگ جادو کرنے میں بہت نپُن ہوتے ہیں۔ ات ایو سمبھو ہے، اس بساطی روپی نٹ نے سکھ داس پر کوئی جادو کرکے اس کے گھر میں پرویش کیا ہو اور اس کی سمپتی کا پتا لگا کر اوسر پاتے ہی اٹھا لے گیا ہو۔

یدیپی تھانیدار اور گراموا سیوں کا یہ پورا وشواس تھا، پر مہیپ سنگھ اس کے وِرودھ تھا۔ اس نے کہا کہ 'سوئیم میں نے اس بساطی سے ایک قلم خریدا تھا۔ وہ سیدھا سادا آدمی معلوم ہوتا تھا اور اس کے کان میں بالیاں نہ تھیں۔'

اس کے پرتیکول لگ بھگ آدھے درجن ایسے منش تھے جو بالیوں کے سمبندھ میں تھانیدار کے سمکھ اس سے کہیں سبل پرمان پیش کرنے پر تیار تھے۔ لوگوں کو سندیہہ تھا کہ مہیپ کہیں تھانیدار کے پاس جاکر یہ نہ کہے کہ وہ اس بساطی کا وارنٹ روک لیں۔ یہاں تک کہ تیسرے دن جب مہیپ ٹانڈے کی اوُر چلا تو لوگوں کو بھرم ہوا کہ وہ تھانیدار کے پاس وارنٹ رکوانے جا رہا ہے اور کئی آدمی اسے روکنے کے لیے واد وواد کرنے لگے۔

یدھپی مہیپ سنگھ کو چوری کے وشئے میں وشیش اتساہ تھا پر اس سمے وہ ٹانڈا نہیں جارہا تھا، بلکہ وہ دلیپ سنگھ کی کھوج میں جارہا تھا۔ اس کو سندیہہ ہو رہا تھا کہ کہیں دلیپ میرے گھوڑے کا ملیہ جوئے میں نہ ہار گیا ہو اور اب کہیں لجا سے منہ چھپائے بیٹھا ہو۔ دلیپ کبھی کبھی ایک ایک سپتاہ تک گھر سے غائب رہتا تھا، اس لیے اس کا تین دن تک گھر سے

غائب رہنا کوئی چنتا کی بات نہیں تھیں۔ پر اب کی وہ گھوڑے کے ساتھ غائب تھا، اس لیے مہیپ کو اس وشے میں بڑی چنتا ہو رہی تھی۔ اکسمات اسے مارگ میں دور سے ایک سوار دکھائی دیا۔ مہیپ نے سمجھا کہ شاید دلیپ ہے اور میرے ہی گھوڑے پر سوار ہے۔ پر سمیپ پہنچنے پر ودِت ہوا کہ وہ گھوڑے کا ویاپاری صاحب خاں ہے۔

صاحب خاں بولا — ''کیوں صاحب! آپ کے دلیپ سنگھ تو بڑے ہی بھاگیہ وان آدمی ہیں۔

مہیپ 'کیوں! کیا بات ہے؟'

صاحب خاں بولا — 'کیا ابھی وہ گھر نہیں پہنچے؟'

مہیپ — 'ابھی نہیں۔ کیا ہوا؟ اس نے میرے گھوڑے کو کیا کیا؟'

صاحب خاں — 'میں تو سمجھ گیا تھا کہ گھوڑا آپ کا ہے، پر انھوں نے تو اسے اپنا بتایا تھا۔'

مہیپ — 'اس نے گھوڑے کو تو کچھ ہانی نہیں پہنچائی؟'

صاحب خاں نے مسکرا کر کہا — ''اور تو کئی ہانی نہیں پہنچائی، صرف اس کی گردن توڑ دی۔''

یہ کہہ کر کے صاحب خاں نے سارا ورتانت سنا دیا۔

مہیپ — 'یہ بہت برا ہوا۔ مجھے سندیہہ تھا کہ گھوڑے پر کوئی نہ کوئی وپتی آئے گی، پر اس دغاباز کے جھانسے میں آ گیا۔'

صاحب خاں — '' میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت تک نہ آئیں گے، جب تک آپ کا غصہ ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ وہ کہیں باہر نہیں، یہیں کہیں آس پاس گاؤں میں چھپے بیٹھے ہیں۔

مہیپ — ''ہاں دو چار دن میں گھوم گھام کر گھر آئے گا، اور اسے ٹھکانہ ہی کہاں ہے۔''

صاحب خاں تو آداب عرض کر کے بدا ہوا اور مہیپ گھر کی طرف لوٹا۔ اس نے سنکلپ کیا کہ سار ماجرا چل کر پتاجی سے بیان کر دوں۔

نریش سنگھ لمبے چوڑے بدن کے ہشٹ پشٹ آدمی تھے۔ یدھپی ان کی اوستھا ساٹھ

ورش کی ہوچکی تھی۔ پر ان کے مکھ کی کانتی جیوں کی تیوں تھی۔ ان کی آنکھیں بہت تیور تھیں۔ ان کے وستروں سے گنوار پن ٹپکتا تھا، تب بھی ان کی بولی اور رنگ ڈھنگ میں کوئی ایسی بات تھی، جو دل پر ان کا رعب جما دیتی تھی۔ ٹھاکر صاحب سمجھتے تھے کہ میرا بھون، میری کُل مریادا میرا گریہہ پربندھ سب اُتم ہے۔ چونکہ وہ اپنے سے دھنی منشیوں سے سہواس نہ کرتے تھے، اس لیے اپنے کو سروشریشٹ سمجھنے میں مگن رہتے تھے۔ اپنی واستوک دشا کا گیان انھیں نہ ہونے پاتا تھا۔

جیوں ہی مہیپ ان کے سامنے پہنچا، تو انھوں نے پوچھا ''کیسے چلے؟''

مہیپ — ''میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

نریش سنگھ مسند لگا کر بیٹھ گئے اور بولے — ''کہو، کیا بات ہے؟''

مہیپ — ''پرسوں میرے گھوڑے کی بری گتی ہوگئی۔''

نریش — ''کیا ہوا کیا اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی؟ میں تو سمجھتا تھا کہ تم گھوڑے کی سواری میں نپن ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسا نہیں کیا۔ یدی میں ایسا کرتا بھی تو دوسرا گھوڑا مول لے سکتا تھا۔ میرے پتا کی ایسی اوستھا تھی کہ وے اتنی ہانی کی کچھ پروا نہ کرتے تھے۔ رہا میں، سو میری حالت تم دیکھ ہی رہے ہو۔ کریم آج ہی کہہ رہا تھا کہ میرے رِنگرست ہونے کی چرچا ساچار پتروں میں ہو رہی ہے۔ اس دُشٹ کے یہاں بھی میرے سو روپے آتے ہیں، پر وہ دینے کا نام ہی نہیں لیتا۔ یدی تمھارے گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے تو لنگڑے گھوڑے پر سوار ہونا پڑے گا۔''

ٹھاکر صاحب یہ باتیں ایک ساتھ کہتے گئے۔ مہیپ کو کچھ کہنے کا اوسر ہی نہیں ملا۔ وہ بولا — ''اس کی ٹانگ ہی نہیں ٹوٹی، وہ تو جان سے گیا۔''

نریش سنگھ — تو تم نے مجھ سے یہ بات پہلے کیوں نہیں کی۔''

مہیپ — ''میں نے آپ سے اس لیے چھپایا تھا کہ میں اس گھوڑے کو بیچ کر آپ کو روپے دینا چاہتا تھا، پر اب میں اسمرتھ ہوں۔ دلیپ نرسوں گھوڑے کو بیچنے کے لیے گیا تھا۔ اس نے صاحب خاں کے ہاتھ اسے اچھے داموں پر بیچا بھی تھا پر گھوڑدوڑ کے میدان میں وہ گھوڑے کی ٹنیاں کدانے لگا۔ گھوڑا گرا اور مرگیا۔ یدی یہ آپتی نہ آجاتی تو میں پرسوں ہی آپ کو سب روپے دے دیتا۔

مہیپ سنگھ — تم کیا کہہ رہے ہو میری سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ تم مجھے کیسے روپے

دینے والے تھے۔ ایسی کیا بات ہوگئی کہ تم مجھ سے روپے لینے کے بدلے دینا چاہتے ہو۔

مہیپ — ''بات یہ ہے کہ مجھ سے ایک اپرادھ ہوگیا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ کریم نے مجھے سب روپے اسی دن دے دیے، جس دن میں اس کے پاس مانگنے گیا تھا۔ یہ روپے میں نے دلیپ کی باتوں میں آکر اس کو ادھار دے دیے، پر اب وہ لوٹانے کا نام ہی نہیں لیتا۔ میں نے بھی صبر کر لیا اور ارادہ کیا کہ اپنا گھوڑا بیچ کر، بھید کھلنے سے پہلے ہی آپ کو روپے ادا کر دوں۔ پر بیچ ہی میں یہ آفت ٹوٹ پڑی۔

ابھی مہیپ اپنی بات سماپت نہ کرنے پایا تھا کہ ٹھاکر کا رنگ کرودھ سے لال ہوگیا۔ بولے — 'ہاں، خوب، تم نے روپے دلیپ کو کیوں دے دیے؟ کیا تم بھی اس کے ساتھ آوارہ ہوگیے؟ تمھارا اس کے ساتھ اتنا میل جول کیسے ہوگیا۔ کیا تم بھی اسی راستے پر چلنا چاہتے ہو؟ یدی تم باز نہ آئے تو میں تم دونوں کو گھر سے باہر نکال دوں گا اور اپنی دوسری شادی کرلوں گا۔ تمھیں اس جائداد کی ایک پائی بھی نہ ملے گی۔ آخر تم نے دلیپ کو روپے کیوں دے دیے؟ اس میں کوئی نہ کوئی بھید ہے۔''

مہیپ — ''اس میں بھید کچھ نہیں ہے۔ کیول مجھ سے بھول ہوگئی کہ میں نے دلیپ کو روپے دے دیے۔ میں آپ کی ایک کوڑی بھی فضول نہیں خرچ کرتا۔ میرا اراداہ تھا کہ روپیہ آپ کا ادا کر دوں۔ میں نے روپیا کھایا نہیں، بس واستوک سچی بات یہی ہے۔

نریش سنگھ — ''دلیپ ہے کہاں؟ کھڑے کھڑے باتیں کیوں بنا رہے ہو؟ جا کر اسے پکڑ کیوں نہیں لاتے؟ میں اس سے پوچھوں کہ اس نے کس کام کے لیے روپیے لیے ہیں۔اگر اس نے ٹھیک جواب نہ دیا تو اسے گھر سے باہر نکال دوں گا۔ اوشیہ نکال دوں گا۔''

مہیپ — ''وہ تو ابھی لوٹ کر نہیں آیا۔''

نریش سنگھ — ''تو کیا اس کی بھی گردن ٹوٹ گئی؟''

مہیپ — ''جی نہیں۔ اس کو تو کہیں چوٹ بھی نہیں آئی وہ بھئے کے مارے کہیں چلا گیا ہوگا۔ کچھ دنوں میں سوئیم آجائے گا۔''

نریش — ''اس نے کچھ بتلایا نہیں کہ کس کام کے لیے روپے لے رہا ہے؟''

مہیپ — '' اس نے مجھے کچھ نہیں بتلایا۔''

نریش سنگھ—''جب تک دلیپ نہ آئے، اس وشے میں مجھ سے بات چیت نہ

چھٹا ادھیائے

ٹانڈے اور لائلپور میں تھانیدار عیسیٰ خاں بہت چتور سمجھا جاتا تھا۔ بنا ساکچھی کے مقدمے کی تہہ تک پہنچ جاتا تھا۔ یدھپی اس دیاسلائی کی ڈبیا کا سکھ داس کی چوری سے کچھ بھی سمبندھ نہ تھا، پر عیسی خاں کے من میں یہ ڈبیا ہی سب کچھ ہے۔ اتنے چتور ہونے پر بھی وہ ایسے بساطی کو کھوجتا رہا جس کا نام تک نہ معلوم تھا۔ ہاں، اس کے کیش شیام اور گھنگرالے تھے۔ جو چھری، قینچی، اور چھوٹے موٹے گہنے بیچتا پھرتا تھا اور کانوں میں بالیاں پہنے ہوئے تھا۔ پر یا تو کھوج میں بہت تتپرتا نہ تھی یا یہ حلیہ کسی وشیش بساطی کا نہیں، ورنہ سبھی بساطیوں کا تھا۔اس لیے کسی ایک بساطی پر دوشاروپن کرنا کٹھن تھا۔ اتیو لائلپور کے لال بجھکڑ کا اتساہ ٹھنڈا ہوگیا اور تھانیدار صاحب بھی ہار کر بیٹھ رہے۔

دلیپ سنگھ پر کسی کو بھول کر بھی سندیہہ نہ ہوسکا تھا کہ وہ سکھ داس کے گھر چوری کرے گا۔ یدھپی وہ آوارا تھا، پر چوری کرنے کی عادت کا کوئی پرچئے نہ تھا۔

چوری کے پشچات سکھ داس کے وچاروں میں ایک ادبھت پریورتن ہوا۔ یدھپی اس کا کرگھا اور گھر ورتمان، تھے وہ کپڑے بھی بنتا تھا، پر وہ اشرفیاں، جنھیں روز روز پرتی سندھیا کو دیکھ کر پرسن ہوتا تھا، نہیں تھیں، بلکہ چوری گیے دھن کا دھیان دلا کر دل پر اور بھی چرکے لگاتی تھیں۔ وہ کام کرنے میں بہودھا کراہنے اور ٹھنڈی سانس بھرنے لگا تھا۔ سندھیا سے جب وہ کام سے چھٹی پاتا، تو دونوں گھٹنوں پر دونوں کہنیاں ٹیک کر اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھا رہتا، اس سمے وہ کیول اپنی سمپتی کے وچار میں مگن رہتا اور کبھی کبھی دبی ہوئی آہیں بھرتا تھا۔

نگرنواسیوں کو بھی اس سے سہانوبھوتی ہوگئی تھی۔ وہ گاؤں میں جاتا تو لوگ اسے اپنے پاس بٹھلا کر باتیں کرتے، اس کی چوری کا حال پوچھتے اور کہتے کہ یدی تم دردر ہو جاؤگے، تو ہم تمھاری سہائیتا کریں گے۔ یہاں تک کہ لوگ اسے کبھی بھوجیہ پدارتھ بھی دے دیتے تھے۔

لاپور میں ایک چھوٹی سی پاٹھ شالا بھی تھی۔ ادھیا پک کا نام سنت سنگھ تھا۔ وہ ٹھاکر نریش سنگھ کا کوئی دوری رشتے دار بھی تھا۔ اس کی استری کا نام دیامئی تھا۔ ایک دن سنت سنگھ نے آ کر سکھ داس سے کہا ''بھائی مندر کیوں نہیں آتے ہو؟ تم سے اور لوگوں سے میل ملاپ ہو گا۔، تمھارا شوک دور ہو جائے گا۔''

سکھ داس نے اُتر دیا— ''مجھے مندر میں گھسنے کون دیتا ہے؟''

سنت سنگھ— ''میں تمھیں بھیتر جانے کو تھوڑے ہی کہتا ہوں باہر سائبان میں بیٹھے رہنا، وہیں چرن امرت مل جائے گا۔''

انیہ کئی سجنوں نے بھی سکھ داس کو مندر آنے کے لیے زور دیا۔ لوگ کسی طرح اس کے دکھ کو بھلوانا چاہتے تھے، پر سب سے ادھک سہانبھوتی دیامئی نے پرکٹ کی۔ وہ بڑی دیاوتی استری تھی۔ ایک دن وہ اپنے پتر کے ساتھ کچھ بھوجیہ پدارتھ لے کر سکھ داس کے گھر آئی۔ سکھ داس نے اس کی آواز سنتے ہی کیواڑ کھول دیے۔ اور اس کو بیٹھنے کو آسن ڈال دیا۔ دیامئی نے بیٹھتے ہی کہا— ''سکھو، یہ لو میں تمھارے لیے کچھ لائی ہوں۔'' سکھ داس نے اتینت دینتا سے ہاتھ پھیلایا۔ اس سمے دیامئی کو اس پر بڑا ہی ترس آیا۔ بولی— ''تمھارا یہاں اکیلے میں بہت جی گھبراتا ہوگا؟''

''ہاں! گھبراتا تو ہے پر کیا کروں؟''

دیامئی— ''کیوں مندر کیوں نہیں آیا کرتے؟ مگر تم اتنی دور رہتے ہو کہ شاید تم کو مندر کے گھنٹے کا شبد بھی نہ سنائی دیتا ہوگا۔''

سکھ داس — ''نہیں شبد کیوں نہیں سنائی دیتا، پر وہاں جانے کو ہمارا جی نہیں چاہتا۔ مجھے دیوتاؤں پر شردھا ہی نہیں ہے۔''

دیامئی— ''ہائے ہائے، کیسی باتیں کرتے ہو۔ تم مندر میں آکے تو دیکھو تو۔ دو ہی چار دن کرتن سنوگے۔ تو تمھاری شردھا جاگ اٹھے گی۔ تمھارا دکھ دور ہو جائے گا۔''

ہولی کا دن تھا۔ لاپور میں لوگ بھنگ اور شراب پی پی کر ناچتے گاتے پھرتے تھے۔ کہیں نکلیں ہوتی تھیں۔ نریش سنگھ کے مکان پر بھنگ کا پوسرا چل رہا تھا۔ مندروں میں بھی آج بھجن کی جگہ کبیر اور پھاگ گائی جا رہی تھی۔ سارے گاؤں میں ایسا کوئی بھی منش نہ تھا، جو آمود پرمود میں مگن نہ ہو۔ اگر کوئی تھا تو سکھ داس تھا۔ سکھ داس نے جو پریم اور وشواس

سے ونچت ہو چکا تھا۔ کبھی کسی کا آہت نہیں کیا، کبھی چھل کپٹ نہیں کیا۔ اس نے کیول پریشرم سے دھنوپارجن کرنا ہی اپنے جیون کا ابھیشٹ بنا لیا تھا۔ پر ہائے یہ روپے بھی جو ۱۵ ورش کی گاڑھی کمائی کے پھل تھے، اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ آتمک سنتوش کا جو نربل سہارا رہ گیا تھا وہ بھی جاتا رہا۔ سندھیا ہو چکی تھی، وہ اپنے دوار پر اداس من مارے بیٹھا تھا۔ اس آنند اور الّاس میں وہ کبھی نہیں شریک ہوا اور نہ اب ہو سکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ من سے پریم اور ہرش کا لوپ ہوگیا، پران نکل گیا؛ کیول مرت شریر رہ گیا ہے۔

سکھ داس اسی دشا میں بیٹھا تھا کہ دیامئی اپنے چھوٹے لڑکے کو گود میں لیے آ پہنچی اور بولی — ''کہو سکھو، کیسے اداس بیٹھے ہو؟ ذرا گاؤں میں چلے جاتے تو چت بہلتا، یہ لو، میں تمھارے واستے کچھ پکوان لیتی آئی ہوں۔''

سکھ داس — (تھال لینے کو ہاتھ بڑھاتے ہوئے) 'کہاں جاؤں کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ میری عادت ہی ایسی ہے۔'

دیامئی — 'ایکانت میں بیٹھے بیٹھے تمھارا جی گھبراتا ہوگا اور ہردم انھیں روپیوں کی اوٗر دھیان رہتا ہوگا۔ جو چیز ہاتھ سے نکل گئی، اس کے لیے سوچ کرنے سے کیا ہوگا۔ بھگوان کی ایسی ہی اِچھا تھی۔ وہی دیتے بھی ہیں، وہیں چھین بھی لیتے ہیں۔ ہم مایا کے پھیر میں پڑ کر نانا پرکار کے دکھ بھوگتے ہیں۔

سکھ داس نے ۱۵ ورش ہوئے ایشور کا دھیان کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ ایشور بھی کوئی چیز ہے۔ بنا کیے ہوئے پاپ کے ڈنڈ نے شردھا اور بھکتی کو اس کے ہردیہ سے مٹا دیا تھا۔ اس سے ایشور اور مایا کی بات سن کر اس کے من میں شردھا کا بھاؤ جاگرت نہیں ہوا۔ اس نے اداسنتا سے کہا — ''ان باتوں سے میرے چت کو شانتی نہیں ہوتی۔''

دیامئی — ''کیسی بات کہتے ہو سکھو، اور تمھارے چت کو کس بات سے شانتی ہوگی۔ سنسار میں کوئی کام اپنے من سے تھوڑے ہی ہو جاتا ہے۔ ایشور ہی کرتے ہیں اور وہ ہمارے پُروجنم کے کرموں کا پھل دیتا ہے۔ جسے تم ہانی سمجھتے ہو وہ واستو میں ہانی ہے یہ کون جانتا ہے؟ سمبھو ہے، ایشور نے تمھارے من سے شوک کو دور کرنے کے لیے ہی یہ لیلا کی ہو۔ یہ دھن نہیں تھا، تمھارا بیری تھا۔ اسی کے کارن تم ایشور سے بھی بے سدھ ہو گئے تھے۔ اور کون جانتا ہے آج اس نے تمھارا دھن ہر لیا تو کل تم کو اس سے بھی بہوملیہ کوئی چیز دے

دے۔''

سکھ داس اتسک ہو کر بولا — ''کیا سچ مچ یہ سمبھو ہے؟ یہ مجھے میرا گیا ہوا دھن دے دے گا؟''

دیامئی — ''ہاں، اس کی لیلا اپرمپار ہے، پر پہلے وہ یہ دیکھے گا کہ تمھارے چت سے لوبھ گیا یا نہیں۔ جب تک تم لوبھ میں پڑے رہو گے، وہ تمھیں کچھ نہ دے گا۔ بھکتی کرو، اُپاسنا کرو، وہ تم سے پرسن ہو جائے گا۔''

سکھ داس — ''کیسے بھکتی کروں۔''

دیامئی — ''مندر میں جاؤ، کتھا پُران سنو، چرن امرت لو، اپنے سے جو کچھ بن پڑے، دوسروں کی سیوا کرو، یہی اس کی اپاسنا ہے۔''

سکھ داس — ''تب میرے روپے مل جائیں گے۔؟''

دیامئی — ''ابھی تم روپیوں کو لیے ہو، وہ نہ جانے تم کو کیا دے گا۔ میرا یہی چھوٹا لڑکا رام دھن مہینوں سے بیمار تھا، کوئی آشا ہی نہیں تھی۔ ایک دن میں اسے لے کر ٹھاکر جی کے سامنے گئی اور ونے کر کے بولی — ''جب تک یہ اچھا نہ ہو جائے گا، میں تمھارے دوار سے نہ ہٹوں گی۔ آدھی رات تک وہیں بیٹھی رہی۔ سب لوگ چلے گئے، کیول پجاری رہ گئے۔ مجھے بھی تھوڑی جھپکی آنے لگی تھی کہ اتنے میں اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اور بولا — ''اماں کچھ کھانے کو دو، بھوک لگی ہے۔ پجاری نے تھوڑا سا پرساد دے دیا۔ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے کھایا اور بس، چنگا ہوگیا۔ تب سے آج تک اس کا سر تک نہیں دکھا۔ وہ بھگت وتسل ہیں۔ اپنے بھکتوں کی سدا رکچھا کرتے ہیں۔ بیٹا دھنی، سکھو کو اپنا ایک بھجن تو سنا دو''

رام دھن نے سکھ داس کی اور سندیہاتمک درشٹی سے دیکھا اور وہ ماں کے پیچھے منہ چھپا کر کھڑا ہوگیا۔

دیامئی — ''سنا دو بیٹا، اب یہی اچھا نہیں لگتا۔ سکھو، تم اس کا بھجن سن کر پرسن ہو جاؤ گے۔ کویل کی طرح چہکتا ہے۔''

رام دھن کی جھجک کچھ کم ہوئی۔ وہ پرشنسا سن کر اپنی یوگتا پرکٹ کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ زمین پر پالتھی جھاڑ کر بیٹھ گیا اور یہ بھجن گانے لگا۔ پربھو میرے اوگن چت نہ دھرو۔

جب بھجن سماپت ہوگیا تو دیامئی نے سکھ داس سے پوچھا، ''اس کی آواز کیسی پیاری ہے؟''

سکھ داس نے ورکت بھاؤ سے کہا— ''ہاں بہت اچھا گاتا ہے۔''

دیامئی — ''تو آج ٹھاکر دوارے جاؤ گے؟ وہاں خوب بھجن ہوں گے۔ کئی گاؤں سے گویئے بھجنیک آئے ہوئے ہیں۔ ٹھاکر نریش سنگھ آج دل کھول کر خرچ کر رہے ہیں۔''

یہ کہہ کر دیامئی چلی گئی۔ گاؤں سے مردنگ کی دھونی آ رہی تھی۔ پر سکھ داس دوار پر بیٹھا آکاش کی اوُر تاکتا رہا۔ اس نے کواڑ بھی نہ بند کیے۔ اب کس لیے دروازے بند کرتا؟ وہ اندھکار جو اس کے ہردئے میں ہو گیا تھا، جیوں کا تیوں چھایا رہا۔

ساتواں ادھیائے

دلیپ سنگھ کا وواہ تین سال پہلے ایک بڑے زمیندار کی لڑکی سے ہوا تھا۔ اس کا نام سبل سنگھ تھا۔ نریش سنگھ کو دہیز میں کئی ہزار روپے ملے تھے۔ اتنے اچ کل میں وواہ کرکے وے پھولے نہ سمائے تھے۔ بہو وواہ ہی میں بدا ہوگئی تھی اور سال بھر سسرال میں رہی تھی، کنتو اسی بیچ میں نریش سنگھ کو اس کے سمبندھ میں کچھ ایسی باتیں معلوم ہوگئیں کہ انھوں نے بہو کو ایک دن بھی اپنے گھر میں رکھنا پسند نہ کیا۔ وہ سبل سنگھ کی وواہتا استری سے نہ تھی، ورنہ ایک براہمنی سے تھی، جسے سبل سنگھ نے بٹھا لیا تھا۔ اس دشا میں نریش سنگھ اسے اپنے گھر میں بہو بنا کر سماج کے دوشی کیوں بنتے؟ ترنت اسے میکے بھیج دیا اور دلیپ سنگھ کو کڑی تاکید کر دی کہ وہ اپنی سسرال جانے کا کبھی نام نہ لے۔ دلیپ اس استری کو چاہتا تھا۔ پر سماج سے دوشی بننے کا ساہس اس میں بھی نہ تھا۔ اتیو وہ ابھاگنی دو سال سے میکے میں رہتی تھی۔

پر دربھاگیہ وش اس کے جانے کے دو تین ماس بعد اس کی براہمنی ماتا کا دہانت ہوگیا اور چھٹے مہینے میں سبل سنگھ نے بھی سنسار تیاگ دیا۔ انھیں ایک وشدھر سرپ نے کاٹ لیا۔ ماتا پتا کے اٹھ جانے کے بعد اس ابلا کا میکے میں کوئی نہ رہ گیا۔ سبل سنگھ کے پتر اور سمست پریوار کے لوگ اس سے پہلے ہی سے جلتے تھے۔ اب اسے نانا پرکار کے دکھ دینے لگے۔ مصیبت پر مصیبت یہ پڑی کہ اس کے ایک پتری اتپن ہوگئی۔ وہ سوئیم پرسوت جوَر سے پیڑت رہنے لگی۔ نہ کوئی ویدھ نہ کوئی اوشدھی، یہاں تک کہ کوئی باتوں سے بھی دل کو ڈھارس دینے والا نہ تھا۔ اس پر نتیہ جلی کٹی باتیں سننی پڑتیں۔ اس سے جوَر کی جوالا اور بھی تیز ہوتی تھی۔ دنوں دن جوَر بڑھتا گیا، وہ چھین ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہوگیا۔ بیچاری اکیلے جوَر میں پڑی ہوئی اپنے نصیب کو رویا کرتی۔ لڑکی کی چنتا اسے اور بھی کھائے جاتی تھی۔ میرے پیچھے اس اناتھ کی کیا گتی ہوگی، یہ سوچ کر اس کی آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگ جاتی اور ہردئے تڑپنے لگتا۔

انت میں جب اسے اپنے جیون کی کوئی آشا نہ رہی تو اس کے من میں پتی کے

انتم درشن کی بڑی پربل آکانکچھا ہوئی۔ وہ اس کے چرنوں پر سر رکھ کر اس کنیا کو اس کی گود میں رکھ دینا چاہتی تھی۔ یہ ایک ماتر اس کی جیون ابھلاشا تھی۔ اس کا من کہتا تھا کہ وہاں اس کنیا پر لوگوں کو اوشیہ دیا آئے گی۔ کم سے کم اس کا پتا تو رکچھا کرے گا۔

ایک رات کو وہ اٹھی اور لالپور چلی۔ لڑکی کو گود میں لیے ہوئے ایک ایک پگ چلنا دُستر تھا۔ کنتو پتی سنیہ اور ممتا اس کے پیروں کو برھائے لیے آتی تھی۔ وہ دو تین کوس آئی ہوگی کہ دن نکل آیا۔ اسے اب ایک قدم بھی نہیں چلا جاتا تھا۔ کچھ دیر ایک تالاب کے کنارے دم لے کر وہ پھر چلی اور سندھیا ہوتے ہوتے لالپور کے نکٹ آپہنچی۔ اندھیرا ہوگیا تھا۔ پیروں میں کھڑے ہونے کی شکتی نہ تھی، بھوک پیاس اور جوَر کی آنچ نے شریر کو جرجر کر دیا تھا۔ وہ تھک کر ایک ورکچھ کے نیچے بیٹھ گئی۔ اسے معلوم ہوگیا کہ اب میں کچھ چھنوں کی اور مہمان ہوں۔ پر اس اندھکار ئیں چاروں اُور سناٹا تھا، اس کی نربل دھونی کس کے کانوں میں پہنچتی؟ کتنا وشادمئے درشیہ ہے! اگر وہ دو سو قدم اور چل سکتی تو اسے سکھ داس کا مکان مل جاتا۔ اس کا دیپک ابھی تک وہاں سے جلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ اور یدیپی وہ اپنے پتی سے بھینٹ نہ کرسکتی، پر اس کنیا کو سرکچھا میں چھوڑ جانے کا سنتوش پراپت کرلیتی۔ پر وہ وہاں سے کسی پرکار نہ اٹھ سکی۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگے اور کنٹھ روندھ گیا۔ ایک چھن میں اس کے پران اس دکھ ساگر سے پرستھان کر گئے۔ من کی آشا من ہی میں رہ گئی۔

ابودھ بالکا کچھ دیر تک تو 'اماں اماں' پکارتی رہی پر جب وہ ذرا بھی نہ منکی تو لڑکی کو بھی لگنے لگا۔ ماتا کے شُشک استن کو چباتے چباتے وہ نراش ہوگئی تھی۔ ندان اندھکار کے بھئے، چھُدھا، اور پرچت منشیوں سے ملنے کی آشا اسے اس دیپک کی اور لے چلی جو وہ جلتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ یہ کہنا کٹھن ہے کہ ماتا کے جیوت رہتے ہوئے وہ اتنی بدھمتا دکھا سکتی، پر سنکٹ میں سوئی ہوئی شکتیوں کو چیتنیہ کر دینے کی وشیش شکتی ہے۔ وہ اسنیہہ شبد اندھکار میں گرتی پڑتی آشا روپی دیپک کی اوَر ٹکٹکی لگائے چلی آتی تھی۔ نہیں، اس کٹھن یاترا کا کارن کیول سوارتھ نہیں تھا۔ اس اپنی ماتا کے وشے میں ایک اویکت شنکا بھی تھی۔ اس کا اگیان ہردئے کہہ رہا تھا کہ ماتا اوشیہ بڑے سنکٹ میں ہے اور اسے کسی کی سہائتا کی ضرورت ہے۔

سکھ داس لالٹین جلائے اپنے دروازے پر چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ یہی سمے اس

کے اشرفیوں کے گننے کا تھا۔ اس وقت وہ سناتن شوک میں ڈوب جایا کرتا تھا۔ اکسمات اس نے ایک گوری گوری ننھی سی لڑکی کو پرکاش میں دوار کی طرف آتے دیکھا تو وہ چونک پڑا۔ وہ اشرفیوں کی چنتا میں ایسا مگن تھا کہ اسے بھرم ہوا، مانو میری اشرفیاں ہی یہ روپ دھارن کر کے میرے پاس آرہی ہے۔ سکھ داس کو پہلے دو بار ایک گپت شکتی کا انوبھو ہو چکا تھا، جو اس کے بھاگیہ کی ودھاتا بنی ہوئی تھی۔ اب پھر اسے بھرم ہوا کہ مانو وہی دیوک شکتی اس کو یہ ادبھت چمتکار دکھا رہی ہے۔ اس نے اس لڑکی کو گود میں اٹھانا چاہا، پر وہ نہ آئی اور انگلیوں سے اس طرف اشارہ کرنے لگی، جس طرف اس کی ماں پڑی تھی۔ سکھ داس پہلے تو کچھ سمجھ نہ سکا۔ پر جب لڑکی نے بار بار اس کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف اشارہ کرنا شروع کیا تو وہ لڑکی کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ اس کے ساتھ ہو لیا۔ لڑکی پھر اندھکار کی طرف چلی، یہاں تک کہ وہ ان جھاڑیوں کے پاس پہنچ گئی، جہاں اس کی ماتا پڑی تھی۔ یدیپی ماتا پرتیکچھ نیند میں تھی۔ پر واستو میں سدیو کے لیے سوگئی تھی۔ بالکا اس کے پاس کھڑی ہو کر اماں، اماں کہنے لگی۔ سکھ داس نے جھک کر دھیان پوروک دیکھا تو اسے جھاڑی کے نیچے ایک استری پڑی ہوئی دکھائی پڑی۔

ادھر تو وہ بیچاری سدھرما مری ہوئی پڑی تھی اور اُدھر نریش سنگھ کے گھر پر اتسو منایا جا رہا تھا! سکھ داس اس گھٹنا کی سوچنا دینے کے لیے سیدھا ان کے بھون کی اُور چل دیا۔ جس کمرے میں آنند اتسو ہو رہا تھا، اس میں دو دروازے تھے۔ سکھ داس نے ایک دوار سے پرویش کیا اور وہ لڑکی کو لیے ہوئے ان کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا۔ نریش سنگھ نے سکھ داس کو ڈانٹ بتا کر کہا— ''ارے تو اس سمے یہاں کیوں آیا''؟

سکھ داس— ''آپ ہی کے پاس آیا ہوں ذرا ویدھ جی کو میرے ساتھ کر دیجیے۔''

نریش سنگھ— ''کیوں، کیا بات ہے؟''

سکھ داس— ''ایک استری تالاب کے پاس ایک جھاڑی کے نیچے بے سدھ پڑی ہوئی ہے۔''

کئی آدمیوں نے سکھ داس کو چاروں اوُر سے گھیر لیا اور وہ پوچھنے لگے۔ یہ کس کی لڑکی ہے؟ کون استری مرگئی ہے؟ کس کا بچہ ہے؟''

سکھ داس لڑکی کو ہردئے سے لگائے ہوئے چپ چاپ کھڑا تھا، کسی کو جواب نہ

دیتا تھا۔ اتنے ہی میں ویدھ جی آگئے۔ جنھوں نے سکھ داس سے کچھ باتیں کی اور تب اس کے ساتھ ہو لیے۔ مہیپ سنگھ کو بھی کُتوہل ہوا! وہ بھی ان کے ساتھ چلا۔

ویدھ جی اس استھان پر پہنچے اور انھوں نے اس استری کا نریکھشن کیا۔ اس کا پرانانت ہو چکا تھا۔ سکھ داس نے چنتت ہو کر پوچھا ''کیا اب کوئی آشا ہے؟'' ویدھ جی نے سر ہلا کر جواب دیا'' اب برہمہ بھی آئیں تو کچھ نہیں کر سکیں گے۔''

مہیپ — '' کچھ معلوم ہوتا ہے کہ کیسے مری۔؟''

ویدھ جی — ''مجھے تو ایسا گیات ہوتا ہے کہ یہ بہت دنوں سے بیمار تھی۔اس کا شریر کتنا دربل ہے۔ پرانا جوَر تھا۔ کوئی بہت دین استری ہے۔

اب کیا ہو سکتا تھا، وہیں داہ کریا کا پربندھ کیا گیا۔ کفن کے کپڑے نہ تھے۔ سکھ داس دوڑا ہوا گھر گیا اور کپڑے لایا۔ چتا تیار ہو گئی۔ پر آگ کون دے، اس پرشن پر دیر تک وواد ہوتا رہا۔ کوئی کہتا تھا، یہ براہمنوں کا کام ہے۔پر وہاں کوئی براہمن نہ تھا۔ ویدھ جی کھڑے منہ تاکتے رہے۔ مہیپ سے بھی کچھ نہ بن پڑا۔ انت میں مہیپ سنگھ ویدھ کے ساتھ چل دیے، تو سکھ داس نے سویَم جا کر چتا میں آگ لگا دی۔ ایک چھن میں آگ کی جوالا اٹھی اور سارا شریر جل کر بھسم ہو گیا۔ کسی کو یہ خبر نہ ہوئی کہ یہ استری کون تھی اور کہاں سے آئی تھی۔ اسی سمے جب کہ یہاں چتا جوالا کا پرکاش پھیلا ہوا تھا۔ ٹھاکر صاحب کا دیوان خانہ موم کی بتیوں سے جگمگا رہا تھا! یہی سنسار کی گتی ہے!

دس دن تک سکھ داس مرتک سنسکاروں میں پھنسا رہا۔ لوگوں کو کُتوہل ہوتا تھا کہ سکھ داس جس کا کسی سے راس باس نہ تھا۔ کیوں ایک اپرچت استری کی داہ کریا کرنے پر پرستوت ہو گیا۔ اتنا ہی نہیں وہ اس کا سنسکار بھی پرتھانوسار کر رہا ہے۔ مگر سب سے بڑے آشچریہ کی بات یہ تھی کہ وہ اس چھوٹی سی بالکا کا لالن پالن کیوں کر کرتا ہے؟ وہ جو منشیوں سے بھاگتا تھا، جس کی صورت دیکھ کر گاؤں کے بالک ڈر جاتے تھے، جو ایکانت میں ورکت جیون ویتت کرتا تھا، جس نے کہ کبھی ششو پالن کا انوبھو نہیں کیا تھا، وہ اس لڑکی سے کیونکر اتنا پریم کرنے لگا؟ اسے اس اناتھ پر کیوں اتنی دیا آ گئی؟

دیامئی ایک دن سکھ داس کے گھر پر یہ وچتر دشا دیکھنے گئی سندھیا کا سمے تھا۔ سکھ داس چولھے کے سامنے بیٹھا ہوا کھچڑی پکا رہا تھا اور بالکا ایک کٹورے کو لکڑی سے بجا کر پرسن

ہو رہی تھی۔ آگ کی جیوتی سے اس کا پھول سا چہرا چمک رہا تھا۔ دیامئی نے اسے ایک نارنگی دی۔ کرشنا ماں کی گود سے اتر کر دھیرے دھیرے لڑکی کے پاس گیا۔ پہلے دونوں کچھ سکوچتے رہے، پھر ساتھ ساتھ کٹورے کو بجانے لگے۔ دیامئی بولی — ''سکھو، تمھیں اس لڑکی سے بڑا کشٹ ہوتا ہوگا۔ لاؤ میں اسے اپنے گھر لے جاؤں، وہاں بچوں کے ساتھ اس کا من بہلتا رہے گا۔''

سکھ داس نے لڑکی کا نام گیانی رکھا تھا۔ اس نے پوچھا --- ''کیوں گیانی، ان کے گھر جاؤ گی۔''

گیانی دوڑ کر سکھ داس سے لپٹ گئی اور اس نے اس کی پیٹھ پر سر رکھ کر منہ چھپا لیا۔

دیامئی — '' تم تو بہت جلد ہل گئی۔''

سکھ داس — ''بھگوان کی کچھ یہی اِچھا ہے۔''

اس کے ۱۵ ویں دن مہیپ سنگھ نے سکھ داس کے پاس جا کر کہا — ''اے سکھو میری بات مانو۔ اس لڑکی کو پوجاری جی کے سپرد کردو۔''

سکھ داس نے گمبھیر بھاؤ سے کہا — ''مہاراج! مجھے یہ لڑکی بھگوان نے دی ہے۔ میں اسے اب نہیں چھوڑ سکتا۔ میری اشرفیاں نہ جانے کہاں چلی گئیں اور یہ لڑکی نہ جانے کہاں سے آگئی۔ جس ایشور نے میرے روپے ہر لیے تھے اسی نے مجھ پر دیا کر یہ لڑکی میرے آنسو پونچھنے کے لیے بھیج دی ہے۔ مانو میری اشرفیاں ہی نے یہ روپ دھارن کیا ہے۔ یہ لڑکی چلی گئی تو میرے پران بھی چلے جائیں گے۔

مہیپ نے ادھک آگرہ نہیں کیا۔ چلتے سمے انھوں نے سکھ داس کو ۱۵ روپے دیے اور کہا — ''اس کے لیے کچھ کھلونے مٹھائی آدی لے لینا۔ جب پھر ضرورت ہو مجھ سے مانگ لینا''

سکھ داس مہیپ سنگھ کی دیالوتا سے گد گد ہوگیا۔ وہ روپے نہ لینا چاہتا تھا، پر مہیپ نے نہ مانا۔

کیا واستو میں مہیپ اتنا دیاشیل تھا؟ نہیں، یہ بات نہ تھی۔آج دلیپ سنگھ کی سسرال سے ایک نائی آیا تھا، اس سے مہیپ کو سب سماچار مل گئے تھے۔ اسے اب کوئی

سندیہہ نہ تھا کہ یہ استری دلیپ سنگھ کی پتنی تھی اور بالکا اس کی لڑکی ہے۔ اس نے نائی کو اپنے پتا کے پاس نہ جانے دیا تھا۔ کیونکہ اس سماچار سے ٹھاکر صاحب کو اور بھی لجا تتھا دکھ ہوتا۔ نائی کو اوپر ہی اوپر لوٹا دیا تھا۔ یہی کارن تھا کہ اس لڑکی پر جو اس کی سگی بھتیجی تھی، اسے اتنی دیا آئی تھی۔ اس میں اتنا نیتک بل نہ تھا کہ لڑکی کو کھلم کھلا اپنا لیتا، اتیو وہ اپنی دربلتا کو اسی اناتھ رکچھا کی آڑ میں چھپاتا تھا۔

سکھ داس جو کبھی بھول کر بھی مندر نہ جاتا تھا۔ اب اس بالکا کی پران رکچھا کے لیے نتیہ مندر جانے لگا۔ اس کی اشرفیاں جن پر وہ جان دیتا تھا۔ اسے پرتیکچھ کوئی لابھ نہ پہنچاتی تھیں، پر اس بالکا نے اس کے جیون میں ایک وشیش رنگ پیدا کردیا۔ اس کا سمبندھ سنسارک باتوں سے کرا دیا۔

بالکا جیوں جیوں بڑھتی گئی، سکھ داس کے جیون میں بھی اسی پرکار پریورتن ہوتا گیا۔ اب وہ بہت کم ایکانت واس کرتا ہے۔ نتیہ سندھیا سمے اس لڑکی کو ہوا کھانے کے لیے لے جاتا، پھول چنتا اور اس کے بالوں سے گتھتا۔ اور لوگوں سے بھی اس کا پریم بڑھنے لگا۔

ویووردھی کے ساتھ ساتھ گیانی میں چنچلتا کا بھی پرکاش ہونے لگا۔ وہ بھن بھن پرکار سے سکھ داس کو تنگ کرتی۔ بہودھا گھر سے نکل جاتی اور سکھ داس کو گھنٹوں پریشان کرتی۔ یددھپی وہ کبھی کبھی اس پر جھنجلا کر مارنے کے لیے تیار ہو جاتا۔ پر اسے اس سے اتنا پریم تھا کہ ایک ہی چھن میں اس پر دیا آجاتی اور اس کے ہاتھ نہ اٹھتے۔ پندرہ ورش کے بعد سکھ داس کا لالپور کے نواسیوں سے میل جول ہونے لگا۔ گاؤں کے بچے جو پہلے سکھ داس کے پاس آتے ڈرتے تھے، اب گیانی کے کارن اس کے گھر میں گھسے رہتے۔ وہ اب کسی بچے کو ڈرا کر بھگاتا نہ تھا۔ گیانی کی توتلی باتیں اور اس کے پالن پوشن میں وہ ایسا لپت ہو گیا کہ اسے اپنے لُپت دھن کا دھیان بھی نہ رہا۔

یددپی لالپور کے انیہ لوگ بھی گیانی پر ترس کھاتے تھے، کیونکہ وہ بالکا اناتھ تھی پر سب سے ادھک پریم مہیپ سنگھ کو تھا۔ وہ بہودھا گیانی کے لیے کوئی نہ کوئی چیز بھیجتے ہی رہتے تھے۔

آٹھواں ادھیائے

وسنت ریتو ہے اور شیوراتری کا شبھ دن ہے۔ آج گیانی کو سکھ داس کے گھر آئے ہوئے ۱۵ ورش پورے ہو گئے تھے۔ لوگ تالاب میں اسنان کر کے شیو جی کو جل چڑھانے کے لیے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ پوجن کر کے نکلے آتے ہیں۔ سکھ داس اور گیانی بھی انھیں میں ہیں۔ سکھ داس کے روپ رنگ میں بہت انتر آ گیا ہے۔ اس کی کمر جھک گئی ہے۔ کیش بہت شویت ہو گئے ہیں۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک نویوتی سندری ہاتھوں میں لوٹا لیے سر جھکائے چلی آتی ہے۔ یہی گیانی ہے۔ اس کی لٹیں کندھوں پر چھٹکی ہوئی ہیں۔ شریر کومل ہے، پر خوب بھرا ہوا۔ گیانی نے کہا ''پتاجی آج پھولوں کے لیے کتنا کشٹ اٹھانا پڑا۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے مکان کے آگے ایک باغیچہ لگاؤں، جس میں بھن بھن پرکار کے پھول ہوں۔ مجھے دیامئی کی واٹیکا بہت اچھی لگتی ہے۔''

سکھ داس — '' بہت اچھی بات ہے۔ میں سندھیا سے کام سے چھٹی ملنے کے پشچات تھوڑی دیر تمھاری واٹیکا بنایا کروں گا۔ اسی طرح پراتہ کال کام کرنے کے پہلے کچھ دیر کام کر لیا کروں گا۔ تم نے مجھ سے پہلے ہی کیوں نہیں کہا۔؟''

گیانی — ''تم سے اتنا پریشرم کیسے ہوگا؟ زمین کھودنا، نئی مٹی لانا، پانس ڈالنا یہ سب تم سے نہ ہوگا۔ میں سوئیم یہ سب کرنا چاہتی ہوں۔ تمھیں کشٹ نہ دوں گی۔''

اتنے ہی میں ایک نویوک پیچھے سے آ گیا۔ یہ دیامئی کا پتر کرشنا سنگھ تھا اس نے کہا — ''کیا بات ہے، میں بھی سنوں۔''

سکھ داس —''تم بھی آ گئے۔ گیانی مکان کے سامنے ایک واٹیکا لگانے کی بات چیت کر رہی تھی۔''

کرشنا — ''یہ پرستاؤ تو میں آپ کرنے والا تھا۔ جب سے مہیپ سنگھ نے یہ مکان بنوایا ہے، تبھی سے میرے من میں یہ بات آتی رہی ہے کہ یہاں ایک واٹیکا لگ جاتی تو اچھا ہوتا۔''

سکھ داس — ''پر اس گاؤں کا تو حال جانتے ہو جہاں مزدور کھوجنے سے بھی نہیں ملتے۔''

کرشنا — ''مزدوروں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مجھے باغ میں کام کرنا بہت اچھا لگتا ہے۔ میں پرتی دن آکر کچھ نہ کچھ کام کر دیا کروں گا۔

گیانی نے کرشنا کی اوٗر سپریم دیکھ کر کہا ---''میں کسی کی مدد نہیں چاہتی۔''

کرشنا — ''تو کیا میں بھی کوئی غیر ہوں؟ اس میں کشٹ کون سا ہوگا؟ مجھے تو اور بھی آنند آئے گا۔ پودے جتنے چاہوں گا مہیپ سنگھ کے باغ سے اکھاڑ لاؤں گا۔ جب وہ سنیں گے کہ تم باغ لگا رہی ہو تو وہ سہرش پودے دے دیں گے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اپنے مالی کو بھی بھیج دیں گے۔''

سکھ داس — '' نہیں، تم وہاں سے ہمارے نام سے کوئی وستو نہ لانا، انھوں نے ہمارے لیے مکان بنوا دیا اور نتیہ کچھ نہ کچھ بھیجتے رہتے ہیں۔ میں انھیں ادھک کشٹ نہیں دینا چاہتا۔''

کرشنا — پودھوں میں ان کے کون دام لگتے ہیں۔ میں کل اوشیہ ان سے یہ ذکر کروں گا۔

یہ بات کرتے کرتے یہ لوگ مارگ کے اس استھان پر آگئے جہاں دو شاخیں ہوگئی تھیں۔ کرشنا ودا ہو کر ایک طرف چلا گیا، سکھ داس اور گیانی نے اپنے گھر کی راہ لی۔ جب وے اکیلے رہ گئے، تو گیانی نے کہا — ''میں اپنی واٹیکا میں ترکاریاں بھی لگاؤں گی۔ جس سے ہماری بہت سی اوشیکتائیں پوری ہو جائیں گی۔''

جب دونوں گھر پہنچے تو گیانی نے آسن بچھا کر سکھ داس کے لیے تھالی میں کچھ پھلاہار لا کر رکھ دیے۔ سکھ داس بھوجن کرنے لگا۔ جب وہ بھوجن کر چکا تو دھوپ میں جا کر ناریل پینے لگا۔ اس نے کوئی دو ورش سے لوگوں کے کہنے سے حقہ پینا شروع کر دیا تھا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ دھومر پان سے مُرچھا کا روگ پاس نہیں آتا۔ اس کا دھواں اور بھی کتنے ہی کیٹ پتنگوں کا ناش کر دیتا ہے۔ ویدھ جی نے بھی اس کا سمرتھن کیا تھا۔ یدھپی وہ تمباکو پینے لگا تھا، پر اس کو اس میں کچھ سواد نہ ملتا تھا۔ اسے آشچر یہ ہوتا تھا کہ لوگ دُھومر پان کے کیوں اتنے ابھیاسی اور اچھک ہوتے ہیں۔

گیانی نے یدیپی واٹیکا لگانے کا مکھیہ اڈیش سکھ داس سے چھپایا تھا پر واستو میں وہ اپنی ماتا کا ایک اسمارک چنھ بنانا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ جھاڑی جہاں اس کی ماتا کا دہانت ہوا تھا اس پرستاوک واٹیکا کے ٹھیک مدھیہ میں آتی تھی۔ گیانی کا وچار تھا کہ اس جھاڑی کے چاروں اوٗر سندر سوگندھت پشپ لگا دیے جائیں۔ سکھ داس نے کئی سال پورو اس کی ماتا کے مرنے کی کتھا بیان کر دی تھی۔ گیانی پرتیکچھتہ تو بہت پرسنّ وودن رہتی، پر اس کے من میں یہ شوک مئے پرشن اٹھا کرتا تھا کہ میری ماتا کون تھی؟ وہ یہاں کیسے آئی؟ کیوں آئی؟ اس کا گھر کہاں تھا؟ وہ لوگوں سے سنا کرتی تھی کہ سکھ داس نے میرا لالن پالن کتنے کشٹ سے کیا ہے۔ اب بھی وہ سکھ داس کو انیہ سادھارن پتاؤں سے کہیں بڑھ کر پاتی تھی۔ وہ اس کے لیے اس بوڑھاپے میں کتنا پرشرم کرتا تھا۔ اس کے وواہ کے نمت کتنا کشٹ اٹھا کر دھن سنچئے کرتا تھا، اس کے بھوجن وستر آدی کا کتنا دھیان رکھتا تھا۔ گاؤں میں کسی یووتی کے پاس ایسے اچھے ابھوشن نہ تھے جیسے گیانی کے پاس۔ گیانی کو سگرو انوبھو ہوتا تھا کہ وہ اس کے روپ لاونیہ اور چال ڈھال کو دیکھ کر کیسا مُدت ہو جاتا ہے؟ اتیو وہ اسے پتا سمجھتی تھی اور اس سے پریم کرتی تھی۔ وہ کبھی کوئی ایسی بات نہ کرتی جس سے سکھ داس کو دکھ ہو۔ اس کی پرتیک آگیہ کا پالن کرتی۔ پر پتراسنیہہ ماتر پریم کا استھان نہ لے سکتا تھا۔ جب وہ انیہ ماتاؤں کو اپنی سنتانوں کے پرتی پریم دیکھتی تو اس کا ہردئے وودِرن ہو جاتا۔ وہ سوچتی میری ماتا بھی ایسی ہی اسنیہ مئی ہوگی۔ اس کی دیتا اور شوک مئی مرتیو کو اسمرن کرتے، وہ کبھی کبھی روتی تھی۔ اس جھاڑی کے سمیپ سے وہ جب نکلتی تو اسے اپنی ماں کی یاد آ جاتی، رونگٹے کھڑے ہوجاتے۔ وہ کلپنا میں کبھی کبھی اپنی ماتا کا چتر کھینچا کرتی تھی۔

تیسرا پہر تھا۔ سکھ داس دھوپ میں بیٹھا ہوا ناریل پی رہا تھا، کہ گیانی آ کر اس کے سمیپ بیٹھ گئی اور بولی — ''پتاجی ہم اس جھاڑی کو واٹیکا میں ملا لیں گے۔ میں وہاں ایسے پودے لگاؤں گی جو کبھی مرجھا نہ سکیں۔''

سکھ داس — ''یہ بہت اچت ہوگا۔ اس جھاڑی میں جب پیلے پھول کھلتے ہیں تو کیسے سہانے معلوم ہوتے ہیں۔ پر یہ تو بتاؤ کہ واٹیکا کی چاردیواری کیسے بنے گی؟ چاردیواری نہ رہے گی تو گائیوں اور گدھوں کے مارے ایک پودھا بھی نہ بچے گا۔''

گیانی — ''یہاں بہت سے ایسے پتھر ملیں گے جنھیں اوپر تلے رکھنے سے دیوار بن

جائے گی۔"

سکھ داس — "یہ تو ٹھیک ہے، پر تمھیں پتھروں کے لانے میں بہت کشٹ ہوگا۔ تم اتینت سکماری ہو۔"

گیانی (لجاکر) — آپ جیسا سمجھتے ہیں، میں اتنی نربل نہیں ہوں۔ میں تو پتھر اوشیہ لاؤں گی۔ اگر پتھر کافی نہ ہوں گے، تو لکڑیاں کاٹ کاٹ کر باڑا بنا دیا جائے گا۔ دیکھو اس کھوہ میں کتنے پتھر پڑے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ کھوہ کی اؤر چلی اور بولی۔ "پتا جی یہاں آکر دیکھو آج کھوہ میں کل سے بہت کم پانی رہ گیا ہے۔"

سکھ داس نے کھوہ میں جھانک کر کہا — "ہاں پانی ہٹ گیا ہے۔ لوگ اس کے پانی سے اپنے کھیت سینچ رہے ہیں۔"

گیانی — "تو ہم لوگوں کو اب نہانے کے لیے دور جانا پڑے گا۔" یہ کہہ کر اس نے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور سکھ داس کے بہت منع کرنے پر بھی لاکر رکھ دیا۔

نواں ادھیائے

ٹھاکر نریش سنگھ کا کئی سال پہلے دیہانت ہوگیا تھا۔ اب مہیپ سنگھ گھر کا سوامی اور اس کی استری کیسری گھر کی سوامنی تھی۔ یہ استری گریہہ کاریوں میں بہت کشل تھی۔ وہ کوپر بندھ جو نریش سنگھ کے سمے میں تھا، اب نام ماتر کو بھی نہ رہ گیا۔

پر مہیپ سنگھ کا جیون اتنا آنندمئے نہ تھا، جتنا ہونا چاہیے تھا۔ اس کے ابھی تک کوئی سنتان نہ ہوئی تھی، حالانکہ اس کی اوستھا چالیس کی ہوچکی تھی۔ وہ بہودھا اسی چنتا میں پڑا رہتا تھا۔ اسے اس کے سوائے اور کوئی آشا نہ تھی کہ کسی بالک کو گود لے لے۔ اس نے اپنے من میں دیامئی کے پتر کرشنا سنگھ کو گود لینے کا نشچے کیا تھا۔ یہ نویوک بڑا سوشیل اور سچرتر تھا، پر مہیپ سنگھ نے اس پرستاو کو بہت دنوں تک اپنے من ہی میں گپت رکھا کہ کہیں کیسری اسے سن کر دکھی نہ ہو۔ پر جب انت میں دیوک اور بھوتک اپایوں سے کوئی کام نہ نکلا، تو اس نے ووش ہوکر کیسری سے یہ چرچا کی۔ اور جیسا بھئنے تھا، ویسا ہی ہوا۔ کیسری نے اس کا وِرودھ کیا۔ اس کا وچار تھا کہ جب ایشور نے کوئی سنتان نہیں دی تو دوسرے کی سنتان کو اپنا بنا لینا ویرتھ ہے۔ اس کو سندیہہ تھا کہ ایسی سنتان اچھی نہیں ہوتی۔ جن لوگوں نے ایسا کیا ہے، ان کو پچھتانا پڑا ہے۔ اس نے مہیپ سے کہا ''میں تمھیں گود لینے کی کبھی صلاح نہ دوں گی۔ اس کا پھل اچھا نہیں ہوتا ہے۔

مہیپ سنگھ— 'تمھارے من میں یہ وچار کیوں کر پیدا ہوگیا کہ ایسی سنتان اچھی نہیں ہوتی۔ دیکھو دیامئی کا لڑکا کرشنا سنگھ کیسا ہونہار اور سچرتر لڑکا ہے۔'

کیسری— ''ہاں، وہ ادھیا پک کے گھر رہ کر برا نہیں ہوسکتا۔ پر تمھارے یہاں رہے، تو اوشیہ برا نکلے گا۔ تمھیں اس استری کی بات یاد نہیں ہے، جو ایودھیا اسنان کے سمے ملی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ میں نے ایک لڑکے کو راس پر بٹھایا تھا۔ جب وہ تئیس ورش کا ہوا تو اس نے ایسا اپرادھ کیا کہ دیش سے نکال دیا گیا۔ ایسی ہی اور بھی کئی گھٹنائیں سننے میں آئی ہیں۔ اسی سے میرا من ہچکتا ہے۔

گیانی جب ۱۲ ورش کی تھی، تبھی سے مہیپ سنگھ نے یہ سنکلپ کر لیا تھا کہ اس کا کرشنا سے وواہ کروں گا۔ اور کرشنا کو گود لے لوں گا۔ اس پرکار گیانی اور اس کی سنتان میری اترادِھکاری ہو جائے گی۔ کیسری کا دراگرہ اس کے اس پرانے سنکلپ کو نشٹ کر رہا تھا۔ گیانی کو اس کے پیتریک ادھیکار کو پردان کرنے کا مہیپ کو اور کوئی اپائے نہ سوجھتا تھا۔ اس نے سوچا استریاں کتنی سوارتھنی ہوتی ہیں۔ کیسری اس کام سے مجھے اس لیے روکتی ہے کہ میرے مرنے کے اپرانت اس کے ہاتھوں میں کوئی ادھیکار نہ رہ جائے گا۔ اس وچار نے مہیپ کو بہت شوکاتر کر دیا۔ یدیپی اس کا چت بہت ہی دکھت ہوا، پر اس نے اپنے کسی واقعہ یا بھاؤ سے اپنے چت کی دشا کیسری پر پرکٹ نہ ہونے دی۔ وہ پوروت کیسری سے پریم اور اس کا آدر کرتا رہا۔ کیسری کو یدھپی اپنے پتی سے سہانبھوتی تھی، پر وہ اپنے من کو اس ترک سے سمجھا لیتی کہ سنسار چنتا ساگر ہے۔ یہاں چنتا سے کون مکت ہو سکتا ہے۔ مہیپ کو یدی سنتان کی چنتا نہ ہوتی تو کوئی دوسری ہی چنتا ہوتی، اس کے ساتھ ہی وہ مہیپ کی سیوا سروشا بڑے آنند اور پریم سے کیا کرتی۔ اتیو اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ ان باتوں کے ہوتے ہوئے مہیپ کو کیوں سنتان کی چنتا ہوتی ہے۔

پر جیوں جیوں دن گزرتے تھے، کیسری کو یہ انوبھو ہوتا تھا کہ میری پریم سیوا سے اب پتی کا چت پرسن نہیں ہوتا۔ وہ کوئی ایسا ویکتی چاہتا ہے جو زمینداری کے پربندھ میں اس کی سہائیتا کر سکے۔ کارندے اور سپاہیوں کی نگرانی اب اس سے نہ ہوتی تھی۔ وے پرتیکچھ دیکھتا تھا کہ نوکر مجھے لوٹ رہے ہیں، پر وہ نہ تو انھیں پکڑ سکتا تھا اور نہ ڈنڈ دے سکتا تھا۔ اس لیے من ہی من میں کڑبڑا کر رہ جاتا تھا۔

ایک دن مہیپ سنگھ کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا کہ دیامئی کی ایک بہن جو سمیپ ہی کے کسی گاؤں میں بیاہی ہوئی تھی، اس سے ملنے آئی۔ اس کا نام یشودا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں راس لینے کی بھی چرچا آ گئی۔ یشودا نے کہا ”تو تم انھیں راس لینے سے منع کیوں کرتی ہو؟“

کیسری — ”مجھے یہی شنکا ہوتی ہے کہ کہیں وہ لڑکا ہم سے وِمکھ ہو جائے تو ہماری کیا دشا ہوگی“

یشودا — ”یہ کیول تمھارا بھرم ہے۔ تم نہیں جانتی ہو کہ منشیوں کی اوستھا جیوں

جیوں ادھک ہوتی جاتی ہے، نستنان منش کو چنتا اپنے سامنے اندھکار کے سوائے اور کچھ نہیں سوجھتا۔ وہ سوچتا ہے، میں کس کے لیے جیوں، کس کے لیے دھن سنچے کروں: میری مکتی کون کرے گا؟ مجھے پنڈا پانی کون دے گا؟ میں تم کو یہ صلاح دوں گی کہ تم آج ہی اپنے پتی کو اس وشے میں نشچنت کر دو۔"

یہ باتیں کیسری کے من میں بیٹھ گئیں۔ اس نے من میں یہ پربل اچھا ہوئی کہ مہیپ شیگھر ہی گھر آجائیں۔ اتہ وہ دوار پر کھڑی ہو کر اس کی باٹ دیکھنے لگی۔

اسے اس بھانتی کھڑے بہت دیر ہوگئی۔ آخر شام ہوتے ہوتے مہیپ سنگھ گھر پر آئے۔ کیسری نے پوچھا—"آج کیوں بہت دیر ہوگئی؟ کیا کہیں اور چلے گئے تھے؟"

مہیپ نے اس کا اُتر نہ دیا۔ وہ چپ چاپ کپڑے اتار کر رکھنے لگا۔ اس کا چہرا بہت اداس تھا۔ مانو ہردئے پر کوئی بڑی چوٹ لگی ہے۔ انت میں وہ چارپائی پر بیٹھ گیا اور کیسری سے بولا" دروازے بند کر دو۔ کہہ دو اس گھڑی یہاں کوئی نہ آئے۔

جب دوار بند ہوگیا، تو مہیپ سنگھ نے کہا "میں یتھاشکتی شیگھر ہی لوٹ آیا، تاکہ وہ بات جو میں تم سے کہنے والا ہوں کوئی اور نہ کہہ دے۔ اس بات سے میرے ہردئے کو بڑا آگھات پہنچا ہے"۔

کیسری نے آشنکت ہو کر کہا—"میرے گھر تو سب کشل سے ہیں؟

مہیپ سنگھ—"ہاں سب کشل ہے" یہ چوٹ کسی جیوت منش کی اوُر سے نہیں، دلیپ سنگھ کی اُور سے ہے۔ آج مجھے اس کی لاش ایک کھوہ میں مل گئی۔ سکھ داس کے گھر کے پاس جو تالاب ہے وہ کھیتوں کی سینچائی کے کارن بالکل سوکھ گیا ہے۔ آج اس میں دلیپ کی لاش دو پتھروں کے بیچ میں پھنسی ہوئی ملی۔ میری گھڑی اور میرا شکاری چابک بھی وہیں پڑا ہوا ہے۔"

کیسری پہلے بہت ویاکل ہوگئی تھی۔ واستوک بات کے گیات ہونے پر اسے ڈھارس ہوا، کنتو اسے اس آگھات کا انوبھو نہ ہوا جس سے مہیپ سنگھ کا انتہ کرن پیڑت ہو رہا تھا۔ بولی—"کیا وہ اس میں ڈوب کر مر گئے۔"

مہیپ سنگھ—" ایسا جان پڑتا ہے کہ وہ اس میں پھسل پڑا ہوگا۔ سکھ داس کے روپے بھی اسی نے چرائے تھے۔"

یہ سن کر کیسری چونک پڑی۔ وہ اواک ہو کر پتی کی اوُر تاکنے لگی۔ یا تو اسے اپنے کانوں پر وشواس نہ آیا، یا وہ یہ نشچے نہ کر سکی کہ چت کے بھاؤ کو کیونکر پرکٹ کروں؟

مہیپ — ''شو کے پاس ہی سکھ داس کے روپے جیوں کے تیوں تھیلی میں بند ملے ہیں۔ کہہ نہیں سکتا کہ اس سے مجھے کتنی لجّا اور شوک ہے۔ مرے ہوئے آدمی کو کیا کہوں۔ پر دلیپ نے کل کو کلنکت کر دیا۔ اب ہم سر اٹھانے کے لائق نہ رہے۔ جب یہ بات کھل گئی تو پھر اب پردہ کرنے کی کیا ضرورت؟ وہ استری جس کی لاش گڈھے کے کنارے جھاڑی میں ملی تھی۔ دلیپ سنگھ کی پتنی تھی اور گیانی اسی کی پتری ہے۔''

کیسری نے شوکاتر ہو کر کہا — ''بھگوان کی یہی اِچھا تھی، تو کوئی کیا کر سکتا تھا۔ پر تم نے مجھ سے یہ بھید چھپایا، اس سے گیانی کی بڑی ہانی ہوئی۔ یدی تم نے یہ بات مجھ سے پہلے کہی ہوتی تو ہم اس بچی کے لیے اب تک کیا کچھ نہ کر ڈالتے۔ میں پریم سے اس کا پالن کرتی۔ اسے کل ریتی انوسار شکچھا دیتی۔ میں اسے اتنا پیار کرتی کہ ماتا بھی اس سے ادھک نہ کر سکتی ۔ ہماری ہی لڑکی اور ہم اس سے اتنے دن تک بلگ رہے۔ شوک کے مارے کیسری کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

دسواں ادھیائے

رات کے آٹھ بجے تھے۔ سکھ داس عینک لگائے چراغ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اشرفیوں کی تھیلی اس کے نکٹ ایک چوکی پر رکھی ہوئی تھی۔ یدیپی سکھ داس ایک سے ان اشرفیوں پر جان دیتا تھا، انھیں اپنے جیون کا مکھیہ اولمب سمجھتا تھا، پر اب انھیں پھر پاکر اسے وشیش آنند نہیں ہوا۔ اسے کیول اتنا ہی سنتوش ہوا کہ گیانی کے وواہ کے لیے مجھے اب روپیوں کا تردد نہ رہے گا۔ خوب دھوم دھام سے وواہ کروں گا اور ایسی ادارتا سے دان دہیز دوں گا کہ لوگ دنگ ہو جائیں۔ روپے اس کے لیے اب آنند کی وستو نہ تھے۔ اسے اب ان کے اپیوگ سے آنند آتا تھا۔ اس کے سوائے اس کے مَلِن ہونے کا ایک اور کارن تھا۔ وہ سرل دھارمک سدھانتوں کا منش تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ انھیں اشرفیوں کے کارن دلیپ سنگھ کی جان گئی۔ وشواس تھا کہ بھگوان یا انیہ کسی دیوک شکتی نے دلیپ کو کھوہ میں ڈھکیل کر اس کے کرموں کا ڈنڈ دیا ہے۔ اسی پرکار کچھ دیر تک سوچ میں ڈوبے رہنے کے بعد اس نے گیانی سے کہا" جب اشرفیاں میرے پاس سے چلی گئیں تو میں رات دن اسی آشا میں رہتا تھا کہ وہ میرے پاس آجائیں۔ ایک دن میں نے تمھیں یہاں پایا اس سے تم بہت چھوٹی تھیں۔ تمھارا آنا میرے لیے امرت ہوگیا، نہیں تو میں اشرفیوں کے شوک میں پاگل ہو جاتا"

اتنے میں ٹھاکر مہیپ سنگھ اور ان کی استری کیسری نے مکان میں پرویش کیا۔ گیانی نے ان کے لیے آسن بچھادیا۔ سکھ داس کو وسمئے ہوا کہ آج ٹھاکرائن یہاں کیسے آئیں۔ گیانی کو بھی یہی آشچریہ تھا۔

مہیپ سنگھ نے کہا "سکھداس، مجھے بڑی پرسنتا ہوئی کہ تمھارے، کھوئے ہوئے روپے اتنے دنوں کے بعد تمھیں مل گئے۔ یدیپی اس کا اتینت شوک اور لجا ہے کہ میرے بھائی کے کارن تم کو یہ دکھ سہنا پڑا تھا۔ اس کے لیے میں ہر طرح سے تمھارا چھما پرارتھی ہوں۔"

سکھ داس — " یہ سب ایشور کی گتی ہے، اس میں آپ کو کوئی کھید نہ کرنا چاہیے۔"

مہیپ — "ہاں اس کے سوائے من کو اور کیسے بودھ ہو سکتا ہے۔"

سکھ داس — ''میں آپ سے ستیہ کہتا ہوں کہ اشرفیوں کو پاکر مجھے آنند نہیں ہوا، کیونکہ مجھے بھئے ہوتا ہے کہ کہیں ان کو پاکر میں گیانی کو ہاتھ سے نہ کھو بیٹھوں۔ گیانی انھیں اشرفیوں کے بدلے میں تو ملی تھی۔''

مہیپ نے مسکرا کر کہا — ''تمھاری شنکا بہت ٹھیک ہے، کیونکہ واستو میں اب گیانی تمھارے پاس بہت دنوں تک نہ رہے گی۔ دونوں سکھوں کو ایک ساتھ کیسے بھوگ سکوگے؟ گیانی کا وواہ تو کرنا ہی پڑے گا۔''

سکھ داس — ''اس میں تو مجھے آپ ہی کی سہائیتا کا بھروسا ہے''۔

مہیپ — ''میں اسی لیے تو اس سمے تمھارے پاس آیا ہوں۔ مجھے تم سے ایک بھید کہنا ہے جس سے سن کر تم چکت ہو جاؤ گے۔ گیانی میرے بھائی دلیپ سنگھ کی بیٹی ہے۔ یہ بات مجھے اس کی ماتا کے مرنے کے دو چار دن پیچھے ہی گیات ہو گئی تھی۔ پر میں نے تم سے اس کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ تمھیں دکھ ہوگا۔ یہ تو جانتے ہی ہو کہ میری کوئی سنتان نہیں ہے۔ میں نے یہ نشچے کیا ہے کہ گیانی کو اب اپنے گھر لے چل کر رکھوں اور اس کی جائداد اس کے حوالے کر دوں۔ میں دیامئی کے پتر کرشنا سنگھ کو گود لینے کا وچار کر رہا ہوں۔ اس سے گیانی کا وواہ کر دوں گا۔ تم بھی وِردھ ہوئے اور تمھاری سمپتی بھی مل گئی۔ اب یہ کرگھے کا کام چھوڑ دو۔ ہمارے یہاں چل کر آنند پوروک رہو۔ وہاں گیانی تمھاری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔ تمھارا من بہلتا رہے گا۔''

کیسری نے کہا — ''انھوں نے کل تک مجھ سے یہ نہ بتلایا تھا کہ گیانی میری بھتیجی ہے۔ نہیں تو میں اسے یہاں سے کب کی لے گئی ہوتی۔ بیٹی، اب تم اپنے گھر چل کر رہو۔ میں جب تک جیوں گی، تمھیں اپنی بیٹی سمجھتی رہوں گی۔''

سکھ داس نے سجل آنکھوں سے گیانی کو دیکھ کر کہا — ''بیٹی تم اب میری نہیں ٹھاکر صاحب کی پتری ہو۔ تمھیں یہ سوبھاگیہ مبارک ہو، پر میں ایسا نہ جانتا تھا۔ تم اب اپنے پتا کے گھر جاؤ، میں اپنی اسی کٹی میں رہوں گا۔ جب تمھیں دیکھنے کو جی چاہے گا، چلا آیا کروں گا۔ بھگوان، تمھاری لیلا وچتر ہے''۔

یہ کہہ کر سکھ داس نے ایک دیرگھ نیہہ شواس لیا اور وہ آکاش کی اُور دیکھنے لگا۔ گیانی کو اب تک وہ اپنی لڑکی سمجھتا تھا، پر اب اپنے کو دھوکے میں نہ رکھ سکتا تھا۔

گیانی نے کیسری کی اُور دیکھ کر کہا'' چاچی آپ لوگوں نے مجھ اناتھ پر بہت دیا کی ہے اور مجھے یہ جان کر کہ میں آپ ہی لوگوں کی سنتان ہوں، بڑا گورو ہو رہا ہے، پر میں اپنے پتا کو چھوڑ کر آپ کی شرن میں بھی نہیں جاسکتی۔ میں اپنے سوبھاگیہ پر اپنے دھرم پتا کے سکھ اور شانتی کا بلیدان نہ کروں گی۔ مجھے آگے چل کر بھاگیہ چاہے جہاں لے جائے، پر میرا گھر یہی ہے اور میرے پتا یہی ہیں۔''

کیسری نے گدگد ہو کر کہا —'' بیٹی تم نے بہت اُچت بات کہی۔ یہ تمھارا دھرم ہے۔ تم اس گھر میں اس سے تک سآنند رہو، جب تک میں تمھیں بیٹی کے بدلے بہو نہ بنا لے جاؤں۔

رام چرچا

فہرست

بال کانڈ

جنم

پیارے بچوں! تم نے وجے دشمی کا میلا تو دیکھا ہی ہوگا۔ کہیں کہیں اسے رام لیلا کا میلا بھی کہتے ہیں۔ اس میلے میں تم نے مٹی اور پیتل کے بندروں اور بھالوؤں کے سے چہرے لگائے آدمی دیکھے ہوں گے۔ رام لچھمن اور سیتا کو سنگھاسن پر بیٹھے دیکھا ہوگا اور ان سے سنگھاسن کے سامنے کچھ فاصلے پر کاغذ اور بانسوں کا بڑا پتلا دیکھا ہوگا۔ اس پتلے کے دس سر اور بیس ہاتھ دیکھے ہوں گے۔ یہ راون کا پتلا ہے۔ ہزاروں برس ہوئے، راجا رام چندر نے لنکا میں جاکر راون کو مارا تھا۔ اسی قومی فتح کی یادگار میں وجے دشمی کا میلا ہوتا ہے اور ہر سال راون کا پتلا جلایا جاتا ہے۔ آج ہم تمھیں انھیں راجا رام چندر کی زندگی کے دلچسپ حالات سناتے ہیں۔

گنگا کی ان سہایک ندیوں میں جو اتر سے آکر ملتی ہیں، ایک سرجو ندی بھی ہے۔ اسی ندی پر ایودھیا کا مشہور قصبہ آباد ہے۔ ہندو لوگ آج بھی وہاں تیرتھ کرنے جاتے ہیں۔ آج کل تو ایودھیا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، مگر کئی ہزار سال ہوئے وہ ہندستان کا سب سے بڑا شہر تھا، وہ سوریہ ونشی خاندان کے نامی گرامی راجاؤں کی راجدھانی تھی، ہریش چندر جیسے دانی، رگھو جیسے غریب پرور، بھگیرتھ جیسے ویر راجا سوریہ ونش میں ہوئے۔ راجا دشرتھ اسی پر سدھ ونش کے راجا تھے۔ رام چندر راجا دشرتھ کے بیٹے تھے۔

اس زمانے میں ایودھیا نگری وِدّیا اور کلا کی کیندر تھی۔ دور دور کے ویاپاری روزگار کرنے آتے تھے۔ اور وہاں کی بنی ہوئی چیزیں خرید کر لے جاتے تھے۔ شہر میں وشال سڑکیں تھیں۔ سڑکوں پر ہمیشہ چھڑکاؤ ہوتا تھا۔ دونوں اُور عالی شان محل کھڑے تھے۔ ہر قسم کی سواریاں سڑکوں پر دوڑا کرتی تھیں۔ عدالتیں، مدرسے، اوشدھالے سب موجود تھے۔ یہاں

تک کہ ناٹک گھر بھی بنے ہوئے تھے، جہاں شہر کے لوگ تماشا دیکھنے جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں بھی اس دیش میں ناٹکوں کا رواج تھا۔ شہر کے آس پاس بڑے بڑے باغ تھے۔ ان باغوں میں کسی کو پھل توڑنے کی ممانعت نہ تھی۔ ان کی حفاظت کے لیے مضبوط چہار دیواری بنی ہوئی تھی۔ اندر ایک قلعہ بھی تھا۔ جس کی چاروں اُور گہری کھائی کھودی گئی تھی جس میں ہمیشہ پانی لبالب بھرا رہتا تھا۔ جن کے بُرجوں پر توپیں لگی رہتی تھیں۔ شکچھا اتنی پرچلیت تھی کہ کوئی جاہل آدمی یہاں نہ ملتا تھا۔ لوگ بڑے اَتتھی کا ستکار کرنے والے ایماندار، شانتی پریمی، دھرم کے پابند اور دل کے صاف تھے۔ عدالتوں میں آج کل کی طرح جھوٹے مقدمے نہیں کیا کرتے تھے۔ ہر گھر میں گائیں پالی جاتی تھیں۔ گھی دودھ کی افراط تھی۔ کھیتوں میں اناج اتنا پیدا ہوتا تھا کہ کوئی بھوکا نہ رہنے پاتا تھا۔ کسان خوشحال تھے۔ ان سے لگان بہت کم لیا جاتا تھا۔ ڈاکے اور چوری کی وارداتیں سنائی بھی نہ دیتی تھیں۔ طاعون اور ہیضہ وغیرہ بیماریوں کا نام نہ تھا۔ یہ سب راجا دشرتھ کی برکت تھی۔

ایک روز راجا دشرتھ شکار کھیلنے گئے اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے ایک ندی کے کنارے جا پہنچے۔ ندی درختوں کی آڑ میں تھی۔ وہیں جنگل میں اندھک مُنی نامک ایک اندھا رہتا تھا۔ اس کی استری بھی اندھی تھی۔ اس وقت ان کا نوجوان بیٹا شرون ندی میں پانی بھرنے گیا ہوا تھا۔ اس کے کلش کے پانی میں ڈوبنے کی آواز سن کر راجا نے سمجھا کوئی جنگلی ہاتھی نہار رہا ہے۔ ترنت شبدھ ویدی بان چلادیا۔ تیر نوجوان کے سینے میں لگا۔ تیر کا لگنا تھا کہ وہ زور سے چلّا کر گر پڑا۔ راجا گھبرا کر وہاں گئے تو دیکھا ایک نوجوان وہاں پڑا تڑپ رہا ہے۔ انھیں اپنی بھول معلوم ہوئی۔ بے حد افسوس ہوا نوجوان نے انھیں لجّت اور دُکھت دیکھ کر سمجھایا۔ اب رنج کرنے سے کیا فائدہ؟ میری موت شایداس طرح لکھی تھی۔ میرے ماں باپ دونوں اندھے ہیں۔ ان کی کُٹی وہ سامنے نظر آرہی ہے میری لاش ان کے پاس پہنچادینا۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا۔

راجا نے نوجوان کی لاش کو کندھوں پر رکھا اور اندھے کے پاس جاکر یہ دُکھت سماچار سنایا۔ بے چارے دونوں بڈھے تِس پر دونوں آنکھوں کے اندھے، اور یہی اکلوتا بیٹا ان کی زندگی کا سہارا تھا۔ اس کے مرنے کا سماچار سن کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ آنسو ذرا تھمے تو انھیں راجا پر غصہ آیا۔ ان کو خوب جی بھر کر کوسا اور یہ شراپ دے کر کہ جس طرح بیٹے

کے شوک میں ہماری جان نکل رہی ہے اسی طرح تم بھی بیٹے ہی کے شوک میں مروگے۔ دونوں مر گئے۔ راجا دشرتھ رو دھوکر یہاں سے ودا ہوئے۔

راجا دشرتھ کے اب تک کوئی سنتان نہ تھی۔ سنتان ہی کے لیے انھوں نے تین شادیاں کیں تھیں۔ بڑی رانی کا نام کوشلیا تھا، منجھلی رانی کا سمترا اور چھوٹی کیکئی۔ تینوں رانیاں بھی سنتان کے لیے ترستی رہتی تھیں۔ اندھے کا شراپ (شاپ) راجا کے لیے وردان ہوگیا۔ چاہے بیٹے کے شوک میں مرنا ہی پڑے، بیٹے کا منہ تو دیکھیں گے اور تخت کا وارث تو پیدا ہوگا۔ اس خیال سے راجا کو بڑی تسکین ہوئی۔ اس کے کچھ دن بعد ہی اپنے گرو وششٹھ کے مشورے سے راجا نے یگ کیا۔ اس میں کونے کونے سے رشی منی جمع ہوئے اور سب نے راجا کو آشرواد دیا۔ یگیہ کے پورے ہوتے ہی سبھی رانیاں گربھ وتی ہوئیں۔ نیت سمے کے بعد تینوں رانیوں کے چار راج کمار پیدا ہوئے۔ کوشلیا سے رام چندر ہوئے، سمترا سے لچھمن اور شتروگھن اور کیکئی سے بھرت۔ سارے راج میں منگل گیت گائے جانے لگے۔ پرجا نے خوب اتسو منایا۔ راجا نے اتنا سونا چاندی دان کیا کہ راج میں کوئی نردھن نہ رہ گیا۔ ان کی دلی کامنا پوری ہوئی۔ کئی دن ہوئے بیٹے کا منہ دیکھنے کو ترستے تھے، کہاں چار بیٹے ہوگئے۔ گھر گلزار ہوگیا۔ جیوتی ہین آنکھیں روشن ہوگئیں۔

چاروں لڑکوں کا لالن پالن ہونے لگا۔ جب وہ ذرا سا سیانے ہوئے تو گرو نے انھیں شکچھا دینا شروع کیا۔ چاروں لڑکے بہت ہی ذہین تھے، تھوڑے ہی دنوں میں سب ختم کرلیا۔ اور رن ودھیا میں بھی خوب ہوشیار ہوگئے۔ دھون ودیا میں، بھالا وڈیا میں کشتی، کسی فن میں ان کا سمان نہ تھا مگر ان میں گھمنڈ نام کو بھی نہ تھا۔ چاروں بزرگوں کا ادب کرتے تھے۔ چھوٹوں کو بھی وہ سخت سست نہ کہتے۔ ان میں آپس میں بڑی گہری محبت تھی۔ ایک دوسرے کے لیے جان دیتے تھے۔ چاروں ہی سندر، سُوستھیہ اور سُشیل تھے۔ انھیں دیکھ کر سب کے منہ سے آشرواد نکلتا تھا۔ سب کہتے تھے، یہ لڑکے خاندان کا نام روشن کریں گے۔ یوں تو چاروں میں ایک سی محبت تھی مگر لچھمن کو رام چندر سے شتروگھن کو بھرت سے خاص پریم تھا۔ راجا دشرتھ مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے تھے۔

تاڑکا اور ماریچ کا ودھ

ایک دن راجا دشرتھ دربار میں بیٹھے ہوئے منتریوں سے کچھ بات چیت کررہے تھے کہ رشی وشوا متر پدھارے۔ وشوامتر اس سمے بہت بڑے تپسوی تھے۔ وہ چھتریے ہوکر بھی کیول اپنی آرادھنا کے بل سے برہم رشی کے پد پر پہنچ گئے تھے۔ سبھی رشی ان کے سامنے آدر سے سر جھکاتے تھے۔ مگر گیانی ہونے پر بھی وہ کسی حد تک کرودھی تھے۔ کسی نے ان کی مرضی کے خلاف کام کیا اور انھوں نے شاپ دیا۔ اس سے سبھی راجے مہارجے ان سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کے شاپ کو کوئی رد نہ کرسکتا تھا۔ لڑائی کی ودھا میں وہ ادوتیے تھے۔ راجا دشرتھ نے سنگھاسن سے اتر کر ان کا سواگت کیا اور انھیں اپنے سنگھاسن پر بٹھاکر بولے۔ آج اس غریب کے گھر کو اپنے چرنوں سے پوتر کرکے آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ میرے یوگیہ کوئی سیوا ہو تو بتایئے۔ وہ سر آنکھوں پر بجا لاؤں۔

وشوا متر نے آشرواد دے کر کہا۔ مہاراج! ہم تو تپسویوں کو راج دربار کی یاد اسی سمے آتی ہے، جب ہمیں کوئی تکلیف ہوتی ہے یا جب ہمارے اوپر کوئی اتیاچار کرتا ہے۔ میں آج کل ایک یگیہ کررہا ہوں۔ کنتو راکھشس لوگ اسے اپوتر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ یگیہ کی ویدی پر رکت و ہڈیاں پھینکتے ہیں۔ ماریچ اور سباہو دو بڑے وردھی راکھشس ہیں۔ یہ سارا فساد انھیں لوگوں کا ہے۔ مجھ میں اپنی تپسیا کا اتنا بل ہے کہ چاہوں تو ایک شاپ دے کر ان کی ساری سینا کو جلاکر راکھ کردوں۔ پر یگ کرتے سمے کرودھ کو روکنا پڑتا ہے۔ اسی لیے میں آپ کے پاس فریاد لے کر آیا ہوں۔ آپ راجکمار رام چندر اور لچھمن کو میرے ساتھ بھیج دیجیے، جس سے وہ میرے یگ کی رکچھا کریں اور ان راکھشسوں کو شتھل کردیں۔ دس دن میں ہمارا یگ پورن ہوجائے گا۔ رام کے سوا ور کسی سے یہ کام نہ ہوگا۔

راجا دشرتھ بڑی مشکل میں پڑگئے۔ رام کا ویوگ انھیں ایک چھن کے لیے سہا نہ گیا۔ یہ بھے بھی ہوا کہ لڑکے ابھی انوبھوی نہیں ہیں۔ ڈراونے راکھشسوں سے بھلا کیا مقابلہ

کرسکیں گے۔ ڈرتے ہوئے بولے۔ ہے پوتر رشی! آپ کی آگیا شرودھاریہ ہے کنتو اَلپ ویسک لڑکوں کو راکچھسوں کے مقابلے میں مجھے بھے ہوتا ہے۔ انھیں ابھی رَن چھیتر کا انوبھو نہیں ہے۔ میں سوئیم اپنی ساری سینا لے کر آپ کے یگ کی رکچھا کروں گا۔ لڑکوں کو ساتھ بھیجنے کے لیے مجھے ووش نہ کیجیے۔

وشوا متر ہنس کے بولے۔ مہاراج آپ ان لڑکوں کو ابھی نہیں جانتے۔ ان میں شیروں کی سی ہمت اور طاقت ہے۔ مجھے پورا وشواس ہے کہ یہ راکچھسوں کو مار ڈالیں گے۔ ان کی طرف سے آپ نڈر رہیے۔ ان کا بال بھی بانکا نہ ہوگا۔

راجا دشرتھ پھر کچھ آپتی کرنا چاہتے تھے۔ مگر گرو وششٹ کے سمجھانے راضی ہو گئے۔ اور دونوں راجکماروں کو بلا کر رشی وشوامتر کے ساتھ جانے کا آدیش دیا۔ رام چندر اور لچھمن یہ آگیا پاکر دل میں بہت خوش ہوئے۔ اپنی ویرتا کو دکھانے کا ایسا اچھا اوسر انھیں پہلے نہ ملا تھا۔ دونوں نے یدھ میں جانے کے کپڑے پہنے۔ ہتھیار سجائے اور اپنی ماتاؤں سے آشیرواد لینے کے بعد راجا دشرتھ کے چرنوں میں گر کر خوشی خوشی ودا ہوئے۔ وشوامتر نے دونوں بھائیوں کو ایک ایسا منتر بتایا کہ جس کو پڑھنے سے تھکاوٹ پاس نہیں آتی۔ نئے نئے بہت ادبھت ہتھیاروں کا اپیوگ کرنا سکھایا، جن کے مقابلے میں کوئی ٹھہر نہ سکتا تھا۔

کئی دن کے بعد تینوں آدمی گنگا کو پار کر کے گھنے جنگل میں جا پہنچے۔ وشوا متر نے کہا۔ بیٹا! اس جنگل میں تاڑ کا نام کی دانوی رہتی ہے۔ وہ اس راستے سے گزرنے والے آدمی کو پکڑ کر کھا ڈالتی ہے۔ پہلے یہاں ایک اچھا نگر بسا ہوا تھا۔ پر اس دانوی نے سارے آدمیوں کو کھا ڈالا۔ اب وہی بسا ہوا نگر گھنا جنگل ہے۔ کوئی آدمی بھول کر بھی ادھر نہیں آتا۔ ہم لوگوں کی آہٹ پاکر وہ دانوی آتی ہوگی۔ تم ترنت اسے تیر سے مار ڈالنا۔

وشوامتر ابھی یہ واقعہ بیان کر ہی رہے تھے کہ ہوا میں زور کی سنسناہٹ ہوئی اور تاڑ کا منہ کھولے دوڑتی ہوئی آتی دکھائی دی۔ اس کی صورت اتنی ڈراونی اور ڈیل اتنا بڑا تھا کہ کوئی کم ساہسی آدمی ہوتا تو مارے ڈر کے گر پڑتا۔ اس نے ان تینوں آدمیوں کے سامنے آکر گرجنا اور پتھر پھینکنا شروع کیا۔ وشوامتر نے رام چندر کو تیر چلانے کا اشارہ کیا۔ رام چندر ایک عورت پر ہتھیار چلانا نیم کے وردوھ سمجھتے تھے۔ تاڑ کا دانوی تھی تو عورت، مگر رشی کا سنکیت پاکر انھیں کیا آپتی ہوسکتی تھی۔ ایسا تیر چلایا کہ وہ تاڑکا کی چھاتی میں چبھ گیا۔ تاڑکا

زور چیخ کر گر پڑی اور ایک چھن میں تڑپ تڑپ کر مر گئی۔

تینوں آدمی پھر آگے چلے اور کئی دنوں بعد وشوا متر کے آشرم گئے۔ تھا تو یہ بھی جنگل پر اس میں ادِھک تر رشی لوگ رہا کرتے تھے۔ شیر، نیل گائے، ہرن نڈر گھوما کرتے تھے۔ اس تپو بھومی کے پر بھاؤ سے شکار کھیلنے والے بھی شکار کی طرف پرورت نہ ہوتے تھے۔

دوسرے دن وشوامتر نے یگیہ کرنا شروع کیا۔ رام اور لچھمن کمر پر تلوار لٹکائے دھنش اور بان ہاتھ میں لیے جنگل کے چاروں اور گشت لگانے لگے۔ نہ کھانے پینے کی فکر تھی۔ نہ سونے لیٹنے کی۔ رات دن بنا سوئے بنا کھائے پہرا دیتے تھے۔ اس پر کار چار پانچ دن کشل سے بیت گئے۔ مگر چھٹے دن کیا دیکھتے ہیں کہ ماریچ اور سباہو راکھسوں کی سینا لیے یگ پوتر کرنے چلے آرہے ہیں۔ دونوں بھائی ترنت سنبھل گئے۔ جوں ہی ماریچ سامنے آیا، رام چندر نے ایسا تیر مارا کہ وہ بڑی دور جا کر گرا۔ سباہو باقی تھا۔ اسے بھی ایک اگنی بان میں ٹھنڈا کردیا۔ پھر تو راکھسی سینا کے پیر اکھڑ گئے۔ دونوں بھائیوں نے دور تک ان کا پیچھا کیا اور کتنوں ہی کو مار ڈالا۔ اس پرکار یگ سندر ریتی سے پورا ہوگیا۔ کسی پرکار کی رکاوٹ نہ ہوئی۔ وشومتر نے دونوں بھائیوں کی خوب پرشنسا کی۔

وِواہ

رام اور لکچھمن ابھی وشوامتر کے آشرم میں ہی تھے۔ کہ متھلا کے راجا جنک نے وشوامتر کو اپنی لڑکی سیتا کے سویمبر میں سمّلیت ہونے کے لیے نوید بھیجا۔ اس سمے میں پرایہ وِواہ سویمبر کی ریتی سے ہوتے تھے۔ لڑکی کا پتا ایک اتسو کرتا تھا جس میں دور دور سے آکر لوگ سمّلت ہوتے تھے۔ اتسو میں ساہس یا یدھ کے کوشل پریکچھا ہوتی تھی۔ جو یوک اس پریکچھا میں سپھل ہوتا تھا اسی کے گلے میں کنیا جے مالا ڈال دیتی تھی۔ اسی سے اس کا وِواہ ہو جاتا تھا۔ وشوامتر کی ہاردک اِچّھا تھی کہ سیتا کا وِواہ رام سے ہوجائے۔ وہ بھی یہ جانتے تھے کہ رام پریکشا میں اوشیہ سپھل ہوں گے۔ اس لیے جب وہ متھلا جانے لگے تو رام اور لکچھمن کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ راجا دشرتھ سے آگیا لینے کے لیے ایودھیا جانے اور وہاں سے متھلا آنے کے لیے کافی وقت نہ تھا۔ متھلا وہاں سے قریب ہی تھی۔ اس لیے وشوامتر نے سیدھے وہاں جانے کا نشچے کیا۔

آج کل جس پرانت کو ہم بہار کہتے ہیں۔ وہ ہی اس زمانے میں متھلا کہلاتا تھا۔ متھلا کے راجا جنک بڑے وِدوان اور گیانی پُرش تھے۔ بڑے بڑے رشی منی ان سے گیان کی شکچھا لینے آتے تھے۔ کئی سال پہلے متھلا میں بڑا بھاری آکال پڑا تھا۔ اور اس وقت رشیوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ یہ کال یگیہ سے ہی دور ہوسکتا ہے۔ اس یگیہ کو پورا کرنے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ راجا جنک خود ہل چلائیں۔ راجا جنک کو اپنی پرجا اپنے پران سے بھی زیادہ ادھک پریے تھی۔ اس کے سر سے اس سنکٹ کو دور کرنے کے لیے انھوں نے اس یگیہ کو شروع کردیا۔ جب وہ ہل بیل لے کر کھیت میں پہنچے اور ہل چلانے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پھل کی نوک سے جو زمین کھد گئی ہے اس میں ایک چاند سی لڑکی پڑی ہوئی ہے۔ راجا کی کوئی سنتان نہ تھی، ترنت اس لڑکی کو گود میں اٹھا لیا اور گھر لائے۔ اس کا نام سیتا رکھا، کیونکہ یہ پھل کی نوک سے نکلی تھی پھل کو سنسکرت میں ست کہتے ہیں۔ اس ایشوریے دین کو راجا جنک نے بڑے لاڈ اور پیار سے پالا۔ اور اچھے اچھے وِدوانوں سے شکچھا دلوائی۔ اسی سیتا کے وِواہ پر سویمبر رچا گیا تھا۔

رام لکچھمن اور وشوامتر سب گنگا اتیادی ندیوں کو پار کرتے ہوئے چوتھے دن متھلا پہنچے۔ سارے شہر کے لوگ ان راجکماروں کی سندرتا اور ڈیل ڈول کو دیکھ کر ان پر موہت ہوگئے۔ سب کے منہ سے یہی آواز نکلتی تھی کہ سیتا کے یوگیہ کوئی ہے تو یہی راج کمار ہے۔ جیسی سندر وہ ہے، ویسے ہی رام چندر ہیں۔ مگر دیکھنا چاہیے، ان سے شیو کا دھنش اٹھتا ہے یا نہیں۔

راجا جنک کو وشوامتر کے آنے کی خبر ہوئی تو انھوں نے ان کا بڑا آدر ستکار کیا۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ دونوں نوجوان راجا دشرتھ کے بیٹے ہیں۔ تب ان کے دل میں یہی خواہش ہوئی کہ کاش سیتا کا وِواہ رام سے ہوجاتا۔ مگر سویمبر کی شرط سے لاچار تھے۔

وشوامتر نے راجا سے پوچھا۔ مہاراج،آپ نے سویمبر کے لیے کون سی پریکھا چنی ہے؟

جنک نے اتر دیا۔ بھگون! کیا کہوں، کچھ کہا نہیں جاتا، سینکڑوں ورش گزر گئے ایک بار شیوجی نے میرے کسی پوروج کو اپنا دھنش دیا تھا وہ دھنش تب سے میرے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ ایک دن میں نے سیتا سے اپنی پوجا کی کوٹھری کو لیپ ڈالنے کے لیے کہا۔ اسی کوٹھری میں وہ پرانا دھنش رکھا ہوا تھا۔ سینکڑوں برس سے کوئی اسے اٹھا نہ سکا تھا۔ سیتا نے جاکر دیکھا تو اس کے آس پاس بہت کوڑا جمع ہوگیا تھا۔ اس دھنش کو اٹھاکر ایک اور رکھ دیا۔ میں پوجا کرنے گیا تو دھنش کو ہٹا ہوا دیکھ کر مجھے بڑا آشچریہ ہوا۔ جب معلوم ہوا کہ سیتا نے اسے اٹھاکر زمین صاف کی ہے، تب میں شرط کی کہ ایسی ویر کنیا کا وِواہ اسی وَر سے کروں گا جو دھنش کو چڑھا کر توڑ دے گا۔ اب دیکھوں لڑکی کے بھاگیہ میں کیا ہے۔

دوسرے دن سویمبر کی تیاری شروع ہوئی۔ میدان میں ایک بڑا شامیانہ تانا گیا۔ سینکڑوں سورما جو اپنے بل کے گھمنڈ سے دور دور سے آئے تھے، آکر بیٹھے۔ شہر کے لاکھوں استری پرُش اکترت ہوئے۔ شیوجی کے دھنش کے بہت سے آدمی اٹھاکر سبھا میں لائے۔ جب سب لوگ آگئے تو راجا جنک نے کھڑے ہوکر کہا۔ اے بھارت ورش کے ویرو! یہ شیو کا دھنش آپ لوگوں کے سامنے رکھا ہے۔ جو اسے توڑدے گا، اسی کے گلے میں سیتا جے مالا ڈالے گی۔

یہ سنتے ہی سورماؤں اور ویروں نے دھنش کے پاس جا جاکر زور لگانا شروع کیا۔ سبھی راجکمار سیتا سے وِواہ کرنے کو سوپن دیکھ رہے تھے۔ کمر کس کس کر گھمنڈ سے اینٹھتے

اکڑتے دھنش کے پاس جاتے اور جب وہ تل بھر بھی نہ ہلتا تو اپمان سے گردن جھکائے اپنا سا منہ لیے لوٹ آتے تھے۔ ساری سبھا میں ایک بھی ایسا یودھا نہ نکلا جو دھنش کو اٹھا سکتا توڑنے کا تو ذکر ہی کیا۔

راجا جنک نے یہ وشا دیکھی تو انھیں بڑا بھے ہوا۔ سبھا میں کھڑے ہوکر نراشا سوچک سُر میں بولے شاید یہ ویر بھومی اب ویروں سے خالی ہوگئی ہے۔ جبھی تو اتنے آدمیوں میں ایسا نہ نکلا جو اس دھنش کو توڑ سکتا۔ یدی میں ایسا جانتا تو سویمبر کے لیے یہ شرط نہ رکھتا۔ ایسا پرتیت ہوتا ہے کہ سیتا اوِواہت رہے گی۔ یہی اس کے بھاگیہ میں ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔ آپ لوگ اب شوق سے جا سکتے ہیں۔ اس حوصلے اور طاقت پر آپ لوگوں کو یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

لچھمن بڑے جوشیلے یُوک تھے۔ جنگ کی یہ باتیں سن کر ان سے سہن نہ ہوسکا۔ جوش سے بولا۔ مہاراج! ایسا اپنی زبان سے نہ کہیے۔ جب تک راجا رگھو کا ونش قائم ہے یہ دیش ویروں سے خالی نہیں ہوسکتا، میں ڈینگ نہیں مارتا۔ سچ کہتا ہوں کہ اگر خالی بھائی صاحب کی آگیا پاؤں تو ایک دم میں اس دھنش کے پرزے پرزے کردوں۔ میرے بھائی صاحب چاہیں تو اسے ایک ہاتھ سے توڑ سکتے ہیں۔ اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ لچھمن کی یہ جوش پورن باتیں سن کر سارے سورما دنگ رہ گئے۔ رام چندر چھوٹے بھائی کی طبیعت سے پرچت تھے۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور بولے۔ بھائی یہ سمے اس طرح کی باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ جب تک تمھارے بڑے موجود ہیں، تمھیں زبان کھولنا اُچت نہیں۔

لچھمن بیٹھ گئے، تو وشوا متر نے رام چندر سے کہا۔ بیٹا، اب تم جاکر اس دھنش کر توڑو جس میں راجا جنک کو تسکین ہو۔ رام چندر سیتا کو پہلے ہی دن ایک باغ میں دیکھ چکے تھے۔ دونوں بھائی باغ میں سیر کرنے گئے تھے اور سیتا دیوی کی پوجا کرنے آئی تھی۔ وہیں دونوں کی آنکھیں ملی تھیں۔ اسی وقت سے رام چندر کو سیتا سے پریم ہوگیا تھا۔ وہ اسی سمے کی پرتیکچھا میں تھے۔ وشوا متر کی آگیا پاتے ہیں انھوں نے پرنام کیا۔ اور دھنش کی اور چلے۔ سورماؤں نے اپنا اپمان کم کرنے کے وچار سے ان پر آوازیں کسنا شروع کیا۔ ایک نے کہا ذرا سنبھلے ہوئے جایئے گا، ایسا نہ ہو کہیں اپنے ہی زور میں گر پڑیئے۔ دوسرا بولا۔ اس پرانے دھنش پر دیا کیجیے، کہیں پرزے پرزے نہ کردیجیے گا۔ تیسرا بولا۔ ذرا دھیرے دھیرے قدم

رکھیے، زمین ہل رہی ہے۔ کنتو رام چندر نے اس تینوں کی طرف تنک بھی دھیان نہ دیا۔ دھنش کو اس طرح اٹھالیا جیسے کوئی پھول ہو اور اتنی زور سے چڑھایا کہ بیچ سے اس کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اس کے ٹوٹنے سے ایسی آواز ہوئی کہ لوگ چونک پڑے۔ دھنش جیوں ہی ٹوٹ کر گرا وہ سپھلتا کی پرسنتا سے اچھل کر دوڑے۔ راجا جنک سبھا کے باہر چنتا پورن درشٹی سے یہ درشیہ دیکھ رہے تھے۔ رام چندر کو گلے سے لگا لیا اور سیتا جی نے آکر اس کے گلے میں جے مالا ڈال دی۔ نگر والوں نے پرسن ہوکر جے جے کار کرنا شروع کیا۔ منگل گان ہونے لگا، بندوقیں چھوٹنے لگیں۔ اور سورما لوگ ایک ایک کرکے چپکے چپکے سرکنے لگے۔ شہر کے چھوٹے بڑے دھنی نردھن سب خوشی سے پھولے نہ ساتے تھے۔ سبھی نے منہ مانگی مراد پائی۔ صلاح ہوئی کہ راجا دشرتھ کو شبھ سماچار کی سوچنا دینی چاہیے۔ کئی اونٹ کے سوار ترنت کوشل کی اور روانہ کیے گئے وشوا متر راج کماروں کے ساتھ راج بھون میں جانا ہی چاہتے تھے کہ منڈپ کے باہر شور اور غل سنائی دینے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل گرج رہا ہے لوگ گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ کیا آفت آنے والی ہے ایک چھن کے بعد بھید کھلا کہ پرشورام رشی کرودھ سے گرجتے چلے آرہے ہیں۔ دیوؤں کا سا قد، انگارے سی لال لال آنکھیں، کرودھ سے چہرہ لال، ہاتھ میں تیر کمان، کندھے پر پھرسا یہ آپ کا روپ تھا معلوم ہوتا تھا کہ سب کو کچا ہی کھا جائیں گے۔ آتے ہی گرج کر بولے۔ کس نے میرے گرو شیو کا دھنش توڑا ہے، نکل آئے میرے سامنے، ذرا میں بھی دیکھوں وہ کتنا ویر ہے؟

رام چندر نے بہت نمرتا سے کہا۔ مہاراج! آپ کے کسی بھکت نے ہی توڑا ہوگا اور کیا۔ پرشو رام نے پھرسے کو گھما کر کہا۔ کداپی نہیں، یہ میرے بھکت کا کام نہیں۔ یہ کسی شترو کا کام ہے۔ اوشیہ میرے کسی بیری نے یہ کام کیا ہے۔ میں بھی اس کا سرتن سے الگ کردوں گا۔ کسی طرح چھما نہیں کرسکتا۔ میرے گرو کا دھنش اور اسے کوئی چھتریہ توڑ ڈالے؟ میں چھتریوں کا شترو ہوں۔ جانی دشمن، میں نے ایک دو بار نہیں اکیس بار چھتریوں کی رکت کی ندی بہائی ہے۔ اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے میں نے جہاں چھتریوں کو پایا ہے چن چن کر مارا ہے۔ اب پھر میرے ہاتھوں چھتریوں پر بڑی آفت آنے والی ہے۔ جس نے یہ دھنش توڑا ہو، میرے سامنے نکل آوے۔

دلیر اور منچلے لچھمن یہ للکار سن کر بھلا کب سہن کرسکتے تھے۔ سامنے آکر بولے۔ آپ

ایک سڑے سے دھنش کے ٹوٹنے پر اتنا آپے سے باہر کیوں ہو رہے ہیں؟ لڑکپن میں ایسے کتنے دھنش کھیل کھیل کر توڑ ڈالے، تب تو آپ کو تنک بھی کرودھ نہ آیا۔ آج اس پرانے، بے دم دھنش کے ٹوٹ جانے سے آپ کیوں اتنا کُپت ہو رہے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ان گیدڑ بھبکیوں سے کوئی ڈر جائے گا؟

جیسے گھی پڑ جانے سے آگ اور بھی تیز ہو جاتی ہے، اسی طرح لچھمن کہ یہ شبد سن کر پرشورام اور بھی بھیاونے ہو گئے۔ پھرسے کو ہاتھ میں لے کر بولے۔ تو کون ہے جو میرے ساتھ اس درھشٹتا سے ویوہار کرتا ہے؟ تجھے کیا اپنی جان ذرا بھی پیاری نہیں، جو اس طرح میرے سامنے زبان چلاتا ہے کیا یہ دھنش بھی ویسا ہی تھا، جیسا تم نے لڑکپن میں توڑے تھے؟ یہ شیو جی کا دھنش تھا۔

لچھمن بولے۔ کسی کا دھنش ہو، مگر تھا بالکل سڑا ہوا۔ چھوتے ہی ٹوٹ گیا۔ زور لگانے کی ضرورت ہی نہ پڑی۔ اس ذرا سی بات کے لیے ویرتھ آپ اتنا بگڑ رہے ہیں۔ پرشو رام اور بھی جھلا کر بولے۔ ارے مورکھ، کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟ میں تجھے لڑکا سمجھ کر ابھی طرح دیے جاتا ہوں، اور تو اپنی دھرشٹتا نہیں چھوڑتا۔ میرا کرودھ برا ہے۔ ایسا نہ ہو، میں ایک بار میں تیرا کام تمام کر دوں۔

لچھمن ۔ میرا کام تو تمام ہو چکا! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کا کرودھ آپ کو ہانی نہ پہنچائے۔ آپ جیسے رشیوں کو کبھی کرودھ نہ کرنا چاہیے۔

پرشورام نے پھرسا سنبھلاتے ہوئے دانت پیستے ہوئے کہا۔ کیا کہوں، تیری عمر تجھے بچا رہی ہے، ورنہ اب تک تیرا سر تن سے جدا کر دیتا۔

لچھمن ۔ کہیں اس بھروسے مت رہیے گا۔ آپ پھونک کر پہاڑ نہیں اڑا سکتے۔ آپ برہمن ہیں، اس لیے آپ کے اوپر دیا آتی ہے۔ شاید ابھی تک آپ کا کسی چھتریے سے پالا نہیں پڑا۔ جب ہی آپ اتنا بفار رہے ہیں۔

رام چندر نے دیکھا کہ بات بڑھتی ہی جا رہی ہے، تو لچھمن کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا اور پرشورام سے ہاتھ جوڑ کر بولے۔ مہاراج لچھمن کی باتوں کا آپ برا نہ مانیں یہ ایسا ہی دھرشٹ ہے، یہ ابھی تک آپ کو نہیں جانتا، ورنہ یوں آپ کے منہ نہ لگتا۔ اسے چھما کیجیے، چھوٹوں کا قصور بڑے معاف کیا کرتے ہیں۔ آپ کا اپرادھی میں ہوں، مجھے جو ونڈ چاہیں،

دیدیں۔ آپ کے سامنے سر جھکا ہوا ہے۔

رام چندر کی یہ آدر پورن بات چیت سن کر پرشورام نرم پڑے کہ ایکا ایک لکچھمن کو ہنستے دیکھ کر پھر ان کے بدن میں آگ لگ گئی۔ بولے۔ رام! تمھارا یہ بھائی اتی دھرشٹ ہے۔ ونے اور شیل تو اسے چھو کر نہیں گیا۔ جو کچھ منہ میں آتا ہے، بک ڈالتا ہے۔ رنگ اس کا گورا ہے، پر دل اس کا کالا۔ ایسا اششٹ لڑکا میں نے نہیں دیکھا۔

ابھی تک تو لکچھمن، پرشورام کو کیول چھیڑ رہے تھے، کنتو یہ باتیں سن کر انھیں کرودھ آگیا۔ بولے۔ سنیے مہاراج! چھوٹوں کا کام بڑوں کا آدر کرنے کا ہے، کنتو اس کی بھی سیما ہوتی ہے۔ آپ اب اس سیما سے بڑھے جا رہے ہیں۔ آخر آپ کیوں اتنا اپرسن ہو رہے ہیں؟ آپ کے بگڑنے سے تو دھنش جڑ نہ جائے گا۔ ہاں جگ ہنسائی اوشیہ ہوگی۔ اگر یہ دھنش آپ کو ایسا ہی پریے ہے، تو کسی کاریگر سے جڑوا دیا جائے گا۔ اس کے اترِکت اور ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آپ کا کرودھ بالکل ویرتھ ہے۔

مارے کرودھ کے پرشورام کی آنکھیں بیر بہوٹی کی طرح لال ہوگئیں۔ وہ تھر تھر کانپنے لگے۔ ان کے نتھنے پھڑکنے لگے۔ رام چندر نے ان کی یہ دشا دیکھ کر لکچھمن کو وہاں سے چلے جانے کا اشارہ کیا ور اتینت وینیت بھاؤ سے بولے۔ مہاراج! بڑوں کو چھوٹوں کی کم سمجھ باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہیے۔ اس کے بکنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم سب آپ کے سیوک ہیں۔ دھنش میں نے توڑا ہے۔ اس کا دوشی میں ہوں۔ اس کا جو دنڈ آپ اُچت سمجھیں ڈنڈ مجھے دیجیے۔ آپ اس کا جو دنڈ مانگیں میں دینے کو تیار ہوں۔

پرشورام نے نرم ہو کر کہا۔ تاوان میں تم سے کیا لوں گا۔ مجھے یہی بھئے ہے کہ اس دھنش کے ٹوٹ جانے سے چھتریوں کو پھر گھمنڈ ہوگا اور مجھے پھر ان کا ابھمان توڑنا پڑے گا یہ شیو کا دھنش نہیں ٹوٹا ہے، برہمنوں کے تیج اور بل کو دھکا لگا ہے۔

رام چندر نے ہنس کر کہا۔ رشی راج! چھتریے ایسے نیچ نہیں ہیں کہ اس ذرا سے دھنش کے ٹوٹ جانے سے انھیں گھمنڈ ہو جائے۔ اگر آپ میری ویرتا کی وشیشتا دیکھنا چاہتے ہیں تو اس سے بھی بڑی پریکچھا لے کر دیکھیے۔

پرشورام۔ تیار ہے؟

رام۔ جی ہاں، تیار ہوں۔

پرشورام نے اپنا تیر اور کمان رام چندر کے سمیپ پھینک کر کہا۔ اچھا اس دھنش پر پرتینچا چڑھا۔ دیکھوں تو کتنا ویر ہے۔

رام چندر نے دھنش اٹھالیا اور بڑی آسانی سے پرتینچا چڑھاکر بولے۔ کہیے اب کیا کروں؟ توڑ دوں اس دھنش کو؟

پرشورام کا سارا کرودھ شانت ہوگیا۔ انھوں نے بڑھ کر رام چندر کو ہردے سے لگالیا اور انھیں آشرواد دیتے ہوئے اپنا دھنش بان لے کر وداع ہوگئے۔ راجا جنک کی جان سوکھ رہی تھی کہ نہ جانے کیا وپدا آنے والی ہے۔ پرشو رام کے چلے جانے سے جان میں جان آئی۔ پھر منگل گان ہونے لگے۔

راجا دشرتھ رام چندر اور لچھمن کا سماچار نہ پانے سے بہت چنتت ہورہے تھے۔ یہ شبھ سماچار ملا تو بڑے پرسن ہوئے۔ ایودھیا میں تو اتسو ہونے لگا۔ دوسرے دن دھوم دھام سے بارات سجاکر وہ متھلا چلے۔

راجا جنک نے بارات کا خوب سیوا ستکار کیا اور شاستر ودھی سے سیتا جی کا وِواہ رام چندر سے کردیا۔ ان کی ایک دوسری لڑکی تھی جس کا نام اُرملا تھا اس کی شادی لچھمن سے ہوگئی۔ راجا جنک کے بھائی کے بھی دو لڑکیاں تھیں۔ وے دونوں بھرت اور شتروگن سے بیاہی گئیں۔ کئی دن کے بعد بارات وداع ہوئی۔ راجا جنک نے انگنتی سونے چاندی کے برتن، ہیرے جواہر، جڑاؤ جھولوں سے سجے ہاتھی، ناگوری بیلوں سے جتے ہوئے رتھ، عرب جاتی کے گھوڑے دہیز میں دیے۔

ایودھیا کانڈ

بنواس

راجا دشرتھ کئی سال تک بڑی تندہی سے راج کرتے رہے۔ کنتو بڑھاپے کے کارن ان میں اب پہلے سا جوش نہ تھا، اس لیے انھوں نے رام چندر جی سے راجیہ کے کاموں میں مدد لینا شروع کیا۔ اس میں یہ گپت اِکچھا بھی تھی کہ رام چندر کو شاسن کا انوبھو ہو جائے۔ یوں کیول نام کے لیے نہیں، وہ سوئیم راجا تھے۔ کنتو ادھک تر کام رام جی کے ہاتھوں سے ہی ہوتے تھے۔ رام کے سندر پربندھ کی سارے راجیہ میں پرشنسا ہونے لگی۔ جب راجا دشرتھ کو وشواس ہوگیا کہ رام اب شاسک کے دھرموں سے بھلی پرکار اوگت ہوئے ہیں اور ان پر یوگیتا سے آچرن بھی کرسکتے ہیں تو ایک دن انھوں نے اپنے دربار کے پرمکھ ویکتیوں کو تتھا نگر کے پرتشٹھت پروشوں کو بلاکر کہا۔ مجھے آپ لوگوں کی سیوا کرتے ایک سمئے بیت گیا۔ میں نے سدا نیائے کے ساتھ راج کرنے کی کوشش کی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ راجیہ رام چندر کے سپرد کردوں اور اپنے جیون کے انتم دن کسی اکانت استھان میں بیٹھ کر پرماتما کی یاد میں بتاؤں۔

یہ پرستاؤ سن کر لوگ پرسن ہوئے اور بولے۔ مہاراج! آپ کی شرن میں ہم جس سکھ اور چین سے رہے ان کی یاد ہمارے دلوں میں کبھی نہ مٹے گی۔ جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ کا ہاتھ ہمیشہ ہمارے سر پر رہے۔ لیکن اب آپ کی یہی اِچھا ہے کہ اب پرماتما کی یاد میں زندگی بسر کریں تو ہم لوگ اس شبھ کام میں بادھک نہ ہوں گے۔ آپ خوشی سے ایشور کی اپاسنا کریں۔ ہم جس طرح آپ کو اپنا مالک اور سنرکشک سمجھتے تھے، اسی طرح رام چندر کو سمجھیں گے۔

اسی بیچ میں گرو یششٹ جی بھی آگیے۔ انھیں بھی یہ پرستاؤ پسند آیا۔ راجا نے کہا۔ جب آپ لوگ رام کو چاہتے ہیں تو پھر اچھی ساعت دیکھ کر ان کا راج تلک کردینا چاہیے جتنی ہی جلدی مجھے اوکاش مل جائے اتنا ہی اچھا۔ سب لوگوں نے اسے بڑی خوشی سے سویکار کیا۔ تلک کی ساعت نشچت ہوگئی۔ نگر میں لوگوں کو جوں ہی گیات ہوا کہ رام چندر کا تلک

ہونے والا ہے، اتسو منانے کی تیاریاں ہونے لگیں جس دن تلک ہونے والا تھا، اس کے ایک دن پہلے شہر کی سجاوٹ ہونے لگی۔ گھروں کے دروازوں پر بند نواریں لٹکائی جانے لگیں، بازاروں میں جھنڈیاں لہرانے لگیں، سڑکوں پر چھڑکاؤ ہونے لگا باجے بجنے لگے۔

رانی کیکئی کی ایک داسی منتھرا تھی۔ وہ اتی کروپ کبڑی عورت تھی کیکئی کے ساتھ مائکے سے آئی تھی، اس لیے کیکئی اسے بہت چاہتی تھی، وہ کسی کام سے رینواس سے نکلی تو یہ دھوم دھام دیکھ کر ایک آدمی سے اس کا کارن پوچھا۔ اس نے کہا۔ تجھے اتنی خبر بھی نہیں! ایودھیا میں رہتی ہے یا کہیں باہر سے پکڑ کر آئی ہے؟

کل شری رام چندر کا تلک ہونے والا ہے۔ یہ سب اس کی تیاریاں ہیں۔

یہ سماچار سنتے ہیں منتھرا کو جیسے کمپ آگیا۔ مارے ڈاہ کے جل اٹھی۔ اس کی ہاردک اِچھا تھی کہ کیکئی کے راجکمار بھرت گدی پر بیٹھیں اور کیکئی راج ماتا ہوں۔ تب میں جو چاہوں گی، کروں گی پھر تو میرا ہی راج ہوگا اور رانیوں کی داسیوں پر دھاک جماؤں گی۔ سر سے پیر تک گہنوں سے لدی ہوئی نکلوں گی تو لوگ مجھے دیکھ کر کہیں گے۔ وہ منتھرا دیوی جاتی ہیں۔ پھر مجھے کسی نے کبڑی کہا تو مزا چھکادوں گی۔ اسی طرح کے منصوبے اس نے دل میں باندھ رکھے تھے۔ اس خبر نے اس کے سارے منصوبے دھول میں ملادیے۔ جس کام کے لیے جاتی تھی اسے بالکل بھول گئی۔ بدحواس دوڑی ہوئی محل میں گئی اور کیکئی سے بولی۔ مہارانی جی آپ نے کچھ اور سنا؟ کل رام کا تلک ہونے والا ہے۔

تینوں رانیوں میں بڑا پریم تھا۔ ان میں نام کو بھی سوتیا ڈاہ نہ تھا۔ جس طرح کوشلیا بھرت کو رام کی ہی طرح پیار کرتی تھی اسی طرح کیکئی بھی رام کو پیار کرتی تھی۔ رام چندر سب سے بڑے تھے۔ اس لیے یہ مانی ہوئی بات تھی کہ وہ ہی راجا ہوں گے۔ منتھرا سے یہ خبر سن کر کیکئی بولی۔ میں یہ خبر پہلے ہی سن چکی ہوں، لیکن تو نے سب سے پہلے مجھ سے کہا۔ اس لیے یہ سونے کا ہار تجھے انعام دیتی ہوں یہ لے۔

منتھرا نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔ مہارانی! یہ انعام میں شوق سے لیتی اگر رام کی جگہ راجکمار بھرت کے تلک کی خبر سنتی۔ یہ انعام دینے کی بات نہیں رونے کی بات ہے۔ آپ اپنا بھلا برا کچھ نہیں سمجھتیں۔

کیکئی۔ چپ رہ ڈائن تجھے ایسی باتیں منہ سے نکالتے لاج بھی نہیں آتی؟ رام چندر

مجھے بھرت سے بھی پیارے ہیں۔ تو دیکھتی نہیں کہ میرا کتنا آدر کرتے ہیں؟ بنا مجھ سے صلاح لیے کوئی کام نہیں کرتے پھر یہ سب سے بڑے ہیں اور گدی پر ادھیکار بھی انھیں کا ہے پھر جو ایسی بات منہ سے نکالی تو زبان کھنچوالوں گی۔

منتھرا۔ ہاں، زبان کیوں نہ کھنچوا لوگی، جب برے دن آتے ہیں تو آدمی کی بدھی پر اسی پرکار پردہ پڑجاتا ہے۔ تم جیسی بھولی بھالی، نیک ہو ویسا ہی سب کو سمجھتی ہو۔ رام کو بیٹا بیٹا کہتے یہاں تمھاری زبان سوکھتی ہے، وہاں رانی کوشلیا چپکے چپکے تمھاری جڑ کھود رہی ہیں۔ چار دن میں وہی رانی ہوں گی۔ تمھاری کوئی بات بھی نہ پوچھے گا۔ بس، مہاراج کی پوجا کے برتن دھویا کرنا۔ میرا کام تمھیں سمجھانا تھا سمجھادیا۔ تمھارا نمک کھاتی ہوں اسُ کا حق ادا کردیا۔ میرے لیے جیسے رام، ویسے بھرت۔ میں داسی سے رانی تو ہونے کی نہیں ہاں، تمھارے وروده کوئی بات ہوتے دیکھتی ہوں تو رہا نہیں جاتا۔ میرے منہ میں آگ لگے۔ کہاں سے کہاں میں نے یہ ذکر چھیڑ دیا کہ سویرے سویرے ڈائن چڑیل بننا پڑا۔ تم جانو تمھارا کام جانے۔

ان باتوں نے آخر کیکئی پر اثر کیا۔ سمجھی، ٹھیک ہی تو ہے رام چندر راجا ہوکر بھرت کو نکال دیں یا مرواہی ڈالیں تو کون ان کا ہاتھ پکڑے گا۔ میں بھی دودھ کی مکھی کی طرح نکال دی جاؤں گی۔ بہت ہوگا روٹی، کپڑا مل جائے گا۔ راجیہ پاکر سبھی کی متی بدل جاتی ہے۔ رام کو بھی ابھیمان ہوجائے تو کیا اچرج یہ ہے۔ جبھی کوشلیا میری اتنی خاطر کرتی ہیں۔ یہ سب مجھے تباہ کرنے کی چالیں ہیں۔ یہ سوچ کر اس نے منتھرا سے کہا۔ منتھرا، دیکھ، میری باتوں کا برا نہ مان۔ میں کیا جانتی تھی کہ مجھے اور بھرت کو تباہ کرنے کے لیے کوشل رچا جارہا ہے۔ میں تو سیدھی سادی استری ہوں، چھکا پنجا کیا جانوں۔ اب تو نے یہ باتیں سنائیں تو مجھے یہ سچائی معلوم ہوئی۔ مگر اب تو تلک کی ساعت نشچت ہوچکی۔ کل سویرے تلک ہوجائے گا اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔

منتھرا۔ ہونے کو تو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ بس ذرا استری ہٹ سے کام لینا پڑے گا۔ میں ساری ترکیبیں بتلادوں گی۔ ذرا ان لوگوں کی چالاکی دیکھو کہ تلک کی ساعت اس سمے ٹھیک کی، جب راجکمار بھرت ننہال میں ہیں۔ سوچو، اگر دل صاف ہوتا تو دس پانچ دن اور نہ ٹھہر جاتے۔ بھرت کے آجانے پر تلک ہوتا تو کیا بگڑ جاتا۔ مگر وہاں تو دلوں میں میل بھرا

بھرا ہوا ہے۔ ان کی اَپُستھتی میں چپکے سے تلک کردینا چاہتے ہیں۔

کیکئی ۔ ہاں، یہ بات بھی تجھے خوب سوجھی۔ شاید اس لیے بھرت کو پہلے یہاں سے کھسکا دیا۔ پہلے ہی سے یہ بات سدھی بسی تھی۔ کھید ہے، مجھے مٹی میں ملانے کے لیے ایسے ایسے شڈیَنتر رچے جاتے رہے اور میں بے خبر بیٹھی رہی۔ بتلا، اب میں کیا کروں؟ میری تو بدھی کچھ کام نہیں کرتی۔

منتھرا نے اپنا کوبڑ ہلاکر کہا۔ واری جاؤں مہارانی! آپ بھی کیا باتیں کرتی ہیں۔ آپ کو ایشور نے ایسا روپ دیا ہے اور مہاراج کو آپ سے ایسا پریم ہے کہ رات بھر میں آپ نہ جانے کیا کیا کرسکتی ہیں۔ آپ تو ساری باتیں بھول جاتی ہیں۔ ایسی بھلکو نہ ہوتیں تو بیریوں کو ایسے شڈیَنتر رچنے کا موقع ہی کیوں ملتا۔ اب تک تو بھرت کا کبھی تلک ہوگیا ہوتا۔ تمھیں نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ مہاراج نے تمھیں دو وردان دینے کا وچن دیا ہے۔ کیا وہ بات بھول گئیں؟

کیکئی ۔ ہاں، بھول تو گئی تھی، پر اب یاد آگیا۔ ایک بار مہاراج لڑائی ے میدان سے گھائل ہوکر آئے تھے اور میں نے مرہم پٹی کرکے رات بھر میں انھیں اچھا کردیا تھا۔ اسی سمے انھوں نے مجھے دو وردان دئے تھے۔ میں نے کہا تھا، مجھے آپ کی دیا سے کس بات کی کمی ہے۔ جب آوشیکتا ہوگی مانگ لوں گی۔

منتھرا۔ بس، پھر تو ساری بات بنی بنائی ہے۔ آج تم کوپ بھون میں جاکر بیٹھ جاؤ۔ آبھوشن اتیادی سب اتار پھینکو۔ کیول ایک میلی کچیلی ساڑی پہن لینا اور سر کے بال کھول کر زمین پر پڑ رہنا۔ مہاراج تمھاری یہ دشا دیکھتے ہی گھبرا جائیں گے۔ بس اسی سمے دونوں وچن کی یاد دلاکر کہنا کہ اب انھیں پورا کیجیے۔ ایک یہ کہ رام کے بدلے بھرت کا تلک ہو۔ دوسرے کہ رام کو چودہ برس کے لیے بنواس دیا جائے۔ مہاراج وچن کے پکے ہیں اوشیہ مان جائیں گے۔ پھر آنند سے راجیہ کرنا۔

دن تو اتسو کی تیاریوں میں گزرا۔ رات کو جب راجا دشرتھ کیکئی کے محل میں پہنچے تو چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا، نہ کہیں گانا نہ بجانا، نہ راگ، نہ رنگ، گھبرا کر ایک داسی سے پوچھا۔ یہ اندھیرا کیوں چھایا ہوا ہے۔ چاروں طرف اداسی کیوں پھیلی ہوئی ہے؟ تو جانتی ہے مہارانی کیکئی کہاں ہیں؟ ان کی طبیعت تو اچھی ہے؟

داسی نے کہا۔ مہارانی جی نے گانے بجانے کا نشیدھ کردیا ہے۔ وہ اس سمئے کوپ بھون میں ہیں۔

مہاراج کا ماتھا ٹھنکا۔ یہ رنگ میں کیا بھنگ ہوا۔ اوشیہ کوئی نہ کوئی وپتی آنے والی ہے۔ ان کا دل دھڑکنے لگا۔ گھبرائے ہوئے کوپ بھون میں گئے تو دیکھا، کیکئی بھومی پر پڑی سسکیاں بھر رہی ہے۔

راجا دشرتھ کیکئی کو بہت پیار کرتے تھے۔ ان کی یہ دشا دیکھتے ہی ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ بھومی پر بیٹھ کر بولے۔ مہارانی! کشل تو ہے؟ تمھاری طبیعت کیسی ہے؟ شیگھر بتاؤ، ورنہ میں پاگل ہوجاؤں گا۔ کیا بات ہوئی ہے؟ تمھیں کسی نے کچھ طعنہ دیا ہے؟ کوئی بات تمھاری اِچھا کے وِرودھ ہوئی ہے؟ جس نے تم سے یہ دھرشٹتا کی ہو، اس اسی سمے ڈنڈ دوں گا۔

کیکئی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ مجھے کچھ نہیں ہوا بہت بھلی پرکار ہوں۔ کھانے کو روٹیاں، پہننے کو کپڑے، رہنے کو مکان مل ہی گیا ہے، اب اور کس بات کی کمی ہوسکتی ہے؟ آپ بھی پریم کرتے ہی ہیں۔ جایئے اتسو منایئے۔ مجھے پڑی رہنے دیجیے۔ جس کا بھاگیہ ہی برا ہے، اسے آپ کیا کریں گے۔

راجا نے کیکئی کو بھومی سے اٹھانے کی چیشٹا کرتے ہوئے کہا۔ مہارانی ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے دکھ ہوتا ہے۔ تمھیں گیات ہے، میں تم سے کتنا پریم کرتا ہوں۔ میں نے کبھی تمھاری اچھا کے ورودھ کوئی کام نہیں کیا۔ تمھیں جو شکایت ہو صاف صاف کہہ دو، میں پرتگیا کرتا ہوں کہ اسی سمے اسے پورا کردوں گا۔

کیکئی نے تیوریاں بدل کر کہا۔ آپ جتنا مجھ سے کہتے ہیں، اس کا ایک حصہ بھی کرتے تو میری حالت آج ایسی خراب نہ ہوتی، اب مجھے معلوم ہوا کہ آپ کا یہ پریم کیول باتوں کا ہے۔ آپ باتوں سے پیٹ بھرنا خوب جانتے ہیں۔ دنیا آپ کو وچن کا پکا کہتی ہے۔ آپ کے ونش میں لوگ وچن کے پیچھے جان دیتے چلے آئے ہیں، مگر مجھ سے تو آپ نے جتنے وعدے کیے، ان میں ایک بھی پورا نہ کیا۔ اب اور کس منہ سے مانگوں گی۔

راجا۔ مجھے یہ سن کر اتینت آشچریہ ہورہا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے، میں تمھارے ساتھ جتنے وعدے کیے وہ سب پورے کیے، وہ کون سا وعدہ ہے، جسے میں نے نہیں پورا کیا؟

اس سمے پورا کروں گا۔ بس تنک سی بات کے لیے تمھیں کوپ بھون میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی؟

کیکئی بھومی سے اٹھ کر بیٹھی اور بولی۔ یاد کیجیے آپ نے ایک بار مجھے دو وچن دیے تھے۔ جس دن آپ لڑائی میں گھائل ہوکر لوٹے تھے۔

راجا۔ ہاں، یاد آگیا۔ ٹھیک ہے۔ میں دو وردان دیے تھے۔ مگر تم نے ہی تو کہا تھا کہ جب مجھے ضرورت ہوگی، میں مانگ لوں گی۔

کیکئی۔ ہاں میں نے ہی کہا تھا۔ اب وہ سمے آگیا ہے۔ آپ انھیں پورا کرنے کو تیار ہیں؟

راجا۔ من اور پران سے۔ یدی تم جان بھی مانگو تو نکال کر دے دوں گا۔

کیکئی نے زمین کی طرف تاکتے ہوئے کہا۔ تو سنیے میرا پہلا وردان یہ ہے کہ رام کے بدلے بھرت کا تلک ہو، دوسرا یہ کہ رام کو چودہ برس کے لیے بنواس بھیجا جائے۔

اوہ نشٹھر کیکئی یہ تم نے کیا کیا؟ تجھے اپنے وردھ پتی پر تنک بھی دیا نہ آئی؟ کیا تجھے گیات نہیں کہ رام چندر ہی ان کے جیون آدھار ہیں۔ راجا کے چہرے کا رنگ پیلا پڑگیا۔ معلوم ہوا، سانپ نے کاٹ لیا۔ ٹھنڈی سانس بھرکر بولے۔ کیکئی کیا تمھارے منہ سے وش کی بوندیں ٹپک رہی ہیں؟ کیا تمھارے ہردئے میں رام کی اور سے اتنا مالینیہ ہے؟ رام کا آج سنسار میں کوئی برا چاہنے والا نہیں۔ وہ سب کی آنکھوں کا تارا ہے۔ تمھارا وہ جتنا آدر کرتا ہے، اتنا اپنی شاید ماں کا نہیں کرتا۔ تم نے آج تک اس کی شکایت نہ کی، بلکہ ہمیشہ اس کے شیل ونے کی تعریف کیا کرتی تھی! آج یہ کایا پلٹ کیوں ہوگیا؟ اوشیہ کسی شترو نے تمھارے کان بھرے ہیں اور رام کی برائیاں کی ہیں۔

کیکئی نے تنک کر کہا۔ کان تمھارے بھرے ہیں، میرے کان نہیں بھرے گئے ہیں۔ اپنا لابھ اور ہانی جانور تک سمجھتے ہیں۔ کیا میں جانوروں سے بھی گئی بیتی ہوں؟ نتیہ دیکھ رہی ہوں کہ میرا باغ اجاڑ کیا جارہا ہے۔ کیا اس کی رکچھا نہ کروں؟ اپنی گردن پر تلوار چلانے دوں؟ آپ کو میں اب تک نرمل ہردئے سمجھتی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ آپ بھی کیول باتوں سے پریم کے ہرے بھرے باغ دکھاکر مجھے نشٹ کرنا چاہتے ہیں۔ کوشلیا رانی نے آپ کو خوب منتر پڑھایا ہے۔ اس ناگن کے کاٹے کی دوا نہیں۔ اب میں بھی دکھادوں گی کہ کیکئی

بھی راجا کی لڑکی ہے، کسی شودر چمار کی نہیں کہ ان چالوں کو نہ سمجھے۔

راجا۔ کیکئی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں نے رام کے تلک کا نشچے سوئیم کیا۔ کوشلیا نے اس وشے میں مجھ سے ایک شبد بھی نہیں کہا۔ تمھارا ان پر سندیہہ کرنا انیائے ہے۔ رام نے بھی بھرت کے وردھ ایک شبد نہیں کہا۔ میرے لیے رام اور بھرت دونوں برابر ہیں۔ کنتو ادھیکار تو بڑے لڑکے کا ہی ہے۔ یدی میں بھرت کا تلک کرنا بھی چاہوں تو تم سمجھتی ہو بھرت اسے سویکار کرے گا؟ کداپی نہیں، بھرت کے لیے یہ اسمبھو ہے کہ وہ رام کا ادھیکار چھین کر پرسن ہو۔ رام اور بھرت ایک پران دو شریر ہیں۔ تم نے اتنے دنوں کے بعد وردان بھی مانگے تو ایسے جو اس گھر کو نشٹ کردیں گے۔ شاید اس راجیہ کا انت ہی کردے! کھید!

کیکئی نے انگلی نچا کر کہا۔ اچھا تو کیا آپ نے سمجھا تھا کہ میں آپ سے کھیلنے کے لیے گڑیا مانگوں گی؟ کیا کسی مزدور کی لڑکی ہوں؟ اب ان چکنی چپڑی باتوں میں آپ مجھے نہ پھنساسکیں گے۔ آپ کو اور اس گھر کے آدمیوں کو خوب دیکھ چکی، آنکھیں کھل گئیں۔ یدی آپ کو وچن کے سچے بننے کا دعوا ہے تو میرے دونوں وردان پورے کیجیے۔ انیتھا رگھو ونش ہونے کا گھمنڈ نہ کیجیے۔ یہ کلنک سدیو کے لیے اپنے ماتھے پر لگا لیجیے کہ رگھوکل کے راجا دشرتھ نے وعدے کیے تھے پر جب انھیں پورا کرنے کا سمے آیا تو صاف نکل گئے۔

راجا نے تلملا کر کہا۔ کیکئی کیوں جلے پر نمک چھڑکتی ہو، میں اپنے وچن سے کبھی نہیں پھروں گا۔ چاہے اس میں میرا جیون، میرے ونش اور میرے راجیہ کا انت ہی کیوں نہ ہو جائے۔ شاید برہما نے رام کے بھاگیہ میں بنواس ہی لکھا ہو۔ شاید اسی بہانے سے اس ونش کا ناش لکھا ہو۔ کنتو اس کا اپ یش سدا کے لیے تمھارے نام کے ساتھ لگا رہے گا۔ میں تو شاید یہ چوٹ کھا کر جیوت نہ رہوں گا مگر میری یہ بات باندھ لو کہ رام کو بنواس دے کر تم بھرت کے راجیہ کا سکھ نہ دیکھ سکوگی۔

کیکئی نے جھلا کر کہا۔ یہ آپ بھرت کو شاپ کیوں دیتے ہیں؟ بھرت راجا ہوں گے۔ آپ کو انھیں راجیہ دینا پڑے گا۔ وہ راجا ہوجائیں، یہی میرا ابھیلاشا ہے، میں سکھ دیکھنے کے لیے جیوت رہوں گی یا نہیں، اس کا حال ایشور جانے۔

راجا۔ یہ تو میں بڑی پرسنتا سے کرنے کو تیار ہوں، میرے لیے رام اور بھرت میں

کوئی انتر نہیں۔ میں اسی سے بھرت کو بلانے کے لیے آدمی بھیج سکتا ہوں۔ جیوں ہی وہ آجائیں گے۔ ان کے تلک ہوجائے گا۔ کنتو رام کو بنواس دیتے ہوئے میرے ہردئے کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں۔ ہائے! میرا پیارا راجکمار چودہ ورش تک جنگلوں میں کیسے رہے گا؟ جو سدا پھولوں کی سیج پر سویا، وہ پتھر کی چٹانوں پر گھاس پات کا بچھونا بچھا کر کیسے سوئے گا؟ کیکئی ایشور کے لیے مجھ پر دیا کرو اس ونش پر دیا کرو۔ اپنا دوسرا وردان پورا کرنے کے لیے مجھے وِوَش نہ کرو۔

کیکئی نے راجا کی اور دیکھ کر آنکھیں نچائیں اور بولی۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ میں اپنے وچن پورے نہ کروں گا۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھتی کہ رام کے رہتے بے چارا بھرت کبھی آرام سے نہیں بیٹھنے پائے گا۔ رام اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے پرجا کا ہردئے وش میں کر کے راجیہ میں کرانتی کرادیں گے۔ بھرت کا جیوت رہنا کٹھن ہوجائے گا۔ میرے دونوں وردان آپ کو پورے کرنے پڑیں گے۔ اب آپ کے دھوکے میں نہ آؤں گی۔

راجا سمجھ گئے کہ کیکئی کو سمجھانا اب بیکار ہے۔ میں جتنا ہی سمجھاؤں گا، اتنا ہی یہ جھلائے گی۔ سر تھام کر سوچنے لگے کہ کیا جواب دوں۔ معلوم ہوتا ہے، آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا ہے۔ کوئی ہردئے کو چیرے ڈالتا ہے۔ ہائے جیون کی ساری ابھیلاشائیں دھول میں ملی جارہی ہیں۔ ایشور! یدی تمھیں یہی کرنا تھا تو بیٹے ویسے ہی کیوں۔ بلا سے نیہ سنتان رہتا۔ یوا بیٹے کا دکھ تو نہ دیکھنا پڑتا۔ یہ تین تین وِواہ کرنے کا پھل ہے! بڑھاپے میں اس سے ادھیک مورکھ دنیا میں کوئی نہیں، جو بڑھاپے میں وِواہ کرتا۔ یہ جان بوجھ کر وش کا پیالا پیتا ہے۔ کیا صبح ہوتے ہی رام مجھ سے الگ ہوجائے گے۔ میرا پیارا ہردئے کا ٹکڑا جنگل کی راہ لے گا۔ بھگوان اس کے پہلے کہ اس کے بنواس کی آگیا میرے منھ سے نکلے۔ تم مجھے اس دنیا سے اٹھا لینا۔ اس کے پہلے میں اسے سادھوؤں کے بھیش میں بن کی اور جاتے دیکھوں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ میری آگیا ماننا آسویکار کردیتا۔ کیکئی راجا کو چنتا میں ڈوبے ہوئے دیکھ کر بولی۔ آپ سوچ کیا رہے ہیں؟ بولیے میری باتیں سویکار کرتے ہیں یا نہیں؟

راجا نے آنسوؤں سے بھرے ہوئی آنکھوں سے کیکئی کو دیکھ کر کہا۔ رانی یہ پوچھنے کی بات نہیں۔ اپنے وچن سے نہ پھروں گا۔ تمھاری دونوں باتیں سویکار ہے۔ تم اتنی سندر ہوکر ہردئے سے اتنی کلشپورن ہو اس کا مجھے انومان، وچار تک نہ تھا۔ میں نہ جانتا تھا کہ تم میرے

دونوں وردانوں کا یہ پریوگ کرو گی۔ خیر تمھارا راجیہ تمھیں سکھی کرے، پیارے رام مجھے چھما کرنا۔ تمھارا پتا جس نے تمھیں گود میں کھلایا آج ایک استری چھل میں پڑکر تمھاری گردن پر تلوار چلا رہا ہے۔ کنتو بیٹا دیکھنا، رَگھوکل کے نام پر کلنک نہ لگنے پائے۔

یہ کہتے کہتے راجا موچھت ہوگئے۔ کیکئی دل میں پرسن ہورہی تھی، کل سے ایودھیا میں میرے نام کا ڈنکا بجے گا۔ وہ سویرے کسی دوت کو کشمیر بھیج کر بھرت کو بلانے کا نشچے کررہی تھی۔ آہ! وہ گھڑی کتنی شبھ ہوگی، جب بھرت ایودھیا کے راجا ہوں گے! راجا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کروٹ بدلتے اور کراہتے رہتے تھے۔ ہائے رام! ہائے رام! اس کے اتر کت ان کے منہ سے کوئی شبد نہ نکلتا تھا۔

اس پرکار ساری رات بیت گئی۔ صبح کو شہر میں دھنی مانی وِدوان رشی منی اور دربار کے سبھا سد تلک کا اَنُشٹھان کرنے کے لیے اپستھت ہوئے۔ ہون کنڈ میں آگ جلائی گئی۔ آچاریہ لوگ ویدمنتروں کا پاٹھ کرنے لگے۔ بھکشوؤں کا ایک دَل دان کے روپے لینے کے لیے پھاٹک پر اکترت ہوگیا۔ لوگوں کی آنکھیں راج محل کے دُوار کی اُور لگی ہوئی ہیں۔ راجا صاحب آج کیوں اتنا وِلمب کررہے ہیں۔ ہر آدمی اپنے پاس بیٹھے آدمی سے یہی پرشن کررہا ہے۔ شاید راجسی پوشاک پہن رہے ہوں۔ کنتو نہیں وہ تو بہت تڑکے اٹھا کرتے ہیں۔ اندر سے کوئی سماچار بھی نہیں آتا۔ رام چندر اسنان پوجا سے نِورت ہوکر بیٹھے ہیں۔ کوشلیا کی پرسنتا کا انومان کون کرسکتا ہے؟ پرساد میں منگل گیت گائے جارہے ہیں۔ دوار پر نوبت بج رہی ہے۔ پردشرتھ کا پتہ نہیں۔

انت میں گرو وشِشٹھ نے ساعت ٹلتے دیکھ کر منتری اسمنتر کو محل میں بھیجا کہ جاکر مہاراج کو بلا لاؤ۔

سمنتر اندر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مہاراج بھومی پر پڑے کراہ رہے ہیں۔ اور کیکئی دوار پر کھڑی ہے۔ سمنت نے رانی کو پرنام کیا اور بولے ۔ مہاراج کی نیند ابھی نہیں ٹوٹی؟ باہر گرو وشِشٹھ جی بیٹھے ہوئے ہیں۔ تلک کا مہورت ٹلا جاتا ہے۔ آپ تنک انھیں جگادیں۔

کیکئی بولی۔ مہاراج کو پرسنتا کے مارے آج رات بھر نیند نہیں آئی۔ اس سے تنک آنکھ لگ گئی ہے۔ ابھی جگادوں گی تو ان کا سر بھاری ہوجائے گا۔ تم تنک جاکر رام چندر کو اندر بھیج دو۔ مہاراج ان سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

سُمنتر نے یہ درشیہ دیکھ کر تاڑ لیا کہ اوشیہ کوئی شڈ یںتر اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ جاکر رام چندر جی سے یہ سندیش کہا۔ رام چندر جی ترنت اندر آکر راجا دشرتھ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور پرنام کرکے بولے۔ پتاجی میں اُپستھت ہوں، مجھے کیوں اسمرن کیا ہے؟

دشرتھ نے ایک بار بے بس نگاہوں سے رام چندر کو دیکھا ور ٹھنڈی سانس بھرکر سر جھکالیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ رام چندر کو سندیہہ ہوا کہ سمبھوتہ آج مہاراج مجھ سے اپرسن ہیں۔ بولے۔ ماتاجی! پتاجی نے میری باتوں کا کچھ بھی اتر نہیں دیا، شاید وہ مجھ سے ناراض ہیں۔

کیکئی بولی۔نہیں بیٹا، وہ تم سے ناراض نہیں ہیں، تم سے وہ اتنا پریم کرتے ہیں، تم سے کیوں ناراض ہونے لگیں۔ وہ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ کنتو اس بھے سے کہ شاید تمھیں برا معلوم ہو یا تم ان کی آگیا نہ مانو، کہتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ اس لیے اب مجھی کو کہنا پڑے گا۔ بات یہ ہے کہ مہاراج نے مجھے دو وچن دیے تھے۔ آج یہ ان وچنوں کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ یدی تم انھیں پورا کرنے کو تیار ہو، تو میں کہوں۔

رام نے نڈر بھاو سے کہا۔ ماتا جی، میرے لیے پتا کی آگیا ماننا کرتویہ ہے۔ سنسار میں ایسا کوئی بل نہیں جو مجھے یہ کرتویہ پالن کرنے سے روک سکے۔ آپ تنک بھی ولمب نہ کریں۔ میں سر آنکھوں پر ان کی آگیا کا پالن کروں گا۔ میرے لیے اس سے ادھیک اور کیا سوبھاگیہ کی بات ہوگی۔

کیکئی۔ ہاں، سپتر بیٹوں کا دھرم تو یہی ہے۔ مہاراج نے اب تمھاری جگہ بھرت کا تلک کرنے کا نرنے کیا ہے۔ اور تمھیں چودہ برس کے لیے بنواس دیا ہے۔ مہاراج یہ باتیں اپنے منہ سے نہ کہہ سکیں گے۔ مگر وہ جو کچھ چاہتے ہیں، وہ میں نے تم سے کہہ دیا۔ اب ماننا تمھارے ادھیکار میں ہے۔ یہ تم نے نہ مانا، تو دنیا میں راجا پر یہ ابھیوگ لگے گا کہ انھوں نے اپنے وچن کو پورا نہ کیا اور تمھارے سر یہ کہ پتا کی آگیا نہ مانی۔

رام چندر یہ آگیا سن کر تھوڑی دیر کے لیے سہم اٹھے۔ کیا سمجھتے تھے کیا ہوا۔ ساری پرستھتی ان کی سمجھ میں آگئی۔ یدی وہ چاہتے تو اس آگیا کی چنتا نہ کرتے۔ ساری ایودھیا ان کے نام پر مرتی تھی۔ پرنتو سُشیل بیٹے پتا کی آگیا کو ایشور کی آگیا سمجھتے ہیں۔

رام نے اسی سمے نشچے کرلیا کہ مجھ پر جو کچھ بیتے، پتا کی آگیا ماننا نشچت ہے۔

بولے۔ ماتا جی، میری اور سے آپ تنک بھی چنتا نہ کریں۔ میں آج ہی ایودھیا سے چلا جاؤں گا۔ آپ کسی دوت کو بھیج کر بھرت کو بلا بھیجیے۔ مجھے ان کے راج تلک ہونے کا لیش ماتر بھی کھید نہیں ہے۔ میں ابھی ماتا کوشلیا سے پوچھ کر اور سیتا جی کو آشواسن دے کر جنگل کی راہ لوں گا۔

یہ کہہ کر رام چندر نے راجا کے چرنوں پر سر جھکایا۔ ماتا کیکئی کو پرنام کیا ور کمرے سے باہر نکلے۔ راجا دشرتھ کے منہ سے دکھ یا کھید کا ایک شبد بھی نہ نکلا۔ وانی ان کے ادھیکار میں نہ تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نسوں کی راہ جان نکلی جا رہی ہے۔ جی میں آتا تھا کہ رام کے پیر پکڑ کر روک لوں۔ اپنے اوپر کرودھ آ رہا تھا۔ کیکئی کے اوپر کرودھ آ رہا تھا۔ ایشور سے پرارتھنا کر رہے تھے کہ مجھے مرتیو آ جائے۔ اسی سمے اس جیون کا انت ہو جائے۔ چھاتی پھٹی جاتی تھی۔ آہ! میرا پیارا بیٹا! اس طرح چلا جا رہا ہے اور میں زبان سے ڈھارس کا ایک واکیہ بھی نہیں نکال سکتا۔ کون پتا اتنا نردئی ہوگا؟ یہ سوچتے سوچتے راجا کو مورچھا آ گئی۔

رام چندر یہاں سے کوشلیا کے پاس پہنچے۔ وہ اس سمے نردھنوں کو انّ اور وستر دینے کا پربندھ کر رہی تھیں۔ رام کو دیکھتے ہی بولیں۔ کیا ہوا بیٹا راجا باہر گئے کہ نہیں؟ آپ تو دیر ہو رہی ہیں۔

رام چند نے آواز کو سنبھال کر کہا۔ ماتا جی، معاملہ کچھ اور ہو گیا۔ مہاراج نے اب بھرت کو راج دینے کا نرنے کیا ہے اور مجھے چودہ برس کے بنواس کی آگیا دی ہے۔ میں آپ سے آگیا لینے آیا ہوں، آج ہی ایودھیا سے چلا جاؤں گا۔

رانی کوشلیا کو مورچھا سی آ گئی۔ رام چندر کی اور نستیج آنکھوں سے دیکھتی رہ گئیں، جیسے کوئی مٹی کی مورتی ہوں۔

لچھمن بھی وہیں کھڑے تھے۔ یہ بات سنتے ہی ان کے تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں، بولے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کداپی نہیں ہو سکتا۔ بھرت کبھی لچھمن کے جیتے جی ایودھیا کے راجا نہیں ہو سکتے۔ آپ چھتریے ہیں۔ چھتریے کا دھرم ہے، اپنے ادھیکار کے لیے یُدھ کرنا۔ ساری ایودھیا، سارا کوشل آپ کی اور ہے۔ سینا آپ کا سنکیت پاتے ہی آپ کی اور ہو جائے گی۔ بھرت اکیلے کر ہی کیا سکتے ہیں۔ یہ سب رانی کیکئی کا شڈیَنتر ہے۔

رام چندر نے لکچھمن کی اور پریم پورن نیتروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ بھیا کیسی باتیں کرتے ہو! رگھوکل میں جنم لے کر پتا کی آگیا نہ مانوں، تو سنسار کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ بھاگیہ میں جو لکھا ہے، یہ پورا ہو کر رہے گا۔ اسے کون ٹال سکتا ہے؟

لکچھمن۔ بھائی صاحب! بھاگیہ کی آڑ وہ لوگ لیتے ہیں جن میں پراکرم اور ساہس نہیں ہوتا۔ آپ کیوں بھاگیہ کی آڑ لیں؟ آپ کی بھنوؤں کے ایک سنکیت پر ساری ایودھیا میں طوفان آجائے گا۔ بھاگیہ ساہس کا داس ہے اس کا راجا نہیں؟ یدی آپ مجھے آگیا دیں تو میں اس دھنش اور بان کے بل سے بھاگیہ کو آپ کے چرنوں میں گرادوں۔ پھر آپ سے مہاراج نے اپنی جیبھ سے تو کچھ کہا نہیں۔ کیا یہ سمجھو نہیں کہ رانی کیکئی نے اپنی اور سے یہ شڈ یَنتر کیا ہو؟

رانی کوشلیا نے آنسو پوچھتے ہوئے کہا۔ بیٹا! مجھے اس بات کی تو بچی خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے پوگیتم پتا کی آگیا ماننے کے لیے اپنے جیون کی بلی دینے کے لیے تیار ہو، کنتو مجھے تو ایسا پرتیت ہوتا ہے کہ لکچھمن کا وچار ٹھیک ہے۔ کیکئی نے اپنی اور سے یہ چھل رچا ہے۔

رام چندر نے آدر کے ساتھ کہا۔ کیکئی ماتا جی، پتا جی وہیں موجود تھے۔ یدی رانی کیکئی نے ان کی اچھا کے وردھ کوئی بات کہی ہوتی، تو کیا وہ کچھ آپتی نہ کرتے؟ نہیں ماتا جی، دھرم سے منہ موڑنے کے لیے حیلے ڈھونڈنا میں دھرم کے وردھ سمجھتا ہوں۔ کیکئی نے جو کچھ کہا ہے، پتاجی کی سویکرتی سے کہا ہے۔ میں ان کی آگیا کو کسی پرکار نہیں ٹال سکتا۔ آپ مجھے اب جانے کی انومتی دیں۔ یدی جیوت رہا تو پھر آپ کے چرنوں کی دھولی لوں گا۔

کوشلیا نے رام چندر کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔ بیٹا آخر میرا بھی تو تمھارے اوپر ادھیکار ہے! یدی راجا نے تمھیں بن جانے کی آگیا دی ہے، تو میں تمھیں اس آگیا کو ماننے سے روکتی ہوں۔ یدی تم میرا کہنا نہ مانوگے، تو میں انّ جل تیاگ دوں گی اور تمھارے اوپر ماتا کی ہتیا کا پاپ لگے گا۔

رام چندر نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔ ماتا جی مجھے کرتویہ کے سیدھے راستے سے نہ ہٹایئے، انیتھا جہاں مجھ پر دھرم کو توڑنے کا پاپ لگے گا، وہاں آپ بھی اس پاپ سے نہ بچ سکیں گی۔ میں بن اور پربت چاہے جہاں رہوں، میری آتما سدا آپ کے چرنوں کے پاس اپستھت رہے گی۔ آپ کا پریم بہت رُلائے گا۔ آپ کی پریم مئی مورتی دیکھنے کے لیے

آنکھیں بہت روئیں گی۔ پر بنواس میں یہ کشٹ نہ ہوتے ہوں تو بھاگیہ مجھے وہاں لے ہی کیوں جاتا۔ کوئی لاکھ کہے پر میں اس وچار کو دور نہیں کرسکتا کہ بھاگیہ ہی مجھے یہ کھیل کھلا رہا ہے۔ انیتھا کیا کیکئی سی دیوی مجھے بنواس دیتیں!

لچھمن بولے۔ کیکئی کو آپ دیوی کہیں، میں نہیں کہہ سکتا!

رام چندر نے لچھمن کی اور پرسنتا کے بھاؤ سے دیکھ کر کہا۔ لچھمن میں جانتا ہوں کہ تمھیں بنواس سے بہت دکھ ہو رہا ہے، کنتو میں تمھارے منہ سے ماتا کیکئی کے وشے میں کوئی انادر کی بات نہیں سن سکتا۔ کیکئی ہماری ماتا ہیں، تمھیں ان کا سمان کرنا چاہیے۔ میں اس لیے بنواس نہیں لے رہا ہوں کہ یہ کیکئی کی اچھا ہے۔ کنتو اس لیے کہ یدی میں نہ جاؤں تو مہاراج کا وچن جھوٹا ہوتا ہے۔ دوچار دن میں بھرت آجائیں گے، جیسا مجھ سے پریم کرتے ہو ویسے ہی ان سے پریم کرنا۔ اپنے وچن یا کرم سے یہ کداپی نہ دکھانا کہ تم ان کے اہت کی اچھا رکھتے ہو، بار بار میری چرچا بھی نہ کرنا، انیتھا شاید بھرت کو برا لگے۔

لچھمن نے کرودھ سے لال ہوکر کہا۔ بھیا، بار بار بھرت کا نام نہ لیجیے۔ ان کے نام ہی سے میرے شریر میں آگ لگ جاتی ہے۔ کسی پرکار کرودھ کر روکنا چاہتا ہوں، کنتو ادھیکار کو یوں مٹتے دیکھ کر ہردئے وش سے باہر ہوجاتا ہے۔ بھرت کا راجیہ پر کوئی ادھیکار نہیں۔ راجیہ آپ کا ہے اور میرے جیتے جی کوئی آپ سے اسے نہیں چھین سکتا۔ چھتریے اپنے ادھکار کے لیے لڑکر مر جاتا ہے میں رکت کی ندی بہادوں گا۔

لچھمن کا کرودھ بڑھتے دیکھ کر رام نے کہا۔ لچھمن، ہوش میں آؤ۔ یہ کرودھ اور یدھ کا سمے نہیں ہے۔ یہ مہاراج دشرتھ کے وچن نبھانے کی بات ہے۔ میں اس کرتویہ کو کسی بھی دشا میں نہیں توڑ سکتا۔ میرا بَن جانا نشچت ہے۔ کرتویہ کے مقابلے میں شاریرک سکھ کا کوئی مؤلیہ نہیں۔

لچھمن کو جب گیات ہوگیا کہ رام چندر نے جو نشچت کیا ہے اس سے ٹل نہیں سکتے تو بولے۔ اگر آپ کا یہی نرنے ہے تو مجھے بھی ساتھ لیتے چلیے۔ آپ کے بنا میں یہاں ایک دن بھی نہیں رہ سکتا۔ جب آپ بَن میں گھومیں گے تو میں اس محل میں کیوں کر رہ سکوں گا۔ آپ کے بنا یہ راجیہ مجھے شمشان سا لگے گا۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا، کبھی آپ کے چرنوں سے الگ نہیں ہوا۔ اب بھی ان سے لپٹا رہوں گا۔

رام چندر نے لکچھمن کو پریم پورن نیتروں سے دیکھا۔ چھوٹے بھائی کو مجھ سے کتنا پریم ہے! میرے لیے جیون کے سارے سکھ اور آنند پر لات مارنے کے لیے تیار ہے۔ بولے۔ نہیں لکچھمن اس وچار کو تیاگ دو۔ بھلا سوچو تو جب تم بھی میرے ساتھ چلے جاؤ گے، تو ماتا سُمترا اور کوشلیا کس کا منھ دیکھ کر رہیں گی؟ کون ان کے دکھ کے بوجھ کو ہلکا کرے گا؟ بھرت کے راجا ہونے پر رانی کیکئی سفید اور کالے کی مالک ہوں گی۔ سمبھو ہے وہ ہماری ماتاؤں کو کسی پرکار کا کشٹ دیں۔ اس سمے کون ان کی سہایتا کرے گا؟ نہیں، تمھارا میرے ساتھ چلنا اُچت نہیں۔

لکچھمن۔ نہیں بھائی صاحب! میں آپ کے بنا کسی پرکار نہیں رہ سکتا۔ بھرت کی اور سے اس پرکار کا بھے نہیں ہوسکتا۔ وہ اتنا ڈرپوک اور نیچ نہیں ہوسکتا۔ رگھو کے ونش میں ایسا مُنشیہ پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ آپ کا ساتھ میں کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا۔

رام چندر نے بہت سمجھایا، کنتو جب لکچھمن کسی طرح نہ مانے تو انھوں نے کہا۔ اچھا، یدی تم نہیں مانتے تو میں تمھارے ساتھ اتیا چار نہیں کرسکتا۔ کنتو پہلے جاکر سمترا سے پوچھ آؤ۔

لکچھمن نے سمترا سے بن جانے کی انومتی مانگی تو انھوں نے اسے ہردے سے لگاکر کہا شوق سے بن جاؤ بیٹا! میں تمھیں خوشی سے آگیا دیتی ہوں۔ دکھ میں بھائی ہی بھائی کے کام آتا ہے۔ رام سے تمھیں جتنا پریم ہے۔ ان کی مانگ یہی ہے کہ تم اس کٹھن سمے میں ان کا ساتھ دو۔ میں سدا تمھیں آشیرواد دیتی رہوں گی۔

اسی سمے سیتا جی کو بھی رام چندر کے بنواس کا سماچار ملا۔ وہ اچھے اچھے آبھوشنوں سے سجت ہوکر راج تلک کے لیے تیار تھیں۔ یکا یک یہ دکھد سماچار ملا اور معلوم ہوا کہ رام اکیلے جانا چاہتے ہیں، تو دوڑی ہوئی آکر ان کے چرنوں پر گر پڑی اور بولیں۔ سوامی، آپ بن جاتے ہیں تو میں یہاں اکیلے کیسے رہوں گی۔ مجھے بھی ساتھ چلنے کی انومتی دیجیے۔ آپ کے بنا مجھے یہ محل پہاڑ کھائے گا۔ پھولوں کی سیج کانٹوں کی طرح گڑے گی۔ آپ کے ساتھ جنگل بھی میرے لیے باغ ہے، آپ کے بنا باغ بھی جنگل ہے۔

کوشلیا نے سیتا کو گلے سے لگاکر کہا۔ بیٹی! تم بھی چلی جاؤ گی، تو میں کس کا منہ دیکھ کر جیوں گی۔ پھر تو گھر ہی سونا ہوجائے گا۔ سوچتی تھی کہ تمھیں کو دیکھ کر من میں سنتوش

کروں گی کنتو اب تم بھی بن جانے کو پرستت ہو۔ ایشور اب کون سا دکھ دکھانا چاہتے ہو؟ کیوں اس اَبھاگن کو نہیں اٹھا لیتے؟

رام چندر کو یہ وچار بھی نہ ہوا کہ سیتا جی ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہوں گی۔ سمجھاتے ہوئے بولے۔ سیتا اس وچار کا تیاگ کردو۔ جنگل میں بڑی بڑی کٹھنائیاں ہوں۔ پگ پگ پر جنتوؤں کا بھے، جنگل کے ڈراونے آدمیوں سے واسطہ، راستہ کانٹوں اور کنکروں سے بھرا ہوا۔ بھلا تمھارا کومل شریر یہ کٹھنائیاں کیسے جھیل سکے گا؟ پتھر کی چٹانوں پر تم کیسے سوؤ گی؟ پہاڑوں کا پانی ایسا خراب ہوتا ہے کہ طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ تم ان تکلیفوں کو کس طرح برداشت کرسکو گی؟

سیتا آنکھوں میں آنسو بھر کر بولیں۔ سوامی جب آپ میرے ساتھ ہوں گے تو مجھے کس بات کا بھے ہوگا۔ وہ خوشی ساری تکلیفوں کو مٹادے گی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ جنگلوں میں طرح طرح کی کٹھنائیاں جھیلیں اور میں راج محل میں آرام سے سوؤں۔ استری کا دھرم اپنے پتی کا ساتھ دینا ہے، وہ دکھ اور سکھ ہر دشا میں اس کی سنگنی رہتی ہے۔ یہی اس کا سب سے بڑا کرتویہ ہے۔ یدی آپ سیر اور من بہلاؤ کے لیے جاتے ہوتے، تو میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے ادھک آگرہ نہ کرتی کنتو یہ جان کر کہ آپ کو ہر طرح کا کشٹ ہوگا، میں کسی طرح نہیں رک سکتی۔ میں آپ کے راستے سے کانٹے چنوں گی آپ کے لیے گھاس اور پتوں کی سیج بناؤں گی۔ آپ سوئیں گے تو آپ کو پنکھا جھلوں گی۔ اس سے بڑھ کر کسی استری کو کیا سکھ ہوسکتا ہے؟

رام چندر نروتر ہوگئے۔ اسی سمے تینوں آدمیوں نے راجسی پوشاکیں اتاردیں اور بھکشکوں کا سا سادا کپڑا پہن کر کوشلیا سے آکر بولے۔ ماتا جی! اب ہم کو چلنے کی انومتی دیجیے۔

کوشلیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، بیٹا، کس منہ سے جانے کو کہوں۔ من کو کسی پرکار سنتوش نہیں ہوتا۔ دھرم کا پرشن ہے روک بھی نہیں سکتی۔ جاؤ! میرا آشیرواد سدا تمھارے ساتھ رہے گا۔ جس طرح پیٹھ دکھاتے ہو، اسی طرح منہ بھی دکھانا۔ کہتے کہتے کوشلیا رانی دکھ سے مورچھا کھا کر گر پڑیں۔ یہاں سے تینوں آدمی سمترا کے پاس گئے اور ان کے چرنوں پر سر جھکا کر رانی کیکئی کے کوپ بھون میں مہاراج دشرتھ سے وداع لینے گئے۔ راجا مرتک

شریر کے سمان نشپران اور نسپد پڑے تھے۔ تینوں آدمیوں نے باری باری سے ان کے چرنوں پر سر جھکایا۔ تب رام بولے۔ مہاراج! میں تو اکیلا ہی جانا چاہتا تھا۔ کنتو لچھمن اور جانکی کسی پرکار میرا ساتھ نہیں چھوڑتے، اس لیے انھیں بھی لیے جاتا ہوں۔ ہمیں آشیرواد دیجیے۔

یہ کہہ کر جب تینوں آدمی وہاں سے چلے تو راجا دشرتھ نے زور سے رو کر کہا۔ ہائے رام! تم کہاں چلے؟ ان پر ایک پاگل پن کی سی دشا آگئی۔ بھلے اور برے کا وچار نہ رہا۔ دوڑے کہ رام کو پکڑ کر روک لیں کنتو مورچھا کھا کر گر پڑے۔ رات ہی بھر مین ان کی دشا ایسی خراب ہوگئی تھی کہ مانو برسوں کے روگی ہیں۔

ایودھیا میں یہ خبر مشہور ہوگئی تھی۔ لاکھوں آدمی راج بھون کے دروازوں پر ایکترت ہوگئے تھے۔ جب یہ تینوں بھکشکوں کے بھیس میں رنواس سے نکلے تو ساری پرجا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سب ہاتھ جوڑ جوڑ کر کہتے تھے، مہاراج! آپ نہ جائیں ہم چل کر مہارانی کیکئی کے چرنوں پر سر جھکائیں گے، مہاراج سے پرارتھنا کریں گے۔ آپ نہ جائیں۔ ہائے اب کون ہمارے ساتھ ہمدردی کرے گا، ہم کس سے اپنا دکھ کہیں گے، کون ہماری سنے گا۔ ہم تو کہیں کے نہ رہے۔

رام چندر نے سب کو سمجھا کر کہا۔ دکھ میں دھریہ کے سوا اور کوئی چارا نہیں۔ یہی آپ سے میری بنتی ہے۔ میں سدا آپ لوگوں کو یاد کرتا رہوں گا۔

راجا نے سُمنتر کو پہلے ہی سے بلا کر کہہ دیا تھا کہ جس پرکار ہو سکے رام سیتا اور لچھمن کو واپس لانا۔

سُمنتر رتھ تیار کیے کھڑا تھا۔ رام چندر نے پہلے سیتا جی کو رتھ میں بٹھایا پھر دونوں بھائی بیٹھے اور سُمنتر کو رتھ چلانے کا آدیش دیا۔ ہزاروں آدمی رتھ کا پیچھے دوڑے اور بہت سمجھانے پر بھی رتھ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر شام کو جب لوگ تمسا ندی کے کنارے پہنچے تو رام نے انھیں ولاسا دے کر وداع کیا۔

ادھر ایودھیا میں کہرام مچا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا سارا شہر اجاڑ ہوگیا ہے۔ جہاں کل سارا شہر دیپکوں سے جگمگا رہا تھا، وہاں آج اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ صبح جہاں منگل گیت ہو رہے تھے، وہاں اس سمے ہر گھر سے رونے کی آوازیں آتی تھیں۔ دکانیں بند تھیں۔ جہاں دو آدمی مل جاتے، یہی چرچا ہونے لگتی۔ بیٹا ہو تو ایسا! پتا کی آگیا پاتے ہی راج پاٹ کو لات مار

دی۔ سنسار میں ایسا کون ہوگا۔ بڑے بڑے راجا ایک بالشت زمین کے لیے لڑتے مرتے ہیں۔ بھائی بھی تو ایسا ہو۔ سب سے ادھک پرشنسا سیتا جی کی ہو رہی تھی، پروشوں کے لیے جنگل کی کٹھنائی سہنا کوئی مشکل بات نہیں پرنتو استری کے لیے اسے سہن کرنا بہت کٹھن بات ہے۔ ستی استریاں ایسی ہوتی ہیں سچ ہے۔ گو سے میں ہی استری اور متر کی پرکھ ہوتی ہے۔

ادھر رنواس شوک گرہ بنا ہوتا تھا کسی کو تن بدن کی سدھ نہ تھی۔

راجا دشرتھ کی مرتیو

تمسا ندی کو پار کرکے پہر رات جاتے جاتے رام چندر گنگا کے کنارے جا پہنچے۔ وہاں بھیل سردار گوہ کا راجیہ تھا۔ راما چندر کے آنے کا سماچار پاتے ہی اس نے آکر پرنام کیا۔ رام چندر نے اس کی نیچ جاتی کی تنک بھی چنتا نہ کرکے اسے ہردئے سے لگا لیا اور کشل چھیم پوچھا۔ گوہ سردار باغ باغ ہوگیا۔ کوشل کے راجکمار نے اسے ہردئے سے لگالیا، اتنا بڑا سمّان اس کے ونش میں اور کسی کو نہ ملا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔ آپ اس نردھن کی کٹیا کو اپنے چرنوں سے پوتر کیجیے۔ اس گھر کے بھی بھاگیہ جاگیں۔ جب میں آپ کا سیوک یہاں اپستھت ہوں تو آپ یہاں کیوں کشٹ اٹھائیں گے۔

رام چندر نے گوہ کا نمنترن سویکار نہ کیا۔ جسے بنواس کی آگیا ملی ہو، وہ نگر میں کس پرکار رہتا۔ وہیں ایک پیڑ کے نیچے رات بتائی۔ دوسرے دن پراتہ کال رام چندر نے سُمنتر سے کہا اب تم لوٹ جاؤ ہم لوگ یہاں سے پیدل جائیں گے۔ ماتا جی سے کہہ دینا کہ ہم لوگ کشل سے ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

سُمنتر نے روکر کہا۔ مہاراج دشرتھ نے تو مجھے آپ لوگوں کو واپس لانے کا آدیش دیا تھا۔ خالی رتھ دیکھ کر ان کی کیا دشا ہوگی! رام نے سُمنتر کو سمجھا بجھا کر وداع کیا۔ سُمنتر روتے ہوئے ایودھیا لوٹے۔ کنتو جب وہ نگر کے نکٹ پہنچے تو دن بہت شیش تھا۔ انھیں بھے ہوا کہ یدی ابھی سے ایودھیا چلا جاؤں گا، تو نگر کے لوگ ہزاروں پرشن پوچھ پوچھ کر پریشان کردیں گے۔ اس لیے وہ نگر کے باہر رکے رہے۔ جب سندھیا ہوئی تو نگر کی اور پروشٹ ہوئے۔

ادھر راجا دشرتھ اس پرتکشا میں بیٹھے تھے کہ شاید سُمنتر رام کو لوٹا لائے۔ آشا کا اتنا سہارا شیس تھا۔ کیکئی سے روشٹ ہوکر وہ کوشلیا کے محل میں چلے گئے۔ اور بار بار پوچھ رہے تھے کے سُمنترا ابھی لوٹا یا نہیں۔ دیپک جل گئے، ابھی سُمنتر نہیں آیا۔ مہاراج کی ولکلتا بڑھنے لگی۔ آخر سُمنتر راج محل میں پروشٹ ہوئے۔ دشرتھ انھیں دیکھ کر دوڑے اور دوار پر آکر پوچھا۔ رام کہاں ہیں؟ کیا انھیں واپس نہ لائے؟ سُمنترا کچھ بول نہ سکے، پر ان کا چہرہ دیکھ کر مہاراج کی انتم آشا کا تار ٹوٹ گیا۔ وہ وہیں مورچھا کھاکر گر پڑے اور ہائے رام ہائے رام

کہتے ہوئے سنسار سے وداع ہو گئے۔ مرنے سے پہلے انھیں اس اندھے تپسوی کی یاد آئی جس کے بیٹے کو آج سے بہت دن پہلے انھوں نے مار ڈالا تھا۔ وہ جس پرکار بیٹے کے لیے تڑپ تڑپ کر مر گیا اسی پرکار مہاراج بھی لڑکوں کے ویوگ میں تڑپ کر پرلوک سدھارے۔ ان کے شاپ نے آج پربھاؤ دکھایا۔

رنواس میں شوک چھا گیا۔ کوشلیا مہاراج کے مرت شریر کو گود میں لے کر ولاپ کرنے لگی۔ اس سمے کیکئی بھی آ گئی۔ کوشلیا اسے دیکھتے ہی کرودھ سے بولیں۔ اب تو تمھارا کلیجہ ٹھنڈا ہوگا اب خوشیاں مناؤ۔ ایودھیا کے راج کا سکھ لوٹو، چاہتی تھی نہ، لو، کامنائے پھلیبھت ہوئیں۔ اب کوئی تمھارے راجیہ میں ہستکچھیپ کرنے والا نہیں رہا۔ میں بھی کچھ گھڑیوں کی مہمان ہوں، لڑکا اور بہو پہلے ہی چلے گئے۔ سوامی نے بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ جیون میں میرے لیے کیا رکھا ہے۔ پتی کے ساتھ ستی ہو جاؤں گی۔

کیکئی چتر لکھت سی کھڑی رہی۔ داسیوں نے کوشلیا کی گود سے مہاراج کا مرت شریر الگ کیا اور کوشلیا کو دوسری جگہ لے جا کر آشواشن دینے لگیں۔ دربار کے دھنی مانیوں کو جیسے ہی خبر لگی، سب کے سب گھبرائے ہوئے آئے اور رانیوں کو دھیریہ بندھانے لگے۔ اس کے اُپرانت مہاراج کے مرت شریر کو تیل میں ڈبایا گیا جس سے سڑ نہ جائے اور بھرت کو بلانے کے لیے ایک وشواسی دوت پریشت کیا گیا۔ ان کے انترکت اب کریا کرم کون کرتا؟

بھرت کی واپسی

جس دن مہاراج دشرتھ کی مرتیو ہوئی۔ اسی دن رات کو بھرت نے کئی ڈراونے سوپن دیکھے۔ انھیں بڑی چنتا ہوئی کہ ایسے برے سوپن کیوں دکھائی دے رہے ہیں۔ نہ جانے لوگ ایودھیا میں کشل سے ہیں یا نہیں۔ نانا کی اُمتی مانگی پر انھوں نے دوچار دن اور رہنے کے لیے آگرہہ کیا۔ آخر جلدی کیا ہے۔ کشمیر کی خوب سیر کرلو تب جانا ایودھیا میں یہ ہردے کو ہرنے والے پراکرت سوندریہ کہاں ملیں گے۔ بے بس ہوکر بھرت کو رکنا پڑا۔ اس کے تیسرے دن دُوت پہنچا۔ اسے بھلی پرکار چیتا دیا گیا تھا کہ بھرت سے ایودھیا کی دشا کی ورنن نہ کرنا، اس لیے جب بھرت نے دوت سے پوچھا۔ کیوں بھئی، ایودھیا میں سب کشل ہے نا؟ تو اس نے کوئی خاص جواب نہ دے کر وِینگ سے کہا۔ آپ جن کی کشل پوچھتے ہیں وہ کشل سے ہیں، دوت بھی ہردئے سے بھرت سے اسنتشٹ تھا۔

بھرت جی کو کیا خبر کہ دوت اس ایک واکیہ میں کیا کہہ گیا۔ انھوں نے نانا اور ماما سے آگیا لی اور اسی دن شتروگھن کے ساتھ ایودھیا کے لیے پرستھان کیا۔ رتھ کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے والے تھے۔ تیسرے ہی دن وہ ایودھیا میں پروشٹ ہوئے۔ کنتو یہ نگر پر اداسی کیوں چھائی ہوئی ہے۔ نکر شری ہین سا کیوں ہورہا ہے؟ گلیوں میں دھول کیوں اڑ رہی ہے؟ بازار کیوں بند ہیں؟ راستے میں جو بھرت کو دیکھتا تھا، بنا ان سے کچھ بات کیے بنا کشل چھیم پوچھے یا پرنام کیے کترا کرنکل جاتا تھا۔ ان کے آگے بڑھ آنے پر لوگ کانا پھوسی کرنے لگتے تھے۔ بھرت کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ بھید کیا ہے، کوئی ان کی اُور آکرشٹ بھی نہ ہوتا تھا کہ اس سے کچھ پوچھیں۔ راج محل تک پہنچنا ان کے لیے کٹھن ہوگیا۔ راج محل پہنچے تو اس کی دشا اور بھی ہین تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی جان نکل گئی ہے، کیول مرت شریر شیش ہے۔ کھنّا براج رہی تھی۔ کئی دن سے دروازے پر جھاڑو تک نہ دی گئی تھی۔ دو چار سنتری کھڑے جماہیاں لے رہے تھے۔ وہ بھی بھرت کو دیکھ کر ایک کونے میں دُبک گئے، جیسے ان کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

دُوار پر پہنچتے ہی بھرت اور شتروگھن نے رتھ سے کود اندر پرویش کیا۔ مہاراج اپنے

کمرے میں نہ تھے۔ بھرت نے سمجھا اوشیہ کیکئی ماتا کے پرساد میں ہوں گے۔ وہ پرایہ کیکئی ہی کے پراساد میں رہتے تھے۔ لپکے ہوئے ماتا کے پاس گئے۔ مہاراج کا وہاں بھی پتہ نہ تھا۔ کیکئی ودھواؤں کے سے وستر پہنے کھڑی تھی۔ بھرت کو دیکھتے ہی وہ پھولی نہ سمائی۔ آکر بھرت کو گلے سے لگالیا اور بولی۔ جیتے رہو بیٹا۔ راستے میں کوئی کشٹ تو نہیں ہوا؟

بھرت نے ماتا کی اور آشچریہ سے دیکھ کر کہا۔ جی نہیں، بڑے آرام سے آیا۔ مہاراج کہاں ہیں؟ تنک انھیں پرنام تو کرلوں؟

کیکئی نے ٹھنڈی آہ کھینچ کر کہا۔ بیٹا، ان کی بات کیا پوچھتے ہو۔ انھیں پرلوک سدھارے تو آج ایک سپتاہ ہوگیا۔ کیا تم سے ابھی کسی نے نہیں کہا؟

بھرت کے سر پر جیسے شوک کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سر میں چکر سا آنے لگا۔ وہ کھڑے نہ رہ سکے۔ بھومی پر بیٹھ کر رونے لگے۔ جب تنک جی سنبھلا تو بولے۔ انھیں کیا ہوا تھا؟ ماتا جی؟ کیا بیماری تھی؟ ہائے! مجھ آبھاگے کو انتم درشن بھی پراپت نہ ہوئے۔

کیکئی نے سر جھکا کر کہا۔ بیماری تو کچھ نہیں تھی۔ رام، لچھمن اور سیتا کے بنواس کے شوک سے ان کی مرتیو ہوئی۔ رام پر تو وہ جان دیتے تھے۔

بھرت کی رہی سہی جان بھی نہوں میں سما گئی۔ سر پیٹ کر بولے۔ بھائی رام چندر نے ایسا کون سا پاپ کیا تھا ماتا جی، کہ ان کو بنواس کا دنڈ دیا گیا؟ کیا انھوں نے کسی براہمن کی ہتیا کی تھی یا پھر کسی استری پر بری درشٹی ڈالی تھی؟ دھرم کے اوتار رام چندر کو دیش نکالا کیوں ہوا؟

کیکئی نے ساری کتھا خوب وستار سے ورنن کی اور منتھرا کو خوب سراہا۔ جو کچھ ہوا، اسی کی سہایتا سے ہوا۔ یدی اس کی سہایاتا نہ ہوتی تو میرے کیے کچھ نہ ہوسکتا اور رام چندر کا راج تلک ہوجاتا۔ پھر تم اور میں کہیں کے نہ رہتے۔ داسوں کی بھانتی جیون وییت کرنا پڑتا۔ اسی نے مجھے راجا کے دیے ہوئے دو وردانوں کی یاد دلائی اور میں نے دونوں وردان پورے کرائے۔ پہلا تھا رام چندر کا بنواس۔ وہ پورا ہوگیا۔ اکیلے رام ہی نہیں گئے۔ لچھمن اور سیتا بھی ان کے ساتھ گئے۔ دوسرا وردان شیش ہے، یہ کل پورا ہو جائے گا۔ تمھیں سنگھاسن ملے گا۔

کیکئی نے دل میں سمجھا تھا کہ اس کی کاریہ کُوتا کا ورنن سن کر بھرت اس کے بہت

کرتکیہ ہوں گے، پر بات کچھ اور ہی ہوئی۔ بھرت کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور آنکھیں کرودھ سے لال ہوگئیں۔ کیکئی کی اور گھرنا پورن نیتروں سے دیکھ کر بولے۔ ماتا ! تم نے مجھے سنسار میں کہیں منہ دکھانے کے یوگیہ نہ رکھا۔ تم نے جو کام میری بھلائی کے لیے کیا وہ میرے نام پر سدا کے لیے کالا دھبا لگا دے گا۔ دنیا یہی کہے گی کہ اس معاملے میں بھرت کا اوشیہ شڈ ینتر ہوگا۔ اب میرے سمجھ میں آیا کہ کیوں ایودھیا کے لوگ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ دوار پالوں نے بھی میری اور دھیان دینا اچت نہ سمجھا۔ کیا تم نے مجھے اتنا نیچ سمجھ لیا کہ میں رام چندر کا ادھیکار چھین کر پرسنتا سے راج کروں گا؟ رگھوکل میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اس ونش کا سدا سے یہی سدھانت رہا ہے کہ بڑا لڑکا گدی پر بیٹھے۔ کیا تمھیں یہ باتیں یاد نہ تھی۔ ہائے! تم نے رام چندر جیسے دیوتا تولیہ پرش کو بنواس دیا، جس کے جوتوں کا بندھن کھولنے یوگیہ بھی میں نہیں۔ ماتا مجھے تمھارا آدر کرنا چاہیے، کنتو جب تمھارے کاریوں کو دیکھتا ہوں تو اپنے آپ کڑے شبد منہ سے نکل آتے ہیں۔ تم نے اس ونش کا ملیا میٹ کردیا۔ ہریش چندر اور مان دھاتا کے ونش کی پرتشٹھا دھول میں ملادی۔ تمھیں نے میرے ستیہ وادی پتا کی جان لی۔ تم ہتیارنی ہو۔ یہ راج پاٹ تمھیں شبھ ہو۔ بھرت اس کی اور آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔

یہ کہتے ہوئے بھرت رانی کوشلیا کے پاس گئے اور ان کے چرنوں میں اپنا سر رکھ دیا۔ کوشلیا کو کیا معلوم تھا کہ اسی سے بھرت کیکئی کو کتنا برا بھلا کہہ آئے ہیں۔ بولی۔ تم آگئے، بیٹا! لو تمھاری ماتا کی آشائیں پورن ہوئیں۔ تم انھیں لے کر آنند سے راجیہ کرو، مجھے رام کے پاس پہنچا دو۔ میں اب یہاں رہ کر کیا کروں گی؟

یہ شبد بھرت کے سینے میں تیر کے سمان لگے۔ آہ! ماتا کوشلیا بھی میری اور سے اسنتشٹ ہیں۔ ماتا جی میں آپ سے کہتا ہوں کہ یہاں جو کچھ ہوا ہے اس کا مجھے لیش ماتر بھی گیان نہ تھا۔ ماتا کیکئی نے جو کچھ کیا اس کا پھل ان کے آگے آئے گا۔ میں انھیں کیا کہوں۔ کنتو میں اس کا وشواس دلاتا ہوں کہ میں راجیہ نہ کروں گا۔ راجیہ رام چندر کا ہے اور وہی اس کے سوامی ہیں۔ میں اس کا سیوک ہوں۔ کریا کرم سے نورت ہوتے ہی جا کر رام چندر کو منا لاؤں گا۔ مجھے آشا ہے کہ وہ میری ونتی مان جائیں گے۔ میں نے پوروجنم میں ایسا کون سا پاپ کیا تھا کہ کلنک میرے ماتھے پر لگا۔ مجھ سے ادھک بھاگیہ ہین سنسار میں اور

کون ہوگا جس کے کارن پتا جی کی مرتیو ہوئی، رام چندر بَن گئے اور سارے دیش میں جگ ہنسائی ہوئی۔

دیوی کوشلیا کے ہردے سے سارا مالنیہ دور ہوگیا۔ انھوں نے بھرت کو سینے سے لگا لیا اور رونے لگیں۔

منتھرا اس سمے کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی۔ اسے جوں ہی گیات ہوا کہ بھرت آئے ہیں اس نے سر سے پاؤں تک گہنے پہنے، ایک ریشمی ساڑی دھارن کی اور چھم چھم کرتی کوبڑ ہلاتی اپنی آڈرش سیواؤں کا پرسکار لینے کے لیے آکر بھرت کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ بھرت نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ کنتو شتروگھن اپنے کرودھ کو روک نہ سکے۔ انھوں نے لپک کر منتھرا کے بال پکڑ لیے اور کئی لات گھونسے جمائے۔ منتھرا ہائے! ہائے! کرنے لگی اور مہارانی کیکئی کی دہائی دینے لگی۔ انت میں بھرت نے اسے شتروگھن کے ہاتھ سے چھڑایا اور وہاں سے بھگادیا۔

جب بھرت مہاراجا دشرتھ کے کریا کرم سے نورتّ ہوئے تو گرو وششٹ، نگر کے دھنی مانی، دربار کے سبھا سدوں نے انھیں گدی پر بیٹھانا چاہا، بھرت کسی طرح تیار نہ ہوئے، بولے۔ آپ لوگ مجھے ایسا کام کرنے کے وِوش نہ کریں، جس سے میرا لوک اور پرلوک دونوں مٹی میں مل جائے۔ بھائی رام چندر کے رہتے، یہ اسمبھو ہے کہ میں راجیہ کا وچار بھی من میں لاؤں۔ میں انھیں جاکر منا لاؤں گا اور یدی وہ نہ آئیں گے تو میں بھی گھر سے نکل جاؤں گا۔ یہ میرا اتم نرنے ہے۔

لوگوں کے دل بھرت کی اور سے صاف ہوگئے۔ سب ان کی نیک نیتی کی پرشنسا کرنے لگے۔ یہ بڑے باپ کا سپوت بیٹا ہے۔ بھائی ہو تو ایسا ہو۔ کیوں نہ ہو، ایسے نیک اور دھرماتما لوگ نہ ہوتے تو سنسار کیسے استھر رہتا۔

دوسرے دن بھرت اپنی تینوں ماتاؤں کو لے کر رام کو منانے چلے، گرو وششٹ اور نگر کے وششٹھ جن ان کے ساتھ ساتھ چلے۔

چتر کوٹ

رام لکچھمن اور سیتا گنگا ندی پار کر کے چلے آرہے تھے۔ انجان راستہ دونوں اور جنگل بستی کا کہیں پتہ نہیں ۔ اس پرکار وہ پریاگ پہنچے۔ پریاگ میں بھردواج منی کا آشرم تھا۔ تینوں آدمیوں نے تروینی اسنان کر کے بھردواج کے آشرم وشرام کیا۔ اور رات کو ان کے اُپدیش سن کر پراتہ ان کے پرامرش سے چتر کوٹ کے لیے پرستھان کیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد یمنا ندی ملی۔ اس سے وہ بھاگ بہت آباد نہ تھا۔ اسے پار کرنے کے لیے کوئی ناؤ نہ ملی۔ اب کیا ہو۔ انت میں لکچھمن کو ایک اُپائے سوجھا۔ انھوں نے ادھر ادھر سے لکڑیوں کی ٹہنیاں جمع کیں اور انھیں چھال کے ریشوں سے باندھ کر ایک تختہ سا بنالیا۔ اس تختے پر ہری ہری پتیاں بچھا دیں اور اسے ندی میں ڈال دیا۔ اس پر تینوں آدمی بیٹھ گئے۔ لکچھمن نے اس تختے کو کھے کر دم کے دم میں یمنا ندی پار کرلی۔

ندی کے اس پار پہاڑی زمین تھی پہاڑیاں ہری ہری جھاڑیوں سے لہرا رہی تھیں۔ پیڑوں پر مو، طوطے اتیادی پنچھی چہک رہے تھے۔ ہرنوں کے جھنڈ گھاٹیوں میں چرتے دکھائی دیتے تھے۔ ہوا اتنی سوچھ اور سواستھ کارک تھی کہ آتما کو تازگی مل رہی تھی۔ اس ہردئے گراہی درشیہ کا آنند اٹھاتے تینوں آدمی چتر کوٹ جا پہنچے۔ والمیکی رشی کا آشرم وہیں ایک پہاڑی پر تھا۔ تینوں آدموں نے پہلے ان کا درشن اُچت سمجھ کر ان کے آشرم کی اُور پرستھان کیا۔ والمیکی نے انھیں دیکھا تو بڑے تپاک سے گلے لگالیا اور راستے کا کشل سماچار پوچھا۔ انھوں نے یوگ کے بل سے ان کے چتر کوٹ آنے کا کارن جان لیا تھا۔ بتلانے کی آویشکتا نہ پڑی۔ بولے۔آپ لوگ خوب آئے۔آپ کو دیکھ کر بڑی پرسنتا ہوئی۔ آپ لوگوں پر جو کچھ بیتا ہے، وہ مجھے معلوم ہے۔جیون سکھ اور دُکھ کے میل کا ہی نام ہے منُش کو چاہیے کہ دھیریہ سے کام لے۔

رام نے کہا۔ آشیرواد دیجیے کہ ہمارے بنواس کے دن کشل سے بیتیں۔

والمیکی نے اتر دیا۔ راج کمار، میرے ایک ایک روم سے تمھارے لیے آشیرواد نکل

رہے ہیں۔ تم نے جس تیاگ سے کام لیا ہے۔ اس کا اُداہرن اتیہاس میں کہیں نہیں ملتا۔ دھنیہ ہے وہ ماتا، جس نے تم جیسا سپوت پیدا کیا۔ چتر کوٹ تمھارے لیے بہت اتّم استھان ہے۔ ہماری کٹی میں پریاپت استھان ہیں۔ ہم سب آرام سے رہیں گے۔

رام چندر کو بھی چتر کوٹ بہت پسند آیا۔ وہیں رہنے کا نشچے کیا کنتو یہ اُچت نہ سمجھا کہ رشی والمیکی کے چھوٹے سے آشرم میں رہیں۔ ان کے رہنے سے رشی کو اوشیہ کشٹ ہوگا، چاہے وہ سنکوچ کے کارن منہ سے کچھ نہ کہیں۔ الگ ایک کٹی بنانے کا وچار ہوا۔ لچھمن کا آگیا ملنے کی دیر تھی۔ جنگل سے لکڑی کاٹ لائے اور شام تک ایک سندر آرام دہ اور کٹی تیار کردی۔ اس میں کھڑکیاں بھی تھیں طاق بھی تھے۔ سونے کے الگ الگ کمرے بھی تھے۔ رام نے یہ کٹی دیکھی تو بہت پرسنّ ہوئے۔ گرہہ پرویش کی ریتی کے انوسار دیوتاؤں کی پوجا کی اور کٹی میں رہنے لگے۔

بھرت اور رام چندر

ادھر بھرت ایودھیا واسیوں کے ساتھ رام کو منانے کے لیے جارہے تھے۔ جب وہ گنگا ندی کے کنارے پہنچے تو بھیل سردار گوہ کو ان کی سینا دیکھ کر سندیہہ ہوا کہ شاید یہ رام چندر پر آکرمن کرنے جارہے ہیں۔ ترنت اپنے آدمیوں کو جمع کرنے لگا۔ کنتو بعد کو جب بھرت کا وچار گیات ہوا تو ان کے سامنے آیا اور اپنے گھر چلنے کا نمنترن دیا۔ بھرت نے کہا۔ جب رام چندر نے بستی کے باہر پیڑ کے نیچے رات بتائی تو میں بستی میں کیسے جاؤں؟ بتاؤ سیتا اور رام چندر کہاں سوئے تھے، تب گوہ نے انھیں وہ جگہ دکھائی، تو پھر اپنے آپ روپڑے۔ ہائے! وہ جنھیں محلوں میں نیند نہیں آتی تھی۔ آج بھومی پر پیڑ کے نیچے سورہے ہیں! یہ دنوں کا پھیر ہے۔ مجھ آبھاگے کے کارن انھیں یہ سارے کشٹ ہورہے ہیں۔ اس گھاس کے کڑے ٹکڑوں سے کوملانگی سیتا کا شریر چھل گیا ہوگا۔ رام چندر کو رات بھر مچھروں نے کشٹ دیا ہوگا۔ نیند نہ آئی ہوگی۔ لچھمن نے ساری رات جنگلی جانوروں کے بھے سے پہرا دے کر کاٹی ہوگی اور میں ابھی تک راجسی پوشاک پہنے ہوں۔ مجھے ہزار بار دھتکار ہے۔

یہ کہہ کر بھرت نے اسی سے راجسی پوشاک اتار پھینکی اور سادھوؤں کا سا بھیش دھارن کیا۔ پھر اسی پیڑ کے نیچے، اسی گھاس پھوس کے بچھاون پر رات بھر پڑے رہے۔ اس دن سے چودہ سال تک بھرت نے سادھوؤں جیون وییت کیا۔

دوسرے دن بھرت بھردواج منی کے آشرم پہنچے۔ وہاں پتہ لگانے پر گیات ہوا کہ رام چندر چترکوٹ کی اور گئے ہیں۔ رات بھر وہاں ٹھہر کر بھرت سویرے چترکوٹ روانہ ہوگئے۔

سندھیا کا سمے تھا۔ رام چندر اور سیتا ایک چٹان پر بیٹھے ہوئے سوریہ است کا درشیہ دیکھ رہے تھے اور لچھمن تنک دور دھنش اور بان لیے کھڑے تھے۔

سیتا نے پیڑوں کی اور دیکھتے ہوئے کہا۔ ایسا لگتا ہے کہ ان پیڑوں نے سنہری چادر اوڑھ لی ہے۔

رام۔ پہاڑیوں کی اودی رنگ کی اوس سے لدی ہوئی چادر کتنی سندر معلوم ہوتی ہے۔

پراکرتی سونے کا سامان کر رہی ہے۔

سیتا۔ نیچے کی گھاٹیوں نے کالی چادر سے منہ ڈھانک لیا۔

رام۔ اور پون کو دیکھو، جیسے کوئی ناگن لہراتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

سیتا۔ کیتکی کے پھولوں سے کیسی سگندھ آ رہی ہے۔

لکچھمن کھڑے کھڑے ایکا ایک چونک کر بولے۔ بھیا، وہ سامنے دھول کیسی اڑ رہی ہے؟ سارا آسمان دھول سے بھر گیا۔

رام۔ کوئی چرواہا بھیڑوں کا گلہ لیے چلا جاتا ہوگا۔

لکچھمن۔ نہیں بھائی صاحب، کوئی سینا ہے۔ گھوڑے صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ لو، رتھ بھی صاف دکھائی دینے لگے۔

رام چندر۔ شاید کوئی راج کمار آکھیٹ کے لیے نکلا ہو۔

لکچھمن۔ سب کے سب ادھر ہی چلے آتے ہیں۔

یہ کہہ کر لکچھمن ایک اونچے پیڑ پر چڑھ گئے، اور بھرت کی سینا کو دھیان سے دیکھنے لگے۔ رام چندر نے پوچھا۔ کچھ صاف دکھائی دیتا ہے۔

لکچھمن۔ جی ہاں، سب صاف دکھائی دے رہا ہے۔ آپ دھنش اور بان لے کر تیار ہوجائیں۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ بھرت سینا لے کر ہمارے اوپر آکرمن کرنے چلے آرہے ہیں۔ ان ڈالوں کے بیچ سے بھرت کے رتھ کی جھنڈی صاف دکھائی دے رہی ہے۔ بھلی پرکار پہچانتا ہوں، بھرت کا ہی رتھ ہے۔ وہی سرنگ گھوڑے ہیں۔ انھیں ایودھیا کا راجیہ پاکر ابھی سنتوش نہیں ہوا۔ آج سارے جھگڑے کا انت ہی کردوں گا۔

رام چندر۔ نہیں لکچھمن، بھرت پر سندیہہ نہ کرو۔ بھرت اتنا سوارتھی اتنا سنکوچ ہین نہین ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ وہ ہمیں واپس لے چلنے آرہا ہے۔ بھرت نے ہمارے ساتھ کبھی برائی نہیں کی۔

لکچھمن۔ انھیں برائی کرنے کا اوسر ہی کب ملا، جو انھوں نے چھوڑ دیا؟ آپ اپنے ہردے کی طرح اوروں کا ہردے بھی نرمل سمجھتے ہیں۔ کنتو میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ بھرت وشواس گھات کریں گے۔ وہ یہاں اس اڈیش سے آرہے ہیں کہ ہم لوگوں کو مار کر اپنا راستہ سدیو کے لیے صاف کرلیں۔

رام چندر۔ مجھے جیتے جی بھرت کی اور سے ایسا وشواس نہیں ہوسکتا۔ یدی بھرت کا تمھیں راج گدی پر بیٹھنا برا لگتا ہو، تو میں ان سے کہہ کر تمھیں راجیہ دلا سکتا ہوں۔ مجھے وشواس ہے کہ بھرت میرا کہنا نہ ٹالے گا۔

لچھمن نے لجت ہوکر سر جھکالیا۔ راما چندر کا وینگ انھیں بڑا معلوم ہوا۔ وہ منہ سے کچھ بولے نہیں۔ ادھر بھرت کو جیوں ہی رشیوں کی کٹیاں دکھائی دینے لگیں، وہ رتھ سے اتر پڑے اور ننگے پاؤں رام چندر سے ملنے چلے۔ سمتر اور شتروگھن بھی ان کے ساتھ تھے۔ کئی کٹیوں کے بعد رام چندر کی کٹی دکھائی دی۔ رام چندر کٹی کے سامنے ایک پتھر کی چٹان پر بیٹھے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی بھرت بھیا! بھیا! کہتے ہوئے بچوں کی طرح ان کی طرح دوڑے۔ اور ان کے پیروں پر گر پڑے۔ رام چندر نے بھرت کو اٹھا کر چھاتی سے لگالیا۔ شتروگھن نے بھی آگے بڑھ کر رام چندر کے چرنوں پر سر جھکایا۔ چاروں بھائی گلے ملے۔ اتنے میں کوشلیا سمترا، کیکئی بھی پہنچ گئیں۔ رام چندر نے سب کو پرنام کیا۔ سیتا جی نے بھی سانسوں کے پیروں کو آنچل سے چھوا۔ ساسوں نے بھی انھیں گلے سے لگایا، کنتو کسی کے منہ سے کوئی شبد نہ نکلتا تھا۔ سب کے گلے بھرے ہوئے تھے اور آنکھوں میں آنسو تھے۔ بن واسیوں کا یہ سادھوؤں کا ویش دیکھ کر سب کا ہردئے ودیرن ہوا جاتا تھا۔ کیسی وِدَشتا! ہے کوشلیا سیتا کو دیکھ کر اپنے آپ رو پڑی۔ وہ بہو جسے وہ پان کی طرح پھیرا کرتی تھیں۔ بھکاری بنی کھڑی تھی۔ سمجھانے لگیں۔ بیٹا۔ اب بھی میرا کہنا مانو۔ یہاں تمھیں بڑے بڑے کشٹ ہوں گے۔ اتنے دنوں میں صورت بدل گئی ہے۔ بالکل پہچانی نہیں جاتی۔ میرے ساتھ لوٹ چلو۔

سیتا نے کہا۔ ماتا جی، اب جب میرے سوامی بنَ بنَ پھرتے رہیں تو مجھے ایودھیا ہی نہیں سورگ میں بھی سکھ نہیں ملے گا۔

استری کا دھرم پرش کے ساتھ رہ کر اس کے دکھ سکھ میں بھاگ لینا ہے۔ پرش کو دکھ میں چھوڑکر جو استری سکھ کی اِچھا کرتی ہے وہ اپنے کرتویہ سے منہ موڑتی ہے۔ پانی کے بنا ندی کی جو دشا ہوتی ہے، وہی دشا پتی کے بنا استری کی ہوتی ہے۔

کوشلیا کو سیتا کی باتوں سے پرسنتا بھی ہوئی اور دکھ بھی ہوا۔ دکھ تو یہ ہوا کہ وہ سکھ اور ایشوریہ میں پلی ہوئی لڑکی یوں وپتّی میں جیون کے دن کاٹ رہی ہے۔ پرسنتا یہ ہوئی کہ

اس کے وچار کتنے اونچے اور پوتر ہیں۔ بولی۔ دھنیہ ہو بیٹی، اسی کو استری کا پتی ورت کہتے ہیں۔ یہی تو استری کا دھرم ہے۔ ایشور تمھیں سکھی رکھے، اور دوسری استریوں کو بھی تمھارے مارگ پر چلنے کی پریرنا دے۔ ایسی دیویاں منش کے لیے گورو کا وشے ہوتی ہے۔ انھیں کے نام پر لوگ آدر سے سر جھکاتے ہیں۔ انھیں کے لیش گھر گھر گائے جاتے ہیں۔

چاروں بھائی جب گلے مل چکے، تو رام چندر نے بھرت سے پوچھا۔ کہو بھیا، تم کشمیر سے کب آئے؟ پتا جی تو کشل سے ہیں؟ تم ان کو چھوڑ کر ویرتھ چلے آئے، وہ اکیلے بہت گھبرا رہے ہوں گے؟

بھرت کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ بھائی صاحب پتا جی تو اب اس سنسار میں نہیں ہیں جس دن سُمنتر رتھ لے کر واپس ہوئے، اسی رات کو وہ پرلوک سدھارے۔ مرتے سمے آپ ہی کا نام ان کی جیھ پر تھا۔

یہ دکھ پورن سماچار سنتے ہی رام چندر پچھاڑ کھا کر گر پڑے۔ جب تنک چیتنا آئی تو رونے لگے۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی۔ ہائے! پتا جی کا انتم درشن بھی پراپت نہ ہوا! اب رام چندر کو گیات ہوا کہ مہاراج دشرتھ کو ان سے کتنا پریم تھا۔ ان کے ویوگ میں پران تیاگ دیے۔ بولے۔ یہ میرا دربھاگیہ ہے کہ انتم سمے ان کے درشن نہ کر سکا۔ جیون بھر اس کا کھید رہے گا۔ اب ہم ان کی سب سے بڑی یہی سیوا کر سکتے ہیں کہ اپنے کرموں سے ان کی آتما کو پرسنّ کریں۔ مہاراج اپنی پرجا کو کتنا پیار کرتے تھے! تم بھی پرجا کا پالن کرتے رہنا۔ سینا کے پرسن رہنے ہی سے راجیہ کا استتو بنا رہتا ہے۔ تم بھی سینکوں کو پرسن رکھنا۔ ان کا ویتن ٹھیک سمے پر دیتے رہنا۔ نیائے کے وشے میں کسی کے ساتھ لیش ماتر بھی پکچھ پات نہ کرنا۔ ہر ایک کام میں منتریوں سے اوشیہ پرامرش لینا اور ان کے پرامرش پر آچرن کرنا۔ نردھنوں کو دھنیوں کے اتیاچار سے بچانا۔ کسانوں کے ساتھ کبھی سختی نہ کرنا۔ کھیتی سینچائی کے لیے کنوئیں، نہریں، تال بنوانا۔ لڑکوں کی شکچھا کی اور سے اساودھان نہ رہنا۔ اور راجیہ کے کرمچاریوں کی سختی سے نگرانی کرتے رہنا۔ انیتھا یہ لوگ پرجا کو نشٹ کردیں گے۔

بھرت نے کہا۔ بھائی صاحب! میں یہ باتیں کیا جانوں۔ میں تو آپ کی سیوا کے لیے اس لیے اُپستھت ہوا ہوں کہ آپ کو ایودھیا لے چلوں۔ اب تو ہمارے پتا بھی آپ ہی ہیں۔ آپ ہمیں جو آگیا دیں گے۔ ہم اسے بجا لائیں گے، ہماری آپ سے یہی ونتی ہے،

آپ اسے سویکار کیجیے۔ جب سے آپ آئے ہیں ایودھیا میں وہ شری ہی نہ رہی۔ چاروں اور مرتیو کی سی نیروتا ہے۔ لوگ آپ کو یاد کرکے رویا کرتے ہیں۔ اب تک میں سب کو یہ آشواسن دیتا رہا ہوں کہ رام چندر شیگھر واپس لوٹیں گے۔ یدی آپ نہ لوٹیں گے تو راجیہ میں کہرام مچ جائے گا اور سارا دوش اور کلنک میرے سر پر رکھا جائے گا۔

رام چندر نے اتر دیا۔ بھیّا جن وچنوں کو پورا کرنے کے لیے پتا جی نے اپنے پران تیاگ دیے اسے پورا کرنا میرا دھرم ہے۔ انھیں اپنا وچن اپنے پران سے بھی ادھک پریہ تھا۔ اس آگیا کا پالن میں نہ کروں، تو سنسار میں کون سا منہ دکھاؤں گا۔ تمھیں بھی ان کی آگیا مان کر راجیہ کرنا چاہیے۔ میں چودہ ورش ویتیت ہونے کے بعد ہی ایودھیا میں پیر رکھوں گا۔

بھرت نے بہت پرارتھنا وِنتی کی۔ گرو وشِشٹھ اور پرتیشٹھت ویکتیوں نے رام چندر کو خوب سمجھایا، کنتو وہ ایودھیا چلنے پر کسی پرکار سہمت نہ ہوئے۔ تب بھرت نے رو کر کہا۔ بھیا! یدی آپ کا یہی نرنے ہے تو وِوَش ہوکر ہم کو بھی ماننا ہی پڑے گا۔ کنتو آپ مجھے اپنی کھڑاؤں دے دیجیے۔ آج سے یہ کھڑاوں ہی راج سنہاسن پر وراجے گی۔ ہم سب آپ کے چاکر ہوں گے۔ جب تک آپ لوٹ کر نہ آئیں گے، ابھاگا بھرت بھی آپ ہی کے سمان سادھوؤں سا جیون ویتیت کرے گا۔ کنتو چودہ ورش بیت جانے پر بھی آپ نہ آئے، تو میں آگ میں جل مروں گا۔

یہ کہہ کر بھرت نے رام چندر کے کھڑاؤں کو سر پر رکھا اور وداع ہوئے۔ رام چندر نے کوشلیا اور سمترا کے پیروں پر سر رکھ دیا اور انھیں بہت ڈھارس دے کر وداع کیا۔ کیکئی لجا سے سر جھکائے کھڑی تھی۔ رام چندر جب اس کے چرنوں میں جھکے، تو کیکئی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رام چندر کی بھَکتا اور نرملتا نے سدھ کردیا کے رام پر اس کا سندیہہ انوچت تھا۔

جب سب لوگ نندی گرام پہنچے، تو بھرت نے منتریوں سے کہا۔ آپ لوگ ایودھیا جائیں میں چودہ ورش تک اسی پرکار اس گاؤں میں رہوں گا۔ راجا رام چندر کے سنہاسن پر بیٹھ کر اپنا پرلوک نہ بگاڑوں گا۔ جب آپ کو کسی سمبندھ میں مجھ سے پرامرش کرنے کی اویشکتا ہو تو میرے پاس چلے آیئے گا۔

بھرت کی یہ بھَکتا اور اُدارتا دیکھ کر لوگ آشچریہ میں آگئے۔ ایسا کون ہوگا یوں ملتے ہوئے راجیہ کو ٹھکرا کر الگ ہوجائے۔ لوگوں نے چاہا، کہ بھرت ایودھیا چل کر راج کریں،

کنتو بھرت نے وہاں جانے سے نشچت اسمتی پرکٹ کردی۔ ایک کوی نے ٹھیک کہا ہے کہ بھرت جیسا سجن پتر اتپن کرکے کیکئی نے اپنے سارے دوشوں پر دھول ڈال دی۔

آخر سب رانیاں شتروگھن اور ایودھیا کے نواسی، بھرت کو وہیں چھوڑ کر ایودھیا چلے گئے۔ شتروگھن منتریوں کی سہایتا سے راج کاج سنبھالتے تھے اور بھرت نندی گاؤں میں بیٹھے ہوئے ان کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ اس پرکار چودہ ورش بیت گئے۔

بن کانڈ

دنڈک۔ بن

بھرت کے چلے آنے کے بعد رام چندر نے بھی چتر کوٹ سے چلے جانے کا نشچے کر لیا۔ انھیں وچار ہوا کہ ایودھیا کے نواسی وہاں برابر آتے جاتے رہیں گے اور ان کے آنے جانے سے یہاں کے رشیوں کو کشٹ ہوگا۔ تینوں آدمی گھومتے ہوئے اتری منی کے پاس پہنچے۔ اتری ایشور پراپت ایک وردھ تھے۔ ان کی پتنی انسویا بھی بڑی بدھی متی استری تھی۔ انھوں نے سیتا جی کو استریوں کے کرتویہ سمجھائے اور بڑا ستکار کیا۔ تینوں آدمی یہاں کئی مہینوں رہ کر ونڈک بن کی اور چلے۔ اس بن میں اچھے اچھے رشی رہتے تھے۔ رام چندر ان کے درشن کرنا چاہتے تھے۔

ونڈک بن مین ورادھ نامک ایک بڑا اتیاچاری راجا تھا۔ اس کے اتیاچار سے سارا نگر اجاڑ ہوگیا تھا۔ اس کی صورت بہت ڈراونی تھی اور ڈیل پہاڑ کا سا تھا۔ وہ رات دن مدرا پی کر بیہوش پڑا رہتا۔ یدھ کی کلا میں وہ اتنا دکش تھا کے سادھارن استروں سے اسے مارنا اسمبھو تھا۔ رام، سیتا اور لچھمن اس بن میں تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ورادھ کی درشٹی ان پر پڑی۔ اسے سندیہہ ہوا کہ اوشیہہ یہ لوگ اس استری کو بھگا کر لائے ہیں۔ انیتھا دو پروشوں کے بیچ ایک استری کیوں ہوتی پھر یہ دونوں آدمی سادھوؤں کے بھیش میں ہوکر بھی ہاتھ میں دھنش اور بان لیے ہوئے ہیں۔ نکٹ آکر بولا۔ تم دنوں آدمی مجھے دراچاری معلوم ہوتے ہو۔ تم نے یاتریوں کو لوٹنے کے لیے ہی سادھوؤں کا بھیش دھارن کیا ہے۔ اب کشل اسی میں ہے کہ تم دنوں اس استری کو مجھے دے دو اور یہاں سے بھاگ جاؤ۔ انیتھا مار ڈالوں گا۔

رام چندر نے کہا۔ ہم دونوں کوشل کے مہاراج راجا دشرتھ کے پتر ہیں اور یہ ہماری پتنی ہے۔ تم نے یدی پھر اس پرکار دھرشٹا سے بات کی تو میں تمھیں جیوت نہ چھوڑوں گا۔

ورادھ نے ہنس کر کہا۔ تم جیسے دو کیا سو پچاس بھی میرے سامنے آجائیں تو مار ڈالوں۔ سنبھل جاؤ اب میں وار کرتا ہوں۔

رام چندر نے کئی بان چلائے پر ورادھ کے شریر پر اس کا کوئی پربھاؤ نہ ہوا۔ تب تو رام چندر بہت گھبرائے۔ شیر بھی ان کا بان کھا کر گر پڑتے تھے۔ کنتو اس راچھس پر ان کا تنک بھی پربھاؤ نہ ہوا۔ یہ گھٹنا ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ تب دونوں بھائیوں نے تلوار نکالی اور ورادھ پر ٹوٹ پڑے۔ کنتو تلوار کے گھاؤں کا بھی اس پر کچھ پربھاؤ نہ ہوا۔ اس نے ایسی تپسیا کی تھی کہ اس کا شریر لوہے کے سمان کڑا اور ٹھوس ہوگیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ چپ چاپ کھڑا تلوار کے گھاؤ کھاتا رہا۔ تب ایکاایک بڑے زور سے گرجا اور دونوں بھائیوں کو کندھے پر لے کر بھاگا۔ سیتا جی رونے لگیں کنتو رام اور لچھمن ان کے کندھے پر بیٹھ کر تلوار چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ ورادھ کی دونوں بانہیں کٹ کر بھومی پر گر پڑیں تب دونوں بھائی بھی دھرتی پر کود پڑے۔ ورادھ بھی تڑپ تڑپ کر مرگیا۔

ورادھ کا ودھ کرکے تینوں آدمی آگے بڑھے۔ اس سمے رشی گن سنسار منہ موڑ کر بنوں میں تپسیا کر رہے تھے۔ بن کے پھل اور کند مول ان کا بھوجن اور پیڑوں کی چھال پوشاک تھی۔ کسی جھونپڑے میں یا کسی پیڑ کے نیچے وہ ایک مرگ چھالا بچھا کر پڑے رہتے تھے۔ دھن اور ویبھو کو وہ لوگ تنکے سمان تُچھ سمجھتے تھے۔ سنتوش اور سرلتا ہی ان کا سب سے بڑا دھن تھا۔ وہ بڑے بڑے راجاؤں کی بھی چنتا نہ کرتے تھے۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتے تھے۔ شاریرک آکانکچھاؤں کے چکر میں نہ پڑ کر اپنا من اور مستشک بودھک اور دھارمک باتوں کے سوچنے میں لگاتے تھے۔ ان بنوں میں بسنے والے اور جنگلی پھل کھانے والے پروشوں نے جو گرنتھ لکھے۔ انھیں پڑھ کر آج بھی بڑے بڑے ودانوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ دنڈک ون میں کتنے ہی رشی رہتے تھے۔ تینوں آدمی ایک ایک دو دو مہینے ایک رشی کی شرن میں رہتے اور ان سے گیان کی باتیں سیکھتے تھے۔ اس پرکار دنڈک بن گھومتے ہوئے انھیں کئی ورش بیت گئے۔ آخر وہ لوگ آگستیہ منی کے آشرم میں پہنچے۔ یہ مہاتما اور سب رشیوں سے بڑے سمجھے جاتے تھے۔ وہ کیول رشی ہی نہ تھے یدھ کی کلا میں بھی دکچھ تھے۔ کئی بڑے بڑے راچھسوں کا ودھ کر چکے تھے۔ رام چندر کو دیکھ کر بہت پرسن ہوئے اور کئی مہینے تک اپنے یہاں اتیتھی رکھا۔ جب رام چندر یہاں سے چلنے لگے تو اگستیہ رشی نے انھیں

ایک ایسا آلوکک ترکش دیا، جس کے تیر کبھی سماپت ہی نہ ہوتے تھے۔

رام چندر نے پوچھا۔ مہاراج، آپ تو اس بَن سے بھلی پرکار پریچت ہوں گے۔ ہمیں کوئی ایسا استھان بتایئے، جہاں ہم لوگ آرام سے رہ کر بنواس کے شیش دن پورے کرلیں۔

آگستیہ نے پنچوٹی کی بڑی پرشنسا کی۔ یہ استھان نرمدا ندی کے کنارے استھت تھا۔ یہاں کی جلوایو اچھی تھی کہ نہ جاڑے میں کڑا جاڑا زیادہ پڑتا تھا نہ گرمی میں کڑی گرمی۔ پہاڑیاں بارہوں ماس ہریالی سے لہراتی رہتی تھیں تینوں آدمیوں نے اس استھان پر جاکر رہنے کا نشچے کیا۔

پنچوٹی

کئی دن کے بعد تینوں آدمی پنچوٹی جا پہنچے۔ جیسی پرشنسا سنی تھی، اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ نرمدا کے دونوں اُور اونچی اونچی پہاڑیاں پھولوں سے لدی ہوئی کھڑی تھیں۔ ندی کے نرمل جل میں ہنس اور بگلے تیرا کرتے تھے۔ کنارے ہرنوں کا سموہ پانی پینے آتا تھا اور خوب کلیلیں کرتا تھا۔ جنگل میں مور ناچا کرتے تھے۔ وایوں اتنی سوچھ اور اسفورتی دایک تھی کہ روگی بھی سوستھ ہوجاتا تھا۔ وہ استھان تینوں آدمیون کو اتنا پسند آیا کہ انھوں نے ایک جھونپڑا بنایا اور سکھ سے رہنے لگے۔ دن کو پہاڑیوں کی سیر کرتے، پرکرتی کے ہردئے گراہک درشیوں کا آنند اٹھاتے، چڑیوں کے گانے سنتے اور جنگلی پھل کھاکر کٹی میں سو رہتے۔ اس پرکار کئی مہینے بیت گئے۔

پنچ وٹی سے تھوڑی ہی دور پر راکھسوں کی ایک بستی تھی۔ ان کے دو سردار تھے۔ ایک کا نام تھا کھر اور دوسرے کا دوشن۔ لنکا کے راجا راون کی ایک بہن سورپنکھا وہیں رہتی تھی۔ یہ لوگ لوٹ مارکر جیون ویتیت کرتے تھے۔

ایک دن رام چندر اور سیتا پیڑ کے نیچے بیٹھے ہوئے باتیں کررہے تھے کہ ادھر سے سورپنکھا نکلی۔ ان دونوں آدمیوں کو دیکھ کر اسے آشچر یہ ہوا کہ یہ کون لوگ یہاں آگئے! ایسے سندر منشیہ اس نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ وہ تھی تو کالی کلوٹی اتینت گروپ کنتو اپنے کو پری سمجھتی تھی۔ اس لیے اب تک وِواہ نہیں کیا تھا کیونکہ راکھوں سے وِواہ کرنا اسیں روچیکر نہ تھا۔ رام چندر کو دیکھ کر پھولی نہ سمائی۔ کچھ دنوں بعد اسے اپنے جوڑ کا ایک یووک دکھائی دیا۔ نکٹ آکر بولی۔ تم لوگ کس دیش کے واسی ہو؟ تم جیسے آدمی تو میں نے کبھی نہیں دیکھے۔

رام چندر نے کہا۔ ہم لوگ ایودھیا کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے پتا جی ایودھیا راجا تھے۔ آج کل ہمارے بھائی راجیہ کرتے ہیں۔

شورپنکھا۔ بس، تب تو ساری بات بن گئی۔ میں بھی راجا کی لڑکی ہوں۔ میرا بھائی راون لنکا میں راجیہ کرتا ہے۔ بس ہمارا تمھارا اچھا جوڑ ہے۔ میں تمھارے ہی جیسا پتی ڈھونڈ رہی تھی، تم اچھے ملے، اب مجھ سے وواہ کرلو۔ تمھارا سوبھاگیہ ہے کہ مجھ جیسی سندی تم سے

وِواہ کرنا چاہتی ہے۔

رام چندر نے وینگ سے جواب دیا۔ اوشیہ میرا سوبھاگیہ ہے۔ تمھاری جیسی پری تو اندر لوک میں بھی نہ ہوگی۔ میرا جی تو تم سے وِواہ کرنے کے لیے ویاکل ہے کنتو کٹھنائی یہ ہے کہ میرا وِواہ ہوچکا ہے اور یہ استری میری پتنی ہے۔ یہ تم سے جھگڑا کرے گی۔ اور ہاں جو وہ سامنے میرا چھوٹا بھائی بیٹھا ہوا ہے، وہ اکیلا ہے۔ اس کی پتنی ساتھ میں نہیں ہے۔ وہ چاہے تو تم سے وِواہ کرسکتا ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ۔ تمھارا سوندریہ دیکھ کر وہ موہت ہوجائے گا۔ وہی تمھارے یوگیہ بھی ہے۔

شورپنکھا۔ اس استری کی تم ادھک چنتا نہ کرو۔ میں اسے ابھی مار ڈالوں گی۔ یہ تمھارے یوگیہ نہیں ہے۔ مجھ جیسی استری پھر نہ پاؤ گے۔ میری اور تمھاری جوڑی ایشور نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔

رام چندر۔ نہیں، تم بھول کرتی ہو۔ میں تو تمھارے یوگیہ ہوں ہی نہیں۔ بھلا کہاں میں اور کہاں تم۔ تمھارے یوگیہ تو میرا بھائی ہے، جو آیو میں مجھ سے چھوٹا ہے اور مجھ سے ادھک ویر ہے۔

شورپنکھا لکچھمن کے پاس گئی اور بولی۔ میں ایک اویشکیتا وش ادھر آئی تھی۔ تمھارے بھائی رام چندر کی درشٹی مجھ پر پڑگئی تو وہ مجھ پر آسکت ہوگئے اور مجھ سے وِواہ کرنے کی اچھا کی۔ پر میں ایسے پرش سے وِواہ کرنا پسند نہ کیا، جس کی پتنی موجود ہے۔ میرے یوگیہ تو تم ہو۔ تنک میری اور دیکھو۔ ایسے کوئلے کا سا دمکتا ہوا رنگ تم نے اور کہیں دیکھا ہے؟ میری ناک بالکل چلم کی سی ہے اور ہونٹ کتنے سندرتا سے نیچے لٹکے ہوئے ہیں۔ تمھارا سوبھاگیہ ہے کہ میرا دل تمھارے اوپر آگیا تم مجھ سے وِواہ کرلو۔

لکچھمن نے مسکرا کر کہا۔ ہاں اس میں تو سندیہہ نہیں کہ تمھارا سوندریہ انوپم ہے اور میں ہوں بھی بھاگوان کہ مجھ سے تم وِواہ کرنے کو پرستوت ہو پر میں رام چندر کا چھوٹا بھائی اور چاکر ہوں۔ تم میری پتنی ہوجاؤ گی تو تمھیں سیتا جی کی سیوا کرنی پڑے گی۔ تم رانی بننے یوگیہ ہو جاکر بھائی صاحب ہی سے کہو۔ وہی تم سے وِواہ کریں گے۔

شورپنکھا پھر رام کے پاس گئی، کنتو وہاں پھر وہی اتر ملا کہ تمھارے یوگیہ لکچھمن ہے انھیں کے پاس جاؤ۔ اس پرکار اسے دونوں باتوں ٹالتے رہے۔ جب اسے وشواس ہوگیا

کہ یہاں میری کامنا پوری نہ ہوگی تو منہ بنا بنا کر گالیاں بکنے لگی اور سیتا جی سے لڑائی کرنے پر سنّدھ ہوگئی۔ اس کی دُشٹتا دیکھ کر لچھمن کو کرودھ آگیا، انھوں نے شورپ نکھا کی ناک کاٹ لی اور کانوں کا بھی صفایا کردیا۔

اب کیا تھا شورپنکھا نے وہ ہائے ہائے مچائی کہ دنیا سر پر اٹھالی۔ تینوں آدمیوں کو گالیاں دیتی روتی پیٹتی وہ کھر اور دوشن کے پاس پہنچی اور اپنے اپمان اور اپرتشٹا کی ساری کتھا کہہ سنائی۔ بھیا، دونوں بھائی بڑے دشٹ ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی دونوں مجھ پر بری درشٹی ڈالنے لگے اور مجھ سے وِواہ کرنے کے لیے زور دینے لگے۔ کبھی بڑا بھائی اپنی اور کھینچتا تھا، کبھی چھوٹا بھائی۔ جب میں اس پر سہمت نہ ہوئی تو دنوں نے ناک کان کاٹ لیے۔ تمھارے رہتے میری یہ درگتی ہوئی۔ اب میں کس کے پاس شکایت لے کر جاؤں؟ جب تک ان کے سر میرے سامنے نہ آجائیں گے۔ میرے لیے ان جل نِشِدھ ہے۔

کھر اور دُشن یہ حال سن کر کرودھ سے پاگل ہوگئے۔ اسی سے اپنی سینا کو تیار ہوجانے کا آدیش دیا۔ دم کے دم میں چودہ ہزار آدمی رام اور لچھمن کو اس کھلتا کا ڈنڈ دینے چلے۔ آگے آگے نکٹی شورپنکھا روتی چلی جارہی تھی۔

رام چندر نے جب راکھشوں کی یہ سینا آتے دیکھی، تو لچھمن کو سیتا جی کی رکچھا کے لیے چھوڑ کر آپ ان کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ راکھشوں نے آتے ہی تیروں کی بوچھار کرنی پرارمبھ کردی۔ کنتو رام چندر کے بانوں کے سمُکھ ان کی کیا چلتی۔ سب کے سب ایک ساتھ تیر تو چھوڑ ہی نہ سکتے تھے۔ پہلے پنکتی کے لوگ تیر چھوڑتے۔ رام چندر ایک ہی تیر سے ان کے سب تیروں کو کاٹ دیتے تھے۔ جس پرکار رائفل کے سامنے توڑے دار بندوق بے کام ہے اسی پرکار راما چندر کے اگنی بانوں کا سمُکھ راکھشوں کے بان بیکار ہوگئے۔

ایک ایک بار میں سیکڑوں کا صفایا ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر راکھشوں کا ساہس ٹوٹ گیا۔ ساری سینا تتر بتر ہوگئی۔ سندھیا ہوتے ہوتے وہاں ایک راکھشس بھی نہ رہا۔ کیول مرت شریر رن چھیتر میں پڑے تھے۔

کھر اور دوشن نے جب دیکھا کہ چودہ ہزار راکھشوں کی سینا بات کی بات میں نشٹ ہوگئی تو انھیں وشواش ہوگیا کہ رام اور لچھمن بڑے ویر ہیں۔ ان پر وجے پانا سرل

نہیں۔ اپنے پورے بل سے ان پر اکرمن کرنا پڑے گا۔ یہ وچار بھی تھا کہ یدی ہم لوگ ان دونوں آدمیوں کو نہ جیت سکے تو ہماری کتنی بدنامی ہوگی۔ بڑے زور شور سے تیاریاں کرنے لگے۔ رات بھر میں کئی ہزار سینکوں کی ایک چنی ہوئی سینا تیار ہوگئی۔ ان کے پاس موسل، بھالے، دھنش، بان، گدا، پھرسے، تلوار، ڈنڈے سبھی پرکار کے استر تھے۔ کنتو سب پرانے ڈھنگ کے۔ یدھ کی کلا سے بھی وہ اوگت نہ تھے۔ بس ایک ساتھ دوڑ پڑنا جانتے تھے۔ سینکوں کا کرم کس پرکار ہونا چاہیے، اس کا انھیں لیش ماتر بھی گیان نہ تھا سب سے بڑی خرابی تھی کہ وہ سب شرابی تھے۔ شراب پی پی کر بہکتے تھے۔ کنتو سچی ویرتا ان میں نام کو بھی نہ تھی۔

سویرے رام چندر جی اٹھے تو راچھسوں کی سینا آتے دیکھی۔ آج کا یدھ کل سے ادھک بھیشن ہوگا یہ انھیں گیات تھا۔ سیتا جی کو انھوں نے ایک گپھا میں چھپادیا اور دونوں آدمی پہاڑ کے اوپر چڑھ کر راچھسوں پر تیر چلانے لگے۔ ان کے تیر اوپر سے بجلی کی طرح گرتے تھے اور ایک ساتھ سیکڑوں کو دھرا شائی کردیتے تھے۔ کھر اور دوشن اپنی سینا کو للکارتے تھے، بڑھاوا دیتے تھے، کنتو ان اچوک تیروں کے سامنے سینا کے کلیجے دہل اٹھتے تھے۔ رام اور لچھمن پر ان کے وانوں لیش ماتر بھی پربھاؤ نہ ہوتا تھا، کیونکہ دونوں بھائی پہاڑ کے اوپر تھے۔ وہ اتنے ویگ سے تیر چلاتے تھے کہ گیات ہوتا تھا کہ ان کے ہاتھوں میں بجلی کا ویگ آگیا ہے۔ تیر کب ترکش سے نکلتا تھا، کب دھنش پر چڑھتا تھا کب چھوٹتا تھا یہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پھر آگستیہ رشی کا دیا ہوا ترکش بھی تو تھا، جس کے تیر کبھی سماپت نہ ہوتے تھے۔ پھل یہ ہوا کہ راچھسوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سینا میں بھگدڑ پڑگئی۔ اب کیول کھر اور دوشن میدان میں رہ گئے۔ یہ دونوں ساہسی اور ویر تھے۔ انھوں نے بڑی دیر تک رام اور لچھمن کا سامنا کیا کنتو آخر ان کی موت بھی آہی گئی۔ دونوں مارے گئے۔ اکیلی شورپنکھا اپنے بھائیوں کی مرتیو پر ولاپ کرنے کو بچ رہی۔

ہرن کا شکار

شورپنکھا کے دو بھائی تو مارے گئے۔ کنتو ابھی دو اور شیش تھے ان میں سے لنکا دیش کا راجا تھا۔ اس سمے میں دکشن میں لنکا سے ادھک بلوان اور بسا ہوا کوئی راجیہ نہ تھا۔ راون بھی راکچھس تھا، کنتو بڑا وِدوان۔ شاستروں کا پنڈت، اس کے دھن کی کوئی سیما نہ تھی۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے، لنکا شہر کا نگر کوٹ سونے کا بنا ہوا تھا۔ ویاپار کا بازار گرم تھا۔ ودھیا، کلا اور کوشل کی خوب چرچا تھی اور وہاں کی کاریگری انوپم تھی۔ کنتو جیسا پرایہ ہوتا ہے، دھن اور سامراجیہ نے راون کو دمبھی، اتیاچاری اور دشٹ بنادیا تھا۔ وِدوان اور گنی ہونے پر بھی وہ برے سے برے کام کرنے سے بھی نہ ہچکتا تھا۔ شورپنکھا روتی پیٹتی اس کے پاس پہنچی اور چھاتی پیٹنے لگی۔

راون نے اس کی یہ بری دشا دیکھی تو آشچریہ سے بولا۔ کیا ہے شورپنکھا، کیا بات ہے؟ تیری یہ دشا کیسے ہوئی؟ یہ تیری ناک کیا ہوئی؟ اس پرکار سے رو کیوں رہی ہے؟

شورپنکھا نے آنسو پونچھ کر کہا۔ بھیا میری حالت کیا پوچھتے ہو؟ میری جو درگتی ہوئی ہے، وہ ساتویں شترو کی بھی نہ ہو۔ پنچ وٹی میں دو تپسوی ایودھیا سے آکر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ دونوں راجا دشرتھ کے پتر ہیں۔ ایک کا نام رام ہے، دوسرے کا لچھمن۔ رام کی پتنی سیتا بھی ان کے ساتھ ہے۔ ان لوگوں نے میری ناک اور کان کاٹ لیے۔ جب کھر اور دوشن اس کا ڈنڈ دینے کے لیے سینا لے کر گئے تو ساری سینا کا ودھ کردیا۔ ایک آدمی بھی جیوت نہ بچا۔ بھیا! تمھارے جیتے جی میری یہ دشا۔

رام اور لچھمن کا نام سن کر راون کے ہوش اڑ گئے۔ وہ بھی سیتا سویمبر میں سمّلت ہوا تھا اور جس دھنش کو وہ ہلا بھی نہ سکا تھا، اسی کو رام کے ہاتھوں ٹوٹتے دیکھ چکا تھا۔ سیتا کا روپ بھی وہ دیکھ چکا تھا۔ اس کی یاد ابھی تک اس کو بھولی نہ تھی۔ من میں سوچنے لگا، یدی ان بھائیوں کو کسی پرکار مارسکوں تو سیتا ہاتھ آجائے۔ کنتو اس وچار کو چھپا کر بولا۔ ہائے تو نے یہ کیسا سماچار سنایا میرے دونوں ویر بھائی مارے گئے؟ ایک راکچھس بھی جیوت نہ بچا؟ وہ دونوں لڑکے آفت کے پرکالے معلوم ہوتے ہیں۔ کنتو تو سنتوش کر، دونوں کو اس پرکار

ماروں گا کہ وہ بھی سمجھیں گے کہ کسی سے پالا پڑا تھا۔ وہ کتنے ہی ویر ہوں راون کا ایک سنکیت ان کا انت کردینے کے لیے پریاپت ہے۔ میرے لیے یہ ڈوب مرنے کی بات ہے کہ میرے بہن کا اتنا نرادر ہو، میرے بھائی مارے جائیں اور میں بیٹھا رہوں۔ آج ہی انھیں ڈنڈ دینے کی چنتا کرتا ہوں۔

شورپنکھا بولی۔ بھیا۔ دونوں بڑے دُشٹ ہیں۔ مجھ سے بلات وِواہ کرنا چاہتے تھے۔ کنتو بھلا میں انھیں کب وچار میں لاتی تھی۔ جب میں انھیں دُتکار کر چلی، تو چھوٹے بھائی نے یہ شرارت کی۔ بھیا، اس کا بدلا کیول یہی ہے کہ دونوں بھائی مارے جائیں۔ پورا بدلا جبھی ہوگا جب سیتا جی کا بھی ویسا ہی انادر اور درگتی ہو جیسی انھوں نے میری کی ہے۔ کیا کہوں بھیا سیتا کتنی سندر ہے! بس یہی سمجھ لو کہ چاند کا سا مکھڑا ہے۔ ایشور نے اسے تمھارے لیے بنایا ہے۔ رام اس کے یوگیہ نہیں ہے۔ اس اوشیہ وِواہ کرنا۔

راون نے بہن کو سانتونا دی اور اسی سمے ماریچ نامک راکچھس کا بلا کر کہا۔ اب اپنا کچھ کوشل دکھاؤ۔ بہت دنوں سے بیٹھے بیٹھے ویرتھ مفت کا ویتن لے رہے ہو۔ رام اور لچھمن پنچ وٹی میں آئے ہوئے ہیں۔ دونوں نے شورپنکھا کی ناک کاٹ لی ہے۔ کھر اور دوشن کا مار ڈالا ہے اور سارے راکچھسوں کو نشٹ کردیا ہے۔ ان دونوں سے ان کے کُکرموں کا بدلا لینا ہے۔ بتلاؤ، میرے کچھ سہایتا کروگے؟

ماریچ وہی راکچھس تھا، جو وشوامتر کا یگ اپوتر کرنے گیا تھا اور رام چندر کا ایک بان کھاکر بھاگا تھا۔ تب سے وہ یہیں پڑا تھا۔ رام چندر نے اس کا پرانا ویمنسیہ تھا۔ یہ خبر سن کر باغ باغ ہوگیا۔ بولا۔ آپ کی سہایتا کرنے کوتن اور پران سے پرستوت ہوں۔ اب کی ان سے وشواسگھات کی لڑائی لڑوں گا اور پرانا بیر چکاؤں گا۔ ایسا چکما دوں گا کہ ایک بوند رکت بھی نہ گرے اور دونوں بھائی مارے جائیں۔

راون۔ بس، ایسی کوئی یکتی سوچو کہ سیتا میرے ہاتھ لگ جائے پھر دونوں بھائیوں کو مارنا کون کٹھن کام رہ جائے گا۔

ماریچ۔ ایسا تو نہ کہیے مہاراج! ویرتا میں دونوں جوڑ نہیں رکھتے۔ میں ان کے لڑکپن کی ویرتا دیکھ چکا ہوں۔ دونوں ایک سینا کے لیے پریاپت ہیں۔ ابھی ان سے یدھ کرنا اچت نہیں۔ معاملہ بڑھ جائے گا اور سیتا کو کہیں چھپا دیں گے۔ میں ایسی یکتی بتا دیتا ہوں کہ سیتا

آپ کے گھر میں آجائیں اور دونوں بھائیوں کو خبر بھی نہ ہو اور کچھ پتہ بھی نہ چلے کہ کہاں گئی۔ آخر تلاش کرتے کرتے نراش ہوکر بیٹھے رہیں گے۔

راون کا مکھ کھل اٹھا۔ متر پرامرش تو تم بہت اچت دیتے ہو۔ یہ میں بھی چاہتا ہوں۔ یدی کام بنا لڑائی جھگڑے کے ہوجائے، تو کیا کہنا۔ آیو پرینت تمھارا ،کرتگیہ رہوں گا۔ آج ہی تمھاری وردھی کردوں اور پد بھی بڑھادوں۔ بھلا بتاؤ تو کیا یکتی سوچی ہے؟

ماریچ۔ بتلاتا ہوں، کنتو راجن سے بڑا بھاری پُرسکار لوں گا۔ آپ جانتے ہی ہیں صورت بدلنے میں میں کتنا کشل ہوں۔ ایسے سندر ہرن کا بھیش بنالوں، جیسا کسی نے نہ دیکھا ہو گلابی رنگ ہوگا،ا اس پر سنہرے دھبے سار شریر ہیرے کے سمان چمکتا ہوا۔ بس جاکر رام چندر کی کٹی کے سامنے کلاچیں بھرنے لگوں گا۔ دونوں بھائی دیکھتے ہی مجھے پکڑنے دوڑیں گے۔ میں بھاگوں گا، دونوں میرا پیچھا کریں گے۔ جس سے سیتا اکیلی رہ جائے اس سے آپ جاکر اسے اٹھا لیجیے گا۔ تھوڑی دور پر آپ کا رتھ کھڑا رہے گا سیتا کو رتھ پر بیٹھا کر گھوڑوں کو ہوا کر دیجیے گا۔ رام جب آئیں گے تو سیتا کو نہ پاکر ادھر ادھر تلاش کریں گے، پھر نراش ہوکر کسی اور چل دیں گے بولیے کیسی یکتی ہے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

راون نے ماریچ کی بہت پرشنسا کی اور دوں سیتا کو ہر لینے کی تیاریوں کرنے لگے۔

چھل

تیسرے پہر کا سمے تھا۔ رام اور سیتا کٹی کے سامنے بیٹھے باتیں کررہے تھے کہ ایکاایک ایک اتینت سندر ہرن سامنے کولیلیں کرتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اتنا سندر اور اتنے موہک رنگ کا تھا کے سیتا اسے دیکھ کر ریجھ گئیں۔ ایسا پرتیت ہوتا تھا کہ اس ہرن کے شریر میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ رام چندر سے بولیں دیکھیے کیسا سندر ہرن ہے!

لچھمن کو اس سمے وچار آیا کہ ہرن اس روپ رنگ کا نہیں ہوتا اوشیہ کوئی نہ کوئی چھل ہے۔ کنتو اس بھے سے کہ رام چندر شاید انھیں شکّی سمجھیں منھ سے کچھ نہیں کہا۔ ہاں دل میں منارہے تھے کہ رام چندر کے دل میں بھی یہی وچار پیدا ہو۔ رام چندر نے ہرن کو بڑی آتسکتا سے دیکھ کر کہا۔ ہاں! ہے تو بڑا سندر۔ میں نے ایسا ہرن نہیں دیکھا۔

سیتا۔ اس کو جیوت پکڑ کر مجھے دے دیجیے۔ میں اسے پالوں گی اور اسے ایودھیا لے جاؤں گی۔ لوگ اسے دیکھ کر آشچریہ میں آجائیں گے۔ دیکھیے کیسا کلاچیں بھر رہا ہے۔

رام۔ جیوت پکڑنا تو تنک کٹھن کام ہے۔

سیتا۔ چاہتی تو یہی ہوں کہ جیوت پکڑا جائے، کنتو مر بھی گیا تو اس کی مرگ شالا کتنی اتم شرینی کی ہوگی!

رام چندر دھنش اور بان لے کر چلے، تو لچھمن بھی ان کے ساتھ ہولیے اور کچھ دور جاکر بولے۔ بھیا آپ ویرتھ پریشان ہورہے ہیں یہ ہرن جیوت ہاتھ نہ آئے گا۔ ہاں، کہیے تو میں شکار کر لاؤں۔

رام۔ اس لیے تو میں نے تم سے نہیں کہا۔ میں جانتا تھا کہ تمھیں کرودھ آجائے گا، تیر چلادو گے تم سیتا کے پاس بیٹھو، وہ اکیلی ہیں۔ میں ابھی اسے جیوت پکڑے لاتا ہوں۔

یہ کہتے ہوئے رام چندر ہرن کے پیچھے دوڑے، لچھمن کو اور کچھ کہنے کا اوسر نہ ملا۔ ودش ہوکر سیتا جی کے پاس لوٹ آئے۔ ادھر ہرن کبھی رام چندر کے سامنے آجاتا کبھی پتوں

کی آڑ میں ہوجاتا کبھی اتنے سمیپ آجاتا کہ مانو اب تھک گیا ہے پھر، ایکاایک چھلانگ مار کر دور نکل جاتا، اس پرکار وہ بھلاوے دیتا ہوا رام چندر کو بہت دور لے گیا۔ یہاں تک کہ وہ تھک گئے، اور انھیں وشواس ہوگیا کہ ہرن جیوت ہاتھ نہ آئے گا۔ ماریچ بھاگا تو جاتا تھا، کنتو لچھمن کے نہ آنے سے اس کی یکتی سپھل نہ ہوتی نہ دکھتی تھی۔ جب تک سیتا جی اکیلی نہ ہوں گی راون انھیں ہر کیسے سکے گا؟ یہ سوچ کر اس نے کئی بار زور سے چلا کر کہا۔ ہائے لچھمن! ہائے سیتا!

رام چندر کا کلیجہ دھڑک اٹھا۔ سمجھ گئے کہ مجھے دھوکا ہوا۔ یہ بناوٹی ہرن ہے اوشیہ کسی راکچھس نے یہ بھیش بنایا ہے۔ وہ اس لیے لچھمن کا نام لے کر پکار رہا ہے کہ لچھمن بھی دوڑ آئیں اور سیتا اکیلی رہ جائیں۔ یہ وچار آتے ہیں انھوں نے ہرن کو جیوت پکڑنے کا وچار چھوڑ دیا۔ ایسا نشانہ مارا کہ پہلے ہی وار میں ہرن گر پڑا۔ کنتو وہ نردیئے مرنے سے پہلے اپنا کام کرچکا تھا۔ رام چندر تو دوڑے ہوئے کٹی کی اور آرہے تھے کہ کہیں لچھمن سیتا کو چھوڑ کر چلے نہ آرہے ہوں، ادھر جو سیتا جی نے ہائے لچھمن! اور ہائے سیتا! کی پکار سنی، تو ان کا رکت ٹھنڈا ہوگیا۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ یہ تو پیارے رام کی آواز ہے۔ اوشیہ شترو نے انھیں گھایل کردیا ہے۔ رو کر لچھمن سے بولیں مجھے تو ایسا بھئے ہوتا ہے کہ یہ سوامی ہی کی آواز ہے۔ اوشیہ ان پر کوئی بڑی وپتی آئی ہے، انیتھا تمھیں کیوں پکارتے؟ لپک کر دیکھو تو کیا ماجرا ہے! میرا تو کلیجہ دھک دھک کررہا ہے۔ دوڑے ہی جاؤ لچھمن نے بھی یہ آواز سنی اور وہ سمجھ گئے کہ کسی راکچھس نے چھل کیا ہے۔ ایسی دشا میں وہ سیتا کو اکیلا چھوڑ کر کب جانا سہن کرسکتے تھے بولے۔ بھائی صاحب کی اُور سے آپ نشچت رہیے۔ جس نے چودہ ہزار راکچھسوں کا انت کردیا، اسے کس کا بھے ہوسکت اہے؟ بھیّا ہرن کو لیے آتے ہی ہوں گے آپ کو اکیلی چھوڑ کر نہ جاؤں گا۔ بھائی صاحب نے اس وشے میں خوب چیتا دیا تھا۔ سیتا نے کرودھ سے کہا۔ میری تمھیں کیوں اتنی چنتا سوار ہے! کیا مجھے کوئی شیر یا بھیڑیا کھائے جاتا ہے؟ اوشیہ سوامی پر کوئی وپتی آئی ہے اور تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے ہوئے ہو۔ کیا یہی بھائی کا پریم ہے، جس پر تمھیں اتنا گھمنڈ ہے؟

لچھمن کچھ کھن ہوکر بولے۔ میں نے کبھی بھائی کے پریم کا گھمنڈ نہیں کیا۔ میں ہوں کس یوگیہ۔ میں تو کیول ان کی سیوا کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے چلتے چلتے مجھے چیتاونی

دی تھی کہ یہاں سے کہیں نہ جانا۔ اس لیے مجھے جانے میں سوچ وچار ہورہا ہے۔ میں آپ کو وشواس دلاتا ہوں کہ بھائی صاحب کا کوئی بال بھی بانکا نہیں کرسکتا۔ ان کے دھنش اور بان کے سمکھ کس کا ساہس ہے، جو ٹھہر سکے! آپ ویرتھ اتنا ڈر رہی ہیں۔

سیتا جی نے منھ پھیر کر کہا۔ میں تمھارا سا ہردئے کہاں سے لاؤں، جو ان کی آواز سن کر بھی نشچنتا سے بیٹھی رہوں؟ سچ کہا ہے۔ نہ بھائی سا دوست نہ بھائی سا دشمن۔ میں تمھیں اپنا سہایک اور سچا دوست سمجھتی تھی۔ کنتو اب گیات ہوا کہ تم بھی کیکئی سے سدھے بندھے ہو۔ پھر تمھیں یہاں سے جاتے ہوئے بھے ہو رہا ہے کہ کہیں کسی شترو سے سامنا نہ ہوجائے۔ میں تمھیں نہ اتنا کرتگھن سمجھتی تھی اور نہ اتنا ڈرپوک۔

یہ طعنہ بان کے سمان لکچھمن کے ہردئے میں چبھ گیا۔ انھیں رام سے سچا بھراتر پریم تھا اور سیتا جی کو بھی وہ ماتا کے سمان سمجھتے تھے۔ وہ رام چندر کے ایک سنکیت پر جان دینے کو تیار تھے۔ جہاں رام کا پسینا گرے، وہ وہاں رکت بہانے میں ذرا بھی کھید نہ کرتے انھیں بھے تھا کہ کہیں میری انوپستھیتی میں سیتا جی پر کوئی وپتی نہ آجائے اگر کوئی راکچھس آکر انھیں چھیڑنے لگا تو میں بھیا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اس سمے جب رام چندر مجھ سے پوچھیں گے کہ تم میری آگیا کے وردھ سیتا کو اکیلا چھوڑ کر کیوں چلے گئے تو میں کیا جواب دوں گا۔ کنتو جب سیتا جی نے انھیں کرتگھن، ڈرپوک اور دھوکے باز بنادیا تب انھیں اس کے سوا کوئی چارا نہ رہا کہ رام کی کھوج میں جائیں۔ انھوں نے دھنش اور بان اٹھالیا اور دکھیت ہوکر بولے بھابھی جی! آپ نے اس سمے جو باتیں کہیں ان کی مجھے آپ سے آشا نہ تھی۔ ایشور نہ کرے وہ دن آئے کنتو اوسر آئے گا تو میں دکھادوں گا کہ بھائی کے لیے بھائی کیسے جان دیتا ہے۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ بھیا کسی خطرے میں نہیں، کنتو چونکہ آپ کی آگیا ہے اس کا پالن کرتا ہوں۔ اس کا اتر دایتو آپ کے اوپر ہے۔

سیتا کا ہرا جانا

یہ کہہ کر لکچھمن تو چل دیے۔ راون نے جب دیکھا کہ میدان خالی ہے تو اس نے ایک ہاتھ میں چمٹا اٹھایا دوسرے ہاتھ میں کمنڈل لیا اور نارائن! نارائن! کرتا ہوا سیتا جی کی کٹی تک آپہنچا۔ سیتا جی نے دیکھا کے ایک جٹا دھاری مہاتما دُوار پر آئے ہیں، باہر نکل آئی اور مہاتما کو پرنام کرکے بولی۔ کہیے مہاراج کہاں سے آنا ہوا۔

راون نے آشیرواد دے کر کہا۔ ماتا، سادھو سنتوں کا تیرتھ یاترا کے سوا اور کیا کام ہے۔ بدری ناتھ کی یاترا کرنے جارہا ہوں، یہاں تمھارا آشرم دیکھ کر چلا آیا۔ کنتو یہ تو بتلاؤ کے تم کون ہو اور یہاں کیسے آپڑی ہو؟ تمھاری جیسی سندری کسی مہاراجا کے رنواس میں رہنے یوگیہ ہے۔ تم اس جنگل میں کہاں سے آگئیں؟ میں نے تمھارا جیسا سوندریہ کہیں نہیں دیکھا۔

سیتا نے لجّا سے سر جھکا کر کہا۔ مہاراج ہم لوگ وپتی کے مارے ہوئے ہیں۔ میں متھلا پوری کے راجا جنک کی پتری اور کوشل کے مہاراجا دشرتھ کی پتر ودھو ہوں۔ کنتو بھاگیہ نے ایسا پلٹا کھایا کہ آج جنگلوں کی خاک چھان رہی ہوں۔ دھنیہ بھاگیہ ہیں کہ آپ کے درشن ہوئے آج یہیں وشرام کیجیے۔ آگیا ہو تو کچھ جل پان کے لیے لاؤں۔

راون۔ تو بڑی دیاوان ہے ماتا۔ لا جو کچھ ہو، کھلادے۔ ایشور تیرا کلیان کرے۔

سیتا جی نے ایک پتّل میں کندمول رکھے اور کچھ پھل رکھے اور راون کے سامنے لائیں۔ راون نے پتّل لے لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا، تو پتّل کے بدلے سیتا ہی کو گود میں اٹھا کر اپنے رتھ کی اور دوڑا اور ایک چھن میں انھیں رتھ میں بیٹھا کر گھوڑے کو ہوا کردیا۔ سیتا جی مارے بھے مُرچھت ہوگئیں۔ اب چیتنا جاگی تو دیکھا کہ میں رتھ میں بیٹھی ہوں اور وہ مہاتما رتھ کو دوڑائے لیے جارہا ہے چلا کر بولی۔ بابا جی، تم مجھے کہاں لیے جارہے ہو۔ ایشور کے لیے بتلاؤ تو۔ سادھوں کے بھیش میں کون ہو!۔

راون نے ہنس کر کہا۔ بتلا ہی دوں۔ لنکا کا ایشوریہ شالی راجا راون میں ہی ہوں۔

تمھاری یہ موہنی صورت دیکھ کر پاگل ہورہا ہوں۔ اب تم رام کو بھول جاؤ اور ان کی جگہ مجھے ہی اپنا پتی سمجھو۔ تم لنکا کے راجا کے یوگیہ ہو، بھکاری رام کے یوگیہ نہیں۔

سیتا جی کو مانو گولی لگ گئی۔ آہ! مجھ سے بڑی بھول ہوئی کہ لچھمن کو بلات رام کے پاس بھیج دیا۔ وہ شبد بھی اسی راکچھس کا تھا ہائے لچھمن انت تک مجھے چھوڑ کر جانا اسویکار کرتا رہا۔ کنتو میں نے نہ مانا۔ ہائے کیا گیات تھا کہ بھاگیہ یوں میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ دونوں بھائی کٹی میں جاکر مجھے نہ پائیں گے، تو ان کی کیا دشا ہوگی؟

یہ سوچتے ہوئے سیتا جی نے چاہا کہ رتھ پر سے کود پڑیں کنتو راون بھی اساودھان نہ تھا۔ ترنت ان کا وچار تاڑ گیا۔ ترنت ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔ رتھ سے کودنے کا وچار نہ کرو سیتا۔ تنک دیر بعد ہم لنکا پہنچ جاتے ہیں، وہاں تمھیں سکھ اور ایشوریہ کے ایسے سامان ملیں گے کہ تم اس بن کے جیون کو بھول جاؤ گی، اس کٹی کے بدلے تمھیں آسمان سے باتیں کرتا ہوا راج محل ملے گا۔ جس کا فرش چاندی کا اور دیواریں سونے کی ہوں گی۔ جہاں گلاب اور کستوری کی مہک آٹھوں پہر اٹھا کرتی ہیں، اور ایک بھکاری پتی کے بدلے وہ پتی ملے گا، جس کی اُپما آج اس پرتھوی پر نہیں، جس کے دھن اور پرسدھی کا کوئی انومان بھی نہیں کرسکتا، جس کے دوار پر دیوتا بھی سر جھکاتے ہیں۔

سیتا نے بھیانک ہوکر کہا۔ بس، زبان سنبھال کپٹی راکچھس! ایک ستی کے ساتھ چھل کرتے ہوئے لجا نہیں آتی؟ اس پر ایسی ڈینگیں مار رہا ہے! اپنا بھلا چاہتا ہے تو رتھ پر سے اتار دے۔ انیتھا یاد رکھ رام چندر تیرا اور تیرے سارے ونش کا نام و نشان مٹادیں گے۔ کوئی تیرے نام کا رونے والا بھی نہ رہے گا۔ لنکا جن ہین ہوجائے گی۔ تیرے ایشوریہ شالی پراسادوں میں گیدڑ اپنے مان بنائیں گے اور الو بسیرا لیں گے۔ تو ابھی رام اور لچھمن کے کرودھ کو نہیں جانتا۔ کھر اور دُوشن تیرا ہی بھائی تھے، جن کی چودہ ہزار سینا دونوں بھائیوں نے بات کی بات میں نشٹ کردی۔ شورپنکھا بھی تیری ہی بہن تھی، جو اپنا سان ہتھیلی پر لیے پھرتی ہے۔ تجھے لاج بھی نہین آتی! اپنی جان کا دشمن نہ بن۔ اپنے اور اپنے ونش پر دیا کر۔ مجھے جانے دے۔

راون نے ہنس کر کہا۔ اسی شورپنکھا کے نرادر اور کھر اور دوشن کے رکت کا بدلا لینے کے لیے ہی میں تمھیں لیے جارہا ہوں۔ تمھیں یاد نہ ہوگا میں بھی تمھارے سیویمبر میں سمِلت

ہوا تھا، کنتو ایک چھوٹے سے دھنش کو توڑنا اپنی مریادا کے وردھ سمجھ کر لوٹ آیا تھا۔ میں نے تمھیں اسی سمے دیکھا تھا۔ اسی سمے سے تمھاری پیاری پیاری صورت میرے ہردئے پر انکت ہوگئی ہے۔ میرا سوبھاگیہ تمھیں یہاں لایا ہے۔ اب تمھیں نہیں چھوڑ سکتا۔ تمھارے ہت میں بھی یہی اچھا ہے کہ رام کو بھول جاؤ اور میرے ساتھ سکھ سے جیون کا آنند اٹھاؤ۔ مجھے تم سے جتنا پریم ہے اس کا تم انومان نہیں کرسکتیں۔ میری پیاری پتنی بن کر تم ساری لنکا کی رانی بن جاؤ گی۔ تمھیں کسی بات کی کمی نہ رہے گی۔ ساری لنکا تمھاری سیوا کرے گی اور لنکا کا راجا تمھارے چرن دھو دھو کر پیے گا۔ اس بن میں ایک بھکاری کے ساتھ رہ کر کیوں اپنا روپ اور یوون نشٹ کر رہی ہو؟ میرے اوپر نہ سہی اپنے اوپر دیا کرو۔

سیتا جی نے جب دیکھا کہ اس اتیاچاری پر کرودھ کا کوئی پربھاؤ نہیں ہوا اور یہ رتھ کو بھگائے لیے جاتا ہے، تو انونے ونے کرنے لگیں تم اتنے بڑے راجا ہوکر بھی دھرم کا لیش ماتر وچار نہیں کرتے! میں نے سنا ہے کہ تم بڑے ودوان اور شیوجی کے بھکت ہو اور تمھارے پتا پولستیہ رشی تھے۔ کیا تم کو مجھ پر تنک بھی دیا نہیں آتی؟ یدی یہ تمھارا وچار ہے کہ میں تمھارا راج پاٹ دیکھ کر پھول اٹھوں گی، تو تمھارا وچار سروتھا متھیا ہے۔ رام چندر کے ساتھ میرا وِواہ ہوا ہے۔ چاہے سوریہ پورب کے بدلے پشچم سے نکلے، چاہے پروت اپنے استھان سے ہل جائے، پر میں دھرم کے مارگ سے نہیں ہٹ سکتی۔ تم ویرتھ کیوں اتنا بڑا پاپ اپنے سر لیتے ہو۔

جب اس انونے کا بھی راون پر کچھ پربھاؤ نہ ہوا، تو سیتا ہائے رام! ہائے رام! کہہ کر زور زور سے رونے لگیں۔ سنیوگ سے اسی آس پاس کے پردیش میں جٹایو نام کا ایک سادھو رہتا تھا۔ وہ رام چندر کے ساتھ پرایہ بیٹھتا تھا اور ان پر سچا وشواس رکھتا تھا۔ اس نے جب رتھ پر سیتا کو رام کا نام لیتے سنا، تو اسے سندیہہ ہوا کہ کوئی راکھشس سیتا کو لیے جاتا ہے، استر لے کر رتھ کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا اور للکار کر بولا۔ تو کون ہے اور سیتا جی کو کہاں لیے جاتا ہے؟ ترنت رتھ روک لے، انیتھا وہ لٹھ ماروں گا کہ بھیجا نکل پڑے گا۔

راون اس سے لڑنا تو نہیں چاہتا تھا، کیونکہ اسے رام اور لچھمن کے آجانے کا بھے تھا، کنتو جب جٹایو مارگ میں کھڑا ہوگیا، تو اسے وِوش ہوکر رتھ روکنا پڑا۔ گھوڑوں کی باگ کھینچ لی اور بولا۔ کیا شامت آئی ہے، جو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے! میں لنکا کا راجا راون

ہوں۔ میری ویرتا کے سماچار تو نے سنے ہوں گے! اپنا بھلا چاہتا ہے تو راستے سے ہٹ جا۔

جٹایو۔ تو سیتا کو کہاں لیے جاتا ہے؟

راون۔ رام نے میری بہن کی پرتشٹھا نشٹ کی ہے، اسی کا یہ بدلا ہے۔

جٹایو۔ یدی اپمان کا بدلا لینا تھا، تو مردوں کی طرح سامنے کیوں نہ آیا؟ معلوم ہوا کہ تو نیچ اور کپٹی ہے؟ ابھی سیتا کو رتھ پر سے اتار دے۔

راون بڑا بلی تھا۔ وہ بھلا بیچارے جٹایو کی دھمکیوں کو کب بھلا دھیان میں لاتا تھا۔ لڑنے کو پرستوت ہوا۔ جٹایو کمزور تھا۔ کنتو جان پر کھیل گیا۔ بڑی دیر تک راون سے لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا سمست شریر گھاؤں سے چھلنی ہوگیا۔ تب وہ بے ہوش ہوکر گر پڑا اور راون نے پھر گھوڑے بڑھادیے۔

ادھر لچھمن کٹیا سے چلے تو، کنتو دل میں پچھتا رہے تھے کہ کہیں سیتا پر کوئی آفت آئی؟ تو میں رام کو کیا منھ دکھاؤں گا۔ جیوںہی جیوں آگے بڑھتے تھے، ان کی ہمت جواب دے جاتی تھی۔ ایکا یک رام چندر دکھائی دیے۔ لچھمن نے آگے بڑھ کر ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ کیا آپ نے مجھے بلایا تھا؟

رام نے اس بات کا کوئی اتر نہ دے کر کہا۔ کیا تم سیتا کو اکیلی چھوڑ کر چلے آئے؟ غضب کیا۔ یہ ہرن نہ تھا۔ ماریچ راچھس تھا۔ ہمیں دھوکا دینے کے لیے اس نے یہ بھیس بدلا تھا، اور تمھیں دھوکا دینے کے لیے میرا نام لے کر چلایا تھا۔ کیا تم نے میری آواز بھی نہ پہچانی؟ میں نے تو تمھیں آگیا دی تھی کہ سیتا کو اکیلی نہ چھوڑنا۔ ماریچ کی یکتی کام کرگئی۔ اوشیہ سیتا پر کوئی وپتی آئی۔ تم نے برا کیا۔

لچھمن نے سر جھکا کر کہا۔ بھابھی نے مجھے بلات بھیج دیا۔ میں تو آتا ہی نہ تھا، پر جب طعنہ دینے لگیں تو کیا کرتا!

رام نے تیکشن درشٹی سے دیکھ کر کہا۔ تم نے ان کے طعنوں پر دھیان دیا، کنتو میرے آدیش کا وچار نہ کیا۔ میں تو تمھیں اتنا بدھی ہین نہ سمجھتا تھا۔ اچھا چلو دیکھیں، بھاگیہ میں کیا لکھا ہے۔

دونوں بھائی لپکے ہوئے اپنی کٹی پر آئے۔ دیکھا تو سیتا کا کہیں پتہ نہیں۔ دونوں کے ہوش اڑ گئے۔ وِکل ہوکر ادھر ادھر چاروں طرف دوڑ دوڑ کر سیتا کو ڈھونڈنے لگے۔ ان پیڑوں

کے نیچے جہاں پرایہ مور ناچتے تھے، ندی کے کنارے جہاں ہرن کلیلیں کرتے تھے، سب کہیں چھان ڈالا، کنتو کہیں کوئی چِنہہ نہ ملا۔ لکچھمن تو کٹی کے دوار پر بیٹھ کر زور زور سے چیخ کر دھاڑے مار مار کر رونے لگے، کنتو رام چندر کی دشا پاگلوں کی سی ہوگئی۔

سبھی ورکچھوں سے پوچھتے، تم نے سیتا کو تو نہیں دیکھا؟ چڑیوں کے پیچھے دوڑتے اور پوچھتے، تم نے میری سیتا کو دیکھا ہو تو بتادو، گپھاوں میں جاکر چلاتے۔ کہاں گئی؟ سیتا کہاں گئی، مجھ ابھاگے کو چھوڑ کر کہاں گئی؟ ہوا کے جھونکوں سے پوچھتے۔ تم کو بھی میری سیتا کی کچھ خبر نہیں! سیتا جی مجھے تینوں لوک سے ادھک پریہ تھی، جس کے ساتھ یہ بن بھی میرے لیے اپون بنا ہوا تھا، یہ کٹی راج پرساد کو بھی لجت کرتی تھی، وہ میری پیاری سیتا کہاں چلی گئی۔

اس پرکار ویاکلتا کی دشا میں وہ بڑھتے چلے جاتے تھے۔ لکچھمن ان کی دشا دیکھ کر اور بھی گھبرائے ہوئے تھے۔ رام چندر کی دشا ایسی تھی کہ مانو سیتا کے ویوگ میں جیوت نہ رہ سکے گیں۔ لکچھمن روتے تھے کہ کیکئی کے سر یدی بنواس کا ابھیوگ لگا تو میرے سر ستیاناش کا ابھیوگ آئے گا۔ یدی رام چندر کو سنبھالنے کی چنتا نہ ہوتی، تو سمبھوتہ وہ اسی سمے اپنے جیون کا انت کردیتے۔ ایکاایک ایک ورکچھ کے نیچے جٹایو کو پڑے کراہتے دیکھ کر رام چندر رک گئے، بولے۔ جٹایو یہ تمھاری کیا دشا ہے؟ کس اتیاچاری نے تمھاری یہ گت بنا ڈالی؟

جٹایو رام چندر کو دیکھ کر بولا۔ آپ آگئے؟ بس اتنی ہی کامنا تھی، انیتھا اب تک پران نکل گیا ہوتا۔ سیتا جی کو لنکا کا راکچھس راون ہر لے گیا ہے۔ میں نے چاہا کہ ان کو اس کے ہاتھ سے چھین لوں۔ اسی کے ساتھ لڑنے میں میری یہ دشا ہوگئی۔ آہ! بڑی پیڑا ہورہی ہے۔ اب چلا۔

رام نے جٹایو کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ لکچھمن دوڑ کے پانی لاتے اور اس کا منہ تر کرتے۔ کنتو اتنے میں جٹایو کے پران نکل گئے۔ اس بن میں ایک سہایک تھا وہ بھی مرگیا۔ رام کو اس کے مرنے کا بہت کھید ہوا۔ بہت دیر تک اس کے نشپران شریر کو گود میں لیے روتے رہے۔ ایشور سے بار بار یہی پرارتھنا کرتے تھے کہ اسے سورگ میں سب سے اچھی جگہ دیجیے گا، کیونکہ اس ویر نے ایک دکھیاری کو سہایتا میں پران دیے ہیں۔ اور اوچتیہ کی سہایتا کے لیے راون جیسے بلی پرش کے سمکھ جانے سے بھی نہ جھجھکا۔ یہی مترتا کا دھرم ہے۔ یہی

منشیہ کا دھرم ہے۔ ویر جٹایو کا نام اس سمے تک جیوت رہے گا، جب تک رام کا نام جیوت رہے گا۔

لچھمن نے ادھر ادھر سے لکڑی بٹور کر چتا تیار کی، رام چندر نے مرت شریر اس پر رکھا، اور وید منتروں کا پاٹھ کرتے ہوئے اس کی داہ کریا کی۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے۔ اب انھیں سیتا کا پتہ مل گیا تھا، اس بات کی ویاکلتا نہ تھی کہ سیتا کہاں گئی۔ یہ چنتا تھی کہ راون سے سیتا کو کیسے چھین لینا چاہیے۔ اس کام کے لیے سہایکوں کی آوشیکتا تھی۔ بہت بڑی سینا تیار کرنی پڑے گی۔ لنکا پر آکرمن کرنا پڑے گا۔ یہ چنتائے پیدا ہوگئی تھیں۔ چلتے چلتے سورج ڈوب گیا۔ رام کو اب کسی بات کی سدھی نہ تھی۔ کنتو لچھمن کو یہ وچار ہو رہا تھا کہ رات کہاں کاٹی جائے۔ نہ کوئی گاؤں دکھائی دیتا تھا، نہ رشی کا آشرم۔ اسی چنتا میں تھے کہ سامنے ورکشوں کے بیچ میں ایک جھونپری دکھائی دی۔ دونوں آدمی اس جھونپڑی کی اور چلے۔ یہ جھوپڑی ایک بھیلنی کی تھی جس کا نام شبری تھا۔ اسے جو گیات ہوا کہ یہ دنوں بھائی ایودھیا کے راجا دشرتھ کے پتر ہیں تو مارے خوشی کے پھولی نہ سمائی بولی۔ دھنیہ میرے بھاگیہ کہ آپ لوگ میری جھونپڑی تک آئے۔ آپ کے چرنوں سے میری جھونپڑی پوتر ہوگئی۔ رات بھر یہیں وشرام کیجیے۔ یہ کہہ کر وہ جنگل میں گئی اور تازے پھل توڑ لائی۔ کچھ جنگلی بیر تھے۔ کچھ کروندے، کچھ شریفے۔ شبری خوب رسیلے، اور پکے ہوئے پھل ہی چن رہی تھی۔ اس بھے سے کہ کوئی کھٹا نہ نکل جائے، وہ پرایہ پھلوں کو کتر کر ان کا سواد لے لیتی۔ بھیلنی کیا جانتی تھی کہ جھوٹی چیز کھانے کے یوگیہ نہیں رہتی۔ اس پرکار وہ ایک ٹوکری پھلوں سے بھر لائی اور کھانے کو انورودھ کرنے لگی۔ اس سمے دکھ کے مارے ان کا جی کچھ کھانے کو تو نہ چاہتا تھا، کنتو شبری کا ستکار سویکار تھا۔ وہ کتنے پریم سے جنگل سے پھل لائی ہے، اس کا وچار تو کرنا ہی پڑے گا۔ جب پھل کھانے آرمبھ کیے تو کوئی کوئی پھل کترے ہوئے دکھائی دیے، کنتو دونوں بھائیوں نے پھلوں کو اور بھی پریم سے کھایا، مانو وہ جوٹھے تھے، کنتو ان میں پریم کا رس بھرا ہوا تھا۔ دونوں بھائی بیٹھے پھل کھا رہے تھے اور شبری کھڑی پنکھا جھل رہی تھی۔ اسے یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں میرے پھل کھٹے اور کچے نہ نکل آئیں۔ تو یہ لوگ بھوکے رہ جائیں گے۔ شاید مجھے گھڑکیاں بھی دیں۔ راجا ہیں ہی، کیا ٹھکانا کنتو ان لوگوں نے خوب بکھان بکھان کے پھل کھائے، تو اسے مانو سورگ کا ٹھیکا مل گیا۔

دونوں بھائیوں نے رات وہیں وتیت کی پراتہ شبری سے وداع ہوکر آگے بڑھے۔

ادھر راون رتھ کو بھگاتا ہوا پنپاسر پہاڑ کے نکٹ پہنچا، تو سیتا جی نے دیکھا کہ پہاڑ پر کئی بندروں کی سی صورت والے آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ سیتا جی نے وچار کیا کہ رام جی اوشیہ مجھے ڈھونڈتے ہوئے اوشیہ ادھر آئیں گے۔ اس لیے انھوں نے اپنے کئی آبھوشن اور چادر رتھ کے نیچے ڈال دیے کہ سمبھوتہ ان لوگوں کی نظر ان چیزوں پر پڑ جائے اور وہ رام چندر کو میرا پتہ بتا سکیں۔ آگے چل کر تم کو معلوم ہوگا کہ سیتا جی کی اس کشلتا سے رام چندر کو ان کا پتہ لگانے میں بڑی سہایتا مالی۔

لنکا پہنچ کر راون نے سیتا جی کو اپنے محل باغ خزانے، سینائے سب دکھائیں وہ سمجھتا تھا کہ میرے ایشوریے اور دھن کو دیکھ کر سیتا جی لالچ میں پڑجائیں گی۔ اس کا محل کتنا سندر تھا۔ اپون کتنے نینا بھرام تھے، سینائیں اسنکھیہ اور نئے نئے استر شستروں سے کتنی بجی ہوئی تھیں کوش کتنا اسیم تھا، اس میں کتنے ہیرے جواہر بھرے ہوئے تھے! کنتو سیتا جی پر اس سینا کا بھی کچھ پربھاؤ نہ ہوا۔ انھیں وشواس تھا کہ رام چندر کے بانوں کے آگے یہ سینائیں کداپی نہ ٹھہر سکیں گی۔ جب راون نے دیکھا کہ سیتا نے میرے اس ٹھاٹ باٹ کی تنکے برابر بھی پرواہ نہ کی تو بولا۔ تم اب بھی میرے بل کا انومان نہیں ہوا؟ کیا تم اب بھی سمجھتی ہو کہ رام چندر تمھیں میرے ہاتھوں سے چھڑا لے جائیں گے؟ اس وچار کو من سے نکال ڈالو۔

سیتا جی نے گھرنا کی درشتی سے اس کی اُور دیکھ کر کہا۔ اس وچار کو میں ہردے سے کسی پرکار نہیں نکال سکتی، رام چندر اوشیہ مجھے لے جائیں گے اور تجھے اس دشٹتا اور نیچتا کا مزا بھی چکھائیں گے۔ تیری ساری سینا، تیرا سارا دھن اور سارے استر شستر سب دھرے کے دھرے رہے جائیں گے۔ ان کے بان مرتیو کے بان ہیں تو ان سے نہ بچ سکے گا۔ وہ آن کی آن میں تیری یہ سونے کی لنکا راکھ اور کالی کردیں گے۔ تیرے ونش میں کوئی دیپک جلانے والا نہ رہ جائے گا۔ یدی تجھے پانے جیون سے پریم ہے، تو مجھے ان کے پاس پہنچادے اور ان کے چرنوں پر نمرتا سے گر کر اپنی دھرشٹا کی چھما مانگ لے۔ وہ بڑے دیالو ہیں، تجھے چھما کردیں گے، کنتو یدی تو اپنی دشٹتا سے باز نہ آیا، تو تیرا ستیا ناش ہوجائے گا۔

راون کرودھ سے جل اٹھا۔ محل کے سمیپ ہی اشوک واٹیکا نام کا ایک اپون تھا، راون نے سیتا جی کو وہیں ٹھہرا دیا۔ اور کئی راچھسی استریوں کو اس کے لیے نیوکت کردیا تا کہ

وہ سیتا کو ستائیں اور ہر پرکار کشٹ پہنچا کر انھیں اس کی اور آکرشٹ کرنے کے لیے ووش کریں، اوسر پاکر اس کی پرشنسا سے بھی سیتا جی کو آکرشٹ کریں۔ یہ پربندھ کر کے وہ تو چلا گیا، کنتو راچھسی استریاں تھوڑے ہی دنوں میں سیتا جی کی نیکی اور سجنتا اور پتی کا سچا پریم دیکھ کر ان سے پریم کرنے لگ گئیں اور انھیں کشٹ پہنچانے کے بدلے ہر طرح کا آرام دینے لگیں۔ وہ سیتا جی کو آشواسن بھی دیتی رہتی تھیں۔ ہاں، جب راون آجاتا تھا تو اسے دکھانے کے لیے سیتا پر دوچار گھڑکیاں جمادیتی تھیں۔

کشکندھا کانڈ

سیتا جی کی کھوج

رام اور لکچھمن سیتا کی کھوج میں پروت اور بنوں کی خاک چھانتے چلے جاتے تھے کہ سامنے رِشیہ مُوک پہاڑ دکھائی دیا۔ اس کی چوٹی پر شگریو اپنے کچھ نشٹھاوان ساتھیوں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ وہ منش کشکندھا نگر کے راجا بالی کا چھوٹا بھائی تھا۔ بالی نے ایک بات پر آسنتشٹ ہوکر اسے راجیہ سے نکال دیا تھا اور اس کی پتنی تارا کو چھین لیا تھا۔ سگریو بھاگ کر اس پہاڑ پر چلا گیا اور یدھپی وہ چھپ کر رہتا تھا، پھر بھی اسے یہ شنکا بنی رہتی تھی کہ کہیں بالی اس کا پتہ نہ لگا لے اور اسے مارنے کے لیے کسی کو بھیج دے۔ اس نے رام اور لچھمن کو دھنش اور بان لیے جاتے دیکھا، تو پران سوکھ گئے۔ وچار آیا کہ ہو نہ ہو بالی نے ان دونوں ویریوکوں کو مجھے مارنے بھیجا ہے۔ اپنے آگیا کاری متر ہنومان سے بولا۔ بھائی مجھے ان دونوں آدمیوں سے بھے لگتا ہے۔ بالی نے انھیں مجھے مارنے کے لیے بھیجا ہے۔ اب بتاؤ کہاں جاکر چھپوں؟

ہنومان شگریو کے سچے ہتیشی تھے۔ اس نردھنتا میں اور سب ساتھیوں نے سگریو سے منھ موڑ لیا تھا۔ اس کی بات بھی نہ پوچھتے تھے، کنتو ہنومان بڑے بدھیمان تھے اور جانتے تھے کہ سچا متر وہی ہے جو سنکٹ میں ساتھ دے۔ اچھے دنوں میں تو شتروں بھی متر بن جاتے ہیں۔ انھوں نے شگریو کو سمجھایا۔ آپ اتنا ڈرتے کیوں ہو۔ مجھے ان دونوں آدمیوں کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سجّن اور دیالو ہیں۔ میں ابھی ان کے پاس جاکر ان کا حال چال پوچھتا ہوں۔ یہ کہہ کر ہنومان نے ایک براہمن کا بھیش بنایا، ماتھے پر تلک لگایا جنیو پہنا، پوتھی بغل میں دبائی اور لاٹھی ٹیکتے ہوئے رام چندر کے پاس جاکر بولے۔ آپ لوگ یہاں کہاں آرہے ہیں؟ مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپ لوگ پردیسی ہیں اور سمبھوتہ آپ کا کوئی ساتھی کھو گیا ہے۔

رام چندر نے کہا۔ ہاں دیوتا جی! آپ کا وچار ٹھیک ہے۔ ہم لوگ پردیسی ہیں اور بھاگیہ کے کارن یہاں بنوں میں بھٹک رہے ہیں۔ اس پر نئی وپتی یہ پڑی، کہ کوئی میری سیتا کو اٹھا کر لے گیا۔ اس کی کھوج میں ادھر آ نکلے۔ دیکھو ابھی کہاں کہاں ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔

ہنومان نے سہانبھوتی پورن بھاؤ سے کہا۔ مہاراج گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ ایودھیا کے راجکمار ہیں، تو ہم آپ کے سیوک ہیں میرے ساتھ پہاڑ پر چلیے یہاں راجا سگریو رہتے ہیں۔ انھیں بالی نے کشکندھا پوری سے نکال دیا ہے۔ بڑے ہی نیک اور سجن پرش ہیں۔ یدی ان سے آپ کی مترتا ہوگئی، تو بڑی ہی سرلتا سے آپ کا کام نکل جائے گا۔ وہ چاروں طرف اپنے آدمی بھیج کر پتہ لگائیں گے اور جیوں ہی پتہ ملا، اپنی وشال سینا لے کر مہارانی جی کو چھڑا لائیں گے۔ انھیں اپنا سیوک سمجھیے۔

رام نے لچھمن سے کہا۔ مجھے تو یہ آدمی ہردئے سے نشکپٹ اور سجن معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔ کون جانے، سگریو سے ہی ہمارا کام نکلے۔ چلوں تنک سگریو سے بھی مل لیں۔

دونوں بھائی ہنومان کے ساتھ پہاڑ پر پہنچے۔ سگریو نے دوڑ کر ان کی ابھیرتھنا کی اور لاکر اپنے برابر سنہاسن پر بیٹھایا۔

ہنومان نے کہا۔ آج بڑا شبھ دن ہے کہ ایودھیا کے دھرماتما رام کشکندھا پوری کے راجا سگریو کے اتیتھی ہوئے ہیں۔ آج دونوں مل کر اتنے بلوان ہوجائیں گے کہ کوئی سامنا نہ کرسکے گا۔ آپ کی دشا ایک سی ہے اور آپ دونوں کو ایک دوسرے کی سہایتا کی آوشیکتا ہے۔ راجا سگریو مہارانی سیتا کی کھوج کریں گے اور مہاراج رام چندر بالی کو مار کر سگریو کو راجا بنائیں گے اور رانی تارا کو واپس دلادیں گے۔ اس لیے آپ دونوں اگنی کو ساکشی بنا کر پرن لیجیے کہ سدا ایک دوسرے کی سہایتا کرتے رہیں گے۔ چاہے اس میں کتنا ہی سنکٹ ہو۔

آگ جلائی گئی۔ رام اور سگریو اس کے سامنے بیٹھے اور ایک دوسرے کی سہایتا کرنے کا نشچے اور پرن کیا۔ پھر بات ہونے لگی۔ سگریو نے پوچھا۔ آپ کو گیات ہے کہ سیتا جی کو کون اٹھا لے گیا؟ یدی اس کا نام گیات ہوجائے، تو سمجھوتہ میں سیتا جی کا آسانی سے پتہ لگا سکوں گا۔

رام نے کہا۔ یہ تو جٹایو سے گیات ہوگیا ہے کہ وہ لنکا کے راجا راون کی دشٹتا ہے۔ اسی نے ہم لوگوں کو چھل کر سیتا کو ہرلیا اور اپنے رتھ پر بیٹھا کر لے گیا۔

اب سگریو کو ان آبھوشنوں کی یاد آئی جو سیتا جی نے رتھ پر سے نیچے پھینکے تھے۔ اس نے ان آبھوشن کو منگواکر رام چندر کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔ آپ ان آبھوشنوں کو دیکھ کر پہنچانیے کہ یہ آبھوشن سیتا کے تو نہیں ہیں؟ کچھ سمے ہوا ایک رتھ ادھر سے آرہا تھا۔ کسی استری نے اس رتھ پر سے یہ گہنے پھینک دیے تھے۔ مجھے تو پرتیت ہوتا ہے، وہ سیتا جی ہی تھیں راون انھیں لیے چلا جاتا تھا۔ جب کچھ وش نہ چلا، تو انھوں نے یہ آبھوشن گرادیے کہ شاید آپ لوگ ادھر آئیں اور ہم لوگ آپ کو ان کا پتہ بتادیں۔

آبھوشنوں کو دیکھ کر رام چندر کی آنکھوں میں آنسوں گرنے لگے۔ ایک دن وہ تھا کہ یہ گہنے سیتا جی کے تن پر شوبھا دیتے تھے۔ آج یہ اِس پرکار مارے مارے پھر رہے ہیں۔ مارے دکھ کے وہ ان گہنوں کو دیکھ نہ سکے، منھ پھیر کر لچھمن سے کہا۔ بھیا، تنک دیکھو تو، یہ تمھاری بھابھی کے آبھوشن ہیں۔

لچھمن نے کہا۔ بھائی صاحب، اس گلے کے ہار اور ہاتھوں کے کنگن کے وشے میں تو کچھ نویدن نہیں کرسکتا، کیونکہ میں نے کبھی بھابھی کے چہرے کی اور دیکھنے کا ساہس نہیں کیا۔ ہاں پاؤں کے بچھوئے اور پازیب بھابھی ہی کے ہیں۔ میں ان کے چرنوں کو چھوتے سمے پرتی دن ان چیزوں کو دیکھتا رہا ہوں۔ نسندیہہ یہ چیزیں دیوی جی ہی کی ہیں۔

سگریو بولا۔ تو اس میں سندیہہ نہیں کہ دچھن کی اور سیتا کا پتہ ملے گا۔ آپ جتنے شیگھر مجھے راجیہ دلادیں میں اتنے شیگھر آدمیوں کو وہاں بھیجنے کا پربندھ کروں۔ کنتو یہ سمجھ لیجیے کہ بالی اتینت بلوان پرش ہے اور یدھ کے کوشل بھی خوب جانتا ہے۔ مجھے یہ سنتوش کیسے ہوگا کہ آپ اس پر وجے پاسکیں گے۔ وہ ایک بان سے تین ورچھوں کو ایک ہی ساتھ چھید ڈالتا ہے۔

پروت کے نیچے سات ورچھ ایک ہی پنکتی میں لگے ہوئے تھے۔ رام چندر نے بان کو دھنش پر لگا کر چھوڑا، تو وہ ساتوں ورچھوں کو پار کرتا ہوا پھر ترکش میں آگیا۔ رام چندر کا یہ کوشل دیکھ کر سگریو کو یہ وشواس ہوگیا کہ یہ بالی کو مارسکیں گے۔ دوسرے دن اس نے ہتھیار ساجے اور بڑی ویرتا سے بالی کے سامنے جاکر بولا۔ او اتیاداری! باہر نکل آ! آج میری اور

تیری انتم بار مڈبھیڑ ہوجائے۔ تو نے مجھے اکاران ہی راجیہ سے نکال دیا ہے۔ آج تجھے اس کا مزا چکھاؤں گا۔

بالی نے کئی بار سگریو کو پچھاڑ دیا تھا۔ پر ہر بار تارا کے سفارش کرنے سے اسے چھوڑ دیا تھا۔ یہ للکار سن کر کرودھ سے لال ہوگیا ور بولا۔ معلوم ہوتا ہے تیرا کال آگیا ہے۔ کیوں ویرتھ اپنی جان کا دشمن ہوا ہے؟ جا، چوروں کی طرح پہاڑوں پر چھپ کر بیٹھ۔ تیرے رکت سے کیا ہاتھ رنگوں۔

تارا نے بالی کو اکیلے میں بلاکر کہا۔ میں نے سنا ہے کہ سگریو نے ایوودھیا کے راجا رام چندر سے مترتا کرلی ہے۔ وہ بڑے ویر ہیں تم اس کا تھوڑا بہت بھاگ دے کر راضی کرلو۔ اس سے لڑنا اچت نہیں۔

کنتو بالی اپنے بل کے ابھیمان میں اندھا ہورہا تھا۔ سگریو ایک نہیں سو راجاؤں کو اپنی سہایتا کے لیے بلا لائے، میں لیش ماتر پرواہ نہیں کرتا۔ جب میں نے راون کی کچھ حقیقت نہیں سمجھی، تو رام چندر کی کیا ہستی ہے۔ میں نے سمجھا دیا ہے، کنتو وہ مجھے لڑنے پر ووش کرے گا تو اس کا در بھاگیہ۔ اب کے مار ہی ڈالوں گا۔ سدیو کے لیے جھگڑے کا انت کردوں گا۔

بالی جب باہر آیا تو دیکھا سگریو ابھی تک کھڑا للکار رہا ہے۔ تب اس سے سہن نہ ہوسکا۔ اپنی گدا اٹھالی اور سگریو پر جھپٹا۔ سگریو پیچھے ہٹتا ہوا بالی کو اس استھان تک لایا، جہاں رام چندر دھنش بان لیے گھات میں بیٹھے تھے۔ اسے آشا تھی کہ رام چندر بان چھوڑ کر بالی کا انت کردیں گے۔ کنتو جب کوئی بان نہ آیا اور بالی اس پر وار کرتا ہی گیا، تب تو سگریو جان لے کر بھاگا اور پروت کی ایک گپھا میں چھپ گیا۔ بالی نے بھاگے ہوئے شترو کا پیچھا کرنا اپنی مریادا کے ورودھ سمجھ کر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے گھر کا راستہ لیا۔

تھوڑی دیر کے پشچات جب رام چندر سگریو کے پاس آئے، تو وہ بگڑ کر بولا۔ واہ صاحب واہ! آپ نے تو آج میری جان ہی لے لی تھی۔ مجھ سے تو کہا کہ میں پیڑ کی آڑ سے بالی کو مار گراؤں گا ور تیر کے نام ایک تنکا بھی نہ چھوڑا! جب آپ بالی سے اتنا ڈرتے تھے، تو مجھے لڑنے کے لیے بھیجا ہی کیوں تھا؟ میں بڑے آنند سے یہاں چھپا بیٹھا تھا۔ میں نہ جانتا تھا کہ آپ وچن سے اتنا منہ موڑنے والے ہیں۔ بھاگ نہ آتا تو اس نے آج مجھے

مار ہی ڈالا تھا۔

رام نے لجت ہوکر کہا۔ سگریو، میں اپنے وچن کو بھولا نہ تھا اور نہ بالی سے ڈر ہی رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ تم دونوں بھائی صورت شکل میں اتنا ملتے جلتے ہو کہ میں دور سے پہچان ہی نہ سکا کہ تم کون اور کون بالی۔ ڈرتا تھا کہ ماروں تو بالی کو اور تیر لگ جائے تمھیں۔ بس اتنی سی بات تھی۔ کل تم ایک مالا گلے میں پہن کر پھر اس سے لڑو۔ اس پرکار میں تمھیں پہچان جاؤں گا اور ایک بان میں بالی کا انت کروں گا۔

دوسرے دن سگریو نے پھر جاکر بالی کو للکارا۔ کل میں نے تمھیں بڑا سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ ایتھا چاہتا تو چٹنی کر ڈالتا۔ مجھے آشا تھی کہ تو میرے اس ویوہار سے کچھ نرم ہوگا اور میرے آدھے راجیہ کے ساتھ میری پتنی کو مجھے واپس کردے گا، کنتو تو نے میرے ویوہار کا کوئی آدر نہ کیا۔ اس لیے آج میں پھر لڑنے آیا ہوں۔ آج فیصلہ ہی کرکے چھوڑوں گا۔

بالی ترنت نکل آیا۔ سگریو کے ڈینگ مارنے پر آج اسے بڑا کرودھ آیا۔ اس نے نشچے کرلیا تھا کہ آج اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ دونوں پھر اسی میدان میں آکر لڑنے لگے۔ بالی نے تنک دیر میں سگریو کو دے پٹکا اور اس کی چھاتی پر سوار ہوکر چاہتا تھا کہ اس کا سر کاٹ لے کہ ایکایک کسی اور سے ایک ایسا تیر آکر اس کے سینے میں لگا کہ ترنت نیچے گر پڑا۔ سینے سے رودھِر کی دھارا بہنے لگی۔ اس کے سمجھ میں نہ آیا کہ یہ تیر کس نے مارا! اس کے راجیہ میں تو کوئی ایسا پرش نہ تھا جس کے تیر میں اتنا بل ہوتا۔

وہ اسی اسمنجس میں پڑا چلا رہا تھا کہ رام اور لچھمن دھنش اور بان لیے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ بالی سمجھ گیا کہ رام چندر نے ہی اسے تیر مارا ہے۔ بولا۔ کیوں مہاراج! میں نے تو سنا تھا کہ تم بڑے دھرماتما اور ویر ہو۔ کیا تمھارے دیش میں اسی کو ویرتا کہتے ہیں کہ کسی آدمی پر چھپ کر وار کیا جائے! میں نے تو تمھارا کچھ نہیں بگاڑا تھا!

رام چندر نے اتر دیا۔ میں نے تمھیں اس لیے نہیں مارا کہ تم میرے شترو ہو، کنتو اس لیے کہ تم نے اپنے ونش پر اتیاچار کیا ہے، اور سگریو کی پتنی کو اپنے گھر میں رکھ لیا۔ ایسے آدمی کا ودھ کرنا پاپ نہیں ہے۔ تمھیں اپنے سگے بھائی کے ساتھ ایسا ویوہار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تم سمجھتے ہو کہ راجا سوتنتر ہے، اور جو چاہے کرسکتا ہے۔ یہ تمھاری بھول ہے۔ راجا اسی سمے تک سوتنتر ہے، جب تک وہ سچنتا اور نیائے کے مارگ پر چلتا ہے۔ جب تو وہ نیائے کے مارگ

سے ہٹ جائے، تو پرتیک منش جو پریاپت بل رکھتا ہو اسے ڈنڈ دینے کا ادھکار ہے۔ اس کے اتیرکت سگریو میرا متر ہے اور متر کا شترو میرا شترو ہے۔ میرا کرتویہ تھا کہ میں اپنے متر کی سہایتا کروں۔

بالی کو گھاتک گھاؤ لگا تھا۔ جب اسے وشواس ہوگیا کہ میں اب کچھ ہی چھنوں کا مہمان ہوں، تو اس نے اپنے پتر انگد کو بلاکر سپرد کیا اور بولا۔ سگریو اب میں اس سنسار سے بدا ہورہا ہوں۔ اس اناتھ لڑکے کو اپنا پتر سمجھنا۔ یہی تم سے میری انتم ونتی ہے۔ میں نے جو کچھ کیا، اس کا پھل پایا۔ تم سے مجھے کوئی شکایت نہیں۔ جب دو بھائی لڑتے ہیں، تو وناش کے سوا ور پھل کیا ہوسکتا ہے! برائیوں کو بھول جاؤ میری دُرویہاروں کا بدلا اس اناتھ لڑکے سے نہ لینا۔ اسے طعنے نہ دینا۔ میری دشا سے پاٹھ لو اور ستیہ کے راستے سے چلو۔ یہ کہتے کہتے بالی کے پران نکل گئے۔ سگریو کشیکندھا پوری کا راجا ہوا اور انگد راجیہ کا اتر ادھکاری بنایا گیا۔ تارا پھر سگریو کی رانی ہوگئی۔

ہنومان

برسات کا موسم آیا۔ ندی نالے جھیل تالاب پانی سے بھر گئے۔میدانوں میں ہریالی لہلہانے لگی۔ پہاڑیوں پر موروں نے شور مچانا پرارمبھ کیا۔ آکاش پر کالے کالے بادل منڈلانے لگے۔ رام اور لچھمن نے ساری برسات پہاڑ کی گپھا میں ویتیت کی۔ یہاں تک کہ برسات گزر گئی اور جاڑا آیا۔ پہاڑی ندیوں کی دھارا دھیمی پڑگئی۔ کاس کے ورکچھ سفید پھولوں سے لد گئے۔ اکاش سُوچھ اور نیلا ہوگیا۔ چاند کا پرکاش نکھر گیا۔ کنتو سگریو نے اب تک سیتا کو ڈھونڈنے کا کوئی پربندھ نہ کیا۔ نہ راما لچھمن ہی کی سدھ لی۔ ایک سمے تک وپتیاں جھیلنے کے پشچات راجیہ کا سکھ پاکر وِلاس میں ڈوب گیا۔ اپنا وچن یاد نہ رہا۔ انت میں رام چندر نے پرتیکشا سے تنگ آکر ایک دن لچھمن سے کہا۔ دیکھتے ہو سگریو کی کرتگھنتا! جب تک بالی نہ مرا تھا تب تک تو رات دن خوشامد کیا کرتا تھا اور اب جب راجیہ مل گیا اور کسی شترو کا بھے نہ رہا تو ہماری اور سے بالکل نشچنت ہوگیا۔تم تنک جاکر اسے ایک بار یاد تو دلادو۔ یدی مان جائے تو شبھ، انیتھا جس بان سے بالی کو مارا اسی بان سے سگریو کا انت کردوں گا۔

لچھمن ترنت کشکندھا نگری میں پروشٹ ہوئے اور شگریو کے پاس جاکر کہا۔ کیوں صاحب! سجنتا اور بھلمنسی کے یہی ارتھ ہیں کہ جب تک اپنا سوارتھ تھا، تب تک تو رات دن گھیرے رہتے تھے اور جب راجیہ ملا تو سارے وعدے بھول گئے؟ کشل چاہتے ہو تو فوراً اپنی سینا کو سیتا کی کھوج میں روانہ کرو۔ انیتھا پھل اچھا نہ ہوگا۔ جن ہاتھوں نے بالی کا ایک چھن میں انت کردیا، انھیں تم کو مارنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ راستہ دیکھتے دیکھتے ہماری آنکھیں تھک گئیں۔ کنتو تمھاری نیند نہ ٹوٹی۔تم اتنے شیل رہت اور سوارتھی ہو؟ میں تمھیں ایک ماس کا سمے دیتا ہوں۔ یدی اس اودھی کے اندر سیتا جی کا کوئی پتہ نہ چلا تو تمھاری کشل نہیں۔

سگریو کو مارے لجا کے سر اٹھانا مشکل ہوگیا۔ لچھمن سے اپنی بھولوں کی چھما مانگی اور بولا۔ ویر لچھمن میں اتینت لجّت ہوں کہ اب تک اپنا وچن نہ پورا کرسکا۔ شری رام چندر نے مجھ پر جو احسان کیا اسے مرتے دم تک نہ بھول سکوں گا۔ اب تک میں راجیہ کی پریشانیوں

میں پھنسا ہوا تھا اب دل اور جان سے سیتا جی کی کھوج کروں گا۔ مجھے وشواس ہے کہ ایک مہینے میں ان کا پتہ لگا لوں گا۔

یہ کہہ کر وہ لچھمن کے ساتھ رشیہ مُوک پروت پر چلا آیا جہاں رام لچھمن رہتے تھے۔ اور یہیں سے سیتا جی کی تلاش کا پربندھ کرنے لگا۔ وشواسی اور پرکھا یُکت آدمیوں کو چن چن کر دیش کے ہر ایک حصے میں بھیجنا شروع کیا۔ کوئی پنجاب اور قندھار کی طرف گیا، کوئی بنگال کی اور، کوئی ہمالیہ کی اور۔ ہنومان ان آدمیوں میں سب سے ویر اور انوبھوی تھے۔ انھیں اس نے دکشن کی اور بھیجا۔ کیونکہ انومان تھا کہ راون سیتا کو لے کر لنکا کی اور گیا ہوگا۔ ہنومان کی مدد کے لیے انگد، جاموَنت، نیل، نل اتیادی ویروں کو تعیات کیا۔ رام چندر ہنومان سے بولے۔ مجھے آشا ہے کہ سپھلتا کا سہرا تمھارے ہی سر ہوگا۔

ہنومان نے کہا۔ یدی آپ کا یہ آشیرواد ہے تو اوشیہ سپھل ہوؤں گا۔ آپ مجھے کوئی ایسی نشانی دیجیے، جسے دیکھا کر میں سیتا جی کو وشواس دلا سکوں۔

رام چندر نے اپنی انگوٹھی نکال کر ہنومان کو دے دی اور بولے۔ یدی سیتا سے تمھاری ملاقات ہو، تو انھیں سمجھا کر کہنا کہ رام اور لچھمن تمھیں بہت شیگھر چھڑانے آئیں گے۔ جس پرکار اتنے دن کاٹے ہیں، اسی پرکار تھوڑے دن اور صبر کریں۔ ان کو خوب ڈھاڑس دینا کہ شوک نہ کریں۔ یہ سمے کا الٹ پھیر ہے۔ نہ اس طرح رہا، نہ اس طرح رہے گا۔ یدی یہ وپتیاں نہ جھیلنی ہوتیں تو ہمارا بن واس ہی کیوں ہوتا۔ راجیہ چھوڑ کر جنگلوں میں مارے مارے پھرتے۔ ہر حالت میں ایشور پر بھروسہ رکھنا چاہیے ہم سب اسی کی اچھا کے پتلے ہیں۔

ہنومان انگوٹھی لے کر اپنے سہایکوں کے ساتھ چلے۔ کتنو کئی دن کے بعد جب لنکا کا کچھ ٹھیک پتا نہ چلا اور رسد کا سامان سب کا سب خرچ ہوگیا تو انگد اور ان کے کئی ساتھ واپس چلنے کو تیار ہوگئے۔ انگد ان کا نیتا بن بیٹھا۔ یدیپی وہ سگریو کی آگیا کا پالن کررہا تھا، پر ابھی تک اپنے پتا کا شوک اس کے دل میں تازہ تھا۔ ایک دن اس نے کہا۔ بھائیوں، میں تو اب آگے نہیں جاسکتا نہ ہمارے پاس وہ رسد ہے، نہ یہی خبر ہے کہ ابھی لنکا کتنی دور ہے۔ اس پرکار گھاس پات کھا کر ہم لوگ کتنے دن رہیں گے؟ مجھے تو ایسا پرتیت ہوتا ہے کہ چاچا سگریو نے ہمیں ادھر اس لیے بھیجا ہے کہ ہم لوگ بھوک پیاس سے مرجائیں اور اسے میری اور سے کوئی کھٹکا نہ رہے۔ اس کے سوائے اس کا اور کوئی ابھی پرائے نہیں۔ آپ تو وہاں آنند

سے بیٹھے راج کررہے ہیں۔ اور ہمیں مرنے کے لیے ادھر بھیج دیا ہے۔ وہی رام چندر تو ہیں، جنھوں نے میرے پتا کو چھل سے قتل کیا۔ میں کیوں ان کی پتنی کی کھوج میں جان دوں۔ میں تو اب کشکندھا نگر جاتا ہوں اور آپ لوگوں کو بھی یہی صلاح دیتا ہوں۔

اور لوگ تو انگد کے ساتھ لوٹنے پر لگ بھگ پرسنّت سے ہوگئے، کنتو ہنومان نے کہا۔ جن لوگوں کو اپنے وچن کا دھیان نہ ہو وہ لوٹ جائیں۔ میں نے تو پرن کرلیا ہے کہ سیتا جی کا پتا لگائے بنا نہ لوٹوں گا، چاہے اس کوشش میں جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ پروشوں کی بات پر ان کے ساتھ ہے۔ وہ جو وعدہ کرتے ہیں، اس سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتے۔ ہم رام چندر کے ساتھ اپنے کرتویہ کا پالن نہ کرکے اپنی سمست جاتی کو کلنکت نہیں کرسکتے۔ آپ لوگ لچھمن کے کرودھ سے ابھگیہ نہیں، میں ان کا کرودھ دیکھ چکا ہوں ۔ یدی آپ لوگ وعدہ پورا نہیں کرسکے تو سمجھ لیجیے کہ کشکندھا کا راجیہ نشٹ ہوجائے گا۔

ہنومان کے سمجھانے کا سب کے اوپر پربھاؤ ہوا۔ انگد نے دیکھا کہ میں اکیلا ہی رہ جاتا ہوں، تو اس نے بھی وِپلو کا وچار چھوڑ دیا۔ ایک بار پھر سب نے مضبوط کمر باندھی اور آگے بڑھے۔ بیچارے دن بھر ادھر ادھر بھٹکتے اور رات کو کسی گپھا میں پڑے رہتے تھے۔ سیتا جی کا کچھ پتا نہ چلتا تھا۔ یہاں تک کہ بھٹکتے ہوئے ایک مہینے کے قریب گزر گیا۔ راجا سگریو نے چلتے سمے کہہ دیا تھا کہ یدی تم لوگ ایک مہینے کے اندر سیتا جی کا پتا لگا کر نہ لوٹو گے تو میں کسی کو جیوت نہ چھوڑوں گا۔ اور یہاں یہ حال تھا کہ سیتا جی کی کچھ خبر ہی نہیں۔ سب کے سب جیون سے نراش ہوگئے۔ سمجھ گئے کہ اسی بہانے سے مرنا تھا۔ اس طرح لوٹ کر مارے جانے سے یہ کہیں اچھا ہے کہ یہیں کہیں ڈوب مریں۔

ایک دن وپتی کے مارے یہ بیٹھے سوچ رہے تھے کہ کدھر جائیں کہ انھیں ایک بوڑھا سادھو آتا دکھائی دیا۔ بہت دنوں کے بعد ان لوگوں کو آدمی کی صورت دکھائی دی۔ سب نے دوڑ کر اسے گھیر لیا اور پوچھنے لگے۔ کیوں بابا، تم نے کہیں رانی سیتا کو دیکھا ہے، کچھ بتلا سکتے ہو، وہ کہاں ہیں؟

اس سادھو کا نام سمپاتی تھا۔ وہ اس جٹایو کا بھائی تھا، جس نے سیتا جی کو راون سے چھین لینے کی کوشش میں اپنی جان دی تھی۔ دونوں بھائی بہت دنوں سے الگ الگ رہتے تھے۔ بولا۔ ہاں بھائی، سیتا کو لنکا کا راجا راون اپنے رتھ پر لے گیا ہے۔ کئی سپتاہ ہوئے،

میں نے سیتا جی کو روتے ہوئے رتھ پر جاتے دیکھا تھا۔ کیا کروں، بڑھاپے سے لاچار ہوں، ورنہ راون سے ضرور لڑتا۔ تب سے اسی فکر میں گھوم رہا ہوں کہ کوئی مل جائے تو اس سے یہ سماچار کہہ دوں۔ کون جانے کب مرتیو آجائے۔ تم لوگ خوب ملے۔ اب میں نے اپنا کرتوّیہ پورا کردیا۔

ہنومان نے پوچھا۔ لنکا کدھر ہے اور یہاں سے کتنی دور ہے، بابا؟

سمپاتی بولا۔ دکچھن کی اُور چلے جاؤ۔ وہاں تمھیں ایک سمندر ملے گا۔ سمندر کے اس پار لنکا ہے۔ یہاں کوئی سو کوس ہوگا۔

یہ سماچار سن کر اس دَل کے لوگ بہت پرسن ہوئے۔ جیون کی کچھ آشا ہوئی۔ اسی سے چال تیز کردی اور دو دنوں میں رات دن چل کر سو کوس کی منزل طے کرلی۔ اب سمندر ان کے سامنے لہریں ماررہا تھا۔ چاروں اور پانی ہی پانی۔ جہاں تک نگاہ جاتی، پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ ان بیچاروں نے اتنا چوڑا ند کہاں دیکھا تھا۔ کئی آدمی تو مارے بھے کے کانپ اٹھے۔ نہ کوئی ناؤ تھی نہ ڈونگی۔ سمندر میں جائیں تو کیسے جائیں۔ کسی کی ہمّت نہ پڑتی تھی۔ نل اور نیل اچھے انجینئر تھے۔ مگر سمندر میں تیرنے یوگیہ ناؤ بنانے کے لیے نہ کوئی سامان تھا نہ سمے۔ اس کے علاوہ کوئی یکتی نہ تھی کہ ان میں سے کوئی سمندر میں تیر کر لنکا میں جائے اور سیتا جی کی خبر لائے۔ انت میں بوڑھے جامونت نے کہا۔ کیوں بھائیو، کب تک اس طرح سمندر کو سہمی ہوئی آنکھوں میں دیکھتے رہو گے؟ تم میں کوئی اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ سمندر کر تیر کر لنکا تک جائے؟

انگد نے کہا۔ میں تیر کر جاسکتا ہوں۔ پر شاید لوٹ کر نہ آسکوں۔

نل نے کہا۔ میں تیر کر جاسکتا ہوں۔ پر شاید لوٹتے وقت آدھی دور آتے آتے بے دم ہوجاؤں۔

نیل بولا۔ جا تو میں بھی سکتا ہوں اور شاید یہاں تک لوٹ بھی جاؤں۔ مگر لنکا میں سیتاجی کا پتہ لگاسکوں اس کا مجھے وشواس نہیں۔

اس طرح سبھوں نے اپنے اپنے ساہس اور بل کا انومان لگایا۔ کنتو ہنومان جی ابھی خاموش بیٹھے تھے۔ جامونت نے ان سے پوچھا۔ تم کیوں چپ ہو، بھگت جی؟ بولتے کیوں نہیں؟ کچھ تم سے بھی ہوسکے گا؟

ہنومان نے کہا۔ میں لنکا تک تیر کر جاسکتا ہوں۔ تم لوگ یہیں بیٹھے ہوئے میری پرتیکچھا کرتے رہنا۔

جاموَنت نے ہنس کر کہا۔ اتنا ساہس ہونے پر بھی تم اب تک چپ بیٹھے تھے۔

ہنومان نے اتر دیا۔ کیول اس لیے کہ میں اوروں کو اپنا گورو اور لیش بڑھانے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ میں بول اٹھتا تو شاید اوروں کو یہ کھید ہوتا کہ ہنومان نہ ہوتے تو میں اس کام کو پورا کرکے راجا سگریو اور راجا رام چندر دونوں کا پیارا بن جاتا۔ جب کوئی تیار نہ ہوا تو ووش ہوکر مجھے اس کام کا بیڑا اٹھانا پڑا۔ آپ لوگ نشچنت ہوجائیں۔ مجھے وشواس ہے کہ میں بہت شیگھر سپھل ہوکر واپس آؤں گا۔

یہ کہہ کر ہنومان جی سمندر کی اُور پرو شوچِت درڑھ پگ اٹھاتے ہوئے چلے۔

سُندر کانڈ

لنکا میں ہنومان

راسکماری سے لنکا تک تیر کر جانا سرل کام نہ تھا۔ اس پر دریائی جانوروں سے بھی سامنا کرنا پڑا۔ کنتو ویر ہنومان نے ہمت نہ ہاری سندھیا ہوتے ہوتے وہ اس پار جا پہنچے۔ دیکھا کہ لنکا کا نگر پہاڑ کی ایک چوٹی پر بسا ہوا ہے۔ اس کے محل آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ سڑکیں چوڑی اور صاف ہیں۔ ان پر طرح طرح کی سواریاں دوڑ رہی ہیں۔ پگ پگ پر سجّت سپاہی کھڑے پہرا دے رہے ہیں۔جدھر دیکھیے، ہیرے جواہرات کے ڈھیر لگے ہیں۔ شہر میں ایک بھی غریب آدمی نہیں دکھائی دیتا۔ کسی کسی محل کے کلش سونے کے ہیں۔ دیواروں پر ایسی سندر چتر کاری کری گئی ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سونے کی ہیں۔ ایسا جن پورن اور شری پورن نگر دیکھ کر ہنومان چکرا گئے۔ یہاں سیتا جی کا پتہ لگانا لوہے کے چنے چبانا تھا۔ یہ تو اب معلوم ہی تھا کہ سیتا راون کے محل میں ہوں گی۔ کنتو محل میں پرویش کیسے ہو؟ مُکھیہ دوار پر سنتریوں کا پہرا تھا۔ کسی سے پوچھتے تو ترنت لوگوں کو سندیہہ ہو جاتا۔ پکڑ لیے جاتے۔ سوچنے لگے، راج پرساد کے اندر کیسے گھسوں؟ ایکا یک انھیں ایک بڑا چھتنار ورکچھ دکھائی دیا، جس کی شاخیں محل کے اندر جھکی ہوئی تھیں۔ ہنومان پرسنتا سے اچھل پڑے۔ پہاڑوں میں تو وہ پیدا ہوئے تھے۔ بچپن ہی سے پہاڑوں پر چڑھنا اچکنا کودنا سیکھا تھا۔ اتنی پھرتی سے پیڑوں پر چڑھتے تھے کہ بندر بھی دیکھ کر شرما جائے۔ پہرے داروں کی آنکھیں بچا کر ترنت اس پیڑ پر چڑھ گئے اور پتیوں میں چھپے رہے۔ جب آدھی رات ہوگئی اور چاروں اور سناٹا چھا گیا، راون بھی اپنے محل میں آرام کرنے چلا گیا تو وہ دھیرے سے ایک ڈال پکڑ کر محل کے اندر کود پڑے۔

محل کے اندر چمک دمک دیکھ کر ہنومان کی آنکھوں میں چکاچوندھ ہوگئی۔ اسفٹِک کی پار درشی بھومی تھی۔ اس پر فانوس کی کرن پڑتی تھی، تو وہ دم دم کرنے لگتی تھی۔ ہنومان نے

دبے پاؤں محلوں میں گھومنا شروع کیا۔ راون کو دیکھا، ایک سونے کے پلنگ پر پڑا سو رہا ہے۔ اس کے کمرے سے ملے ہوئے مندودری اور دوسری رانیوں کے کمرے ہیں۔ مندودری کا سوندریہ دیکھ کر ہنومان کو سندیہہ ہوا کہ کہیں یہی سیتا جی نہ ہوں۔ کنتو وچار آیا سیتا جی اس پرکار عطر اور جواہرات سے لدی ہوئی بھلا میٹھی نیند کے مزے لے سکتی ہیں؟ ایسا سمبھو نہیں۔ یہ سیتا جی نہیں ہوسکتیں۔ پرتیک محل میں انھوں نے سندر رانیوں کو مزے سوتے ہوئے پایا۔ کوئی کونا ایسا نہ بچا، جسے انھوں نہ دیکھا ہو۔ پر سیتا جی کا کہیں نشان نہیں۔ وہ رنج وغم سے گھلی ہوئی سیتا کہیں دکھائی نہ دیں۔ ہنومان کو سندیہہ ہوا کہ کہیں راون نے سیتا جی کو مار تو نہیں ڈالا۔ جیوت ہوتیں تو کہاں جاتیں؟

ہنومان ساری رات اسمنجس میں پڑے رہے، جب سویرا ہونے لگا اور کوے بولنے لگے، تو وہ اس پیڑ کی ڈال سے باہر نکل آئے۔ مگر اب انھیں کسی ایسی جگہ کی ضرورت تھی، جہاں وہ دن بھر چھپ سکیں۔ کل جب وہ وہاں آئے تو شام ہوگئی تھی۔ اندھیرے میں انھیں کسی نے انھیں دیکھا نہیں۔ مگر صبح کو ان کا لباس اور رنگ روپ دیکھ کر نشچے ہی لوگ بھڑکتے اور انھیں پکڑ لیتے۔ اس لیے ہنومان کسی ایسی جگہ کی تلاش کرنے لگے۔ جہاں وہ چھپ کر بیٹھ سکیں۔ کل سے کچھ کھایا نہ تھا۔ بھوک بھی لگی ہوئی تھی۔ باغ کے سوا اور مفت کے پھل کہاں ملتے۔ یہی سوچتے چلے جاتے تھے کہ کچھ دور پر ایک گھنا باغ دکھائی دیا۔ اشوک کے بڑے بڑے پیڑ ہری ہری سندر پتیوں سے لدے کھڑے تھے۔ ہنومان نے اسی باغ میں بھوک مٹانے اور دن کاٹنے کا نشچے کیا۔ باغ میں پہنچتے ہی ایک پیڑ پر چڑھ کر پھل کھانے لگے۔

ایکاایک کئی استریوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ہنومان نے نگاہ دوڑائی تو ادھر دیکھا کہ پرم سندری استری میلے کچیلے کپڑے پہنے سر کے بال کھولے، اداس بیٹھی بھومی کی اور تاک رہی ہے اور کئی راکھس استریاں اس کے سمیپ بیٹھی ہوئی، اسے سمجھا رہی ہیں۔ ہنومان اس سندری کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہی سیتا جی ہیں۔ ان کا پیلا چہرہ آنسوؤں سے بھیگی ہوئی آنکھیں اور چنتت مکھ دیکھ کر وشواس ہوگیا۔ ان کے جی میں آیا کہ چل کر اس دیوی کے چرنوں پر سر رکھ دوں۔ اور سارا حال کہہ سناؤں۔ وہ درخت سے اترنا ہی چاہتے تھے کہ راون کو باغ میں آتے دیکھ کر رک گئے۔ راون گھمنڈ سے اکڑتا ہوا سیتا کے پاس جاکر بولا۔ سیتا دیکھو کیسا سہاونا سمے ہے۔ پھولوں کی سگندھ سے مست ہوکر ہوا جھوم رہی ہے! چڑیا گارہی ہی

ہے۔ پھولوں پر بھونرے منڈلا رہے ہیں۔ کنتو تم آج بھی اسی پرکار اداس اور دُکھت بیٹھی ہوئی ہو، تمھارے لیے جو بہو مولیہ جوڑے اور آبھوشن بھیجے تھے، ان کی اور تم نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ نہ سر میں تیل ڈالا نہ عطر ملا۔ اس کا کیا کارن ہے؟ کیا تمھیں اب بھی میری دشا پر دیا نہ آئی۔

سیتا جی نے گھرنا کی درشٹی سے اس کی اُور دیکھ کر کہا۔ اتیاچاری راکھشس، کیوں میرے گھاؤ پر نمک چھڑک رہا ہے میں تجھ سے ہزار بار کہہ چکی کہ جب تک میری جان رہے گی، اپنے پتی کے چرنوں کا دھیان کرتی رہوں گی۔ میرے جیتے جی تیرے اپوتر وچار کبھی پورے نہ ہوں گے۔ میں تجھ سے اب بھی کہتی ہوں کہ یدی اپنی کشل چاہتا ہے تو مجھے رام چندر کے پاس پہنچادے، اور ان سے اپنے بھولوں کی چھما مانگ لے۔ انیتھا جس سمے ان کی سینا آجائے گی، تجھے بھاگنے کی کہیں جگہ نہ ملے گی۔ ان کے کرودھ کی جوالا تجھے اور تیرے سارے پریوار کو جلاکر راکھ کردے گی۔ اور خوب کان کھول کر سن لے کہ وہ اب یہاں آیا ہی چاہتے ہیں۔

راون یہ باتیں سن کر لال ہوگیا اور بولا۔ بس، زبان سنبھال مورکھ استری! مجھے معلوم ہوگیا کہ تیرے ساتھ نرمی سے کام نہ چلے گا۔ اگر تو ایک نربل استری ہوکر ضد ہوکر سکتی ہے تو میں اس لنکا کا مہاراجا ہوکر کیا ضد نہیں کرسکتا۔ جس پرش کے بل پر تجھے اتنا ابھیمان ہے۔ اُسے میں یوں مسل ڈالوں گا جیسے کوئی کیڑے کو مسلتا ہے۔ تو مجھے سختی کرنے پر ووش کررہی ہے، تو میں بھی سختی کروں گا۔ بس، آج سے ایک ماس کا اوکاش تجھے اور دیتا ہوں۔ اگر اس وقت بھی تیری آنکھ نہ کھولی تو پھر یا تو تو راون کی رانی ہوگی یا تیری لاش چیل کوے نوچ نوچ کر کھائیں گے۔

راون چلاگیا، تو راکھشس استریوں نے سیتا جی کو سمجھانا آرمبھ کیا۔ تم بڑی نادان ہو سیتا، اتنا بڑا راجا تمھاری اتنی خوشامد کرتا ہے پھر بھی تم کان نہیں دیتیں۔ اگر وہ زبردستی کرنا چاہے تو آج ہی تمھیں رانی بنالے۔ مگر کتنا نیک ہے کہ تمھاری اچھا کے وِرودھ کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے ساتھ تمھاری بے پرواہی اُچت نہیں۔ ویرتھ رام چندر کے پیچھے جان دے رہی ہو۔ لنکا کی رانی بن کر جیون کا سکھ اٹھاؤ۔ رام کو بھول جاؤ۔ وہ اب یہاں نہیں آسکتے اور اگر آجائیں تو راجا راون کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

سیتا جی نے کرودھت ہوکر کہا۔ لاج نہیں آتی ؟ ایسے پاپی کو جو دوسرے کی استریوں کو بلات اٹھالاتا ہے، اسے تم نیک اور دھر ماتما کہتی ہو؟ اس سے بڑا پاپی؟ سنسار میں نہ ہوگا!

ہنومان اوپر بیٹھے ان استریوں کی باتیں سن رہے تھے۔ جب وہ سب وہاں سے چلی گئیں اور اور سیتا جی اکیلی رہ گئیں تو ہنومان جی نے اوپر سے رام چندر کی انگوٹھی ان کے سامنے گرادی۔ سیتا جی نے انگوٹھی اٹھاکر دیکھی تو رام چندر جی کی تھی۔ شوک اور آشچر یہ سے ان کا کلیجا دھڑکنے لگا۔ شوک اس بات کا ہوا کہیں راون نے رام چندر کو مروا نہ ڈالا ہو۔ آشچر یہ اس بات کا تھا کہ رام چندر کی انگوٹھی یہاں کیسے آئی۔ وہ انگوٹھی کو ہاتھ میں لیے اسی سوچ میں بیٹھی تھیں کہ ہنومان پیڑ سے اتر کر ان کے سامنے آئے اور ان کے چرنوں پر سر جھکا دیا۔

سیتا جی نے اور بھی آشچر یہ میں آکر پوچھا۔ تم کون ہو؟ کیا یہ انگوٹھی تم ہی نے گرائی ہے؟ تمھاری صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ تم سجن اور ویر ہو۔ کیا بتا سکتے ہو کہ تمھیں انگوٹھی کہاں ملی؟

ہنومان نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ماتا جی! میں شری رام چندر جی کے پاس سے آرہا ہوں۔ یہ انگوٹھی انھوں نے مجھے دی تھی۔ میں آپ کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ آپ ہی جانکی جی ہے۔ آپ کی کھوج میں سینکڑوں سپاہی چھٹے ہوئے ہیں۔ میرا سوبھاگیہ ہے کہ آپ کے درشن ہوئے۔

سیتا جی کا پیلا چہرہ کھل گیا۔ بولیں۔ کیا سچ مچ تم میرے سوامی جی کے پاس سے آرہے ہو؟ ابھی تک وے مجھے یاد کررہے ہیں؟

ہنومان۔ آپ کی یاد انھیں سدیو ستایا کرتی ہے۔ سوتے جاگتے آپ ہی کے نام کی رٹ لگایا کرتے ہیں۔ آپ کا پتہ اب تک نہ تھا۔ اس کارن سے آپ کو چھڑا نہ سکتے تھے۔ اب جیوں ہی میں پہنچ کر انھیں آپ کا سماچار دوں گا، وہ ترنت لنکا پر آکرمن کرنے کی تیاری کریں گے۔

سیتا جی نے چنتت ہوکر پوچھا۔ ان کے پاس اتنی بڑی سینا ہے، جو راون کے بل کا سامنا کرسکے؟

ہنومان نے اتساہ کے ساتھ کہا۔ ان کے پاس جو سینا ہے، اس کا ایک ایک سینک ایک ایک سینا کا ودھ کرسکتا ہے! میں ایک تچھ سپاہی ہوں، پر میں دکھا دوں گا کہ لنکا کی سمست سینا کس پرکار مجھ سے ہار مان لیتی ہے۔

سیتا جی۔ رام چندر کو یہ سینا کہاں سے مل گئی۔ مجھ سے وسترت ورنن کرو، تاکہ مجھ کو وشواس آئے۔

ہنومان۔ وہ سینا راجا سگریو کی ہے، جو رام چندر کے متر اور سیوک ہیں۔ رام چندر نے سگریو کے بھائی بالی کو مار کر کشکندھا کا راجیہ سگریو کو دلا دیا ہے۔ اس لیے سگریو انھیں اپنا اُپکارک سمجھتے ہیں۔ انھوں نے آپ کا پتا لگا کر آپ کو چھڑانے میں رام چندر کی سہایتا کرنے کا پرن کرلیا ہے۔ اب آپ کی وپتیاں بہت شیگھر انت ہوجائیں گی۔

سیتا جی نے رو کر کہا۔ ہنومان! آج کا دن بڑا شبھ ہے کہ مجھے اپنے سوامی کا سماچار ملا۔ تم نے یہاں کی ساری دشا دیکھی ہے۔ سوامی سے کہنا، سیتا کی دشا بہت دکھی ہے۔ یدی آپ اسے شیگھر نہ چھڑا پائیں گے تو وہ جیوت نہ رہے گی۔ اب تک کیول اسی آشا پر جیوت ہے۔ کنتو دن پرتی دن نراشا سے اس کا ہردے نربل ہوتا جارہا ہے۔

ہنومان نے سیتا جی کو بہت آشواسن دیا اور چلنے کو تیار ہوئے، کنتو اسی سمے وچار آیا کہ جس پرکار سیتا جی کے وشواس کے لیے رام چندر کی انگوٹھی لایا تھا اسی پرکار رام چندر کے وشواس کے لیے سیتا جی کی بھی کوئی نشانی لے چلنا چاہیے! بولے۔ ماتا! یدی آپ اُچت سمجھیں تو اپنی کوئی نشانی دیجیے۔ جس سے رام چندر کو وشواس آجائے کہ میں نے آپ کے درشن پائے ہیں۔ سیتا جی نے اپنے سر کی وینی اتار کر دے دی۔ ہنومان نے اسے کمر میں باندھ لیا اور سیتا جی کو پرنام کرکے بدا ہوئے۔

لنکا داہ

اشوکوں کے باغ سے چلتے چلتے ہنومان کے جی میں آیا کہ تنک ان راکچھسوں کی ویرتا کی پریکچھا بھی کرتا چلوں۔ دیکھوں یہ سب یدھ کی کلا میں کتنے نپن ہیں۔ آخر رام چندر جی ان سبھوں کا حال پوچھیں گے تو کیا بتاؤں گا۔ یہ سوچ کر انھوں نے باغ کے پیڑوں کو اکھاڑنا شروع کیا۔ تمھیں آشچریہ ہوگا کہ انھوں نے ورکچھ کیسے اکھاڑے ہوں گے۔ ہم تو ایک پودھا بھی جڑ سے نہیں اکھاڑ سکتے۔ کنتو ہنومان جی اپنے سمے کے اتینت بلوان پرش تھے۔ جب انھوں نے ہندوستان سے لنکا تک سمندر کو تیر کر پار کیا، تو چھوٹے موٹے پیڑوں کا اکھاڑنا کیا کٹھن تھا۔ پیڑ اکھاڑے، کئی پیڑوں کی شاخیں توڑ ڈالیں، اور پھل تو اتنے توڑ کر گرادیے کہ ان کا فرش سا بچھ گیا۔ باغ کے رکچھکوں نے یہ حال دیکھا تو ایکترت ہوکر ہنومان کو روکنے آئے۔ کنتو یہ کس کی سنتے تھے! ان سبھوں کو ڈالیوں سے مار مار کر بھگادیا۔ کئی آدمیوں کو جان سے مار ڈالا۔ تب باہر سے اور کتنے ہی سپاہی آکر ہنومان کو پکڑنے لگے۔ مگر آپ نے انھیں مار بھگایا۔ دھیرے دھیرے راجا راون کے پاس خبر پہنچی کہ ایک آدمی نہ جانے کدھر سے اشوکوں کے بن میں گھس آیا ہے۔ اور بن کا ستیا ناش کیے ڈالتا ہے۔ کئی مالیوں اور سینکوں کو مار بھگایا ہے۔ کسی پرکار نہیں مانتا۔

راون نے کرودھ سے دانت پیس کر کہا۔ تم لوگ اسے پکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔
رکچھک۔ حضور، وہ اتنا بلوان ہے کہ کوئی اس کے پاس جا ہی نہیں سکتا۔

راون۔ چپ رہو نالائقوں! باہر کا ایک آدمی ہمارے باغ میں گھس کر یہ طوفان مچارہا ہے اور تم لوگ اسے گرفتار نہیں کرسکتے؟ بڑے شرم کی بات ہے۔

یہ کہہ کر راون اپنے لڑکے اکشے کمار کو ہنومان کو گرفتار کر لانے کے لیے بھیجا۔ اکچھے کمار کئی سو ویروں کی سینا لے کر ہنومان سے لڑنے چلا۔ ہنومان انھیں آتے دیکھ ایک موٹا سا ورکچھ اٹھا لیا اور ان آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔ پہلے ہی آکرمن میں کئی آدمی گھائل ہوگئے۔ کچھ

بھاگ کھڑے ہوئے۔ تب اکچھے کمار نے للکار کر کہا۔ یدی ویر ہے تو سامنے آجا! یہ کیا گنواروں کی طرح سوکھی ٹہنی لے کر گھما رہا ہے۔

ہنومان تال ٹھونک کر اکچھے کمار پر جھپٹے اور اس کی ٹانگ پکڑ کر اتنی زور سے پٹکا کہ وہ وہیں ٹھنڈا ہوگیا اور سب آدمی ہُرّ ہوگئے۔

راون کو جب اکچھے کمار کے مارے جانے کا سماچار ملا۔ تب اس کے کرودھ کی سیما نہ رہی۔ ابھی تک اس نے ہنومان کو کوئی سادھارن سینک سمجھ رکھا تھا۔ اب اسے گیات ہوا کہ یہ کوئی اتینت ویر پرش ہے۔ اوشیہ اسے رام چندر نے یہاں سیتا کا پتا لگانے کے لیے بھیجا ہے۔ اس آدمی کو ضرور ونڈ دینا چاہیے۔ کڑک کر بولا۔ اس دربار میں اتنے سورما موجود ہیں، کیا کسی میں بھی اتنا ساہس نہیں کہ اس دُشٹ کو پکڑ کر میرے سامنے لائے؟ لنکا کے اس راج میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں؟ میرے ہتھیار لاؤ، میں سوئیم جاکر اسے گرفتار کروں گا۔ دیکھوں، اس میں کتنا بل ہے!

سارے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ راون کا دوسرا پتر میگھ ناد بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اب تک اس نے ہنومان کا سامنا کرنا اپنی مریادہ کے وردھ سمجھا تھا۔ راون کو اودھت دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ اس کے ودھ کے لیے میں کیا کم ہوں، جو آپ جارہے ہیں؟ میں ابھی جاکر اسے باندھ لاتا ہوں۔ آپ یہیں بیٹھیں۔

میگھ ناد اتینت ویر، ساہسی اور یدھ کی کلا میں اتینت نپن تھا۔ دھنش، بان ہاتھ میں لے کر اشوک واٹیکا میں پہنچا اور ہنومان سے بولا۔ کیوں رے پگلے، کیا تیرے کدن آئے ہیں جو یہاں ایسی اندھیر مچارہا ہے؟ ہم لوگوں نے تجھے یاتری سمجھ کر جانے دیا اور تو شیر ہوگیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے، تیرے سر پر موت کھیل رہی ہے۔ آجا سامنے! باغ کے مالیوں اور میرے الپ ویسک بھائی کو مار کر شاید تجھے گھمنڈ ہوگیا ہے آ تیرا گھمنڈ توڑ دوں۔

ہنومان بل میں میگھ ناد سے کم نہ تھے، کنتو اس سے اس سے لڑنا اپنے ہِتوں کے وردھ سمجھا۔ میگھ ناد سادھارن پُرش نہ تھا۔ برابر کا مقابلہ تھا۔ سوچا کہیں اس نے مجھے مار ڈالا تو رام چندر کے پاس سیتا جی کا سماچار بھی نہ لے جاسکوں گا۔ میگھ ناد کے سامنے تال ٹھوک کر کھڑے تو ہوئے، پر اسے پانے اوپر جان بوجھ کر وجے پالینے دیا۔ میگھ ناد نے سمجھا، میں نے اس دبالیا ترنت ہنومان کو رسّیوں سے جکڑ دیا۔ اور موچھوں پر تاؤ دیتا ہوا راون کے

سامنے آ کر بولا۔ مہاراج، یہ آپ کا بندی اپستھت ہے۔

راون کرودھ سے بھرا تو بیٹھا ہی تھا۔ ہنومان کو دیکھتے ہی بیٹے کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اس کی تلوار میان سے نکل پڑی۔ نکٹ تھا کہ رسیوں میں جکڑے ہوئے ہنومان کی گردن پر اس کی تلوار کا وار گرے کہ راون کے بھائی وبھیشن نے کھڑے ہوکر کہا۔ بھائی صاحب! پہلے اس سے پوچھیے کہ یہ کون ہیں اور یہاں کس لیے آیا ہے۔ سمبھو ہے کہ براہمن ہوتو ہمیں برہم ہتیا کا پاپ لگ جائے۔

ہنومان نے کہا۔ میں راجا سگریو کا دوت ہوں۔ رام چندر جی نے مجھے سیتا جی پتا لگانے کے لیے بھیجا ہے۔ مجھے یہاں سیتا جی کے درشن ہوگئے۔ تم نے بہت برا کیا کہ انھیں یہاں اٹھا لائے۔ اب تمھاری کشل اسی میں ہے کہ تم سیتا جی کو رام چندر جی کے پاس پہنچا دو۔ انیتھا تمھارے لیے برا ہوگا۔ تم نے راجا بالی کا نام سنا ہوگا۔ اس نے تمھیں ایک بار نیچا بھی دکھایا تھا۔ اسی راجا بالی کو رام چندر جی نے ایک بان سے مار ڈالا۔ کھر، دوشن کی مرتیو کا حال تم نے سنا ہی ہوگا۔ ان سے تم کسی پرکار جیت نہیں سکتے۔

یہ سن کر کہ یہ رام چندر جی کا دوت ہے، اور سیتا جی کا پتا لگانے کے لیے آیا ہے، راون کا خون کھولنے لگا۔ اس نے تلوار اٹھائی، مگر وبھیشن نے پھر اسے سمجھایا۔ مہاراج! دوتوں کو مارنا سامراجیہ کی نیتی کی وردھ ہے۔ آپ اسے اور جو چاہیں دنڈ دیں کنتو ودھ نہ کریں۔ اس سے آپ کی بڑی بدنامی ہوگی۔

وبھیشن بڑا دیالو اور سچا اور ایماندار آدمی تھا۔ اُچت بات کہنے میں اس کی زبان کبھی نہیں رکتی تھی۔ وہ راون کو کئی بار سمجھا چکا تھا کہ سیتا جی کو رام چندر کے پاس بھیج دیجیے مگر راون ان کی باتوں کی کب پرواہ کرتا تھا۔ اس وقت بھی وبھیشن کی بات اسے بڑی لگی، کنتو سامراجیہ کے نیم کو توڑنے کا اسے ساہس نہ ہوا۔ دل میں اینٹھ کر تلوار میان میں رکھ لی اور بولا۔ تو بڑا بھاگیہ وان ہے کہ اس سمے میرے ہاتھ سے بچ گیا۔ تو اگر سگریو کا دوت نہ ہوتا تو اسی سمے تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا۔ تجھ سا دھرشٹ آدمی کا یہی دنڈ ہے۔ کنتو میں تجھے بالکل بے داغ نہ چھوڑوں گا۔ ایسا دنڈ دوں گا کہ تو بھی یاد کرے کہ کسی سے پالا پڑا تھا۔

راون سوچنے لگا، اسے کون سا دنڈ دیا جائے کہ اس کی جان تو نہ نکلے پر یہ بھلی پرکار اپمانت اور پرتشٹھت ہوجائے۔ اس کے ساتھ ہی سانست بھی ایسی ہو کہ جیون پرینت نہ

بھولے۔ پھر ادھر آنے کا ساہس نہ ہو۔ سوچتے سوچتے سے ایک انوکھا ہاسیہ سوجھا۔ وہ مارے خوشی کے اُچھل پڑا۔ اسے بندر بنا کر اس کی دُم میں آگ لگادی جائے۔ وچتر اور انوکھا تماشا ہوگا۔ راکچھسوں نے ایسا تماشا کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ بڑا آنند رہے گا۔ ہزاروں آدمی اس کے پیچھے لینا لینا کرکے دوڑیں گے اور وہ ادھر ادھر اچکتا پھرے گا۔ ترنت میگھ ناد کو آگیا دی کہ اس آدمی کا منہ رنگ دو اس کے شریر پر بھورے بھورے رؤئیں لگادو اور ایک لمبی دم لگا کر اچھا خاصا لنگور بنادو۔ اس کی دم میں لتے باندھ کر تیل میں بھگودو اور اس میں آگ لگا کر چھوڑ دو۔ شہر میں دونڈی پٹوادو کہ آج شام کو ایک نیا، انوکھا آشچریہ میں ڈالنے والا تماشا ہوگا۔ سب لوگ اپنی چھتوں پر سے تماشا دیکھیں۔

یہ آدیش پاتے ہی راکچھسوں نے ہنومان کو بندر بنانا آرمبھ کردیا۔ کوئی منہ رنگتا تھا کوئی شریر پر روئیں چپکاتا تھا، کوئی دم لگاتا تھا۔ دم کے دم بندر کا سوانگ بنا کر کھڑا ہوگیا۔ خوب لمبی دم تھی۔ پھر لوگ چاروں طرف سے لتے لالا کر اس میں باندھنے لگے۔ ادھر شہر میں دونڈی پٹ گئی۔ راکچھس لوگ جلدی جلدی شام کو کھانا کھا، اچھے اچھے کپڑے پہن اپنی اپنی چھتوں پر ڈٹ گئے۔ راون کی سینکڑوں رانیاں تھیں۔ سب کی سب گہنے کپڑوں سے سجت ہوکر یہ تماشا دیکھنے کے لیے سب سے اونچی چھت پر جا بیٹھیں۔ اتنے میں شام بھی ہوگئی۔ ہنومان کی دُم پر تیل چھڑکا جانے لگا، منوں تیل ڈال دیا گیا۔ جب دم خوب تر ہوگئی تو ایک آدمی نے اس میں آگ لگادی۔ لپٹیں بھڑک اٹھیں۔ چاروں طرف تالیاں بجنے لگیں۔ تماشا شروع ہوگیا۔

ہنومان اپنے اس اپمان اور ہنسی پر دل میں خوب کڑھ رہے تھے۔ اس سے تو کہیں اچھا ہوتا اگر اس دشٹ نے مار ڈالا ہوتا۔ دل میں کہا۔ اگر اس اپمان کا بدلا نہ لیا تو کچھ نہ کیا۔ اور وہ بھی اسی وقت۔ ایسا تماشا دکھاؤں کہ آیو پرینت نہ بھولے۔ سارے شہر کی ہولی ہوجائے۔ جب دم میں آگ لگ گئی تو وہ ایک پیڑ پر چڑھ گئے۔ اس کلا میں ان کا سمان نہ تھا۔ پیڑ کی ایک شاخ راج محل میں جھکی ہوئی تھی۔ اس شاخ سے کود کر وہ رنیواس میں پہنچ گئے اور ایک چھن میں سارا راج محل جلنے لگا۔ سب لوگ چھتوں پر تھے۔ کوئی روکنے والا نہ تھا۔ بہومولیہ کپڑے اور سجاوٹ کے سامان، فرش، گدّے، قالین، پردے، پنکھے اس میں آگ لگتے کیا دیر تھی۔ ہنومان جدھر سے اپنی جلتی ہوئی دُم لے کر گزر جاتے تھے ادھر ہی لپٹیں

اٹھنے لگتی تھیں۔

راج محل میں آگ لگا کر ہنومان بستی کی طرح جھکے۔ چھتوں سے چھتیں ملی ہوئی تھیں۔ ایک گھر سے دوسرے گھر میں کود جانا کٹھن نہ تھا۔ گھنٹے بھر میں سارا شہر آگ کے پردے میں ڈھک گیا۔ چاروں طرف کہرام مچ گیا۔ کوئی اپنا اسباب نکالتا، کوئی پانی پانی چلاّ تا تھا۔ کتنے ہی آدمی جو نیچے نہ اتر سکے۔ جل بھن گئے۔ سنیوگ سے اسی سمے زور کی ہوا چلنے لگی، آگ اور بھی بھڑک اٹھی، مانو ہوا اگنی دیوتا کی سہایتا کرنے آئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے آگ کے تختے برس رہے ہیں۔

شہر کی ہولی منا کر ہنومان سمندر کی طرف بھاگے اور پانی میں کود کر دم کی آگ بجھائی۔ انھوں نے لنکا واسیوں کو سچ مچ وچتر اور انوکھا تماشا دکھادیا۔

آکرمن کی تیاری

ہنومان نے راتوں رات سمندر کو پار کیا اور اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔ یہ بیچارے گھبرا رہے تھے کہ نہ جانے ہنومان پر کیا وپتّی آئی۔ اب تک نہیں لوٹے۔ اب ہم لوگ سگریو کو کیا منہ دکھائیں گے۔ رام چندر کے سامنے کیسے جائیں گے۔ اس سے تو یہ کہیں اچھا ہے کہ یہیں ڈوب کر مر جائیں اتنے ہی میں ہنومان آپہنچے۔ انھیں دیکھتے ہی سب کے سب خوشی سے اچھلنے لگے دوڑ دوڑ کر ان سے گلے ملے اور ان سے پوچھنے لگے کہ کہو بھائی کیا کر آئے سیتا جی کا کچھ پتا چلا۔ راون سے کچھ بات چیت ہوئی۔ ہم لوگ تو بڑے وِکل تھے۔

ہنومان نے لنکا کا سارا حال کہہ سنایا۔ راون کے محل میں جانا اشوک کے وَن میں سیتا کے درشن پانا۔ واٹیکا کو اجاڑنا، راکھشوں کو مارنا، میگھ ناد کے ہاتھوں گرفتار ہونا پھر لنکا کو جلانا۔ ساری باتیں وستار سے ورنن کیں۔ سب نے ہنومان کی ویرتا اور کوشل کو سراہا اور گا بجا کر سوئے۔ منہ اندھیرے کشکندھاپوری کو روانہ ہوئے۔ سیکڑوں کوسوں کی یاترا تھی۔ پر یہ لوگ اپنی سپھلتا پر اتنے پرسن تھے کہ نہ دن کو آرام کرتے نہ رات کو سوتے۔ کھانے پینے کی کسی کو سدھ نہ تھی۔ شیگھر رام چندر جی کے پاس پہنچ کر وہ شبھ سماچار سنانے کے لیے ادھیر ہو رہے تھے۔ آخر کئی دنوں کے بعد کشکندھا پہاڑ دکھائی دیا۔ اسی کے نکٹ راجا سگریو کا ایک باغ تھا۔ اس کا نام مدھوبن تھا اس میں بہت سی شہد کی مکھیاں پلیں تھی۔ سگریو کو جب شہد کی ضرورت پڑتی تو اسی باغ سے لیتا تھا۔

جب یہ لوگ مدھوبن کے پاس پہنچے، تو شہد کے چھتے کو دیکھ کر ان کی رال ٹپک پڑی۔ بیچاروں نے کئی دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ترنت باغ میں گھس گئے۔ اور شہد پینا آرمبھ کر دیا۔ باغ کے مالیوں نے منا کیا تو انھیں خوب پیٹا شہد کی لوٹ مچ گئی۔ سگریو کو جب سماچار ملا کہ ہنومان، انگد، جاموَنت اتیادی مدھوبن میں لوٹ مچائے ہوئے ہیں، تو سمجھ گیا کہ وہ لوگ سپھل ہو کر لوٹے ہیں۔ اسپھل لوٹتے تو شرارت کب سوجھتی۔ ترنت ان کی

اگوانی کرنے چل کھڑا ہوا۔ان لوگوں نے اسے آتے دیکھا تواور بھی اُودھم مچانا شروع کردیا۔

سگریو نے ہنس کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے، کہ تم لوگوں نے مارے خوشی کے کئی کئی دن سے کھانا نہیں کھایا۔ آؤ، تمھیں گلے لگالوں۔

جب سب لوگ سگریو سے گلے مل چکے، تو ہنومان نے لنکا کا سارا ورتانت کہہ سنایا۔ سگریو خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اسی سمے ان لوگوں کو ساتھ لے کر رام چندر کے پاس پہنچا۔ رام چندر بھی ان کی بھاو، بھنگی سے تاڑ گئے کہ یہ لوگ سیتا جی کا پتہ لگا لائے۔ ادھر کئی دنوں سے دونوں بھائی بہت نراش ہورہے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر آشا کی کھیتی ہری ہوگئی۔

رام چندر نے پوچھا۔ کہو، کیا ساچار لائے؟ سیتا جی کہاں ہیں؟ ان کا کیا حال ہے؟

ہنومان نے ونود کرکے کہا۔ مہاراج، کچھ انعام دلوایئے تو کہوں۔

رام۔ دھنیہ واد کے سوا میرے پاس اور کیا ہے جو تمھیں دوں۔ جب تک جیوت رہوں گا، تمھارا اُپکار مانوں گا۔

ہنومان۔ وعدہ کیجیے کہ مجھے کبھی اپنے چرنوں سے الگ نہ کیجیے گا۔

رام۔ واہ! یہ تو میرے ہی لابھ کی بات ہے۔ تم جیسے نشٹھا وان متر کس کو سلبھ ہوتے ہیں! ہم اور تم سدیو ساتھ رہیں۔ اس سے بڑھ کر میرے لیے پرسنتا کی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔ سیتا جی کیا لنکا میں ہیں؟

ہنومان۔ ہاں مہاراج لنکا، کے اتیاچاری راجا راون نے انھیں ایک باغ میں قید کر رکھا ہے اور نانا پرکار کے کشٹ دے رہا ہے۔ کبھی دھمکاتا ہے، کبھی پھسلاتا ہے، کنتو وہ اس کی تنک بھی پرواہ نہیں کرتیں۔ جب میں نے آپ کی انگوٹھی دی، تو اسے کلیجے سے لگالیا اور دیر تک روتی رہیں۔ چلتے سمے مجھ سے کہا کہ پران ناتھ سے کہنا کہ شیگھر مجھے اس قید سے مکت کریں۔ کیونکہ اب مجھ میں ادھک سہنے کا بل نہیں۔ یہ کہہ کر ہنومان نے سیتا جی کی وینی رام چندر کے ہاتھ میں رکھ دی۔

رام چندر نے اس 'وینی' کو دیکھا تو بربس ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اسے بار بار چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ پھر بڑی دیر تک سیتا جی ہی کے سمبندھ میں باتیں پوچھتے رہے۔ ان باتوں سے ان کا جی نہ بھرتا تھا۔ وہ کیسے کپڑے پہنے ہوئے تھیں؟ بہت دبلی تو نہیں ہوگئی ہیں؟ بہت رویا تو نہیں کرتی؟ ہنومان جی پرتیک بات کا اتر دیتے جاتے

تھے اور من میں سوچتے تھے، ان استریوں اور پرش میں کتنا پریم ہے!

تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد رام چندر نے سگریو سے کہا۔ اب آکرمن کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ تم اپنی سینا کو کب تیار کرسکو گے؟

سگریو نے کہا۔ مہاراج؟ میری سینا تو پہلے سے ہی تیار ہے۔ کیول آپ کے آدیش کی دیر ہے۔

رام۔ یدھ کے سوا اور کوئی چارا نہیں ہے۔

شگریو۔ ایشور نے چاہا تو ہماری جیت ہوگی۔

رام۔ اوچتیہ کی سدیو جیت ہوتی ہے۔

وبھیشن

ہنومان کے چلے جانے کے بعد راکھشوں کو بڑی چنتا ہوئی۔ انھوں نے سوچا۔ جس سینا کا ایک سینک اتنا بلوان اور ویر ہے۔ اس سینا سے بھلا کون لڑے گا! اس سینا کا نایک کتنا ویر ہوگا۔ ایک آدمی نے آکر ساری لنکا میں ہل چل مچادی۔ یدی ویر میگھ ناد سوئیم نہ جاتا تو سمبھوتہ ہماری ساری سینا بھی مل کر اسے نہیں پکڑ سکتی۔ کتنا غضب کا چتر آدمی تھا؟ دم تو لگائی گئی اس کی ہنسی اڑانے کے لیے، اس کا بدلا اس نے یہ دیا کہ ساری لنکا جلا ڈالی، اور کوئی بھی نہ پکڑ سکا۔ صاف نکل گیا۔ اب رام چندر کی سینا دو چار دن میں لنکا پر چڑھ آئے گی۔ راجا راون اور راجکمار میگھ ناد کتنے ہی ویر ہوں کنتو سینا کا سامنا نہیں کر سکتے۔ اس ایک استری کے لیے راون سارے دیش کو نشٹ کرنا چاہتا ہے۔ یدی وہ رام چندر کے پاس نہ بھیج دی گئی اور ان سے چھما نہ مانگی گئی تو اوشیہ لنکا پر وپتی آئے گی۔

دوسرے دن شہر سے خاص خاص آدمی راون کی سینا میں اپستھت ہوئے اور ونے کی۔ مہاراج! آپ کے راجیہ میں ہم لوگ اب تک بڑے آرام اور چین سے رہے۔ اب ہمیں ایسا بھے ہو رہا ہے کہ اس دیش پر کوئی وپتی آنے والی ہے۔ ہماری آپ سے یہی پرارتھنا ہے کہ آپ سیتا جی کو رام چندر کے پاس پہنچادیں اور دیش کو اس آنے والی وپتی سے بچالیں۔

راون بھی کل رات سے اسی چنتا میں پڑا ہوا تھا، کنتو اپنی پرجا کے سامنے وہ اپنے دل کی کمزوری کو پرکٹ نہ کرسکا۔ اسے اس کا دھیریہ نہ تھا کہ کوئی اس کے کاریوں پر آپتی کرے۔ آپتی سنتے ہی وہ آپے سے باہر ہوجاتا تھا۔ اس کا وچار تھا کہ پرجا کا کام ہے راجا کی آگیا ماننا نہ کہ اس کے کاموں پر آپتی کرنا۔ کرودھ سے بولا۔ تمھیں ایسی پرارتھنا کرتے ہوئے لاج نہیں آتی؟ جس آدمی نے میری بہن کی مریادہ دھول میں ملائی، اس سے اس کا

بدلا نہ لوں! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ راون اتنا شیل رہت اور نربلجیہ نہیں ہے۔ سیتا میری ہے اور میری رہے گی۔ تم لوگ جاکر اپنا کام دیکھو۔ دیش کی رکچھا کا میں اتر دائی ہوں۔ میں تم سے اس وشے میں کوئی پرامرش لینا نہیں چاہتا۔

یہ پھٹکار سن کر سب لوگ چپ ہوگئے۔ سبھی راون کے کرودھ سے ڈرتے تھے۔ کنتو وبھیشن پرجا کا سچا متر تھا اور نیایوچت بات کہنے میں اس کی زبان کبھی نہیں رکتی تھی۔ بولا۔ مہاراج، راجا کا دھرم ہے کہ جب پرجا کو پتھ بھرشٹ ہوتے دیکھے تو دنڈ دے۔ اسی پرکار پرجا کا بھی دھرم ہے کہ جب راجا کو پتھ بھرشٹ ہوتے دیکھے تو سمجھائے۔ آپ کو رام چندر سے اپمان کا بدلا لینا تھا۔ تو ان پر آکرمن کرتے۔ اس سے سارا دیش آپ کا ساتھ دیتا۔ سیتا جی کو یہاں لاکر قید کر رکھنے میں آپ نے انیائے کیا ہے اور ہمارا کرتویہ ہے کہ ہم آپ کو سمجھائیں۔ اگر آپ نے سیتا جی کو نہ واپس کیا تو لنکا پر اوشیہ وپتّی آئے گی۔

راون نے جب دیکھا کہ اس کا بھائی بھی پرجا کا پکچھ لے رہا ہے، تو اور بھی کرُدھ ہوکر بولا۔ وبھیشن، تم پوجا کرنے والے، پوتھی پران کے کیڑے ہو، راجیہ کے وشے میں زبان کھولنے کا تمھیں ادھیکار نہیں۔ چپ رہو، میں تم سے ادھک یوگیہ ہوں۔

وبھیشن۔ میں آپ کو جتا دینا چاہتا ہوں کہ اس لڑائی میں آپ کا ساتھ پرجا کداپی نہ دے گی۔

راون کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ گرج کر بولا۔ میں جو کچھ کہوں یا کروں پرجا کو ماننا پڑے گا۔

وبھیشن نے جوش میں آکر کہا۔ کداپی نہیں۔ پاپ کے کام میں پرجا آپ کا ساتھ نہیں دے سکتی۔

اب راون سے سہن نہ ہوسکا۔ اس نے اٹھ کر وبھیشن کو اتنے زور سے لات ماری کہ وہ کئی پگ دور جاگرا۔ اور پھر بولا۔ نکل جا میرے راجیہ سے! اسی وقت نکل جا! میں تجھ جیسے دیش دروہی اور دھوکہ باز کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ تو میرا بھائی نہیں، میرا شترو ہے۔ مجھے گیات نہ تھا کہ تو اپنی کُٹی میں بیٹھا ہو پرجا کو میرے وردھ بھڑکاتا رہتا ہے، انیتھا آج تو میرے سامنے اس طرح زبان نہ چلاتا۔ پھر کبھی میرے راجیہ میں پیر نہ رکھنا، ورنہ جان سے ہاتھ دھوئے گا۔

وبھیشن نے اٹھ کر کہا۔ مہاراج، آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ اس لیے میں نے آپ کو سمجھانے کا ساہس کیا تھا، اس کا آپ نے مجھے کہ دنڈ دیا۔ آپ کی آگیا سر آنکھوں پر۔ میں جاتا ہوں۔ آپ پھر میرا منہ نہ دیکھیں گے، کنتو اتنا پھر کہتا ہوں کہ آپ کو ایک دن پچھتانا پڑے گا۔ اور اُس سے آپ کو آبھاگے وبھیشن کی بات یاد آئے گی۔

آکرمن

وبھیشن یہاں سے اپمانت ہوکر سگریو کی سینا میں پہنچا اور سگریو سے اپنا سارا ورتانت کہا۔ سگریو نے رام چندر کو اس کے آنے کی سوچنا دی۔ رام چندر نے وچار کیا کہ کہیں یہ راون کا بھیدی نہ ہو۔ ہماری سینا کی دشا دیکھنے کے لیے آیا ہو۔ اسے ترنت سینا سے نکال دینا چاہیے۔ انگد، جامونت اور دوسرے نایکوں نے بھی یہی پرامرش دیا۔ اس سمے ہنومان بولے۔ آپ لوگ اس آدمی کے بارے میں کسی پرکار سندیہہ نہ کریں۔ لنکا میں یدی کوئی سچا اور سجن پرش ہے، تو وہ وبھیشن ہے۔ جس سمے سارا دربار میرا شترو تھا۔ اس سمے اسی آدمی نے میری جان بچائی تھی۔ اسے اوشیہ راون نے راجیہ سے نکال دیا ہے۔ یہ اب آپ کی شرن میں آیا ہے۔ اس سے شیل رہت ویوہار کرنا اُچت نہیں۔ آخر رام چندر کا سندیہہ دور ہوگیا۔ انھوں نے اسی سمے وبھیشن کو بلایا اور بڑے تپاک سے ملے۔

وبھیشن بولا۔ مہاراج! آپ سے ملنے کی بہت دنوں سے آکانچھا تھی، وہ آج پوری ہوئی۔ میں اپنے بھائی راون کے ہاتھوں بہت اپمانت ہوکر آپ کی شرن میں آیا ہوں۔ اب آپ ہی میرا بیڑا پار لگائیے۔ راون نے مجھے اتنی نردیتا سے نکالا ہے، جیسے کوئی کتے کو بھی نہ نکالے گا۔ اب میں اس کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا۔

رام چندر نے کہا۔ کتنو نر پرادھ تو کوئی اپنے نوکر کو بھی نہیں نکالتا۔ سگے بھائی کو کیسے نکالے گا؟

وبھیشن۔ مہاراج! میرا اپرادھ کیول اتنا ہی تھا کہ میں نے راون سے وہ بات کہی، جو اسے پسند نہ تھی۔ میں نے اسے سمجھایا تھا کہ سیتا جی کو رام چندر کے پاس پہنچادو۔ یہ بات اسے تیر کی طرح لگ گئی۔ جو آدمی واسنا کا داس ہوجاتا ہے۔ اسے بھلے اور برے کا گیان نہیں رہتا۔ وہ اپنے بارے میں سچی بات سننا کبھی پسند نہیں کرتا۔

رام چندر نے وبھیشن کو بہت آشواسن دیا اور وعدہ کیا کہ راون کو مار کر لنکا کا راجیہ تمھیں دوں گا۔ اسی سمے وبھیشن کو راج تلک بھی دے دیا۔ وبھیشن نے بھی ہر حالت میں

رام چندر کی سہایتا کرنے کا پکّا وعدہ کیا۔

دوسرے دن لنکا پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اور سینا سمندر کے کنارے جاکر سمندر کو پار کرنے کی یکتی سوچنے لگی۔ انت میں یہ نشچے ہوا کہ ایک پل بنایا جائے۔ نل اور نیل بڑے ہوشیار انجینئر تھے۔ انھوں نے پل بنانا پرامبھ کیا۔

ادھر راون کو جب خبر ملی کی وبھیشن رام چندر سے جا ملا، تو اس نے دو جاسوسوں کو سگریو کی سینا کا حال چال معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ ایک کا نام تھا شک، دوسرے کا سارن۔ دونوں بھیش بدل کر سگریو کی سینا میں آئے اور پرتیک بات کی چھان بین کرنے لگے۔ سنیوگ سے ان پر وبھیشن کی درشٹی پڑگئی ترنت پہچان گئے۔ انھیں پکڑ کر رام چندر جی کے سامنے اپستھت کردیا۔ دونوں جاسوس مارے بھے کے کانپنے لگے۔ کیونکہ ریتی کے انوسار انھیں مرتیو دنڈ ملنا نشچت تھا۔ پر رام چندر کو ان پر دیا آگئی۔ انھیں بلا کر کہا۔ تم لوگ ڈرو مت، ہم تمھیں کوئی دنڈ نہ دیں گے۔ تم خوشی سے ہر ایک بات کی جانچ کرلو۔ کہو تو اپنی سینا کی ٹھیک گنتی بتلادوں۔ اپنا رسد سامان دکھلادوں۔ اگر دیکھ بھال چکے ہو تو لوٹ جاؤ اور یدی ابھی دیکھنا شیش ہو تو میں تمھیں سہرش انومتی دیتا ہوں، خوب بھلی پرکار دیکھ بھال کرلو۔

دونوں بہت لجّت ہوئے اور راون سے جاکر بولے۔ مہاراج! آپ رام چندر سے جاکر لڑائی مت کریں۔ وہ بڑے ساہسی ہیں۔ آپ ان پر وجے نہیں پاسکتے۔ ان کی سینا کا ایک ایک نایک ہماری ایک ایک سینا کے لیے پریاپت ہے۔ کنتو راون تو اپنے بَل کے نشے میں اندھا ہورہا تھا۔ وہ کسی کے پرامرش کو کب دھیان میں لاتا تھا۔ بولا۔ تم دونوں دیش دروہی ہو۔ میرے سامنے سے نکل جاؤ، میں ایسے ساہس ہینوں کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔

کنتو جب اسے گیات ہوا کہ رام چندر نے سمندر پر پل باندھ لیا ہے، تو اس کا نشہ ہرن ہوگیا۔ اس دن اسے ساری رات نیند نہیں آئی۔

لنکا کانڈ

راون کے دربار میں انگد

رام چندر نے سمندر کو پار کرکے لنکا پر گھیرا ڈالا۔ دُرگ کے چاروں دواروں پر بڑے بڑے نایکوں کو کھڑا کیا۔ سگریو کو ساری سینا کا سینا پتی بنایا۔ آپ اور لچھمن سگریو کے ساتھ ہوگئے۔ تیز دوڑنے والوں کو چن چن کر سماچار لانے اور لے جانے کے لیے نیوکت کیا۔ جس نایک کو کوئی آگیا دینی ہوتی۔ انھیں آدمیوں دوارا کہلا بھیجتے تھے۔ نگر کے چاروں دوار بند ہو گئے۔ راچھسوں کا باہر نکلنا دُرگم ہوگیا۔ رسد کا باہر کے دیہاتوں سے آنا بند ہوگیا۔ لوگ اندر بھوکوں مرنے لگیں۔

راون نے سوچا، اب تو رام چندر کی سینا لنکا پر چڑھ گئی۔ معلوم نہیں، لڑائی کا پھل کیا ہو۔ ایک بار سیتا کو سمّت کرنے کی انتم چیشٹا کرلینی چاہیے۔ اب کی اس نے دھمکی کے بدلے چھل سے کام لینے کا نشچے کیا۔ ایک کشل کاریگر سے رام کی تصویر سے ملتا جلتا ایک سر بنوایا۔ ویسے ہی دھنش اور بان بنوائے اور ان چیزوں کو سیتا جی کے سامنے لے جاکر بولا۔ یہ لو، تمھارے پتی کا سر ہے، جس پر تم جان دیتی تھیں۔ میری سینا کے ایک آدمی نے انھیں لڑائی میں مار ڈالا ہے۔ اور ان کا سر کاٹ کر لایا ہے۔ راون کے بَل کا انومان تم اسی سے کرسکتی ہو۔ اب میرا کہنا مانو میری رانی بن جاؤ۔

سیتا دھوکے میں آگئیں۔ اور سر پیٹ پیٹ کر رونے لگیں۔ سنسار ان کی آنکھوں میں اندھیرا ہوگا۔ سنیوگ سے وبھیشن کی پتنی شرما اس سے اشوک واٹیکا میں موجود تھی۔ سیتا جی کا شوک سنتاپ سن کر وہ دوڑی آئی اور پوچھنے لگی، کیا بات ہے؟ راون نے دیکھا اب بھید کھلنا چاہتا ہے، تو ترنت وہاں سے بناوٹی سر اور دھنش بان لے کر چلتا بنا۔ سیتا جی نے رو رو کر شرما سے یہ درگھٹنا بیان کی۔ شرما ہنس کر بولی۔ بہن، یہ سب راون کی دغا بازی ہے۔ وہ سر بناوٹی ہوگا۔ تمھیں چھلنے کے لیے راون نے یہ چال چلی ہے۔ رام چندر تو درگ کے چاروں اُور گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ لنکا میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ کوئی درگ کے باہر نہیں نکل سکتا۔

یہاں کس میں اتنا بَل ہے، جو رام چندر سے لڑ سکے۔ ان کے سادھارن دوت نے لنکا والوں کے چھکّے چھڑا دیے، بھلا انھیں کون مار سکتا ہے؟ شرما کی باتوں سے سیتا جی کو آشواسن ملا۔ سمجھ گئیں یہ راون کی دُشٹتا تھی۔

ادھر دُرگ پر گھیرا ڈال کر کے رام چندر نے سگریو سے کہا۔ ایک بار پھر راون کو سمجھانے کی چیشٹا کرنی چاہیے۔ یدی سمجھانے سے مان جائے تو رکت پات کیوں ہو۔ وچار ہوا کہ انگد کو دوت بنا کر بھیجا جائے۔ انگد نے بڑی پرسنتا سے یہ بات سویکار کی۔ راون اپنے سبھا سدوں کے ساتھ دربار میں بیٹھا تھا کہ انگد آدھمکے اور اونچی آواز میں بولے۔ ا

اے راکچھسوں کے راجا راون میں راجا رام چندر کا دوت ہوں۔ میرا نام انگد ہے۔ میں راجا بالی کا پتر ہوں۔ مجھے راجا رام چندر نے یہ کہنے کے لیے بھیجا ہے کہ تم آج ہی سیتا کو واپس کردو، یا قلعے کے باہر نکل کر یدھ کرو۔

راون گھمنڈ سے اکڑ کر بولا۔ جا کر اپنے چھوکڑے راجا سے کہہ دو کہ راون اس سے لڑنے کو تیار بیٹھا ہوا ہے۔ سیتا اب یہاں سے نہیں جاسکتی۔ اس کا وچار چھوڑ دیں۔ انیتھا ان کے لیے اچھا نہ ہوگا۔ راکچھسوں کی سینا جس سمے میدان میں آئے گی۔ سگریو اور ہنومان دُم دبا کر بھاگتے دکھائی دیں گے۔ راکچھسوں سے ابھی رام چندر کا پالا نہیں پڑا ہے۔ ہم نے اندر تک سے لوہا منوالیا ہے۔ یہ پہاڑی چوہے کس گنتی میں ہیں۔

انگد۔ جن لوگوں کو تم پہاڑی چوہا کہتے ہو۔ وہ تمھاری ایک ایک سینا کے لیے اکیلے کافی ہیں۔ یدی تم ان کے بَل کی پریکچھا لینا چاہتے ہو تو انھی پہاڑی چوہوں میں سے ایک تُچھ چوہا تمھارے دربار میں کھڑا ہے۔ اس کی پریکچھا کر لو۔ کھید ہے کہ میں اس سمے راج دوت ہوں۔ اور دوت ہتھیار سے کام نہیں لے سکتا، انیتھا اسی سمے دکھا دیتا کہ پہاڑی چوہے کس غضب کے ہوتے ہیں۔ اس دربار میں کوئی یوُدھا ہے جو میرے پیر کو پرتھوی سے ہٹا دے؟ جسے دعویٰ ہو، نکل آئے۔

انگد کی یہ للکار سن کر کئی سورما اٹھے اور انگد کا پیر اٹھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، کنتو جو بھر بھی نہ ہٹا سکے۔ اپنا سا منہ لے کر اپنی اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ تب راون سوئیم سنگھاسن سے اٹھا اور انگد کے پیر پر جھک کر اسے اٹھانا چاہتا تھا کہ انگد نے پیر کھینچ لیا اور بولے۔ اگر پیروں پر سر جھکانا ہے تو رام چندر کے پیروں پر سر جھکاؤ۔ میرے پیر چھونے سے

تمھیں کوئی لابھ نہ ہوگا۔ راون لجّت ہوکر اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔

انگد اپنا سندیش سناہی چکے تھے۔ جب انھیں گیات ہوگیا کہ راون پر کسی کے سمجھانے کا پربھاؤ نہ ہوگا، تو وہ رام چندر کے پاس لوٹ آیا، اور سارا ورتانت کہہ سنایا۔

میگھ ناد

آخر دونوں سیناؤں میں یدھ چھڑ گیا۔ دن بھر تلواریں چلتی رہیں۔ رات کو بھی لڑنے والوں نے دم نہ لیا۔ مرت شریروں کے ڈھیر لگ گئے۔ رکت کی ندیاں بہہ گئیں۔ رام چندر کی سینا اتنی ویرتا سے لڑی کہ راکچھسوں کی ہمت ٹوٹ گئی۔ راون جس سینا کو بھیجتا، وہی گھنٹے دو گھنٹے میں جان لے کر بھاگتی۔ یہاں تک کہ اس نے جھلا کر اپنے لڑکے میگھ ناد کو بھیجا۔ میگھ ناد بڑا ویر تھا۔ اسے اندر جیت کا اُپ نام ملا ہوا تھا۔ راکچھسوں کو اس پر گورو تھا۔

میگھ ناد کے چھیتر میں آتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کہاں تو راکچھس لوگ میدان سے بھاگ رہے تھے۔ کہاں اب رام چندر کی سینا میں بھگدڑ پڑگئی۔ میگھ ناد نے بانوں کی ایسی ورشا کی کہ آکاش کالا ہوگیا۔ لکچھمن نے اپنی سینا کو دبتے دیکھا تو دھنش اور بان لے کر میدان میں نکل آئے۔ میگھ ناد لکچھمن کو دیکھ اور بھی اتساہ سے لڑنے لگا اور للکار کر بولا۔

آج تمھاری مرتیو میرے ہاتھوں لکھی ہے۔ تم سے لڑنے کی بہت دنوں سے کامنا تھی۔ آج وہ پوری ہوگئی۔ لکچھمن نے اتر دیا۔ ہار اور جیت ایشور کے ہاتھ ہے۔ ڈینگ مارنا ویروں کا کام نہیں۔ کنتو سمبھوتہ تم بھی جیوت بچ کر نہ لوٹوگے۔ میگھ ناد نے جوش میں آکر نانا پرکار کے استر شستر کام میں لانے پرارمبھ کیے۔ کبھی کوئی ویشیلا بان چلادیتا، کبھی گدا لے کر پل پڑتا۔ کنتو لکچھمن بھی کم ویر نہ تھے۔ وہ اس کے سارے آکرمنوں کو اپنے بانوں سے ویرتھ کردیتے تھے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اس کے رتھوان گھوڑے سب کو بانوں سے چھید ڈالا۔ میگھ ناد پیدل لڑنے لگا۔ اب اسے اپنی جان بچانا کٹھن ہوگیا۔ چاہتا تھا کہ تنک دم لینے کا اوکاش ملے تو دوسرا رتھ لاؤں۔ مگر لکچھمن اتنی تیزی سے بان چلاتے تھے کہ اسے ہلنے کا اوکاش نہ ملتا تھا۔ آخر اس نے بھیانک ہوکر شکتی بان چلادیا۔ یہ بان اتنا گھاتک تھا کہ اس سے گھائل ترنت مرجاتا تھا۔ یہ بان لگتے ہی لکچھمن مرچھت ہوکر بھومی پر گر پڑے۔ میگھ ناد پرسنتا سے متوالا ہوگیا۔ اسی سمے بھاگا ہوا راون کے پاس آیا اور بولا۔ دونوں بھائیوں میں

سے ایک کو تو میں نے ٹھنڈا کر دیا۔ ایسا شکتی بان مارا ہے کہ بچ نہیں سکتا۔ کل دوسرے بھائی کو مارلوں گا۔ بس یُدھ کا انت ہوجائے گا۔ راون نے بیٹے کو چھاتی سے لگا لیا۔

ادھر رام چندر کی سینا میں کہرام مچ گیا۔ ہنومان نے مورچھت لچھمن کو گود میں اٹھایا اور رام چندر کے پاس لائے۔ رام نے لچھمن کی یہ دشا دیکھی تو بلات آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ رو رو کر کہنے لگے۔ ہائے لچھمن! تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے؟ ہائے! مجھے کیا گیات تھا کہ تم یوں میرا ساتھ چھوڑ دوگے، نہیں تو میں پتا کی آگیا کو رد کر دیتا، کبھی بن کی اور پگ نہ اٹھاتا۔ اب میں کون سا منہ لے کر ایودھیا جاؤں گا۔ پتنی کے پیچھے بھائی کی جان گنوا کر کس کو منہ دکھاؤں گا۔ پتنی تو پھر بھی مل سکتی ہے، پر بھائی کہاں ملے گا۔ ہائے میں نے سدیو کے لیے اپنے ماتھے پر کلنک لگا لیا۔ جاموَنت ابھی تک کہیں لڑ رہا تھا۔ رام کا ولاپ سن کر دوڑا ہوا آیا اور لچھمن کو دھیان سے دیکھنے لگا۔ بوڑھا انوبھوی آدمی تھا۔ کتنی ہی لڑائیاں دیکھ چکا تھا۔ بولا۔ مہاراج! آپ اتنے نراش کیوں ہوتے ہیں۔ لچھمن جی ابھی جیوت ہیں۔ کیول مورچھت ہوگئے ہیں۔ وِش سارے شریر میں دوڑ گیا ہے۔ یدی کوئی چتر وید مل جائے تو ابھی زہر اتر جائے اور یہ اٹھ بیٹھیں۔ وید کی تلاش کرنی چاہیے۔ وبھیشن نے کہا۔ شہر میں سکھین نام کا ایک وید رہتا ہے۔ وِش کی چکتسا کرنے میں وہ بہت دکچھ ہے۔ اسے کسی پرکار بلانا چاہیے۔ ہنومان نے کہا۔ میں جاتا ہوں، اسے لیے آتا ہوں۔ وبھیشن سے سکھین کے مکان کا پتہ پوچھ کر وہ بھیش بدل کر شہر میں جا پہنچے اور سکھین سے یہ حال کہا۔ سکھین نے کہا بھائی! میں وید ہوں۔ راون کے دربار سے میرا بھرن پوشن ہوتا ہے۔ اسے یدی گیات ہوجائے گا کہ میں نے لچھمن کی چکتسا کی ہے، تو وہ مجھے جیوت نہ چھوڑے گا۔

ہنومان نے کہا۔ آپ کو ایشور نے جو نپنتا پردان کی ہے، اس سے ہر آدمی کو لابھ پہچانا آپ کا کرتویہ ہے۔ بھے کے کارن کرتویہ سے منہ موڑنا آپ جیسے ویوردھ کے لیے اچت نہیں۔

سکھین نروتّر ہوگیا۔ اسی سمے ہنومان کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ بڑھاپے کے کارن وہ تیز نہ چل سکتا تھا۔ اس لیے اسے ہنومان نے گود میں اٹھالیا اور بھاگتے ہوئے اپنی سینا میں آپہنچے۔ سکھین نے لچھمن کی ناڑی دیکھی، شریر دیکھا اور بولا۔ ابھی بچنے کی آشا ہے۔ سنجیونی بوٹی مل جائے تو بچ سکتے ہیں۔ کنتو سوریہ نکلنے کے پہلے بوٹی یہاں آجانی چاہیے۔ انیتھا جان

نہ بچے گی۔

جاموَنت نے پوچھا۔ سنجیونی بوٹی ملے گی کہاں؟

سکھین بولا۔ اتر کی اور ایک پہاڑ ملے گا۔ وہیں یہ بوٹی ہے۔

بارہ گھنٹے کے اندر وہاں جانا اور بوٹی کھوج کر لانا سرل کام نہ تھا۔ سب ایک دوسرے کا منہ تاکتے تھے۔ کسی کا ساہس نہ ہوتا تھا کہ جانے کو تیار ہوں۔ آخر رام چندر نے ہنومان سے کہا۔ متر! کٹھنائی تمھیں سرل بنا سکتے ہو۔ تمھارے سوا مجھے دوسرا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ ہنومان کو آ گیا ملنے کی دیر تھی۔ سکھین سے بوٹی کا پتا پوچھا اور آندھی کی طرح دوڑے۔ کئی گھنٹوں میں وہ اس پہاڑ پر جا پہنچے۔ کنتو رات کے سمے بوٹی کی پہچان نہ ہوسکی۔ بہت سی گھاس پات ایک ساتھ تھی۔ ہنومان نے ان سبھوں کو اکھاڑ لیا اور الٹے پیروں لوٹے۔

ادھر سب لوگ بیٹھے ہنومان کی پرتیکھا کر رہے تھے۔ ایک ایک پل کی گنتی کی جارہی تھی۔ اب ہنومان امک استھان پر پہنچے ہوں گے۔ اب وہاں سے چلے ہوں گے، اب پہاڑ پر پہنچیں گے، اس طرح انومان کرتے کرتے تڑکا ہوگیا، کنتو ہنومان کا کہیں پتا نہیں۔ رام چندر گھبرانے لگے۔ ایک گھنٹے میں اگر ہنومان نہ آئے تو انرتھ ہوجائے گا۔ کئی آدمی انھیں دیکھنے کے لیے چھوٹے، کئی آدمی ورکھوں پر چڑھ کر اتر کی اور درشٹی دوڑانے لگے، پر ہنومان کا کہیں نشان نہیں! اب کیول آدھ گھنٹے کی اور اودھی ہے۔ ادھر لچھمن کی دشا پل پل پر خراب ہوتی جاتی تھی۔ رام چندر نراش ہوکر پھر رونے لگے کہ ایکا ایک انگد نے آکر کہا۔ مہاراج! ہنومان دوڑا چلا آرہا ہے، بس آیا ہی چاہتا ہے۔ رام چندر کا چہرہ چمک اٹھا۔ وہ ادھیر ہوکر سویم ہنومان کی اور دوڑے اور اسے چھاتی سے لگا لیا۔ ہنومان نے گھاس پات کا ایک ڈھیر سکھین کے سامنے رکھ دیا۔ سکھین نے اس میں سنجیونی بوٹی نکالی اور ترنت لچھمن کے گھاؤ پر اس کا لیپ کیا۔ بوٹی نے اکسیر کا کام کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھاؤ بھرنے لگا۔ لچھمن کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایک گھنٹے میں اٹھ بیٹھے اور دوپہر تک تو باتیں کرنے لگے۔ سینا میں ہرش کے نعرے لگائے گئے۔

کمبھ کرن

راون نے جب سنا کہ لچھمن سوستھ ہوگئے تو میگھ ناد سے بولا۔ لچھمن تو شکتی بان سے بھی نہ مرا۔ اب کیا یوکتی کی جائے؟ میں نے تو سمجھا تھا، ایک کا کام تمام ہوگیا، اب ایک ہی اور باقی ہے، کنتو دونوں کے دونوں پھر سے سنبھل گئے۔

میگھ ناد نے کہا۔ مجھے بھی بڑا آشچریہ ہورہا ہے۔ شکتی بان کا گھاؤ تو گھاتک ہوتا ہے۔ اکیس گھنٹے کے اندر آدمی مرجاتا ہے۔ اوشیہ ان لوگوں کو سنجیونی بوٹی مل گئی۔ خیر، پھر سمجھوں گا، جاتے کہاں ہیں۔ آج ہی دونوں کو ڈھیر کردیتا، لیکن کل کا تھکا ہوا ہوں۔ میدان میں نہ جاسکوں گا۔ آج چاچا کمبھ کرن کو بھیج دیجیے۔

کمبھ کرن راون کا بھائی تھا۔ ایسا ڈیل ڈول دوسرے سورما راکھشوں میں نہ تھا۔ اسے دیکھ ہاتھی کا سا آبھاس ہوتا تھا۔ ویر ایسا تھا کہ کوئی اس کا سامنا کرنے کا ساہس نہ کرسکتا تھا۔ کنتو جتنا ہی وہ ویر تھا، اتنا ہی پرمادی اور ولاسی تھا۔ رات دن شراب کے نشے میں مست پڑا رہتا۔ لنکا پر آکرمن ہوگیا۔ لاکھوں آدمی مارے جاچکے پر اسے اب تک کچھ خبر نہ تھی کہ کہاں کیا ہورہا ہے۔ راون اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ وہ اس سمے بھی بے ہوش پڑا ہے۔ شراب کی بوتل سامنے پڑی ہوئی تھی۔ راون نے اس کا کندھا پکڑ کر زور سے ہلایا، تب اس کی آنکھیں کھولیں۔ بولا۔ کیسے آرام کی نیند لے رہا تھا، آپ نے ویرتھ جگا دیا۔

راون نے کہا۔ بھیا، اب سونے کا سمے نہیں رہا۔ رام چندر نے لنکا پر گھیرا ڈال لیا۔ ہمارے کتنے ہی آدمی کام آچکے۔ میگھ ناد کل لڑا تھا، پر آج تھکا ہوا ہے۔ اب تمھارے سوا اور کوئی دوسرا سہایک نہیں دکھائی دیتا۔

یہ سنتے ہی کمبھ کرم سنبھل کر اٹھ بیٹھا۔ ہتیار باندھے اور میدان کی اور چل کھڑا ہوا۔ اسے میدان میں دیکھ کر ہنومان، انگد، سگریو سب کے سب دہل اٹھے۔ آدمی کیا پورا دیو

تھا۔ سادھارن سینک تو اس کی بھیانک آکرتی ہی دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کتنے ہی نائکوں کو اس نے آہت کر دیا۔ آخر رام چندر سویم اس سے لڑنے کو تیار ہوئے۔ انھیں دیکھتے ہی کُمبھ کرن نے بھالے کا وار کیا۔ مگر رام چندر نے بھالے کا وار خالی کردیا اور دو تیر اتنی پھرتی سے چلائے کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ تیسرا تیر اس کے سینے میں لگا۔ کام تمام ہو گیا۔ راکھشش سینا نے اپنے نائک کو گرتے دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادھر رام چندر کی سینا میں خوشی منائی جانے لگی۔

راون کو جب یہ سماچار ملا تو سر پیٹ کر رونے لگا۔ کمبھ کرن سے اسے بڑی آشا تھی۔ وہ دھول میں مل گیا۔ بھائی کے شوک میں بڑی دیر تک ولاپ کرتا رہا۔

میگھ ناد کا مارا جانا

دوسرے دن میگھ ناد بڑے سج دھج سے میدان میں آیا۔ اس نے دونوں بھائیوں کو مار گرانے کا نشچے کرلیا تھا۔ ساری رات دیوی کی پوجا کرتا رہا تھا۔ اسے اپنے بَل اور شوریہ کا بڑا ابھیمان تھا۔ راون کی ساری آشائیں آج ہی کی لڑائی پر نربھر تھیں۔ لنکا میں پہلے ہی سے وِجے کا اتسو منانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ میگھ ناد نے میدان میں آکر ڈنکے پر چوٹ دِلوائی تو وبھیشن نے اس کے سامنے جاکر کہا۔ میگھ ناد، میں جانتا ہوں کہ بَل اور ساہس میں تم اپنا سمان نہیں رکھتے، کنتو اوچتیہ کی سدیو جیت ہوئی ہے اور سدیو ہوگی۔ میرا کہنا مانو، چل کر رام چندر سے سندھی کرلو۔ وہ تمھیں چھما کردیں گے۔

میگھ ناد نے کرودھ سے آنکھیں نکال کر کہا۔ چچا صاحب، تمھیں لاج نہیں آتی کہ مجھے سمجھانے آئے ہو! دیش وِدروہ سے بڑھ کر سنسار میں دوسرا اپرادھ نہیں۔ جو آدمی شترو سے مل کر اپنے گھر اور اپنے دیش کا آہت کرتا ہے۔ اس کی صورت دیکھنا بھی پاپ ہے۔ آپ میرے سامنے سے جائیں۔

وبھیشن تو ادھر لجت ہوکر چلا گیا، ادھر لکچھمن نے سامنے آکر میگھ ناد کو یدھ کا نمنترن دیا۔ لکچھمن کو دیکھ میگھ ناد بولا۔ ابھی دو چار دن گھاو کی مرہم پٹی اور کروا لیتے، کہیں آج گھاو پھر نہ تازہ ہوجائے۔ جاکر اپنے بڑے بھائی کو بھیج دو۔

لکچھمن نے دھنش پر بان چڑھا کر کہا۔ ایسے ایسے گھاوؤں کی ویر لوگ لیش ماتر چنتا نہیں کرتے۔ آج ایک بار پھر ہماری اور تمھاری ہوجائے۔ تنک دیکھ لو کہ شیر گھائل ہوکر کتنا بھیاونا ہوجاتا ہے۔ بڑے بھائی صاحب کا مقابلہ تو تمھارے پتا سے ہی ہوگا۔

دونوں ویروں نے تیر چلانے شروع کردیے۔ دھن دھن تن تن کی آوازیں آنے لگیں۔ میگھ ناد پہلے تو وجے ہوا، لکچھمن کا اس کے واروں کا کاٹنا کٹھن ہوگیا۔ جیوں جیوں سمے

بیتتا گیا۔ لکچھمن سنبھلتے گئے، اور میگھ ناد کمزور پڑتا جاتا تھا، یہاں تک کہ لکچھمن اس پر وجے ہوگئے اور ایک بان اس کی گردن پر ایسا مارا کہ اس کا سر کٹ کر الگ جاگرا۔

میگھ ناد کے گرتے ہی راکچھسوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ بھگدڑ پڑگئی۔ راون نے یہ سماچار سنا تو اس کے منہ سے ٹھنڈی سانس نکل گئی۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ پرتی شودھ کی جوالا سے پاگل ہوگیا۔ رام اور لکچھمن تو اس کے بس کے باہر تھے۔ سیتا جی کا ودھ کر ڈالنے کے لیے تیار ہوگیا۔ تلوار لے کر دوڑتا ہوا اشوک واٹکا میں پہنچا۔ ۔ سیتا جی نے اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار دیکھی تو سہم اٹھیں، کنتو راون کا منتری بڑا بدھمان تھا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا چلا گیا تھا۔ راون کی ایک ابلا استری کی جان پر اڈیت دیکھ کر بولا مہاراج، گھر شٹتا چھما ہو، استری پر ہاتھ اٹھانا آپ کی مریادہ کے وردھ ہے۔ آپ ویدوں کے پنڈت ہیں۔ ساہس اور ویرتا میں آج سنسار میں آپ کے سمان نہیں۔ اپنے پد اور گیان کا دھیان کیجیے اور اس کرم سے وِلکھ ہوئیے۔ ان باتوں نے راون کا کرودھ ٹھنڈا کردیا۔ تلوار میان میں رکھ لی اور لوٹ آیا۔

اس سمے میگھ ناد کی پتی ورتا استری سلوچنا نے آکر کہا۔ مہاراج اب جیوت رہ کر کیا کروں گی۔ میرے پتی کا سر منگوادیجیے۔ اسے لے کر میں ستی ہوجاؤں گی۔

راون نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ بیٹی، تیرے پتی کا سر تجھے اسی سمے ملے گا، جب میں دونوں بھائیوں کا سر کاٹ لوں گا۔ دھیریہ رکھ۔

سلوچنا اپنی ساس مندودری کی پاس آئی۔ دونوں ساس بہویں گلے مل کر خوب روئیں۔ تب سلوچنا بولی۔ ماتا جی میں اب اناتھ ہوگئی میرے پتی کا سر منگوادیجیے تو میں ستی ہوجاؤں۔ اب جی کر کیا کروں گی جہاں سوامی ہیں، وہیں میں بھی جاؤں گی یہ ویوگ اب مجھ سے نہیں سہا جاتا۔

مندوری نے بہو کو پیار کرکے کہا۔ بیٹی، یدی تم نے یہی نشچے کیا ہے تو شبھ ہو۔ میگھ ناد کا سر اور تو کیس پرکار نہ ملے گا۔ تم جاکر سوئیم مانگو تو بھلے ہی مل سکتا ہے۔ رام چندر بڑے نیک آدمی ہیں۔ مجھے وشواس ہے کہ وہ تمھاری مانگ کو اسویکار نہ کریں گے۔

سلوچنا اسی سمے راج محل سے نکل کر رام چندر کی سینا میں آئی اور رام چندر کے سمکھ جاکر بولی۔ مہاراج! ایک اناتھ ودھوا آپ سے ایک پرارتھنا کرنے آئی ہے، اسے سویکار

کیجیے۔ میرے پتی ویر میگھ ناد کا سر مجھے دیے دیجیے۔

رام چندر نے ترنت میگھ ناد کا سر سلوچنا کو دلوادیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد سلوچنا ستی ہوگئی۔ چتا کی لپٹ آکاش تک پہنچی۔ کسی نے چاہے سلوچنا کو جاتے نہ دیکھا پر سورگ میں پروشٹ ہوگئی۔

راون یدھ چھیتر میں

رات بھر تو راون شوک اور کرودھ سے جلتا رہا۔ سویرا ہوتے ہی میدان کی طرف چلا۔ لنکا کی ساری سینا اس کے ساتھ تھی۔ آج یدھ کا نرنے ہوجائے گا، اس لیے دونوں اور کے لوگ اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لیے بیٹھے تھے۔ راون کو میدان میں دیکھتے ہی رام چندر سوئیم تیر کمان لیے نکل آئے۔ اب تک انھوں نے کیول نام سنا تھا۔ اس کی صورت دیکھی تو مارے کرودھ کے آنکھوں سے جوالا نکلنے لگی۔ ادھر راون کو بھی اپنے دو بیٹوں کے رکت کا اور اپنی بہن کے اپمان کا بدلا لینا تھا۔ گھمسان یدھ ہونے لگا۔ راون کی برابری کرنے والا لنکا میں تو کیا، رام چندر کی سینا میں بھی کوئی نہ تھا۔ سگریو، انگد، ہنومان اتیادی اس پر ایک ساتھ بھالے، گدا اور تیر چلاتے تھے۔ نیل اور نل اس پر پتھر مارتے تھے، پر اس نے اتنی تیزی سے تیر چلائے کہ کوئی سامنے نہ ٹھہر سکا۔ لچھمن نے دیکھا کہ رام چندر اس کے مقابلے میں اکیلے رہے جاتے ہیں تو وہ بھی آ کھڑے ہوئے اور تیروں کی بوچھار کرنے لگے۔ کنتو راون پہاڑ کی طرح اٹل کھڑا سب کے آکرمنوں کا جواب دے رہا تھا۔ آخر اس نے اوسر پاکر ایک تیر ایسا چلایا کہ لچھمن مورچھت ہوکر گر پڑے۔ دوسرا تیر رام چندر پر پڑا، وہ بھی گر پڑے۔ راون نے ترنت تلوار نکالی اور چاہتا تھا کہ رام چندر کا ودھ کردے کہ ہنومان لپک کر اس کے سینے میں ایک گدا اتنی زور سے ماری کہ وہ سنبھل نہ سکا۔ اس کا گرنا تھا کہ رام اور لچھمن اٹھ بیٹھے۔ راون بھی ہوش میں آ گیا۔ پھر لڑائی ہونے لگی۔ آخر رام چندر کا ایک تیر راون کے سینے میں گھس گیا۔ رکت کی دھارا بہہ نکلی۔ اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ رتھ وان نے سمجھا کہ راون کا کام تمام ہوگیا۔ رتھ کو بھگا کر نگر کی اور چلا۔ راستے میں راون کو ہوش آ گیا۔ رتھ کو نگر کی اور جاتے دیکھ کرودھ سے آگ ببولا ہوگیا۔ اسی سمے رتھ کو میدان کی اور چلنے کی آگیاں دی۔

سینوگ سے اسی سمے وبھیشن سامنے آ گیا۔ راون نے اسے دیکھتے ہی بھالے سے

وار کیا۔ چاہتا تھا کہ اس کو دھوکے بازی کا ڈنڈ دے دے۔ کنتو لکچھمن نے ایک تیر چلاکر بھالے کو کاٹ ڈالا۔ وبھیشن کی جان بچ گئی۔ اب کی راون نے اگنی بان چھوڑنے شروع کیے۔ ان بانوں سے آگ کی لپٹیں نکلتی تھیں۔ رام چندر کی سینا میں کھلبلی پڑگئی۔ کنتو راون کے سینے میں جو گھاؤ لگا تھا اس سے وہ پرتیک چھن نربل ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ سے دھنش چھوٹ کر گر پڑا اس سمے رام چندر نے کہا۔ راجا راون اب تمھیں گیات ہوگیا کہ ہم لوگ اتنے برنل نہیں جتنا تم سمجھتے تھے؟ تمھارا سارا پریوار تمھاری مورکھتا کا شکار ہوگیا۔ کیا اب بھی تمھاری آنکھیں نہیں کھلیں۔ اب بھی یدی تم اپنا دشٹتا چھوڑ دو تو ہم تمھیں چھما کردیں گے۔

راون نے سنبھل کر دھنش اٹھالیا اور بولا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ کمبھ کرن اور میگھ ناد کے مارے جانے سے میں ڈرگیا ہوں؟ راون کو اپنے ساہس اور بل کا بھروسا ہے۔ وہ دوسروں کے بل پر نہیں لڑتا۔ ویروں کی سنتان لڑائی میں مرنے کے سوا اور ہوتی ہی کس لیے ہے۔ اب سنبھل جاؤ، میں پھر وار کرتا ہوں۔

کنتو یہ کیول گیدڑ بھبکی تھی۔ رام چندر نے اب کی جو تیر مارا وہ پھر راون کے سینے میں جالگا۔ ایک گھاؤ پہلے لگ چکا تھا، اس دوسرے گھاؤ نے انت کردیا۔ راون رتھ کے نیچے گر پڑا اور تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اتیا چاری تھا، انیائی تھا، نیچ تھا، کنتو ویر بھی تھا۔ مرتے سمے بھی دھنش اس کے ہاتھ میں تھا۔

راون کے رتھ سے نیچے گرتے دیکھ وبھیشن دوڑ کر اس کے پاس آگیا، دیکھا تو وہ دم توڑ رہا تھا اس سمے بھائی کے رکت نے جوش مارا۔ وبھیشن راون کے رکت لنٹھت مرت شریر سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اتنے میں راون کی رانی مندودری اور دوسری رانیاں بھی آکر ولاپ کرنے لگیں۔ رام چندر نے انھیں سمجھاکر بدا کیا۔ سینکوں نے چاہا کہ چل کر لنکا کو لوٹیں۔ کنتو رام چندر نے انھیں منع کیا۔ ہارے ہوئے شترو کے ساتھ وہ کسی پرکار کی زیادتی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

وبھیشن کا راجیہ ابھشیک

ایک دن وہ تھا کہ وبھیشن اپمانت ہوکر روتا ہوا نکلا تھا، آج وہ وجے ہوکر لنکا میں پرویشٹ ہوا۔ سامنے سواروں کا ایک سموہ تھا۔ پرکار پرکار کے باجے بج رہے تھے۔ وبھیشن ایک سندر رتھ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لچھمن بھی ان کے ساتھ تھے۔ پیچھے سینا کے نامی سورما اپنے اپنے رتھوں پر شان سے بیٹھے ہوئے چلے جارہے تھے۔ آج وبھیشن کا نیمانوسار راجیہ ابھشیک ہوگا۔ وہ لنکا کی گدی پر بیٹھیں گے۔ رام چندر نے ان کو وچن دیا تھا۔ اسے پورا کرنے کے لیے لچھمن ان کے ساتھ جارہے ہیں۔ شہر میں ڈھنڈورا پٹ گیا ہے کہ اب راجا وبھیشن لنکا کے راجا ہوئے۔ دونوں اُور چھتوں سے ان پر پھولوں کی ورشا ہورہی ہے۔ دھنی مانی نظریں اُپستھت کرنے کی تیاریاں کررہے ہیں۔ سب بندیوں کی مکتی کی گھوشنا کردی گئی ہے۔ راون کا کوئی شوک نہیں کرتا۔ سبھی اس کے اتیاچار سے پیڑت تھے۔ وبھیشن کا سبھی لیش گارہے ہیں۔

وبھیشن کو گدی پر بٹھا کر رام چندر نے ہنومان کو سیتا کے پاس بھیجا۔ وبھیشن پالکی لے کر پہلے ہی سے اپستھت تھے۔ سیتا جی کے ہرش کا کون انومان کرسکتا ہے۔ اتنے دنوں کی قید کے بعد انھیں آزادی ملی ہے۔ مارے ہرش کے انھیں مورچھا آگئی، جب چیتنا آئی تو ہنومان نے ان کے چرنوں پر سر جھکا کر کہا۔ ماتا! شری رام چندر جی آپ کی پرتیکچھا میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ سوئیم آتے، کنتو نگر میں آنے سے بے بس ہیں۔ سیتا جی خوشی خوشی پالکی پر بیٹھیں۔ رام چندر سے ملنے کی خوشی میں انھیں کپڑوں کی بھی چنتا نہ تھی۔ کنتو وبھیشن کی رانی شرمانے ان کے شریر پر اُبٹن ملا، سر میں تیل ڈالا، بال گتھے، بہو مولیہ ساڑی پہنائی اور ودا کیا۔ سواری روانہ ہوئی۔ ہزاروں آدمی ساتھ تھے۔

رام چندر کو دیکھتے ہی سیتا جی کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ وہ پالکی سے

اتر کر ان کی اور چلیں۔ رام چندر اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ ان کے چہرے سے خوشی نہیں ظاہر ہورہی تھی، بلکہ رنج ظاہر ہوتا تھا۔ سیتا جی نکٹ آگئیں۔ پھر بھی وہ اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ تب سیتا جی ان کے ہردے کی بات سمجھ گئیں۔ وہ ان کے پیروں پر نہیں گریں، سر جھکا کر کھڑی ہوگئیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

ایک منٹ کے بعد سیتا جی نے لچھمن سے کہا۔ بھیا، کھڑے کیا دیکھتے ہو۔ میرے لیے ایک چتا تیار کراؤ۔ جب سوامی جی کو مجھ سے گھرنا ہے، تو میرے لیے آگ کی گود کے سوا اور کوئی استھان نہیں۔ درشن ہوگئے، میرے لیے یہی سوبھاگیہ کی بات ہے۔ ہائے! کیا سوچ رہی تھی، اور کیا ہوا۔

یہ بات نہ تھی کہ رام چندر جی کو سیتا جی پر کسی پرکار کا سندیہہ تھا۔ وہ بھلی پرکار جانتے تھے کہ سیتا جی نے کبھی راون سے سیدھے منہ بات نہیں کی۔ سدیو اس سے گھرنا کرتی رہیں۔ کنتو سنسار کو نرمل ہردیتا پر کیسے وشواس آتا؟ سیتا جی بھی من میں یہ بات بھلی پرکار سمجھتی تھیں۔ اس لیے انھوں نے اپنے وشے میں کچھ بھی نہیں کہا۔ جان دینے کے لیے تیار ہوگئیں۔ رام چندر کا کلیجا پھٹا جاتا تھا، کنتو وِوش تھے۔

تنک دیر میں چتا تیار ہوگئی۔ اس میں آگ دی گئی، لپٹیں اٹھنے لگیں۔ سیتا جی نے رام چندر کو پرنام کیا اور چتا میں کودنے چلیں۔ وہاں ساری سینا ایکترت تھی۔ سیتا جی کو آگ کی اور بڑھتے دیکھ کر چاروں اور شور مچ گیا۔ سب لوگ چلاّ چلاّ کر کہنے لگے۔ ہم کو سیتا جی پر کسی پرکار کا سندیہہ نہیں ہے! وہ دیوی ہیں، ہماری ماتا ہیں، ہم ان کی پوجا کرتے ہیں۔ ہنومان، انگد، سگریو اتیادی سیتاجی کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے۔ اس سمے رام چندر کو وشواس ہوا کہ اب سیتا جی کی پوترتا پر کسی کو سندیہہ نہیں۔ انھوں نے آگے بڑھ کر سیتا جی کو چھاتی سے لگا لیا۔ سارا چھیتر ہرش دھونی سے گونج اٹھا۔

ایودھیا کو واپسی

رام چندر نے لنکا پر جس آشیہ سے آکرمن کیا تھا، وہ پورا ہوگیا۔ سیتا جی چھڑالی گئیں، راون کو دنڈ دیا جاچکا۔ اب لنکا میں رہنے کی آوشیکتا نہ تھی۔ رام چندر نے چلنے کی تیاری کرنے کا آدیش دیا۔ وبھیشن نے جب سنا کہ رام چندر جارہے ہیں تو آکر بولا۔ مہاراج! مجھ سے کون سا اپرادھ ہوا جو آپ نے اتنے شیگھر چلنے کی ٹھان لی؟ بھلا دس پانچ دن تو مجھے سیوا کرنے کا اوسر دیجیے۔ ابھی تو میں آپ کا کچھ اتتھیہ کر ہی نہ سکا۔

رام چندر نے کہا۔ وبھیشن! میرے لیے اس سے ادھک پرسنتا کی اور کون سی بات ہوسکتی تھی کہ کچھ دن تمھارے سنسرگ کا آنند اٹھاؤں۔ تم جیسے نرمل ہردئے پرش بڑے بھاگیہ سے ملتے ہیں۔ کنتو بات یہ ہے کہ میں نے بھرت سے چودھویں ورش پورے ہوتے ہی لوٹ جانے کا پرن کیا تھا۔ اب چودہ ورش پورے ہونے میں دو ہی چار دن کا ولمب ہے۔ یدی مجھے ایک دن کی بھی دیر ہوگئی تو بھرت کو بڑا دُکھ ہوگا۔ یدی جیوت رہا تو پھر کبھی بھینٹ ہوگی۔ ابھی تو ایودھیا تک پہنچنے میں مہینوں لگیں گے۔

وبھیشن۔ مہاراج ایودھیا تو آپ دو دن میں پہنچ جائیں گے۔

رام چندر۔ کیول دو دن میں؟ یہ کیسے سمبھو ہے؟

وبھیشن۔ میرے بھائی راون نے اپنے لیے ایک وایویان بنوایا تھا۔ اسے پشپک ومان کہتے ہیں! اس کی چال ایک ہزار میل پرتی دن ہے۔ بڑے آرام کی چیز ہے۔ دس بارہ آدمی آسانی سے بیٹھ سکتے ہیں۔ ایشور نے چاہا تو آج کے تیسرے دن آپ ایودھیا میں ہوں گے۔ کنتو میری پرارتھنا آپ کو سویکار کرنی پڑے گی۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ جہاں آپ کے ہزاروں چاکر ہیں وہاں مجھے بھی ایک چاکر سمجھیے۔

اسی دن پشپک ومان آگیا۔ وچتر اور آشچریہ جنک چیز تھی۔ کل گھماتے ہی ہوا میں اٹھ کر اڑنے لگتی تھی۔ بیٹھنے کی جگہ الگ، سونے کی جگہ الگ، ہیرے جواہرات جڑے ہوئے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اڑنے والا محل ہے۔ رام چندر اسے دیکھ کر بہت پرسن ہوئے۔ کنتو جب چلنے کو تیار ہوئے تو ہنومان، سگریو، انگد، نیل جامونت، سبھی نایکوں نے کہا۔ مہاراج آپ کی سیوا میں اتنے دنوں سے رہنے کے بعد اب یہ ویوگ نہیں سہا جاتا۔ یدی آپ یہاں نہیں رہتے ہیں تو ہم لوگوں کو ہی ساتھ لیتے چلیے۔ وہاں آپ کے راجیہ بھشیک کا اتسو منائیں گے، کوشلیا ماتا کے درشن کریں گے، گرو وششٹ، وشوامتر، بھردواج اتیادی کے اپدیش سنیں گے اور آپ کی سیوا کریں گے۔

رام چندر نے پہلے تو انھیں بہت سمجھایا کہ آپ لوگوں نے میرے اوپر جو مجھ پر اپکار کیے ہیں، وہی کافی ہیں، اب اور ادھک اپکاروں کے بوجھ سے نہ دبائیے۔ کنتو جب ان لوگوں نے بہت آگرہ کیا تو ووش ہوکر ان لوگوں کو بھی ساتھ لے لیا۔ سب کے سب ومان میں بیٹھے اور ومان ہوا میں اڑ چلا۔ رام چندر اور سیتا میں باتیں ہونے لگیں۔ دونوں نے اپنے اپنے ورتانت ورنن کیے۔ ومان ہوا میں اڑتا چلا جاتا تھا۔ جس راستے سے آئے تھے اسی راستے سے جا رہے تھے۔ راستے میں جو پرسدھ استھان آتے تھے، انھیں رام چندر جی سیتا جی کو دکھا دیتے تھے۔ پہلے سمندر دکھائی دیا۔ اس پر بندھا ہو پل دیکھ کر سیتا جی کو بڑا آشچریہ ہوا۔ پھر وہ استھان آیا، جہاں رام چندر نے بالی کو مارا تھا۔ اس کے بعد کشکندھا پوری دکھائی دی۔ رام چندر نے کہا۔ جس راجا سگریو کی سہایتا سے ہم نے لنکا وجے کی، ان کا مکان یہی ہے۔ سیتا جی نے سگریو کی رانی سے بھینٹ کرنے کی اِچھا پرکٹ کی۔ اسی لیے ومان روک دیا گیا اور لوگ سگریو کے گھر اترے۔ تارا نے سیتا جی کے گلے میں پھولوں کی مالا پہنائی اور اپنے ساتھ محل میں لے گئی۔ سگریو نے اپنے پرتشٹھت اَتیتھوں کی ابھیرتھنا کی اور انھیں دو چار دن روکنا چاہا، کنتو رام چندر کیسے رک سکتے تھے۔ دوسرے دن ومان پھر روانہ ہوا۔ سگریو اتیادی بھی اس پر بیٹھ کر چلے۔ رام چندر جی سے ان لوگوں کو اتنا پریم ہوگیا کہ ان کو چھوڑتے ہوئے ان لوگوں کو دکھ ہوتا تھا۔

رام چندر نے پھر سیتا جی کو مُکھیہ مُکھیہ استھان دکھانا پرارمبھ کیا۔ دیکھو، یہ وہ بن ہے جہاں ہم تمھیں تلاش کرتے پھرتے تھے۔ آہا دیکھو وہ چھوٹی سی جھونپڑی جو دکھائی دے رہی ہے۔ وہی شبری کا گھر ہے۔ یہاں رات بھر ہم نے جو آرام پایا۔ اتنا کبھی اپنے گھر میں بھی نہ پایا تھا۔ یہ لو وہ استھان آگیا جہاں پوتر جٹایو سے ہماری بھینٹ ہوئی تھی۔ وہ اس کی

کٹی ہے۔ کیول دیواریں شیش رہ گئی ہیں۔ جٹایو نے ہمیں تمھارا پتہ نہ بتایا ہوتا، تو گیات نہیں کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے۔ وہ دیکھو پنچ وٹی ہے۔ وہ ہماری کٹی ہے۔ کتنا جی چاہتا ہے کہ ایک بار چل کر اس کٹی کے درشن کرلوں۔ سیتا جی اس کٹی کو دیکھ کر رونے لگیں۔ آہ! یہاں سے انھیں راون ہر لے گیا تھا۔ وہ دن، وہ گھڑی کتنی اشبھ تھی کہ اتنے دنوں تک انھیں ایک اتیاچاری کی قید میں رہنا پڑا۔ راون کا وہ سادھوؤں کا سا بھیش ان کی آنکھوں میں پھر گیا۔ آنسو کسی پرکار نہ تھمتے تھے۔ کٹھنتا سے رام چندر نے انھیں سمجھا کر چپ کیا۔ ومان اور آگے بڑھا۔ اگستیہ منی کا آشرم دکھائی دیا۔ رام چندر نے ان کے درشن کیے، کنتو رکنے کا اوکاش نہ تھا، اس لیے تھوڑی دیر کے بعد پھر ومان روانہ ہوا چتر کوٹ دکھائی دیا۔ سیتا جی اپنی کٹی دیکھ کر بہت پرسن ہوئیں۔ کچھ دیر بعد پریاگ دکھائی دیا۔ یہاں بھردواج منی کا آشرم تھا۔ رام چندر نے ومان کو اتارنے کا آویش دیا اور منی جی کی سیوا میں اپستھت ہوئے۔ منی جی ان سے مل کر بہت پرسن ہوئے۔ بڑی دیر تک رام چندر انھیں اپنے ورتانت سناتے رہے۔ پھر اور باتیں ہونے لگیں رام چندر نے کہا۔ مہاراج! مجھے تو آشا نہ تھی کہ پھر آپ کے درشن ہوں گے۔ کنتو آپ کے آشیرواد سے آج پھر آپ کے چرن اسپرش کا اوسر مل گیا۔

بھردواج بولے۔ بیٹا! جب تم یہاں سے جا رہے تھے، اس سمے مجھے کتنا دکھ ہوا تھا اس سے کہیں ادھک پرسنتا آج تمھاری واپسی پر پھر ہورہی ہے۔

رام۔ آپ کو ایودھیا کے سماچار تو ملتے ہوں گے؟

بھردواج۔ ہاں بیٹا، وہاں کے سماچار تو ملتے رہتے ہیں، بھرت ایودھیا سے دور ایک گاؤں میں کٹی بنا کر رہتے ہیں، کنتو شتروگھن کی سہایتا سے انھوں نے بھی بہت اچھی طرح راجیہ کا کام سنبھالا ہے۔ پرجا پرسنّ ہے۔ اتیاچار کا نام بھی نہیں ہے۔ کنتو سب لوگ تمھارے لیے ادھیر ہورہے ہیں۔ بھرت تو اتنے ادھیر ہیں کہ یدی تمھیں ایک دن کی دیر ہوگئی تو شاید تم انھیں جیوت نہ پاؤ۔

رام چندر نے اسی سمے ہنومان کو بلاکر کہا۔ تم ابھی بھرت کے پاس جاؤ، اور انھیں میرے آنے کی سوچنا دو۔ وہ بہت گھبرا رہے ہوں گے۔ میں کل سویرے یہاں سے چلوں گا۔ یہ آگیا پاتے ہی ہنومان ایودھیا کی اور روانہ ہوئے اور بھرت کا پتہ پوچھتے ہوئے نندی گرام پہنچے۔ بھرت نے جیوں ہی یہ شبھ سماچار سنا انھیں مارے ہرش کے مورچھا آ گئی۔ اسی سمے ایک

آدمی بھیج کر شتروگھن کو بلوایا اور کہا۔ بھائی، آج کا دن بڑا شبھ ہے کہ ہمارے بھائی صاحب چودہ ورش کے دیش نکالے کے بعد ایودھیا آرہے ہیں۔ نگر میں ڈھنڈورا پٹوادیا کہ لوگ اپنے اپنے گھر دیپ جلائیں اور اس پرسنتا میں اتسو مناویں۔ سویرے تم ان کے اتسو کا پربندھ کرکے یہاں آجانا ہم سب لوگ بھائی صاحب کی اگوانی کو نے چلیں گے۔

دوسرے دن سویرے رام چندر جی بھردواج منی کے آشرم سے روانہ ہوئے۔ جس ایودھیا کی گود میں پلے اور کھیلے، اس ایودھیا کے آج پھر درشن ہوئے۔ جب ایودھیا کے بڑے بڑے ایشوریہ شالی پراساد دکھائی دینے لگے، تو رام چندر کا مکھ مارے پرسنتا کے چمک اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ہنومان سے بولے۔ متر مجھے سنسار میں کوئی استھان اپنی ایودھیا سے ادھیک پریہ نہیں۔ مجھے یہاں کے کانٹے بھی دوسری جگہ کی پھولوں سے ادھیک سندر معلوم ہوتے ہیں۔ وہ دیکھو، سریو ندی نگر کو اپنی گود میں لیے کیسے بچوں کی طرح کھلا رہی ہے۔ یدی مجھے بھکچھک بن کر بھی یہاں رہنا پڑے۔ تو دوسری جگہ راجیہ کرنے سے ادھک پرسن رہوں گا۔ ابھی وہ یہی باتیں کررہے تھے کہ نیچے ہاتھی، گھوڑوں، رتھوں کا جلوس دکھائی دیا۔ سب کے آگے بھرت گیروے رنگ کی چادر اوڑھے، جٹا بڑھائے، ننگے پاؤں ایک ہاتھ میں رام چندر کی کھڑاؤں لیے چلے آرہے تھے۔ ان کے پیچھے شتروگھن تھے۔ پالکیوں میں کوشلیا، سومترا اور کیکئی تھیں۔ جلوس کے پیچھے ایودھیا کے لاکھوں آدمی اچھے اچھے کپڑے پہنے چلے آرہے تھے۔ جلوس کو دیکھتے ہی رام چندر نے ومان کو نیچے اتارا۔ نیچے کے آدمیوں کو ایسا معلوم ہوا کہ کوئی بڑا پکچھی پر جوڑے اتر رہا ہے۔ کبھی ایسا ومان ان کی درشٹی کے سامنے نہ آیا تھا۔ کنتو جب ومان نیچے اتر آیا، تو لوگوں نے بڑے آشچریہ سے دیکھا کہ اس پر رام چندر، سیتا، لکچھمن اور ان کے نایک بیٹھے ہوئے ہیں۔ جے جے کی ہرش دھونی سے آکاش ہل اٹھا۔

جیوں ہی رام چندر ومان سے اترے۔ بھرت دوڑ کر ان کے چرنوں سے لپٹ گئے۔ ان کے منہ سے شبد نہ نکلتا تھا۔ بس آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ رام چندر انھیں اٹھا کر چھاتی سے لگانا چاہتے تھے، کنتو بھرت ان کے پیروں کو نہ چھوڑتے تھے۔ کتنا پوتر درشیہ تھا! رام چندر نے تو پتا کی آگیا کو مان کر بنواس لیا تھا، کنتو بھرت نے راجیہ ملنے پر بھی سویکار نہ کیا،اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ رام چندر کے رہتے راجیہ پر میرا کوئی ادھیکار نہیں ہے۔ انھوں

نے راجیہ ہی نہ چھوڑا، سادھوؤں کا سا جیون ویتت کیا، کیونکہ کیکئی نے انھیں کے لیے رام چندر کو بنواس دیا تھا۔ وہ سادھوؤں کی طرح رہ کر اپنی ماتا کے انیائے کا بدلا چکانا چاہتے تھے۔ رام چندر نے بڑی کٹھنائی سے اٹھایا اور چھاتی سے لگا لیا۔ پھر لچھمن بھی بھرت سے گلے ملے۔ ادھر سیتا جی نے جا کر کوشلیا اور دوسری ماتاؤں کے چرنوں پر سر جھکایا۔ کیکئی رانی بھی وہاں اپستھت تھیں۔ تینوں ساسوں نے سیتا کو آشیرواد دیا۔ کیکئی اب اپنے کئے پر لجّت تھیں۔ اب ان کا ہردے رام چندر اور کوشلیا کی طرف سے صاف ہوگیا تھا۔

رام چندر کی راج گدی

آج رام چندر کے راجیا ابھشیک کا شبھ دن ہے۔ سریوں کے کنارے ایک وشال تمبو کھڑا ہے۔ اس کی چوبیں چاندی کی ہیں اور رسیاں ریشم کی۔ بہومولیہ غلیچے بچھے ہوئے ہیں۔ تمبو کے باہر سندر گملے رکھے ہوئے ہیں۔ تمبو کی چھت شیشے کے بہومولیہ سامانوں سے سجی ہوئی ہے۔ دور دور سے رشی منی بلائے گئے ہیں۔ دربار کے دھنی مانی اور پرتشٹھت راجے آدر سے بیٹھے ہیں۔ سامنے ایک سونے کا جڑاؤ سنہاسن رکھا ہوا ہے۔

ایکاایک توپیں دگیں، سب لوگ سنبھل گئے۔ ودت ہوگیا کہ شری رام چندر راج بھون سے روانہ ہوگئے، اور ان کے سامنے گھنٹہ اور شنکھ بجایا جارہا تھا۔ لچھمن، بھرت، شتروگن، ہنومان، سگریو اتیادی پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ رام چندر نے آج راجسی پوشاک پہنی ہے اور سیتا جی کے بناؤ سنگار کی پرشنسا تو ہو ہی نہیں سکتی۔

جیوں ہی یہ لوگ تمبو میں پہنچے گرو وششٹ نے انھیں ہون کنڈ کے سامنے بیٹھایا، براہمن نے وید منتر پڑھنا آرمبھ کردیا۔ ہون ہونے لگا۔ ادھر راج محل میں منگل کے گیت گائے جانے لگے۔ ہون سماپت ہونے پر گور وششٹ نے رام چندر کے ماتھے پر کیشر کا تلک لگادیا۔ اس سمے توپوں نے سلامیاں داگیں۔ دھنیکوں نے نظریں اپستھت کیں، کویشوروں نے کویت پڑھنا پرارمبھ کردیا۔ رام چندر اور سیتا جی سنہاسن پر شوبھایمان ہوگئے۔ وبھیشن مورچھل جھلنے لگا۔ سگریو نے چوب داروں کا کام سنبھال لیا ور ہنومان پنکھا جھلنے لگے۔ نشٹھاوان ہنومان کی پرسنتا کی تھاہ نہ تھی جس راجکمار کو بہت دن پہلے انھوں نے رشیہ مُک پربت پر ادھر ادھر سیتا کی تلاش کرتے پایا تھا، آج سیتا جی کو اسی کے ساتھ سنہاسن پر بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ انھیں اس ادِشٹ استھان پر پہنچانے میں انھوں نے کتنا بھاگ لیا تھا، ابھمان پوُر گورو سے وہ پھولے نہ سماتے تھے۔

بھرت بڑے بڑے تھالوں میں میوے، اناج بھرے بیٹھے ہوئے تھے۔ روپیوں کے ڈھیر ان کے سامنے لگا تھا۔ جیوں ہی رام چندر اور سیتا سنہاسن پر بیٹھے، بھرت نے دان دینا پرارمبھ کردیا۔ ان چودہ برسوں میں انھوں نے بچت کر کے راجکوش میں جو کچھ اکترت کیا تھا، وہ سب کسی نہ کسی روپ میں پھر پرجا کے پاس پہنچ گیا۔ نردھنوں کو بھی اشرفیوں کی صورت دکھائی دے گئی۔ ننگوں کو شال دوشالیں پراپت ہوگئے اور بھوکوں کو میووں اور مٹھائیوں سے سنتشٹی ہوگئی۔ چاروں طرف بھرت کی دان شیلتا کی دھوم مچ گئی۔ سارے راجیہ میں کوئی نردھن نہ رہ گیا۔ کسانوں کے ساتھ وشیش چھوٹ کی گئی۔ ایک سال کا لگان معاف کردیا گیا۔ جگہ جگہ کوئیں کھدوادیے گئے۔ بندیوں کو مکت کردیا گیا۔ کیول وہی مکت نہ کیے گئے جو چھل اور کپٹ کے ابھیکت تھے۔ دھنکوں اور پرتشٹھوں کو پدویاں دی گئیں اور تھیلیاں بانٹیں گئیں۔

اُتّر۔کانڈ

رام کا راج

راجیا بھشیک کا اتسو سماپت ہونے کے اُپرانت سگریو، وبھیشن، انگد اتیادی تو ودا ہوئے کنتو ہنومان کو رام چندر سے اتنا پریم ہوگیا تھا کہ وہ انھیں چھوڑ کر جانے پر سہمت نہ ہوئے۔ لکچھمن، بھرت اتیادی نے انھیں بہت سمجھایا کنتو وہ ایودھیا سے نہ گئے۔ ان کا سارا جیون رام چندر کے ساتھ ہی سماپت ہوا۔ وہ سدیو رام چندر کی سیوا کرنے کو تیار رہتے تھے۔ بڑے سے بڑا کٹھن کام دیکھ کر بھی ان کا ساہس مند نہ ہوتا تھا۔

رام چندر کے سمے میں ایودھیا کے راجیہ کی اتنی انّتی ہوئی، پرجا اتنی پرسن تھی کہ رام راجیہ ایک کہاوت ہوگئی ہے۔ جب کسی سمے کی بہت پرشنسا کرنی ہوتی ہے تو اسے رام راجیہ کہتے ہیں اس سمے میں چھوٹے بڑے سب پرسن تھے، اس لیے کوئی چوری نہ کرتا تھا۔ شکچھا انِواریہ تھی، بڑے بڑے رشی لڑکوں کو پڑھاتے تھے، اسی لیے انوچت کرم نہ ہوتے تھے۔ وِدّوان لوگ نیائے کرتے تھے۔ اس لیے جھوٹی گواہیاں نہ بنائی جاتی تھیں۔ کسانوں پر سختی نہ کی جاتی تھی۔ اس لیے وہ من لگا کر کھیتی کرتے تھے۔ اناج بہُتایت سے پیدا ہوتا تھا۔ ہر ایک گاؤں میں تالاب اور کنوئیں کھلوا دیے گئے تھے۔ نہریں بنوادی گئی تھیں، اس لیے کسان لوگ آکاش ورشا پر ہی نربھر نہ رہتے تھے صفائی کا بہت اچھا پربندھ تھا۔ کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہ تھی۔ دودھ گھی وپلتا سے پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ ہر ایک گاؤں میں صاف چاراگاہیں تھیں، اس لیے دیش میں بیماریاں نہ تھیں۔ پلیگ، ہیضہ، چیچک اتیادی بیماریوں کے نام بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ سوستھ رہنے کے کارن سبھی سندر تھے۔ کروپ آدمی کٹھنائی سے ملتا تھا، کیونکہ سواستھ ہی سندرتا کا بھید ہے۔ یوا مرتیویں بہت کم ہوتی تھیں۔ اس لیے اپنی پوری آیوں تک جیتے تھے۔ گلی گلی اناتھالے نہ تھے، اس لیے کہ دیش میں اناتھ اور ودھوائیں تھی ہی نہیں۔

اس سمے میں آدمی کی پرتشٹھا اس کے دھن یا پرسدھی کے انوسار نہ کی جاتی تھی۔ بلکہ دھرم اور گیان کے انوسار۔ دھنک لوگ نردھنوں کا رکت چوسنے کی چنتا میں نہ رہتے تھے، نہ نردھن لوگ دھنکوں کو دھوکا دیتے تھے۔ دھرم اور کرتویہ کی تلنا میں سوارتھ اور پریوجن کو لوگ تچھ سمجھتے تھے۔ رام چندر پرجا کو اپنے لڑکے کی طرح مانتے تھے۔ پرجا بھی انھیں اپنا پتا سمجھتی تھی۔ گھر گھر یگیہ اور ہون ہوتا تھا۔

رام چندر کیول اپنے پرامرش داتاؤں کی ہی بات نہ سنتے تھے۔ وہ سیوم بھی پرایہ بھیش بدل کر ایودھیا اور راجیہ کے دوسرے نگروں میں گھومتے رہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ پرجا کا ٹھیک ٹھاک سماچار انھیں ملتا رہے۔ جیوں ہی وہ کسی سرکاری پد ادھکاری کی برائی سنتے، ترنت اس سے اتر مانگتے اور کڑا دنڈ دیتے۔ سمبھو نہ تھا کہ پرجا پر کوئی اتیاچار کرے اور رام چندر کو اس کی سوچنا نہ ملے۔ جس براہمن کو دھن کی اور جھکتے دیکھتے، ترنت اس کا نام ویشیوں میں لکھا دیتے۔ ان کے راجیہ میں سمبھو نہ تھا کہ کوئی تو دھن اور پرتشٹھا دونوں ہی لوٹے اور کوئی دنوں میں سے ایک بھی نہ پائے۔

کئی سال اسی طرح بیت گئے۔ ایک دن رام چندر رات کو ایودھیا کی گلیوں میں بھیش بدلے گھوم رہے تھے کہ ایک دھوبی کے گھر میں جھگڑے کی آواز سن کر رک گئے اور کان لگا کر سننے لگے۔ گیات ہوا کہ دھوبن آدھی رات کو باہر سے لوٹی ہے اور اس کا پتی اس سے پوچھ رہا ہے کہ تو اتنی رات تک کہاں رہی۔ استری کہہ رہی تھی، یہیں پڑوس میں تو کام سے گئی تھی۔ کیا قیدی بن کر تیرے گھر میں رہوں؟ اس پر پتی نے کہا۔ میرے پاس رہوگی تو تجھے قیدی بن کر ہی رہنا پڑے گا، نہیں کوئی دوسرا گھر ڈھونڈ لے۔ میں راجا نہیں ہوں کہ تو جو چاہے اوگن کرے، اور اس پر پردہ پڑجائے۔ یہاں تو تنک بھی ایسی ویسی بات ہوئی تو برادری سے نکال دیا جاؤں گا۔ حقہ پانی بند ہوجائے گا۔ برادری کو بھوج دینا پڑجائے گا۔ اتنا کس کے گھر سے لاؤں گا۔ تجھے اگر سیر سپاٹا کرنا ہے، تو میرے گھر سے چلی جا۔ اتنا سننا تھا کہ رام چندر کے ہوش اڑگئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے زمین نیچے دھنسی جارہی ہے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے لوگ بھی میری برائی کررہے ہیں! میں اپنی پرجا کی درشٹی میں اتنا گرگیا ہوں! جب ایک دھوبی کے دل میں ایسے وچار پیدا ہورہے ہیں، تو بھلے آدمی میرا چھوا ہوا پانی بھی نہ پئیں۔ اسی سمے رام چندر گھر کی اور چلے اور ساری رات اسی بات پر وچار کرتے

رہے۔ کچھ بدّ گی کام نہ کرتی تھی کہ کیا کرنا چاہیے! اس کے سوا کوئی یکتی نہ تھی کہ سیتا جی کو اپنے پاس سے الگ کردیں۔ کنتو اس پوترتا کی دیوی کے ساتھ اتنی نردیتا کرتے ہوئے انھیں آتمک دُکھ ہورہا تھا۔

سویرے رام چندر نے تینوں بھائیوں کو بلوایا اور رات کی گھٹنا کی چرچا کرکے ان کی صلاح پوچھی۔ لکچھمن نے کہا۔ اس نیچ دھوبی کو پھانسی دے دینی چاہیے، جس سے کہ پھر کسی کو ایسی برائی کرنے کا ساہس نہ ہو۔

شتروگھن نے کہا۔ اسے راجیہ سے نکال دیا جائے۔ اس کی بدزبانی کی یہی سزا ہے۔

بھرت بولے۔ بکنے دیجیے۔ ان نیچ آدمیوں کے بکنے سے ہوتا ہی کیا ہے۔ سیتا سے ادھک پوتر دیوی سنسار میں تو کیا، دیولوک میں بھی نہ ہوگی۔

لکچھمن نے جوش سے کہا۔ آپ کیا کہتے ہیں، بھائی صاحب ان ٹکے کے آدمیوں کو اتنا ساہس کہ سیتا جی کے وشے میں ایسا اسنتوش پرکٹ کریں؟ ایسے آدمی کو اوشیہ ہی پھانسی دینی چاہیے۔ سیتا جی نے اپنی پوترتا کا پرمان اسی سمے دے دیا جب وہ چتا میں کودنے کو تیار ہوگئیں۔

رام چندر نے دیر تک وچار میں ڈوبے رہنے کے بعد سر اٹھایا اور بولے۔ آپ لوگوں نے سوچ کر پرامرش نہیں دیا۔ کرودھ میں آگئے۔ دھوبی کو مار ڈالنے سے ہماری بدنامی دور نہ ہوگی بلکہ اور بھی پھیلے گی۔ بدنامی کو دور کرنے کا کیول ایک ہی علاج ہے، اور وہ ہے کہ سیتا جی کا پرتیاگ کردیا جائے۔ میں جانتا ہوں کہ سیتا جی پوترتا اور لجا کی دیوی ہیں۔ مجھے پورا وشواس ہے کہ انھوں نے سوپن میں بھی میرے اترکت اور کسی کا دھیان نہیں کیا۔ کنتو میرا وشواس جب پرجا کے دلوں میں وشواس پیدا نہیں کرسکتا، تو اس سے کیا لابھ ہوگا۔ میں اپنے ونش میں کلنک لگتے نہیں دیکھ سکتا۔ میرا دھرم ہے کہ پرجا کے سامنے جیون کا ایسا اداہرن اپستھت کروں جو سماج کو اور بھی اونچا اور پوتر بنائے۔ یدی میں ہی لوک نندا اور بدنامی سے نہ ڈروں گا تو پرجا اس کی کب پرواہ کرے گی۔ اور اس پرکار جن سادھارن کو سچے اور سیدھے مارگ سے ہٹ جانا سرل ہوجائے گا۔ بدنامی سے بڑھ کر ہمارے جیون کو سدھارنے کی دوسری طاقت نہیں ہے۔ میں نے جو یکتی بتلائی اس کے سوائے کوئی دوسری یکتی نہیں ہے۔

تینوں بھائی رام چندر کا یہ وارتالاپ سن کر گم سم ہوگئے۔ کچھ جواب نہ دے سکے۔ اور دل میں ان کے بلیدان کی پرشنسا کرنے لگے۔ وہ جانتے تھے کہ سیتا جی نر پرادھ ہیں۔ پھر بھی سماج کی بھلائی کے وچار سے اپنے ہردئے پر اتنا اتیاچار کررہے ہیں۔کرتوے کے سامنے، پرجا کی بھلائی کے سامنے انھیں اس کی بھی پرواہ نہیں ہے، جو انھیں دنیا میں سب سے پریے ہے۔ شاید یہ اپنی برائی سن کر اتنی ہی تتپرتا سے اپنی جان دے دیتے۔

رام چندر نے ایک چھن کے بعد پھر کہا۔ ہاں! اس کے سوا اب کوئی دوسری یکتی نہیں ہے۔ آج مجھے ایک دھوبی سے لجت ہونا پڑ رہا ہے۔ میں اسے سہن نہیں کرسکتا۔ بھیّا لکچھمن، تم نے بڑے کٹھن اوسروں پر میری سہایتا کی ہے یہ کام بھی تمھیں کرنا ہوگا۔ مجھے سیتا سے بات کرنے کا ساہس نہیں ہے۔ میں ان کے سامنے جانے کا ساہس نہیں کرسکتا۔ میں ان کے سامنے جاکر میں اپنے راشٹر کرتویہ سے ہٹ جاؤں گا۔ اس لیے آج ہی تم کسی بہانے سے سیتا کو لے کر چلے جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ نردیتا کرتے ہوئے تمھارا من تم کو کوسے گا، کنتو تم یاد رکھو۔ کرتویہ کا مارگ کٹھن ہے۔ جو آدمی تلوار کی ڈھال پر چل سکے، وہی کرتویہ کے راستے پر چل سکتا ہے۔

یہ آگیا دے کر رام چندر جی دربار میں چلے گئے۔ لکچھمن جانتے تھے کہ اگر رام چندر کی آگیا کا پالن نہ کیا گیا تو وہ اوشیہ آتم ہتھیا کرلیں گے۔ وہ اپنی بدنامی کداپی نہیں سہہ سکتے۔ سیتا جی کے ساتھ چھل کرتے ہوئے ان کا ہردے ان کو دھتکار رہا تھا۔ کنتو ووش تھے۔ جاکر سیتا جی سے بولے۔ بھابھی آپ جنگلوں کی سیر کا کئی بار تقاضا کرچکی ہیں۔ میں آج سیر کرنے جارہا ہوں۔ چلیے آپ کو بھی لے چلوں۔

بیچاری سیتا کیا جانتی تھیں کہ آج یہ گھر مجھ سے سدیو کے لیے چھوٹ رہا ہے! میرے سوامی مجھے سدیو کے لیے بنواس دے رہے ہیں! بڑی پرسنّتا سے چلنے کو تیار ہوگئیں۔ اسی سمے رتھ تیار ہوا۔ لکچھمن اور سیتا اس پر بیٹھ کر چلے۔ سیتا جی بہت پرسن تھیں۔ ہر ایک نئی چیز کو دیکھ کر پرشن کرنے لگتی تھیں، یہ کیا چیز ہے وہ کیا چیز ہے؟ کنتو لکچھمن اتنے شوک گرستھ تھے کہ ہوں ہاں کرکے ٹال دیتے تھے۔ ان کے منہ سے شبد نہ نکلتا تھا۔ باتیں کرتے تو ترنت پردہ کھل جاتا، کیونکہ ان کی آنکھوں میں بار بار آنسو بھر آتے تھے۔ آخر رتھ گنگا کے کنارے جا پہنچا۔

سیتا جی بولیں۔ تو کیا ہم لوگ آج جنگلوں میں ہی رہیں گے؟ شام ہونے کو آئی، ابھی تو کسی رشی منی کے آشرم میں بھی نہیں گئے۔ لوٹیں گے کب تک؟

لچھمن نے منہ پھیرے ہوئے اتر دیا۔ دیکھیے کب تک لوٹیں۔

ماجھی کو جوں ہی رانی سیتا کے آنے کی سوچنا ملی، وہ راجیہ کی ناؤ کھیتا ہوا آیا۔ سیتا رتھ سے اتر کر ناو میں جا بیٹھیں اور پانی سے کھیلنے لگیں۔ جنگل کی تازی ہوا نے انھیں پرپھلِت کردیا تھا۔

سیتا بنواس

ندی کے پار پہنچ کر سیتا جی کی درشٹیا ایکا یک لکچھمن کے چہرے پر پڑی تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ویر لکچھمن نے اب تک تو اپنے کو روکا تھا، پر اب آنسو نہ رُک سکے۔ میدان میں تیروں کو روکنا سرل ہے، آنسو کو کون ویر روک سکتا ہے!

سیتا آشچریہ سے بولیں۔ لکچھمن، تم رو کیوں رہے ہو؟ آج بن کو دیکھ کر پھر بنواس کے دن یاد آرہے ہیں؟

لکچھمن اور بھی پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے سیتا جی کے پیروں پر گر پڑے اور بولے۔ نہیں دیوی! اس لیے کہ مجھ سے ادھک بھاگیہ ہین، نردئی پرش سنسار میں نہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا مجھے موت آجاتی۔ میگھ ناد کی شکتی ہی نے کام تمام کردیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ جس دیوی کے درشنوں سے جیون پوتر ہوجاتا ہے، اسے میں آج بنواس دینے آیا ہوں۔ ہائے! سدیو کے لیے۔

سیتا جی اب بھی کچھ صاف صاف نہ سمجھ سکیں۔ گھبرا کر بولیں۔ بھیا، تم کیا کہہ رہے ہو، میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تمھاری طبیعت تو اچھی ہے؟ آج تم راستے بھر اداس رہے۔ جور تو نہیں آیا؟

لکچھمن نے سیتا جی کے پیروں پر سر رگڑتے ہوئے کہا۔ ماتا! میرا اپرادھ چھما کرو۔ میں بالکل نراپرادھ ہوں۔ بھائی صاحب نے جو آگیا دی ہے، اس کا پالن کررہا ہوں۔ شاید اسی دن کے لیے میں ابھی تک جیوت تھا۔ مجھ سے ایشور کو یہ بدھک کا کام لینا تھا۔ ہائے!

سیتا جی اب پوری پرستھیتی سمجھ گئیں۔ ابھمان سے گردن اٹھا کر بولیں۔ تو کیا سوامی جی نے مجھے بنواس دے دیا ہے؟ میرا کوئی اَپرادھ، کوئی دوش؟ ابھی رات کو نگر میں بھرمن کرنے کے پہلے وہ میرے ہی پاس تھے۔ ان کے چہرے پر کرودھ کا نشان تک نہ تھا۔ پھر

کیا بات ہوگئی؟ صاف صاف کہو، میں سننا چاہتی ہوں! اور اگر سننے والا ہو تو اس کا اتر بھی دینا چاہتی ہوں۔

لچھمن نے ابھیکتوں کی طرح سر جھکا کر کہا۔ ماتا! کیا بتلاؤں، ایسی بات ہے جو میرے منہ سے نکل نہیں سکتی۔ ایودھیا میں آپ کے بارے میں لوگ بھن بھن پرکار کی باتیں کہہ رہے ہیں۔ بھائی صاحب کو آپ جانتی ہیں، بدنامی سے کتنا ڈرتے ہیں۔ اور میں آپ سے کیا کہوں۔

سیتا جی کی آنکھوں میں نہ آنسو تھے، اور نہ گھبراہٹ، وہ چپ چاپ ٹک ٹکی لگائے گنگا کی اور دیکھ رہی تھی، پھر بولیں۔ کیا سوامی کو بھی مجھ پر سندیہہ ہے؟

لچھمن نے زبان کو دانتوں سے دبا کر کہا۔ نہیں بھابھی جی، کداپی نہیں۔ انھیں آپ کے اوپر کن برابر بھی شک نہیں ہے۔ انھیں آپ کی پوترتا کا اتنا ہی وشواس ہے، کہ جتنا اپنے استّو کا۔ یہ وشواس کسی پرکار نہیں مٹ سکتا، چاہے ساری دنیا آپ پر انگلی اٹھائے۔ کنتو جن سادھارن کی زبان کو وہ کیسے روک سکتے ہیں۔ ان کے دل میں آپ کا جتنا پریم ہے، وہ میں دیکھ چکا ہوں۔ جس سے انھوں نے مجھے یہ آگیا دی، ان کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ایسا پرتیت ہورہا تھا کہ کوئی ان کے سینے کے اندر بیٹھا ہوا چھریاں مار رہا ہے۔ بدنامی کے سوا انھیں کوئی وچار نہیں ہے، نہ ہوسکتا ہے۔

سیتا جی کی آنکھوں سے آنسو کی دو بڑی بڑی بوندیں ٹپ ٹپ گر پڑیں۔ کنتو انھوں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور بولیں۔ پیارے لچھمن، اگر یہ سوامی کا آدیش ہے تو میں ان کے سامنے سر جھکاتی ہوں۔ میں انھیں کچھ نہیں کہتی۔ میرے لیے یہی وچار پریاپت ہے کہ ان کا ہردے میری اور سے صاف ہے میں اور کسی بات کی چنتا نہیں کرتی تم نہ روؤ بھیا، تمھارا کوئی دوش نہیں، تم کیا کر سکتے ہو۔ میں مر کر بھی تمھارے اپکاروں کو نہیں بھول سکتی۔ یہ سب بُرے کرموں کا پھل ہے، نہیں تو جس آدمی نے کبھی کسی جانور کے ساتھ بھی انیائے نہیں کیا جو شیل اور دیا کا دیوتا ہے، جس کی ایک ایک بات میرے ہردے میں پریم کی لہریں پیدا کر دیتی تھی۔ اس کے ہاتھوں میری یہ درگتی ہوتی؟ جس کے لیے میں نے چودہ سال رو رو کر کاٹے، وہ آج مجھے تیاگ دیتا؟ یہ سب میرے کھوٹے کرموں کا بھوگ ہے۔ تمھارا کوئی دوش نہیں۔ کنتو تمھیں دل میں سوچو، کیا میرے ساتھ یہ نیائے ہوا۔ کیا بدنامی سے بچنے کے

لیے کسی نردوش کی ہتھیا کردینا نیائے ہے؟ اب اور کچھ نہ کہوں گی بھیا۔ اس شوک اور کرودھ کی دشا میں سمبھو ہے کہ منہ سے ایسا کوئی شبد نکل جائے جو نہ نکلنا چاہیے اوہ! کیسے سہن کروں؟ ایسا جی چاہتا ہے کہ اسی سمے گنگا میں جاکر ڈوب مروں۔ ہائے! کیسے دل کو سمجھاؤں؟ کس آشا پر جیوت رہوں؟ کس لیے جیوت رہوں یہ پہاڑ سا جیون کیا رو رو کر کاٹوں؟ استری کیا پریم کے بنا جیوت رہ سکتی ہے؟ کداپی نہیں۔ سیتا آج سے مرگئی۔

گنگا کے کنارے لمبے لمبے ورکچھ سردھن رہے تھے۔ گنگا کی لہرں مانو رو رہی تھیں۔ اندھیرا بھیانک آکرتی دھارن کیے دوڑا چلا آتا تھا۔ لچھمن پتھر کی مورتی بنے، نشچل کھڑے تھے مانو شریر میں پران ہی نہیں ۔ سیتا دو تین منٹ تک کسی وچار میں ڈوبی رہیں۔ پھر بولی۔ نہیں ویر لچھمن، ابھی جان نہ دوں گی۔ مجھے ابھی ایک بہٹ بڑا کرتویہ پورا کرنا ہے۔ اپنے بچے کے لیے جیوں گی۔ وہ تمھارے بھائی کی تھاتی ہے۔ اسے ان کو سونپ کر ہی میرا کرتویہ پورا ہوگا۔ اب یہی میرا جیون کا آدھار ہوگا۔ سوامی نہیں ہیں تو ان کی اسمرتی سے ہی جیون کو آشواسن دوں گی! مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اپنے بھائی سے کہہ دینا، میرے ہردے میں ان کے پرتی کوئی دربھاونا نہیں ہے۔ جب تک جیوں گی، ان کے پریم کو یاد کرتی رہوں گی۔ بھیا ہردے بہت دربل ہورہا ہے کتنا ہی روکتی پر رکانہیں جاتا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تپوون کے رشی منی مجھ سے پوچھیں گے، تیرے سوامی نے تجھے کیوں بنواس دیا تو کیا کہوں گی۔ کم سے کم تمھارے بھائی صاحب کو اتنا تو بتلادینا ہی چاہیے تھا۔ ایشور کی بھی کیسی وچتر لیلا ہے کہ وہ کچھ آدمیوں کو کیول رونے کے لیے پیدا کرتا ہے۔ ایک بار کے آنسو ابھی سوکھنے بھی نہ پائے تھے کے یہ رونے کا نیا سامان پیدا ہوگیا ہے۔ ہائے! انھیں جنگلوں میں جیون کے کتنے دن آرام سے ویتیت کرے ہیں۔ کنتو اب رونا اور سدیو کے لیے رونا ہے۔ بھیا تم اب جاؤ۔ میرا ولاپ کب تک سنتے رہو گے! یہ تو جیون بھر سماپت نہ ہوگا۔ ماتاؤں سے میرا نمسکار کہہ دینا! اور مجھ سے جو کچھ اشششٹتا ہوئی، اسے چھما کریں۔ ہاں میرے پالے ہوئے ہرن کے بچوں کی کھوج خبر لیتے رہنا۔ پنجرے میں میرا ہرامن طوطا پڑا ہوا ہے۔ اس کے دانے پانی کا دھیان رکھنا۔ اور کیا کہوں ایشور تمھیں سدیو کشل سے رکھے۔ میرے رونے دھونے کی چرچا اپنے بھائی صاحب سے نہ کرنا۔ نہیں شاید انھیں دکھ ہو۔ تم جاؤ۔ اندھیرا ہوا جاتا ہے۔ ابھی تمھیں بہت دور جانا ہے۔

لچھمن یہاں سے چلے، تو انھیں ایسا پرتیت ہورہا تھا کہ ان کے ہردے میں آگ سی جل رہی ہے۔ یہ بھی جی چاہتا تھا کہ سیتا جی کے ساتھ رہ کر سارا جیون ان کی سیوا کرتا رہوں۔ پگ پگ مڑ مڑ کر سیتا جی کو دیکھ لیتے تھے۔ وہ اب تک وہیں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ جب اندھیرے نے انھیں اپنے پردے میں چھپالیا تو لچھمن دھرتی پر بیٹھ گئے اور بڑی دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے۔ ایکا ایک نراشا سے ایک آشا کی کرن دکھائی دی! شاید رام چندر نے اس پرشن پر پھر وچار کیا ہو اور وہ سیتا جی کو واپس لانے کو تیار ہوں۔ شاید وہ انھیں کل ہی یہ آگیا دیں کہ جاکر سیتا کو لوا لاؤ۔ اس آشا نے نراش اور کھن لچھمن کو بڑی سانتونا دی۔ وہ ویگ سے پگ اٹھاتے ہوئے نوکا کی اُور چلے۔

لو اور کش

جہاں سیتا جی نراش اور شوک میں ڈوبی ہوئی رو رہی تھیں، تھوڑی ہی دور رشی والمیکی کا آشرم تھا۔ اس سے رشی سندھیا کرنے کے لیے گنگا کی اور جایا کرتے تھے۔ آج بھی وہ جب نیمانوسار چلے تو مارگ میں کسی استری کے سسکنے کی آواز کان میں پڑی! آشچر یہ ہوا کہ اس سے کون استری رورہی ہے۔ سمجھے، شاید کوئی لکڑی بٹورنے والی عورت راستہ بھول گئی ہو۔ سسکیوں کی آہٹ لیتے ہوئے نکٹ آئے تو دیکھا کہ ایک استری بہو مولیہ کپڑے اور آبھوشن پہنے اکیلی رورہی ہے۔ پوچھا۔ بیٹی، تو کون ہے اور یہاں اکیلی بیٹھی کیوں رورہی ہے؟

سیتا رشی والمیکی کو پہنچانتی تھیں۔ انھیں دیکھتے ہی اٹھ کر ان کے چرنوں سے لپٹ گئیں اور بولیں۔ بھگون میں ایودھیا کی ابھاگنی رانی سیتا ہوں۔ سوامی نے بدنامی کے ڈر سے مجھے تیاگ دیا ہے! لچھمن مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔

والمیکی نے پریم سے سیتا کو اپنے پیروں سے اٹھالیا اور بولے۔ بیٹی، اپنے کو ابھاگنی نہ کہو۔ تم اس راجا کی بیٹی ہو، جس کے اپدیش سے ہم نے گیان سیکھا ہے۔ تمھارے پتا میرے متر تھے۔ جب تک میں جیتا ہوں، یہاں تمھیں کسی بات کا کشٹ نہ ہوگا۔ چل کر میرے آشرم میں رہو۔ رام چندر نے تمھاری پوترتا پر وشواس رکھتے ہوئے بھی کیول بدنامی کے لیے تمھیں تیاگ دیا۔ یہ ان کا انیائے ہے۔ لیکن اس کا شوک نہ کرو۔ سب سے سکھی وہی آدمی ہے جو پرتیک دِشا میں اپنے کرتویہ کو پورا کرتا رہے۔ یہ بڑے سوندریہ کی جگہ ہے۔ یہاں تمھاری طبیعت خوش ہوگی۔ رشیوں کی لڑکیوں کے ساتھ رہ کر تم اپنے سب دکھ بھول جاؤ گی۔ راج محل میں تمھیں وہی چیزیں مل سکتی تھیں۔ جن سے تمھیں آرام پہنچتا ہے، یہاں تمھیں وہ چیزیں ملیں گی، جس سے آتما کو شانتی اور آرام پراپت ہوتا ہے اٹھو، میرے ساتھ چلو۔ کیا ہی اچھا ہوتا، یدی مجھے پہلے معلوم ہوجاتا، تو تمھیں اتنا کشٹ نہ ہوتا۔

سیتا جی کو رشی والمیکی کی اس باتوں سے بڑا سنتوش ہوا۔ اٹھ کر ان کے ساتھ ان کی

کوٹیا میں آئی۔ وہاں اور بھی کئی رشیوں کی کٹیاں تھیں۔ سیتا ان کی استریوں اور لڑکیوں کے ساتھ رہنے لگیں۔ اس پرکار کئی مہینے کے بعد ان کے دو بچے پیدا ہوئے۔ رشی والمیکی نے بڑے کا نام لو اور چھوٹے کا نام کُش رکھا۔ دونوں ہی بچے رام چندر سے بہت ملتے تھے۔ ذہین اور تیز اتنے تھے کہ جو بات ایک بار سن لیتے تھے سدیو کے لیے ہردے پر انکت ہوجاتی۔ وہ اپنی بھولی بھالی توتلی باتوں سے سیتا کو ہرشت کیا کرتے تھے۔ رشی والمیکی دنوں بچوں کو بہت پیار کرتے تھے۔ ان دونوں بچوں کو پالنے پوسنے میں سیتا اپنا شوک بھول گئیں۔

جب دونوں بچے ذرا بڑے ہوئے تو رشی والمیکی نے انھیں پڑھانا آرمبھ کیا۔ اپنے ساتھ بن میں لے جاتے اور نانا پرکار کے پھل پھول دکھاتے۔ بچپن ہی سے سب سے پریم اور جھوٹ سے گھرنا کرنا سکھایا۔ یدھ کی کلا بھی خوب من لگاکر سکھائی۔ دونوں اتنے ویر تھے کہ بڑے بڑے بھیانک جانوروں کو بھی مار گراتے تھے۔ ان کا گلا بہت اچھا تھا۔ ان کا گانا سن کر رشی لوگ بھی مست ہوجاتے تھے۔ والمیکی نے رام چندر کے جیون کا ورتانت پد میں لکھ کر دونوں راجکماروں کو یاد کرا دیا تھا۔ جو دونوں گاگا کر سناتے تو سیتا جی ابھمان اور گورو کی لہروں میں بہنے لگتی تھیں۔

اشومیگھ یگیہ

سیتا جی کو تیاگ دینے کے بعد رام چندر بہت دُکھت اور شوکاکل رہنے لگے۔ سیتا جی کی یاد ہمیشہ انھیں ستاتی رہتی تھی۔ اور سوچا کرتے کہ بیچاری نہ جانے کہاں ہوگی، نہ جانے اس پر کیا بیت رہی ہوگی! اس سمے کو یاد کرکے جو انھوں نے سیتا جی کے ساتھ ویتیت کیا تھا، وہ پرایہ رونے لگتے تھے۔ گھر کی ہر ایک چیز انھیں سیتا جی کی یاد دلاتی تھی۔ ان کے کمرے کی تصویریں سیتاجی کی بنوائی ہوئی تھیں۔ باغ کے کتنے ہی پودے سیتاجی کے ہاتھوں لگائے گئے تھے۔ سیتاجی کا سوینبر بھی یاد کرتے کہ کبھی سیتاجی کا جنگلوں کا ساتھ جیون کا وچار یاد آتا۔ ان باتوں کو یاد کرکے وہ تڑپنے لگے۔ آنندوتسووں میں سملت ہونا انھوں نے بالکل چھوڑ دیا۔ بالکل تپسویوں کی طرح جیون ویتیت کرنے لگے۔ دربار کے سبھا سدوں اور منتریوں نے سمجھایا کہ آپ دوسرا وِواہ کرلیں۔ کسی پرکار نام تو چلے۔ کب تک اس پرکار تپسیا کیجیے گا؟ کنتو رام چندر وِواہ کرنے پر سہمت نہ ہوئے۔ یہاں تک کے کئی سال بیت گئے۔

اس سمے کئی پرکار کے یگیہ ہوتے تھے۔ اسی میں ایک اشومیگھ یگیہ بھی تھا۔ اشو گھوڑے کو کہتے ہیں۔ جو راجا یہ آکانچھا رکھتا تھا کہ وہ سارے دیش کا مہاراجا ہوجائے اور سبھی راجیہ اس کی آگیا پالک بن جائیں۔ وہ ایک گھوڑے کو چھوڑ دیتا تھا۔ گھوڑا چاروں اور گھومتا تھا۔ یدی کوئی راجا اس گھوڑے کو پکڑ لیتا تھا تو اس کا ارتھ یہ ہوتا تھا کہ اسے سیوک بننا سویکار نہیں۔ تب یدھ سے اس کا نرنئے ہوتا تھا۔ راجا رام چندر کا بل اور سامراجیہ اتنا بڑھ گیا کہ انھوں نے اشومیگھ یگیہ کرنے کا نشچے کیا۔ دور دور کے راجا، مہاراجوں اور ودوانوں

کے پاس نوید بھیجے گئے۔ سگریو، وبھیشن، انگد سب اس یگیہ میں سمِلت ہونے کو آپہنچے۔ رشی والمیکی کو بھی یہ نوید ملا۔ وہ لو اور کش کے ساتھ آگئے۔ یگیہ کی بڑی دھوم دھام سے تیاریاں ہونے لگیں۔ اتتھیوں کے من بہلاؤ کے لیے نانا پرکار کے آیوجن کیے گئے تھے۔ کئی پہلوانوں کے دنگل تھے، کہیں راگ رنگ کی سبھائیں۔ کنتو جو آنند لوگوں کو لو اور کش کے منھ سے رام چندر کی چرچا سننے میں آتا تھا وہ اور کسی بات میں نہ آتا تھا۔ دونوں لڑکے سر ملاکر اتنے پریہ بھاؤ سے یہ کاویہ گاتے تھے کہ سننے والے موہت ہوجاتے تھے۔ چاروں اور ان کی واہ واہ مچی ہوئی تھی۔ دھیرے دھیرے رانیوں کو بھی ان کا گانا سننے کا شوق پیدا ہوا۔ ایک آدمی دونوں برہمچاریوں کو رانواس میں لے گیا۔ یہاں تین بڑی رانیاں، ان کی تینوں بہوئیں اور بہت سی استریاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ رام چندر بھی اپستھت تھے۔ ان لڑکوں کے لمبے لمبے کیش بن کی سواستھیہ کر ہوا میں نکھرا ہوا لال رنگ اور سندر مکھ منڈل دیکھ کر سب کے سب دنگ ہوگئے۔ دونوں کی صورت رام چندر سے بہت ملتی تھی۔ وہی اونچا للاٹ تھا، وہی لمبی ناک، وہی چوڑا وکچھ بن میں ایسے لڑکے کہاں سے آگئے۔ سب کو یہی آشچر یہ ہورہا تھا۔ کوشلیا من میں سوچ رہی تھیں اگر رام چندر کے لڑکے ہوتے تو وہ بالکل ایسے ہی ہوتے۔ جب لڑکوں نے کوِت گانا پرارمبھ کیا، تو سب کی آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔ لڑکوں کا سُر جتنا پیارا تھا، اتنی ہی پیاری اور دل کو ہلادینے والی کویتا تھی۔ گانا سننے کے بعد رام چندر نے بہت چاہا کہ ان لڑکوں کو کچھ پرسکار دیں کنتو انھوں نے لینا سویکار نہ کیا۔ آخر انھوں نے پوچھا۔ تم دنوں کو گانا کس نے سکھایا اور تم کہاں رہتے ہو؟

لو نے کہا۔ ہم لوگ رشی والمیکی کے آشرم میں رہتے ہیں۔ انھوں نے ہمیں گانا سکھایا ہے۔

رام چندر نے پھر پوچھا۔ اور یہ کویتا کس نے بنائی؟

لو نے اتر دیا۔ رشی والمیکی نے ہی یہ کویتا بنائی ہے۔

رام چندر کو ان لڑکوں سے اتنا پریم ہوگیا تھا کہ وہ اسی وقت رشی والمیکی کے پاس گئے اور ان سے کہا۔ مہاراج! آپ سے ایک پرشن کرنے آیا ہوں، دیا کیجیے گا۔

رشی نے مسکرا کر کہا۔ راجا رنک سے پرشن کرنے آیا ہے؟ آشچر یہ ہے کہیے۔

رام چندر نے کہا۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکوں کو جنھوں نے آپ کے رچے

ہوئے پد سنائے ہیں۔ اپنے پاس رکھ لوں۔ میرے اندھیرے گھر کے دیپک ہوں گے۔ ہیں تو کسی اچھے ونش کے لڑکے؟

والمیکی نے کہا۔ ہاں بڑے اونچے ونش کے لڑکے ہیں۔ ایسا ونش بھارت میں دوسرا نہیں ہے۔

رام چندر نے کہا۔ تب تو اور بھی اچھا ہے۔ میرے بعد یہی میرے اترادھکاری ہوں گے۔ ان کے ماتا پتا کو اس میں کوئی آپتی تو نہ ہوگی؟

والمیکی ۔ کہہ نہیں سکتا۔ سمبھو ہے آپتی ہو۔ پتا کو تو لیش ماتر بھی نہ ہوگی۔ کنتو ماتا کے وشے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اپنی مریادا پر جان دینے والی استری ہے۔

رام۔ یدی آپ اس دیوی کو کسی پرکار سمّت کرسکیں تو مجھ پر بڑی کرپا ہوگی۔

والمیکی ۔ چیشٹا کروں گا، لیکن میں نے ایسی بجّن لجا شیل اور ستی استری نہیں دیکھی۔ یدیپی اس کے پتی نے اسے نراپرادھ اکارن تیاگ دیا ہے، کنتو سدیو اسی پتی کی پوجا کرتی ہے۔

رام چندر کی چھاتی دھڑکنے لگی۔ کہیں یہ میری سیتا نہ ہو۔ آہ دیو، یہ لڑکے میرے ہوتے! تب تو بھاگیہ ہی کھل جاتا۔

والمیکی پھر بولے۔ بیٹا! اب تو تم سمجھ گئے ہوگے کہ میں کس اور سنکیت کر رہا ہوں۔

رام چندر کا چہرا آنند سے کھل اٹھا۔ بولے ہاں، مہاراج سمجھ گیا۔

والمیکی ۔ جب سے تم نے سیتا کو تیاگ دیا ہے وہ میرے ہی آشرم میں ہے۔ میرے آشرم میں آنے کے دو تین مہینے کے بعد یہ لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ وہ تمھارے لڑکے ہیں۔ ان کا چہرا آپ کہہ رہا ہے۔ کیا اب بھی تم سیتا کو گھر نہ لے جاؤ گے؟ تم نے اس کے ساتھ بڑا انیائے کیا ہے۔ میں اس دیوی کو پندرہ سالوں سے دیکھ رہا ہوں۔ ایسی پوتر استری سنسار میں کٹھنائی سے ملے گی۔ تمھارے وِرُدھ کبھی ایک شبد بھی اس کے منہ سے نہیں سنا۔ تمھاری چرچا سدیو پریم اور آدر سے کرتی ہے۔ اس کی دشا دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ بہت رلا چکے، اب اسے اپنے گھر لے جاؤ وہ دکھی ہے۔

رام چندر بولے۔ منی جی، مجھے تو سیتا پر کسی پرکار کا سندیہہ کبھی نہیں ہوا۔ میں ان کو اب بھی پوتر سمجھتا ہوں۔ کنتو اپنی پرجا کا کیا کروں؟ ان کی زبان کیسے بند کروں؟ رام چندر

کی پتنی کو سندیہہ سے پوتر ہونا چاہیے، یدی سیتا میری پرجا کو اپنے وشے میں وشواس دلادے تو وہ اب بھی میری رانی بن سکتی ہے۔ یہ میرے لیے اتینت ہرش کی بات ہوگی۔

والمیکی نے فوراً اپنے دو چیلوں کو آدیش دیا کہ جاکر سیتا کو لے آؤ۔ رام چندر نے انھیں اپنے پشپک ومان پر بھیجا، جن سے وہ شیگھر لوٹ آئے۔ دونوں چیلے سیتا جی کو ساتھ لے کر آ پہنچے۔ سارے نگر میں یہ سماچار پھیل گیا کہ سیتا جی آ رہی ہیں۔ راج بھون کے سامنے یگ شالا کے نکٹ لاکھوں آدمی جمع تھے۔ سیتا جی کے آنے کی خبر پاکر رام چندر بھی بھائیوں کے ساتھ آ گئے۔ ایک چھن میں سیتا جی بھی آئیں۔ وہ بہت دبلی ہوگئی تھیں۔ ایک لال ساڑی کے علاوہ ان کے شریر پر اور کوئی آبھوشن نہ تھا۔ کنتو ان کے پیلے مرجھائے ہوئے چہرے سے پرکاش کی کرنیں سی نکل رہی تھیں۔ وہ سر جھکائے ہوئے مہارشی کے پیچھے پیچھے اس سموہ کے بیچ میں کھڑی ہوگئیں۔

مہارشی ایک کُش کے آسن پر بیٹھ گئے اور بڑے دِڑھ بھاؤ سے بولے۔ دیوی! تیرے پتی وہ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایودھیا کے لوگ چاروں اور کھڑے ہوئے ہیں۔ تو لجّا اور شرم کو چھوڑ کر اپنے پوتر اور نرمل ہونے کا پرمان ان لوگوں کو دے اور ان کے من سے سندیہہ کو دور کر۔

سیتا جی کا پیلا چہرہ لال ہوگیا۔ انھوں نے بھیڑ کو اڑتی ہوئی درشٹی سے دیکھا، پھر آکاش کی اور دیکھ کر بولیں۔ ایشور اس وقت مجھے نراپرادھ سدھ کرنا تمھاری ہی دیا کا کام ہے۔ تمھیں آدمیوں کے دلوں کے اس سندیہہ کو دور کرسکتے ہو۔ میں تم ہی سے ونتی کرتی ہوں! تم ہی سب کے دلوں کا حال جانتے ہو۔ تم انتریامی ہو، یدی میں نے سدیو پرکٹ اور گپت روپ میں اپنے پتی کی پوجا نہ کی ہو، یدی میں نے اپنے پتی کے ساتھ اپنے کرتویہ کو پوُرن نہ کیا ہو، یدی میں پوتر اور نشکلنک نہ ہوں تو تم اسی سمے مجھے اس سنسار سے اٹھالو۔ یہی میری نرملتا کا پرمان ہوگا۔

انتم شبد منھ سے نکلتے ہی سیتا بھومی پر گر پڑی۔ رام چندر گھبرائے ہوئے ان کے پاس گئے، پر وہاں اب کیا تھا؟ دیوی کی آتما ایشور کے پاس پہنچ چکی تھی۔ سیتاجی نرنتر شوک میں گھلتے گھلتے یوں ہی مرت پرائے ہورہی تھیں، اتنے بڑے جن سموہ کے سمکھ اپنی پوترتا کا پرمان دینا اتنا بڑا دکھ تھا، جو وہ سہن نہ کرسکتی تھیں۔ چاروں اُور کہرام مچ گیا۔

سب لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ سب کی زبان پر یہی شبد تھے۔ یہ سچ مچ لکچھمی تھی۔ پھر ایسی استری نہ پیدا ہوگی۔ کوشلیا، کیکئی، سومترا، چھاتی پیٹنے لگیں اور رام چندر تو مورچھت ہوکر گر پڑے۔ جب کہیں انھیں کٹھنتا سے چیتنا آئی تو روتے ہوئے بولے۔ میری لکچھمی میری پیاری سیتا، جا سورگ کی دیویاں تیرے چرنوں پر سر جھکانے کے لیے کھڑی ہیں۔ یہ سنسار تیرے رہنے کے یوگیہ نہ تھا۔ مجھ جیسا بُل ہین پرش تیرا پتی بننے یوگیہ نہیں تھا۔ مجھ پر دیا کر، مجھے چھما کر، میں بھی شیگھر تیرے پاس آتا ہوں۔ میری یہی ایشور سے پرارتھنا ہے کہ یدی میں نے کبھی کسی پرائی استری کا سوپن میں دھیان کیا ہو، یدی میں نے سدیو تجھے دیوی کی طرح ہردئے میں نہ پوجا ہو، یدی میرے ہردئے میں کبھی تیری اور سے سندیہہ ہوا ہو، تو پتی ورتا استریوں میں تیرا نام سب سے بڑھ کر ہو۔ آنے والی پیڑھیاں سدیو آدر سے تیرے نام کی پوجا کریں۔ بھارت کی دیویاں سدیو تیرے لیش کے گیت گائیں۔ آشومیگھ یگیہ۔ کشل سے سماپت ہوا۔ رام چندر بھارت ورش کے سب سے بڑے مہاراج مان لیے گئے۔ دو یوگیہ ویر اور بدھی مان پتر بھی ان کے تھے۔ سارے دیش میں کوئی شترو نہ تھا۔ ساری پرجا ان پر جان دیتی تھی۔ کسی بات کی نہ تھی۔ کنتو اس دن سے اس کے ہونٹوں پر ہنسی نہ آئی۔ شوکا کل تو وہ پہلے بھی رہا کرتے تھے، اب جیون انھیں بھار پرتیت ہونے لگا۔ راج کاج میں تنک بھی جی نہ لگتا۔ بس یہی جی چاہتا کہ کسی سنسان جگہ میں جاکر ایشور کو یاد کریں شوک اور کھید سے بیچین ہردئے کو ایشور کے اتر کت اور کون سانتو نا دے سکتا تھا!

لچھمن کی مرتیو

کنتو ابھی رام چندر کی وپتیوں کا انت نہ ہوا تھا۔ ان پر ایک بڑی بجلی اور گرنے والی تھی۔ ایک دن ایک سادھو ان سے ملنے آیا اور بولا۔ میں آپ سے اکیلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جب تک میں باتیں کرتا رہوں کوئی دوسرا کمرے میں نہ آنے پائے۔ رام چندر مہاتماؤں کا بڑا سمّان کرتے تھے۔ اس وچار سے کہ سادھارن دوار پال کو دوار پر بیٹھا دوں گا تو سمبھو ہے کہ وہ کسی بڑے دھنی مانی کو اندر آنے سے روک نہ سکے، انھوں نے لچھمن کو دوار پر بیٹھا دیا اور چتاونی دے دی کہ ساودھان رہنا، کوئی اندر نہ آنے پائے۔ یہ کہہ کر رام چندر اس سادھو سے کمرے میں باتیں کرنے لگے۔ سنیوگ سے اسی سمے درواسا رشی آپہنچے اور رام چندر سے ملنے کی اِچھا پرکٹ کی۔ لچھمن نے کہا۔ ابھی تو مہاراج ایک مہاتما سے باتیں کر رہے ہیں۔ آپ تنک ٹھہر جائیں تو میں ملادوں گا۔ درواسا اتینت کرودھی تھے۔ کرودھ ان کی ناک پر رہتا تھا۔ بولے...... مجھے اوکاش نہیں ہے۔ میں اسی سمے رام چندر سے ملوں گا۔ یدی مجھے اندر جانے سے روکوگے تو تمھیں ایسا شاپ دے دوں گا کہ تمھارے ونش کا ستیا ناش ہوجائے گا۔

بیچارے لچھمن بڑی دوودِھا میں پڑے۔ یدی درواسا کو اندر جانے دیتے ہیں تو رام چندر اپرسن ہوتے ہیں، نہیں جانے دیتے تو بھیانک شاپ ملتا ہے۔ آخر انھیں رام چندر کی اپرسنتا ادِھک سرل پرتیت ہوئی۔ درواسا کو اندر جانے کی انومتی دے دی۔ درواسا اندر پہنچے۔ انھیں دیکھتے ہی سادھو بہت بگڑا اور رام چندر کو سخت سست کہتا چلا گیا۔ درواسا بھی آوشیک

باتیں کر کے چلے گئے۔ کنتو رام چندر کو لچھمن کا یہ کاریہ بہت برا معلوم ہوا۔ باہر آتے ہی لچھمن سے پوچھا۔ جب میں نے تم سے آگرہ پورؤک کہہ دیا تھا تو تم نے درواسا کو کیوں اندر جانے دیا؟ کیول اس بھے سے کہ درواسا تمھیں شاپ دے دیتے۔

لچھمن نے لجت ہوکر کہا۔ مہاراج! میں کیا کرتا۔ وہ بڑا بھیانک شاپ دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔

رام۔ تو تم نے ایک سادھو کے شاپ کے سامنے راجا کی آگیا کی چنتا نہیں کی۔ سوچو، یہ اچت تھا! میں راجا پہلے ہوں۔ بھائی، پتی، یا پتر پیچھے۔ تم نے اپنے بڑے بھائی کی اچھا کے وروھ کام نہیں کیا ہے بلکہ تم نے اپنے راجا کی آگیا توڑی ہے۔ اس دنڈ سے تم کسی پرکار نہیں بچ سکتے۔ یدی تمھارے استھان پر کوئی دوار پال ہوتا تو تم سمجھتے ہو، میں اسے کیا دنڈ دیتا؟ میں اس پر جرمانہ کرتا۔ لیکن تم اتنے سمجھدار اتر دایتو کے گیان سے اتنے پورن ہو۔ اس لیے وہ اپرادھ اور بھی بڑا ہوگیا ہے اور اس کا دنڈ بھی بڑا ہونا چاہیے۔ میں تمھیں آگیا دیتا ہوں کی آج ایودھیا کا راجیہ چھوڑ کر نکل جاؤ۔ نیائے سب کے لیے ایک ہے۔ یہ پکچھ پات نہیں جانتا۔

یہ تھا رام چندر کی کرتویہ پرایتا کا اداہرن! جس نردیتا سے کرتویہ کے لیے پرانوں سے پریہ اپنی پتنی کو تیاگ دیا۔ اسی نردیتا سے اپنے پرانوں سے پیارے بھائی کو تیاگ دیا۔ لچھمن نے کوئی آپتی نہیں کی۔ آپتی کے لیے استھان ہی نہ تھا۔ اسی سمے بنا کسی سے کچھ کہے سنے راج محل کے باہر چلے گئے اور سریو کے کنارے پہنچ کر جان دے دی۔

انت

رام چندر کو لکچھمن کے مرنے کا سماچار ملا تو مانو سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سنسار میں سیتا جی کے بعد انھیں سب سے ادھک پریم لکچھمن سے ہی تھا۔ لکچھمن ان کے داہنے ہاتھ تھے۔ کمر ٹوٹ گئی۔ کچھ دن تک تو انھوں نے جیوں جیوں کر کے راجیہ کیا۔ آخر ایک دن سامراجیہ بیٹوں کو دے کر آپ تینوں بھائیوں کے ساتھ جنگل میں ایشور کی اپاسنا کرنے چلے گئے۔

یہ ہے رام چندر کے جیون کی سنکچھپت کہانی۔ ان کے جیون کا ارتھ کیول ایک شبد ہے، اور اس کا نام ہے ''کرتویہ''۔ انھوں نے سدیو کرتویہ کو پردھان سمجھا۔ جیون بھر کرتویہ کے راستے سے جو بھر بھی نہیں ہٹے۔ کرتویہ کے لیے چودہ برس تک جنگلوں میں رہے، اپنی جان سے پیاری پتنی کو کرتویہ پر بلدان کر دیا اور انت میں اپنے پریتم بھائی لکچھمن سے بھی ہاتھ دھویا۔ پریم پکچھپات اور شیل کو کبھی کرتویہ کے مارگ میں نہیں آنے دیا۔ یہ ان کے کرتویہ پرایئنا کا پرساد ہے کہ سارا بھارت دیش ان کا نام رٹتا ہے اور ان کے استتو کو پوتر سمجھتا ہے۔ اسی کرتویہ پرایئنا نے انھیں آدمیوں کے سموہ سے اٹھا کر دیوتاؤں کے سمکچھ بیٹھا دیا۔ یہاں تک کہ آج ننیانوے پرتیشت ہندو انھیں ارادھیہ اور ایشور کا اوتار سمجھتے ہیں۔

لڑکوں! تم بھی کرتویہ کو پردھان سمجھو۔ کرتویہ سے کبھی منہ نہ موڑو۔ یہ راستہ بڑا کٹھن ہے۔ کرتویہ پورا کرنے میں تمھیں بڑی بڑی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑے گا کنتو کرتویہ پورا کرنے کے بعد تمھیں جو پرسنتا پراپت ہوگی، وہ تمھارا پرسکار ہوگا۔

جنگل کی کہانیاں

فہرست

شیر اور لڑکا

بچو! شیر تو شاید تم نے نہ دیکھا ہو، لیکن اس کا نام تو سنا ہی ہوگا۔ شاید اس کی تصویر دیکھی ہو اور اس کا حال بھی پڑھا ہو۔ شیر اکثر جنگلوں اور کچھاروں میں رہتا ہے۔ کبھی کبھی وہ ان جنگلوں کے آس پاس کے گاؤں میں آجاتا ہے اور آدمی اور جانوروں کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔ کبھی کبھی ان جانوروں کو مار کر کھا جاتا ہے جو جنگلوں میں چرنے جایا کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ ایک گڈریے کا لڑکا گائے، بیلوں کو لے کر جنگل میں گیا اور انھیں جنگل میں چھوڑ کر آپ ایک جھرنے کے کنارے مچھلیوں کا شکار کھیلنے لگا۔ جب شام ہونے کو آئی تو اس نے اپنے جانوروں کو اکٹھا کیا، مگر ایک گائے کا پتہ نہ تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دوڑ دھوپ کی مگر گائے کا پتہ نہ چلا۔ بے چارا بہت گھبرایا۔ مالک اب مجھے جیتا نہ چھوڑے گا۔ اس وقت ڈھونڈنے کا موقع نہ تھا کیونکہ جانور پھر اِدھر اُدھر چلے جاتے۔ اس لیے وہ انھیں لے کر گھر لوٹا اور انھیں باڑے میں باندھ کر بنا کسی سے کچھ کہے ہوئے گائے کی تلاش میں نکل پڑا۔ اس چھوٹے لڑکے کی یہ ہمت دیکھو، اندھیرا ہو رہا ہے، چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا ہے جنگل بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ گیدڑوں کا ہوانا سنائی دے رہا ہے، پر وہ بے خوف جنگل میں بڑھا چلا جاتا ہے۔

کچھ دیر تک وہ گائے کو ڈھونڈتا رہا لیکن جب اور اندھیرا ہوگیا تو اسے ڈر معلوم ہونے لگا۔ جنگل میں اچھے اچھے آدمی ڈر جاتے ہیں، اس چھوٹے سے بچے کا کہنا ہی کیا۔ مگر جائے کہاں؟ جب کچھ نہ سوجھی تو ایک اونچے پیڑ پر چڑھ گیا اور اسی پر رات کاٹنے کی ٹھان

لی۔ اس نے پکا ارادہ کرلیا تھا کہ بغیر گائے کو لیے گھر نہ لوٹوں گا۔ دن بھر کا تھکا ماندا تو تھا ہی، اسے جلد ہی نیند آ گئی۔ نیند چارپائی اور بچھاون نہیں ڈھونڈتی۔

اچانک پیڑ اتنی زور سے ہلنے لگا کہ اس کی نیند کھل گئی۔ وہ گرتے گرت بچ گیا۔ سوچنے لگا کہ پیڑ کون ہلا رہا ہے؟ آنکھیں مل کر نیچے کی طرف دیکھا تو اس کے روئیں کھڑے ہو گئے۔ ایک شیر پیڑ کے نیچے کھڑا اس کی طرف للچائی ہوئی آنکھوں سے تاک رہا تھا۔ اس کی جان سوکھ گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے ڈال سے چمٹ گیا۔ نیند بھاگ گئی۔

کئی گھنٹے گزر گئے۔ پر شیر وہاں سے ذرا بھی نہ ہلا۔ وہ بار بار غراتا اور اچھل اچھل کر لڑکے کو پکڑنے کی کوشش کرتا۔ کبھی کبھی تو وہ اتنے نزدیک آجاتا کہ لڑکا زور سے چلا اٹھتا۔

رات جیوں جیوں کر کے کٹی۔ سویرا ہوا لڑکے کو کچھ بھروسا ہوا کہ شاید شیر اسے چھوڑ کر چلا جائے۔ مگر شیر نے ہلنے کا نام تک نہ لیا۔ سارے دن وہ اسی پیڑ کے نیچے بیٹھا رہا۔ شکار سامنے دیکھ کر وہ کہاں جاتا۔ پیڑ پر بیٹھے بیٹھے لڑکے کی دیہہ اکڑ گئی تھی۔ بھوک کے مارے برا حال تھا، مگر شیر تھا کہ وہاں سے جوبھر بھی نہ ہٹتا تھا اس جگہ سے تھوڑی دور پر ایک چھوٹا سا جھرنا تھا۔ شیر کبھی کبھی اس طرف تاکنے لگتا تھا۔ لڑکے نے سوچا کہ شیر پیاسا ہے۔ اس سے کچھ آس بندھی کہ جوں ہی وہ پانی پینے جائے گا میں بھی یہاں سے کھسک چلوں گا۔ آخر شیر ادھر چلا۔ لڑکا پیڑ پر سے اترنے کی فکر کرہی رہا تھا کہ شیر پانی پی کر لوٹ آیا شاید اس نے بھی لڑکے کے مطلب سمجھ لیا تھا۔ وہ آتے ہی اتنے زور سے چلایا اور ایسا اچھلا کہ لڑکے کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے جیسے وہ نیچے گرا جارہا ہو۔ معلوم ہوتا تھا ہاتھ پاؤں پیٹ میں گھسے جارہے ہیں۔ جیوں تیوں کرکے وہ دن بھی بیت گیا۔ جیوں جیوں رات ہوتی جاتی تھی، شیر کی بھوک بھی تیز ہوتی جاتی تھی۔ شاید اسے یہ سوچ کر غصہ آرہا تھا کہ کھانے کی چیز سامنے رکھی ہے اور میں دو دن سے بھوکا بیٹھا ہوں۔ کیا آج بھی ایکادشی رہے گی۔ وہ رات بھی اسے تاکتے ہی بیت گئی۔

تیسرا دن بھی نکل آیا۔ مارے بھوک کے اس کی آنکھوں میں تتلیاں سی اڑنے لگیں۔ ڈال پر بیٹھنا بھی اسے مشکل معلوم ہوتا تھا۔ کبھی کبھی تو اس کے جی میں آتا کہ شیر مجھے پکڑ لے اور کھا جائے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر ایشور سے ونے کی، بھگوان کیا تم مجھ غریب پر دیا نہ کرو گے۔

شیر کو بھی تھکاوٹ معلوم ہو رہی تھی۔ بیٹھے بیٹھے اس کا جی اوب گیا۔ وہ چاہتا تھا کسی طرح جلدی سے شکار مل جائے۔ لڑکے نے ادھر ادھر بہت نگاہ دوڑائی کہ کوئی نظر آجائے، مگر کوئی نظر نہ آیا۔ تب وہ چلا چلا کر رونے لگا۔ مگر وہاں اس کا رونا کون سنتا تھا۔

آخر اسے ایک تدبیر سوجی۔ وہ پیڑ کی پھنگی پر چڑھ گیا اور اپنی دھوتی کھول کر اسے ہوا میں اڑانے لگا کہ شاید کسی شکاری کی نظر پڑ جائے۔ ایکا ایک وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کی ساری بھوک، ساری کمزوری غائب ہوگئی۔ کئی آدمی جھرنے کے پاس کھڑے اس اڑتی ہوئی جھنڈی کو دیکھ رہے تھے۔ شاید انھیں اچنبھا ہو رہا تھا کہ جنگل کے اس پیڑ پر جھنڈی کہاں سے آئی۔ لڑکے نے ان آدمیوں کو گنا ایک، دو، تین، چار۔

جس پیڑ پر لڑکا بیٹھا تھا، وہاں کی زمین کچھ نیچی تھی۔ اسے خیال آیا کہ وہ لوگ مجھے دیکھ بھی لیں تو ان کو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس کے نیچے تین دن کا بھوکا شیر بیٹھا ہوا ہے۔ اگر میں انھیں ہوشیار نہ کردوں تو یہ دشٹ کسی نہ کسی کو ضرور چٹ کر جائے گا۔ یہ سوچ کر وہ پوری طاقت سے چلانے لگا۔ اس کی آواز سنتے ہی وہ لوگ رک گئے اور اپنی اپنی بندوقیں سنبھال کر اس کی طرف تاکنے لگے۔

لڑکے نے چلا کر کہا۔ ہوشیار رہو! ہوشیار رہو! اس پیڑ کے نیچے ایک شیر بیٹا ہوا ہے۔

شیر کا نام سنتے ہی وہ لگ سنبھل گئے، چٹ پٹ بندوقوں میں گولیاں بھریں اور چوکنے ہوکر آگے بڑھنے لگے۔

شیر کو کیا خبر کہ نیچے کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو اپنے شکار کی تاک میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ یکا یک پیروں کی آہٹ پاتے ہی وہ چونک اٹھا اور ان چاروں آدمیوں کو ایک ٹیلے کی آڑ میں دیکھا۔ پھر کیا کہنا تھا اسے منہ مانگی مراد ملی۔ بھوک میں صبر کہاں۔ اتنے زور سے گرجا کہ سارا جنگل ہل گیا اور ان آدمیوں کی طرف زور سے جست ماری۔ مگر وہ لوگ پہلے ہی سے تیار تھے۔ چاروں نے ایک ساتھ گولی چلائی۔ دن! دن! دن! آواز ہوئی چڑیاں پیڑوں سے اڑ اڑ کر بھاگنے لگیں۔ لڑکے نے نیچے دیکھا۔ شیر زمین پر گر پڑا تھا۔ وہ ایک بار پھر اچھلا اور پھر گر پڑا۔ پھر وہ ہلا تک نہیں۔

لڑکے کی خوشی کا کیا پوچھو۔ بھوک پیاس کا نام تک نہ تھا۔ چٹ پٹ پیڑ سے اترا تو دیکھا سامنے اس کا مالک کھڑا ہے۔ وہ روتا ہوا اس کے پیروں گر پڑا۔ مالک نے اسے اٹھا کر

چھاتی سے لگا لیا۔ اور بولا۔ کیا تو تین دن سے اسی پیڑ پر تھا۔

لڑکے نے کہا۔ ہاں، اترتا کیسے؟ شیر تو نیچے بیٹھا ہوا تھا۔

مالک۔ ہم نے تو سمجھا تھا کہ کسی شیر نے تجھے مار کر کھالیا۔ ہم چاروں آدمی تین دن سے تجھے ڈھونڈ رہے ہیں۔ تو نے ہم سے کہا تک نہیں اور نکل کھڑا ہوا۔

لڑکا۔ میں ڈرتا تھا گائے جو کھو گئی تھی۔

مالک۔ ارے پاگل گائے تو اسی دن آپ ہی چلی آئی تھی۔ بھوک پیاس سے شکتی تک نہ رہنے پر بھی لڑکا ہنس پڑا۔

بن مانُس کی دردناک کہانی

آج ہم تمھیں ایک بن مانس کا حال سناتے ہیں۔ سامنے جو تصویر ہے اس سے تمھیں معلوم ہوگا کہ بن مانس نہ تو پرا بندر ہے، نہ پورا آدمی۔ وہ آدمی اور بندر کے بیچ ایک جانور ہے۔ مگر وہ بڑا بلوان ہوتا ہے اور آدمیوں کو بڑی آسانی سے مار ڈالتا ہے۔ وہ ادھک تر افریقہ کے جنگل میں پایا جاتا ہے۔

ایک دن ایک شکاری افریقہ کے کلب میں بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا کہ اس کا ایک دوست گھبرایا ہوا کمرے میں آیا اور بولا۔ ایک حبشی بہت دور سے یہاں آیا ہے اور کہتا ہے کہ پاس کے جنگل میں ایک نَربن مانس نکلا ہے، جو صرف آدمیوں کو مار رہا ہے۔ شکاری نے اس حبشی کو بلاکر پوچھ تاچھ کی تو معلوم ہوا کہ اُبانشی جاتی کے ایک آدمی نے اس بانس کے جوڑے کو مار ڈالا ہے۔ شاید اسی لیے وہ آدمیوں کو مار رہا ہے۔ حبشی نے کہا۔ صاحب ایسے ڈیل ڈول کا بن مانس کہیں دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ بڑے بڑے جوانوں کو بات ہی بات میں مار ڈالتا ہے۔ تعجب تو یہ کہ وہ چُن چُن کر اسی جاتی کے آدمیوں کو مارتا ہے۔ اب تک قریب دس اُبانشیوں کو مار چکا ہے۔ شکاری شیر کا شکار کرنے آیا تھا پر اس نے دل میں سوچا یہ بن مانس تو شیر سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ پہلے اسی کو کیوں نہ ماروں۔

دوسرے دن اس نے تڑکے ہی شکار کا سامان ٹھیک ٹھاک کیا اور اسی حبشی کو لے کر جنگل کی طرف چل کھڑا ہوا۔ کئی سپاہی بھی موجود تھے۔ وہ بھی اپنی چھولداریوں اور بندوقیں لے کر چلنے کو تیار ہو گئے۔ حبشی راہ دکھاتا ہوا آگے آگے چلنے لگا۔

دن بھر لگاتا چلنے کے بعد وہ لوگ اُبانشیوں کے گاؤں میں پہنچے۔ راستے میں بہت سے جانور ملے پر بن مانس کا کہیں نشان تک نہ ملا۔ افریقہ کے سب گاؤں قریب قریب ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ گاؤں کے بیچ میں اُبانشیوں کے سردار کا جھونپڑا تھا۔ چاروں اور بانسوں سے گھرا ہوا تھا۔ ایک بڑے ڈیل ڈول کا آدمی کندھے پر بندوق رکھے جھونپڑے کے سامنے ٹہل رہا تھا۔

شکاریوں کی خبر پاکر ابانشی سردار ان سے ملنے آیا اور فوجی سلام کرکے بولا آپ لوگ خوب آئے، اب مجھے امید ہے کہ بن مانس ضرور مارا جائے گا۔ ہم لوگوں کا تو گھر سے نکلنا مشکل ہوگیا ہے۔ شکاری نے غرور کے ساتھ کہا۔ ہاں دیکھو کیا ہوتا ہے آئے تو اسی ارادے سے ہیں۔

شکاریوں نے سردار کے جھونپڑے کے پاس ہی اپنی چھولداریاں لگادیں اور پیٹ دیوتا کی پوجا کرنے کی فکر کرنے لگے کہ اچانک کسی کے کراہنے کی آواز آئی جیسے اس کا کوئی مرگیا ہو۔ شکاری نے پوچھا یہ کون رو رہا ہے؟

حبشی نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا حضور یہ وہی بن مانس ہے۔ دن بھر اپنے مردہ جوڑے کے پاس بیٹھا روتا ہے اور رات ہوتے ہی ادھر ادھر گھومنے لگتا ہے۔ نہ معلوم کس وقت چپکے سے گاؤں میں گھس آتا ہے اور کسی نہ کسی ابانشی کو مار ڈالتا ہے۔ اور کسی جاتی کے آدمی سے نہیں بولتا۔

لوگ دن بھر کے تھکے ماندے بھوکے پیاسے تھے۔ بن مانس کا شکار کرنے کی کسے سوجھتی تھی جب لوگ کھا پی کر فارغ ہوئے تو صلاح ہونے لگی کہ بن مانس کا شکار کیسے کیا جائے۔ابانشی سردار نے کہا رات کو آپ لوگ نہیں اسے پاسکتے۔ دن کو ہی اس کا شکار ہوسکتا ہے۔

شکاریوں کو بھی اس کی صلاح پسند آئی۔ سب اپنی اپنی چھولداریوں میں گھس گئے اور باہر پہرے کا وہ بندوبست کردیا کہ دو دو گھنٹے کے بعد پہرا بدل دیا جائے۔ شکاری تھکا تھا جلدی ہی سوگیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر سویا تھا کہ اس کی نیند ٹوٹ گئی اور سامنے ایک پرچھائیں سی کھڑی دکھائی دی۔ اس کی آنکھیں آگ کی طرح جل رہی تھیں۔ افسر نے فوراً آواز دی سنتری!

پر کوئی جواب نہ ملا نہ معلوم یہ آواز سنتری کے کانوں تک پہنچی بھی یا نہیں۔

افسر نے تُرنت بجلی کی بتی جلائی، اس کا کلیجا سُن ہوگیا۔ سامنے چھ فٹ کا بن مانس کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں سنتری کی بندوق تھی۔ جس کی نلی بالکل ٹیڑھی میڑھی ہوگئی تھی۔ وہ شکاری کی اُور آنکھیں جمائے ہوئے تھا۔ جیسے سوچ رہا ہو کہ اسے ماروں یا چھوڑ دوں۔ اس کا ڈراونا چہرا دیکھ کر شکاری کی گھگھی بندھ گئی منہ سے آواز تک نہ نکلی۔

اچانک باہر کسی چیز کے گرنے کا دھما کہ ہوا۔ شاید کوئی سنتری اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا تھا۔ بن مانس نے جھٹ بندوق پھینک دی اور اچھل کر چھولداری سے باہر نکل گیا۔ اب افسر صاحب کے ہوش ٹھکانے ہوئے۔ بچھاون اٹھا، بندوق سنبھالی و باہر نکلے اور بجلی کی لالٹین لے کر بن مانس کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن وہ وہاں کہاں تھا۔ مگر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ اس سنتری کا بھی کہیں پتا نہ تھا جو پہرا دے رہا تھا۔

شکاری نے اب کی سنتریوں کو تاکید کردی کہ خوب ہوشیار رہیں مگر سونے کی ہمت نہ پڑی۔ بجلی کی روشنی میں بیٹھے بیٹھے گپ شپ کرکے رات کاٹی۔ دوسرے دن تڑکے سب لوگ شکار کرنے چلے۔ گاؤں کے آدمی انھیں بِدا کرنے کے لیے گاؤں کے باہر تک آئے۔ اچھی خاصی بھیڑ جمع ہوگئی۔ شکاری لوگ جھاڑیوں کی آڑ میں چلنے لگے، جس میں بن مانس ان کی آہٹ پاکر کہیں بھاگ نہ جائے۔ حبشی کو وہ جگہ معلوم نہ تھی، جہاں مادہ بن مانس مری پڑی تھی۔ اسی کے پیچھے پیچھے لوگ چلے جارہے تھے۔ جاتے جاتے راستے میں ایک جگہ بڑی بدبو آنے لگی۔ حبشی سہم کر ٹھٹھک گیا اور کان لگاکر سننے لگا۔ وہیں رونے کی آواز سنائی دی۔ شکاری نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ تم لوگ بندوقیں تیار رکھو میں آگے آگے چلتا ہوں۔ مگر ابھی دو سو قدم بھی نہ گیا تھا کہ اسے وہ بن مانس نظر آیا۔ مگر وہ اکیلا نہ تھا اس کے جوڑے کی لاش بھی وہیں پڑی ہوئی تھی۔ بن مانس اس لاش پر جھکا ہوا اپنے دونوں ہاتھوں سے چھاتی پیٹ پیٹ کر رو رہا تھا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہورہا تھا، مانو وہ اپنے جوڑے سے کہہ رہا تھا کہ ایک بار پھر اٹھو، چلو یہ دیش چھوڑ کر اس دیش میں جاکر بسیں، جہاں کے آدمی اتنے نِردئی، اتنے کٹھور نہیں ہیں۔ جب وہ دیکھتا تھا کہ اس کے اتنا سمجھانے پر بھی مادہ نہ تو بولتی ہے اور نہ ہلتی ہے تو وہ چھاتی پیٹ کر رونے لگتا تھا۔

یہ حال دیکھ کر شکاری کا دل درد سے پگھل گیا۔ بندوق اس کے ہاتھ سے گر پڑی،

شکار کا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔ ساتھیوں کو لے کر وہ ڈیرے پر لوٹ آیا۔ سب لوگ وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ دیکھو جانوروں میں بھی کتنی محبت ہوتی ہے۔ لاش سڑ گئی ہے، مگر نر ابھی تک اسے نہیں چھوڑ رہا ہے۔ اباشیوں نے یہ بہت برا کام کیا کہ اس کے جوڑے کو مار ڈالا۔

ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ دیکھا کئی آدمی ایک لاش لیے چلے آرہے ہیں۔ شکاری لاش کو فورا پہچان گیا۔ یہ اس سنتری کی لاش تھی۔ معلوم ہوگیا کہ اسی بان مانس نے رات کو اسے مار ڈالا ہے۔ شکاری کرودھ سے اندھا ہوگیا، بولا اب اس دُشٹ کو کسی طرح نہ چھوڑوں گا۔ایسے خونی جانوروں پر دیا کرنا پاپ ہے آج اس کا کام تمام کرکے ہی دم لوں گا۔

یہ کہہ کر اسی جگہ جا پہنچا۔ جہاں مادہ مردہ پڑی تھی مگر اب کی بن مانس وہاں نہ دکھائی دیا۔ تب وہ لوگ اس کے پیر کا نشان دیکھتے ہوئے اس کی کھوج میں چلے۔ آخر ایک پہاڑی کے نیچے سے جہاں ایک پہاڑی ندی بہتی تھی، بن مانس آتا دکھائی دیا۔ اس کی دیہہ سے بوند بوند پانی ٹپک رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا ابھی نہا کر نکلا ہے۔ شکاریوں کو دیکھتے ہی پہلے تو وہ گرج اٹھا، پھر کسی شوک میں ڈوبے ہوئے آدمی کی طرح چھاتی پیٹ پیٹ کر رونے لگا۔ وہ لوگ چپ چاپ کھڑے رہے۔ جب وہ بالکل پاس آگیا تو افسر نے اس کے کندھے پر نشانہ لگا کر گولی چلائی وہ زور سے چیخا اور گر پڑا۔ اس کا ایک کندھا زخمی ہوگیا تھا۔ پر وہ تُرنت ہی دوسرے ہاتھ کے سہارے افسر کی طرف دوڑا۔ افسر نے اب کی اس کی چھاتی پر گولی چلائی شکاریوں نے سمجھا، اسے مار لیا، مگر وہ جھٹ ایک چٹان پر پھاند کر بھاگا اور جنگل میں گھس گیا۔

شام ہونے کو تھی۔ اب اسے ڈھونڈنا بیکار سمجھ کر شکاری ڈیرے کی طرف لوٹے۔ گو کہ یہ معلوم تھا کہ وہ گھایل ہوگیا ہے، پھر بھی لوگوں نے پہرے کا بندوبست کیا اور کھاپی کر سوئے۔ رات بھر سب لوگ آرام سے سوتے رہے۔ افسر صاحب کی نیند کھلی ہی تھی کہ ایک حبشی دوڑا ہوا آیا اور بولا صاحب وہ تو پھر رو رہا ہے افسر نے دھیان سے سنا، ہاں یہ تو وہی رونے کی آواز ہے۔

لوگوں نے جھٹ پٹ کپڑے پہنے اور بندوقیں لے کر روانہ ہوگئے۔ اس جگہ پہنچ کر یہ لوگ جھاڑیوں کے آڑ سے دونوں بن مانسوں کی انتم پریم لیلا کا تماشا دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ وہ اپنے جوڑے کی لاش کو اپنے خون سے رنگی ہوئی چھاتی سے دبا کر رو رہا ہے۔ اس کی

آنکھوں میں نشہ سا چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا، جیسے کوئی شراب کے نشے میں چور ہو۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر شکاریوں کی آنکھیں آنسو سے تر ہوگئیں۔ یہ تو معلوم ہی تھا کہ وہ اب چوٹ نہیں کرسکتا۔ شکاری اس کے بالکل پاس چلاگیا کہ اگر ہوسکے تو اسے جیتا پکڑ کر مرہم پٹی کی جائے۔ اسے دیکھتے ہی بن مانس نے بڑی دردناک آنکھوں سے اس کی اور دیکھا۔ مانو کہہ رہا تھا۔ کیوں دیری کرتے ہو ایک گولی اور چلادو کہ جلدی اس دکھ بھرے سنسار سے بدا ہو جاؤں؟

شکاری نے ایسا ہی کیا۔ ایک گولی سے اس کا کام تمام کردیا ادھر بندوق کی آواز ہوئی ادھر بن مانس چت ہوگیا۔ مگر آواز کے ساتھ ہی شکاری کا دل بھی کانپ اٹھا۔ اسے ایسا معلوم ہوا، میں نے خون کیا ہے میں خونی ہوں۔

دکھنی افریقہ میں شیر کا شکار

ایک مشہور شکاری نے ایک شیر کا شکار کا حال لکھا ہے، آج ہم اس کی کتھا اسی کی زبان سے سناتے ہیں۔ کئی سال ہوئے ایک دن میں نیروبی کی ایک چوڑی گلی سے جا رہا تھا کہ ایک شیرنی پر نظر پڑی جو اپنے دو بچوں سمیت جھاڑیوں کی طرف چلی جا رہی تھی۔ شاید شکار کی تلاش میں بستی میں گھس آئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں لپک کر اپنے گھر آیا اور ایک رائفل لے کر پھر اسی طرف چلا۔ سنیوگ سے چاندنی رات تھی۔ میں نے آسانی سے شیرنی کو مار ڈالا اور اس کے دونوں بچوں کو پکڑ لیا۔ ان بچوں کی عمر زیادہ نہ تھی۔ صرف تین ہفتے کے معلوم ہوتے تھے۔ ایک نر تھا، دوسرا مادہ، میں نے نر کا نام جیک اور مادہ کا نام جل رکھا۔ جیک تو جلدی بیمار ہو کر مر گیا۔ جل بچ رہی۔ جل اپنا نام سمجھتی تھی اور میری آواز پہچانتی تھی۔ میں جہاں جاتا، وہاں کتے کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلتی۔ میرے کمرے میں فرش پر لیٹی رہتی تھی۔ اکثر میرے پیروں پر سو جاتی اور جاگنے کے بعد اپنے پنجے میرے گھٹنوں پر رکھ کر بلی کی طرح میرا سر اپنے چہرے پر ملتی۔

ایک دن چاندنی رات میں جل کو ساتھ لے کر سیر کے لیے نکلا۔ ہم دونوں خوشی کے ساتھ سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ میں یہ بالکل بھول گیا تھا کہ اس دن ہوٹل میں ناچ ہونے والا ہے۔ سنیوگ دیکھیے کہ میں اور جل اس وقت ہوٹل کے پاس پہنچے۔ جب کوئی مہمان سواری کی تلاش میں باہر کھڑا تھا۔ اس نے جب دیکھا، ایک شیرنی سڑک کے بیچوں بیچ اس کی طرف چلی آ رہی ہے تو وہ اتنا گھبرایا کہ بیان سے باہر ہے اور سامنے کی طرف بے

تحاشہ بھاگا۔ اسے بھاگتے دیکھ کر اور بھی دو تین آدمی بھاگ چلے۔ جل نے سمجھا یہ بھی کوئی کھیل ہے، وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑی۔ ہنستے ہنستے میرے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ آخر میں بھی جل کے پیچھے دوڑا اور بڑی مشکل سے جل کو پکڑ پایا۔ یدھپی اس نے کسی کو گھایل نہیں کیا، مگر آنند کے زندگی بتانے والوں کی بہادری کی قلعی کھل گئی۔ پھر میں جل کو لے کر چاندنی رات میں کبھی باہر نہ نکلا۔

ایک دن میں ایک جگہ دعوت کھانے گیا۔ وہاں سے اپنے بنگلے کی طرف چلا تو اندھیری رات ہوگئی تھی۔ آدھا راستہ طے کرچکا تھا کہ یکایک بندوق چلنے کی آواز سنائی دی ایسا معلوم ہوا کہ کوئی آدمی گھبراہٹ میں شوشو کررہا ہے۔ ذرا اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک سکھ سنتری لالٹین کے کھمبے پر چڑھا بدحواسی کی حالت میں شوشو کررہا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا صاحب، ذرا بچے رہیے گا۔ ایک شیر بالکل پاس کھڑا ہے اور گھوڑے کو کھارہا ہے۔ میں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو پچاس قدم کے فاصلے پر شیر دکھائی دیا۔ وہ سچ مچ ایک گھوڑے کو چٹ کررہا تھا۔ سنتری کی شوروغل کی اسے بالکل پرواہ نہ تھی۔

میں نے سکھ سنتری کو آواز دی کہ وہ جہاں ہے وہیں ٹھہرا رہے اور میں اس کے لیے ایک دوست کے پاس بندوق لینے گیا۔ جب رائفل لے کر لوٹا تو دیکھا کہ شیر بیٹھا اوٹھ چاٹ رہا ہے۔ اور سنتری جیوں کا تیوں کھمبے سے چمٹا کھڑا ہے۔ میں نے فوراً شیر پر بندق چلائی وہ زخمی تو ہوگیا مگر مرا نہیں۔ وہ بڑے زور سے گرجا اور ایک طرف کو چل دیا۔ لیکن میں اسے کب چھوڑنے والا تھا۔ میں خون کا نشان دیکھتا ہوا اس کے پیچھے چلا۔ آخر میں نے اسے کھاڑی کے کنارے کھڑے دیکھا۔ اب کے میری گولی کام کرگئی۔ شیر گر پڑا۔ میں خوش خوش شیر کے پاس گیا اور اسے دیکھتے ہی پہچان گیا، وہ میری شیرنی جل تھی۔

غبارے پر چیتا

''میں تو جاؤں گا، ضرور جاؤں گا، چاہے کوئی چھٹی دے یا نہ دے۔''

ایک اسکول کے سامنے ایک بڑا میدان ہے۔ کئی لڑکے کھڑے ہیں اور بلدیو اپنی جیب میں ہاتھ ڈالے ہوئے سب لڑکوں کو سرکس دیکھنے کے لیے چلنے کی صلاح دے رہا ہے۔

بات یہ تھی کہ اسکول کے پاس ہی ایک میدان میں سرکس پارٹی آئی ہوئی تھی۔ سارے شہر کی دیواروں پر اس کے وگیاپن چپکا دیے گئے تھے۔ وگیاپن میں طرح طرح کی جنگلی جانور عجیب عجیب کام کرتے دکھائے گئے تھے۔ لڑکے تماشا دیکھنے کے لیے للچا رہے تھے۔ پہلا تماشا رات کو شروع ہونے والا تھا مگر ہیڈ ماسٹر صاحب نے لڑکوں کو وہاں جانے کی مناہی کر دی تھی۔ اشتہار بڑا آکرشک تھا۔

آگیا ہے! آگیا ہے!!

جس تماشے کا آپ لوگ بھوک پیاس چھوڑ کر انتظار کر رہے تھے، وہی، بمبئی سرکس آگیا ہے۔

آیئے اور تماشے کا آنند اٹھایئے۔ بڑے بڑے کھیلوں کے سوا ایک کھیل اور بھی دکھایا جائے گا، جو نہ کسی نے دیکھا ہوگا اور نہ سنا ہوگا۔

لڑکوں کا من تو سرکس میں لگا ہوا تھا۔ سامنے کتابیں کھولے جانوروں کی چرچا کر رہے تھے۔ کیونکہ شیر اور بکری ایک برتن میں پانی پئیں گے؟ اور اتنا بڑا ہاتھی پیر گاڑی پر کیسے بیٹھے گا۔ پیر گاڑی کے پہیے بہت بڑے بڑے ہوں گے؟ اور توتا بندوق چھوڑے گا؟ اور بن مانس بابو بن کر میز پر بیٹھے گا۔

بلدیو سب سے پیچھے بیٹھا ہوا اپنی حساب کی کاپی پر شیر کی تصویر کھینچ رہا تھا اور سوچ

رہا تھا کہ کل سنیچر نہیں، اتوار ہوتا تو کیسا مزہ آتا۔

بلدیو نے بڑی مشکل سے کچھ پیسے جمع کیے تھے۔ منا رہا تھا کہ کب چھٹی ہو اور کب بھاگوں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کا حکم سن کر وہ جامے سے باہر ہوگیا۔ چھٹی ہوتے ہی وہ باہر میدان میں نکل آیا اور لڑکوں سے بولا۔ میں تو جاؤں گا، ضرور جاؤں گا۔ چاہے کوئی چھٹی دے یا نہ دے۔ مگر اور لڑکے اتنے ساہسی نہ تھے۔ کوئی اس کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوا۔ بلدیو اب اکیلا پڑ گیا۔ مگر وہ بڑا ضدی تھا، دل میں جو بات بیٹھ جاتی ہے، اسے پورا کر کے ہی چھوڑتا تھا۔ سنیچر کو اور لڑکے تو ماسٹر کے ساتھ گیند کھیلنے چلے گئے، بلدیو چپکے سے کھسک کر سرکس کی اور چلا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے جانوروں کو دیکھنے کے لیے ایک آنے کا ٹکٹ خریدا اور جانوروں کو دیکھنے لگا۔ ان جانوروں کو دیکھ کر بلدیو من میں بہت جھنجھلایا۔ یہ شیر ہے! معلوم ہوتا ہے مہینوں سے اسے ملیریا بخار آرہا ہو۔ یہ بھلا کیا بیس ہاتھ اونچا اچھلے گا۔ اور یہ سندر وَن کا باگھ ہے۔ جیسے کسی نے اس کا خون چوس لیا ہو۔ مردے کی طرح پڑا ہے واہ رے بھالو! یہ بھالو ہے یا سور اور وہ بھی کانا جیسے موت کے چنگل سے نکل بھاگا ہو! البتہ یہ چیتا کچھ جاندار ہے اور ایک تین ٹانگ کا کتا بھی۔

یہ کہہ کر بڑے زور سے ہنسا۔ اس کی ایک ٹانگ کس نے کاٹ لی۔ دُم کٹے کتے تو دیکھے تھے، پیر کٹا کتا آج ہی دیکھا۔ اور یہ دوڑے گا کیسے؟

اسے افسوس ہوا کہ گیند چھوڑ کر یہاں ناحق آیا۔ ایک آنے پیسے بھی گئے ایسے جانوروں کو تو میں سینت مینت بھی نہ دیکھتا۔

اتنے میں ایک بڑا بھاری غبارہ دکھائی دیا۔ اس کے پاس ایک آدمی کھڑا چلا رہا تھا۔

''آؤ، چلے آؤ۔ چار آنے میں آسمان کی سیر کرو۔''

ابھی وہ اسی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک شور سن کر وہ چونک پڑا۔ پیچھے پھر کر دیکھا تو مارے ڈر کے اس کا دل کانپ اٹھا۔ وہی چیتا نہ جانے کس طرح پنجرے سے نکل اسی کی طرف دوڑا چلا آرہا تھا۔ بلدیو جان لے کر بھاگا۔

اتنے میں ایک اور تماشا ہوا۔ ادھر سے چیتا غبارے کی طرف دوڑا جو آدمی غبارے کی رسی پکڑ ہوئے تھا، وہ چیتے کو اپنی طرف آتا دیکھ کر بے تحاشا بھاگا۔ بلدیو کو اور کچھ نہ سوجھا تو وہ جھٹ سے غبارے پر چڑھ گیا۔ چیتا بھی شاید اسے پکڑنے ہی کے لیے کود کر

غبارے پر جا پہنچا۔ غبارے کی رسی چھوڑ کر تو وہ آدمی پہلے ہی بھاگ گیا تھا۔ وہ غبارہ اُڑنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ رسی چھوٹتے ہی وہ اوپر اٹھا۔ بلدیو اور چیتا دونوں اوپر اٹھ گئے۔ بات کی بات میں غبارہ تاڑ کے برابر جا پہنچا۔ بلدیو نے ایک بار نیچے دیکھا تو لوگ چلاّ چلاّ کر اسے بچانے کے اپائے بتانے لگے۔ مگر بدلیو کے تو ہوش اڑے ہوئے تھے۔ اس کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئی۔ جیوں جیوں غبارہ اوپر اٹھتا جاتا تھا، چیتے کی جان نکلی جاتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کون مجھے آسمان کی اور لیے جاتا ہے۔ وہ چاہتا تو بڑی آسانی سے بلدیو کو چٹ کرجاتا، مگر اسے اپنی ہی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ سارا چیتاپن بھول گیا تھا۔ آخر وہ اتنا ڈرا کہ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور وہ پھسل کر الٹا نیچے گرا۔ زمین پر گرتے ہی اس کی ہڈی پسلی چور چور ہوگئی۔

اب تک تو بلدیو کو چیتے کا ڈر تھا۔ اب یہ فکر ہوئی کہ غبارہ مجھے کہاں لیے جاتا ہے۔ وہ ایک بار گھنٹا گھر کے مینار پر چڑھا تھا۔ اوپر سے اسے نیچے کے آدمی کھلونوں اور گھر گھروندوں سے لگتے تھے۔ مگر اس وقت وہ اس سے کئی گنا اونچا تھا۔

یکایک اسے ایک بات یاد آگئی۔ اس نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ غبارے کا منہ کھول دینے سے گیس نکل جاتی ہے اور غبارہ نیچے اتر آتا ہے، مگر اسے یہ نہ معلوم تھا کہ منہ بہت دھیرے دھیرے کھولنا چاہیے۔ اس نے ایک دم اس کا منہ کھول دیا اور غبارہ بڑے زور سے گرنے لگا۔ جب وہ زمین سے تھوڑی اونچائی پر آگیا تو اس نے نیچے کی طرف دیکھا۔ دریا بہہ رہا تھا۔ پھر تو وہ رسی چھوڑ کر دریا میں کود پڑا اور تیر کر نکل آیا۔

پاگل ہاتھی

موتی راجا صاحب کی خاص سواری کا ہاتھی تھا۔ یوں تو وہ بہت سیدھا اور سمجھ دار تھا، پر کبھی کبھی اس کا مزاج گرم ہوجاتا تھا اور وہ آپے میں نہ رہتا تھا۔ اس حالت میں اسے کسی بات کی سدھ نہ رہتی تھی۔ مہاوت کا دباؤ بھی نہ مانتا تھا۔ ایک بار اسی پاگل پن میں اس نے اپنے مہاوت کو مار ڈالا۔ راجا صاحب نے یہ خبر سنی تو انھیں بہت کرودھ آیا۔ موتی کی پدوی چھن گئی۔ راجا صاحب کی سواری سے نکال دیا گیا۔ قلیوں کی طرح اسے لکڑیاں ڈھونی پڑتیں۔ پتھر لادنے پڑتے اور شام کو وہ پیپل کے نیچے موٹی زنجیروں سے باندھ دیا جاتا۔ راتب بند ہوگیا۔ اس کے سامنے سوکھی ٹہنیاں ڈال دی جاتی تھیں اور انھیں کو چبا کر وہ بھوک کی آگ بجھاتا۔ جب وہ اپنی اس دشا کو اپنی پہلی دشا سے ملاتا تو وہ بہت چنچل ہوجاتا۔ وہ سوچتا، کہاں میں راجا کا سب سے پیارا ہاتھی تھا ور کہاں آج معمولی مزدور ہوں۔ یہ سوچ کر زور زور سے چنگھاڑتا اور اچھلتا۔ آخر ایک اسے اتنا جوش آیا کہ اس نے لوہوں کی زنجیر توڑ ڈالی اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔

تھوڑی ہی دور پر ایک ندی تھی۔ موتی پہلے اس ندی میں جاکر خوب نہایا۔ تب وہاں سے جنگل کی اور چلا۔ ادھر راجا صاحب کے آدمی اسے پکڑنے کے لیے دوڑے، مگر مارے ڈر کے کوئی اس کے پاس جا نہ سکا۔ جنگل کا جانور جنگل ہی میں چلا گیا۔ جنگل میں پہنچ کر وہ اپنے ساتھیوں کو ڈھنڈنے لگا۔ جب وہ کچھ دور اور آگے بڑھا تو اسے ہاتھیوں کا جھنڈ دکھائی دیا۔ وہ خوش ہوکر ان سے ملنے دوڑا۔ مگر جنگل کے ہاتھیوں نے جب اس کے گلے میں رسی اور پاؤں میں ٹوٹی ہوئی زنجیر دیکھی تو منہ پھیر لیا۔ اس کی بات تک نہ پوچھی۔ ان کا شاید یہ مطلب تھا کہ تم غلام تو تھے ہی، اب نمک حرام غلام ہو، تمھاری جگہ اس جنگل میں نہیں ہے۔

جب تک وے آنکھوں سے اوجھل نہ ہوگئے، موتی وہیں کھڑا تاکتا رہا۔ پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہاں سے بھاگتا ہوا محل کی اور چلا۔

وہ راستے ہی میں تھا کی اس نے دیکھا راجا صاحب شکاریوں کے ساتھ گھوڑے پر چلے آرہے ہیں۔ وہ فوراً ایک بڑے چٹا کی آڑ میں چھپ گیا۔ دھوپ تیز تھی۔ راجا صاحب ذرا دم لینے کو گھوڑے سے اترے۔ اچانک موتی آڑ سے نکل پڑا ور گرجتا ہوا راجا صاحب کی اُور دوڑا۔ راجا صاحب گھبراکر بھاگے اور ایک چھوٹی جھونپری میں گھس گئے۔ ذرا دیر بعد موتی بھی آپہنچا۔ اس نے راجا صاحب کو اندر گھستے دیکھ لیا تھا۔ پہلے تو اس نے اپنی سونڈ سے اوپر کا چھپر گرادیا، پھر اسے پیروں سے روند کر چور چور کر ڈالا۔

بھیتر راجا صاحب کا مارے ڈر کے برا حال تھا۔ جان بچنے کی کوئی آشا نہ تھی۔ آخر جب کچھ نہ سوجھی تو وہ جان پر کھیل کر پیچھے کی دیوار پر چڑھ گئے اور دوسری طرف کود کر بھاگ نکلے۔ موتی دیوار پر کھڑا چھپر روندھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ دیوار کو کیسے گراؤں۔ آخر اس نے دھکا دے دیوار گرادی۔ مٹی کی دیوار پاگل ہاتھی کا دکھا کیا سہتی۔ مگر جب راجا صاحب بھیتر نہ ملے تو اس نے باقی دیواریں بھی گرادیں اور جنگل کی طرف چلا گیا۔

گھر لوٹ کر راجا صاحب نے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو آدمی موتی کو جیتا پکڑ کر لائے گا، اسے ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ کئی آدمی انعام کے لالچ سے اسے پکڑنے کے لیے جنگل میں گھس گئے۔ مگر ان میں سے ایک بھی نہ لوٹا۔

موتی کے مہاوت کا ایک لڑکا تھا۔ اس کا نام تھا مرلی۔ ابھی وہ کل آٹھ نو برس کا تھا۔ اسی لیے راجا صاحب دیا کرکے اسے اور اس کی ماں کو کھانے پہننے کے لیے کچھ خرچ دیا کرتے تھے۔ مرلی تھا تو بالک، پر ہمت کا دھنی تھا۔ کمر باندھ کر موتی کو پکڑ لانے کے لیے تیار ہوگیا۔ ماں نے بہتیرا سمجھایا اور لوگوں نے بھی منع کیا، مگر اس نے کسی کی ایک نہ سنی اور جنگل کی اور چل دیا۔

جنگل میں پہنچ کر وہ ایک اونچے پیڑ پر چڑھ گیا اور بڑے غور سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آخر اس نے دیکھا کہ موتی سر جھکائے اسی پیڑ کی اور چلا آرہا ہے۔ اس کی چال سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا مزاج ٹھنڈا ہوگیا ہے۔

جیوں ہی موتی اس پیڑ کے نیچے آیا، اس نے پیر کے اوپر سے پچکارا، موتی '!

موتی اس آواز کو پہچانتا تھا۔ وہیں رک گیا اور سر اٹھا کر اوپر کی اور دیکھنے لگا۔ مرلی کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔ یہ وہی مرلی تھا، جسے وہ اپنی سونڈ سے اٹھا کر اپنے مستک پر بٹھالیتا تھا۔ میں نے ہی اس کے باپ کو مار ڈالا ہے۔ یہ سوچ کر اسے بالک پر دیا آگئی۔ خوش ہوکر سونڈ ہلانے لگا۔

مرلی اس کے من کا بھاؤ پہچان گیا۔ وہ پیڑ سے نیچے اترا اور اس کی سونڈ کو تھپکیاں دینے لگا۔ پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ موتی بیٹھا نہیں، مرلی کو اپنی سونڈ سے اٹھا کر پہلے ہی کی طرح اپنے مستک پر بٹھالیا اور راج محل کی اور چلا۔

مرلی جب موتی کو لیے ہوئے راج محل کے دوار پر پہنچا تو سب نے دانتوں انگلی دبائی۔ پھر بھی کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ موتی کے پاس جائے۔ مرلی نے چلا کر کہا...... ڈرو مت۔ موتی بالکل سیدھا ہوگیا ہے۔ اب وہ کسی سے نہ بولے گا۔ راجا صاحب بھی ڈرتے ڈرتے موتی کے سامنے آئے۔ انھیں کتنا اچنبھا ہوا کہ وہی پاگل موتی اب گائے کی طرح سیدھا ہوگیا ہے۔

انھوں نے مرلی کو ایک ہزار روپے انعام تو دیا ہی، اسے اپنا خاص مہاوت بنالیا۔ اور موتی پھر راجا صاحب کا سب سے پیارا ہاتھی بن گیا۔

سانپ کا مڑی

میں جب جہاز پر نوکر تھا تو ایک بار کولمبو بھی گیا تھا۔ بہت دنوں سے وہاں جانے کو من چاہتا تھا۔ خاص کر راون کی لنکا پوری دیکھنے کے لیے۔ کلکتے سے سات دن میں جہاز کولمبو پہنچا۔ میرا ایک دوست وہاں کسی کارخانے مین نوکر تھا۔ میں نے پہلے ہی اسے خط ڈال دیا تھا۔ وہ گھاٹ پر آپہنچا تھا۔ ہم دونوں گلے ملے اور کولمبو کی سیر کرنے چلے۔ جہاز وہاں چار دن رکنے والا تھا۔ میں نے کپتان صاحب سے چار دن کی چھٹی لے لی۔

جب ہم دونوں کھاپی چکے، تو گپ شپ ہونے لگی۔ وہاں کے سیپ اور موتی کی بات چھڑ گئی۔ میرے دوست نے کہا۔ یہ سب چیزیں تو یہاں سمندر میں نکلتی ہی ہیں۔ اور آسانی سے مل جائیں گی۔ مگر میں تمھیں ایک ایسی چیز دوں گا جو شاید تم نے کبھی نہ دیکھی ہو، ہاں اس کا حال کتابوں میں پڑھا ہوگا۔

میں نے تعجب سے پوچھا۔ وہ کون سی چیز ہے؟

'سانپ کا منی'!

میں چونک اٹھا اور بولا۔ سانپ کا منی! اس کا ذکر تو میں نے قصے کہانیوں میں سنا ہے اور یہ بھی سنا ہے کہ اس کا مول سات بادشاہوں کے برابر ہوتا ہے۔ کیا سانپ کا اصلی منی؟

وہ بولے۔ ہاں بھائی' اصلی منی۔ تمھیں مل جائے تب تو مانو گے۔ مجھے وشواس نہ ہوا۔ وہ پھر بولے۔ ہاں پچاسوں قسم کے سانپ ہیں، مگر منی ایک ہی طرح کے سانپوں کے پاس ہوتا ہے۔ اسے کالیا کہتے ہیں۔ یہ بات سچ ہے کہ یہ چیز مشکل سے ملتی ہے۔ پچاسوں میں شاید ایک کے پاس نکلے۔ مگر ملتی ضرور ہے۔

میں نے سنا تھا کہ سانپ منی کو اپنے سر پر رکھتا ہے، مگر یہ بات غلط نکلی۔ میرے دوست نے کہا۔ یہ چیز اس کے منہ میں ہوتی ہے۔

میں نے پوچھا تو منہ کے اندر سے چمک کیسے نظر آتی ہے؟

دوست نے ہنس کر کہا۔ جب اسے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ کسی صاف پتھر پر اسے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس وقت ذرا بھی کھٹکا ہو تو وہ جھٹ اسے منہ میں دبا کر بھاگتا ہے، اس کی یہ عادت ہے کہ جہاں ایک بار منی کو نکالتا ہے، وہیں بار بار آتا ہے۔ میں آج ہی اپنے آدمیوں سے کہہ دیتا ہوں اور وہ لوگ کہیں نہ کہیں سے ضرور خبر لائیں گے۔

دو دن گزر گئے۔ تیسرے دن شام کو میرے دوست نے مجھ سے کہا۔ تو بھائی منی کا پتا چل گیا۔

میں جھٹ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دوست کے ساتھ باہر آیا تو وہ آدمی کھڑا تھا۔ جو منی کی خبر لایا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ ابھی میں ایک سانپ کو منی سے کھیلتے دیکھ آیا ہوں۔ اگر اسی وقت چلیں تو منی ہاتھ آسکتی ہے۔ ہم فوراً اس کے ساتھ چل دیے۔ تھوڑی دیر میں ہم ایک جنگل میں پہنچے۔ اس آدمی نے ایک طرف سے اشارہ کرکے کہا۔ وہ دیکھیے سانپ منی رکھے بیٹھا ہے۔ میں نے اس طرف دیکھا تو سچ مچ کوئی بیس گز کی دوری پر ایک سانپ پھن اٹھائے بیٹھا ہے اور اس کے آس پاس اجالا ہو رہا ہے۔ پہلے تو میں نے سمجھا کہ شاید جگنو ہو، پر وہ روشنی ٹھہری ہوئی ہے۔ جگنو کی چمک چنچل ہوتی ہے۔ کبھی دکھائی دیتی ہے، کبھی غائب ہو جاتی ہے۔ میں بڑی دیر تک سوچتا رہا کہ کس اپائے سے منی ہاتھ لگے۔ آخر میں نے اس آدمی سے کہا۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ بندوق نہیں لایا۔ نہیں تو اسے مار کر منی کو اٹھا لیتا۔

اس آدمی نے کہا۔ بندوق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صاحب آپ تھوڑی دیر رکیے میں ابھی آیا۔ یہ کہہ کر وہ کہیں چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کچھ ہاتھ میں لیے لوٹا۔

میں نے پوچھا۔ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟

اس نے کہا۔ کیچڑ۔

میں نے پوچھا۔ کیچڑ کیا ہوگا؟

اس نے کہا۔ چپ چاپ دیکھیے، میں کیا کرتا ہوں۔

وہ چپکے سے ایک پیڑ پر چڑھ گیا۔ اور مجھے بھی چڑھنے کا اشارہ کیا۔ میں بھی اوپر

چڑھا۔ تب وہ ڈالیوں پر ہوتا ہوا ٹھیک سانپ کے اوپر آگیا۔ اور یکایک اس منی پر کیچڑ پھینک دیا۔ اندھیرا چھا گیا۔ اور سانپ گھبرا کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد پتیوں کی کھڑ کھڑاہٹ بند ہوگئی۔ میں نے سمجھا سانپ چلا گیا۔ پیڑ سے اترنے لگا۔ اس آدمی نے مجھے پکڑ لیا اور کہا۔ بھول کر بھی نیچے نہ جایئے گا۔نہیں تو گھر تک نہ پہنچے گا۔ بس سانپ یہیں پر کہیں نہ کہیں چھپا بیٹھا ہے۔

ہم دونوں نے اسی پیڑ پر رات کاٹی۔

دوسرے دن صبح ہوتے ہی ہم دونوں ادھر ادھر دیکھ کر نیچے اترے۔ میرے ساتھی نے کیچڑ ہٹایا۔منی نیچے پڑا تھا۔ میں مارے خوشی کے متوالا ہوگیا۔

جب ہم دونوں گھر پہنچے، تو میرے دوست نے کہا۔ اب تو تمھیں وشواس آیا یا اب بھی نہیں۔

میں نے کہا۔ ہاں سانپ کے پاس سے اسے لایا ہوں ضرور، مگر مجھے ابھی تک سندیہہ ہے کہ یہ وہی منی ہے جس کا مول سات بادشاہوں کے برابر ہے۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کا پتھر ہے۔ جو گرم ہوکر اندھیرے میں جلنے لگتا ہے۔ جب تک وہ ٹھنڈا نہیں ہوجاتا وہ اسی طرح روشن رہتا ہے۔ سانپ اسے دن بھر اپنے منہ میں رکھتا ہے تاکہ یہ گرم رہے۔ رات کو یہ اسے کسی جنگل میں نکالتا ہے اور اس کی روشنی میں کیڑے مکوڑے پکڑ کر کھاتا ہے۔

بن مانُش خانساماں

کچھ دن ہوئے الٰہ باد میں ایک سرکس آیا تھا۔ اس میں اور تو بہت سے جانور تھے۔ مگر ایک بن مانُش بہت ہوشیار تھا۔ اسے لوگ ڈِک کے نام سے پکارتے تھے۔ مالک نے اسے ایسا سکھایا تھا کہ وہ گھر کا سب کام کرلیتا۔ ہاں بولنے سے لاچار تھا۔ اس کے مالک کی استری مرچکی تھی۔ صرف ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ جب مالک کہیں چلا جاتا، تو ڈِک ہی اس بچے کی رکھوالی کرتا تھا۔

مالک کے نوکروں میں تین آدمی بڑے شیطان اور کام چور تھے۔ ایک دن تماشا ہورہا تھا، پر تینوں آدمی شراب کے نشے میں چور پڑے ہوئے تھے۔ جب ان کے کام کرنے کا وقت آیا تو ان کا کہیں پتا نہیں۔ مالک بہت گھبرایا۔ بہت تلاش کرنے پر تینوں ایک کوٹھری میں ملے۔ مگر اس دشا میں وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ تماشا برباد ہوگیا۔ تماشا ختم ہوتے ہی مالک نے ان تینوں کو ڈانٹا اور نکال دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنے کیے پر پچھتاتے اور مالک سے اپرادھ چھما کراتے، مگر وہ الٹے بگڑ اٹھے اور مالک سے اس بے عزتی کا بدلا لینے کی فکر سوچنے لگے۔

ایک دن تینوں بدمعاش اسی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ڈِک بچے کو اس کی چھوٹی سی گاڑی پر بٹھا کر گھمانے لگا۔ ڈک کو دیکھتے ہی تینوں بچے کو لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

ڈِک بڑا سمجھ دار تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر اس وقت روکتا ہوں تو میری بھی جان جائے گی۔ اور بچے کی بھی۔ وہ چپ چاپ کہیں کھڑا رہا۔ جب وہ تینوں بچے کو لے کر کچھ دور نکل گئے تو وہ ایک پیڑ پر چڑھ گیا کہ دیکھیں یہ سب کیا کرتے ہیں۔ وہ جیوں جیوں آگے بڑھتے جاتے تھے۔ ڈِک بھی ایک سے دوسرے پیڑ پر اور دوسرے سے تیسرے پیڑ پر کود کود

کر ان کا پیچھا کرتا جاتا تھا۔ آخر وہ سب ریل گاڑی کی پٹریوں تک پہنچ گئے۔ وہاں وہ بچے کو ریل گاڑی کی پٹریوں کے بیچ والی لکڑی پر لٹا کر دور سے تماشا دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ بچے کے ہاتھ پاؤں بندھے تھے۔ اس لیے وہ ہل بھی نہ سکتا تھا۔ ڈِک بھی چپکے سے اترا اور ایک جھاڑی کی آڑ میں چھپ گیا۔

ارے رے رے! یہ تو غضب ہوا! وہ دور سے گاڑی چلی آرہی ہے۔ بچے کی جان اب کیسے بچے گی۔ اب کیا اپائے ہے۔ اگر ڈِک بچے کے پاس جاتا ہے تو شاید اسے تینوں شیطان دیکھ لیں اور تمنچے سے مار ڈالیں۔ زیادہ سوچنے کا موقع نہ تھا۔ تھوڑی ہی دور پوائنٹ سگنل تھا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا اپائے نہ تھا۔ ڈِک کو سگنل کی کریا معلوم تھی۔ اس نے پہلے کئی بار آدمیوں کو گاڑی کو ایک پٹری سے دوسری پٹری پر لاتے دیکھا تھا۔

گاڑی بچے سے بہت قریب آگئی تھی۔ مسافروں نے دیکھا کہ ایک بچہ پٹری پر کھڑا ہوا ہے۔ ڈرائیور کی نگاہ بھی بچہ پر پڑی۔ وہ بریک کو کسنے لگا، لیکن گاڑی کا ایک دم رکنا مشکل تھا۔ وہ رکتے رکتے بھی بچے کی سر پر آجائے گی۔ ٹھیک اسی وقت ڈک نے پوائنٹ سگنل کو کھینچا۔ گاڑی دوسری لائن پر چلی گئی۔ ڈِک دوڑتا ہوا آیا اور بچے کو گود میں لے کر بھاگا۔ بدمعاش لوگ دل میں خوش ہورہے تھے کہ آج دلی مراد پوری ہوئی۔ یکا یک انھوں نے دیکھا کہ ڈک بچے کو لیے بھاگا جارہا ہے۔ وہ اس کے پیچھے دوڑے۔ سب کے سب اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ بچے کی وجہ سے ڈِک تیز نہ دوڑ سکتا تھا۔ تینوں آدمی اس کے قریب ہوتے جاتے تھے۔ مگر ڈک نے ہمت نہ چھوڑی۔ یہاں تک کی سرکس کا تمبو سامنے آگیا۔

یکا یک دَن سے ایک گولی اس کی پیٹھ پر لگی۔ آواز سنتے ہی مالک تمبو سے نکل آیا تو دیکھتا ہے کہ ڈِک بچے کو لیے، پیٹھ جھکائے، لنگڑاتا چلا آتا ہے۔ مالک نے آگے بڑھ کر بچے کو لیا۔ اسی وقت ڈِک زمین پر گر پڑا اور نمک کا حق ادا کرکے اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

اتنے میں سرکس کے کئی آدمی ان تینوں بدمعاشوں کو پکڑے ہوئے اس کے سامنے لائے۔ ان تینوں کو دیکھ کر وہ سب کچھ سمجھ گیا اور ڈِک کی چھاتی پر لیٹ کر بالک کی طرح رونے لگا۔

مٹھو

بندروں کے تماشے تو ہم نے بہت دیکھے ہوں گے۔ مداری کے اشاروں پر وہ کیسی کیسی نقلیں کرتا ہے۔ اس کی شرارتیں بھی تم نے دیکھی ہوں گی۔تم نے اسے گھروں میں سے کپڑے اٹھا کر بھاگتے دیکھا ہوگا۔ پر آج تمھیں ایک ایسا حال سناتے ہیں، جس سے معلوم ہوگا کہ بندر لڑکوں سے دوستی بھی کرسکتا ہے۔

کچھ دن ہوئے لکھنؤ میں ایک سرکس کمپنی آئی تھی۔ اس کے پاس شیر، بھالو، چیتا اور کئی طرح کے اور بھی جانور تھے۔ ان کے سوا ایک بندر مٹھو بھی تھا۔لڑکوں کے جھنڈ کے جھنڈ روز ان جانوروں کو دیکھنے آیا کرتے تھے۔مٹھو ہی انھیں سب سے اچھا لگتا۔ انھیں لڑکوں میں گوپال بھی تھا۔ وہ روز آتا اور مٹھو کے پاس گھنٹوں چپ چاپ بیٹھا رہتا۔ اسے شیر، بھالو، چیتے آدی سے کوئی پریم نہ تھا۔ وہ مٹھو کے لیے گھر سے چنے، مٹر، کیلے لاتا اور کھلاتا۔مٹھو بھی اس سے اتنا ہل گیا تھا کہ بغیر اس کے کھلائے کچھ نہ کھاتا۔ اس طرح دونوں میں بڑی دوستی ہوگئی۔

ایک دن گوپال نے سنا کی سرکس کمپنی وہاں سے دوسرے شہر میں جارہی ہے۔ یہ سن کر اسے رنج ہوا۔ وہ روتا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا اور بولا۔ اماں! مجھے ایک اٹھنّی دو، میں جاکر مٹھو کو خرید لاؤں وہ نہ جانے کہاں چلا جائے گا۔ پھر میں اسے کیسے دیکھوں گا۔ وہ بھی مجھے نہ دیکھے گا، تو روئے گا۔ ماں نے سمجھایا کہ بیٹا بندر کسی کو پیار نہیں کرتا۔ وہ تو بڑا شیطان ہوتا ہے۔ یہاں آکر سب کو کاٹے گا۔ مفت میں اُلاہنے سننے پڑیں گے۔لیکن لڑکے پر اس سمجھانے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ رونے لگا۔ آخر ماں نے مجبور ہوکر اسے ایک اٹھنّی نکال کر دے دی۔ اٹھنّی پاکر گوپال مارے خوشی کے پھول اٹھا۔ اس نے اٹھنّی کو مٹی سے مل کر خوب

چمکایا، پھر مٹھو کو خریدنے چلا۔ لیکن مٹھو وہاں دکھائی نہ دیا۔ گوپال کا دل بھر آیا۔ مٹھو کہیں بھاگ تو نہیں گیا اور مالک کو اٹھنی دکھلاکر بولا۔ کیوں صاحب آپ مٹھو کو میرے ہاتھ بیچو گے؟

مالک روز اسے مٹھو سے کھیلتے اور کھلاتے دیکھتا تھا۔ ہنس کر بولا۔ اب کی بار آؤں گا تو مٹھو کو تمھیں دے دوں گا۔ گوپال نراش ہوکر مالک کے پاس سے چلا آیا اور پھر مٹھو کو ادھر اُدھر ڈھونڈنے لگا۔ وہ اسے ڈھونڈنے میں اتنا مگن تھا کہ اسے کسی بات کی خبر نہ تھی۔ اسے بالکل نہ معلوم ہوا کہ وہ چیتے کے کھٹگھرے کے پاس آگیا۔ چیتا بھیتر چپ چاپ لیٹا تھا۔ گوپال کو کٹگھرے کے پاس دیکھ کر اس نے پنجا باہر نکالا اور اسے پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ گوپال تو دوسری طرف تاک رہا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ چیتے کا تیز پنجا اس کے ہاتھ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ قریب تھا کہ چیتا اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لے کہ مٹھو نہ معلوم کہاں سے آکر اس کے پنجے پر کود پڑا اور پنجے کو دانتوں سے کاٹنے لگا۔ چیتے نے دوسرا پنجا نکالا اور اسے ایسا گھائل کردیا کہ وہ وہیں گر پڑا اور زور زور سے چیخنے لگا۔

مٹھو کی یہ حالت دیکھ کر گوپال بھی رونے لگا۔ دونوں کا رونا سن کر لوگ دوڑے۔ پر دیکھا کہ مٹھو بے ہوش پڑا ہے اور گوپال رو رہا ہے۔ مٹھو کا گھاؤ ترنت دھویا گیا اور مرہم لگایا گیا۔ تھوڑی دیر میں اسے ہوش آگیا۔ وہ گوپال کی اُور پیار کی آنکھوں سے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو کہ اب کیوں روتے ہو، میں تو اچھا ہوگیا ہوں۔

کئی دن تک مٹھو کی مرہم پٹی ہوتی رہی اور آخر کو بالکل اچھا ہوگیا۔ گوپال اب بھی روز آتا اور اسے روٹیاں کھلاتا۔

آخر کمپنی کے چلنے کا دن آگیا۔ گوپال بہت رنجیدہ تھا۔ وہ مٹھو کے کٹگھرے کے پاس کھڑا اسے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ مالک نے آکر کہا اگر تم مٹھو کو پاجاؤ کو کیا کرو۔

گوپال نے کہا میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا، اس کے ساتھ ساتھ کھیلوں گا، اسے اپنی تھالی میں کھلاؤں گا اور کیا۔

مالک نے کہا اچھی بات ہے میں تم سے بنا اٹھنی لیے ہی اسے تمھارے ہاتھ بیچتا ہوں۔

گوپال کو جیسے کوئی راج مل گیا۔ اس نے مٹھو کو گود میں اٹھا لیا پر مٹھو نیچے کود پڑا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ دونوں کھیلتے کودتے گھر پہنچ گئے۔

پالتو بھالو

کسی شہر میں ایک بنیا رہتا تھا۔ وہ زمیندار کا کارندہ تھا۔ اسامیوں سے روپیہ وصول کرنا اس کا کام تھا۔

ایک دن وہ اسامیوں سے روپے وصول کرکے گھر چلا۔ راستے میں ایک ندی پڑتی تھی۔ لیکن ملاح اپنے اپنے کھانے بنارہے تھے۔ کوئی اس پار لے جانے پر راضی نہ ہوا۔

وہاں سے تھوڑی ہی دور پر ایک اور ناؤ بندھی تھی۔ اس میں دو ملاح بیٹھے ہوئے تھے۔ کارندہ کے ہاتھ میں روپے کی تھیلی دیکھ کر دونوں آپس میں کانا پھوسی کرنے لگے۔ تب ایک نے کہا۔ آؤ صاحب جی ہم اس پر پہنچادیں۔

بنیا بڑا سیدھا آدمی تھا۔ اسے کچھ سندیہہ نہ ہوا۔ چپ چاپ جاکر ناؤ پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک مداری اپنا بھالو لے کر وہاں آپہنچا اور کارندہ سے پوچھنے لگا۔ صاحب جی کہاں جائیں گے؟

بنیے نے جب اپنے گاؤں کا نام بتایا تو وہ خوش ہوکر بولا۔ میں بھی تو وہیں چل رہا ہوں۔ یہ کہتا ہوا وہ بھالو کو لے کر ناؤ پر چڑھ گیا۔ پہلے تو ملاح نے بہت ناک بھوؤں سکوڑا، مگر بعد کو زیادہ پیسے دینے پر راضی ہوگیا۔ ناؤ کھل گئی۔

کارندہ دن بھر کا تھکا تھا۔ ناؤ دھیرے دھیرے ہلنے لگی، تو اسے نیند آگئی۔ مداری بھالو کی پیٹھ پر سر رکھے ملاحوں کی اور تاک رہا تھا۔ ان دونوں کو تھیلی کی طرف بار بار تاکتے دیکھ کر اسے کچھ سندیہہ ہونے لگا۔ یہ سب ٹھگ تو نہیں ہیں۔ اس نے سوچا ذرا دیکھوں تو ان دونوں کی کیا نیت ہے۔ اس نے جھوٹ موٹھ کی آنکھیں بند کرلیں مانو سوگیا ہے۔

اب ناؤ زور سے چلنے لگی۔ قریب دو گھنٹے کے بعد کارندہ چونک کر اٹھا تو اسے اپنے

گاؤں کا کنارا دکھائی دیا۔ ملّاحوں سے بولا۔ بس بس پہنچ گئے۔ ناؤ کنارے لگا دو لیکن ملاحوں نے اس کی بات ان سنی کردی۔ تب کارندہ نے ڈانٹ کر کہا۔ تم لوگ ناؤ کو کنارے کیوں نہیں لگاتے جی؟ سنتے نہیں ہو؟

اس پر ایک ملاح نے گھڑک کر کہا۔ کیا بک بک کرتے ہو۔ ہم لوگوں کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ ناؤ کہاں لگانی ہوگی۔

مداری اب تک چپ چاپ پڑا دیکھتا رہا۔ اس نے بھی کہا۔ ہاں ہاں یہی تو کنارا ہے؟ ناؤ کیوں نہیں لگاتے۔ تب وہ چپکے سے کارندہ کے پاس کھسک آیا اور دھیرے بولا۔ ان سبھوں کی نیت کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔ ہوشیار رہنا۔ کارندہ کو جیسے جوڑی چڑھ آئی۔

میل بھر چلنے کے بعد ملاحوں نے ناؤ کو ایک جنگل کے پاس لگایا ور اتر کر جنگل میں جا گھسے۔ ان کے ساتھ کے کئی ڈاکو جنگل میں رہتے تھے۔ دونوں اس کی خبر دینے گئے۔

بنیا بچوں کی طرح رونے لگا۔ اپنا گاؤں میل بھر پیچھے چھوٹ گیا۔ یہاں نہ کوئی ساتھی، نہ مددگار مگر مداری نے اسے تسلی دی۔

وہ دیکھو، کئی آدمی ہاتھ میں مشعلیں لیے ہوئے ناؤ کی اُور چلے آرہے ہیں۔ ضرور یہ ڈاکوؤں کا گروہ ہے۔ کارندہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ یکا یک مداری بھالو کو لیے ہوئے ناؤ سے اترا اور کنارے پر چڑھ گیا۔ ڈاکو نیچے اتر ہی رہے تھے کہ اس نے اپنے بھالو کو ان کے پیچھے للکار دیا، پھر کیا تھا۔ بھالو نے لپک کر ایک ڈاکو کو پکڑا اور اس کے منہ پر ایسا پنجا مارا کہ سارا منہ لہولہان ہوگیا۔ اسے چھوڑ کر وہ دوسرے ڈاکو پر لپکا۔ ڈاکوؤں میں بھگدڑ پڑ گئی۔ سب کے سب اپنی اپنی جان لے کر بھاگے۔ بس وہی پڑا رہ گیا، جو گھائل ہوگیا تھا۔

یہ شوروغل سن کر پاس ہی کے ایک دوسرے گاؤں سے کئی آدمی آپہنچے۔ انھوں نے مداری اور کارندہ کو بھالو کے ساتھ پھر ناؤ پر بٹھایا اور ناؤ کو لے جاکر ان کے کنارے لگادیا۔ اس گھائل ڈاکو کو لوگ تھانے لے گئے۔

گاؤں میں پہنچ کر کارندہ نے مداری کو گلے سے لگاکر کہا تم پورو جنم میرے بھائی تھے، آج تمھاری بدولت میری جان بچی۔

باگھ کی کھال

رانچی سے لے کر چکردھر پور تک گھنا جنگل ہے۔ اس کی لمبائی کوئی ۷۵ میل ہوگی۔ اس جنگل میں طرح طرح کے جانور رہتے ہیں۔ ان میں باگھ سب سے خوفناک ہوتے ہیں۔ کئی سال ہوئے میرا ایک دوست اور میں رانچی کے ایک دفتر میں کام کرتے تھے۔ ہم دونوں چکردھر پور کے رہنے والے تھے۔ جب دفتر میں چھٹیاں ہوجاتیں تو ہم دونوں گھر چلے جاتے تھے۔ وہاں ریلوے لائن ہے۔ ایک موٹر بس چلا کرتی ہے۔ ایک بار ہم دونوں کو ایک بڑے ضروری کام سے گھر جانا پڑا۔ سنیوگ سے اس دن موٹر بس بھی نہ ملی۔ آخر یہ طے کیا کہ پیر گاڑی پر چلیں۔ حساب لگا کر دیکھا کہ اگر بیچ میں کہیں نہ ٹھہرے تو نو دس گھنٹوں میں پہنچ جائیں گے۔ آخر کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر ہم دونوں سائکل پر سوار ہوکر شام کو چھ بجے نکل کھڑے ہوئے۔

اجلی رات تھی۔ میل بھر جانے کے بعد چاند نکل آیا۔ آس پاس کی پہاڑیاں دکھائی دینے لگیں۔ چاروں اور سناٹا چھایا ہوا تھا اور اس سناٹے کو چیرتی ہوئی ہماری سائکلیں سن سن چلی جارہی تھیں۔ تھوڑی، تھوڑی دور پر جنگلی آدمیوں کی بستیاں مل جاتی تھیں۔ ان کی جھونپڑیوں سے ڈھول اور بانسری کی میٹھی میٹھی آوازیں آرہی تھیں۔ ہم دونوں اس درشیہ کا آنند اٹھاتے چلے جارہے تھے۔

اچانک میرے دوست کو قئے آگئی۔ اور وہ سائکل پر سے گر پڑا۔ اس کا یہ حال دیکھ کر میری جان سوکھ گئی۔ اسے تو ہیضہ ہو گیا تھا۔ اب کیا کروں، نہ کوئی بستی، نہ گاؤں اسے کہاں لے جاؤں۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ میں نے اپنے دوست کا نام لے کر پکارا، مگر اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ وہ درد بھری آنکھوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی یہ دَشا

دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا۔ پھر سوچا رونے سے کیا ہوگا، دیکھوں یہاں نزدیک کوئی گاؤں ہے یا نہیں۔ شاید کسی سے کچھ مدد مل جائے۔ میں نے اپنے دوست سے پھر پوچھا۔ بھائی تمھارا جی کیا ہے؟ کچھ تو بتاؤ پھر بھی کوئی جواب نہیں۔ میں نے اس کی ناڑی پر ہاتھ رکھا۔ ناڑی کا کہیں پتا نہیں۔ ہاں سانس چل رہی تھی۔ سوچنے لگا اسے چھوڑ کر کیسے جاؤں۔ کوئی جنگلی جانور آپہنچے تو لاش کا بھی پتا نہ چلے۔ آخر میں نے دونوں پیر گاڑیوں کو ایک پیڑ کے سہارے کھڑا کیا اور اپنے دوست کو اس پر لٹا کر کسی گاؤں کی تلاش میں نکلا۔ راستے میں بار بار اپنے دوست کا خیال آنے لگا۔ چاروں اُور گھنا جنگل، پیڑوں کے نیچے بڑی مشکل سے روشنی پہنچتی تھی۔ راستہ نہ دکھائی دیتا تھا اچانک میں ایک پتھر سے ٹھوکر کھاکر گر پڑا۔ چوٹ تو زیادہ نہ آئی، مگر ہاتھ پاؤں کچھ چھل گئے۔ میں پھر اٹھا کہ یکا یک کچھ آہٹ پاکر پیچھے کی اور تاکا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی ۱۵ گز کی دوری پر ایک باگھ کھڑا ہے۔ میرے ہوش اڑ گئے۔ ایسا جان پڑا جیسے بدن میں خون نہیں ہے۔ سانس تک بند ہوگئی۔ مجھے کھڑا دیکھ کر وہ بھی رک گیا۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید مجھے بھرم ہوگیا ہے۔ شاید میں کسی پیڑ کی پرچھائی کو باگھ سمجھ رہا ہوں۔ یہ سوچ کر میں پھر آگے بڑھا۔ مگر آنکھیں پیچھے ہی لگی رہیں۔ اب کی بار سچ مچ مجھے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ میں نے پھر پیچھے کی اور دیکھا۔ باگھ میرے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا۔ میرے روئیں کھڑے ہوگئے اور میں لکڑی سا تن گیا۔ کچھ سوچنے کی سمجھ میں شکتی ہی نہیں رہی۔ مجھے کھڑا ہوتے دیکھ کر وہ زمین پر ہاتھ پاؤں پھیلاکر بیٹھ گیا۔ مجھے اب جان کی آشا نہ رہی۔ نہ تو میرے پاس کوئی پستول تھا اور نہ چاقو۔ نہ معلوم کیا سوچ کر میں بڑی زور سے چلاّ اٹھا۔ باگھ میری آواز سنتے ہی اٹھا اور چپ چاپ جنگل کی اور چلا گیا۔

باگھ کو جاتے دیکھ کر میں اتنا خوش ہوا کہ کیا کہوں۔ میری ہمت بھی لوٹ آئی۔ سوچنے لگا گھر پہنچ کر سب کو یہ قصہ سناؤں گا۔ اور کہوں گا کہ اگر کوئی اسی طرح باگھ کے سامنے پڑجائے تو اسے خوب چلاّنا چاہیے۔ یہی سوچتا ہوا میں تیزی سے چلا جاتا تھا۔

ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ پھر کچھ آہٹ ملی۔ دیکھا تو سامنے باگھ! میں تو اپنی سمجھ میں باگھ کو بھگانے کا منتر پالیا تھا۔ لگا زور سے چلاّنے۔ مگر اب کی باگھ وہاں سے ہلا بھی نہیں۔ اس کا جواب اس نے یہ دیا کہ مجھے آٹھ دس گز پر پاکر مارے خوشی کے اپنی دم ہلانے لگا۔ اب تو میری ہمت چھوٹ گئی۔ کہہ نہیں سکتا کہ میں کتنی دیر تک وہاں کھڑا رہا۔ ایکا یک

موٹر کے ہارن کی آواز کام آئی۔ پھر سوچا شاید یہ بھی بھرم ہو۔ پھر بھی مجھے کچھ ہمت ہوئی۔ میں دھیرے دھیرے پیچھے ہٹنے لگا۔ کوئی آٹھ دس قدم پیچھے ہٹا تھا کہ اچانک باگھ اٹھا۔ میرا کلیجہ مانو سمٹ کر ایڑیوں میں دھنس گیا۔ بس وہ مجھ پر پھاندا۔ میں جھٹ آنکھیں بند کرلیں اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ مگر باگھ مجھ پر پھاندا نہیں بلکہ جتنی دور میں پیچھے ہٹ گیا تھا، اتنا ہی وہ آگے بڑھ آیا اور پھر بیٹھ گیا۔

پھر ہارن کی آواز سنائی دی۔ شاید کوئی لاری رانچی سے آرہی تھی۔ پھر مجھے ہوش نہیں کہ کیا ہوا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ بڑے زور سے چلّایا تھا۔ مار ڈالا! مار ڈالا!!

جب مجھے ہوش آیا تو میرا سر کسی کی جانگھ پر رکھا ہوا ہے۔ آس پاس کئی آدمی کھڑے ہیں۔ میرا دوست بھی وہیں بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے ان سے تھوڑا پانی مانگا۔ انھوں نے مجھے گرم دودھ نکال کر پلایا۔

بعد کو مجھے معلوم ہوا کہ یہ صاحب انجینئر تھے۔ اپنے تین چار دوستوں کے ساتھ ٹاٹا نگر جارہے تھے۔ راستے میں انھیں دکھائی دیا کہ ایک پیڑ کے نیچے دو آنکھیں سی چمک رہی ہیں۔ انھوں نے باگھ سمجھ کر بندوق اٹھائی۔ اچانک اس پر موٹر کی روشنی پڑتے ہی انھوں نے دیکھا کہ وہ آنکھیں نہیں ہیں بلکہ دو پیر گاڑیوں کی بتیاں جل رہی ہیں۔ انھوں نے فوراً موٹر روک لیا اور اتر کر پیڑ کے نیچے آئے تو دیکھا ایک آدمی بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ ان کے پاس کچھ دوائیں تھیں۔ دوائیں پلانے سے اس آدمی کی حالت کچھ سنبھل گئی۔ انھوں نے اسے موٹر میں بٹھایا اور چلے ہی آرہے تھے کہ پھر دیکھا قریب آتے ہی ایک باگھ میری چھاتی پر دونوں اگلے پنجے رکھ کر بیٹھا ہوا ہے۔ موٹر کے قریب آتے ہی مجھے چھوڑ دیا اور بھاگا۔ مگر انجینئر صاحب کی بندوق نے اسے وہیں ٹھنڈا کردیا۔

انھیں کی مدد سے ہم دونوں گھر پہنچے۔ میرے سارے کپڑے خون سے تر تھے۔ چھاتی میں زخم ہوگیا تھا۔ کئی دن مرہم پٹی کرنے کے بعد میں اچھا ہوکر پھر رانچی لوٹا۔ اس کے تھوڑے ہی دن بعد انجینئر صاحب نے مجھے ایک باگھ کی کھال بھیج دی اور لکھا کہ یہ اسی باگھ کی کھال ہے۔ وہ کھال ابھی تک میرے پاس موجود ہے۔

مگر کا شکار

میرا گاؤں سرجو ندی کے کنارے ہے۔ نہ جانے کیوں سرجو میں ایسے جانور بہت رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ میں ندی کے کنارے پار جانے کے لیے آیا تو دیکھا کہ کئی مچھوئے ایک بکری کے بچے کو لیے دریا کے کنارے چلے آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک بڑا سا چھرا بھی تھا۔ میں نے سمجھا کہ اسے لوگ حلال کرنے کے لیے لائے ہیں۔ میں نے کہا۔ اسے چاقو سے کیوں حلال کرتے ہو، گھنگ سے کیوں نہیں مارتے۔اس پر ایک آدمی نے کہا۔حضور،اسے حلال نہیں کریں گے،اس سے مگر کا شکار کریں گے؟

میں نے کہا کیسے؟

'حضور، چپ چاپ دیکھیے۔

میں پار جانا بھول گیا۔ وہیں مگر کا شکار دیکھنے کے لیے ٹھہر گیا۔ دیکھا کہ لوگوں نے اس بکری کے بچے کو پیڑ کے نیچے باندھا۔ وہ پیڑ دریا سے کل بیس گز پر تھا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک ہانڈی سے کچھ جونک نکالے اور بکری کے بچے پر لگادیے۔ جب بچہ میں میں کرنے لگا تو ہم لوگ ایک پیڑ کی آڑ میں چھپ گئے اور مگر کا انتظار کرنے لگے۔

مگر کا ایک عجیب سوبھاؤ یہ ہے کہ وہ جس راستے سے دریا سے نکل کر آتا ہے اسی راستے سے دریا کی اُور لوٹتا بھی ہے۔ جس میں وہ راستہ نہ بھول جائے۔

کوئی گھنٹہ بھر بیٹھنے کے بعد ہم لوگوں نے ایک مگر کو پانی سے سر نکالتے دیکھا۔ ہم لوگوں نے چپّی سادھ لی۔ مگر نے ڈبکی لگائی اور غائب ہوگیا۔ ادھر بکرا میں میں کرتا ہی رہا۔ کوئی تین چار منٹ کے بعد مگر نے پھر سر نکالا اور دھیرے دھیرے کنارے پر چڑھا آیا اور

ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جب اسے معلوم ہوگیا کہ یہاں بالکل سناٹا ہے۔ تو یہ رینگتا ہوا بچے کے سمیپ گیا۔ بچے کے بالکل پاس پہنچ کر اس نے پھر ایک بار ادھر اُدھر غور سے دیکھا اور جب پھر اسے کوئی نہ دکھائی دیا تو اس نے جھپٹ کر بچے کی گردن پکڑ لی۔

ادھر ان مچھوؤں میں سے آدمی وہی چاقو لیے ہوئے چپکے سے دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ اور ٹھیک اسی جگہ جہاں مگر دریا سے نکلا تھا۔ چاقو کو اس قدر زمین میں گاڑا کہ اس کی نوک زمین سے کوئی دو انچ نکلی رہے۔ جب وہ چاقو گاڑ کر لوٹا تو سب کے سب ایک ساتھ چلا کر آڑ سے نکلے اور اپنے سونٹے لیے ہوئے مگر کے پیچھے دوڑے۔ اچانک اتنے آدمیوں کو اپنے اوپر حملہ کرتے دیکھ کر مگر گھبرایا اور جلدی سے ندی میں اتر گیا۔ وہ تو ڈبکی لگا کر غائب ہوگیا۔ لیکن اس جگہ ندی کے پانی کا رنگ لال ہی لال دکھائی دینے لگا۔

مچھوے خوش ہو ہو کر اچھل پڑے۔ اور کہنے لگے۔ بس مار دیا۔ میں نے تعجب سے پوچھا۔ مگر تو بھاگ گیا، تم نے مارا کہاں۔

ایک مچھوا نے کہا۔ ذرا صبر تو کیجیے، ابھی دیکھیے گا۔

میری نظر چاقو کی نوک پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ وہ بالکل لال ہوگئی ہے اور اس جگہ سے دریا تک لال ہی لال دکھائی دیتا ہے۔

کوئی پندرہ بیس منٹ کے بعد وہ لوگ چلا اٹھے۔ وہ نکلا! وہ نکلا!! سچ مچ بیچ دریا میں ایک مگر کی لاش تیر رہی تھی۔ اس کا پیٹ چرا ہوا تھا اور اس وقت بھی خون بہہ رہا تھا۔

وہ لوگ ناؤ پر سوار ہوکر بیچ دریا میں گئے۔ اور مگر کو جال میں پھانس کر کنارے لائے۔ ایک آدمی فوراً دوڑتا ہوا گیا اور ایک بیل گاڑی لایا۔ لوگوں نے مگر کو بیل گاڑی پر لادا اور چل دیے۔ اتنا بڑا مگر میں نے نہ دیکھا تھا۔ وہ کوئی ۱۵ فٹ لمبا تھا۔

جڑواں بھائی

کبھی کبھی مورکھ مرد ذرا ذرا سی بات پر عورتوں کو پیٹا کرتے ہیں۔ ایک گاؤں میں ایسا ہی ایک کسان تھا۔ اس کی عورت سے کوئی چھوٹا سا نقصان بھی ہوجاتا تو وہ اسے بغیر مارے نہ چھوڑتا۔ ایک دن بچھڑا گائے کا دودھ پی گیا۔ اس پر کسان اتنا جھلایا کہ عورت کو کئی لاتیں جمائیں۔ بیچاری روتی ہوئی گھر سے بھاگ گئی۔ اسے یہ نہ معلوم تھا کہ میں کہاں جارہی ہوں؟ وہ کسی ایسی جگہ بھاگ جانا چاہتی تھی، جہاں اس کا شوہر اسے پھر نہ پاسکے۔

چلتے چلتے وہ ایک جنگل میں پہنچ گئی۔ پہلے تو وہ بہت ڈری کہ کوئی جانور نہ اٹھالے جائے، مگر پھر سوچا مجھے کیا ڈر، جب دنیا میں میرا کوئی اپنا نہیں ہے تو مجھے جی کر کیا کرنا ہے۔ مرکر مصیبت سے تو چھوٹ جاؤں گی۔ مگر اسے کوئی جانور نہ ملا اور وہ رات کو ایک پیڑ کے نیچے سوگئی۔ دوسرے دن اس نے اسی جنگل میں ایک چھوٹی سی جھونپڑی بنالی اور اس میں رہنے لگی۔ لکڑی اور پھوس کی کوئی کمی تھی ہی نہیں، مونج بھی افراط سے تھی۔ دن بھر میں جھونپڑی تیار ہوگئی۔ اب وہ جنگل میں لکڑیاں بٹورتی اور انھیں آس پاس کے گاؤں میں بیچ کر کھانے پینے کا سامان خرید لاتی۔ اسی طرح اس کے دن کٹنے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد اس عورت کے جڑواں لڑکے پیدا ہوئے۔ بچوں کو پالنے پوسنے میں اس کا بہت سا وقت نکل جاتا اور وہ مشکل سے لکڑیاں بٹور پاتی۔ اسے اب رات کو بھی کام کرنا پڑتا۔ مگر اتنی مصیبت جھیلنے پر بھی وہ اپنے شوہر کے گھر نہ جاتی تھی۔ ایک دن وہ دونوں بچوں کو لیے سو رہی تھی۔ گرمی کی رات تھی۔ اس نے ہوا کے لیے جھونپڑی کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اچانک رونے کی آواز سن کر اس کی نیند ٹوٹ گئی تو دیکھا کہ ایک بڑا

بھاری بھالو اس کے ایک بچے کو اٹھائے لیے جارہا ہے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑی مگر بھالو جنگل میں نہ جانے کہاں گھس گیا۔ بیچاری چھاتی پیٹ پیٹ کر رونے لگی۔ تھوری دیر میں اسے دوسرے لڑکے کی یاد آئی۔ بھاگتی ہوئی جھونپڑی میں آئی، دیکھا کہ دوسرے لڑکے کا بھی پتہ نہیں۔ پھر چھاتی پیٹنے لگی۔ زندگی کا یہی ایک سہارا تھا۔ وہ بھی جاتا رہا۔ وہ دکھ کی ماری دوسرے ہی دن مرگئی۔

بھالو اس بچے کو لے جاکر اپنے ماند میں گھس گیا، اور اسے بچے کے پاس چھوڑ دیا۔ بچوں کو ہنستے کھیلتے دیکھ کر بھالو کے بچوں کو نہ معلوم کیسے اس پر ترس آگیا۔ پشو بھی کبھی کبھی بالکوں پر دیا کرتے ہیں۔ یہ لڑکا بھالو کے بچوں کے ساتھ رہنے لگا۔ انھیں کے ساتھ کھیلتا، انھیں کے ساتھ کھاتا اور انھیں کے ساتھ رہتا۔ دھیرے دھیرے وہ انھیں کی طرح چلنے پھرنے لگا۔ اس کی ساری عادتیں جانوروں کی سی ہوگئیں۔ وہ صورت سے آدمی مگر عادتوں سے بھالو تھا اور انھیں کی بولی بولتا بھی تھا۔ اب دوسرے لڑکے کا حال سنو۔ جب اس کی ماں اس کے بھائی کی کھوج میں چلی گئی تھی، تو جھونپڑی میں ایک نئی بات ہوگئی۔ ایک راجا شکار کھیلنے کے لیے جنگل میں آیا تھا۔ اچانک یہ جھونپڑی دیکھی تو دروازے پر آکر پکارنے لگا کہ جو کوئی اندر ہو مجھے تھوڑا سا پانی پلادے۔ میں بہت پیاسا ہوں۔ مگر جب بچے کے رونے کے سوا اسے کوئی جواب نہ ملا تو وہ جھونپڑی میں گھس آیا۔ دیکھا کہ ایک بچہ پڑا رو رہا ہے اور یہاں کوئی نہیں ہے۔ وہ باہر نکل کر چلانے لگا کہ یہاں کون رہتا ہے۔ جلدی آؤ۔ تمھارا بچہ اکیلا رو رہا ہے۔ جب کئی بار پکارنے پر بھی کوئی نہیں آیا تو اس نے سمجھا کہ اس بچے کی ماں کو کوئی جانور اٹھا لے گیا ہے۔ راجا کو کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس نے بچہ کو گود میں اٹھالیا اور گھر چلا آیا۔

بیس برس بیت گئے۔ کسان کا اناتھ بچہ راجا ہوگیا۔ وہ بڑا ودوان اور چتر نکلا۔ بہادر بھی ایسا تھا کہ اتنی ہی عمر میں اس نے اپنے بہت سے دشمنوں کو ہرا دیا۔

ایک دن نئے راجا صاحب شکار کھیلنے گیے۔ مگر کچھ ہاتھ نہ لگا۔ نراش ہوکر گھر کی اور لوٹے آرہے تھے کہ اتنے میں انھوں نے دیکھا کہ ایک اَدبھت جانور ایک بڑے ہرن کو کندھے پر لادے بھاگا جارہا ہے۔

اس کی شکل بالکل آدمی کی سی تھی۔ سر داڑھی، مونچھ کے بال اتنے بڑھ گئے تھے کہ اس کا منہ قریب قریب بالوں سے ڈھک گیا تھا۔ اسے دیکھ کر راجا نے فوراً گھوڑا روک لیا

اور اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ وہ جانور ہرن کو زمین پر رکھ کر راجا کی اُور دوڑا۔ راجا صاحب شکار کھیلنے میں چتر تھے۔ انھوں نے تلوار نکالی اور دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ آخر وہ جانور زخمی ہوگیا۔ راجا صاحب نے اسے اپنے گھوڑے پر لاد لیا اور اپنے گھر لے آئے کچھ دنوں تک تو وہ پنجڑے میں بند رکھا گیا، پھر کبھی کبھی باہر نکالا جانے لگا۔ دھیرے دھیرے اس کی عادتیں بدلنے لگیں۔ وہ آدمیوں کی طرح چلنے لگا اور آدمیوں کی طرح بولنے بھی لگا۔ اس کے بال کاٹ دیے گئے اور کپڑے پہنادیے گئے۔ دیکھنے والوں کو اچمبھا ہوتا تھا کہ اس جنگلی آدمی کی صورت راجا صاحب سے اتنی ملتی ہے، مگر یہ کسے معلوم تھا کہ وہ راجا صاحب کا جڑواں بھائی ہے، جسے بھالو اٹھالے گیا تھا۔

کتّے کی کہانی

(ایک کتے کی آتم کتھا)

بچوں سے

پیارے بچوں! تم جس سنسار میں رہتے ہو، وہاں کتے، بلی ہی نہیں پیڑ پتے اور اینٹ، پتھر تک بولتے ہیں، بالکل اس طرح جیسے تم بولتے ہو، اور تم ان سبھوں کی باتیں سنتے ہو اور بڑے دھیان سے کان لگا کر سنتے ہو۔ ان باتوں میں تمھیں کتنا آنند آتا ہے۔ تمھارا سنسار بچوں کا سنسار ہے۔ ان میں سبھی ایک جیسے جیو بستے ہیں۔ ان سبھوں میں پریم ہے، بھائی پن ہے، دوستی ہے جو سادھو سنتوں کو برسوں کے چنتن اور سادھن سے نہیں پراپت ہوتی، وہ تم پرم پتا کے گھر سے لے کر آتے ہو۔ یہ چھوٹی پستک میں تمھاری اسی آتم سرلتا کی بھینٹ کرتا ہوں، تم دیکھو گے کہ یہ کتا باہر سے کتا ہو کر بھیتر سے تمھارا ہی جیسا بالک ہے، جس میں وہی پریم اور سیوا اور ساہس اور سچائی ہے جو تمھیں اتنی پریہ ہے۔

پریم چند

بنارس

۱۴ جولائی ۱۹۳۶ء

کتّے کی کہانی

(۱)

بالکوں! تم نے راجاؤں اور ویروں کی کہانیاں بہت سنی ہوں گی۔ لیکن کسی کتے کی جیون کتھا شاید ہی سنی ہو۔ کتوں کے جیون میں ایسی بات ہی کون سی ہوتی ہے جو سنائی جاسکے۔ نہ وہ دیوں سے لڑتا ہے، نہ پریوں کے دیش میں جاتا ہے، نہ بڑی بڑی لڑائیاں جیتا ہے، اسی لیے بھے ہے کہ کہیں تم میری کہانی کو اٹھاکر پھینک نہ دو، کنتو میں تمھیں وشواس دلاتا ہوں کہ میرے جیون میں ایسی کتنی ہی باتیں ہوئی ہیں، جو بڑے بڑے آدمیوں کے جیون میں بھی نہ ہوئی ہوں گی۔ اسی لیے میں آج اپنی کتھا سنانے بیٹھا ہوں۔ جس طرح تم کتوں کو دھتکار دیا کرتے ہو، اسی بھانتی میرے اس کتھا کو ٹھکرا نہ دینا اس میں تمھیں کتنی ہی باتیں ملیں گی اور اچھی باتیں جہاں ملیں، ترنت لے لینا چاہیے۔

جب میرا جنم ہوا، تو میری آنکھیں اور کان بند تھے۔ اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ باجے گاجے بجے، گانا بجانا ہوا یا نہیں۔ مجھے تو کچھ سنائی نہ دیا۔ ہاں جس بچھاون پر میں لیٹا تھا وہ روئی کی بھانتی نرم تھا۔ سردی ذرا بھی نہ لگتی تھی۔ میں دل میں سمجھ رہا تھا کہ کسی بڑے گھر میں میرا جنم ہوا ہے۔ لیکن جب آنکھیں کھلیں تو میں نے دیکھا کہ ایک باڑ کی راکھ میں اپنی ماتا کی چھاتی سے چپٹا ہوا پڑا ہوں۔ ہم چار بھائی تھے، تین لال تھے، میں کالا تھا۔ اس پر سب سے چھوٹا اور سب سے کمزور۔

ماتا بھی ہم لوگوں کے پاس کم رہتی تھی۔ انھیں کھانے کی ٹوہ میں ادھر ادھر دوڑنا پڑتا

تھا۔ وہ رات رات بھر جاگ کر گاؤں کی رکشا کرتی تھیں۔ کیا مجال کہ کوئی انجان آدمی گاؤں میں قدم رکھ سکے۔ دوسرے گاؤں کے کتوں کو تو وہ دور ہی سے دیکھ کر بھگا دیتی تھیں۔ جب کسی کھیت میں کوئی سانڈ گھستا تو اسے دور تک بھگا آتی۔ مگر اتنا سب کچھ کرنے پر بھی کوئی انھیں کھانے کو نہ دیتا تھا۔ بے چاری پیٹ کی آگ سے جلا کرتی تھیں۔ اس پر ہم لوگوں کی چنتا انھیں اور مارے ڈالتی تھی۔ اس لیے جب بھوک ستاتی تو کبھی کبھی وہ چوری سے گھروں میں گھس جاتیں اور کھانے کی جو چیز مل جاتی لے کر نکل بھاگتیں۔ انھیں دیکھتے ہی لوگ مارنے دوڑتے اور گھروں کے دوار بند کر لیتے۔

ایک دن بڑی ٹھنڈ پڑی۔ بادل چھا گئے، اور ہوا چلنے لگی۔ ہمارے دو بھائی وہ ٹھنڈ نہ سہہ سکے اور مر گئے۔ ہم دو ہی رہ گئے۔ ماتا جی بہت روئیں۔ مگر کیا کرتیں گاؤں والوں کو پھر بھی ان پر دیا نہ آئی۔ آدمی اتنے مطلبی اور بے درد ہوتے ہیں یہ میں نے پہلی بار دیکھا۔

ایک دن گاؤں میں اتسو تھا۔ ایک بنیے کے یہاں براہمن بھوجن تھا۔ سینکڑوں آدمی جمع تھے۔ پوریاں بن رہی تھیں۔ ماتا جی بار بار ادھر جاتیں پر دھتکار پاکر بھاگ آتیں تھیں۔ کسی کو اتنی دیا نہ آتی تھی کہ ایک ٹکڑا ان کی اور پھینک دے۔ ایک ٹکڑا دے دینے سے کچھ کمی نہ پڑجاتی، پر یہ کون سمجھائے۔ جب سب چیزیں تیار ہوگئیں تو آنگن میں پتل ڈال دیے گئے۔ لوگ اپنے اپنے آسن پر جا بیٹھے اور بھوجن پروسا جانے لگا۔ اسی سمے ماتا جی وہاں پہنچیں، ہم دونوں بھائی ان کے ساتھ تھے۔ دوار پر ہی ایک آدمی نے دھتکارا، مگر ماتا جی بھاگیں نہیں پونچھ ہلانے لگیں اور وہیں بیٹھ گئیں۔ وہ آدمی جب کسی کام سے بھیتر چلا گیا تو ماتا جی بھی دبے پاؤں دالان میں جا پہنچیں، انھیں دیکھ کر چاروں طرف سے دھت! دھت! کا ایسا کولاہل مچا کہ ماتا جی گھبرا گئیں۔ دو تین آدمی ڈنڈے لے کر دوڑے۔ ماتا جی کو اگر دالان سے نکل جانے کا راستہ ملتا تو وہ ادھر سے باہر نکل جاتیں۔ لیکن ادھر لوگ ڈنڈے لیے کھڑے تھے۔ اس لیے ماتا جی بیٹھے ہوئے آدمیوں کے بیچ سے ہوکر موری کے راستے باہر نکل آئیں۔

مگر تماشا تو دیکھیے کہ ماتا جی کے باہر نکلتے ہی بھوجن کرنے والے بھی اٹھ کھڑے ہوئے! جانتے ہو کیوں؟ ماتا جی کے ادھر سے نکل جانے کے کارن بھوجن بھرشٹ ہوگیا! وچار ہونے لگا کہ کیا کیا جائے۔ بیچارا بنیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کچھ لوگ کہتے تھے اس میں

دوش ہی کیا ہے۔ کتیا نے پتلوں میں منہ تو ڈالا نہیں، چھونے سے کیا ہوتا ہے۔ کتنو جو بہت کُلین تھے۔ وہ کتیا کا بیچ سے نکل جانا ہی بھوجن کو نشٹ کرنے کے لیے کافی سمجھتے تھے۔ آخر انھیں کُلینوں کی جیت ہوئی اور سارا بھوجن اچھوتوں کو بانٹ دیا گیا۔ اس دن ماتا جی نے خوب پیٹ بھر کھایا۔ ایسا سکھ انھیں جیون میں کبھی نہ ملا تھا۔

لیکن ان بے چاری کے بھاگیہ میں سکھ لکھا ہی نہ تھا۔ بھوجن کر کے ذرا لیٹی ہی تھیں کہ بنیا ڈنڈا لیے آپہنچا اور لگا پیٹنے۔ ماتا جی کو بھاگنے کا اوسر نہ ملا۔ زور زور سے چلانے لگیں۔ ان کا ولاپ سن کر پتھر بھی پسیج جاتا۔ پر اس نردئی کو ذرا بھی دیا نہ آئی۔ میں من میں کڑھ رہا تھا، اپنا کچھ وش ہوتا تو بنئے رام کو اس بے دردی کا مزا چکھا دیتا۔ لیکن ذرا سا بچہ کیا کرتا! بارے یہ ولاپ سن کر کچھ لوگ جمع ہوگئے اور سمجھانے لگے۔ جانے دے بھائی بھوک میں آدمیوں کی بدّھی بھرشٹ ہو ہی جاتی ہے۔ یہ تو پشو ہے۔ اسے کیا معلوم کس کا فائدہ ہو رہا ہے کس کا نقصان۔ اب تو جو ہوگیا سو ہوگیا اسے مار کر کیا پاؤ گے۔ بنیے کے چت میں یہ بات بیٹھ گئی اور ماتا جی کی جان چھٹی۔

اسی دن شام کو ایک بٹوہی گاؤں میں آکر ٹھہرا۔ اس نے ایک پیڑ کے نیچے اپلے جلائے اور ہانڈی میں دال چڑھا کر آٹا گوندھنے لگا۔ آٹا گوندھ چکنے پر اس نے ہانڈی اتار دی اور سامنے کے کنویں پر پانی لینے چلا گیا۔ گوندھا ہوا آٹا پتل پر رکھا ہوا تھا۔ اتنے میں ماتا جی گھومتی ہوئی وہاں پہنچ گئیں اور شاید یہ سمجھ کر کہ مسافر نے اتنا جوٹھن چھوڑ دیا ہے۔ انھوں نے آٹا اٹھا لیا اور چمپت ہوگئیں۔ مسافر نے کنویں پر سے ہی دھت دھت کرنا شروع کیا۔ لیکن ماتا جی نے پھر بھی نہ دیکھا۔ بے چارا ماتھے پر ہاتھ دھر کر رونے لگا۔ آج تین دنوں کا بھوکا، تھکا ماندا اس پر بھگوان کی یہ لیلا دو تین آدمیوں نے سمجھایا۔ بھائی تمھارا تو چار چھ آنے کا نقصان ہوا، کل تو اس نے ہزاروں پر پانی پھیر دیا۔

مسافر نے کہا۔ میں کیا جانتا تھا کہ یہ چنڈالن گھات میں بیٹھی ہوئی ہے۔

بوڑھے چودھری بولے۔ جان پڑتا ہے آج کا تمھارا بھوجن اسی کے بھاگیہ میں تھا۔ مثل ہے، شاہ کی مہر آنے آنے پر خدا کی مہر دانے دانے پر۔ پھر سے بنا کر کھالو۔

بیچارے مسافر نے پھر سے چوکا لگایا اور بھوجن بنانے لگا۔ چودھری وہیں بیٹھے رہے۔ مسافر نے پوچھا۔ بابا میں آپ کی اس کہاوت کا مطلب نہیں سمجھا۔ ذرا سمجھا دیجیے۔

چودھری بولے۔ ایک فقیر یہی کہہ کر سب کے دروازے پر بھیک مانگتا پھرتا تھا "شاہ کی مہر آنے آنے پر خدا کی مہر دانے دانے پر"۔

ایک من چلے رئیس نے اس فقیر سے کہا۔ سائیں بات سمجھ میں نہیں آتی بھلا دانوں پر کیسی مہر؟

سائی نے کہا۔ نہیں بیٹا خدا جس کو جو دانا دینا چاہے گا وہی پاسکتا ہے۔ دوسرا ہرگز نہیں پاسکتا۔ اس کی جب چاہو پرکشا کرسکتے ہو۔

رئیس نے کہا۔ لیجیے میں ابھی پرکشا لیتا ہوں۔ اگر یہ بات سچ نکلی تو میں آپ کا غلام ہوجاؤں گا۔

رئیس نے ایک جوار کا دانا ہاتھ میں لیا اور کہا دیکھیے میں اسے اپنے منہ میں ڈالتا ہوں۔ اگر خدا کی اس پر مہر ہے تو کسی اور کو دے دے۔

یہ کہہ کر اس دانے کو اپنے منہ میں پھینکا، پر دانا منہ میں نہ جاکر زمین پر گر پڑا، اور ایک چڑیا اسے اٹھاکر لے گئی۔

رئیس بھوچکا سا رہ گیا۔ بس آپ بھی یاد رکھیے کہ نہ تو کوئی کسی کو کھلاتا ہے اور نہ کسی کا کھاتا ہے، سب کو کھلانے والا ایشور ہے۔

(۲)

جب ہم دونوں بھائی ذرا بڑے بڑے ہوئے، تو لڑکوں نے ہمیں کھیلانا شروع کیا۔ میں بہت خوبصورت تھا۔ مجھے ایک پنڈت جی کا لڑکا پکڑ لایا۔ میرے بھائی کو ایک ڈفالی کا لڑکا پکڑ لے گیا۔ میں پنڈت جی کے گھر پلنے لگا۔ میرا بھائی ڈفالی کے گھر۔ اسے ذکیہ کہتے تھے اور مجھے کلّو۔

جاڑے کا موسم تھا۔ جب سب لڑکے دھوپ میں جمع ہوجاتے تو ہمیں گود میں لے لیتے اور چومتے۔ کوئی کہتا ہمارا بچہ ہے، کوئی کہتا ہمارا منّا ہے۔ کوئی لڑکا ایک کان پکڑ کر اٹھاتا اور کہتا، دیکھو بھائی چور ہے یا ساہ؟ جب تک کان درد نہ کرتے میں نہ بولتا، بس سب کہنے لگتے پھینکو پھینکو یہ چور ہے۔ مگر جب کان دکھنے سے چلاّ اٹھتا تو سب ساہ ساہ کہہ کر ہنس

پڑتے۔ پر ایہ یہ کھیل دن میں سینکڑوں بار ہوتا۔ کوئی ہمارے اگلے پیروں کو اٹھا کر کہتا، میرا منو تو دو پیروں سے چلتا ہے۔ یوں چلائے جانے سے ہمارے پیر درد کرنے لگتے تھے۔ پر کرتے کیا؟ کبھی کبھی چھوٹے بڑے لڑکے چھوٹے بچوں کو ہماری پیٹھ پر بیٹھا کر کہتے۔ میرا کلّو ہاتھی پر بیٹھا ہے۔ بھلا میں ان لڑکوں کا بوجھ کیا اٹھاتا۔ جب چلانے لگتا تو جان بچتی۔ کوئی کوئی لڑکے تو میرے گلے میں رسّی باندھ کر دوڑاتے۔ بھلا میں ان کے برابر کیسے دوڑتا۔ لیکن وہ اپنی دھن میں مجھے گھسیٹتے ہوئے ہی لے جاتے تھے۔ اس سے سارا بدن دکھنے لگتا تھا۔ مگر مجھ غریب کا وہاں کون مدد گار بیٹھا تھا۔ کبھی کبھی لڑکے مجھے پاس والے گڈھے میں ڈال دیتے اور میری تیراکی کا تماشا دیکھتے۔ جب میں باہر نکلنے کے لیے پانی میں چھٹپٹانے لگتا تو لڑکے ہنس ہنس کر کہتے۔ دیکھو۔ کلو کیسا تیرتا ہے۔ اس سمے میں ڈوبنے ڈوبنے ہوجاتا تھا۔ پاؤں زور زور سے چلاتا ہوا کسی طرح کنارے آجاتا اور مارے ٹھنڈ کے کانپنے لگتا۔ جب دھوپ لگنے سے دیہہ میں کچھ گرمی آتی تو کوئی شیطان لڑکا بول اٹھتا۔ اب کی میری باری ہے۔ سنتے ہی میری جان سی نکل جاتی مگر بھاگ کر جاتا کہاں؟ کوئی پھر پانی میں ڈال دیتا، کیا بتاؤں کہ اس سمے کتنا غصہ آتا۔ بار بار یہی جی میں آتا تھا کہ کوئی ان دشٹوں کو بھی اس طرح ڈبکیاں دیتا تو ان کی آنکھیں کھلتیں۔ ہم دونوں بھائیوں میں سے سکھی تو ایک بھی نہ تھے۔ پر ذکیہ کی دشا میری دشا سے اچھی تھی۔ پنڈت جی کے یہاں مجھے روکھا سوکھا بھوجن ملتا تھا اور وہ بھی بہت کم، اس لیے مجھے دوسرے دواروں کا چکر لگانا پڑتا تھا۔

ڈفالی ماس کا پریمی تھا۔ روزانہ اس کے گھر ماس پکا کرتا تھا۔ اس لیے زکیہ کو کافی بھوجن مل جاتا تھا۔ اسے کسی دوسرے دروازے پر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ کچھ تو بے فکری اور کچھ پوری خوراک ملنے پر وہ دن دن طاقتور اور تندرست بننے لگا۔ میں کبھی کبھی بھوک سے تنگ آکر ڈفالی کے دروازے پہنچ جاتا کہ شاید وہاں کچھ مل جائے۔ سوچتا، آخر ذکیہ بھی اپنا ہی خون ہے۔ اس سے آرزو منّت کروں گا تو ضرور کچھ نہ کچھ دے دے گا۔ پھر اس کا کوئی نقصان بھی تو نہیں ہے۔ میں اس کے کھانے میں حصہ لینا نہیں چاہتا تھا، کیول اس کا جوٹھن چاہتا تھا۔ پر وہ میری پرچھائی دیکھتے ہی غرّا کر مجھ پر ایسا جھپٹتا جیسے میں اس کا دشمن ہوں۔ وہ تھا مجھ سے طاقتور۔ اس لیے میں اس کا سامنا نہ کرسکتا تھا۔ وہ دانتوں سے مجھے خوب کاٹتا اور نیچے گرا کر پنجوں سے کھسوٹتا۔ جب میں زور سے چلانے لگتا اور پونچھ سکوڑ

لیتا، تب کہیں جان بچتی تھی۔ اٹھ کر جیوں ہی بھاگنا چاہتا کہ ڈفالی کہہ اٹھتا۔ پنڈت کا بھگّو کتا وہ بھاگا! وہ بھاگا!! اس پر بہت گلانی ہوتی تھی۔ میں پھر جاکر ذکیہ سے الجھ پڑتا اور اتنی مستعدی سے لڑتا کہ بھوک کا خیال ہی نہ رہتا۔ میری مستعدی دیکھ کر دیکھنے والے کہتے واہ کلو! واہ شاباش!! اس سے طبیعت اور بھڑک جاتی تھی۔ اور بھی زور لگاتا۔ لیکن آخر مجھے بھاگنا ہی پڑتا تھا۔ تب سب تالیاں بجاکر مجھ پر ہنسنے لگتے۔ جوش ٹھنڈا ہونے پر دیکھتا تو لہولہان ہوگیا ہوں۔ مہینوں جاکر کہیں گھاؤ اچھے ہوتے تھے گھاؤ اچھا ہونے پر یہی جی چاہتا کہ چل کر ذکیہ کو پچھاڑ دوں اور پنڈت جی کی بدنامی مٹاؤں مگر اپنی حالت دیکھ کر رہ جاتا۔

ایک دن جان پر کھیل کر ذکیہ سے الجھ پڑا۔ وہ بھی پورے جوش کے ساتھ مجھ سے لڑنے لگا۔ سنیوگ سے پنڈت جی بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان کے پہنچتے ہی اور لوگوں نے کہا۔ کلّو بھگّو کتا ہے۔ کبھی بھی ذکیہ کا سامنا نہیں کرسکتا ہے۔ اس پر میں نے دیکھا کہ پنڈت جی کا چہرا پھیکا پڑگیا ہے۔ تب تو میں نے نشچے کرلیا کہ آج چاہے جان رہے یا جائے، مگر ذکیہ کو ضرور پچھاڑوں گا۔ کچھ ایسے جیوٹ سے لڑا اور ایسے داؤں پینچ کھیلا کہ بھائی ذکیہ کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ دیکھنے والے کہنے لگے کہ بھائی آج تو کلّو نے کمال کردیا۔ ٹھیک ہے مالک کو دیکھ کر سب کی چھاتی بڑھتی ہے۔ ذکیہ ڈفالی کو دیکھ دیکھ کر ہی اسے روز پچھاڑتا تھا۔ آج پنڈت جی کو دیکھ کر کلّو نے نیچا دیکھایا۔ میں نے دیکھا پنڈت جی کا چہرا اس سے کھل اٹھا تھا مانو میں نے ان کی لجّا رکھ لی۔ اب انھوں نے میری خوراک کچھ بڑھادی۔ ادھر ذکیہ پر ڈفالی اور بھی توجہ کرنے لگا۔

ایک دن کی بات ہے کہ ماتا جی ڈفالی کے دروازے پر پہنچ گئیں۔ اس سمے ذکیہ وہاں موجود نہ تھا۔ ڈفالی نے ماتا جی دین دشا دیکھ کر ایک ٹکڑا پھینک دیا۔ جیوں ہی ماتا جی ٹکڑا اٹھانے کو آگے بڑھیں کہ ذکیہ پہنچ گیا، اور ماتا جی پر ٹوٹ پڑا۔ سنیوگ سے وہیں پر میں بھی پہنچ گیا۔ پھر کیا تھا ذکیہ سے جان بچاکر ماتا جی مجھ سے بھڑ گئیں۔ میں تو ان پر وار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن وہ پوری طاقت سے مجھ پر وار کرنے لگیں۔ اس سمے مجھے بڑی ہنسی آتی تھی۔ پیٹ بھی کیا چیز ہے، اس کے لیے لوگ اپنے پرائے کو بھول جاتے ہیں۔ نہیں تو اپنی سگی ماتا اور اپنا سگا بھائی کیوں دشمن ہوجاتے۔ یہ تو ہم جانوروں کی باتیں ہیں۔ منشیوں کی ایشور جانے۔

(۳)

میرے پنڈت جی کے گھر اناج بہت ہوتا تھا۔ گھر کچا تھا۔ لیکن چوہوں نے اپنا اڈّا جما لیا تھا۔ ان کے اُپدریو سے گھر والوں کا ناکوں دم تھا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ چوہے دانی لگا کر ان کا سُرناش کردیا جائے۔ مگر پنڈت جی یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ چوہے گنیش جی کے واہن ہیں۔ انھیں تکلیف نہ دینی چاہیے۔ ان کے کھانے سے کتنا اناج کم ہوجائے گا؟ ان کا وشواس تھا کہ چوہے جتنا غلّہ کا نقصان کرتے ہیں ان کا چوگنا شری گنیش جی کی دیا سے اپج میں بڑھ جاتا ہے اس لیے جب وہ کسی کو چوہے دانی لگاتے دیکھتے تو اسے پچاسوں باتیں کہتے۔

پنڈت جی کی دھاک لوگوں پر خوب بیٹھ گئی۔ جب کہیں دیوتاؤں کی بھکتی کی چرچا ہوتی تو پنڈت جی کا نام پہلے لیا جاتا تھا۔ کیسے سجّن ہیں کہ اتنا نقصان سہنے پر بھی چوہوں کو نہیں مارتے! نہیں تو لوگ آدمی کی جان تک لے لیتے ہیں۔

جب تک چوہے اناج کی لوٹ مچاتے رہے، تب تک تو پنڈت جی اپنی پرتگیہ پر ڈٹے رہے۔ لیکن جب ان کے وار کپڑے لتّے پر بھی ہونے لگے تو ان کے آسن ڈول گئے۔ جاڑوں کے کپڑے کچھ صندوقوں میں رکھے ہوئے تھے، کچھ الگنیوں پر۔ گرمیوں میں کسی نے ان کی پرواہ نہ کی۔ برسات میں جب انھیں دھوپ میں ڈالنے کے لیے نکالا گیا تو سارے کپڑے کٹے پڑے تھے۔ چوہوں نے لکڑی کی صندوق تک کاٹ ڈالی تھی۔ پنڈت جی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ چوہوں نے ایک ایک چیز میں ہزاروں چھید کردیے تھے۔ دو ڈھائی سو روپے پر پانی پھر گیا تھا۔ پھر تو پنڈت جی نے ٹھان لیا کہ جیسے بھی ہوگا، ان چوہوں کا سروناش کرکے ہی چھوڑوں گا۔ اسی دن ایک بلی پالی اور تین چار چوہے دانیاں منگوائیں۔ پھر کیا تھا؟ روزانہ چوہے پھنسنے لگے۔ مجھے بھی ونود کا مسالا مل گیا۔ یوں تو میں سچا ہندو اور پورا برہمن ہوگیا تھا۔ کیونکہ وشیش کر برہمن ہی کا انّ جل کھانا پینا پڑتا تھا۔ ماس پر روچی ہی نہ ہوتی تھی۔ لیکن شکار کھیلنے میں بڑا مزا آتا تھا۔ مزا کیوں نہ آتا یہ تو میری خاندانی بات تھی۔

جب پنڈت جی چوہے دانی کھولتے اس سے کلّو کلّو پکارتے۔ میں کہیں پر بھی ہوتا

تیر کی طرح وہاں پہنچ جاتا تھا۔ اس سمے جو کھلواڑ کرتا تھا وہ دیکھنے ہی کے لائق ہوتا تھا۔ چوہوں کو کھلا کھلا کر جان سے مار ڈالتا تھا پر کھاتا نہ تھا۔

مگر بھائی ذکیہ پکا مسلمان تھا، روز ماس کھاتا۔ وہ بھی اس شکار میں شامل ہوجاتا تھا اور کبھی کبھی ماتا جی بھی پہنچ جاتی تھیں۔ ان دنوں خوب پیٹ بھرنے لگا۔ پھر تو من ہی من ہم لوگوں کو آشیرواد دینے لگیں۔ شاید انھیں پچھلے بچوں کی یاد بھی آنے لگی ہو۔ یدی وہ بھی جیتے ہوتے تو ان کی خوب سیوا کرتے۔ بھائی صاحب کے جی میں آتا تو دو ایک چوہوں کو پیٹ میں رکھ لیتے مگر میں تو بابا کال بھیرو جی کی شپتھ کھا کر کہتا ہوں کہ سونگھتا بھی نہ تھا۔

اس سمے چوہوں کی جان لینے میں ہم لوگوں کو ذرا بھی دیا نہ آتی تھی۔ یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ ان میں بھی جان ہے۔ اب میں سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ بچے جو ہم لوگوں کو اپنے ونود کے لیے کشٹ دیتے تھے، وہ کوئی نردیتا کا کام نہیں کرتے تھے۔ ونود میں ان سب باتوں پر دھیان ہی نہیں دیا جاتا۔ پنڈت جی بہت خوش ہوتے، جب ہم لوگ چند منٹوں میں پچاسوں چوہوں کو سدا کے لیے بے ہوش کردیتے۔ اس سمے پنڈت جی پر مجھے بہت ہنسی آتی تھی۔ اب ان کے گنیش جی کیا ہوئے؟ کیا اب یہ چوہے گنیش جی کے واہن نہیں ہیں؟ کیا اب اس ہتیا سے ناراض ہوکر گنیش بھگوان پنڈت جی کو ڈنڈ نہ دیں گے؟ واہ! کیا سمجھ ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس بات سے لوگوں کو نقصان تو کم ہوتا ہے اور پرتشٹھا بہت بڑھتی ہے، اسے تو لوگ ہنستے ہنستے برداشت کرتے ہیں، لیکن جب ادھک ہانی پہنچتی ہے تو سب پرتگیا ٹوٹ جاتی ہے۔

(۴)

جس گڈھے میں پھینک پھینک کر مجھ سے لڑکے کھیلتے تھے، اسی میں گاؤں کے سبھی چھوٹے بڑے نہاتے دھوتے تھے۔ گڈھا تھا بھی بہت گہرا۔ اسی لیے بارھوں مہینہ پانی بھرا رہتا تھا۔ کچا ہونے پر بھی اس کا پانی سوچچھ تھا۔ پنڈت جی کی استری اپنے چھوٹے بچوں کو روزانہ ساودھان کرتی تھیں کہ خبردار اس گڈھے کی اُور کبھی نہ جانا نہیں تو ڈوب جاؤ گے۔ پر یہ سبھی ماں باپ اپنے بچوں کو ایسی چیتاونی دیتے رہتے، مگر لڑکے کب ماننے لگے۔ ماں

باپ کی نظریں بچا کر گڈھے پر پہنچ جاتے اور طرح طرح کے کھیل کھیلتے۔ کوئی پانی میں کنکل پھینکتا، کوئی مینڈکوں پر نشانا لگاتا، کچھ سیانے لڑکے پانی میں کود جاتے اور تیرنے کا ابھیاس کرتے۔

ہونہار کو کون روک سکتا ہے۔ گاؤں کے کچھ لڑکے گڈھے میں تیر رہے تھے۔ پنڈت جی کا چھوٹا لڑکا بھی پہنچ گیا۔ پہلے تو وہ کنارے پر ہی کھیلتا رہا، مگر اس کے جی میں آیا کہ ذرا میں بھی تیروں۔ آگے بڑھا ہی تھا کہ پاؤں پھسل گیا اور ڈوبنے لگا۔ سب لڑکے گھبرا کر چلّانے لگے۔ لڑکا ڈوبا! مگر کسی کو نکالنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اگر کوئی سیانا ہوتا تو کچھ کوشش بھی کرتا۔ یوں تو ڈوبتے ہوئے کو نکالنے میں بھی ڈرتے ہیں۔ ڈوبنے والا بچانے والے کو اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ دونوں ڈوبنے لگتے ہیں۔ اس کام کے لیے بہت ہوشیار آدمی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی بات وہاں بھی ہوئی۔ پنڈت جی کا بڑا لڑکا سنیوگ سے نہانے آرہا تھا۔ بھائی کو ڈوبتے دیکھا تو تُرنت کود پڑا۔ پر چھوٹے لڑکے نے بڑے لڑکے کو اس پرکار پکڑ لیا کہ دونوں ڈوبنے لگے۔ پھر تو لڑکوں نے اور بھی شور مچایا اور بات کی بات میں گاؤں بھر میں شور مچ گیا۔ رامو اور شیامو دونوں ڈوب رہے ہیں۔ چلو نکالو، نہیں ایک بھی نہ بچے گا۔ چند ہی منٹوں میں گڈھے پر مرد اور عورتوں کی بھیڑ لگ گئی۔ پر کودنے میں سب پس و پیش کر رہے تھے۔ اتنے میں میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ ساری باتیں چٹ سمجھ میں آگئیں۔ تُرنت پانی میں تیر کی طرح گھوسا۔ اس سمے دونوں ڈوب چکے تھے۔ صرف ذرا ذرا بال دکھائی پڑ رہے تھے۔ میں نے دانتوں سے ان کے بال پکڑ لیے اور پلک مارے ہی کنارے پر کھینچ لایا۔ لوگ میرا یہ ساہس دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پنڈت جی اس سمے کسی کام سے باہر گئے تھے۔ سنیوگ سے وہ بھی اسی سمے آگئے اور آدمیوں کی بھیڑ دیکھ باہر ہی باہر وہاں پہنچ گئے۔ چھن بھر میں انھیں سب باتیں گیات ہوگئیں۔ پھر تو انھوں نے مجھے اٹھا کر چھاتی سے لگالیا۔ پنڈت جی کے آنے کے پہلے ہی لوگوں نے لڑکوں کے پیٹ سے پانی باہر کردیا تھا۔ وہ سوستھ ہوگئے تھے۔ اب تو گاؤں بھر میں میری خوب تعریف ہونے لگی۔ یہ کتا پورو جنم کا کوئی دیوتا ہے۔ کسی بات سے چوکا اور کتے کا جنم پا گیا۔ کوئی کہتا نہیں اس پر بھیروناتھ کی سواری ہے۔ دیوتاؤں کی اچھا ہی تو ہے جس پر ریجھ جائیں۔ اس دن سے پنڈت جی مجھے اپنی جان سے بھی ادھک پیار کرنے لگے۔ اب مجھے پیٹ کے لیے کسی دوسرے کے دروازے پر نہیں

جانا پڑتا تھا۔

اس سے ذکیہ بھی وہاں موجود تھا۔ اس کی مورکھتا تو دیکھیے، جس سے لڑکوں کو نکال کر میں باہر آرہا تھا، وہ بڑے کرکش سور میں ہاؤں ہاؤں چلاّ رہا تھا۔ اس پر کچھ لوگوں نے اسے ڈھیلے مار کر بھگا دیا۔ ٹھیک ہی تھا، کہاں تو گھبرائے ہوئے لوگ لڑکوں کی جان بچانے کی کوشش کررہے تھے، کہاں یہ ویرتھ چلاّ رہا تھا۔ ڈفالی اس کی یہ حرکت دیکھ کر چڑھ گیا۔ چڑھتا کیوں نہ؟ اس کو تو یہ امید تھی کہ میرا کتا کبھی نام کرے گا، اس نے اسے کھلانے پلانے میں کوئی کسر نہ رکھی تھی۔ مگر وہاں پر سب کے منہ سے ذکیہ کے لیے دُر دُر نکل رہا تھا۔ اسی دن سے نہ جانے کیوں وہ مجھ سے وشیش پریم کرنے لگا۔ جہاں دیکھتا اٹھالیتا اور گھٹنوں تک میری گردن سہلاتا۔ اس پر اسے میں دھنیواد دینا چاہتا تھا۔ پرسوا پونچھ ہلانے کے اور کیا کرسکتا تھا۔ اب اس کی آنکھ ذکیہ کی اُور سے دھیرے دھیرے پھرنے لگی تھی۔ میں اپنے بھائی سے بیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ذکیہ میری جان کا دشمن ہوگیا۔ جہاں دیکھتا مجھ سے بھڑ جاتا۔ مضبوط تھا ہی مجھے ہار ماننی پڑتی۔

(۵)

اب پنڈت جی جو کچھ لاتے، اس میں اپنے لڑکوں کی طرح میرا بھی حصہ لگاتے۔ میں بھی ہر وقت پنڈت جی کے ساتھ ہی ساتھ رہتا تھا۔ وہ کسی کام سے باہر جاتے، تو مجھے بہت دکھ ہوتا۔ جب لوٹ کر آجاتے، تو پونچھ ہلا ہلاکر ناچنے لگتا۔ اس سے شاید وہ بھی کھل اٹھتے، کیونکہ ان کے چہرے پر پرسنتا کی ایک گہری جھلک دکھائی پڑتی تھی۔

ایک دن پنڈت جی کے مٹر کی کھیت میں ایک گڈریے کی بھیڑیں پڑ گئیں۔ پنڈت جی نے دیکھا، تو اسے ڈانٹ دیا۔ کئی دنوں کے بعد گڈریے نے پھر وہی شرارت کی۔ اب کی پنڈت جی نے ڈانٹ پھٹکار کے بعد دو تین تھپڑ بھی جمادیے۔ میں نے سمجھا کہ گڈریا اب ایسی بھول نہ کرے گا، مگر دو تین دن کے بعد اس نے پھر اپنی بھیڑیں پنڈت جی کے کھیت میں ڈال دیں۔ اس دن پنڈت جی کو بہت غصہ آیا۔ انھوں نے اسے زمین پر پٹک کر لاتوں اور گھونسوں سے خوب مارا۔ میں نے بھی غصہ میں آکر اسے خوب کاٹا، نوچا۔

اس دن تو گڑریا چلا گیا۔ دوسرے دن سے وہ میری کھوج میں رہنے لگا۔ مجھے پنڈت جی کے ساتھ دیکھتا، تو ہونٹ چبا کر رہ جاتا۔ میں بھی تاڑ گیا تھا کہ یہ مجھے اکیلا پاتے ہی اوشیہ وار کرے گا، اسی لیے میں پنڈت جی کا ساتھ کبھی بھول کر بھی نہیں چھوڑتا تھا۔

اب گڑریے کی بھیڑ پنڈت جی کے کھیت میں کبھی نہ پڑتی تھی۔ گڑریا اب بدلہ لینے پر تلا ہوا تھا۔

ایک دن کی بات سنو۔ پنڈت جی کی ایکھ کی کھیتی بہت اچھی تھی۔ گاؤں والے اکثر کہا کرتے تھے کہ اس سال پنڈت جی سب سے بازی مار لے جائیں گے۔ گڑریے نے کہا، اس کھیت میں آگ لگا دو ساری کسر نکل جائے گی۔ آدھی رات کے سمے کھیت پر پہونچ ہی تو گیا۔ بچّا یہ نہیں جانتے تھے کہ یہاں پر بھی میرا ہی پہرا رہتا تھا۔ جیوں ہی آگ کی چنگاری ایکھ میں پھینک کر بھاگنے کا وچار کیا کہ میں نے جھپٹ کر اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ وہ اچکا کر گر پڑا۔ کیوں نہ گر پڑتا، چوروں کا کلیجہ ہی کتنا! بچا نے بھاگنے کی بہت کوشش کی، مگر ایک نہ چلی۔ خیریت یہ تھی کہ کھیت گاؤں سے تھوڑی ہی دور پر تھا۔ یکا یک جوالہ اٹھی تھی، تو گاؤں والے چٹ پٹ پہنچ گئے۔ مجھے گڑریے کا پیر پکڑے دیکھ کر لوگ سمجھ گئے کہ یہ اسی کی بدمعاشی ہے۔ جو آتا، گڑریے کی پوجا کر کے تب آگ بجھانے جاتا اس بدمعاش کی ایسی مرمت ہوئی کہ مرنے مرنے ہوگیا۔ اتنے پر بھی لوگوں کو سنتوش نہ ہوا، صلاح ہوئی کہ اسے تھانے لے چلو، مگر پنڈت جی نے اسے یوں ہی چھوڑ دیا۔ لوگوں سے کہا۔ جب تک ایشور نہ بگاڑے گا، آدمی کچھ نہیں کرسکتا، مثل ہے۔

'جا کو راکھیں سائیاں مار نہ سکی ہے کوئے'۔

گاؤں والوں کو پنڈت جی کے اس ویوہار پر بڑا آشچریہ ہوا۔ کیونکہ ایسی دشا میں اسے پورا ڈنڈ دلائے بنا کوئی نہ چھوڑتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ یدی سب ایکھ جل گئی ہوتی اور گڑریا پکڑ لیا جاتا، تو پنڈت جی جیتا نہ چھوڑتے، مگر یہاں تو دیالوتا کا سکّہ جمانا تھا۔ کیوں نہ چھما کر جاتے۔ نہیں تو کہلانے کو تو پنڈت جی برہمن تھے، پر دروازے پر بھک منگوں کو بھیک نہیں ملتی تھی۔

اس دن سے پنڈت جی مجھ سے اور پریم کرنے لگے۔ سارے گاؤں پر میری دھاک بندھ گئی، لیکن وہ نرپشاچ اسی فکر میں رہتا تھا کہ کب اس کا انت کردوں۔ رات دن

میری ہی کھوج میں رہتا، مگر ایشور کی دیا سے میرا بال بھی بانکا نہ کرسکا۔

آخر اسے ایک ترکیب سوجھ گئی۔ وہ ذکیہ کو خوب کھلانے پلانے لگا۔ اس سمئے ڈفالی نے ذکیہ کو اپنے گھر سے پرایہہ نکال ہی دیا تھا۔ کبھی کبھی دوسرے کتوں کی طرح اسے بھی کور دے دیتا تھا۔ بات یہ تھی کہ ایک دن ایک پولیس کا آدمی اس ڈفالی کے دروازے پر رات کو گشت کرنے آیا تھا۔ اس سمے ذکیہ نے اسے کاٹ کھایا تھا۔ پولیس کے آدمی نے ڈفالی کو بہت تنگ کیا تھا، تبھی سے اسے ذکیہ سے گھرنا ہوگئی تھی۔ اس کی تو ایسی اچھا ہوگئی تھی کہ ذکیہ دروازے پر بھی نہ رہے، مگر بہت دنوں کی محبت کے سبب سے اسے کچھ نہ کچھ دینا ہی پڑتا تھا۔

ذکیہ طاقتور تو بہت تھا، مگر اسے بھلے برے کا گیان نہ تھا، جبھی چاہتا بے سرا راگ چھیڑ دیتا۔ کبھی کبھی دیو مندروں میں ہڈّیاں رکھ آتا تھا۔ اس سے گاؤں والے بھی چڑھ گئے تھے، گن اس میں یہ تھا کہ وہ مضبوط بہت تھا۔ کیا مجال کہ کوئی دوسرے گاؤں کا کتا آجائے۔ گیدڑوں کی تو اسے دیکھتے ہی نانی مرجاتی تھی۔ ہرن اور نیل گائیں جو پہلے کھیتوں کو تہس نہس کردیتی تھیں، اب گاؤں میں آنے کا نام نہ لیتیں۔ ایک بندر نے گاؤں میں بڑا اُتپات مچا رکھا تھا۔ بچوں کے ہاتھ سے روٹی چھین لیتا۔ عورتوں کو راستے میں روک لیتا، اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا، وہ لیے بنا پنڈ نہ چھوڑتا۔ لوگوں کی راہ چلنی مشکل ہوگئی تھی۔ گاؤں بھر کی کھپریل الٹ دی تھی۔ ذکیہ نے اسے ایسا جھنجھوٹا کہ بچّا نے پھر صورت ہی نہ دکھائی۔

ہاں، تو گڑریے نے ذکیہ کو اسی ارادہ سے کھلانا پلانا شروع کیا کہ مجھ سے بدلہ لے، مگر ذکیہ بھی چھٹا ہوا تھا۔ جو ہمیشہ ماس اور مچھلی کا عادی تھا۔ وہ روکھے سوکھے ستو پر کیسے ٹک سکتا تھا۔ گڑریے کی آنکھ بچاکر بھیڑوں پر ہاتھ صاف کرتا اس پر ایک دن گڑریے نے اسے باندھ کر خوب پیٹا۔ تب سے وہ اس کے یہاں سے بھاگ گیا۔ اب وہ کسی کا نہیں تھا کہلاتا تو تھا ڈفالی والا کتا، مگر ڈفالی سے اس کا کچھ بھی سمبندھ نہ تھا۔

اب گڑریے نے نشچئے کیا کہ جیسے بھی ہوگا، مجھے جان سے مار ڈالے گا۔ ایک دن اس کمبخت نے جان پر کھیل کر وار کر ہی تو دیا۔ بات یہ تھی کہ پنڈت جی مندر میں پوجا کر رہے تھے اور میں نیچے بیٹھا جھپکی لے رہا تھا۔ پنڈت جی آنکھ موندکر شری شیو جی کا دھیان کر رہے تھے۔ پوری طاقت کے ساتھ ایک لاٹھی جما ہی تو دی۔ لاٹھی ایسی گھات سے لگی کہ میرے منہ

سے ایک چیخ نکل گئی۔ پھر مجھے کوئی خبر نہ تھی کہ میں کہاں ہوں۔ جب ہوش آیا، تو اپنے کو جانوروں کے اسپتال میں پایا۔ کچھ دنوں میں اچھا ہوکر اسپتال سے چلا آیا، مگر میری کمر بہت کمزور ہوگئی تھی۔ جب جب پوروی ہوا چلتی، جان ہی نکل جاتی تھی۔ پیچھے پنڈت جی سے پتا لگا وہ میری اس چیخ کو سن کر پوجا چھوڑ باہر نکل آئے۔ دیکھا کہ گڑریا دوسرا وار کرنا چاہتا ہے۔ جھٹ دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور اس کی لاٹھی سے اسے خوب پیٹا۔ تب اس کا چالان کرا کے چھ مہینے کی سزا کروا دی۔ پھر تو جیل میں اس کی جو درگتی یا سوگتی ہوئی ہوگی اس کا انوبھو تو وہی کرے گا، جو کبھی جیل گیا ہوگا۔ یہ سب باتیں پنڈت جی اپنے متروں سے کہتے تھے، تو میں سنتا تھا۔اس سمے سے پنڈت جی پر مجھے بہت ہی گرو رہنے لگا۔ میرا وشواس تھا کہ پنڈت جی کے رہتے ہوئے مجھے کسی پرکار کا کشٹ نہ ہوگا۔ کبھی میں پچھتاتا کہ آدمی کیوں نہ ہوا۔

میری ماتا جی کی دشا دن بدن خراب ہوتی جارہی تھی۔ بھوک، چنتا، مار، ان سب کارنوں نے مل کر انھیں پاگل بنادیا۔ ایک کھنڈہر میں اکیلی پڑی رہتیں۔ میں ایک بار انھیں دیکھنے گیا تھا۔ مجھ پر اتنی تیزی سے جھپٹیں کہ میں بھاگ نہ جاؤں تو مجھے ضرور کاٹ کھائیں۔ ادھر سے لوگوں نے آنا بند کردیا۔ سنجوگ کی بات، گڑریا اسی دن سزا بھگت کر نکلا تھا۔ یکایک اسی دن راستے میں ماتا جی مل گئیں اور اس کے بہت بچانے پر بھی کاٹ کھایا ان کے دانتوں میں اتنا وش تھا کہ دو تین دنوں میں ہی گڑریا مر گیا۔ کسی کی مریتو پر خوش ہونا، چاہے وہ اپنا کٹر شترو ہی کیوں نہ ہو، بری بات ہے، مگر میں اچھلنے لگا۔ گڑریے کے مرنے سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اب میرا کوئی بیری نہ تھا۔

مگر اس خوشی نے مجھے جتنا ہنسایا، اتنا ہی اس خبر نے رلایا بھی کہ اس کے دو ہی تین دن بعد پولیس نے ماتا جی کو گولی مار دی۔ میں کئی دن تک دکھی رہا۔ بھلا سنسار میں ایسا کون ہوگا، جسے ماتا کے مرنے کا مارمک شوک نہ ہو!

اب ذکیہ کے سوا کوئی میرا سگا نہ رہ گیا تھا۔ اس سمے کبھی کبھی میں سوچتا، دیکھیں ہم دونوں کا انت کیسے ہوتا ہے۔ یدیپی اس سمے میں کھانے پینے سے سکھی تھا اور ذکیہ دکھی، مگر سنتوش اتنا ہی تھا کہ کہنے کو بھائی تو ہے۔ کبھی اس کے بھی دن پھریں گے! پہلے اس نے سکھ بھوگے، میں نے دکھ جھیلے۔ اب میں سکھ بھوگ رہا ہوں، اور وہ دکھ۔ کسی کے دن برابر نہیں جاتے۔

جب کبھی ذکیہ پنڈت جی کے دروازے پر آتا، تو میں کبھی چڑھتا نہ تھا۔ وہ تو ڈرتا تھا کہ کہیں یہ بدلہ نہ لے، مگر میں وہاں سے ٹل جاتا کہ وہ نشچنت ہوکر کھالے۔ کبھی کبھی مجھے ادھک بھوجن مل جاتا، تو میں منہ میں رکھ کر ذکیہ کے پاس پہنچادیتا۔ دکھاو میں پرسن رہتا، مگر دل میں مجھ سے برابر جلا کرتا۔

(۶)

اندھیری رات تھی، پنڈت جی کے گھر کے سبھی لوگ کہیں رشتہ داری میں گئے تھے۔ گھر پر میں اور پنڈت جی ہی تھے۔ پنڈت جی تو خراٹے کی نیند لے رہے تھے، مگر مجھے نیند کہاں۔ بار بار گھر کا چکّر لگاتا رہا۔ چوروں نے سمجھا، آج سناٹا ہے۔ گھر کے نوکر کو ملاکر سب بھید لے لیا تھا۔ میں آہٹ پاکر پچھواڑے گیا، تو دیکھا کہ ایک دروازہ اور کھلا ہے اور کچھ آدمی وہاں کھڑے ہوکر چوکنّی آنکھوں سے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے دھیرے دھیرے باتیں کر رہے ہیں۔ میں ان کی باتیں نہ سن سکتا تھا، کیونکہ وہاں سے دور تھا۔ تھوڑی دیر میں دیکھا، تو کوئی بھیتر سے تھالی لوٹا، صندوق وغیرہ نکال کر باہر کے آدمیوں کو دے رہا ہے۔ اب سب باتیں میری سمجھ میں آگئی۔ میں بڑے زوروں سے بھونکنے لگا۔ اس پر چوروں نے مجھ پر ڈھیلے پھینکنے شروع کیے، مگر مجھے ان ڈھیلوں کی چنتا نہ تھی۔ سوامی کا گھر لوٹا جارہا ہے، بھلا یہ کیسے دیکھا جاتا! دوڑا ہوا برامدے میں پنڈت جی کے پاس گیا اور ان کی چادر دانتوں سے کھینچنے لگا۔ اس پر انھوں نے غصہ ہوکر مجھے دو تین لاتیں جماہی تو دیں، پر میں باز نہ آیا۔ پھر چادر کھینچی اور زور زور سے بھونکنے لگا۔ بارے پنڈت جی کی نیند کھل گئی۔ اب ان کو کس طرح سمجھاؤں کہ تمھارا گھر لوٹا جارہا ہے۔ بار بار پچھواڑے جاتا، اور ان کے سامنے آ آکر زوروں سے بھونکنے لگتا۔ اس سے میری یہ منشا تھی کہ پنڈت جی پچھواڑے چل کر دیکھیں کہ ان کا گھر لوٹا جارہا ہے اور اس کو بچانے کا پریتن کریں۔ میری چستی سے چوروں کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ سامان لے کر بھاگ نکلے۔ میں راستہ روکے ہوئے تھا۔ دوسرے سویرا ہونے میں تھوڑی ہی کسر تھی۔ اس لیے سب مال اسباب اسی پاس والے گڑھے میں ڈبوتے جاتے تھے۔ ان کی منشا شاید یہی تھی کہ دوسری رات میں سب مال اسباب اٹھا لے جائیں گے۔ بھلا گڑھے کے

اندر کون ڈھونڈنے جاتا ہے!

مجھے بار بار غصہ آتا تھا کہ پنڈت جی کی بدھی پر آج پتھر کیوں پڑ گیا ہے؟ وہ میرے اشارے کیوں نہیں سمجھ رہے ہیں۔ سنتوش یہی تھا کہ مال ابھی باہر نہیں گیا تھا۔ آخر مجھے ایک اپائے سوجھ گیا۔ پلنگ کے نیچے پنڈت جی کی لاٹھی پڑی ہوئی تھی۔ اسے میں نے منہ میں اٹھالیا اور پچھواڑے کی طرف بڑھا۔ اب پنڈت جی میرا اشارہ سمجھ گئے۔ تُرنت لاٹھی لے کر پچھواڑے پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ چور سارا مال اسباب اڑائے لیے جارہا ہے۔ بری طرح گھبرا اٹھے! ان کے منہ سے کیوہ اتنا نکلا۔۔ چور! چور!!

چور کا نام سنتے ہی پکڑو ! پکڑو! آپہنچے، آپہنچے، کی آوازیں چاروں اور سے آنے لگی۔ دم بھر میں گاؤں کے سب لوگ اکٹھا ہوگئے، مگر چوروں کا پتا نہیں تھا۔

اب یہ فکر ہوئی چور کیا کیا لے گئے۔ پنڈت جی کے تو ہوش و حواس ہی ٹھکانے نہ تھے۔ ہوش آنے پر پنڈت جی نے گھر کے اندر جا کر دیکھا، تو سب کچھ غائب تھا۔ سر پر بجلی سی گر پڑی۔ لوگوں نے انھیں سمھالا اور سمجھانے لگے۔ بھیا اتنا چھوٹا جی مت کرو۔ روپیا پیسا ہاتھ کا میل ہے اس کے جانے کی کیا چنتا۔ لیکن پنڈت جی برابر ہائے ہائے کرتے جاتے تھے۔ میرے اُور کوئی تاکتا بھی نہ تھا۔ میں دوڑ دوڑ کر گڑھے کے پاس جاتا اور زوروں سے بھونکتا۔ پھر آتا اور پنڈت جی کے پیروں پر منہ رکھ کر ہلاتا، پر پنڈت جی پیر کھینچ لیتے تھے۔ پیر کھینچ لینا تو کوئی بات نہ تھی، وہ غصے میں آکر لاتیں بھی جمادیتے تھے۔ مگر میں اپنا کام برابر کیے جاتا تھا۔ کب تک کوئی اس اشارے کو نہ سمجھے گا؟

سبھی طرح کے لوگ تھے۔ کچھ لوگ پنڈت جی کو تسلی دے رہے تھے، تو کچھ لوگوں کو ہنسی اڑانے کی سوجھ رہی تھی۔ کہہ رہے تھے، اسی سے کہا گیا ہے کہ اپنی کمائی میں سے کچھ نہ کچھ دان اوشئے کرنا چاہیے۔ جو لوگ سب کچھ اپنے آپ ہضم کرنا چاہتے ہیں، ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ پٹواری نے صلاح دی۔ پنڈت جی پولیس کو اطلاع کردیجیے۔ شاید کچھ پتا لگ جائے۔ چودھری بولے۔ اجی، پولیس کا ڈھکوسلا بہت برا ہوتا ہے وہ بھی آکر کچھ نہ کچھ چوستے ہی ہیں۔ میں نے تو اتنی عمر میں سینکڑوں بار اطلاعیں کی، مگر چوری گئی ہوئی چیز کبھی نہ ملی۔

پنڈت جی نے دل کڑا کر اتر دیا۔ ہاں چودھری، تم ٹھیک کہتے ہو۔ تقدیر سے اٹھی

ہوئی چیز پھر کہاں ملتی ہے۔ ادھر تو یہ باتیں ہو رہی تھیں، ادھر میرا کام جاری تھا۔ کچھ لوگ میری حرکت دیکھ کر کہنے لگے۔ دیکھو پنڈت جی کے ساتھ ہی ساتھ کتا بھی گھبرا گیا ہے۔ پنڈت جی سمجھدار ہونے کے کارن شانت ہیں، مگر یہ بے سمجھ کتا بوکھلا اٹھا ہے۔ یہ باتیں سن کر مجھے ان پر ہنسی آتی تھی۔ بے سمجھ یہ سب ہیں کہ میں گھنٹوں سے اشارہ کر رہا ہوں، پر کسی کی سمجھ میں بات نہیں آتی۔ پھر بھی اپنے کو سمجھدار کہتے ہیں؟ کیا کہوں، کہیں میں بھی آدمی ہوتا تو دکھادیتا۔

یکا یک مجھے ایک اپائے سوجھ گیا۔ میں بھیڑ کو چیرتا ہوا پانی میں کود پڑا اور ایک دم نیچے گھس کر تہہ تک پہنچ گیا۔ سنیوگ سے ایک کٹوری منہ میں آگئی۔ اسے لے کر باہر نکلا، تو میری بات سب کی سمجھ میں آگئی۔ پھر کیا تھا، کئی آدمی پانی میں کود پڑے، اور تھوڑی دیر میں سب سامان مل گیا۔ پنڈت جی اتنے خوش ہوئے کہ مجھے بار بار اٹھا اٹھا کر چھاتی سے لگانے لگے۔ سب یہی کہتے تھے کہ کتے میں ایسی سمجھ بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔ ضرور یہ پُوروجنم میں کوئی وِدوان رہا ہوگا۔ کسی پاپ کا پرائشچت کرنے کے لیے اس یونی میں آیا ہے۔ ایک مہاشئے بولے۔۔ پرانے زمانے میں جانور آدمیوں کی طرح باتیں کرتے تھے، اور آدمیوں کی باتیں سمجھ بھی جاتے تھے۔

اس پر چودھری بولے۔ بالکل ستیہ کہتے ہو بھائی! رامائن میں لکھا ہے۔ ایک کتے نے شری رام چندر جی سے اپنی کہانی کہی تھی۔ ایک دن شری رام چندر جی کا دربار لگا ہوا تھا، چھوٹے بڑے، امیر غریب سب جی کھول کر اپنا اپنا حال سنا رہے تھے، کہ اتنے میں ایک کتا بھی آپہنچا اور ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑا ہوگیا۔

شری رام چندر جی نے پوچھا۔ تو کیا کہنا چاہتا ہے؟

کتے نے کہا۔ بھگوان! آج میرے جیون کا انتم دن ہے۔ اس لیے اُچت سمجھتا ہوں کہ آپ کے سمکھ آپ کی پرجا کو اپنے انوبھو کی کچھ باتیں سمجھا دوں، جس سے وہ اپنے جیون میں بہت سی برائیوں سے بچ جائیں۔

کتے کی یہ گیان سے بھری باتیں سن کر سب لوگ چکت ہوگیے۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔

شری رام چندر جی بولے۔ تمھارا یہ وچار سراہنے یوگیہ ہے، اگر سبھی لوگ اس طرح

کے گیانپدیش کیا کریں تو منش کا اس سے بڑا اپکار ہوسکتا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کیسے جانا کہ تم آج ہی مرجاؤ گے؟

کتے نے اتر دیا۔ مہاراج! یہ تو میں نہیں بتلانا چاہتا تھا، لیکن آپ نے پوچھا ہے تو مجھے بتلانا ہی پڑے گا۔ میرا وشواس ہے کہ جو جیسا کرتا ہے، ویسا ہی پھل بھوگتا ہے۔ آپ کرپا کر گُن نامک برہمن کے لڑکے کو بلاکر پوچھیے کہ اس نے آج مجھے نرپرادھ کیوں لاٹھی سے مارا؟ اب حکم ہو تو میں بیٹھ جاؤں، اور بیٹھ کر باتیں کروں، کیونکہ میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور اب میں کھڑا نہیں رہ سکتا، چوٹ ایسی گہری پڑی ہے کہ جان پڑتا ہے، آج ہی میرا انت ہو جائے گا۔

تھوڑی دیر میں سپاہیوں نے اپرادھی کو لاکر کھڑا کردیا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تم نے کتے کو کیوں مارا، تو اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا دین بندھو، میں اپنی راہ چلا جا رہا تھا۔ بیچ راستے میں یہ کتا بیٹھا تھا۔ میں نے اسے ہٹنے کے لیے کئی بار کہا، مگر یہ ہٹا نہیں۔ اس پر مجھے غصہ آیا اور میں نے ایک لاٹھی تان کر جمادی۔

شری رام چندر جی نے پوچھا۔ اگر یہ کتا راستے میں بیٹھا تھا، تو تم کنارے سے کیوں نہیں نکل گئے؟

گن۔ بھگوان، مجھ سے یہ بھول ہوئی۔

شری رام چند جی۔ اور غصہ بھی آیا، تو اتنے زور سے کیوں مارا کہ کمر ٹوٹ گئی؟

گن۔ مہاراج، میں اپنا اپرادھ سویکار کرتا ہوں۔ پربھو جی جو دنڈ اُچِت سمجھیں، دیں۔

شری رام چندر جی نے کتے سے پوچھا۔ تو اسے کیا دنڈ دینا چاہتا ہے؟

کتے نے جواب دیا۔ نیائے جو دنڈ دلائے، وہ دیا جائے۔

شری رام۔ ہم اس کا فیصلہ تمھارے ہی اوپر چھوڑتے ہیں۔

کتا۔ تو اسے ہاتھی پر بٹھا کر گھر بھیج دیا جائے اور نگر کے راج مندر کا مہنت بنا دیا جائے۔

یہ سن کر سب لوگ اچنبھے میں آگئے۔ یہ دنڈ ہے یا پرسکار! شری رام چندر بھی یہ رہسیہ نہ سمجھ سکے۔ پوچھا یہ کیا بات ہے کہ جس نے تمھارے ساتھ ایسا ویوہار کیا، اسے تم یہ

پرُسکار دے رہے ہو؟

کتا۔ بھگوان اسے پرُسکار نہ سمجھیے۔ یہ بھیانک دنڈ ہے۔ یہ برہمن بالک اچھے آچرن کا ہوتا، تو دیوتا ہوجاتا، مگر مہنت ہونے پر یہ کتا ہوگا۔

شری رام۔ یہ کیوں؟

کتا۔۔ یہ تو مجھ پر بیت چکی ہے۔ وہی کتھا کہنے کے لیے تو میں آپ کی سیوا میں آیا ہوں۔ اس کے پہلے میرا جنم بھی برہمن کل میں ہوا تھا۔ میرے پتا بھی ایک مندر کے مہنت تھے، جس دن کوئی دھنی مانی آدمی مندر میں آنے والا ہوتا، اس دن تو ٹھاکر جی خوب سجائے جاتے، مگر جس دن کوئی آنے والا نہ ہوتا، اس دن مندر کا دروازہ بھی نہ کھلتا۔ ایک دن ایسا ہی کوئی رئیس ٹھاکر جی کے درشن کو آیا تھا۔ پتا جی نے طرح طرح کی مٹھائیاں بنواکر ٹھاکر جی کو بھوگ لگایا تھا۔ جب وہ گھر آئے تو میں رو رہا تھا۔ ماتا جی دودھ اور چاول گرم کررہی تھیں۔ پتا جی کو دیکھتے ہی میں مچل گیا کہ انھیں کے ہاتھوں دودھ بھات کھاؤں گا۔ پتا جی مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ مجھے تُرنت گود میں اٹھا لیا اور کھلانے لگے اس سمے وہ ٹھاکر جی کی پوجا کرکے آئے تھے، اس لیے ان کے نہوں میں گھی لگا ہوا تھا۔ گرم دودھ سے پگھل کر گھی اس میں مل گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ذرا سی گھی مل جانے کے کارن مجھے اتنا کٹھور دنڈ ملے گا۔ میں نے وید پڑھا اور پڑھایا، یگیہ کرائے اور بڑی نشٹھا سے اپنے دھرم کا پالن کرتا رہا مگر جب یمراج کے پاس پہنچا، تو انھوں نے کہا ایک تو یہ پاکھنڈی مہنت کا لڑکا ہے، دوسرے اس نے اس کا کمایا ہوا انیہ کھایا ہے، تیسرے ٹھاکر جی کے چڑھائے ہوئے گھی کو جوٹھا کردیا اس لیے اسے کتے کی یونی میں بھیجا جائے۔ میں بہت رویا، مگر کسی نے میری نہ سنی۔ میں وہی کتا ہوں۔ اب آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ میں نے دنڈ دیا ہے یا پرسکار۔

اتنا کہہ کر کتا بے ہوش ہوگیا۔ اور ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا۔

سویرا ہورہا تھا، سب لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی، کتے کی وہ کتھا سن کر مجھے اپنی دشا پر بہت دکھ ہوا۔ ایک سمے وہ تھا کہ پشوؤں کے ساتھ بھی نیائے کیا جتا تھا۔ ایک سمے یہ ہے کہ پشوؤں کی جان کا کوئی مؤلیہ ہی نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ سنتوش بھی ہوا کہ پشو ہونے پر بھی میں ایسے دھورت مہنتوں سے تو اچھا ہی ہوں۔

پنڈت جی اس دن سے مجھ سے اور ادھیک اسنیہہ کرنے لگے کسی سے بھینٹ ہوتی تو میری ہی چرچا کرنے لگتے۔ یہ کتا نہیں، میرے پروجنم کی سنتان ہے۔

(۷)

انھیں دنوں گاؤں میں کئی جنگلی سؤر آ گئے۔ ان کے اتپات سے سارے گاؤں میں ہاہاکار مچ اٹھا۔ جس کھیت میں گھس جاتے اسے برباد ہی کر کے چھوڑتے۔ کس میں اتنی ہمت تھی کہ ان کا سامنا کرتا۔ شام ہی سے راستہ بند ہو جاتا تھا۔ میرے جی میں تو یہ امنگ آتی تھی کہ ایک بار جان پر کھیل کر ان دشٹوں پر جھپٹ پڑوں، پر میری کمر ابھی تک اچھی نہ ہوئی تھی۔ میں بھلا ان بھینکر جنتوں سے کیا بھڑتا؟ لاچار تھا۔ ہاں، ذکیہ خوب موٹا تازہ تھا، وہ ہمت کرتا، تو اکادھ کو مار ہی چھوڑتا، پر وہ ایک کایر تھا۔ سوروں کی صورت دیکھتے ہی کوسوں بھاگتا اور جب سمجھ جاتا کہ یہاں تک سور نہ آ سکیں گے، تو گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتا۔ سب سے بڑا کھید تو یہ تھا کہ گاؤں میں سیکڑوں آدمی ہیں، پر کسی میں اتنا ساہس نہیں کہ انھیں للکاریں۔ کتوں کو مارنے میں تو سبھی شیر تھے، پر سؤروں کے سامنے سب کے سب بلی بنے ہوئے تھے۔

آخر ایک دن لوگوں نے تھانے میں جا کر فریاد کی۔ تھانے کا سب سے بڑا افسر اچھا شکاری تھا۔ اسے یہ خبر ملی، تو ایک دن کئی کتے لے کر گاؤں میں آ پہنچا۔ گاؤں کے سب آدمی تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ پنڈت جی بھی مجھے اپنے ساتھ لے کر چلے۔ ان کا لڑکا بھی چلنے کو تیار ہوا، پر پنڈت جی نے اسے ساتھ لے چلنا منظور نہ کیا۔ بولے، وہاں کیا مٹھائی

بٹ رہی ہے کہ جا کر لے لو گے؟ کہیں سوروں کے سامنے آگئے، تو پران نہ بچیں گے۔ میں تو گاؤں کا مکھیا ٹھہرا۔ مجبور ہوں، تم جان بوجھ کر کیوں اپنی جان جوکھم میں ڈالتے ہو! یہ باتیں سن کر لڑکا سہم اٹھا، اور ساتھ چلنے کا نام نہ لیا۔

جب میں صاحب کے سمیپ پہنچا، تو پہلے پہل میری نگاہ ان کتوں پر پڑی، جو صاحب کے ساتھ آئے ہوئے تھے۔

وہ سب ایک گاڑی پر بیٹھے ہوئے تھے، جسے لوگ موٹر کہتے تھے۔ اپنے ان بھاگیہ وان بھائیوں کو دیکھ میں گرو سے پھول اٹھا، میری جاتی میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اتنے بڑے افسر کے ساتھ موٹر میں بیٹھتے ہیں! سب کے سب کتنے صاف ستھرے تھے! نہیں تو یہاں ورشوں سے نہانے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ بالوں میں ہزاروں کلنیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں تو اپنے بھائیوں کو دیکھ کر آنند سے پھولا نہ سماتا تھا، اور مورکھ ذکیہ انھیں دیکھ دیکھ کر ایسا ہاؤں ہاؤں کر رہا تھا، مانو اس کے لیے اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ گاؤں کے لوگ برابر منع کرتے، ڈانٹتے، پتھر مارتے، پر وہ کسی طرح چپ نہ ہوتا تھا۔ معلوم نہیں، اس کے من میں کیا بات تھی۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں سمجھتا تھا کہ یہ لوگوں کا اہت کرنے نہیں آئے ہیں۔ نہیں تو کیا گاؤں والے مار نہ بھگاتے۔ اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ اس کی مورکھتا تھی۔ میں نے اپنی جاتی میں یہ بہت بڑا عیب دیکھا ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسا کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، گویا اس کا جانی دشمن ہو۔ کبھی کبھی اپنے اجڈ بھائیوں کو دیکھ کر مجھے کرودھ آجاتا ہے، پر میں ضبط کر لیتا ہوں۔ میں نے اور پشوؤں کو دیکھا ہے کہ آپس میں ملتے ہیں، ایک ساتھ سوتے ہیں، کوئی چوں تک نہیں کرتا۔ میری جاتی میں یہ برائی کہاں سے آگئی، کچھ سمجھ میں آتا۔ انومان سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ برائی ہم نے آدمیوں سے ہی سیکھی ہے۔ آدمیوں میں ہی یہ دستور ہے کہ بھائی بھائی سے لڑتا ہے، باپ بیٹے سے، بھائی بہن سے۔ بھائی ایک دوسرے کی گردن تک کاٹ ڈالتے ہیں، بیٹا باپ کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے، دوست دوست کا گلا کاٹتا ہے، نوکر مالک کو دھوکا دیتا ہے۔ ہم تو آدمیوں کے ہی سیوک ہیں، انھیں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی اگر یہ برائی ہم میں آگئی تو اچرج کی کون بات ہے؟ کم سے کم ہم میں اتنا گن ہے کہ اپنے سوامی کے لیے پران تک دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ جہاں اس کا پسینہ گرے، وہاں اپنا خون تک بہا دیتے ہیں۔ آدمیوں میں تو اتنا بھی نہیں۔ آخر

یہ صاحب کے کتے بھی تو کتے ہی ہیں! وہ کیوں نہیں بھونکتے؟ کیوں اتنے سہمے اور گمبھیر ہیں۔ اس کا کارن یہی ہے کہ جن کے ساتھ وہ رہتے ہیں ان میں اتنا پھوٹ اور بھید نہیں ہے۔ مجھے تو وہ سب دیوتاؤں سے لگتے تھے۔ ان کے مکھ پر کتنی پرتبھا تھی، کتنی شرافت تھی!

صاحب بہادر اپنے کتوں کو لے کر وہاں پہنچے، جہاں سور کا اڈّہ تھا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے سیٹی بجائی اور سبھی کتے چوکنے ہوگئے۔ ان کی آنکھیں چمکنے لگیں، نتھنے پھڑکنے لگے، چھاتیاں پھول اٹھیں، مانو سب کے سب صاحب کا اشارہ پانے کے لیے ادھیر ہو رہے تھے۔ ان کا اتساہ اب ان کے روکے نہ رکتا تھا۔

سوروں نے بھی شاید سمجھ لیا کہ آج کشل نہیں۔ ایک بھی باہر نہ نکلا۔ اب گاؤں والوں نے ایکھ کے کھیتوں میں گھس گھس کر شور مچانا شروع کیا، تو ایک سور باہر نکلا۔ یہ جمگھٹ دیکھ کر وہ کچھ گھبرا گیا۔ شاید دیکھ رہا تھا کہ کسی طرف سے بھاگ نکلنے کا موقع ہے یا نہیں۔ یکایک صاحب کے کتے اس پر ٹوٹ ہی پڑے، دیکھتے دیکھتے سور کا کام تمام ہوگیا، ان کی یہ بہادری دیکھ کر لوگ واہ واہ کرنے لگے۔ میرے منہ سے بھی نکل گیا۔ شاباش بھائیوں! سچے مرد تمھیں ہو۔

اب میرے دل میں بھی امنگ اٹھی۔ سوچا ایک نہ ایک دن مرنا تو ہے ہی۔ آج کچھ کر دکھانا ہے۔ آپس میں لڑکر یا آدمیوں کے ڈنڈے کھاکر مرجانے میں کون بہادری ہے۔ میدان میں مرجاؤں گا تو نام تو رہ جائے گا۔ ان کتوں کو بھی معلوم ہوجائے کہ اس گاؤں میں کوئی ویر ہے۔ اتنے میں ایک دوسرا سور سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ ولائتی کتے دوڑے۔ ساتھ ہی میں بھی چلا۔ وہ سب چاہتے تھے کہ پہلے ہم شکار تک پہنچے، میں چاہتا تھا، میں پہنچوں۔ ہم سبھی جی توڑ کر دوڑے، اور کچھ سنجوگ ہوا کہ سور پر پہلا وار میرا ہی ہوا، اور سب کتے پیچھے رہ گئے۔ اگر سور ڈٹ کر کھڑا ہوجاتا، تو شاید مجھے بھاگنا ہی پڑتا، مگر وہ ہم لوگوں کو دیکھ کر کچھ ایسا گھبرایا کہ سیدھا بھاگا۔ پھر کیا تھا، ہم نے اسے پیچھے سے نوچنا شروع کردیا۔ سب کے سب کچھ اس طرح چمٹے کہ اسے مار کر ہی چھوڑا۔ اب تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ مجھ میں بھی جیوٹ ہے۔ صاحب تو اتنے خوش ہوئے کہ انھوں نے مجھے بلاکر میرا سر تھپتھپایا۔ پنڈت جی بھی صاحب کے پاس ہی کھڑے تھے۔ میرا سمّان دیکھ کر کھل اٹھے۔

صاحب نے پوچھا۔ ویل، یہ کس کا کتّا ہے؟

پنڈت جی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ حضور، یہ میرے ہی یہاں رہتا ہے۔

صاحب۔ آپ کا کتا بڑا بہادر ہے۔

پنڈت جی نے کہا۔ سرکار کا اقبال ہے۔

بات پوری بھی نہ نکلنے پائی تھی کہ یکایک تیسرا سور نکلا، اور صاحب پر جھپٹا۔ صاحب کے ہاتھ پیر پھول گئے، یدی ایک چھن کی اور دیر ہوجاتی تو سور انھیں ضرور مار ڈالتا۔ ان کے ہاتھ میں بندوق تھی، پر وہ ایسے گھبراگئے تھے کہ اسے چلا نہ سکتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ معاملہ نازک ہے، اور سکتے دور تھے، میں وہاں اکیلا ہی کھڑا تھا۔ سور سے بھڑنا جان جوکھم تھا، پر صاحب کی پران رکشا کرنا ضروری تھا۔ میں نے پیچھے سے لپک کر سور کی ٹانگ پکڑ لی۔ اس کا پیچھا پھرنا تھا کہ صاحب سنبھل گئے اور بندوق چلائی۔ سور تو گر پڑا، لیکن مجھے بری طرح گھائل کر گیا۔ گھنٹوں ہوش نہ رہا کہ کہاں ہوں۔ جب ہوش آیا، تو دیکھا کہ میں روئی کے گدّے پر لیٹا ہوا ہوں اور دو تین آدمی میرے گھاؤ کو دھو رہے ہیں۔

(۸)

صاحب کے بنگلے پر مجھے ایسی ایسی چیزیں کھانے کو ملنے لگیں، جن کا خیال مجھے سوپن میں بھی نہ تھا۔ پہلے کبھی کبھی سوبھاگیہ سے کوئی ہڈی مل جاتی تھی، پر اب دونوں وقت تازہ ماس کھانے کو ملتا ہے۔ کبھی کبھی دودھ بھی مل جاتا ہے۔ خانساماں روز صابن لگاکر نہلاتا۔ پہلے تو مجھے صابن کا نام بھی نہیں معلوم تھا، کیونکہ پنڈت جی کے یہاں صابن لگانے کا رواج نہ تھا، لیکن جب صاحب نوکر سے کہتے، کلّو کو سوپ سے نہلاؤ، تو وہ کوئی ٹکیا سی چیز لے کر میرے گولے بدن پر رگڑتا۔ اس وقت میرے بدن سے سفید پھین نکلنے لگتا۔ ٹھیک ویسا ہی، جیسا دودھ کا پھین ہوتا ہے۔ اس پھین سے ایسی خوشبو نکلتی تھی کہ جی خوش ہوجاتا تھا۔ صاحب شام کے وقت مجھے موٹر پر بٹھاکر ہوا کھلانے لے جاتے۔ میم صاحب بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ اس وقت ان کی بات تو میری سمجھ میں نہ آتی، لیکن بار بار کلّو کا نام سن کر سمجھ جاتا کہ میری ہی چرچا ہورہی ہے۔ میم صاحب کبھی کبھی مجھے گود میں اٹھالیتیں اور میرا منہ چومتیں۔ اس سے مجھے کتنا آنند ملتا تھا، کہہ نہیں سکتا۔ میں بھی پونچھ ہلاتا اور ان کی گردن سے لپٹ جاتا۔ اگر وہ میری بولی سمجھ سکتیں، تو انھیں معلوم ہوجاتا کہ ہم لوگ پیار کا جواب دینے میں آدمی

سے کم نہیں ہیں۔

کچھ دنوں تک مجھے پنڈت جی کی یاد برابر ستاتی رہی، لیکن دھیرے دھیرے ساری پچھلی باتیں بھول گئیں۔ سکھ میں دکھ کی باتیں کسے یاد رہتی ہیں!

ایک دن شام کے وقت ہم لوگ سیر کرنے جارہے تھے، تو کیا دیکھتا ہوں کہ بے چارے پنڈت جی چلے آرہے ہیں۔ پنڈت جی کو دیکھتے ہی مجھے پچھلے دن یاد آگئے، موٹر سے کود پڑا اور ان کے پیر پر منہ رکھ کر پونچھ ہلانے لگا۔ پنڈت جی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، تو میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں ہیں۔ ان کے منہ پر دھول جمی ہوئی تھی، ہونٹھ سوکھ گئے تھے اور پیروں پر منوں گرد جمی ہوئی تھی۔ کپڑے تو اتنے میلے ہوگئے تھے کہ صاحب کا مہتر بھی نہ پہنتا۔ مجھے ان پر بڑی دیا آرہی تھی۔

صاحب نے پوچھا۔ ویل پنڈت، ہے تو اچھی طرح؟

پنڈت۔ سرکار کی دیا ہے۔

صاحب۔ کیا کام ہے؟

پنڈت۔ حضور، اپنے کلّو کا دیکھنے آیا ہوں۔ سرکار، کیا کہوں، جب سے یہ چلا آیا ہے، میرے اُدن آگئے۔ ایک چھن کے لیے بھی اس کی سدھ نہیں بھولتی۔ اس کی جگہ خالی دیکھ کر رویا کرتا ہوں۔ سرکار، یہ میرے گھر کا رکشک تھا۔ مجھ پر دیا کیجیے۔

صاحب۔ تو کیا چاہتا ہے۔

پنڈت۔ یہی چاہتا ہوں کہ سرکار کلّو کی بھیک مجھے دے دیں۔ پرماتما آپ کا کلیان کرے گا۔ اس کے بنا میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔

صاحب۔ او پنڈت، تم بڑا مکّر کرتا ہے، ہم یہ کتا تم کو نہیں دے سکتا۔ اس کے بدلے میں میرا کوئی ولایتی کتا لے جاؤ۔

میں اس سے بڑے دبدھے میں تھا۔ پنڈت جی کا پریم دیکھ کر اچھا ہوتی تھی کہ انھیں کے ساتھ چلوں، پر یہاں کے سکھوں کی یاد کر کے جی ہچک جاتا تھا۔

صاحب نے نہیں کردی، تو پنڈت جی نراش ہوکر بولے.......جیسی سرکار کی مرضی۔ جب کلّو ہی نہیں ہے تو ولائتی کتا لے کر میں کیا کروں گا۔

یہ کہہ کر پنڈت جی رو پڑے۔ اس سے میں نے نشچے کیا کہ یہاں رہتے ہوئے بھی

میں پنڈت جی کے گھر کی رکشا کرنے کے لیے روز چلا جایا کروں گا۔ یہاں کتوں کی کیا کمی۔

صاحب نے کہا۔ ہم جانتا ہے کہ تم اس کتے کو بہت پیار کرتا ہے۔ اور ہم تم کو دے دیتا۔ لیکن ہم بہت جلد اپنے دیش جانے والا ہے۔ ہم اس کتے کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ تم اس کا جو دام مانگو، وہ ہم دے سکتا ہے۔

پنڈت جی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ صاحب کو سلام کیا اور لوٹ پڑے۔ ایکا یک انھیں کوئی بات یاد آگئی۔ لوٹ کر بولے۔ سرکار، ولایت سے کب تک لوٹیں گے؟

صاحب۔ ٹھیک نہیں کہہ سکتا، مگر جب ہم آئے گا، تو تم کو اطلاع دے گا۔

اگر صاحب نے میرے ولایت جانے کی بات نہ کہی ہوتی، تو پنڈت جی کے ساتھ ضرور چلا جاتا۔ ان کا دکھ مجھ سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ پنڈت جی نے ایک بار مجھے پریم بھری آنکھوں سے دیکھا اور چلے۔ اب مجھ سے نہ رہا گیا۔ میم صاحب کے پریم، ولایت کی سیر، اچھا اچھا بھوجن، سب میری آنکھوں میں تچھ جان پڑے۔ من نے کہا..... تو کتنا بے وفا ہے، جس نے تجھے بچپن سے پالا، برہمن ہوکر بھی جس نے تجھے گود میں کھلایا، جس نے کبھی ڈانٹ تک نہیں بتائی، اسے تو کیول بھوگ ولاس کے پیچھے چھوڑ رہا ہے؟ پھر مجھے کچھ سدھ نہ رہی۔ میں برامدے سے کود کر پنڈت جی کے پیچھے چل پڑا، مگر بیس قدم بھی نہ گیا ہوں گا کہ خانساماں نے آکر مجھے پکڑ لیا اور میرے گلے میں زنجیر ڈال دی۔ اس سے مجھے اتنا کرودھ آیا کہ میں خانساماں کو کاٹنے لپکا، لیکن گلے میں زنجیر پڑی تھی، کیا کر سکتا تھا۔ پنڈت جی کی اور لاچاری کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ پنڈت جی بھی بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ اس دن میں نے بھوجن نہ کیا۔ بار بار پنڈت جی کی یاد آتی رہی۔

(۹)

یہاں کچھ دن اور رہنے کے بعد صاحب اپنی میم کے ساتھ اپنے دیش چلے۔ مجھے

بھی ساتھ لے لیا۔ راستے میں کیا کیا دیکھا؟ کہاں کہاں ٹھہرا؟ کیسے کیسے آدمیوں سے بھینٹ ہوئی؟ یہ سب باتیں کہنے لگوں تو بڑی دیر ہوگی۔ لگ بھگ ایک مہینے تک جہاز پر رہا۔ یہ لکڑی کا ایک بڑا اونچا مکان تھا۔ جو پانی پر تیرتا چلا جاتا تھا۔ پہلے جب جہاز پر سوار ہوا، تو مجھے بہت ڈر لگا۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی، اوپر نیلا آکاش دکھائی دیتا تھا، نیچے نیلا پانی۔ اور اس میں یہ لکڑی کا گھر بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے آکاش میں کوئی پتنگیں اڑاتا جاتا ہو۔ کئی دنوں کے بعد ہم ایک ایسے دیش میں پہنچے، جہاں کے آدمی لمبے لمبے کرتے پہنے ہوئے تھے اور عورتیں سر سے پاؤں تک ایک اجلے غلاف میں لپٹی چلی جاتیں تھیں۔ کیول آنکھوں کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ مجھے تو اپنے ہی گاؤں کی عورتوں کے لمبے گھونگٹ دیکھ کر ہنسی آتی تھی۔ ان کا یہ پہناوا دیکھ کر تو مجھے گھرنا سی ہوگئی۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ اپنا شریر کیوں چھپائے رہتی ہیں۔ جہاز پر بیٹھے ہوئے مجھے بار بار ذکیہ کی یاد آنے لگی۔ کہیں وہ بھی میرے ساتھ ہوتا تو کتنے آرام سے کٹتی۔ نہ جانے اس بیچارے پر کیا بیت رہی ہوگی۔ مگر اچھا ہی ہوا کہ وہ میرے ساتھ نہ تھا۔ کیونکہ یہاں اس سے ایک چھن بھی نہ بیٹھا جاتا۔ جہاز پر ہمارے گاؤں کی طرف کا ایک آدمی بھی نہ دکھائی دیتا تھا۔ سب کے سب ہمارے صاحب ہی کی طرح تھے۔ گاؤں میں بدھو پاسی جب کبھی شراب پی کر آتا، تو کوئی اسے پاس نہ بیٹھنے دیتا۔ یہاں جس کو دیکھتا تھا، وہی بوتل سے شراب انڈیل کر پیتا دیکھائی دیتا تھا۔

ایک دن کی بات سنیے، رات کا سمے تھا، میں فرش پر لیٹا ہوا تھا کہ ایکا یک مجھے ایسا معلوم ہوا، کمرے میں کوئی گارہا ہے۔ وہاں کوئی آدمی نہ تھا۔ میں چونک کر اٹھ بیٹھا، اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پر کوئی دکھائی نہ دیا۔ اب مجھ سے چپ نہ رہا گیا۔ زور زور سے بھونکنے لگا۔ میم اور صاحب دونوں میرا بھونکنا سن کر جاگ پڑے اور مجھے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگے۔ انھیں دیکھ کر میری شنکا دور ہوئی۔ لیکن اب بھی میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ کون گا رہا تھا۔

اسی طرح ایک دن دوسری گھٹنا ہوگئی۔ جب شام ہوتی تھی، سب کمروں میں آپ ہی آپ روشنی ہوجاتی تھی۔ دیوار میں ایک گول سی ڈبیا بنی ہوئی تھی، اس ڈبیا میں ایک پیتل کی گھنڈی تھی۔ کبھی صاحب اور کبھی میم اس گھنڈی کو چھودیتے تھے۔ بس کمرا جگمگا اٹھتا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑا اچنبھا ہوتا۔ میں سوچتا کیا میں بھی گھنڈی چھو دوں تو اسی طرح روشنی ہو جائے

گی۔ اگر کہیں روشنی کر سکوں تو سب لوگ کتنے خوش ہوں گے۔ میں گھنڈی تک پہنچوں کیسے۔ وہ بہت اونچائی پر تھی۔ آخر ایک دن میں نے اس کو چھونے کی ایک حکمت نکالی۔ میں دونوں پیروں سے ایک کرسی کو گھسیٹ کر دیوار کے پاس لے گیا۔ اور کرسی کی دونوں بانہوں پر کھڑا ہو کر ایک پاؤں سے اس گھنڈی کو چھوا، چھونا تھا کہ ایسا معلوم ہوا میرے پاؤں میں آگ کی چنگاری لگ گئی، اور ساری دیہہ میں دوڑ گئی۔ میں کرسی سے نیچے گر پڑا اور چلاّتا ہوا بھاگا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ذرا چت شانت ہوا، تو میں سوچنے لگا کہ اس گھنڈی میں ضرور کوئی نہ کوئی جادو ہے۔ صاحب یا میم چھوئیں گے تو انھیں بھی ایسی ہی چوٹ لگے گی۔ میں نے نشچے کیا انھیں کسی طرح نہ چھونے دوں گا۔ جب اندھیرا ہو گیا اور صاحب گھنڈی کی طرف چلے تو میں ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے ہٹا کر گھنڈی کے پاس بار بار جاتے تھے۔ اور میں بار بار ان کا راستہ روک لیتا تھا۔

آخر صاحب نے مجھے پکڑ کر باندھ دیا، اور گھنٹی دبا دی۔ کمرے میں اجالا ہو گیا۔ انھیں ذرا بھی چوٹ نہ لگی۔

کئی دنوں کے بعد ایک دن بادل گھر آئے اور آندھی چلنے لگی۔ ذرا دیر میں سارا آکاش لال ہو گیا اور آندھی کا زور اتنا بڑھا کہ سمندر کی لہریں بانسوں اچھلنے لگیں۔ ہمارا جہاز لہروں پر اس طرح تلے اوپر ہو رہا تھا جیسے کوئی شرابی آدمی لڑکھڑاتا ہوا چلتا ہے۔ جیسے شرابی کبھی گرتے گرتے ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جہاز کبھی کبھی اس طرح کروٹ لیتا تھا کہ شک ہوتا تھا کہ اب الٹ جائے گا۔ سبھی آدمی گھبرائے ہوئے ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ بجلی اتنی زور سے تڑپتی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے سر پر آ گئی۔ بڑا بھینکر دریشیہ تھا۔ ایسی آندھی میرے جیون میں ایک بار آئی تھی۔ سینکڑوں مکان گرنے سے ہزاروں جانور مر گئے تھے۔ جہاں تہاں ہزاروں اکھڑے ہوئے پیڑ ملتے تھے۔ پر سمندری آندھی اس آندھی سے کہیں پرچنڈ تھی۔ اب تک تو جہاز میں اجالا تھا، سہسا سب دیپک بجھ گئے۔ اور چاروں اور اندھکار چھا گیا۔ دن تھا پر ساون بھادوں کی اندھیری رات کے سمان۔

چاروں اور گھبراہٹ تھی۔ کوئی ایشور سے پرارتھنا کر رہا تھا۔ استریاں اپنے بالکوں کو چھاتی سے لگائے دبکی سمٹی کھڑی تھیں۔ مجھے اس اندھیرے میں ان کی دشا صاف نظر آتی تھی۔ اوشیہ ہی کوئی بھاری سنکٹ آنے والا تھا۔

ایکا یک جہاز کسی چیز سے ٹکرایا اور بھینکر شبد ہوا۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ نیچے بیٹھا جا رہا ہے۔ میرے صاحب اور میم دونوں ایک دوسرے سے مل کر رو رہے تھے۔ اب میں سمجھ گیا کہ جہاز ڈوبا جارہا ہے۔ یہ سب آدمی ذرا دیر میں سمندر کے نیچے پہنچ جائیں گے۔ سمندر جہاز کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے گا۔ شاید وہ جہاز کی گستاخی کا بدلا دے رہا ہے۔ جہاز کے کان ہوتے تو میں کہتا...... تم اپنی وجے پر کتنا گھمنڈ کر رہے تھے۔ کیسا گھمنڈ ٹوٹ گیا! اپنے ساتھ اتنے آدمیوں کو لے ڈوبے۔ اپنے صاحب اور میم کے لیے میرا کلیجا پھٹا جارہا تھا۔ کیسے انھیں بچاؤں۔ اگر دونوں جنوں کو اپنی پیٹھ پر بیٹھا سکتا تو بیٹھا کر سمندر میں کود پڑتا۔ کہیں تو جا ہی پہنچتا۔ کیا اس پہاڑ کا، جس نے جہاز کا گھمنڈ توڑا تھا ہمیں آشرے نہ ملے گا؟ لیکن کیا میں ان دونوں کو پکڑ کر اٹھا نہ سکتا تھا؟ میں اپنے سوامی کو ڈھارس دینا چاہتا تھا۔ ان کے پاس جاکر کوں کوں کرتا پونچھ ہلاتا، پر اس گھبراہٹ میں ان لوگوں کی سمجھ میں میری بات نہ آتی تھی۔

پرتی لحہ جہاز نیچے چلا جا رہا تھا۔ استریوں اور بچوں کی آرتت دھونی سن سن کر میرے دل کے ٹکڑے ہوئے جاتے تھے۔ پانی اتنے شور سے گر رہا تھا، مانو سمندر آکاش پر چڑھ کر وہاں سے جہاز پر گولے برسا رہا ہے۔ ایشور! یہ کیا؟ جہاز سمندر کے اندر چلا گیا، اور میں پانی میں بہا جارہا تھا۔ میرے صاحب اور میم کا کہیں پتا نہیں۔ کوئی کہیں بہا جاتا تھا۔ کوئی کہیں۔ میں کتنی دور بہا چلا گیا کہہ نہیں سکتا۔ صاحب اور میم کو یاد کر کے مجھے رونا آرہا تھا۔ سوچتا، مجھے اس وقت بھی وہ مل جاتے تو انھیں بچانے کی کوشش کرتا۔

بارے بھگوان نے میری بنتی سن لی۔ بجلی چمکی تو میں نے دیکھا کہ ایک مرد اور عورت ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ایک طرف بہے جارہے ہیں۔ میں زور مارکر ان کے سمیپ جا پہنچا۔ دیکھا تو وہ میرے صاحب اور میم تھے۔ اس وقت میرے بدن میں نہ معلوم کتنا بل آگیا، میں تو کبھی بلوان نہ تھا۔ میں نے صاحب کا ہاتھ منہ میں لے لیا اور ہوا کے رخ پر چلا۔ دل میں ٹھان لیا کہ جب تک دم رہے گا انھیں نہ چھوڑوں گا۔ صاحب اور میم دونوں بے ہوش تھے۔ مگر جان باقی تھی ان کی دیہہ گرم تھی۔ ایشور سے مناتا تھا کہ کسی طرح دن نکلے، نہ جانے کتنی بڑی رات تھی۔ اس گھور اندھکار میں کیا پتا چلتا۔ لہروں پر میں یوں تھپیڑے کھاتا جیسے آندھی میں کوئی بتی۔ کبھی تو بہت نیچے، کبھی اوپر کبھی، ایک ریلے میں دس ہاتھ آگے تو دوسرے ریلے میں پچاسوں گز پیچھے۔ بھلا اس طوفان کے مقابلے میں میں کیا

کرتا، میری بساط ہی کیا! جس پر اس چھوٹی سی دیہہ ہے جان کا کہیں پتا نہیں۔ مجھے خود بھے ہورہا تھا کہ کہیں ڈوب نہ جاؤں۔

وہ رات پہاڑ ہوگئی۔ ایسا جان پڑتا تھا کہ سورج بھی مارے ڈر کے کہیں منہ چھپائے پڑا ہے۔ دیہہ اتنی بے دم ہوتی جاتی تھی کہ جان پڑتا تھا کہ پران نہ بچیں گے، اگر صاحب اور میم کا خیال نہ ہوتا تو میں اپنے کو لہروں کی دیا پر چھوڑ دیتا اور لہریں ایک منٹ میں مجھے نگل جاتیں۔ سب سے زیادہ بھے جل جنتوؤں کا تھا۔ پران مانو آنکھوں میں تھے۔ لحہ لحہ پر معلوم ہوتا تھا، اب مرے۔

کہہ نہیں سکتا یہ دشا کتنی دیر رہی۔ کم سے کم چار پانچ گھنٹے ضرور رہی ہوگی۔ بارے ہوا کا زور کچھ کم ہونے لگا۔ لہروں کے تھپیڑے بھی کچھ کم ہوئے اور کچھ کچھ پرکاش ہونے لگا۔ میری ہمت بندھ گئی۔ آکاش پر بادل بھی کچھ ہٹنے لگے تھے۔ کچھ دور پر بھیڑوں کا جھنڈ دکھائی دیا۔ ضرور کوئی ٹاپو ہے۔ میرا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ میں انھیں بھیڑوں کی اور چلا۔ اب میں نے دیکھا کہ صاحب اور میم ایک ریشمی چادر سے بندھے ہوئے ہیں۔ اسی سے وہ اب تک لپٹے ہوئے تھے۔ یکا یک مجھے ایک چھوٹی سی ناؤ دکھائی دی۔ اس پر دو تین بھیانک کالے جنگلی صورت والے آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا رنگ کوئلے کی طرح کالا تھا۔ منہ لال رنگ سے رنگے ہوئے تھے۔ ان کے سر پر پتیوں کے اونچے ٹوپ تھے۔ وہ کیول چمڑے کے جانگھیے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے پاس ایک ایک بھالا تھا۔ میں انھیں دیکھ کر ڈر گیا اور اس وقت بھی بھونک اٹھا۔ ہم لوگوں کو دیکھتے ہی وہ ہماری طرف چلے اور ہم تینوں کو اپنی ڈونگی پر بیٹھا لیا۔ میں مارے ڈر کے سوکھا جاتا تھا، پر کرتا کیا؟ اگر ڈونگی پر نہ بیٹھتا تو گھنٹے آدھ گھنٹے میں ڈوب کر مرجاتا۔ کیونکہ اب میرے ہاتھ پاؤں میں طاقت نہ تھی۔ ناؤ کے ایک کونے میں کھڑا ہوکر تھر تھر کانپنے لگا۔ پھر بھی پونچھ ہلاتا جاتا تھا کہ وہ سب مجھے بھالوں سے مار نہ ڈالیں۔ ایسے کالے بھینکر آدمی میں نے کہیں نہ دیکھے تھے۔ ان لوگوں نے ہمیں ڈونگوں پر بیٹھا کر ان پیڑوں کے جھنڈ کی طرف ناؤ چلائی۔ ضرور وہاں آدمی رہتے ہوں گے۔ کوئی گھنٹے بھر میں ڈونگی وہاں پہنچ گئی۔ سمندر کے کنارے ایک اونچا پہاڑ تھا۔ اس کے اوپر کے پیڑ نظر آتے تھے۔ پہاڑ کے نیچے ایک جگہ ناؤ رکی، انھوں نے اسے ایک پیڑ سے باندھ دیا اور صاحب اور میم کو اتار کر زمین پر لے گئے۔ انھیں دیکھتے ہی ویسے ہی صورتوں کی کئی عورتیں نکل آئیں،

اور سبھوں نے خوش ہوکر چلّانا شروع کیا۔ پھر صاحب اور میم کو اٹھایا اور گاؤں میں چلے، کچھ اونچائی پر چڑھ کر کئی جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہیں ان کا گاؤں تھا۔ ہم جیوں ہی وہاں پہنچے سینکڑوں آدمیوں نے مجھے گھیر لیا اور میم اور صاحب کے کندھے پکڑ کر ہلانے لگے۔ کوئی ان کی ناک دباتا تھا اور کوئی ان کی چھاتی پر سوار ہوکر گھٹنوں سے کچلتا تھا۔ میں ڈر کے مارے دبکا کھڑا تھا آواز نکالنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ کہیں یہ سب صاحب اور میم کو مار تو نہیں رہے ہیں، مگر کوئی آدھ گھنٹے کے ہلانے ڈلانے کے بعد دونوں آدمی ہوش میں آئے۔ ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ ہاتھ پاؤں ہلنے لگے۔ پر ابھی اٹھ نہ سکتے تھے۔ اب میں اپنی خوشی کو نہ دبا سکا۔ ان کے پاس آکر دھیرے دھیرے بھونکنے لگا۔ ان کالے آدمیوں نے اب ناچنا گانا شروع کیا۔ معلوم نہیں کیوں اتنے خوش تھے؟ ان کا ناچ بھی کتنا بھدا تھا۔ ان کی اچھل کود دیکھ کر مجھے بڑی ہنسی آتی تھی۔

لیکن میں بہت دیر تک خوش نہ رہ سکا۔ جیوں ہی صاحب اور میم باتیں کرنے لگے، ان کالے آدمیوں نے انھیں ایک کوٹھری میں قید کردیا۔ قید ہی کرنا تھا تو سمندر میں کیوں نہ ڈوب جانے دیا؟ رات میں ہم تینوں نے دانے کی صورت تک نہ دیکھی تھی۔ بھوک کے مارے پیٹ کاؤں کاؤں کررہا تھا۔ بے چارے میم اور صاحب کا بھی یہی حال ہوگا۔ یہ سب ان کو کھانے پینے کو دیں گے یا اس کال کوٹھری میں بند کرکے مار ڈالیں گے؟ میرے لیے تو وہاں بھاجن کی کمی نہ تھی۔ ادھر ادھر ماس کی بوٹیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہڈیوں کا تو ڈھیر لگا ہوا تھا۔ یہ جنگلی آدمی ماس ہی کھاتے تھے۔ میں نے وہاں کہیں کھیت نہیں دیکھے۔ ایک پیڑ کے نیچے ماس کا ایک ٹکڑا دیکھ کر جی للچایا کہ کھالوں۔ پھر یہ خیال آیا کہ صاحب اور میم بھی کے بھوکے پڑے ہوں گے۔ اور میں اپنا پیٹ بھروں یہ نیچتا کی بات ہے۔

دھیرے دھیرے دن بیتنے لگا۔ یہاں بہت گرمی نہ تھی۔ صاحب لوگ جہاں قید تھے اسی جھونپڑیوں کے سامنے میں ایک پیڑ کے نیچے بیٹھا دیکھتا رہا کہ یہ لوگ انھیں کیسے نکالنا چاہتے ہیں۔ کچھ کھانے کو دیتے ہیں یا نہیں۔ دوپہر ہوا، شام ہوگئی، مگر جھونپڑی ایک بار بھی نہ کھلی۔ دو آدمی برابر جھونپڑی کے دروازے پر بیٹھے رہے، جیسے پہرا دے رہے ہوں۔ دھیرے دھیرے رات گذرنے لگی، مگر قید خانہ نہ کھلا۔ اب میں نے من میں ٹھان لیا کہ چاہے جیسے ہو، ایک بار اس جھونپڑی میں ضرور جاؤں گا۔ سبھی جھونپڑیوں میں ماس رکھا تھا۔

میں چپکے سے ایک جھونپڑی میں گھس گیا اور ماس کا ایک بڑا سا ٹکڑا اٹھا لیا۔ یہ لوگ ماس چولھے پر پتیلی میں نہ پکاتے تھے۔ آگ پر بھون لیتے تھے۔ میں نے ایک بڑی سی بھونی ہوئی ٹانگ لی اور باہر لا کر پتیوں میں چھپا دیا اور سوچنے لگا، صاحب کی جھونپڑی میں کیسے جاؤں؟ وہ دونوں یمدوت ابھی تک وہیں بیٹھے ہیں۔ جب تک یہ ہٹ نہ جائیں یا سو نہ جائیں میرا جانا مشکل تھا۔ پھر دوار کیسے کھولوں گا؟ اس کے منہ پر ایک بڑا سا پتھر بھی تو کھڑا رکھا تھا۔ میں اس پتھر کو کیسے ہٹا سکوں گا۔

اس چنتا میں بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ ساری دیہہ چور چور ہو رہی تھی۔ بار بار آنکھیں جھپکی جاتی تھیں۔ پر ایک شنٹ (لمحہ) ہی میں چونک پڑتا تھا۔ اس طرح کوئی آدھی رات بیت گئی۔ گیدڑوں نے دوسرے پہر کی ہانک لگائی۔ میں دھیرے سے اور دبے پاؤں جھونپڑی کے دوار پر آیا۔ دونوں یمدوت وہیں زمین پر پڑے تھے۔ ان کی ناکیں زور زور سے بج رہی تھیں۔ کوئی دور سے سنتا تو جان پڑتا دو بلیاں لڑ رہی ہیں۔ میں جان پر کھیل کر اس پتھر کو کھسکانے لگا۔ پوری چٹان تھی۔ کتنا ہی زور پنجوں میں لگاتا، پر وہ جگہ سے ہلتی تک نہ تھی۔ ادھر ڈر بھی لگا ہوا تھا کہ ذرا بھی کھٹکا ہوا تو یہ دونوں جاگ پڑیں گے اور شاید مجھے جیتا نہ چھوڑیں۔ میں سوچنے لگا آخر اتنی بڑی اور بھاری چٹان یہ دونوں کیسے ہٹا لیتے ہیں۔ اب تک میں اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب مجھے یہ سوجھی کہ چٹان کو لمبان میں ڈھکیل دوں۔ شاید کھسک جائے۔ جیوں ہی میں نے بھر پور زور لگایا، چٹان ذرا سی آگے کو کھسک گئی۔ بس اس کی کل مجھے مل گئی۔ کئی بار کے ڈھکیلنے سے چٹان دوار سے ہٹ گئی، بائیں اور کوئی ایسی چیز لگی تھی، جس سے وہ داہنے بائیں کی اور نہ ہل سکتی تھی، سیدھے سیدھے کھسک جاتی تھی۔ پتھر ہٹتے ہی میں نے دھیرے سے دوار کھولا۔ گوشت کا ٹکڑا نکال کر جھونپڑی کے اندر پہنچا۔ دیکھا صاحب اور میم زمین پر پڑے تھے۔ میں نے ان کے پیروں کو منہ سے چاٹ کر جگایا۔ دونوں گھبرا گئے، اٹھ بیٹھے اور مارے ڈر کے کونے کی طرف بھاگے۔ مگر میں نے کوں کوں کیا، تو سمجھ گئے کلّو ہے۔ دونوں میرے گلے سے لپٹ گئے اور میرا سر تھپتھپا کر پیار کرنے لگے۔ میں نے ماس کا ٹکڑا صاحب کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ اس کی گندھ پاتے ہی دونوں اسے کھانے لگے۔ اس وقت مجھے جتنا آنند ہو رہا تھا کہہ نہیں سکتا۔ دونوں کھاتے جاتے تھے اور بار بار مجھے پیار کرتے جاتے تھے۔ جب وہ کھا چکے تو بچا ہوا ٹکڑا مجھے دے دیا۔ میں نے اسے نہیں

کھایا۔ اب پانی کہاں سے آوے۔ کھانے کے بعد پانی پینے کی عادت میری تو نہ تھی۔ مگر آدمی تو کھاتے سے تھوڑا بہت پانی ضرور ہی پیتے ہیں۔ اس وقت مجھے یہ بات یاد آئی۔ میں باہر نکلا اور پانی کی تلاش کرنے لگا۔ وہاں اس جھونپڑی کے سوا اور کسی جھونپڑی میں کواڑ نہ تھے۔ جھونپڑیاں کھلی تھیں، لوگ ان کے دوار پر سو رہے تھے۔ میں ایک جھونپڑی میں گھس گیا اور پانی کے لیے کوئی برتن کھوجنے لگا۔ مٹی یا دھات کے برتن وہاں نہ تھے۔ جانوروں کی بڑی کھوپڑیوں میں پانی رکھا تھا۔ چھوٹی چھوٹی کھوپڑیاں میں پانی نکال کر لوگ پیتے تھے۔ میں نے بھی ایک چھوٹی کھوپڑی پانی سے بھری اور اسے دانتوں میں دبائے صاحب کے پاس پہنچا۔ دونوں پانی دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہی سانس میں پی گئے۔ میں کھوپڑی لے کر پھر گیا اور پانی بھر لیا۔ اس طرح پانچ چھ بار کے آنے جانے میں مالکوں کی پیاس بجھی۔ دونوں کو کھلا پلا کر میں دھیرے سے نکل آیا اور دوار بند کر پھر چٹان جیوں کا تیوں کھسکا دیا۔ میں چاہتا تو مالکوں کو بھی اسی طرح نکال لاتا۔ پر جاتا کہاں؟ بیگانے دیش میں رات کو کہاں بھٹکتے پھرتے۔ یہ کالے آدمی پھر پکڑ لیتے تو جان لے کر ہی چھوڑتے۔ اس لیے جب تک اس دیش کو اچھی طرح دیکھ بھال کر نکل بھاگنے کا مارگ نہ نکال لوں، میں نے ان کا یہیں پڑے رہنا اچھا سمجھا۔

یہی میرا روز دستور ہوگیا۔ میں دن بھر ادھر ادھر دیکھ بھال کرتا۔ رات کو صاحب کو کھلاتا پلاتا اور سو رہتا۔ کوئی مجھے پکڑ نہ سکتا تھا۔ نہ کوئی بھانپ ہی سکتا تھا۔ میں نے اس وقت تک کبھی چوری نہیں کی تھی، لیکن اس چوری کو میں پاپ نہیں سمجھتا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو صاحب میم ضرور بھوکے مرجاتے۔

یہ کالے آدمی اس طرح صاحبوں کو کیوں قید کیے ہوئے تھے۔ یہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ شاید وہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ہمیں پکڑنے آئے ہیں۔ یا یہ سمجھتے ہوں کہ کوئی نہ کوئی ان کی تلاش کرنے تو آئے گا ہی۔ اس سے اچھی چیزیں اینٹھیں گے۔ مگر ڈھنگ سے ایسا جان پڑتا تھا کہ وہ صاحب اور میم کو دیوتا سمجھتے ہیں۔ وہ جھونپڑی دیوتاؤں کا مندر تھی۔ کیونکہ پراتہ کال سب کے سب جھونپڑی کے سامنے ایک بار ناچنے جاتے تھے۔ شاید یہی ان کی پوجا تھی۔ شاید ان کا خیال تھا کہ دیوتاؤں کو کھانے پینے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

اس دیش میں ہم لوگ لگ بھگ ایک مہینے رہے۔ جنگلی لوگوں نے صاحبوں کو کبھی باہر نہ نکالا۔ بات چیت بھلا کیا کرتے۔ شاید وہ سب سمجھتے تھے کہ ان دیوتاؤں کو باہر نکالا گیا تو نہ معلوم اس دیش کو کسی آفت میں ڈال دیں۔ دیوتاؤں کو کوئی بھیانک جیو سمجھتے تھے۔ جس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

اس ایک مہینے میں میں نے دیش کی اچھی طرح دیکھ بھال کرلی۔ اس کے ایک طرف تو سمندر تھا۔ پچھم طرف ایک بہت اونچا پہاڑ تھا، جس پر برف جمی ہوئی تھی۔ دکھن کی طرف پتھریلا میدان تھا۔ جہاں میلوں تک گھاس کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ یہاں سے بھاگیں بھی تو جائیں کہاں؟ مجھے یہ فکر برابر ستایا کرتی تھی۔ سمندر کے کنارے جنگلی لوگ برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ اس لیے ادھر جانے میں پھر پکڑ لیے جانے کا بھے تھا۔ اونچے پہاڑ پر چڑھنا بہت کٹھن تھا۔ اور پھر کون جانتا ہے اس پار کیا ہو۔ اس پار پہنچنا بھی اسمبھو جان پڑتا تھا۔ اسی میدان کی طرف بھاگنے کا راستہ تھا۔ سو پچاس کوس بھاگنے پر شاید کوئی دوسرا دیش مل جائے، جہاں کے آدمی ایسے جنگلی نہ ہوں۔ یہی میں نے نشچے کیا۔

ایک دن بڑی ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔ چاروں اور کہرا چھایا ہوا تھا۔ آج صاحب کی جھونپڑی کے سامنے کے دونوں پہرے ڈالے ٹھنڈ کے مارے اپنی جھونپڑی میں سوئے ہوئے تھے۔ میدان صاف تھا۔ میں نے سوچا اس اوسر کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ ایسا اوسر پھر شاید ہی ملے۔ جب سب لوگ سوگئے، تو میں نے پتھر کھسکایا اور جھونپڑی کا دوار کھول کر دونوں صاحبوں کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ صاحب میرے اشارے کو خوب سمجھنے لگے تھے۔ دونوں پرانی تُرنت نکل کھڑے ہوئے۔ میں آگے آگے چلا۔ دو دن کا کھانا میں نے پہلے ہی سے لاکر صاحب کو دے دیا تھا۔ اس کی چنتا نہ تھی۔ بس فکر یہی تھی کہ ہم لوگوں کو یہاں نہ پاکر وہ جنگلی آدمی ہمارا پیچھا نہ کریں۔ اس لیے رات بھر میں ہم سے جتنا چلا جاسکے، اتنا چلنا چاہیے۔ خوب اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں تو بے کھٹکے چلا جاتا تھا، پر صاحبوں کو بڑا کشٹ ہورہا تھا۔ میم صاحب تو تھوڑی تھوڑی درور پر بیٹھ جاتی تھیں اور صاحب کے بہت کہنے سننے پر اٹھتی تھیں۔

ایک بار میم صاحب جھنجلا کر بولیں آخر اس طرح ہم لوگ کب تک چلیں گے؟

صاحب۔ جب تک چلا جائے۔

میم۔ یہیں کہیں ٹھہر کیوں نہیں جاتے، سویرے چلیں گے۔

صاحب۔ اور جو سویرے پکڑ لیے جائیں تو؟

میم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ پھر چلیں، مگر بھنبھنا رہی تھیں کہ اس سے تو ہماری قید ہی اچھی تھی کہ آرام سے پڑے تو تھے۔ یہاں لاکر نہ جانے کس جنگل میں ڈال دیا کہ پیاسوں مرجائیں۔ کہیں بستی کا نام نہیں۔ اس طرح ہم لوگ کوئی آدھ گھنٹے تک چلے ہوں گے کہ پیچھے سے بہت سے آدمیوں کا شور سنائی دیا۔ معلوم ہوتا تھا سینکڑوں آدمی دوڑے چلے آتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ ہمارے بھاگنے کا حال کھل گیا اور وہی لوگ ہمیں پکڑنے چلے آرہے ہیں۔ صاحب نے میم سے کہا۔ وہی شیطان ہیں۔ اب ہم لوگ پکڑ لیے جائیں گے۔

میں۔ ہاں! ہاں معلوم تو ہوتا ہے۔

صاحب۔ بیچارا کلو یہاں تک تو لایا، اب ہمارے نصیب ہی پھوٹے ہوں تو وہ کیا کرسکتا ہے؟

میم۔ ہم لوگ بھی دوڑیں۔ شاید کہیں کوئی ٹھکانا مل جائے۔

دونوں آدمی دوڑے۔ وہی میم صاحب جنھیں ایک ایک پگ چلنا دوبھر ہورہا تھا، دوڑنے لگیں۔ ہمت میں اتنا بل ہے! سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پورب کی اور اب کچھ پرکاش دکھائی دینے لگا تھا۔ ذرا دیر میں دن نکل آوے گا، تب ہمیں یہ تو معلوم ہوجائے گا کہ ہم جا کدھر رہے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ہم دوڑے جاتے تھے۔

اس طرح آدھ گھنٹا اور گزرا۔ اب پو پھوٹنے لگی تھی۔ راستہ صاف نظر آنے لگا، مگر پیچھا کرنے والے بھی بہت سمیپ پہنچ گئے تھے۔ ان کی آواز صاف سنائی دیتی تھی۔ بھومی برابر ہوتی تو شاید وہ دکھائی دینے لگتے۔ میں یہ سوچتا ہوا دوڑ رہا تھا اگر سبھوں نے آ پکڑا تو ہم کیسے اپنی رکشا کریں گے۔

سہسا ہمیں ایک گہرا غار سا نظر آیا۔ میں نے سوچا، اگر اس غار میں چھپ جائیں اور اس کے منہ کو گھاس پھونس سے چھپادیں، تو شاید ان کالے آدمیوں سے جان بچ جائے، اگر پکڑ لیے گے تو اسی کال کوٹھری میں سڑیں گے، بچ گئے تو دن بھر میں نہ

جانے کتنی دور نکل جائیں گے۔

یہ سوچ کر میں اس غار کے اندر گھسا۔ میم اور صاحب دونوں میرا مطلب سمجھ گئے۔ میرے پیچھے پیچھے وہ دونوں بھی غار میں گھسے، پر سب کے سب ڈر رہے تھے کہ کہیں کوئی شیر یا چیتا اندر نہ بیٹھا ہو۔ میں آگے آگے تھا۔ تھوڑی ہی دور گیا ہوں گا کہ دو دو دیپک سے اس اندھکار میں جلتے دکھائی دیے۔ میں زور سے چلاّ کر پیچھے ہٹا۔ سامنے سچ مچ ایک شیر بیٹھا ہوا تھا۔ اب کیا کروں؟ میرے تو جیسے ہوش و حواس گم ہوگئے۔ نہ آگے جاسکتا تھا نہ پیچھے، بس وہیں پتھر کی مورتی کی بھانتی کھڑا تھا۔ صاحب اور میم دونوں بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ میں تو بھلا کھڑا رہا۔ پر دونوں جنوں کی تو جان ہی سی نکل گئی۔ اب میرے ہوش ٹھکانے ہوئے۔ اپنا ڈر جاتا رہا۔ جاکر ان دونوں کو سونگھا۔ مرے نہ تھے۔ جان باقی تھی۔ سوچنے لگا، اب کیا کروں؟ ایک آفت سے تو مرمر کے بچے تھے۔ یہ نئی مصیبت پڑ گئی۔ مگر یہ بات کیا ہے کہ شیر اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں، کود کر جھپٹنا تو دور رہا۔ چپ چاپ میری اور تاک رہا تھا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی بات نظر آئی کہ میرا خوف جاتا رہا۔ میں ڈرتے ڈرتے ایک قدم اور آگے بڑھا پھر بھی شیر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اب میرے کانوں میں اس کے دھیرے دھیرے کراہنے کی آواز آئی۔ سمجھ گیا میں ذرا اور اس کے پاس گیا تو شیر نے ایک درد بھری آواز منہ سے نکالی اور اپنا اگلا داہنا پیر اٹھایا۔ وہ بری طرح پھولا ہوا تھا۔ اب سمجھ میں آگیا۔ اسی وجہ سے یہ مہاشیہ دم سادھے بیٹھے ہوئے تھے۔ بار بار پونچھ ہلاتے تھے، جمہائیاں لیتے تھے اور ہم لوگوں کی طرح کوں کوں کرتے تھے۔ ضرور اس کے پاؤں میں کانٹا چبھا ہوا ہے۔ مگر میں کیسے نکالتا۔ یہاں بھی تو دانت بالکل شیروں کے سے تھے۔ پہلے تو جی میں آیا کہ یہ کچھ کر تو سکتے نہیں، انھیں یہیں پڑا رہنے دوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کانٹا نکالتے ہی ان کا مزاج بدل جائے اور ایک ہی جست میں ہم تینوں کو چٹ کر جائیں۔ مگر پھر دیا آئی۔ ایسا تو ہم لوگ کبھی نہیں کرتے کہ کسی کا احسان بھول جائیں۔ یہ بھی تو ہماری ہی برادری کا جیو ہے۔

یہ سوچ کر میں صاحب کے ہوش میں آنے کی راہ دیکھنے لگا۔ بارے تھوڑی دیر میں ان کی آنکھیں کھلیں۔ مجھے شیر کے پاس بیٹھے دیکھ کر کچھ تھوڑی ہمت ہوئی۔ وہاں سے بھاگے نہیں۔ شیر نے انھیں دیکھ کر اور بھی پونچھ ہلانا شروع کیا اور بار بار اپنا سوجا ہوا پنجا اٹھانے

لگا۔ صاحب بھی سمجھ گئے کہ شیر لنگڑا ہے۔ صاحب نے میم کو کئی بار جھنجھوڑا اور جب انھیں بھی ہوش آ گیا تو دونوں آپس میں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ تب صاحب نے شیر کے پاس جاکر اس کا پنجا اٹھایا اور دھیرے دھیرے کانٹا نکال دیا۔ شیر کا درد جاتا رہا۔ اس نے صاحب کے پیروں پر سر رکھ دیا اور پونچھ ہلانے لگا۔

ایکا یک باہر آدمیوں کے چلانے کی آواز سنائی دی۔ میں سمجھ گیا کہ جنگلی لوگ ہمارا پیچھا کرتے ہوئے یہاں آ پہنچے۔ میں جاکر دوار پر کھڑا ہو گیا۔ یہاں تو کسی کو آنے نہ دوں گا، چاہے مر ہی کیوں نہ جاؤں۔ میں دوار پر آیا ہی کہ دس بارہ آدمی لمبے لمبے بھالے لیے منہ پر لال رنگ لگائے سامنے آ کھڑے ہوئے اور مجھے دیکھتے ہی تالیاں بجا کر خوش ہو رہے تھے کہ اب مار لیا، بچ کر اب کہاں جا سکتے ہو۔ دو تین آدمی غار میں گھسنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس بھالے اور ڈھال کے سامنے میری کیا چلتی۔ بس کھڑا بھونک رہا تھا۔

ارے۔ کیا آسمان پھٹ پڑا یا دو پہاڑ لڑ گئے۔ اتنے زور کی گرج ہوئی کہ ساری گپھا ہل گئی۔ یہ شیر کی گرج تھی آدمیوں کو دوار پر دیکھتے ہی اس نے ایک جست ماری۔ اور دوار پر آ پہنچا۔ کچھ نہ پوچھو ان دشٹوں میں کیسی بھگدڑ مچ گئی۔ بھالے اور ڈھالیں چھوڑ چھوڑ کر ایک دوسرے پر گرتے پڑتے بھاگے۔ مگر ایک کو شیر نے دبوچ ہی لیا اور ہمارے سامنے ہی اسے چٹ کر گیا۔ میرے تو روئیں کھڑے ہو گئے اور میم صاحب نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں سوچنے لگا، کسی طرح یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ اس بھیانک جانور کا کیا ٹھکانا، نہ جانے کب اس کا مزاج بدل جائے اور ہماری تکی بوٹی کر ڈالے۔

کوئی گھنٹے بھر تو میں وہاں ضبط کیے بیٹھا رہا۔ جب میں نے باہر جاکر دیکھ لیا کہ ان آدمیوں میں سے ایک کا بھی پتا نہیں، تب میں نے صاحب سے چلنے کا اشارہ کیا۔ دونوں ڈرتے ڈرتے نکلے اور پھر اسی طرف چلے۔ شیر سر جھکائے ہمارے آگے اس طرح چلا جا رہا تھا، جیسے گائے ہو۔ پھر بھی میرا تو یہی جی چاہتا تھا کہ یہ مہاشے اب ہمارے اوپر دیا کرتے اور ہمیں اپنی راہ جانے دیتے۔

شام ہوتے ہوتے ہم لوگ ایک جنگل میں پہنچ گئے۔ اتنا گھنا جنگل تھا کہ کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ بس شیر کے پیچھے پیچھے چلے جاتے تھے۔ ایکا یک وہ کوئی آہٹ پا کر ٹھٹک گیا۔ پھر کان کھڑے کر لیے اور آہستہ آہستہ غرانے لگا۔ سہسا سامنے ایک شیر آ گیا۔ میری تو جان نکل

گئی اور صاحب اور میم دونوں ایک پیڑ کی آڑ میں دبک گئے۔ مگر اس شیطان نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ وہ زور سے گرج کر صاحب کی طرف چلا کہ ہمارے شیر نے لپک کر اس پر حملہ کیا۔ دونوں گتھ گئے۔ ہمارے پران سوکھے جاتے تھے۔ کہیں اس نے ہمارے متر شیر کو مار لیا تو پھر ہم لوگوں کی خیریت نہیں۔ میں چاہتا تو بھاگ جاتا، پر صاحب اور میم کو چھوڑ کر کیسے بھاگتا۔ پیڑ اتنے سیدھے اور گھنے تھے کہ ان پر چڑھنا مشکل تھا۔ من میں منا رہے تھے کہ ہمارے شیر کی جیت ہو۔ کبھی وہ دبا لیتا، کبھی یہ، کبھی پنجوں سے لڑتے، کبھی دانتوں سے، دونوں پنجوں سے لڑتے لڑتے کھڑے ہو جاتے کبھی یہ پیچھے ڈھکیل لے جاتا کبھی وہ۔ دونوں کے منہ اور بدن سے خون بہہ رہا تھا۔ دونوں کی آنکھوں سے جوالا نکل رہی تھی۔ دونوں گرج رہے تھے اور ہم سانس روکے ہوئے یہ لڑائی دیکھ رہے تھے۔ گھنٹے بھر کی لڑائی کے بعد آخر ہمارے متر کی جیت ہوئی۔ اس نے اسے چت گرادیا اور پنجے سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ ہم تینوں خوشی سے ناچنے لگے۔ مگر ہمارے متر کا بھی کچومر نکل گیا تھا۔ ساری دیہہ زخموں سے چور ہو رہی تھی۔ وہیں لیٹ گئے۔ ہم نے بھی وہیں رات کاٹی۔ کھانے کو کچھ نہ ملا۔ صاحب اور میم نے راستے میں کوئی پھل کھایا تھا۔ پر مجھے پھلوں سے کیا مطلب۔ مجھے تو شکار چاہیے اور اس اندھیرے میں کوئی شکار کرنا کٹھن تھا۔ میں اُپاسا ہی رہ گیا۔

دوسرے دن ہم لوگ سمندر کے کنارے پہنچے، مگر افسوس! میں سمندر کے کنارے کسی شکار کے ٹوہ میں تھا کہ ہمارے متر نے جو تھک کر ایک چٹان کی آڑ میں بیٹھا تھا۔ دھیرے دھیرے کراہنا شروع کیا۔ میں نے جاکر دیکھا تو اس کی آنکھیں پتھرا گئیں تھیں۔ تھوڑی دیر میں وہیں مر گیا۔ کل کی لڑائی میں وہ بہت گھائل ہوگیا تھا۔ میں بڑی دیر تک اس کی لاش پر بیٹھا روتا رہا اور میم صاحب بھی بہت دکھی ہوئیں۔ مگر سمندر کے کنارے پہنچنے کی خوشی میں وہ غم جلد بھول گیا۔

میں ابھی شکار کی تلاش میں ہی تھا کہ سہسا کسی چیز کے گھڑ گھرانے کی آواز کانوں میں آئی۔ ایسی آواز میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ ریل کی آواز سن چکا تھا۔ بھک، بھک، بھک، بھک، موٹر کار کی آواز بھی سن چکا تھا۔ یہ آواز ان سبھی سے الگ تھی، جیسے آسمان پر کوئی پن چکی چل رہی ہو۔ صاحب اور میم آواز سنتے ہی آسمان کی اور دیکھنے لگے۔ میں نے بھی اوپر دیکھا۔ کوئی بڑی چیل سی اڑتی دکھائی دی۔ صاحب نے اپنی ٹوپی اتار کر ہوا میں اچھالی، میم

صاحب بھی اپنا رومال ہلانے لگیں۔ دونوں تالیاں بجاتے تھے، ناچتے تھے۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ یہ لوگ کیوں اتنے خوش ہو رہے ہیں۔ مگر یہ کیا بات ہے؟ وہ آسمان میں اڑنے والی چڑیا تو نیچے اترنے لگی۔ اوہ کتنی بڑی چڑیا تھی۔ میں نے کبھی اتنی بھیم کائے چڑیا نہ دیکھی تھی۔ عجائب خانے میں بھی مرغ دیکھا تھا، مگر وہ تو اس کے سامنے ایسا تھا، جیسے اس کے سامنے کبوتر۔ دیکھتے دیکھتے وہ نیچے آیا اور اس میں سے دو آدمی اتر پڑے۔ پیچھے مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی ایک طرح کی سواری ہے وہ آدمیوں کو ہوا میں لے کر اڑتی ہے۔ ان دونوں نے ہمارے صاحب اور میم سے ہاتھ ملایا، کچھ باتیں کیں اور پھر اس سواری میں جا بیٹھے۔ ایک شنٹ (لمحہ) میں صاحب نے مجھے گود میں اٹھا لیا اور میرا منہ چوم کر اسی سواری میں بیٹھا دیا۔ پھر میم اور وہ دونوں بھی آ کر بیٹھ گئے میری تو مارے ڈر کے جان سوکھی جاتی تھی۔ کیا ہم ہوا میں اڑیں گے؟ کہیں یہ کل بگڑ جائے تو ہماری ہڈی پسلی کا بھی پتا نہ چلے گا۔ مگر صاحب بار بار میرا سر تھپتھپا کر میری ہمت باندھتے جاتے تھے۔ پھر چاروں آدمی میز پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ مجھے بھی ماس کا ایک ٹکڑا دیا۔ میں کھانا کھانے میں ایسا لگ گیا کہ سارا بھے دل سے جاتا رہا۔ شور اتنا ہو رہا تھا کہ کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ کبھی کبھی وہ سواری اتنی ڈگمگانے لگتی تھی کہ ڈر کے مارے کلیجا کانپنے لگتا تھا۔ کئی بار تو وہ کروٹ ہو گئی۔ اور مجھے ایسا لگا کہ وہ الٹا چاہتی ہے، چلانے لگا، لیکن ذرا دیر میں وہ سنبھل گئی۔ ہم ایک رات اور ایک دن اسی سواری میں رہے۔ کبھی تو وہ اتنی اونچی اٹھتی معلوم ہوتی کہ سیدھے تاروں ٹکر لے گی۔ صاحب اور میم دونوں سو رہے تھے، لیکن مجھے نیند کہاں؟ میں تو برابر ''بھگوان بھگوان'' کر رہا تھا کہ کسی طرح وہ سنکٹ ٹلے۔

دوسرے دن پراتہ کال بڑے زور کا طوفان آیا۔ وہ یتر بھنور میں پڑی ہوئی کشتی کے سمان چکر کھانے لگا۔ بجلی اتنی زور سے کڑکتی تھی کہ جان پڑتا تھا، سر پر گری۔ چمک اتنی تیز تھی کہ آنکھیں جھپک جاتی تھیں۔ یتر کبھی دائیں کروٹ ہو جاتا، کبھی بائیں۔ کبھی کبھی تو اس کے پہیے رک جاتے، اور جان پڑتا وہ نیچے کی اور گرا جا رہا ہے۔ چاروں آدمی گھبرائے ہوئے تھے اور ایشور ایشور کر رہے تھے۔ میم صاحب تو آنکھوں پر رومال رکھے رو رہی تھیں۔ گھبرایا میں بھی کچھ کم نہ تھا۔ مگر میم صاحب کے رونے پر مجھے ہنسی آ گئی۔ پوچھو، ان کے رونے سے کیا طوفان چلا جائے گا؟ وہ سمے رونے کا نہیں، دل کو مضبوط کر کے خطرہ کا سامنا کرنے کا

تھا۔ لیکن سمجھاتا کون؟

بارے ایک گھنٹے میں اندھڑ شانت ہو گیا اور یتر سیدھا چلنے لگا۔ دوپہر ہوتے ہوتے وہ ایک بڑے میدان میں اترا، جہاں جھنڈیاں گڑی ہوئی تھیں۔ اور اسی طرح کے کئی اور یتر رکھے ہوئے تھے۔ صاحب نے مجھے گود میں لے کر اتارا اور ایک موٹر کار پر بیٹھ کر چلے۔ اب میں نے دیکھا تو ہم صاحب کے بنگلے کی اور جا رہے تھے۔ میرے کتنے ہی دوست پرانی سڑکوں پر گھومتے نظر آئے۔ میرا جی چاہتا تھا، ان کے پاس جا کر گلے ملوں، ان کا چھیم کشل پوچھوں اور اپنی یاترا کا ورتانت سناؤں، لیکن موٹر بھاگی جا رہی تھی۔ ایک شنڈ (لمحہ) میں ہم بنگلے پر جا پہنچے۔

میں ابھی پہلی نیند بھی نہ لینے پایا تھا کہ مہتر نے آ کر مجھے نہلانا شروع کر دیا۔ پھر اس نے میرے گلے میں ایک ریشمی پٹا ڈالا اور مجھے لا کر صاحب کے ملاقاتی کمرے میں ایک صوفے پر بیٹھا دیا۔ میم صاحب پلیٹ میں میرا بھوجن لائیں۔ اور اپنے ہاتھوں سے مجھے کھلانے لگیں۔ اس وقت مجھے ایسا ابھیمان ہوا کہ کیا کہوں۔ جی چاہتا تھا، میری برادری والے آ کر دیکھیں اور مجھ پر گرو کریں۔ مجھ میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگ گئے ہیں۔ میں آج بھی وہی کلو ہوں، وہی کمزور، مریل کلو۔ مگر میں نے اپنے کرتویہ پالن میں کبھی چوک نہیں کی، سچائی کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا، میتری کو ہمیشہ نباہا اور احسان کبھی نہیں بھولا۔ اوسر پڑنے پر خطروں کا نڈر ہو کر، ہتھیلی پر جان رکھ کر، سامنا کیا۔ جو کچھ ستیہ سمجھا اس کی رکشا میں پران تک دینے کو تیار رہا اور اسی کی آج برکت ہے کہ میں آج اتنا اسھیہ اور آدر پا رہا ہوں۔

دوسرے دن میں نے دیکھا کہ میرے کمرے کے دوار پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اور وہاں پر ایک چپراسی بیٹھا دیا گیا ہے۔ شہر کے بڑے بڑے آدمی مجھے دیکھنے آ رہے ہیں اور مجھ پر پھولوں کی ورشا کر رہے ہیں۔ اچھے اچھے جنٹل مین کوٹ پتلون پہنے، اچھی اچھی مہیلائیں گاؤن اور ہیٹ سے سوشوبھت، بڑے بڑے سیٹھ ساہو کار، بڑے بڑے گھروں کی دیویاں، اسکولوں اور کالجوں کے لڑکے، فوجوں کے سپاہی، سبھی آ آ کر مجھے دیکھتے ہیں اور میری پرشنسا کرتے ہیں۔ کوئی پھول چڑھاتا ہے اور کوئی ڈنڈوت کرتا ہے، کوئی ہاتھ جوڑتا ہے۔ شاید سب سمجھ رہے تھے یہ کوئی دیوتا ہے اور اس روپ میں سنسار کا کلیان کرنے آیا ہے۔ جنٹل مین لوگ دیوتا تو نہ سمجھتے، پر کوئی غیر معمولی، چمتکاری جیو اوشیہ سمجھ رہے تھے۔ کئی

دیویوں نے تو میرے پاؤں چھوئے۔ مجھے ان کی مورکھتا پر ہنسی آرہی تھی۔ آدمیوں میں بھی ایسے ایسے عقل کے اندھے موجود ہیں۔

دن بھر تو یہی لیلا ہوتی رہی۔ شام کو میں اپنے جنم استھان کی اور بھاگا مگر جیوں ہی نزدیک پہنچا میرے بھائیوں کا ایک غول مجھ پر جھپٹا۔ ابھاگے شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ میں ان کی ہڈیاں چھیننے آیا ہوں۔ یہ نہیں جانتے کہ اب میں وہ کلو نہیں ہوں، میری پوجا ہوتی ہے۔ میں نے دم دبالی اور دانت نکال کر اور ناک سکوڑ کر پران دان مانگا۔ پر ان نردیوں کو مجھ پر ذرا بھی دیا نہ آئی، ایسا جان پڑتا تھا، ان سے کبھی کی جان پہچان ہی نہیں ہے۔ میں ان سے اپنا دکھ سکھ کہنے اور کچھ اپدیش دینے آیا تھا۔ اس کا مجھے یہ پرسکار مل رہا تھا۔

بارے اسی وقت میرے پرانے سوامی پنڈت جی لاٹھیاں ٹیکتے چلے جارہے تھے۔ انھیں دیکھتے ہی جیسے میرے بدن میں نئی شکتی آگئی۔ میں دوڑ کر پنڈت جی کے پاس پہنچا اور دم ہلانے لگا۔ پنڈت جی مجھے دیکھتے ہی پہچان گئے۔ اور ترنت میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے دعا دی اور پرسن مکھ ہوکر بولے تم تو اب بہت بڑے رشی ہوگئے کلو! تمھاری تو اخباروں میں تعریف ہورہی ہے۔تم ان گدھوں کے بیچ میں کیسے آ پھنسے؟

اور انھوں نے ڈنڈا تان کر ان دُشٹوں کو دھمکایا جو ابھی تک مجھ پر جھپٹنے کو تیار تھے۔ مگر ڈنڈا دیکھتے ہی سب کے سب چوہوں کی طرح بھاگے۔ میں پنڈت جی کے پیچھے پیچھے ہولیا اور بچپن کے کریڑا چھیتر کی سیر کرتا ہوا پنڈت جی کے گھر گیا، بار بار ذکیہ اور ماتا جی کی یاد آرہی تھی۔ یہ آدرسمان ان کے بنا بیچ تھا۔

پنڈت جی کے گھر میں میرا پہنچنا تھا کہ پنڈتائن نے دوڑ کر مجھے ہاتھ جوڑے۔ ذرا دیر میں محلے میں میرے آنے کی خبر پھیل گئی۔ پھر کیا تھا، لوگ درشنوں کو آنے لگے۔ اور کئیوں نے مجھ پر پیسے اور روپے اور مٹھائیاں چڑھائیں جب میں نے دیکھا کہ بھیڑ بڑھتی جارہی ہے تو وہاں سے چل کھڑا ہوا اور سیدھا اپنے بنگلے پر چلا آیا۔

اور تب سے کئی نمائشوں میں جا چکا ہوں کئی راجاؤں کا مہمان رہ چکا ہوں، سنا ہے میری قیمت ایک لاکھ تک لگ گئی ہے، مگر صاحب مجھے کسی دام پر بھی الگ نہیں کرنا چاہتے۔ میری خاطر دن دن زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ مجھے روز شام سویرے دو آدمی سیر کرانے لے جاتے ہیں۔ نت مجھے اسنان کرایا جاتا ہے اور بڑا سوادِشٹ اور بل وردھک بھوجن دیا جاتا

ہے۔ میں اکیلا کہیں نہیں جا سکتا، مگر اب یہ مان سمان مجھے بہت اکھرنے لگا ہے۔ یہ بڑپّن میرے لیے قید سے کم نہیں ہے، اس آزادی کے لیے جی تڑپتا رہتا ہے، جب میں چاروں طرف مست گھوما کرتا تھا۔ نہ جانے آدمی سادھو بن کر مفت کا مال کیسے اڑاتا ہے، مجھے تو سیوا کرنے میں جو آنند ملتا ہے، وہ سیوا پانے میں نہیں ملتا، شتانش بھی نہیں۔

درگا داس

فہرست

بھومِکا

بالکوں کے لیے راشٹر کے سپوتوں کے چرتر سے بڑھ کر اپیوگی ساہتیہ کا کوئی دوسرا انگ نہیں ہے۔ اس سے ان کا چرتر ہی بلوان نہیں ہوتا، ان میں راشٹریہ پریم اور ساہس کا سنچار بھی ہوتا ہے۔ راجپوتانہ میں بڑے بڑے شورویر ہوگئے ہیں۔ اس مرو بھومی نے کتنے ہی نر رتنوں کو جنم دیا ہے، پر ویر دُرگاداس اپنے انوپم آتم تیاگ، اپنی نی سوارتھ سیوا بھکتی اور اپنے اتُول چرتر کے لیے کوہ نور کے سمان ہے۔ اوروں میں شوریہ کے ساتھ کہیں کہیں ہنسا اور دُویش کا بھاؤ بھی پایا جائے گا ،کرتی کا موہ بھی ہوگا، ابھمان بھی ہوگا، پر دُرگا داس شیر ہوکر بھی سادھو تھا۔ انھیں کارنوں سے ہم نے ویررتن دُرگاداس کا چرتر بالکوں کے سامنے رکھا ہے۔

ہم نے چیشٹا کی ہے کہ پستک کی بھاشا سَرل اور بامحاورہ ہو اور اس میں بالکوں کی رُچی اتپن ہو۔

پریم چند

پہلا پرچھید

جودھپور کے مہاراج جسونت سنگھ کی سینا میں آشکرن نام کے ایک راجپوت سینا پتی تھے، بڑے سچے ویر شیل وان اور پر سوارتھی۔ ان کی بہادری کی اتنی دھاک تھی کہ دشمن ان کے نام سے کانپتے تھے۔ دانی اور دیاوان ایسے تھے کہ مار واڑ میں ایسا کوئی اناتھ نہ تھا، جو ان کے دربار سے نراش لوٹا۔ جسونت سنگھ بھی ان کا بڑا آدر ستکار کرتے تھے۔ ویر درگا داس انہیں کے بڑے لڑکے تھے۔ چھوٹے لڑکے کا نام جسکرن تھا۔

سن 1605 عیسوی میں آشکرن جی اجین کی لڑائی میں دھوکے سے مارے گئے۔ اس سمے درگاداس کیلو 15 برس کے تھے، پر ایسے ہونہار تھے کہ جسونت سنگھ اپنے بڑے بیٹے پرتھوی سنگھ کی طرح انہیں بھی پیار کرنے لگے۔ کچھ دنوں بعد جب مہاراج دکن کی صوبیداری پر گئے تو پرتھوی سنگھ کو راجیہ کا بھار سونپا اور ویر درگاداس کو سینا پتی بنا کر اپنے ساتھ کرلیا۔ اس سمے دکن میں مہاراج شیوا جی کا سامراجیہ تھا۔ مغلوں کی ان کے سامنے ایک نہ چلتی تھی، اس لیے اورنگ زیب نے جسونت سنگھ کو بھیجا تھا۔ جسونت سنگھ کے پہنچتے ہی مار کاٹ بند ہوگئی۔ دھیرے دھیرے شیوا جی اور جسونت سنگھ میں میل جول ہوگیا۔ اور اورنگ زیب کی اچھا تو تھی کہ شیوا جی کو پراست کیا جائے۔ یہ ارادہ پورا نہ ہوا، تو اس نے جسونت سنگھ کو وہاں سے ہٹا دیا، اور کچھ دنوں انہیں لاہور میں رکھ کر پھر کابل بھیج دیا۔ کابل کے مسلمان اتنی آسانی سے دبنے والے نہ تھے۔ بھیشن سنگرام ہوا۔ جس میں مہاراج کے دو لڑکے مارے گئے۔ بڑھاپے میں جسونت سنگھ کو یہ گہری چوٹ لگی۔ بہت دکھی ہوکر وہاں سے پشاور چلے گئے۔

انہیں دنوں اجمیر میں بغاوت ہوگئی۔ اورنگ زیب نے پرتھوی سنگھ کو وِدروہیوں کا دَمن کرنے کا حکم دیا۔ پرتھوی سنگھ نے تھوڑے ہی دنوں میں بغاوت کو دبا دیا۔ اورنگ زیب

یہ خبر پاکر بہت خوش ہوا اور پرتھوی سنگھ کو پرسکار دینے کے لیے دلّی بلایا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں پرتھوی کو وِش سے سنی ہوئی خلعت پہنائی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دھیرے دھیرے وِش ان کی دیہہ میں بھِن گیا اور وہ تھوڑے ہی دنوں میں سنسار سے بدا ہوگئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب مارواڑ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا اور اسی لیے جسونت سنگھ کو بار بار لڑائیوں پر بھیجتا رہتا تھا اورنگ زیب کی اس اپرسنتا کا کارن شاید یہ ہوسکتا ہے کہ جب دلی کی تخت کے لیے شہزادوں میں لڑائی ہوئی تو جسونت سنگھ نے دارا شکوہ کا ساتھ دیا تھا۔ اورنگ زیب نے ان کا یہ اپرادھ چھما نہ کیا تھا اور تب سے بار بار اس کا بدلا لینے کی فکر میں تھا۔ کھلم کھلا جسونت سنگھ سے لڑنا سارے راجپوتانہ میں آگ لگادینا تھا۔ اس لیے وہ کوٹ نیتی سے اپنا کام نکالنا چاہتا تھا۔

پرتھوی سنگھ کے مرتے ہی، اورنگ زیب نے مارواڑ میں مغل صوبیدار کو بھیج دیا۔ جسونت سنگھ تو ادھر پشاور میں پڑے ہوئے تھے۔ اورنگ زیب کو مارواڑ پر ادھیکار جمانے کا اوسر مل گیا۔ پرتھوی سنگھ کا مرنا سنتے ہی مہاراج پر بجلی سی ٹوٹ پڑی۔ شونگ جی نے مہاراج کو گرنے سے سنبھالا اور دھیرے سے ایک پلنگ پر لٹا دیا۔ تھوڑی دیر کے اپرانت، جسونت سنگھ نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے شونگ جی کو کھڑا دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولے۔ بھائی! شونگ جی! یہ پیارے بیٹے کے مرنے کی خبر نہیں آئی! یہ میرے لینے کو میری موت آئی ہے۔ آؤ، ہمارے ساتھ آؤ، ہم اپنے مرنے کے پہلے تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ شونگ جی کو لیے ہوئے مہاراج بھیتر چلے آئے اور ایک لوہے کی چھوٹی صندوقچی دے کر بولے۔ بھائی یہ صندوقچی ہم تمھیں سونپتے ہیں۔ اس کی رکھوالی تمھیں اس سمے تک کرنی ہوگی، جب تک کوئی راجپوت مارواڑ کو مغلوں کے ہاتھ سے چھڑا کر ہماری گدی پر نہ بیٹھے۔ یدی ایشور کبھی وہ دن دکھائے تو یہ اپہار اس راج کمار کو راج گدی کے سمے بھینٹ کرنا۔

اس کے پہلے تم یا دوسرا کوئی اس کو کھول کر دیکھنے کی اچھا بھی نہ کرے۔ یدی کسی آپتی کے کارن تم اس کی رچھا نہ کرسکو، تو دوسرے کو، جیسا میں نے تم سے کہا ہے، کہہ کر سونپ دینا۔

دوسرے دن مہاراج نے اپنے سب سرداروں کو بلوایا اور بولے۔ بھائیوں! اورنگ زیب نے ہم راجپوتوں سے اپنے بیر کا بدلا پورا پورا چکا لیا۔ اب راج ونش میں ہمارے پیچھے

کوئی بھی نہ رہا جو ہماری گدی پر بیٹھے۔ یدھپی ہماری دو رانیاں بھاٹی اور ہاڑی سگر بھا ہیں پرنتو ایسے کھوٹے دنوں میں کیا آشا کی جائے کہ ان کے لڑکا ہی پیدا ہوگا؟ لیکن یدی ایشور کی کرپا ہوئی اور ہماری گدی کا وارث پیدا ہوا، تو یہ کوئی انہونی بات نہیں کہ تم لوگوں کی سہایتا سے اورنگ زیب کے ہاتھوں سے مارواڑ کو چھڑا لے، اس لیے ہماری انتم آگیا ہے کہ اپنے راجکمار کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا، جیسا آج تم ہمارے ساتھ کرتے آئے ہو۔ بھائیوں! جو مارواڑ آج تک اوروں کی وپتی میں سہایتا کرتا تھا۔ آج وہی اپنی سہایتا کے لیے دوسروں کا منہ تاک رہا ہے۔ آدمی نہیں، سمے ہی بلوان ہوتا ہے۔ کبھی اورنگ زیب مجھ سے ڈرتا تھا۔ آج میں اس سے ڈرتا ہوں۔ اب اس بڑھاپے میں میں اپنے دیش کے لیے کیا کرسکتا ہوں؟ کچھ نہیں۔

مہاراج کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ پھر کچھ نہ کہہ سکے۔ تھوڑی دیر سبھا میں سناٹا رہا، سبھی کے چہروں پر اداسی تھی اور سبھی ایک دوسرے کا منہ تاکتے رہے۔ بعد میں مہاراج بھیتر چلے گئے اور سردار لوگ اپنے اپنے ڈیروں پر لوٹے۔ اس کے ایک سپتاہ بعد مہاراج نے شریر تیاگ دیا۔ بہادر راجپوت شوک اور پراجے کی چوٹوں کو نہ سہہ سکا۔ سب رانیاں مہاراج کے ساتھ ستی ہوگئیں۔ کیول بھاٹی اور ہاڑی دو رانیوں کو سرداروں نے ستی ہونے سے روک لیا۔ سن 1678 عیسوی ماگھ بدی دشمی کے دن مہاراج کا دیہانت ہوا اور پھاگن بدی 4 کے دن رانی کے بیٹا پیدا ہوا۔ دوسرے ہی دن ہاٹی کے بھی لڑکا ہی ہوا۔ بڑے کا نام اجیت اور چھوٹے کا دل تھمبھن رکھا گیا۔

اورنگ زیب نے یہ حال سنا تو رانیوں کو پشاور سے دلی بلوا بھیجا۔ سردی لگ جانے سے دل تھمبھن تو راہ میں ہی مر گیا۔ اور لوگ کشل سے دلی جاپہنچے اور روپ سنگھ اداوت کی حویلی میں ٹھہرے، یہ دلی میں سب سے بڑی اور سرداروں کے لیے سوبھیتے کی جگہ تھی۔ دوسرے دن درگاداس کرنوت مہارانیوں کے آنے کی سوچنا دینے کے لیے اورنگ زیب کے پاس گیا۔ بادشاہ نے لوکاچار کے بعد کہا۔ درگا داس دیکھو! بیچارہ دل تھمبھن تو مر ہی گیا۔ اب ہمیں چاہیے کہ اجیت کا لالن پالن ہوشیاری سے کریں، جس سے بیچارے جسونت سنگھ کا دنیا میں نام رہ جائے۔ اس لیے یہی اچھا ہوگا کہ اجیت کو ہمارے پاس چھوڑ دیا جائے۔ جیسے جسونت سنگھ کا لڑکا ویسے ہی ہمارا لڑکا۔ ہم اس کی سوئیم دیکھ ریکھ کریں گے۔ اور بڑے ہونے

پر جودھپور کی گدی پر اس کا راج تلک کردیں گے۔

درگاداس بادشاہ کی منشا تاڑ گیا۔ پرنتو بڑی نرمی سے بولا۔ جہاں پناہ! اس میں کوئی سندیہہ نہیں اجیت کی رکچھا اور پالن جیسا یہاں ہوسکتا ہے، اور کہیں نہیں ہوسکتا۔ آپ اس کے اوپر اتنی دیا رکھتے ہیں، یہ اس کا سوبھاگیہ ہے، پر اجیب ابھی تین ہی مہینے کا ہے۔ اور ماتا کے ہی دودھ پر اس کا جیون ہے، اس لیے یہ اچھا ہوگا کہ دودھ چھوٹنے پر وہ آپ کی سیوا میں لایا جائے۔ اورنگ زنیب نے درگاداس کی بات مان لی۔

ویر درگاداس نے لوٹ کر مہارانی تتھا سب راجپوت سرداروں کے سامنے بادشاہ کی بات چیت جیسی کی تیسی کہہ سنائی۔ سنتے ہی سرداروں کی آنکھیں لال ہوگئیں۔ درگاداس نے کہا بھائیوں! یہ سمے کرودھ کا نہیں چترائی کا ہے۔ پہلے کسی اپائے سے راجکمار کو دلی سے ہٹایا جائے، پھر جیسا ہوگا، دیکھا جائے گا۔ آنند داس جی جو سب سے چتر سردار تھا۔ سویرے ہی ایک سپیرے کو لالچ دے کر لایا اور اس کی سانپ والی پٹاری میں راج کمار کو چھپاکر دلی سے باہر نکل گیا۔ وہاں سے آبو کی گھنی پہاڑیوں کے بیچ سے ہوکر مارواڑ کے ایک ڈگوا نام کے گاؤں میں اپنے متر اجے دیو براہمن کے گھر پہنچا۔ وہیں چھپے چھپے راج کمار کا لالن پالن کرنے لگا۔ ادھر مہارانی کی گود میں راج کمار کی جگہ دوسرا لڑکا رکھ دیا گیا۔

دوسرا پرچھید

ایک ورش بیت جانے پر جب اورنگ زیب نے دیکھا، راجپوت اجیت کو سیدھے سیدھے نہیں دینا چاہتے، تو اس نے زبردستی راجکمار کو لانے کے لیے شہر کوتوال کو بھیجا۔ اس نے 2000 ہتھیار بند سپاہی لے کر روپ سنگھ اداوت کی حویلی گھیر لی۔ یکا یک اپنے کو وپتی میں پڑا دیکھ درگاداس نے کہا بھائیوں! راجپوت دوسروں کی رکچھا کے لیے اپنے پرانوں کی لالچ نہیں کرتے۔ ہم راجپوت کہلاکر راجکمار کے سمان پالے ہوئے بالک کو اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ مہارانی نے کہا۔ ہماری چنتا مت کرو، ہماری لاج رکھنے والی یہ کٹاری ہے۔ میں کب کی مرچکی ہوتی، یدی یہ دیکھنے کی لالسا نہ ہوتی کہ راجپوت اپنے دیش پر کس ویرتا سے اپنے پرانوں کو نچھاور کرتے ہیں۔ روپ سنگھ نے بالک کی رکچھا کا بھار اپنے اوپر لیا۔ رانی نے چھاتی میں کٹاری مار کر دیہہ تیاگ دیا، پھر کیا تھا۔ راجپوت ویر نشچنت ہو، ننگی تلواریں ہاتھوں میں لے ہر ہر مہادیو کرتے ہوئے شترو سینا پر ٹوٹ پڑے۔ اتنی بڑی مغل سینا کے سامنے دو ڈھائی سو آدمی اس کے سوا اور کر ہی کیا سکتے تھے۔ سب کے سب وہیں لڑ مرے۔ شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ میدان صاف ہوگیا تو شہر کوتوال نے روپ سنگھ کی حویلی تل تل کھوج ماری، پرنتو راجکمار اجیت کا کہیں پتہ نہ لگا۔ بیچارے کو اتنے راجپوتوں کی ہتیا کرنے پر بھی خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔

جھٹپٹا ہو ہی چکا تھا۔ چاروں اور نرمل آکاش میں تارے چھٹکنے لگے تھے۔ چندرما کی شیتل کرنیں پرتھوی پر آ کر کراہتے گھائل ویروں کو مانو ڈھارس دے رہی تھیں۔ سرد ہوا کے دھیمے جھکوروں کے لگنے سے گھائل ویروں نے آنکھیں کھولیں اور ایک دوسرے کے سہارے اٹھنے لگے۔ ان میں ویر درگا داس کرنوت کی دشا دوسرے کے دیکھتے کچھ اچھی تھی۔ چندرما کے پرکاش میں ویر درگاداس اپنی اور کے سب راجپوت سرداروں کو ایک ایک کرکے دیکھنے لگے۔

جس کسی کو جیوت پایا، سہارا دے کر اٹھا لائے۔ ڈھائی سو راجپوتوں میں کیول ویر درگاداس کرنوت، محکم سنگھ میڈتیا، بھوج راج وداوت، روپ سنگھ اداوت، مہاسنگھ اور دودھوجی چانپاوت اتیادی انے گنے سردار جیوت بچے تھے۔ بوڑھے دودھوجی نے کہا ''بھائی'' چاندنی پھیکی پڑ چلی، رات آدھی سے ادھک بیت گئی۔ اب یہاں بیٹھنے میں بھلائی نہیں ہے۔ دیہہ تو چھن بھن ہوچکی ہے۔ بچے کھچے پرانوں کی رکچھا کریں!'' ویردرگاداس نے کہا۔ ابھی ٹھہرو ہم مہارانی کا شو لیے بنا یہاں سے جیوت جانا نہیں چاہتے۔ دھتکار ہے! ہمارے جیتے جی ہی مہارانی کا پوتر شریر مغلوں کے ہاتھ پڑے۔

ان شبدوں میں نہ جانے کیا جادو تھا، کہ جو دوسرے کے سہارے بھی نہ کھڑے ہوسکتے تھے، وہی مہارانی کی لوتھ لے کر سویرا ہوتے ہوتے دلی سے پانچ چھ کوس دور نکل گئے اور آبو کے گھنی پہاڑیوں میں داہ کریا کردی۔ آج کی رات یہیں کاٹی، دوسرے دن جے دیو برہمن کے گھر پہنچے۔ راجکمار کو سکھی دیکھ سب اپنا پچھلا دکھ بھول گئے۔ دوسرے دن آنند داس کھچی کو راجکمار کے لالن پالن کے وشے میں ساودھان کرکے ایک دوسرے سے گلے ملے اور وِدا ہو کر، اپنے اپنے گاؤں کی اور چل دیے۔ راہ میں جتنے چھوٹے بڑے گاؤں ملے، سب میں درگاداس نے مغل سپاہیوں کے چوکی تھانے بنے دیکھے۔ جیسے تیسے چھپتے کلیان گڑھ پہنچے۔ جیسے گائے سے دن بھر کا بچھڑا بچھڑا ملتا ہے، ویسے ہی درگاداس اپنی ماتا کے چرنوں پر گر پڑا۔ بوڑھی ماتا نے اٹھا کر چھاتی سے لگالیا۔ دونوں ہی کی آنکھوں سے پریم کے آنسو بہنے لگے۔

اسی سمے درگاداس کا پتر تیج کرن اور چھوٹا بھائی جس کرن بھی آگیے۔ دونوں ہی روپ وان اور بلوان تھے۔ جیسے درگا داس اپنے دیش کی بھلائی کے لیے تن من دھن نچھاور کیے بیٹھا تھا، ویسے ہی جس کرن اور تیج کرن بھی دیش کی سوتنترتا کے نام پر بکے ہوئے تھے۔ بوڑھی ماتا بھی مغلوں کے اتیاچار سے دکھی تھیں۔ اپنے پتروں کو دیش پر مر مٹنے کے لیے سدیو اکسایا کرتی تھی، پر جب اپنے ہی بندھو دیش کو برباد کرنے پر تلے بیٹھے ہوں، تو کوئی کیا کرے۔

جسونت سنگھ کے بڑے بھائی امر سنگھ کا بڑا لڑکا اندر سنگھ راج کے لالچ میں اورنگ زیب سے مل گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ دیش کے پربھاؤ شالی راجپوت سرداروں کو، راہ میں بچھے

ہوئے کانٹوں کے سمان نشٹ کردیں اور بے کھٹکے مارواڑ پر راج کریں۔ اورنگ زیب کو یہ اپائے سجھانے کی دیر تھی۔ اس کی ایسی اچھا پہلے ہی سے تھی۔ یہ بات اس کے من میں بیٹھ گئی۔ مارواڑ کے مغل صوبے دار کے نام تُرنت فرمان جاری کردیا۔ سرداروں کو گرفتار کرلو۔ پھر کیا تھا! گاؤں گاؤں گھر گھر بھاگے ہوئے سرداروں کی کھوج ہونے لگی۔ کتنے پران کے ڈر سے بادشاہ سے جا ملے، کچھ ادھر ادھر چھپے رہے۔ ان کے گھر لوٹ لیے گئے۔ پھر بھی نہ نکلے۔ شونگ جی چانپاوت نے سرداروں کی یہ دشا دیکھی تو گھبرا اٹھے۔ ایسی دشا میں مہاراج جسونت سنگھ کی دی ہوئی لوہے کی صندوقچی کی رکچھا کیسے کریں! اسی چنتا میں تھے کہ ویر درگا داس کی یاد آگئی۔ ترنت ہی گھوڑا کسا اور اراولی پہاڑی کی تلہٹی میں بسے ہوئے کلیان گڑھ میں جا پہنچے۔ شونگ جی کو آتے دیکھ درگاداس اگوانی کے لیے آگے بڑھے۔ دونوں میل سے گلے ملے۔ دیش کی دشا پر باتیں ہونے لگیں۔ شونگ جی نے کہا۔ بھائی یہ سمے بیٹھنے کا نہیں، آلس چھوڑو اور ہمارے ساتھ ابھی چلو۔ درگاداس نے اپنی ماتا سے آگیا مانگی اور شونگ جی کے ساتھ چل پڑے۔ دن ڈوبتے ڈوبتے دونوں آواگڑھ کوٹ میں پہنچے۔ درگاداس مغل سپاہیوں کو ادھر ادھر کوٹ کی چوکسی کرتے دیکھ بھیتر جانے میں ہچکچایا۔ شونگ جی نے دھیرے سے کہا۔ یدی دیش کی بھلائی چاہتے ہو، تو چلے آؤ!

دونوں ایک اندھیری کوٹھری میں جا پہنچے۔ شونگ جی بھیتر سے ایک چھوٹی سی لوہے کی صندوقچی اٹھا لائے اور درگاداس کے سامنے رکھ کر بولے۔ یہ تھاتی مہاراج جسونت سنگھ نے اپنے مرنے کے دس دن پہلے ہمیں سونپی تھی، اور کہا تھا۔ جو ویر مارواڑ کو سوتنتر کر جودھپور کی گدی پر بیٹھے گا، یہ اپہار اسی کو دیا جائے۔ اسے چھوڑ دوسرا کوئی بھی یہ جاننے کی اچھا نہ کرے کہ اس میں کیا ہے؟ بھائی اب میں اس کی رکچھا نہیں کرسکتا۔ اس لیے تمھیں سونپتا ہوں اور یدی میری سی دشا، ایشور نہ کرے، کبھی تمھاری بھی ہو تو ایسا ہی کرنا، جیسا میں کررہا ہوں۔ ویر درگا داس سب باتوں کو دھیان سے سنتا رہا۔ تب صندوقچی اٹھاکر مٹکے کے سہارے کمر میں باندھ لی، اور رام جوہار کرتا ہوا گھوڑے پر سوار سیدھی راہ چھوڑ پگڈنڈی پر ہولیا۔

تیسرا پرچھید

ایک تو اندھیری اٹپٹی راہ، بیچارا گھوڑا اٹک اٹک کر چلتا تھا۔ کہیں اپنی ہی ٹاپوں کی دھن سن کر جو کبھی پہاڑیوں سے ٹکرا کر لوٹتی تھی، چونک پڑتا تھا۔ پہر رات جاچکی تھی، دھیرے دھیرے چاروں اور چاندنی چھٹکنے لگی تھی، دور سے کنفالیا گاؤں اب دھواں سا دکھائی پڑتا تھا۔ ویر درگا داس دیش کی وشا پر کھنچتا چلا جارہا تھا۔ اکسمات تلواروں کی جھنجھناہٹ سن پڑی۔ چوکنا ہو، اپنی تلوار کھینچ لی اور اسی اور بڑھا! دیکھا کہ دو راجپوتوں کو بائیس مغل گھیرے ہوئے ہیں۔ کرودھ میں آکر مغلوں پر ٹوٹ پڑا۔ دو چار مارے گئے اور دو چار گھائل ہوئے۔ مغلوں نے پیٹھ دکھائی اور مدد مدد چلانے لگے۔ ویر درگاداس نے دیکھا دونوں راجپوتوں میں سے ایک تو مارا گیا ہے۔ اور دوسرا گھائل، چاہتا تھا کہ گھائل راجپوت کو اٹھا لے جائے۔ پرنتو نہ ہوسکا۔ چندرما کے پرکاش میں دیکھا کہ دوڑتے ہوئے بیس پچیس مغل چلے آرہے ہیں۔ ویر درگاداس نے ان کو اتنا بھی سمے نہ دیا کہ وہ اپنے شترو کو تو دیکھ لیتے، دس گیارہ کو گرادیا۔ خون! خون! زور آور خان کا خون! چلاتے ہوئے مغل پیچھے ہٹے کہ درگاداس نے سوچا، اب یہاں ٹھہرنا چترائی نہیں۔ بس گھائل راجپوت کو اٹھاکر کلیان گڑھ کی اور بھاگ نکلا۔ تھوڑی رات رہے گھر پہنچا۔ بوڑھی ماتا درگاداس اور دوسرے راجپوت کو رکت سے نہلایا ہوا دیکھ گھبرا اٹھی، ترنت ہی دونوں کی مرہم پٹی ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد جب درگاداس کچھ سوستھ ہوا تو ماتا نے پوچھا۔ بیٹا تمھاری یہ وشا کیسے ہوئی؟ درگاداس نے اپنی بیتی کہہ سنائی۔ ماتا نے گھائل راجپوت کو دیکھا تو پہچان گئی۔ درگاداس سے کہا۔ کیا تم انھیں نہیں پہچانتے؟ درگاداس کے بولنے کے پہلے ہی گھائل راجپوت جو اب سچیت ہوچکا تھا۔ بول اٹھا۔ ماتاجی، درگاداس مجھے پہچانتے ہیں۔ پرنتو اس سمے نہیں پہچان سکے؟ کیونکہ پہلے کے دیکھتے اب مجھ میں انتر بھی تو

ہے بھیا! میں آپ کا چرن سیوک مہا سنگھ ہوں۔ بوڑی ماں جی مہاسنگھ پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی ہانکے! تو تو بہت دربل ہوگیا ہے۔ بیٹا ایسی کیا وپتی پڑی؟ مہاسنگھ ابھی بولا بھی نہ تھا کہ گھر کا سیوک ناتھو دوڑتا ہوا آیا اور بولا۔ مہاراج بھاگو ہتھیار بند مغل سپاہی چلّاتے چلے آرہے ہیں۔

ماں جی نے کہا۔ بیٹا کہیں بھاگ کر اپنے پران بچاؤ۔ مغل بہت ہیں، تم اکیلے ہو اور مہاسنگھ گھائل ہے، ویرتھ پران دینا چترائی نہیں۔ درگاداس بولے۔ ماں جی، تم سب کو سنکٹ میں چھوڑ کر میں اپنے پرانوں کی رکچھا کروں؟ مہاسنگھ نے سمجھایا۔ نہیں بھائی ماں جی کا کہنا مانو۔ زندہ رہو گے۔ تبھی دیش کا اڈھار کرسکو گے۔

درگاداس نے کہا۔ دیکھو مغلوں کی تلواروں کی جھنجھناہٹ سن پڑتی ہے۔ وہ اب آپہنچے۔ بھاگنے کا سمے کہاں رہا؟ اور جائیں بھی تو کہاں؟

ناتھو بولا۔ مہاراج! آپ لوگ پیچھے والے اندھے کوئیں میں اتر جائیں۔

ماتا کا ہٹ پورا کرنے کے لیے درگاداس چھپنے کو چلا، پرنتو کوئیں میں پہلے مہا سنگھ کو اتارا کیونکہ وہ گھائل تھا۔ پھر شونگ جی کی سونپی ہوئی لوہے کی صندوقچی اتاری۔ اس کے اپرانت تیج کرن اور جس کرن کو اتارا۔ اتنے میں مسلمانوں نے کواڑ توڑ ڈالے۔ درگاداس کوئیں میں نہ اتر سکا، ایک چھتنار برگد کے برکش پر چڑھ گیا۔ سپاہیوں نے گھر کا کونا کونا ڈھونڈا، پر درگاداس نہ ملا۔ ایک سپاہی ماں جی کو سردار محمد خاں کے پاس پکڑ لے چلا۔ دیکھتے ہی محمد خاں نے ڈپٹ کر کہا۔ خبردار بوڑھی عورت کو ہاتھ نہ لگانا۔ سپاہی الگ جا کھڑا ہوا۔ محمد خاں آپ ہی ماں جی کے سامنے گیا اور بڑی نرمی سے بولا! ماں جی درگاداس نے کنفالیا کے سردار سمیر خاں کے بھتیجے زور آوار خاں کو مار ڈالا ہے۔ بادشاہ کی آگیا ایسے اپرادھ کے لیے سولی ہے۔ اپرادھی کے بچانے اتھوا چھپانے کا یہی ڈنڈ ہے۔

ماں نے کہا۔ سردار! یہ تو کس سے کہہ رہا ہے؟ میں درگاداس کی ماں ہوں۔ کیا ماں اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سولی پر چڑھا دے گی؟ بھلا میں بتا سکتی ہوں کہ درگاداس کہاں ہے۔ یدی پران کا بدلا پران لینا ہی نیائے ہے تو درگاداس اپرادھی نہیں۔ اس نے تو زور آور خاں کو ایک راجپوت کے مار ڈالنے کے بدلے ہی مارا ہے۔ محمد خاں نے کہا۔ ماں جی! مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ زور آور خاں کسی کے بدلے میں مارا گیا ہے۔ اب میں جاتا ہوں۔ پرنتو

درگاداس کو سوریہ نکلنے کے پہلے ہی کسی انجانے استھان میں بھیج دینا۔ نہیں تو دوسرے سردار کے آنے پر بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔ یہ کہتا ہوا شریف محمد خاں باہر نکلا اور اپنے سپاہیوں کو کسی دوسرے گاؤں میں درگاداس کی کھوج کرنے کی آگیا دے دی۔ سنکٹ میں کبھی کبھی ہمیں اس طرف سے مدد ملتی ہے جدھر ہمارا دھیان بھی نہیں ہوتا۔

مغلوں کے چلے جانے کے بعد درگاداس ورکش سے اتر کر ماں کے پاس آیا۔ ماں جی نے محمد خاں کے برتاو کی بڑی سراہنا کی اور درگاداس کو سوریہ اُدے سے پہلے ہی گھر سے نکل کر جانے کو کہا۔ درگاداس راضی ہوگیا۔ پرنتو جس کرن اور تیج کرن کو ماتا کی رکچھا کے لیے چھوڑ جانا چاہا۔ ماں جی نے کہا۔ نا بیٹا! میرے کام کے لیے ناتھو بہت ہے۔ تو جسکرن اور تیج کرن کو اپنے ساتھ لیتا جا۔ نہ جانے کب کون کام پڑے! ایک سے دو اچھے ہیں۔ درگاداس سویرا ہوتے ہوتے ماں جی کو پرنام کر اپنے بھائی اور بیٹے کو ساتھ لے گھر سے نکلا۔ چلتے سمے ناتھو کو بلاکر کہا۔ دیکھ ماں جی کے کشل سماچار ہم کو پرتی دن پہنچایا کرنا اور مغلوں سے سدا ساودھان رہنا۔ مہاسنگھ یدی جیوت ہو تو آج ہی جیسے بنے ویسے ماڑوں پہونچا دینا۔ اور یدی مرگیا ہو تو داہ کریا کردینا اور سن لے اس لوہے کی صندقچی کو اپنے پرانوں کے سمان سمجھنا، پرنتو کھول کر یہ نہ دیکھنا کہ اس میں کیا ہے؟ اس پرکار ناتھو کو سمجھا بجھا کر سوریہ اودے سے پہلے ہی اراولی کی پہاڑیوں میں پہنچ گیا۔ ماں جی دوار پر بڑی دیر تک کھڑی رہیں۔ جب دونوں بیٹے اور پوتے آنکھوں سے اوجھل ہوگئے، تو گھر میں لوٹ آئیں اور ایشور سے پرارتھنا کرنے لگیں۔ بھگوان! ہمارے بیٹوں کو کشل سے رکھنا۔

ناتھو جو ابھی باہر ہی تھا، دوڑتا ہوا آیا، بولا۔ ماں جی! سامنے سے کچھ گھڑ سوار چلے آرہے ہیں۔ ناتھو اور کچھ نہ کہہ سکا تھا کہ ڈیڑھ سو مسلمان سپاہی گھر میں گھس آئے اور ماں جی کو پکڑ لیا۔ ناتھو گھبرا اٹھا، اپنے لیے نہیں، بوڑھی ماں جی کے لیے۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ ایک چھترانی مغل سپاہیوں کے بیچ میں اگھاڑی کھڑی ہو پرنتو کیا کرے؟ چار سپاہیوں نے پہلے ناتھو ہی کو پکڑا تھا، سردار نے پوچھا۔ ڈوکری بتا، تیرا خونی لڑکا درگاداس کہاں ہے؟ ماں جی نے کہا۔ میں نہیں جانتی، گھر پڑا ہے۔ جہاں ہو، کھوج لو۔

سردار نے نرمی سے پھر کہا۔ ماں جی سچ سچ بتا دو، تو میں درگا داس کا خون معاف کرادوں گا اور مقدور بھر اس کی مدد بھی کروں گا۔ تمھیں بھی بادشاہ سے بہت سا دھن دلا

دوں گا۔ کیونکہ درگاداس اپرادھی نہیں۔ اپرادھی تو وہ راجپوت ہے جس کے لیے زور آور خاں مارا گیا۔ ہمیں درگاداس سے کچھ اور نہ چاہیے۔ ہمیں اس راجپوت کا پتا بتا دے وہ کون تھا اور کہاں ہے۔ یدی بادشاہ کو اس کا پتا نہ لگا تو اس کے بدلے تم سب مارے جاؤ گے۔

ماں جی بولیں۔ اچھا ہو، میں اپنے بیٹے کی رکچھا کے لیے ماری جاؤں۔ میں بوڑھی ہوں، اب دن بھی مرنے کے سمیپ ہی ہیں، پرنتو بیٹوں کی پران رکشا کے لیے بھی وشواس گھات نہیں کرسکتی ۔ جسے آشریہ دیا ہے اسے سوارتھ وش ہوکر نکال نہیں سکتے۔

یہ سن کر شمشیر خاں جل اٹھا اور تلوار کھینچ کر ماں جی کی اور دوڑا۔ ناتھو جسے سپاہی پکڑے پاس ہی کھڑے تھے۔ اپنی پوری شکتی لگا کر سپاہیوں کے بیچ سے نکلا اور شمشیر خاں کے وار کو روکا، پرنتو گھائل ہوکر گر پڑا۔ دوسرے وار نے ویر ماتا کا کام تمام کردیا۔ راجپوتانی نے کُل مریادہ کی دیوی پر اپنے پرانوں کی آہوتی دے دی۔ سردار کو اب بھی سنتوش نہ ہوا۔ گھر کی سمپتی بھی لٹوالی اور تب سپاہیوں کو لوٹنے کی آگیا دی۔ ایک سپاہی وہیں کھڑا رہا، شمشیر خاں نے پوچھا۔ کیوں رے خدا بخش! تو کیوں کھڑا ہے؟ خدا بخش نے کہا۔ میں تیرے جیسے ظالم کا کہنا نہیں مانتا، تو مسلمان نہیں۔ اپنے دھرم کا جاننے والا مسلمان کبھی ایسا تیاچار نہیں کرسکتا۔ کوئی بھی ویر پرش ابلا پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تو نے اس بڑھیا کو کیوں مارا؟ اس نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟ تو نے اس سے کہیں گھور اپرادھ کیا۔ جو درگاداس پر لگایا جارہا ہے بتا۔ دو راجپوتوں میں سے ایک گھائل ہوا تھا اور دوسرا مارا گیا تھا۔ اس کے مارنے والے کو کس نے سولی دی۔ شمشیر خاں بگڑ کر ہی خدا بخش کی اور لپکا۔ خدا بخش پہلے ہی سے ساودھان تھا۔ شمشیر خاں کو پٹک کر چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ اس کی فریاد سننے والا بھی وہاں کوئی نہ تھا۔ سپاہی پہلے ہی چلے گئے تھے۔ خدا بخش نے ایک ہاتھ سے سردار کا گلا دبایا اور دوسرے ہاتھ سے قرولی نکالی۔ شمشیر خاں گڑگڑا کر پرانوں کی بھکشا مانگنے لگا۔ خدا بخش نے قرولی پھر کمر میں رکھ لی اور شمشیر خاں کو چھوڑ کر بولا ۔ یہ نہ سمجھنا میں نے تجھ پر دیا کی ہے۔ میں نے سوچا ویر درگاداس اپنی بوڑھی ماتا کا بدلا کس سے لے گا؟ اپنے کرودھ کی بھبھکتی ہوئی آگ کس کے رکت سے بجھائے گا؟ بس، اسی لیے میں نے اپنا ہاتھ تجھ جیسے پاپی کے رکت سے نہیں رنگوں گا۔ یہ کہہ کر خدا بخش پیچھے پھرا اور شمشیر خاں کنفالیا کی اور بھاگا۔

خدا بخش نے جاکر ناتھو اور ماں جی کی لاش دیکھی کہ شاید اب بھی کچھ جان باقی

ہو۔ تب تک ناتھو چتنیہ ہو چکا تھا۔ یدپی گھاؤ گہرا لگا تھا۔

خدا بخش نے ناتھو کو جیتا دیکھ ایشور کو دھنواد دیا اور گھاؤ دھوکر پٹی باندھی پھر بولا۔ بھائی؟ مجھ سے ڈرو مت، میں وہ مسلمان نہیں جو کسی کا برا چیتوں۔ آخر ایک دن خدا کو منہ دکھانا ہے۔ میرے لائق جو کام ہو وہ بتاؤ۔ مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ ناتھو بڑا پرسن ہوا۔ ماں جی کی لوتھ ایک کوٹھر میں رکھ کر، پھر دونوں نے مل کر مہاسنگھ کو کوئیں سے نکالا۔ باہر کی وایو لگنے سے دھیرے دھیرے مہاسنگھ بھی چیتنیہ ہوگیا۔ ناتھو نے درگاداس کا بن جانا، مسلمانوں کا دھاوا۔ ماں جی کا مرنا اور خدا بخش کی کرتی سنکچھیپ میں کہہ سنائی۔ مہاسنگھ کی آنکھوں میں جل بھر آیا۔ کہنے لگا ناتھو یہ سب مجھ ابھاگے کے کارن ہوا۔ اچھا ہوتا، کہ میں وہیں مارا جاتا تو اپنے آتمیوں کی یہ دشا تو نہ دیکھتا۔

ناتھو بولا۔ مہاراج جو ہونا تھا ہوگیا۔ اب آپ خدا بخش کے ساتھ ماڑواڑ جایئے اور میں سوامی کے پاس جاتا ہوں۔ خدا بخش نے کہا۔ ناتھو! ہوسکے تو مجھے دوسرے کپڑے لادو، جس میں ہمیں کوئی پہچان نہ سکے۔ نہیں تو ہماری خیریت نہیں۔ ناتھو نے ایک جوڑا کپڑا اور دو گھوڑے لادیے۔ مہاسنگھ لوہے کی صندوقچی لے کر خدا بخش کے ساتھ ماڑوں چل دیا۔ اور ناتھو اراولی کی پہاڑیوں میں گھومنے لگا، ایک تو بوڑھا، دوسرے گہرا گھاؤ، تیسرے پہاڑیوں کا چڑھنا، ناتھو ایک جگہ بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا پرماتما! یہ دو ہی دن میں کیا ہوگیا؟ ہم جہاں کل آنند کرتے تھے۔ آج وہی راج بھون شمشان ہوگیا۔ جس کی دھاک سارے مارواڑ میں تھی۔ آج وہی نہ جانے کس پہاڑ کی گپھا میں چھپا پڑا ہے۔ بوڑھی ماں جی کی لوتھ گھر میں پڑی سڑ رہی ہے۔ ہائے! جس کے بیٹوں کا سامنا بڑے بڑے شور ویر نہیں کرسکتے تھے۔ اس کی یہ دشا! ایک دُشٹ گیدڑ کے ہاتھوں ماری جائے! پربھو تیری لیلا ادبھت ہے! آج ہی ان کے مرنے کا سماچار لے کر جاتا ہوں۔ ہائے سوامی کے پوچھنے پر میں کیا اتر دوں گا؟ کیسے کہوں گا۔ وِردّھا ماں کو دُشٹ شمشیر خاں نے میرے جیتے جی مار ڈالا ہے۔ ہے پربھو! یہ کہنے کے پہلے ہی میں مر کیوں نہ جاؤں، نہیں نہیں یدی مر جاتا ہوں تو سوامی کو دشٹ کا نام کون بتائے گا۔ ہائے ابھاگے! ناتھو یہ کہتے کہتے اچیت ہوگیا۔ دکھیوں پر دیا کرنے والی نیندرا دیوی نے اسے اپنی گود میں لٹا لیا اور وایو نے اپنے کومل جھکوروں سے تھپک کر سلا دیا۔ سویرا ہوا ناتھو اٹھ بیٹھا اور ایک بہتے ہوئے جھرنے سے جل لے کر ہاتھ منہ دھویا۔ ایشور کی پرارتھنا کر ایک اور چل

دیا۔ دوپہر ہوتے ہوتے اس پہاڑی پر پہنچا، جہاں درگا داس چھپا تھا۔ اپنا پریچے دینے کے لیے راجپوتی تلوار کا بکھان کرتے ہوئے مارو راگنی گائی جسے سن کر ویر درگاداس گپھا سے باہر نکلا۔ ناتھو نے اپنے سوامی کو دیکھا تو دوڑ کر چرنوں پر گر پڑا۔ درگا داس نے پوچھا، ناتھو ہماری ماں جی تو کشل سے ہیں؟

ناتھو نے اس پرشن کو ٹال کر کہا مہاراج! کل ہی آپ کے چلے آنے کے بعد مہاسنگھ کو کوئیں سے نکالا۔ وہ جیوِت تھے۔ لوہے والی پیٹی لے کر ماڑو چلے گئے اور (انگوٹھی دے کر) چلتے سمے یہ امولیہ انگوٹھی دے کر کہا۔ ناتھو یہ انگوٹھی اپنے سوامی کو دینا اور کہنا، جس کے دوارا یہ انگوٹھی میرے پاس بھیجی جائے گی۔ میں اس کے آگیانوسار اپنے پران بھی دے سکوں گا۔ جس کرن اور تیج کرن دونوں ماتا کے کشل سماچار کے لیے ویاکل تھے۔ بولے ناتھو! اور باتیں پیچھے کرنا، پہلے ماں جی کی کشل کہہ، ناتھو سوکھ گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ درگاداس نے گھبرا کر کہا۔ ناتھو! کیوں؟ بولتا کیوں نہیں؟ کیسا ہوا؟ شیگھر کہہ! ناتھو نے رو رو کر شوک ورتانت وستار سہت کہہ سنایا اور شمشیر خاں کی تلوار آگے پھینک دیا۔

درگاداس کی آنکھیں کرودھ سے لال ہوگئیں۔ تلوار ہاتھ میں اٹھا لی، اور بولا، ہے شکتی ماں جگت کی ساکشی۔ میں آپ کے سامنے سوگندھ لیتا ہوں؟ جس پاپی نے ہماری نردوش وِرِدّھا ماتا کو مارا ہے اسے اسی تلوار سے مار کر جب تک رکت کا بدلا نہ لے لوں گا جل پان نہ کروں گا! ناتھو نے کانپتے سور سے کہا۔ ہاں ہاں سوامی! یہ کیا کرتے ہیں؟ مغل بہت ہیں اور آپ اکیلے، یدی آج ہی بدلا نہ مل سکا، تو کب تک آپ بنا جل پان کے رہیں گے؟ درگاداس بولا۔ ناتھو ناتھو! تو بھولتا ہے میں اکیلا نہیں، میرا ستیہ میرا پربھو میرے ساتھ ہے۔ ستیہ کی سدیو وجے ہوتی ہے۔ ابلا پر ہاتھ اٹھانے والا بہت دن جیویت نہیں رہ سکتا۔ ایشور نے چاہا تو آج ہی ماتا کے رِن سے اُرِن ہوجاؤں گا۔ یدی ایسا نہ کیا گیا تو ایک دیش پر پران دینے والی چھترانی کی گتی کداپی نہ ہوگی۔

سوریہ اَست ہورہے تھے۔ اندھیرا بڑھتا جارہا تھا۔ درگاداس نے ناتھو کو اپنی انگوٹھی دے کر کہا تو مہاسنگھ کے پاس چلا جا اور میری انگوٹھی دے کر کہنا، درگاداس اپنی وردھا ماں جی کا بدلا لینے کے لیے کنفالیا گئے ہیں، یدی جیتے رہے تو کبھی ملیں گے۔ نہیں تو ان کا انتم رام رام۔ اور اسی چھن اپنے بیٹے اور اپنے بھائی کو ساتھ لے کر کنفالیا کی اور چل دیے۔ پھر

رات بیتے پٹیلوں کی بستی میں پہنچے۔ رَن سنگھ لگ بھگ ایک سو راجپوت ویروں کو ساتھ لے ویر درگاداس کی اگوانی کے لیے آیا۔ درگاداس راجپوتوں کو دیکھ کر پرسن ہوا۔ شمشیر خاں والی تلوار اونچی اٹھاکر بولا۔ بھائیو! یہ تلوار دُشٹ شمشیر خاں کنفالیا کے سردار کی ہے۔ اس نے ہماری پوجیہ ماتا کی ہتیا کرکے سارے دیش کا اپمان کیا ہے۔ میں نے ماں جی کا بدلا لینے کے لیے سوگندھ لی ہے۔ یدی تم میں راجپوتی کا گھمنڈ ہے، یدی تمھیں دیش کے اُدّھار کی اِچھا ہے، یدی تم اپنی نردوش وِردّھا ماتاؤں بہنوں اور بیٹیوں کی لاج رکھنا چاہتے ہوتو شتروُں سے بدلا لینے کی سوگھند اٹھاؤ۔

درگاداس کے جلتے ہوئے شبد سن کر ویر راجپوتوں کا رکت امنڈ اٹھا اور ایک ساتھ ہی سب سردار بول اٹھے۔ ہم بدلا لیں گے۔ جیتے جی آپ کی آگیا کا پالن کریں گے۔ ترنت سبھوں نے میان سے تلواریں کھینچ لیں اور درگاداس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔

آدھی رات بیت چکی تھی۔ جان کی بازی کھیلنے والوں کا دل کنفالیا پہنچا اور قلعہ پر دھاوا بول دیا۔ دوار بند تھا۔ اسے توڑ کر سب اندر گھسے، جو سامنے آیا اسے وہیں ٹھنڈا کردیا۔ ہتھیاروں کی جھنجھناہٹ سن کر شمشیر خاں چونک اٹھا۔ سامنے دیکھا تو ویر درگاداس کھڑا تھا۔ درگاداس نے کہا۔ او نردوش ابلا پر ہاتھ اٹھانے والے پاپی شمشیر، ساودھان! اپنے کال کو سامنے دیکھ کر شمشیر خاں گڑگڑانے لگا۔

درگادا نے کہا۔ سنبھل جا۔ راجپوت کبھی نہتھے شترو پر وار نہیں کرتے۔ دیکھ یہ وہی تلوار ہے جس نے وِردھا ماں جی کا رکت پان کیا ہے۔ ابھی یہ پیاسی ہے، اب تیرے رکت سے اس کی پیاس میں بجھاؤں گا۔

شمشیر خاں سجگ ہوکر سامنے آیا۔ ویر درگاداس نے ایک ہی وار میں اس کا سر اڑا دیا۔ تب تلوار وہیں پھینک دی اور اپنے سہایک شور ویروں کو ساتھ لے کلیان گڑھ کی اور چل دیا۔

درگاداس کی اِچھا تھی کہ ماں جی کا اگنی سنسکار کردیا جائے۔ اس لیے کلیان گڑھ گیا بھی تھا۔ پرنتو مغل سپاہیوں نے پہلے ہی درگاداس کا گھر ہی نہیں سارا کلیان گڑھ ہی پھونک دیا تھا۔ اپنے گاؤں کی دشا دیکھ بیچارے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ تھوڑی دیر مون کھڑا رہا۔ پھر کرودھ میں آکر بولا۔ بھائیو! جب کوئی اپرادھ نہ کرنے پر شتروں نے ماں جی کو مار

ڈالا، گھر بار لوٹ لیا اور گاؤں جلا دیا، تو پھر اس میل کی کیا آشا کی جا سکتی ہے۔ ایسے ہتھیاروں سے میل کر کے ہم مارواڑ کو اپمانت نہیں کر سکتے۔ ہمارادھرم کیول پہاڑیوں میں چھپ کر جان بچانا نہیں ہے۔ اب تو گاؤں گھر نہ ہونے پر مارواڑی ہی ہمارا گھر ہے۔ وِرِدّھا ماں جی کی جگہ مارواڑ کی پوتر بھومی ہی ہماری ماتا ہے، اس لیے جب تک اپنی ماتا کے سنکٹوں کو دور نہ کرلیں گے۔ (میان سے تلوار نکال کر) تب تک یہ میان سے نکلی ہوئی تلوار پھر میاں میں نہ رکھوں گا۔

یہ پرن کر کے ویر درگاداس اپنے بیٹے، بھائی اور تھوڑے سے راجپوتوں کو ساتھ لے اراولی پہاڑ کی اور چلا گیا۔

چوتھا پرچھید

ویر درگا داس سے بدا ہوکر، ناتھو دوسرے دن ماڑوں میں پہنچا، درگا داس کا سیوک جان کر دوار پال اسے مہاراج مہاسنگھ کے پاس لے گیا۔ مہاسنگھ نے ناتھو کو آدر کے ساتھ بٹھایا اور ویر درگاداس کا سندیش سنا۔ تھوڑی دیر اداس من ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ پھر بولے۔ ناتھو! بڑے دکھ کی بات ہے کہ جس کے لیے درگاداس نے مغلوں سے بیر کیا، وہ راجیہ سکھ بھوگے۔ دھکار ہے ایسے جیون پر، اپنے پران بچانے والے کی نیکیوں کا کچھ بھی بدلا نہ دے سکا۔ ناتھو میں کل ہی تمھارے ساتھ چلوں گا۔

مہاسنگھ کی استری تیجو بائی، جو وہیں بیٹھی بیٹھی یہ کتھا سن رہی تھی، بولی۔ مہاراج درگاداس کی سہایتا کا وچار بھول کر بھی نہ کرنا۔ ابھی آپ کے گھاؤ بھی اچھے نہیں ہوئے اور پھر مغلوں کا سامنا کرنے کا ساہس کرنے لگے۔ میں نہیں جانتی، آپ مٹھی بھر راجپوت لے کر اتنے بڑے مغل بادشاہ کا سامنا کیوں کر کریں گے۔ پتنگوں کے سمان دیپک میں جل مرنا کوئی چترائی ہے؟ درگاداس نے بیر کرکے کیا لابھ اٹھایا، پروسی ہوئی سونے کی تھالی میں لات ماری۔ زور آور خاں کو مار کر کون سکھ پایا؟ یہی نہ کہ گھر بار لٹوایا، ماں جی کی ہتیا کرائی اور اب جنگلوں پہاڑوں کی ہوا کھاتے پھرتے ہیں، کیا آپ بھی ایسے سرپھروں کی سہایتا کرکے راجیہ کھونا چاہتے ہیں۔ یہ واکیہ مہاسنگھ کے کلیجے میں تیر کی طرح لگے۔ پرنتو گھر میں ہی پھوٹ نہ پیدا ہو جائے، اس لیے کرودھ نہ کیا۔ بولا تیجو بائی! کیا درگاداس سر پھرا ہے۔ جس نے تیری بیٹی کی لاج رکھی اور سہاگ کی رکچھا کی۔ درگاداس نے اپنے لیے نہیں کنتو میرے پرانوں کو بچانے کے لیے مغلوں سے بیر بسایا۔ یدی زور آور خاں مارا نہ گیا ہوتا، تو آج تیری بیٹی لالبا کی ایشور جانے کون دشا ہوتی۔ کہا! سے نکل جانے پر تو ایسے ویر پُرش کو مؤرکھ کہتی ہے۔

دھکار ہے، تجھے اور تیرے جنم داتا کو! برہما کو تجھے چھترانی نہ بنانا تھا۔ تیجا راج سکھ کی بھوگی تھی۔ اسے مہاسنگھ کی سکھاون کیسے اچھی لگتی؟ اٹھ کر دوسری جگہ چلی گئی اور اپنے بھتیجے مہاسنگھ کو بلوا کر کہا بیٹا اپنے کاکا کو سمجھادو، بیٹھے بٹھائے دوسرے کا جھگڑا اپنے سر نہ لیں۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ مان سنگھ نے کہا کاکی یہ دوسرے کا جھگڑا نہیں۔ یہ اپنا ہی ہے۔ ویر درگاداس نے مغلوں سے جو بیر بڑھایا وہ ہمارے ہی کل کی لاج رکھنے کے لیے۔ اس میں درگاداس کا کیا سوارتھ تھا؟ دکھیوں کی سہائیتا کرنا راجپوتوں کا دھرم ہے۔ پھر درگاداس تو ہمارے لیے کشٹ سہتا ہے۔ یدی اس کی سہایتا نہ کی جائے تو کاکی، کیا ہماری راجپوتی میں کلنک نہ لگے گا؟ یدی کاکا کا جانا تمھیں اچھا نہ لگتا ہو تو میں چلا جاؤں گا۔

مان سنگھ کاکی سے بدا ہو مہاسنگھ کے پاس آیا اور بولا کاکا جی ابھی آپ کے گھاؤ اچھے نہیں ہوئے ہیں۔ اس لیے آپ اپنے لشکر کا سردار مجھے بنا کر درگاداس کی سہائیتا کے لیے جانے کی آگیا دیجیے۔ مہاسنگھے اپنے بھتیجے کی ساہس پر بڑے پرسن ہوئے اور تین سو ویر راجپوتوں کو بلایا۔ مان سنگھ نے ان کے سامنے کھڑے ہو کر کہا، بھائیو! میں کسی راجپوت کو اس کی اِچھا بنا ہی اپنے ساتھ یدھ پر لے جانا نہیں چاہتا۔ یدی کسی کو اپنے استری پتر اتھوا اپنے پرانوں کا موہ ہو، تو اچھا ہے کہ وہ ابھی سے اپنے گھر چلا جائے۔ سبل شترو کے سامنے سے بھاگ کر راجپوتوں کی ہنسائی نہ کرے۔ شور ویروں نے کہا مہاراج! دیش کو سوتنتر کیے بنا آگے بڑھا ہوا پیر اب پیچھے نہیں پڑ سکتا۔ مرنے پر سورگ اور جیتے رہنے پر سکھ اور یش سب پرکار بھلائی ہی ہے۔ مان سنگھ ویروں کو اتساہت دیکھ بڑے پرسن ہوئے۔ ترنت تین سو کی تین ٹولیاں بنائیں۔ ایک ٹولی روپ سنگھ اداوت کے ساتھ بھیجی اور دوسری ٹولی محکم سنگھ میڈتیا کے ساتھ کسی دوسرے ہی مارگ سے بھیجی۔ تھوڑے تھوڑے راجپوتوں کو پرتھک پرتھک مارگوں سے بھیجنے کا کارن تھا کہ اتنے ہتھیار بند راجپوتوں کو ایک ساتھ جاتے ہوئے دیکھ کر مغلوں کو سندیہہ اوشیہ ہوگا۔ روک ٹوک میں مار کاٹ تو راجپوتوں کے لیے کوئی انہونی بات تھی ہی نہیں اس کا پھل یہ ہوتا کہ اپنے کام مین بادھا پڑتی اور درگاداس کی سہایتا کرنا تو دور رہا، اپنی ہی رکشا کٹھن ہوتی۔ انھیں اڑچنوں کے بچاؤ کے لیے دو ٹولیاں پہلے بھیج دیں، اور تیسری ٹولی مان سنگھ نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے روک لی۔

جھٹ پٹا ہو چلا تھا۔ مان سنگھ تیجا اور لالبا سے بدا ہو کر باہر آئے۔ چاہتے تھے کہ

راجپوتوں کو چلنے کی آگیا دیں، اچانک دکن کی اور دیکھا تو کالے بادلوں کے سمان ہوا میں اڑتے ہوئے مغل سپاہی آرہے تھے۔ دیکھتے ہی مان سنگھ خبر دینے بھیتر گیا۔ ادھر مغلوں نے گڑھی گھیر لی۔ راجپوت لڑائی کے لیے تو سجے کھڑے تھے، بھڑ گئے اور گھمسان مار کاٹ ہونے لگی۔ مہاسنگھ نے کہا بیٹا مان سنگھ۔ جیسے بنے ویسے لالبا کو یہاں سے نکال لے جاؤ، ہم کیول کُل میں کلنک کے لگنے کو ڈرتے ہیں، مرنے کو نہیں۔ مان سنگھ جھٹپٹ لالبا کے پاس پہنچا اور سمجھا بجھا کر اسے سرنگ والی کوٹھری میں لے گیا۔ لالبا بولی بھائی وِردھ ناتھو کو کسی پرکار بچانا چاہیے۔ مان سنگھ نے لالبا سے کہا اچھا بہن! تم یہیں کھڑی رہو میں ناتھو کو لینے جاتا ہوں۔ یدی میرے آنے میں دیر ہو تو سیدھی چلی جانا، تھوڑی ہی دور پر تم کو ایک مہندر ناتھ بابا کی مڑھی ملے گی۔ تم وہیں بابا کے پاس ٹھہرنا میں آجاؤں گا۔ مان سنگھ سرنگ کا منہ بند کر باہر آیا۔ دیکھا کہ مغل سپاہی گڑھی کے چاروں اور بھر گئے۔ چندر سنگھ جو لالبا کی سندرتا پر موہت تھا۔ پاگلوں کے سمان کوٹھری کوٹھری میں لالبا کی ہی کھوج کر رہا تھا۔ مان سنگھ ایک جھروکے سے چھپ کر دیکھ رہا تھا، اچانک تین سپاہی ادھر ہی پہنچ گئے۔ مان سنگھ نے تورنت ہی تینوں کو یم پور بھیج دیا اور وہاں سے ہٹ کر دوسری اور چلا۔ یہاں بھی ایک مغل سپاہی دیکھ پڑا۔ مان سنگھ اسے مارنا ہی چاہتا تھا کہ کسی نے پیچھے سے کہا، ہاں، ہاں یہ خدا بخش ہے۔ ہاتھ روک لیا۔ مڑ کر دیکھا، تو ناتھو کھڑا تھا۔ ترنت ہی تینوں مل کر سرنگ میں اترے لالبا ابھی یہیں کھڑی تھی۔ پکارا۔ بھائی مان سنگھ! کیا ناتھو کو لے آئے؟ ناتھو نے کہا۔ ہاں بیٹی میں کشل سے ہوں، اور خدا بخش کو ساتھ لایا ہوں۔ لالبا نے چلتے چلتے پوچھا، ناتھو! ہمارے ماتا پتا کی کیا دشا ہوگی؟ ناتھو نے کہا! بیٹی دونوں میرے ہی سامنے پکڑے گئے تھے۔ اس کے بعد کیا ہوا میں نہیں جانتا، مجھے تو مہاراج نے بھاگ جانے کا سنکیت کیا۔ میں ان کا ابھیپرائے سمجھ کر بھاگا۔ بیٹی! اپنے لیے نہیں کنتو لوہے والی صندوق کے لیے۔

خدا بخش نے کہا بیٹی لالبا! اپنے ماتا پتا کی چنتا نہ کرو۔ میں مسلمان ہوں، اس لیے اپنے پکڑے جانے کا بھیے تو تھا ہی نہیں۔ وہیں کھڑا رہا اور سب کی سنتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں سارا بھید کھل گیا۔ ویش دروہی چندر سنگھ نے تو منگنی کے لیے مہاراج کو ایک پتر لکھا تھا۔ کداچت یہ بات تجھے نہ معلوم ہو، مہاراج اس وشٹ کے سوبھاؤ سے پریچت تھے، اس لیے اس کی ونے پر ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ اسی بات پر چندر سنگھ اینٹھ گیا اور مہاراج کو نیچا دکھانے

کا اُپائے سوچنے لگا۔ دیو یوگ سے کسی پرکار اسے ناتھو کا آنا اور دیر درگاداس کی سہائیتا کے لیے وہاں سے راجپوتوں کا بھیجا جانا معلوم ہوگیا۔ ترنت مغل سردار عنایت خاں کے پاس دوڑا گیا اور مہاراج کو راج دروہی بتا کر ماڑوں پر چڑھائی کرادی۔ یہ سب تھا تیرے ہی لیے، پرنتو ایشور کی کرپا تھی، کہ تو اس دیش دروہی دشٹ کے ہاتھ نہ لگی، نہیں تو آج بڑی خرابی ہوتی۔ جب لاکھ ڈھونڈھنے پر بھی چندر سنگھ نے تیرا پتا نہ پایا۔ تب تیرے ماتا پتا کو پکڑ کر سوجیت گڑھ میں رکھنے کا وچار کیا، ایشور نے چاہا تو وہ دو ہی تین دن میں چھوٹ جائیں گے۔

سرنگ سماپت ہوگئی، تو مان سنگھ نے آگے بڑھ کر سُرنگ کا منہ کھولا اور ایک ایک کرکے سب کو باہر نکالا۔ مڑھی میں منشیوں کی آہٹ پاتے ہی بابا مہندر ناتھ جی آپہنچے۔ سبھوں نے اٹھ کر پرنام کیا۔ باباجی نے آشرواد دیا۔ مان سنگھ نے پوچھنے کے پہلے ہی مغلوں کا دھاوا اور بھاگنے کا کارن کہہ سنایا۔ باباجی نے لالبا کی اور دیکھا اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر بولے بیٹی! اب کسی بات کی چنتا نہ کرو۔ یہاں آنند سے رہو، تمھارے لیے ایک داسی بلائے دیتا ہوں۔ بیٹی! یہاں کسی کی سامرتھ نہیں، کہ تمھیں کشٹ پہنچا سکے۔ باباجی نے سب کو ڈھارس دیا اور سونے کے لیے استھان بتا کر مڑہی میں چلے گئے۔ ڈر اور چنتا میں نیند کہاں؟ جیسے تیسے رات کٹی۔ سویرا ہوا، خدا بخش نے جانے کی آگیا مانگی۔ بابا مہندر ناتھ نے کہا بیٹا! ایسے اُتالے کیوں ہو رہے ہو؟ چلے جانا خدابخش نے کہا۔ بابا جی، مسلمان ہوں، اس لیے مجھے مسلمانوں کو اتیا چار کرتے دیکھ لاج لگتی ہے۔ سچے مسلمانوں کا دھرم نہیں، کہ دوسرے کی ماں بیٹی کا ستیتو نشٹ کریں۔ دکھیوں کو ستائیں۔ بہادر سپاہی کہلاکر ابلاؤں پر ہاتھ اٹھائیں۔ اب مجھے چھما کیجیے اور آگیا دیجیے۔ جہاں تک ہو سکے۔ اس دیش سے شیگھر ہی چلا جاؤں۔ پھر وہ مان سنگھ سے بڑے بڑے پریم کے ساتھ گلے ملا۔ دونوں نے پرسپر تلواریں بدلیں اور خدا بخش باباجی کو پرنام کر چل دیا۔ تھوڑی دور چل کر پیچھے مڑا اور بولا۔ بھائی مان سنگھ! ہماری تلوار سے کسی پرانوں کی بھکشا مانگنے والے کائر کو نہ مارنا۔ مان سنگھ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کھڑے کھڑے ایک ٹک اس سچے مسلمان سپاہی کی اور دیکھتے رہے۔ جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہ ہوگیا۔

ابھی بابا مہندر ناتھ، ناتھو، لالبا اور مان سنگھ بیٹھے خدا بخش ہی کی بات چیت کر رہے

تھے کہ دیکھا کچھ مغل سپاہی ایک راجپوت کو بڑی نردیتا سے مارتے ہوئے لیے جا رہے ہیں۔ باباجی سے دیکھا نہ گیا۔ سو بھاؤ دیاوان تھا۔ دوڑ کر پوچھا بھائی، اس بیچارے کو کیوں مار رہے ہو؟ سپاہیوں نے کہا باباجی! راج دروہی مہاسنگھ کا پکش پاتی ہے۔ اس کے پاس مہاسنگھ کی انگوٹھی بھی ہے بابا مہندر ناتھ نے کہا۔ یہ تو کوئی پرمان نہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے مان لو اس نے یہ انگوٹھی کسی سے چھین لی ہو، اتھوا مہاسنگھ نے ہی دے ڈالی ہو، یا چرا لیا ہو۔ تو اس پر مہاسنگھ کا پکش پاتی ہونے کا دوش کیسے لگ سکتا ہے؟ تمھارے دھرم گرنتھ قرآن میں کسی نردوش کو مارنا مہا پاپ لکھا ہے۔ اس لیے اسے ابھی چھوڑ دو۔ ہم اس سے نجی طور سے پوچھ لیں۔ یدی دوشی ٹھہرے گا تو تم کو سونپ دیں گے۔ نہیں تو چھوڑ دیں گے۔ باباجی کی باتیں سردار کو جچ گئیں۔ اور راجپوت کو چھوڑ دیا۔

باباجی راجپوت کو اپنی مڑھی میں لے آئے اور پوچھا بیٹا، یہ مہاسنگھ کی انگوٹھی کہاں سے لائے۔ اور کہاں لیے جا رہے تھے؟ راجپوت نے کہا سوامی جی آپ نے ہمارے پران بچائے ہیں۔ اس لیے آپ پر بھروسا کرنا اچت ہے ہی، پرنتو آپ ہی پران کیوں نہ لے لیں۔ اس سے تک کچھ نہ بتاؤں گا۔ جب تک مجھے یہ وشواس نہ ہو جائے گا، کہ آپ ہمارے اہتو ہیں۔ راجپوت کی آواز ناتھو کو کچھ پہنچانی ہوئی جان پڑی، باہر آیا، دیکھتے ہی راجپوت نے پہچان لیا اور بولا ناتھو! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ مہاسنگھ نے درگاداس کی سہایتا کرنے کا کوئی پربندھ کیا یا نہیں؟ ناتھو اچنبھے میں آکر بولا۔ کیا سہایتا نہیں پہنچی؟ کل ہی دو سو کی دو ٹولیاں بھیجی گئیں ہیں۔ راجپوت نے کہا نہیں ناتھو! ابھی کوئی نہیں پہنچا! مسلمانوں نے چاروں اور سے گھیر لیا ہے۔ اب کہیں بھوجنوں کا بھی ٹھکانا نہیں۔ یدی دو دن اور یوں ہی بیتے تو پھر مارواڑ کا سرو ناش ہو جائے گا۔ بابا مہندر ناتھ نے گرج کر کہا۔ کیوں نراش ہوتے ہو؟ مارواڑ سوتنتر ہوگا۔ اور ویر درگاداس کا منورتھ سپھل ہوگا۔ پرش ہو، پروشارتھ کرو اوپائے کرو۔ آج ہی رات کو اپنے کاکا کلیان سنگھ کے پاس جاؤ اور جو کچھ بھی سہایتا مل سکے، لے کر اراولی پہنچو۔ تمھاری جے ہوگی۔

بابا مہندر ناتھ کے آگیا انوسار مان سنگھ اور کرن سنگھ بہن لالبا سے بدا ہو لگ بھگ آدھی رات کو کلیان سنگھ کے گھر پہنچے۔ دیکھا تو چوکیدار بھی بے خبر سو رہے تھے۔ جگایا، تو ایک ایک کر کے سبھی جگ پڑے۔ ٹھاکر کلیان سنگھ نے مان سنگھ کو اتنی رات کو آیا دیکھا تو گھبرا

اٹھے۔ پوچھا بیٹا مان سنگھ! کشل تو ہے؟ کیسے آئے؟ مان سنگھ پیر چھوکر بیٹھ گیا اور بولا کاکا جی کیا آپ نے ماڑو کے سماچار نہیں سنے؟ وشٹ چندر سنگھ اپنے ساتھ سردار عنایت خاں کو لایا، اور گڑھی لٹوالی، کاکا اور کاکی کو پکڑ لے گیا۔ یہ سب کچھ بہن لالبا کے لیے تھا۔ ویر درگاداس نے بھی لالبا تتھا کاکا کی رکشا کے لیے ہی زور آور خاں کو مارا تھا۔ جس کا پھل ابھی بھوگ رہا ہے۔ گھر لوٹا، گاؤں جلا، ماں کی ہتھیا ہوئی اراولی کی پہاڑی میں جا چھپا، وہاں بھی سکھ نہیں۔ چاروں اور سے مغلوں نے گھیر رکھا ہے۔ اس لیے کاکا جی ہم چاہتے ہیں، کہ ایسے اپکاری پرش کی آپ ہی کچھ سہائیتا کریں۔ کلیان سنگھ نے کہا۔ بیٹا! یہ تو سچ ہے، پرنتو ہمارا چھوٹا سا گاؤں ہے۔ کہیں اورنگ زیب کو معلوم ہوگیا، تو ستیا ناش کر ڈالے گا۔ ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ ڈر تو یہی ہے۔ مان سنگھ نے کہا۔ کاکا جی! راجپوت کبھی اتنا ڈر کر تو نہیں رہے۔ جتنا آپ ڈرتے ہیں۔ دیس کی سوتنترتا پر مرمٹنا راجپوتوں کا دھرم ہی ہے اور یدی آپ چاہتے ہی ہیں تو آپ سوئیم یدھ کے لیے نہ جایئے۔ تھوڑے سے ویر راجپوت، جو آپ کی آگیا میں ہوں، سہائیتا کے لیے بھیج دیجیے۔ اس میں آپ پر کسی پرکار کا دوش نہیں لگایا جاسکتا۔ مان سنگھ کے سمجھانے اور ہٹ کرنے پر کلیان سنگھ نے ساٹھ راجپوتوں کو درگاداس کی سہائیتا کے لیے جانے کی آگیا دی۔ مان سنگھ دوسرے دن شام کو ساٹھ راجپوتوں کو ساتھ لے کر اراولی کی اور چلا۔

پانچواں پرچھید

کنالیا کے سردار شمشیر خاں کے مارے جانے کی خبر پاتے ہی اورنگ زیب آپے میں نہ رہا، ترنت آگیا دی درگاداس کو جیسے ہوسکے، پکڑ کر ہمارے سامنے لایا جائے۔ جیتا ہوا یا مرا ہوا، جیسا بھی ہو۔ دوسرے ہی دن مغلوں نے چاروں اور سے اراولی کو گھیر لیا۔ اوپر چڑھ کر راجپوتوں کا سامنا کرنے کا کوئی ساہس نہ کرتا تھا۔ اس لیے بھوکوں ہی مار ڈالنے کی صلاح ہوئی۔ پہاڑی پر نہ کسی کو آنے دیں اور نہ جانے دیں۔ یہاں تک کہ لوتھ بھی کھول کر دیکھ لیتے تھے۔ بیچارے درگاداس اور اس کے ساتھی راجپوتوں کو کند مول بھی کھانے کے لیے ملنا کٹھن ہوگیا۔ آج تین اپواس ہو چکے تھے۔ درگاداس اپنے ساتھی راجپوتوں کا کشٹ نہ دیکھ سکا۔ بولا۔ بھائیو! آج ناتھو کو گئے چار دن ہوئے، پرنتو نہ آپ ہی آیا اور نہ سہائیتا کے لیے کوئی راجپوت ہی بھیجا۔ ٹھیک ہے، وہ کسے بھیجتا، وہ تو مان سنگھ کے پاس بھیک مانگنے گیا تھا۔ بھائیوں۔ ایک سمے تھا جب راجپوتوں کی ویرتا سنسار میں بکھانی جاتی تھی اور تھوڑے ہی دن ہوئے مہاراج جسونت سنگھ کے مرنے کے بعد بیس ہزار مغل سپاہیوں پر ڈھائی سو راجپوت ٹوٹ پڑے تھے۔ اب آج وہی راجپوت مٹھی بھر مغلوں سے ڈر کر گھر سے نہیں نکلتے۔ بھائیوں! اچھا ہوگا کہ تم سب بھی اپنے اپنے گھر جاؤ، مجھے اور میرے ابھاگے دیش کو بھگوان کے بھروسے چھوڑ دو۔ میرے ساتھ کیوں بھوکوں مرو گے؟ میں تو جو پرن کر چکا، وہ کرچکا۔ رہوں گا سوتنتر ہو کر، نہیں تو بھو ماتا کے لیے لڑ کر سدیو کے لیے ماتا کی پوتر گود میں سو رہوں گا۔

درگاداس کو اداس دیکھ کر، راجپوتوں نے اتیجت ہو کر کہا مہاراج، جو آپ کا پرن وہی

ہمارا پرن۔ جہاں مہاراج وہیں ہم سب۔ جب تک مارواڑ سوتنتر نہ کر لیں گے۔ جیتے جی گھر نہ لوٹیں گے۔

بھوکوں مرتے ہوئے راجپوتوں کا ایسا ساہس دیکھ، ویر درگاداس کی مرجھائی ہوئی آشا لتا ایک بار پھر ہری ہوگئی۔ مکھ پر پرسنتا جھلک اٹھی۔ بولا اچھا، تو بھوکوں مرنے سے لڑکر ہی مرنا اچھا ہے۔ سہائیتا ملے یا نہ ملے۔ چلو، اس پہاڑی کے نیچے اتریں۔

یہ راستہ بڑا بیہڑ تھا۔ منش تو کیا، پشو بھی جاتے ڈرتے تھے، پرنتو مرتا کیا نہ کرتا، وہی کہاوت تھی۔ لوگ نیچے اترنے لگے۔ اتنے میں درگاداس نے ''رام نام ستیہ ہے'' سنا، وہیں ٹھہر گئے۔ دیکھا، تو سامنے سے چار آدمی ایک ارتھی لا رہے ہیں۔ اس کے پیچھے ایک آدمی ادھ جلا کنڈا اور ہانڈی لٹکائے ہے۔ پیچھے پیچھے لگ بھگ سو آدمی اور ہیں، اور سب کے سب ادھر ہی آرہے ہیں۔ درگاداس کو سندیہہ ہوا کہ شمشان تو ادھر ہے، یہ سب ہماری اور کیوں آرہے ہیں؟ جب ان آدمیوں نے ارتھی ویر درگاداس کے سامنے اتاری اور لگے کھولنے تو درگاداس .اور بھی چکرایا۔ سوچنے لگا، یا بھگوان! یہ بات کیا ہے؟ ارتھی کھلتے ہی ایک ویر راجپوت اٹھ کر درگاداس کے پیروں پر گر پڑا۔ا درگاداس نے آشرواد دے کر پوچھا بھائی تم کون ہو؟ یہ سب میں کوتک دیکھ رہا ہوں یا سوپن میں؟ روپ سنگھ اداوت نے، جو پیچھے رہ گیا تھا، آگے بڑھ کر رام جوہار کی، اور بولا۔ اس ویر راجپوت کا نام گمبھیر سنگھ ہے۔ آپ کے پاس آنے کے لیے ادھر ادھر وِکل گھوم رہا تھا، دیو یوگ سے یہ ہمیں ملا۔ ہم لوگ بھی اسی کی بھانتی ویاکل تھے۔ کیا کرتے؟ چاروں اور سے مغلوں نے پہاڑی گھیر رکھی ہے۔ گمبھیر سنگھ نے یہی اپائے سوچا اور ایسی سانس چڑھائی کہ تین جگہ کھول کر دیکھنے پر بھی مغلوں کو سندیہہ نہ ہوا۔ سچ پوچھیے، تو آپ کو سہائیتا پہنچانے والا مہاسنگھ نہیں، کنتو گمبھیر سنگھ ہی ہے۔

درگاداس نے گمبھیر سنگھ کو چھاتی سے لگا لیا اور کہا۔ بیٹا گمبھیر سنگھ! آج سے ہمیں وشواش ہوگیا کہ مارواڑ دیش تیرا آجیون رنِی رہے گا۔ تیری چترائی، ساہس اور پرشرم کے بل پر ہی مارواڑ سوتنتر ہوگا۔ روپ سنگھ ادوات نے کہا مہاراج! سورج است ہو چکا، مارگ اٹ پٹ ہے، اندھیرا ہو جانے سے کشٹ کی سمبھاونا ہے۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے شیگھر ہی چلیے، راجپوت بھی بھوکے ہیں۔ اور اس مارگ کی روک پر مغل بھی انے گنے ہیں۔ بس تھوڑا ہی پرشرم کرنے پر پوبارہ ہے۔ ویر درگاداس کی آگیا پاتے ہی راجپوت پہاڑی سے

اترے اور بھوکے سنگھ کے سمان مغلوں پر ٹوٹ پڑے۔ شنٹ (لمحہ) ماتر میں ہی ویر راجپوتوں نے سینکڑوں مغلوں کا سر دھڑ سے الگ کردیا۔ اتنے مغلوں میں کوئی بیچارا گھائل بھی نہ بچا کہ اپنے سردار کو خبر دیتا۔

ویر درگا داس اب نشچت تھا، کسی پرکار کی بادھا دیکھائی نہ دیتی تھی۔ اراولی کی پہاڑیوں کو پار کرکے لوگ ایک میدان میں یہ صلاح کرنے کے لیے جمع ہوئے کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ کہاں چلنا چاہیے؟ یکایک کسی کی اس آواز نے سب کو چونکا دیا، ارے دشٹ! مجھے کیوں مارتا ہے؟ کیوں نشٹ کرتا ہے؟ میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟ ارے، رکشا کرو، کوئی بچاؤ؟ پاپی، ابلا پر کیا بل دکھاتا ہے؟ اچھا مجھے تلوار دے ویر درگاداس ادھر ہی دوڑا جدھر سے یہ آواز آرہی تھی پیچھے پیچھے گمبیھر سنگھ اور جسکرن بھی تھے۔ درگاداس نے یہ دیکھا کہ ایک ابلا پر ایک پرش بلاتکار کرنا چاہتا ہے۔ پرنتو اندھکار کے کارن پہچان نہ سکا۔ ڈپٹ کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ وہ منش بولا جاجا، میں کون ہوں؟ تو پوچھنے والا کون ہے؟ میں کیا کر رہا ہوں، تجھ سے پریوجن؟ درگاداس نے کہا کیا سیدھے نہ بتائے گا؟ اتنا کہنا تھا کہ تلوار کھینچ سامنے آیا اور چاہتا تھا کہ درگاداس پر وار کرے۔ اس کے پہلے ہی گمبیھر سنگھ نے اس کا سر دھڑ سے الگ کردیا۔ درگاداس نے استری سے پوچھا۔ بیٹی! تم کون ہو؟ اور یہ دشٹ کون تھا؟ اس نے تم کو کہاں پایا؟ استری نے کہا پتا جی؟ میں ماڑوں کے راجا مہاسنگھ کی کنیا لالبا ہوں، اور یہ پاپی چندر سنگھ تھا۔ اپنے کیے کا پھل پا گیا۔ درگاداس نے پیچھے کسی کی آہٹ پائی، مڑ کر دیکھا، جسکرن اور گمبیھر سنگھ دوڑے جارہے ہیں۔ درگاداس ہاتھ میں تلوار لیے لالبا کی رکشا کے لیے وہیں کھڑا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں گمبیھر سنگھ اور جسکرن ہاتھوں میں باگ ڈور پکڑے پانچ گھوڑے لے آئے اور بولے مہاراج! اس پاپی کے تین ساتھی اور تھے ہم نے انھیں دیکھ لیا اور پیچھا کیا۔ یہ چاہتے تھے کہ گھوڑے پر چڑھ کر بھاگ جائیں پرنتو یہ کیسے ہوتا؟ انھیں تو موت کھینچ لائی تھی۔ وہ تو نرک گئے اور گھوڑے آپ کے لیے چھوڑ گئے۔

لالبا نے گمبیھر سنگھ کو بولی سے پہچانا اور پکارا۔ بھائی گمبیھر سنگھ! کیا آپتی میں آپ بھی ہم کو نہیں پہچانتے؟ گمبیھر سنگھ نے کہا کون لالبا! اری، تو یہاں ان پاپیوں میں کیسے آپھنسی؟ لالبا نے کہا ماتا تیجبا کے کارن! بھائی، تیجبا میں چھترانی کی کچھ بھی اینٹھ نہیں، وہ سدیو راج سکھ کی بھوکی رہتی ہے۔ کداچت پاپی چندر سنگھ نے کسی پرکار کا لالچ دے کر تیجبا کو پھنسایا ہو،

اور اس نے اپنی انگوٹھی دے دی ہو۔ وہ جانتی تھی کہ لالبا میری انگوٹھی پاکر اوشیہ ہی انگوٹھی دینے والے کے ساتھ چلی آئے گی۔ گمبھیر سنگھ نے کہا بہن لالبا! یہ کیسے وشواش کیا جائے، کہ تیجبا نے چندر سنگھ کو انگوٹھی دی ہے؟ جب عنایت خاں نے تیجبا اور کاکا مان سنگھ کو پکڑ لیا تو ہو سکتا ہے کہ انگوٹھی اتار لی ہو۔ لالبا نے کہا نہیں، مان لیا جائے کہ چندر سنگھ نے انگوٹھی چھین لی تھی۔ تو پھر ہمارا پتا کیسے پاتا، کہ میں سرنگ سے بابا مہندر ناتھ سنگھ کی مڑھی میں پہنچی، اور وہیں رہی۔ بھائی، ایسے ہی ترکوں سے مجھے وشواش ہو گیا ہے۔ کہ تیجبا کے سوا دوسرے نے کپٹ نہیں کیا۔ گمبھیر بولو۔ اچھا لالبا! یہ تو بتا کہ جب تو چندر سنگھ کو پہچانتی تھی، اور اس کے سوبھاؤ سے بھی پریچت تھی، تب اس کے مایا جال میں کیوں پھنسی؟ لالبا بولی، بھائی، تیجبا کی انگوٹھی لے جانے والا کوئی دوسرا ہی راجپوت تھا۔ اس نے جاکر کہا کہ تیجبا نے لالبا کو بلایا ہے، کیونکہ مہاسنگھ بہت دکھی ہے۔ اور یہی چاہتے ہیں کہ لالبا ان کے آنکھ کے سامنے رہے۔ تو میں موہ سے اندھی ہوگئی۔ وشواش کے لیے انگوٹھی تھی ہی۔ بس بابا مہندر ناتھ سے بدا ہو اس پاپی کے ساتھ چل دی۔ اس کے بعد اس وپتی میں آ پھنسی۔ ایشور نے پاپیوں کی اچھا پوری ہونے کے پہلے ہی میری رکشا کے لیے آپ کو بھیج دیا۔

ویر درگاداس نے اسے دھیریہ دلاتے ہوئے کہا، بیٹی! اب تجھے ایسے اچھے اور سورکھچت استھان میں رکھوں گا، جہاں کسی پرکار کی شدکا نہ ہوگی۔ لالبا نے کہا نہیں اب میں کبھی اکیلے رہنا نہیں چاہتی۔ یدی آپ میری رکشا کرنا چاہتے ہوں تو اپنے ہی ساتھ رہنے دیں۔ میں بھی اب سپاہیوں کے بھیش میں رہوں گی۔ یتھا شکتی آپ کی سہائتا کروں گی۔ مجھے اس سے اچھا اب اپنی سرکشا کا آپائے نہیں سوجھتا۔ درگاداس ایک بالیکا میں اتنا ساہس دیکھ بڑا پرسن ہوا اور اسے اپنے ساتھ رکھنا سویکار کرلیا۔ گمبھیر سنگھ نے چندر سنگھ کے کپڑے اتار دیے اور لالبا ترنت ہی ایک ویر راجپوت بن گئی۔ ہاتھ میں تلوار پکڑی اور گھوڑے پر سوار ہوکر درگاداس کے پیچھے پیچھے چل دی۔ تھوڑی دور چلنے پر کسی کے آنے کی آہٹ ملی۔ گمبھیر سنگھ بڑا ساہسی تھا ترنت ہی آگے بڑھا۔ دیکھا کہ لگ بھگ پچاس ساٹھ منش ادھر ہی چلے آرہے ہیں۔ اب چندرما کا پرکاش ہو چکا تھا۔ دیکھنے سے راجپوت ہی جان پڑتے تھے۔ پاس آتے ہی گمبھیر سنگھ نے پوچھا کون؟ کسی نے اس کے اتر میں کہا تم کون؟ گمبھیر سنگھ اس آواز کو پہچانتا تھا۔ گھوڑے سے اتر پڑا بولا بھائی مان سنگھ! میں ہوں گمبھیر اور مان سنگھ کا ہاتھ پکڑے ہوئے

اسے درگاداس کے سامنے لا کھڑا کیا۔ درگاداس نے مان سنگھ کو بڑے پریم سے گلے لگایا۔ اس نے لالبا کی اور دیکھا، پرنتو پہچان نہ سکا۔ پوچھا بھائی جس کرن! یہ راجپوت کون ہے؟ جس کرن کے کچھ کہنے کے پہلے ہی لالبا نے کہا بھائی مان سنگھ، میں ہوں آپ کی بہن لالبا۔ مان سنگھ لالبا کی اور بڑے آشچر یہ سے ایک ٹک دیکھتا رہا پھر پوچھا بہن لالبا، تو یہاں کیسے آئی؟ لالبا نے آدی سے لے کر کرانت تک ساری باتیں پھر دہرا دیں۔ مان سنگھ نے کہا جو ایشور کرتا ہے، اچھا ہی کرتا ہے۔ بہن، ہم نے تو تمھاری رکشا کا اچت پربندھ کیا تھا، پرنتو بھاگیہ کا لکھا کیسے مٹ سکتا ہے۔

جب یہ لوگ لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ محکم سنگھ میڑتیا بھی اپستھت ہیں۔ اب تو ویروں کی سنکھیا بہت ہو گئی، معلوم ہوتا ہے۔ مارواڑ کے بھاگیہ اودے ہوئے۔ درگاداس اپنی آشا لتا کو پھولتے دیکھ بڑا ہی پرسن ہوا۔ محکم سنگھ سے گلے مل کر بیٹھ گیا اور صلاح کرنے لگا۔ سوجیت گڑھ پر چڑھائی کرنے کی رائے ٹھہری، کیونکہ مہاسنگھ کا چھڑانا اور سوجیت گڑھ کا اپنانا، ایک پنتھ دو کاج تھا۔ درگاداس نے ویر راجپوتوں کو اسی جنگل میں وشرام کرنے کی آگیا دی، کیونکہ رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی سوجیت گڑھ پہنچنے کا سمے نہ تھا۔ چڑھائی کرنے کی گھات رات ہی میں تھی۔ دن میں مٹھی بھر راجپوت تھے ہی کیا، جو سوجیت گڑھ میں مغل سپاہیوں کا سامنا کرتے، اس لیے رات وہیں کاٹی دوسرے دن جنگلوں میں چھپتے چھپتے پہر رات بیتے سوجیت گڑھ کی چوحدی پر پہنچے اور دھاوا کرنے کے سمے کی پرتیکھا کرنے لگے۔

گمبھیر سنگھ بڑا جوشیلا تھا۔ دیش کے لیے اپنے پران ہتھیلی پر لیے پھرتا تھا۔ درگاداس سے بنا پوچھے پاچھے گڑھی کی ٹوہ لینے چل دیا اور بارہ بجنے کے پہلے ہی لوٹ آیا۔ گڑھی پر جئے پانے کے اوپائے جو کچھ سوچے تھے اور جو کچھ دیکھا تھا، درگاداس سے کہہ سنایا۔ سب نے گمبھیر سنگھ کی بدھی کی بڑی بڑائی کی اور اس کے کہے انوسار اپنے راجپوت ویروں کو پھاٹک کے آس پاس لگا دیا، روپ سنگھ، جسکرن سنگھ، مان سنگھ اور تیج کرن یہ چاروں گمبھیر سنگھ کے ساتھ گڑھی کی پچھلی دیوار کے اوپر چڑھ گئے۔

گمبھیر سنگھ نے ان چاروں کو تو پھاٹک کے اوپر والی چھت پر چھپا دیا اور آپ دکھن کی اور چلا گیا۔ کمر سے چقمک نکال ایک چھپر میں آگ لگا دی اب تو جسے دیکھو، وہی آگ بجھانے دوڑا چلا جاتا ہے۔ گھات پا کر چاروں راجپوت کود پڑے اور گڑھی کا پھاٹک کھول

دیا۔ پھر کیا تھا؟ درگاداس راجپوت ویروں کو لے کر گھس پڑا اور لگی مار کاٹ ہونے۔ یکا یکی دھاوے نے مغلوں کے پیر اکھاڑ دیے۔ جلتی آگ میں کون پران دیتا ہے۔ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہتوں نے ہتھیار چھوڑ ویر درگاداس کی سرن لی۔ ہتھیار چھوڑے ہوئے بیری پر سچے راجپوت کبھی وار نہیں کرتے۔ استو، مار کاٹ بند ہوگئی۔ مان سنگھ نے عنایت خاں کا پتا لگایا۔ معلوم ہوا، وہ پہلے ہی پران لے بھاگا۔

گمبھیر سنگھ نے بادشاہی جھنڈا اکھاڑ پھینکا اور اپنا راجپوتی پچرنگا جھنڈا گڑھی پر پھہرا دیا۔ جس کرن، تیج کرن، تتھا روپ سنگھ کو گڑھ کی چوکسی سونپ درگاداس، مان سنگھ اور لالبا مہاراج مہاسنگھ کے پاس پہنچے اور دیکھا مہاراج ایک پلنگ پر پڑے پڑے اپنے دانتوں سے ہونٹھ چبا رہے ہیں، اور نہ جانے من ہی من کیا سوچ رہے ہیں۔ ابھی گھاؤ بھی نہیں بھرے تھے کراہتے ہوئے جو کروٹ بدلی، تو سامنے ان تینوں کو دیکھا! بولے ہائے! کیا تم بھی پکڑ آئے؟ بیٹا مان سنگھ! بیچاری لالبا کہاں ہوگی؟ پاپی چندر سنگھ تو اس کے پیچھے ہی پڑا ہے۔ ہمارا تو سروناش ہو ہی گیا۔ ہائے! مرتیو بھی روٹھ گئی! مان سنگھ نے کہا۔ کاکا جی، پاپی چندر سنگھ تو یم پور پہنچ گیا۔ اور لالبا یہ کھڑی ہے ہم لوگ بندی ہوکر نہیں آئے ہیں۔ ویر درگاداس نے ماتوں کا نہیں، سوجیت گڑھ کا بھی راجا بنادیا ہے۔ پاپی عنایت کہیں بھاگ گیا۔ اب گڑھی پر راجپوتی جھنڈا پھہرا رہا ہے۔

مہاسنگھ کو تو کداچت ہی کبھی پہلے ایسے پیار، شبدوں کے سننے کا اوسر ملا ہو، خوشی سے پھولا نہ سمائے ہردے دھڑکنے لگا۔ ترنت پلنگ سے اٹھ کر ویر درگاداس کو گلے لگا لیا۔ پھر مان سنگھ اور لالبا کو پیار سے چھاتی سے لگایا۔ تیجبا جو اس سے دوسرے کمرے میں تھی باہر آدمیوں کے بول چال سن کر اپنے کمرے کے دوار پر آکھڑی ہوئی اور بات چیت سننے لگی۔ لالبا کا نام سنتے ہی چونکی، چھاتی دھڑکنے لگی۔ اپنی کرتوت پر آپ ہی پچھتانے اور لجانے لگی۔ مان سنگھ نے لالبا کی ایک ایک بات مہاسنگھ سے کہہ سنائی۔ مہاسنگھ تھوڑی دیر چپ بیٹھا رہا۔ نہ جانے کیا کیا سوچ گیا۔ پھر لالبا کو تیجبا کے پاس بھیج دیا۔ رات ایک پہر سے کم رہ گئی تھی۔ ویر درگاداس نے اب تھکے ہوئے راجپوتوں کو وشرام کرنے کی آگیا دی۔ شیش رات آنند سے کٹی۔ سویرا ہوا۔ سوجیت گڑھ کے آس پاس کے گاؤں کے رہنے والے راجپوتوں نے جب سوجیت گڑھ پر راجپوتی جھنڈا پھہراتے دیکھا تو بڑے آشچریہ میں آئے اور پتا لگانے لگے۔

اب انھیں اپنی وجے کا وشواش ہوا اور جھنڈ کے جھنڈ سوجیت گڑھ آنے لگے۔ جتنے راجپوت سردار دتی کی لڑائی سے بچ آئے تھے۔ دھیرے دھیرے سبھی اپنی اپنی سینا لے کر ویر درگاداس کی سہائیتا کے لیے اکٹھے ہوگئے۔ اب سوجیت گڑھ میں چاروں اور ہتھیار بدن راجپوت سینا ہی سینا دکھائی پڑنے لگی۔ جسے دیکھیے وہ مارو راگ ہی گاتا تھا۔ اور اکیلے ہی دتی پر جے پانے کا ساہس دکھاتا تھا۔ ویر درگاداس نے راجپوتوں کو ایسا اتساہی دیکھ ایشور کو دھنیہ واد دیا اور جودھ پور پر چڑھائی کرنا نشچت کیا۔ سب سرداروں نے ہاں میں ہاں ملائی۔ جب یہ بات تیجبا کو معلوم ہوئی تو جھیکنے لگی۔ مان سنگھ کو اپنے پاس بلاکر کہا بیٹا! ہمارا سندیش درگاداس کو سناؤ اور کہو، یہ کون سی چترائی ہے کہ جیت کر بھی ہار لینے چلے ہیں۔ ان لوگوں کو نالے سے نکال کر اب سمندر میں ڈالنا چاہتے ہیں؟ آپ تو سجیت گڑھ چھوڑ کر جودھ پور یدھ کرنے جاتے ہیں، ہماری رکشا کیسے ہوگی؟ یدی درگا داس ایسا کرنا ہی چاہتے ہیں تو ہمیں ہمارے پیہر بھیج دیں اور آپ جو چاہیں کریں۔ مان سنگھ نے کہا۔ کاکی یہ کون کہتا ہے کہ تمھیں اکیلے ہی سوجیت گڑھ میں چھوڑ دیا جائے گا؟ یہاں گڑھی کی رکشا کے لیے ایک ہزار سینا رکھی جائے گی اور ویر روپ سنگھ اداوت سینا نائک رہیں گے۔ کاکا جی بھی رہیں گے، کیونکہ وہ ابھی لڑائی کے یوگیہ نہیں ہیں، یدھپی گھاؤ سوکھ گئے ہیں۔

مان سنگھ نے بہت کچھ سمجھایا، پرنتو تیجبا نے اپنا ہٹ نہ چھوڑا۔ ووش ہوکر مان سنگھ کو ویر درگاداس سے کہنا ہی پڑا۔ درگاداس نے کہا اچھا ہی ہے، چلو پہلے اسی کام سے نپٹ لیں۔ دوسرے دن سوریہ اودے ہوتے ہوتے درگاداس، مان سنگھ، جس کرن، تیج کرن، مان سنگھ اور گمبھیر سنگھ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار تیجبا کے ڈولے کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ روپ سنگھ نے تھوڑی سی سینا بھی ساتھ جانے کے لیے سجائی تھی۔ پرنتو درگاداس نے اس میں سے کیول پچیس وشواسی ویروں کو اپنے ساتھ لیا اور سب کو سوجیت گڑھ میں ہی رہنے کی آگیا دی۔ کہار بڑے ہی تیز تھے۔ راہ میں کیول ایک گھنے برکچھ کی چھایا میں تھوری دیر وشرام لیا اور جل پان کر تھوڑا دن رہتے رہتے تیجبا کو اس کے پیہڑ پہنچا دیا۔ تیجبا کا بھائی پرتھوی سنگھ گڑھی کے پھاٹک پر ملا مہاسنگھ اتیادی کو دیکھ گھبرا اٹھا۔ پوچھا جیجا جی کشل سے تو ہیں؟ مہاسنگھ نے پرتھوی سنگھ کو سنتوش دینے کے سنچھیپ میں اپنا کشل سماچار کہہ سنایا اور درگاداس کو اپنا پران رکچھک بتا کر بڑی پرشنسا کی۔ پرتھوی سنگھ نے بڑے پریم سے ویر درگادس کو اپنے گلے لگایا۔ اور سب

کو آدر کے ساتھ لے جاکر چوپال میں بیٹھایا۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ کسی نے گمبھیر سنگھ کی چترتا کی بڑائی کی تو کسی نے جسکرن کی ویرتا کی۔

پرتھوی کی پریکرما کرتے ہوئے جب پچھم میں سوریہ بھگوان است ہوئے تو پورب میں چندرما اُدِت ہوا۔ چاروں اور روپہلی چادر بچھ گئی۔ مہاسنگھ اور درگا داس اکانت میں بیٹھ کر جودھ پور پر چڑھائی کرنے کے اپائے سوچنے لگے۔ اتنے میں ایک دوار پال نے آکر دیسوری سے آئے ہوئے دھاون کی سوچنا دی۔ ویر درگاداس نے اسے اندر بلا لیا۔ دیکھا تو گلاب سنگھ تھا۔ درگاداس نے پوچھا کیوں گلاب سنگھ، کیا سماچار لائے؟ گلاب سنگھ نے کہا.....

مہاراج! آپ کے سوجیت گڑھ فتح کرنے کی خبر جب دیسوری میں آئی تب ایسا کوئی راجپوت کا گھر نہ تھا، جہاں آنند بدھائی نہ بجی ہو، پرنتو سردار عنایت خاں نہ جانے کیسے وہاں پہنچ گیا۔ یہ اتسو دیکھ کر جل اٹھا۔ سب سرمور راجپوتوں کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔ کسی کارن آپ کے سسر ٹھاکر ناہر سنگھ اور ہمارے پتا کو دیر ہوگئی۔ عنایت خاں نے اور سب درباریوں کو تو بہت طرح کی دھمکی دے کر بدا کیا۔ پرنتو ان دونوں کو تھوڑی دیر ٹھہرنے کو کہا۔ دونوں ٹھہر گئے۔ سرل سوبھاؤ ویر پرش بھلا یہ کیا جانتے تھے کہ چھلی عنایت آپ کا بیر ان بیچاروں سے لینا چاہتا ہے؟ جب عنایت خاں نے دیکھا کہ سب راجپوت چلے گئے، تو اس بیچاروں پر بلوا کرنے کا اپرادھ لگایا اور ان کے سر کٹوالیے۔ میں نے جب یہ سماچار سنا تو ترنت سجیت گڑھ دوڑ گیا۔ وہاں معلوم ہوا، آپ والی میں ہیں۔ الٹے پیروں یہاں بھاگتا آیا۔ ایشور کی کرپا تھی کہ آپ سے بھینٹ ہوگئی۔ اب آپ جو اُچت سمجھیں کریں۔

دیسوری کے سماچار سن کر ویر درگا داس مارے کرودھ کے کانپنے لگے اور بولے جس کرن! تم ابھی جاؤ اور سوجیت گڑھ سے اپنا لشکر لے کر بارہ بجے کے پہلے دیسوری پہنچو۔ میں دُشٹ عنایت کو آج ہی یم پوری بھیجوں گا۔ گلاب سنگھ نے کہا۔ مہاراج! ٹھاکر روپ سنگھ اداوت نے جس سمے دیسوری کی خبر سنی تھی، اسی سمے انھوں نے لگ بھگ ایک ہزار ویروں کو آپ کی سہایتا کے لیے والی بھیجا ہے۔ کداچت وہ سب آ بھی گئے ہوں ویر درگاداس جیسے ہی دوار پر آئے، راجپوتوں کے جئے جئے کار کے شبد سے آکاش گونج اٹھا۔ مرو دیش سوتنتر ہو! ویر درگاداس کی جئے ہو! ویر درگاداس سبھوں کو یتھوچت سمّان دے۔ گھوڑے پر سوار لشکر کے آگے آگے چلے۔ پیچھے جس کرن، تیج کرن، مان سنگھ تتھا گمبھیر سنگھ اتیادی چلے۔ جب گاؤں

تھوڑی دور رہ گیا تو درگاداس نے اپنے ویروں کو دبے پاؤں چلنے کی آگیا دی۔ جس میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور پاپی عنایت کا گھر گھیر لیا جائے، ویروں نے ویسا ہی کیا۔ دوسروں کی تو یا اپنی چاپ ہی نہ سن سکتے تھے۔ چاروں اور سناٹا چھا گیا۔ اب دھیرے دھیرے لشکر گاؤں میں پہنچ گیا۔ یکا یک درگاداس نے کسی کے رونے کی آواز سنی۔ مان سنگھ کو آگے بڑھنے کی آگیا دے، آپ اس اور چلا جدھر سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ گھر کا دوار کھلا تھا، بھیتر چلا گیا۔ دیکھا تو سامنے ایک مردہ پڑا تھا اور سرہانے بیٹھی ایک بڑھیا سر پیٹ پیٹ کر رو رہی تھی۔ درگاداس کو دیکھتے ہی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ درگاداس نے بڑھیا کے رونے کا کارن پوچھا۔ بڑھیا نے کہا۔ بیٹا میں تیری استری کی دھائے ہوں۔ چھٹپن میں میں نے جو دودھ پلایا ہے، آج اس کے بدلے میں اپنے سوامی کا بدلا مغلوں سے لینا ہی تم سے مانگتی ہوں۔ ویر درگاداس نے بڑھیا کے سامنے مغلوں سے بدلا لینے کا پرن کیا اور وہیں چتا بنا کر مردے کا اگنی سنسکار کردیا۔ تب ایک جلتا ہوا چیلا چتا سے نکال عنایت کے گھر کی اور چل دیا۔ راستے میں گمبھیر سنگھ ملا۔ درگاداس کے ہاتھ میں ایک پرچا دے کر بولا۔ مہاراج یہ قلعے کے سامنے والی دیوار میں چپکا ہوا تھا۔ میں اسے آپ ہی کو دکھانے کے لیے اکھاڑ لایا ہوں۔ دیکھیے اس کی ایک طرف ان راجپوتوں کا نام ہے جو مارے جا چکے ہیں اور دوسری طرف ان کے نام ہیں، جو پکڑے گئے ہیں اور جنھیں اب پھانسی کی آگیا ہوگی۔ مہاراج اب مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ دیکھیے اس سوچی میں ہمارا وردھ پتا کیسری سنگھ کا بھی نام ہے۔ یدھ پی سبھی راٹھور ہمارے لیے پتا کے ہی سمان ہیں اور کاراگار میں وشا بھی سب کی ایک سی ہے، تتھاپی میں اپنے پتا کے دکھ کو اوروں کے دیکھتے ادھک سمجھتا ہوں، کیونکہ میں اپنے پتا کی اچھا کے وروددھ دیش سیوا کے لیے ایک ورش سے ادھک ہوا، گھر سے نکلا تھا اور ابھی تک ان کے پاس نہیں گیا۔ پہلے کٹمب کی دیکھ بھال کے لیے میں یا میرے پتا جی ہی تھے، اس لیے پہلے تو پتا جی کو میری ہی چنتا تھی، اب اپنی اور کٹمب کی بھی ہوگئی۔ درگاداس نے کہا بیٹا دھیر یہ دھرو، جس ایشور نے سوجیت گڑھ سر کرایا ہے وہی دیسوری پر بھی وجے دلائے گا۔ اور تمھارے پتا کو ہی نہیں کنتو ماروڑ دیش کو ہی مغلوں سے مکت کرائے گا۔ چلو عنایت کو آج ہی اس کے کرموں کا پرتی پھل دیں۔

یہ کہہ کر درگاداس اس قلعہ کی پچھلی دیوار کے پاس پہنچا۔ معلوم ہوا کہ راجپوتوں نے

پھاٹک توڑ ڈالا اور گڑھی میں گھس گئے۔ گمبھیر سنگھ بھی اسی طرف لپکا۔ شامت کا مارا عنایت پھاٹک پر ہی مل گیا، چاہتا تو تھا کہ کہیں پران لے کر بھاگ جائے، پرنتو ہونی کہاں ٹل سکتی ہے۔ گمبھیر سنگھ کے پہلے ہی وار میں اَدھ مرا ہو گیا۔ اس پر ویر درگاداس نے جلتا ہوا چیلا اس کے منہ میں گھسیڑ دیا۔ عنایت کے پران پکھیر واڑ ہی گئے۔ اب تھا کون جو مغل سینا کو اتساہ دلاتا؟ آدھی مغل سینا کو ویر راجپوتوں نے تلوار کے گھات اتار دیا۔ بچے بچائے ویر درگاداس کی شرن آئے۔ ویر راجپوتوں نے سب کو پران دان دے دیا۔ مان سنگھ اور گمبھیر سنگھ دوڑتے ہوئے کارا گار کی اور گئے۔ شمشیر خاں نے جو وہاں کا مکھیا تھا، ان دونوں کو آتے دیکھ، بنا کہے ہی دوار کھول دیا۔ دونوں اندر چلے گئے۔ گمبھیر سنگھ نے اپنے پتا کو دیکھا۔ پیروں پر گر پڑا۔ کیسری سنگھ نے سال بھر سے بچھڑے ہوئے بیٹے کو پریم سے چھاتی سے لگا لیا اور آنند کے آنسوؤں سے اس کا منہ دھو دیا۔ دونوں ہی کا گلا رندھ گیا تھا۔ کسی کے منہ سے تھوری دیر تک شبد بھی نہ نکلا۔ ایک دوسرے کو ایک ٹک دیکھتے رہے۔ انت میں کیسری سنگھ نے اپنے کو بہت کچھ سنبھالا، پرنتو پھر بھی آنسو نہ تھمے۔ روتے ہوئے بولے۔ بیٹا گمبھیر تمھارے چھپ کر بھاگ جانے کے بعد سے آج تک مجھے کیول یہی سندیہہ تھا کہ نہ جانے تم کشل سے ہو یا نہیں، اس لیے اتنا دکھ نہ تھا، پرنتو آج تمھیں اپنی آنکھوں سے اپنے ہی سمان دشا میں دیکھ داروں دکھ ہوتا ہے۔ اپنا کچھ وش نہیں، گمبھیر سنگھ مسکرا کر بولا۔ پتا جی اب نہ تو میں کاراگار میں ہوں اور نہ آپ۔ ایشور نے آپ کی پرارتھنا سویکار کر لی ہے۔ مارواڑ کو اب آپ شیگھر ہی اپنی پہلی دشا میں دیکھیے گا اور درگاداس نے اپنے باہو بل سے سوجیت گڑھ جیت کر، آج دیسوری پر چھاپا مارا اور عنایت کو اس کے پاپوں کا پورا پورا پھل دیا۔ اب آج اس قلعے پر بھی راجپوتی جھنڈا پھہرا رہا ہے۔ کیسری سنگھ کے لیے اس ادھک آنند کی اور بات کون ہوتی؟ آنند سے پھول اتھا رومانچ ہو آیا، گمبھیر کو پھر چھاتی سے لگا لیا اور اتاولا ہو کر ویر درگاداس سے ملنے کے لیے چل دیا۔

ادھر مان سنگھ اور سب راجپوت بندیوں کو بڑے مان اور آدر کے ساتھ کاراگار سے باہر نکالا۔ جے دھونی آکاش میں گونجنے لگی۔ چاروں طرف سے سب راجپوتوں نے درگاداس کو گھیر لیا۔ ویر درگاداس بڑی نرمتا کے ساتھ ہر ایک کا یتھوچت سمّان کرتا ہوا، پریم سے گلے ملا۔ سوریہ بھگوان بھی آنند لوٹنے کے لیے ادیاچل سے چل پڑے۔ سویرا ہوتے ہی دیسوری

کے قلعے پر راجپوتوں کا جھنڈا اڑتے دیکھ، چھوٹے بڑے سب راجپوت گاتے بجاتے خوشی مناتے ہوئے ویر درگاداس کے درشنوں کے لیے آپہنچے۔ اس سے راجپوتوں میں نرالا جوش تھا۔ کائر بھی تلوار کھینچ کر مارواڑ کو سوتنتر کرنے کے لیے سوگندھ کھاتا تھا۔ آج دیسوری کا ایسا کوئی بھی راجپوت نہ ہوگا، جس سے درگاداس وِنے پُورک نہ ملا ہو۔ اب دن لگ بھگ ایک پہر کے ڈھل چکا تھا۔ درگاداس سب سے مل بھینٹ کر اپنی سسرال چلا گیا۔ اور یتھا یوگیہ اپنے آدمیوں سے ملا۔ بھوجن کیا اور شام ہونے کے پہلے ہی قلعہ پر لوٹ آیا۔

دیسوری کے سردار سرتان سنگھ، کیسری سنگھ اتیادی اکانت میں بیٹھ کر وچار کرنے لگے کہ مغل بادشاہ کا کس پرکار سامنا کیا جائے اور مارواڑ میں شانتی کس پرکار استھاپت کی جائے۔ اسی سے ایک دھاون ویر درگاداس کے نام پتر لے کر پہنچا۔ درگاداس نے پتر لے کر گمبھیر سنگھ کو باچ کر سنانے کے لیے دے دیا۔ گمبھیر سنگھ پتر پڑھنے لگا۔

''دیالو درگاداس! آپ کے دیسوری چلے جانے کے بعد مغلوں نے گھات پاکر والی گڑھ پر دھاوا کیا۔ یہاں کوئی بڑی سینا تو تھی ہی نہیں اور جو کچھ تھی بھی، وہ سجگ نہ تھی۔ ماما جی اپنے کو مغلوں کا سامنا کرنے میں اسمرتھ سمجھ، پران لے بھاگے۔ مغلوں نے گڑھی لوٹی، اور ہم تینوں ہت بھاگیوں کو پکڑ کر جودھ پور لائے۔ یہاں پتا جی پر راج دروہ کا اپرادھ لگایا گیا۔ اور پران دنڈ کی آگیا ہوئی۔ اب یدی دو دن کے اندر ہی ہم لوگوں کا اس وپتی سے چھٹکارا نہ ہوا، تو مارواڑ کا سوتنتر ہونا نہ ہونا ہمارے لیے سمان ہے۔ ایتی۔

آپ کا کرپا بھلاشی

لالبا

پتر سنتے ہی ویر درگاداس کے آگ سی لگ گئی۔ پاس بیٹھے ہوئے سرداروں کی بھی تیوریاں چڑھیں اور مان سنگھ تتھا گمبھیر سنگھ کا کہنا ہی کیا! نوین رَکت تھوڑی سی آنچ سے بھی ابل پڑتا ہے۔ تمتما اٹھے۔ دیسوری کے سرداروں نے لگ بھگ 18 ہزار راجپوت سینا اکٹھی کردی۔ ترنت ہی ویر درگاداس نے ایک ہزار والی گڑھ کی رکشا کے لیے بھیج دی۔ دو ہزار سینا دیسوری میں چھوڑی۔ باقی 15 ہزار اپنے ساتھ جودھ پور لے جانے کے لیے تیار کرائی۔ حالانکہ 15 ہزار تو کیا، پچیس ہزار راجپوت سینا بھی جودھ پور پر چڑھائی کرنے کے لیے، مغلوں کے سامنے مٹھی بھر ہی تھی۔ پرنتو یہاں تو ستیہ کا پکش تھا! پروشارتھ پرش کرتا ہے، تو

سہائیتا ایشور کرتا ہے۔ یہی بھروسا اور وشواس تھا۔

رات ایک پہر ویتیت ہوچکی تھی۔ گمبھیر سنگھ ویر درگاداس کے پاس آیا اور بولا۔ مہاراج! سینا تیار ہے، کوچ کی آگیا دیجیے۔ اتنے میں کہیں دور سے ڈنکے کی آواز سن پڑی۔ درگاداس چوکنا سا گڑھی کے باہر آیا۔ اب تو ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ ساتھ جے دھونی بھی سن پڑنے لگی۔ مہاراج سنگھ کی جے! اجیت سنگھ کی جے! ماراوڑ کی جے! ویردرگاداس کا من میور گھٹا ٹوپ سیسودی سینہ دیکھ کر ناچنے لگا۔ سمجھ گیا کہ اودے پور کے مہارانا نے میرے پتر کے اتر میں یہ سینا بھیجی ہے۔ اگوانی کے لیے آگے بڑھا۔ رانا راج سنگھ کا جییسٹھ پتر وجے سنگھ ویر درگاداس کو آتے دیکھ کر گھوڑے سے اتر پڑا اور پریم سے گلے ملا۔ کشل پرشن کے بعد درگاداس نے کہا ٹھاکر صاحب! یدی تھوڑی دیر آپ اور نہ آتے، تو ہمارا لشکر جودھ پور کے لیے کوچ کر چکا تھا۔ جے سنگھ نے کہا کیوں؟ ہمارا تو من تھا کہ پہلے اجمیر پر چھاپا مارا جائے، پرنتو آپ نے کیا سوچ کر مٹھی بھر راجپوتوں کے ساتھ جودھ پور پر دھاوا بولنے کا وچار کیا؟ درگاداس نے کہا بھائی جے سنگھ! میں جودھ پور جانے کے لیے وِوش تھا۔ ٹھاکر مہاسنگھ جی اپنے کُٹمب سہت شترووں کے ہاتھ پڑگئے۔ اس سمے وہ سب جودھ پور میں ہیں، اور ٹھاکر صاحب کو پھانسی کی آگیا بھی ہوچکی ہے۔ اب آپ ہی بتایئے۔ ایسے سمے میں ہم لوگوں کا کیا دھرم ہے؟ مہاسنگھ کا حال سنتے ہی جے سنگھ جوش میں آگیا، بولا۔ بھائی درگاداس! اب ہم لوگوں کا یہاں ایک چھن بھی وشرام کرنا اچت نہیں۔ ہم اپنے ساتھ دس ہزار سوار اور پچیس ہزار پیدل سینا لائے ہیں، اس کا شیگھر ہی پربندھ کرو۔ ویر درگاداس نے سب پچاس ہزار پیدل اکتر سینا کے پانچ بھاگ کر ڈالے۔ تین ہزار سوار اور سات ہزار پیدل سینا کا نایک مان سنگھ کو بنایا۔ اسی پرکار انیہ چاروں بھاگوں کو کرمشہ جسکرن، کیسری سنگھ، جے سنگھ اور کرن سنگھ کو سونپا۔ آپ ساری سینا کا نریکچھک بنا اور اپنی رکچھا کے لیے تیج کرن اور گمبھیر سنگھ کو داہنے بائیں رکھا۔

کوچ کا ڈنکا بجا، جے گھوش سے آکاش گونج اٹھا۔ راجپوت ویر رن چنڈی کی پوجا کرنے کے لیے جودھ پور کی اور چل دیے۔ ویر درگاداس کے سمان سب راجپوتوں نے اپنا دیش سوتنتر کرنے کی سوگندھ لی تھی۔ سب ہی دیش پر مرمٹنے کے لیے تیار تھے۔ سینا میں کوئی ایسا راجپوت نہ تھا جسے سوٗدیشا بھیمان نہ ہو۔ رات بھر چلنے پر بھی کسی کو جوش کے کارن

تھکاوٹ نہ آئی۔ بھوجنوں کی کسی کو اچھا نہ تھی۔ اِچھا تھی تو گھماسان یدھ کی۔ درگاداس نے سویرا ہوتے ہی ایک گھنے پہاڑی پردیش میں پڑاؤ ڈالا۔ دو گھڑی دن باقی تھا۔ کوچ کا ڈنکا بجا اور سینا چل دی۔ راتری کے پچھلے پہر جودھ پور کی چوہدّی پر جا پہنچی۔ ویر درگاداس کے آگیانوسار جے سنگھ نے گڑھ کا پورو دوار اور کرن سنگھ نے پچھم دوار گھیرلیا۔ جس میں نہ تو قلعہ سے کوئی سینا باہر آسکے اور نہ باہر جاسکے۔ بستی کی چوکسی کے لیے کیسری سنگھ اپنی دس ہزار سینا لے کر ڈٹ گئے۔ ایسی ویوہ رچنا سے درگاداس کا کیول یہی ابھیپرائے تھا کہ مغلوں کو کسی طرف سے کسی پرکار کی سہایتا نہ مل سکے۔ شیش دو بھاگ سینا باہر سے آنے والی مغل سینا کو روکنے کے لیے اور تھکی ہوئی راجپوت سینا کی کُمک کے لیے تھی۔ راجپوت بھی جوش میں بھرے تھے اور رات کا پچھلا پہر بھی چھاپا مارنے کے لیے اچھا تھا۔ کوئی مغل سردار شوچ کے لیے گیا تھا، کوئی نماز پڑھ رہا تھا۔ سارانش یہ ہے کہ سب لوگ غافل تھے، جتنا سمے ان کو سجگ ہونے میں لگا۔ اتنا ہی سمے راجپوتوں کو قلعہ کا پھاٹک توڑنے میں لگا۔ دوار ٹوٹتے ہی راجپوت سینا بھیتر گھسی اور گھماسان مارکاٹ ہونے لگی۔ قلعہ پر مارو باجا بجنے لگا۔ رن چنڈی تھرک تھرک کر بھاؤ دکھانے لگی۔ ''اللہ اکبر'' کی ایک طرف اور ''ہر ہر مہادیو'' کی دوسری طرف سے آوازیں گونجنے لگیں۔ جوشیلے ویر راجپوتوں کی دوطرفہ مار نے مغلوں کے پیر اکھاڑ دیے۔

مغل سردار دلاور خاں اونچے سُور سے مغل سپاہیوں کو جوش دلانے کے لیے کہنے لگا۔

نمک حرامی گناہ ہے۔ غلام بن کر رہنے سے موت بہتر ہے۔ اہل اسلام، انھیں قسم قرآن مجید کی ہے جو جیتے جی میدان سے بھاگے۔ مغلوں میں ایک چھن کے لیے پھر جوش پیدا ہوگیا۔ لوٹ کر بھوکے باز کی طرح راجپوت سینا پر ٹوٹ پڑے۔ وہ سمے پاس ہی تھا کہ راجپوت تراہی تراہی کرکے بھاگیں۔ پرنتو بچی ہوئی سینا لے کر ترنت ہی ویر درگاداس آپہنچا۔ دونوں اور چم چم بجلی سی تلواریں چمک رہی تھیں۔ بان چل رہے تھے۔ جے کے ماتے راجپوت ''ہر ہر مہادیو'' کہتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اتنے میں کسی انیائی مغل نے ویر درگاداس پر پیچھے سے تلوار کا وار کیا۔ ایشور کی کرپا تھی کہ گمبھیر سنگھ نے دیکھ لیا۔ نہیں تو ویر درگاداس کی جیون لیلا یہیں سماپت ہوجاتی۔ گمبھیر نے اس دغاباز کو اتنے زور سے دھکا مارا کہ وہ اپنے کو کسی پرکار سنبھال نہ سکا اور دھڑام سے پرتھوی پر گر پڑا۔ گمبھیر ترنت اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ اپنی جان سنکٹ میں دیکھ، اس نے درگاداس کی دُہائی دی۔ واہ رے دیاویر! ایسی نیچتا کا کام کرنے

والے مغل کو بھی ترنت پران بھکشا دے دی۔ جب مغل سینا نے گمبھیر کو اس مغل سردار کی چھاتی پر چڑھتے دیکھا، تو ''عنایت خاں مارا گیا'' کا شور مچ گیا۔ مغل سپاہی اپنے ہی گھائلوں کو روندتے ہوئے بھاگنے لگے۔ ویر درگاداس چکرایا ہوا کھڑا تھا۔ یہ عنایت خاں کون؟ اس کو تو میں نے دیسوری گڑھ کے دوار پر مارا تھا۔ تب بھید کھلا کہ عنایت خاں ایک سپاہی کو، جس کی صورت اس کی صورت سے ملتی تھی۔ اپنے کپڑے پہنا کر دیسوری سے بھاگ گیا تھا۔ وہی نقلی عنایت خاں وہاں مارا گیا تھا۔

سہسا اوپر سے دلاور خاں نے اونچے سوَر سے پکار کر کہا۔ درگاداس! اگر مہاسنگھے کی جان بچانا چاہتے ہو، تو ابھی اپنی سینا قلعہ سے باہر لے جاؤ۔ درگاداس نے اوپر دیکھا تو دُشٹ دلاور خاں نے مان سنگھ کے گلے میں پھانسی کی رسّی ڈال رکھی تھی۔ ویر درگاداس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ترنت ہی راجپوت سینا کو قلعہ سے باہر نکل جانے کی آگیّا دی۔ مہاسنگھ نے اوپر سے درگاداس کو للکار کر کہا۔ ویر درگاداس! کیوں بھول رہے ہو؟ کیا ہمارے پران دوسرے راجپوتوں کے پرانوں سے ادھک مؤلیہ وان ہیں؟ کیا ہم کو امر سمجھ رکھا ہے؟ تھوڑی دیر کے لیے سب ہی سنسار میں آئے ہیں، ایک دن مرنا آویشک ہے، اس لیے اپنی وجے کو پراجے سے نہ بدلو۔ مہاسنگھ درگاداس کو اُتیجت کر رہا تھا اور دلاور گلے میں پڑی رسی کو جھٹکا دینے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ گمبھیر سنگھ اپنے کرودھ کو ادھک سمے تک داب نہ سکا۔ ترنت ہی عنایت خاں کو سامنے کھینچ لایا اور بولا۔ اچھا دلاور خاں۔ یدی تم یہی چاہتے ہو تو کرو۔ ہم بھی جتنے مغل سردار ہمارے بندی ہیں، سب کو ایک مہاسنگھ کے بدلے میں تمھاری ہی آنکھوں کے سامنے ایسی بری طرح ماریں گے کہ پتھر کی آنکھیں بھی رو دیں گی۔ اب تو دلاور خاں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گمبھیر سنگھ کو کچھ اُتر نہ دے سکا۔ وہ جانتا تھا عنایت خاں کا راج دربار میں کتنا مان ہے۔ یدی عنایت خاں مہاسنگھ کے بدلے میں مارا گیا تو میری بھی کشل نہیں۔ ترنت مہاسنگھ کے گلے سے رسی نکال پھینکی اور بولا۔ ویر درگاداس میں پرتگیا کرتا ہوں کہ مہاسنگھ کو اب کسی پرکار کا کشٹ نہ پہنچایا جائے گا اور یدی یم کال تک بادشاہ کا کوئی آگیّا پتر نہ آیا تو قلعہ آپ کے آدھین کرکے سندھی کرلوں گا۔ ویرتھ کے لیے میں بہومولیہ رتنوں کو مٹی میں ملانا نہیں چاہتا۔

ویر درگاداس نے دلاورخاں کی پرارتھنا سویکار کرلی۔ راجپوت سینا اپنی تھکاوٹ مٹانے

کے لیے سمیپ ہی کے ایک پہاڑی پردیس میں چلی گئی اور شونگ جی اپادی وِردھ سرداروں نے گھائل راجپوت ویروں کو مرہم پٹی کے لیے راج محل میں بھیجا۔ یاں سب سامگری اکٹھی تھی اور کسی بات کی کمی نہ تھی، کیونکہ سردار کیسری سنگھ نے قلعے پر دھاوا ہونے کے پہلے ہی راج بھون پر اپنا قبضہ کرلیا تھا۔ بستی میں کسی مغل کا پتلا بھی نہ رہ گیا تھا۔ وششٹھ مغل سرداروں کو کیسری سنگھ نے بندی بناکر راج بھون میں ہی قید کردیا۔ بیچارا عنایت خاں بھی وہیں پہنچ گیا۔ ان سب آوشیک کاموں سے چھٹی پاکر شونگ جی ویر درگاداس سے ملے۔ سب سردار ایکتر ہوکر دلاور خاں کی کہی ہوئی باتوں پر وچار کرنے لگے۔ درگاداس نے کہا۔ بھائیو! اس پٹی کو دلّی سے کسی پرکار کی سہایتا ملنے کی پورن آشا ہے۔ اسی کارن اس نے یم کال تک یدھ بند رکھنے کی پرارتھان کی ہے۔ اس لیے میرا وچار ہے کہ مغل سینا آنے کے سب مارگ پہلے ہی سے روک دیے جائیں اور قلعے میں پہنچنے کے پہلے ہی یہیں نپٹ لیا جائے۔ میدان کی لڑائی میں سب پرکار کی سویدھا ہے۔ ویر درگاداس کی صلاح سب نے پسند کی اور مارگ کے دونوں اور تھوڑی تھوڑی راجپوت سینا پہاڑی کھوہوں میں چھپادی گئی۔

دن لگ بھگ دوپہر باقی تھا۔ ایک بھیدی نے مغل سینا کے آنے کے سماچار کہے۔ درگاداس نے پرسن ہوکر راجپوت ویروں کو سجگ کردیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سامنے سے بادشاہی جھنڈا پھہراتے ہوئے مغل سردار محمد خاں کے ساتھ ایک بھاری مسلمانی دل آتا دکھائی پڑا۔ جوں ہی یہ سینا پہاڑی دروں میں آئی، درگاداس نے ڈنکے پر چوٹ ماری، ادھر ویر راجپوت جے گھوش کرتے ہوئے اپنے شتروں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر ساہسی ویر گمبھیر سنگھ اور تیجکرن دونوں نے جھپٹ کر بادشاہی جھنڈا نیچے گرایا۔ ایک نے محمد خاں کو پکڑا اور دوسرے نے راجپوتی جھنڈا کھڑا کیا۔

سردار پکڑا گیا تو بادشاہی سینا نراش ہوکر بھاگنے لگی۔ پرنتو راجپوت ویروں نے ویر درگاداس کی آگیانوسار مغل سینا کو پیچھے بھاگنے سے روکا، کیونکہ بھیدی نے ستر ہزار سینا کے تین بھاگوں میں آنے کے سماچار دیے تھے۔ یدی پراجت مغل سینا پیچھے جاتی تو سمبھوٗ تھا کہ دوسری آنے والی سینا سجگ رہتی پھر تو ویر درگاداس کو تھوڑے سے راجپوت ویروں کو لے کر اتنی بڑی مغل سینا پر وجے پانا کٹھن ہوجاتا، اور ہوا بھی ایسا ہی جب تک پراجت مغل سینا کے ہتھیار چھڑائے جائیں اور آگے والے درے تک راجپوت سینا بھیجی جائے کہ دوسرا مسلمانی دل

آ گیا۔ اس کا سردار طہور خاں بڑا بہادر تھا۔ اپنی سینا کو اتساہت کرتا ہوا بڑی ویرتا سے لڑنے لگا۔ اس سمے کا درشیہ بڑا ہی بھیانک تھا۔ ویر درگاداس رکت سے نہایا ہو اتھا۔ جس کرن، تیج کرن تتھا گمبھیر سنگھ کا ابھی ایسا کوئی انگ نہ تھا، جہاں گہرا گھاؤ نہ لگا ہو۔ ایک اور طہور خاں دوسری اور ویر درگاداس اپنے ویروں کو اتیجت کر رہے تھے۔ ایک قرآن مجید کی سوگندھ دیتا تھا، تو دوسرا بہن بیٹیوں کی لاج کے لیے مر مٹنے کو کہتا تھا۔ سارانش یہ کہ دونوں دل بڑی ویرتا کے ساتھ بھیشن یدھ کرر ہے تھے۔ درگاداس کو گھرا دیکھ کر مان سنگھ آگے بڑھا اور طہور خاں پر اپنی پوری شکتی سے بھالے کا پرہار کیا۔ بیچارا گھائل ہوکر زمین پر گرا۔ ساتھ ہی جس کرن نے دلاور خاں کا سر کاٹ لیا۔ بادشاہی جھنڈا نیچے ہو۔ مغل سینا پراست ہوئی، اور بھاگ نکلی۔ راجپوتوں کی جے دھونی چاروں اور گونجنے لگی۔ راجپوت اتنے پرسن چت تھے۔ جیسے کبھی کسی کو کچھ پرشرم ہی نہ کرنا پڑا ہو۔ آشچر یہ تو یہ تھا کہ مرن پرایہ گھائل بھی، اٹھ کر جے جے ویر درگاداس کی جے کہہ کر ناچنے لگے۔

ویر درگاداس نے طہور خاں سے پوچھا۔ خاں صاحب! آپ کے بادشاہ سلامت نے اتنی ہی سینا بھیجی تھی، یا اور بھی؟ طہور خاں نے کہا۔ مہاراج! ابھی سردار اکبر شاہ کے ساتھ لگ بھگ بیس ہزار مغل سینا اور آتی ہوگی۔ ویر درگاداس نے اس سمے دونوں بادشاہی جھنڈے، اور تینوں سردار عیانت خاں، محمد خاں اور طہور خاں کو تھوڑی سینا کے ساتھ آگے بھیجا۔ جب اکبر شاہ کی سینا سمیپ آئی، مان سنگھ نے اکبر شاہ سے مل کر ویر درگاداس کا سندیش کہا اور دونوں بادشاہی جھنڈے دکھائے۔ اکبر شاہ بڑا ہی شانت تھا۔ دونوں بادشاہی جھنڈوں اور سرداروں کو راجپوتوں کا بندی دیکھ اپنا جھنڈا بھی مان سنگھ کو سونپ دیا، اور سندھی کا جھنڈا اونچا کرکے ویر درگاداس کی شرن آیا۔ تب اپنی تلوار درگاداس کے سامنے رکھ دی۔ ویر درگاداس نے پھر تلوار اٹھاکر پریم سے اکبر شاہ کو دے دی وجے کے باجے بجنے لگے۔

درگاداس نے دلاورخاں کے پرتگیانوسار قلعے کو اپنے ادھین کرنے اور مہاراج مہاسنگھ کو چھڑانے کے لیے مان سنگھ اور گمبھیر سنگھ کو بھیجا۔ ان دونوں کو آتے دیکھ قلعے کے رکچھکوں نے آگے بڑھ کر کنجیاں سونپ دیں، پرنتو ان دونوں میں کوئی بھی اس قلعے میں پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ اس لیے ایک رکچھک کی سہائیتا سے مہاسنگھ کے پاس پہنچے۔ جس پرکار کسی ڈوبنے والے کو آدھار مل جائے اور وہ دوڑ کر اسے پکڑ لے، ویسے ہی مہاراج نے اپنے بھتیجے

اور بھانجے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چھاتی سے لگا لیا۔ پریم کے آنسو آنکھوں میں آ گئے۔ گلا بھر آیا۔ بڑی کھٹنتا سے بولے۔ بیٹا! ہمارا پران رکچھک ویر درگاداس کشل سے تو ہے؟ گمبھیر سنگھ اپنے سرداروں کی کشل کے ساتھ ساتھ دوسری اور جودھ پور کی وجے کی کہانی کہنے لگے۔ مان سنگھ اپنی بہن لالبا کے کمرے میں پہنچا۔ دیکھا ایک دیپ جل رہا ہے، اور سامنے لالبا گھٹنا ٹیکے پرتھوی پر بیٹھی ہوئی جگ پتا پرمیشور سے پرارتھنا کر رہی ہے۔ وہ اتنی مگن تھی کہ مان سنگھ کو اپنے کمرے میں آتے نہ جانا۔ مان سنگھ تھوڑی دیر تک کھڑا رہا۔ پرنتو لالبا کا دھیان نہ ٹوٹا۔ انت میں مان سنگھ نے پکارا۔ بہن آج ایشور کی کرپا سے وجے ویر درگاداس نے مغلوں کو پراجت کر جودھ پور کی راج شری اپنالی! آج سے اپنا پیارا دیش سوتنتر ہوا۔ اس کو لالبا نے اکاشوانی سمجھا، پرنتو جب یہ سنا کہ مجھ کو ویر درگاداس نے تیرے بندھن موکچھ کے لیے بھیجا ہے، تب آنکھیں کھول دیں اور اپنے پیارے بھائی مان سنگھ کو سامنے کھڑا دیکھا۔ انمتوں کے سمان اٹھ پڑی، اور بولی پیارے بھائی ہماری لاج بچانے والا کشل سے تو ہے؟ سنگرام میں کوئی گہرا گھاؤ تو نہیں لگا۔؟ ہمارے پیارے پتاجی تتھا ماتا تیج با تو پرسن ہیں۔ لالبا کا یہ انتم پرشن پورا بھی نہ ہوا تھا کہ تیجبا کو ساتھ لیے ہوئے مہاراج مہاسنگھ آ پہنچے۔ لالبا کو پیار سے چھاتی سے لگا کر کارا گار کے بیتے دکھوں کو بھول گئے۔ مہاسنگھ گمبھیر سنگھ کے ساتھ ویر درگاداس سے ملنے چلے، اور مان سنگھ تیجبا تتھا لالبا کو لے کر راج بھون چلا گیا۔

چھٹا پرچھید

مان سنگھ اور گمبھیر سنگھ کو قلعے پر بھیجنے کے پشچات، ویر درگاداس نے چاروں مغل سرداروں کو کیسری سنگھ کے ساتھ کیا اور راج محل کے پاس والے کارا گار میں قید کردیا۔ جودھ پور کی رکشا کے لیے بھی اچت پربندھ کیا۔ چاروں طرف وشواسی رکشکوں تتھا گپت چروں کو نیوکت کیا۔ سب ضروری کاموں سے نپٹنے کے بعد ایک چھوٹی سی سبھا کی۔ راجپوت سرداروں کی انومتی پاکر آس پاس کے گاؤں میں رہنے والے مغلوں کو یدھ نیتی کے انوسار پکڑ کر قید کرلیا، پر ان کے ساتھ شترو کا سا نہیں، متر کا سا ویوہار کیا جاتا تھا۔ ویر درگاداس کی منشا مغلوں کو کشٹ پہنچانے کی نہ تھی۔ کیول شتروؤں پر راجپوت قیدیوں کو چھوڑ دینے کے لیے دباؤ ڈالنا تھا۔

درگاداس سدیو اپنے دیش اور جاتی کی بھلائی کے لیے کمر کسے تیار ہی رہتا تھا۔ کوئی کام کیسا بھی کشٹ سادھیہ کیوں نہ ہو، کبھی نہ ہچکتا تھا۔ آج اسی ساہس اور دیش بھکتی کی بدولت اس نے امر کیرتی پراپت کی ہے۔ مارواڑ کے بچے بچے بھی ویر درگاداس کے نام پر گرو کرتے ہیں۔

جب جودھ پور کی جیت کا سماچار پھیلا، تو شترو بھی متر بن کر بدھائی دینے کو اکٹھا ہونے لگے اور اتنی بھیڑ ہوئی کہ جودھ پور میں ایکتر جنتا سما نہ سکی، اتیو وِوش ہوکر ویر درگاداس کو جودھ پور کے باہر ایک بھاری میدان میں سبھا کرنی پڑی۔ پوش کی پرنیا کے دن راج پرساد سے لے کر سبھا منڈپ تک ایک تل رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ کبھی کوئی راج بھون سے سبھا کی اور جاتا تھا، تو کوئی سبھا سے راج بھون کی اور لوٹا آتا تھا۔ اس سمے چلتی پھرتی جنتا کا درشیہ بڑا ہی اپورو تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ سمندر اُمڈ پڑا ہے۔ ایسا کوئی نہ تھا، جس کو ویر

درگاداس کے درشنوں کی لالسا نہ ہو۔ استریاں جھروکوں سے جھانک رہی تھیں۔ جے دھونی آکاش میں گونج رہی تھی اور چاروں اور سے پھولوں کی ورشا ہو رہی تھی۔ اچھا ہوا، کہ ویر درگاداس راج بھون سے پیدل ہی چلا، نہیں تو پھولوں سے دب جاتا اور بیچارے درشکوں کی لالسا دھول میں مل جاتی، کیونکہ اس میں ادھیکانش ایسے بھی تھے، جو درگاداس کو پہچانتے بھی نہ تھے۔ وہ اپنے پاس کھڑے منش سے پوچھتے تھے، بھائی! ان میں ویر درگاداس کون ہیں؟ کوئی اپنے متر کو انگلی اٹھا کر بتا رہا تھا۔ کوئی ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا، بھائی، مارواڑ کا وجیتا، ہماری بہن بیٹیوں کی رکشا کرنے والا، ویر درگاداس اس پرکار سب کو نمسکار کرتا ہوا پیدل ہی جارہا ہے۔ دھنیہ ہے! دیکھو! اتنا بڑا کام کرنے پر بھی گھمنڈ کا نام نہیں! یہ تو منش نہیں دیوتا ہے۔ منش میں یہ گن کہاں؟

جنتا دھیرے دھیرے ویر درگاداس کے ساتھ سبھا منڈپ میں پہنچی۔ یہاں مارواڑ دیش کی سبھی چھوٹی بڑی ریاستوں کے سردار بیٹھے ہوئے ویردرگاداس کے آنے کی پرتیکشا کررہے تھے۔ دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے آدر بھاؤ سے ویر درگاداس کو ایک اونچے آسن پر لا بٹھایا۔ وِوِدھ پرکار کے سُگندھت پھولوں کے گجرے ان کے گلے میں ڈالے، کیسریا چندن کا لیپ کیا۔ ادئے پور کے رانا راج سنگھ کے پتر بھیما سنگھ نے راجسی پوشاک بھینٹ کی، جو راجا صاحب نے درگاداس کے لیے بھیجی تھی۔ درگاداس نے رانا صاحب کا اپہار بڑے سمان کے ساتھ لیا، اسے ماتھے پر چڑھا کر گدی پر رکھ دیا اور جنتا کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ راج گرو اور پیارے بھائیو! آج آپ لوگوں نے ہمارا جو کچھ سمان کیا ہے، میں اس کے لیے آپ کا اجیون ابھاری رہوں گا۔ یدھپی جو کام میں نے کیے ہیں۔ وہ ہر ایک دیش ابھیمانی کرسکتا تھا اور مغلوں کے اتیاچار سے ووش ہوکر کرتا بھی، پرنتو ایشور یہ کیرتی مجھ کو دینا چاہتا تھا۔ اس لیے پرسنگ بھی ویسا ہی آبنا۔ ہمارے پوجیۓ وردھا سردار مہاسنگھ جی کو مغلوں نے کنفالیا میں گھیر کر مارنا چاہا تھا، ان کی رکشا کرنے میں میرے ہاتھوں میں سردار زور آور خاں کا خون ہوا۔ مغلوں نے اسی خون کے بدلے میں میری وِردھا ماں جی کی ہتیا کی۔ گھر بار لوٹا، اور کلیان گڑھ پھونک دیا۔ یدھپی مغلوں سے اس کا بدلا لینے میں اسمرتھ تھا۔ پرنتو پرماتما کی کرپا اور اپنے دیس بھائیوں کی سہایتا سے آج اس یوگیہ ہوا کہ جودھ پور میں مغلوں کو پراست کر ایک مہتی سبھا کرسکا۔ پیارے بھائیو! اتنی آزادی ہوتے

ہوئے بھی مجھے ایک بار اور بھیشن یدھ ہونے کی شنکا ہے۔ کیا مغل بادشاہ عالمگیر اپنا اپمان سہہ سکتا ہے؟ نہیں، کداپی نہیں، وہ ایک بار دنیا کے کونے کونے سے اپنی سینا بٹور کر مارواڑ پر دھاوا اوشیہ کریں گے۔ اس لیے میں اپنے دیش واسیوں سے ایک بار اور سہایتا کرنے کی پرارتھنا کرتا ہوں۔ یدی آپ لوگ اپنے پوجیہ گرو براہمنوں کے یگوپویت کے اپنے مندروں کی مورتیوں کی رکشا کرنا چاہتے ہیں۔ اپنی بہن بیٹیوں کا ستیتو بچانا چاہتے ہو تو ہمارا ساتھ دو، مارو اور مر مٹو۔ آزادی یا موت کرو۔ بیج جب تک مٹی میں نہیں ملتا کبھی ہرا بھرا ہوکر پھل نہیں لاتا۔ بھائیو! مجھے پہلے بڑی سنکھیا میں سہایتا کیوں نہیں ملی؟ اس کا کارن تھا کہ ہمارے راجپوت بھائی یہ سمجھتے تھے کہ راج ونش کا تو ناش ہوگیا، اب مہاراج جسونت سنگھ کی گدی کا اترادھیکاری کوئی رہا نہیں، ہم کس کے لیے اتنے بڑے مغل بادشاہ سے بیر کریں اور اپنا ستیا ناش کرائیں۔ وہ سمجھتے تھے درگاداس نے مغلوں سے جو بیر ٹھانا ہے، وہ راجیہ کے لالچ سے۔ بھائیو! میں سرونتریامی ایشور کو ساکشی کر کے کہتا ہوں کہ نہ مجھ میں راجیہ کا لوبھ تھا۔ نہ ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ میرے بہت سے بھائیوں کو ابھی یہ نہیں معلوم کہ مہاراج جسونت سنگھ کا چرنجیوی پتر اجیت سنگھ ابھی جیوت ہے اور اس کا پالن پوشن گپت ریتی سے ہو رہا ہے! سمے آنے پر آپ لوگ راجکمار کا درشن کریں گے۔

ویر درگاداس اتنا کہہ کر بیٹھ گیا۔ جے دھونی اور پھلوں کی ورشا ہوئی۔ اس کے پشچات مہاراج مہاسنگھ جی اٹھے اور جنتا کو نمسکار کر بولے۔ بھائیو! ویردرگاداس نے مغلوں سے جو بیر بسانے کا کارن بتایا وہ اچھر اچھر ستیہ ہے۔ درگا داس نے مارواڑ دیس اپنے لیے نہیں جیتا، پرنتو اپنے پتا تلیہ راجا جسونت سنگھ جی کا آگیا کا پالن کیا۔ مہاراج اپنے سرداروں کو اپنے مرنے کے دس دن پہلے آگیا دے گئے تھے۔ یدی ہاڑی وہ ماٹی رانی سے ایشور کی اچھا سے ہماری گدی کا وارث جنمیں تو سب سرداروں کا کرتویہ ہوگا کہ مارواڑ دیش کو مغلوں سے چھڑا کر راجکمار کو گدی پر بیٹھائیں۔ آج ویر درگاداس نے اپنے کرتویہ کا پالن کر دکھایا۔ اب ہم لوگوں کے لیے اچت ہے کہ جی توڑ کر ویر درگاداس کی سہائیتا کریں، جس میں وہ سمے شیگھر ہی آجائے کہ سب راجپوت اپنے راجکمار کو جودھ پور کی گدی پر بیٹھے دیکھیں۔

جنتا ایک ہی آواز میں بول اٹھی ہم لوگ اپنے راجکمار کے لیے تھا مارواڑ دیس کے لیے مر مٹنے کو تیار ہیں۔

مہاسنگھ جی نے جنتا کا جوش دیکھ کر اپنے راج گرو جے دیو کی اور دیکھا۔ گرو جی نے ویروں کو ماگھ سودی پنچمی کے دن یدھ پر جانے کی انومتی دی۔ سب سرداروں نے اپنی اپنی سینا سہت موہورت کے ایک دن پہلے ہی آنے کی پرتگیا کی۔ سبھا وسرجت ہوئی۔ ایکتر جنتا تتھا راجپوت سرداروں نے ایک دوسرے سے بدا لی اور ویر درگاداس کی بڑائی کرتے ہوئے اپنے اپنے گھر گئے۔

بے چارے درگاداس کا گھر تو کہیں رہا ہی نہ تھا اس لیے مہاسنگھ آدی سرداروں کو ساتھ کر راج بھون میں لوٹ آیا اور گھائل راجپوتوں تتھا مغل بندیوں کی دیکھ ریکھ میں اپنے دن بتانے لگا۔ وہ اپنے ادھین قیدیوں کو کبھی دکھ نہ دیتا، ورن متر کے سمان ویوہار کرتا تھا۔ محمد خان کو تو بہت مانتا تھا۔ شترو ہو، اتھوا متر کسی کی نیکی کبھی نہ بھولتا تھا۔ چھما کرنے میں تو ایک ہی تھا۔ عنایت خاں نے درگاداس کے لیے کیا اٹھا رکھا تھا۔ پرنتو اسے بھی چھمادان دیا۔ کبھی ان سب کو بلاتا اور کبھی آپ ہی ان کے پاس جاتا۔ رات رات بھر ان سے باتیں کرتا رہتا۔ اس کے ہردے میں مالنیہ کا لیش بھی نہ تھا۔

دھیرے دھیرے ایک مہینہ بیتا اور چاروں اور سے بادلوں کے سمان راجپوت سینائیں امڑ گھمڑ کر چلنے لگیں۔ جودھپور میں راجپوت ویروں کا ایک اچھا جماؤ ہو گیا۔ بیکانیر اور جیسل میر کے سرداروں نے آکر ادے پور میں پڑاؤ ڈالا اور جے سنگھ کے ساتھ دیسوری آپہنچے۔ ماگھ سودی پنچمی کے دن ویر درگاداس جودھ پور کی ایکتر سینا لے کر ٹھاکر جے سنگھ سے دیسوری میں آملا۔ وہ چاروں مغل سرداروں کو ان کی مسلمانی سینا سہت اپنے ساتھ لایا تھا کیونکہ بادشاہ سے بندیوں کی ادلا بدلی کرنی تھی۔ یہ لوگ راجپوتوں سے کچھ ایسے مل جل گئے تھے کہ کوئی دیکھنے والا انہیں کداپی قیدی نہیں کہہ سکتا تھا۔ کداپی پرسپر بھائی چاروں کا سا ویوہار تھا۔ ایک دوسرے سے بڑے پریم سے ملتا تھا اور وشواس کرتا تھا۔ یہ تھا سنگتی کا پھل اور ویر درگاداس کا برتاؤ کہ شترو بھی متر بن گیا اور سمے سمے پر ہتکر صلاح بھی دینے لگے، جسے درگاداس سہرش مانتا تھا۔ آج ہی جب دیسوری سے سینا کے آگے چلنے کے وشے میں صلاح ہو رہی تھی تو محمد خاں نے اس کا وروودھ کیا۔ اور بات ٹھیک تھی کیونکہ جھٹ پٹا ہو چکا تھا۔ آگے یدی پہاڑ کے لیے اچت استھان نہ ملتا تو بڑی اسویدھا ہوتی۔ سینا کے لیے بھوجن اور وِیرام ضروری ہے۔ یہ سوچ کر پڑاؤ دیسوری کے میدان میں رہا، رات ہوئی، سب نے بھوجن کیا اور وِیرام کرنے

لگے۔ درگاداس ضروری کاموں سے نپٹ کر اکبر شاہ کے ڈیرے میں گیا اور بیٹھ کر بات چیت کرنے لگا۔ باتوں ہی باتوں میں اورنگ زیب کا پرسنگ چھڑ گیا۔ درگاداس نے کہا بھائی! آپ مانو یا نہ مانو، کیونکہ وہ آپ کے پتا ہیں پرنتو میں تو یہی کہوں گا کہ اورنگ زیب کسی پر وشواس نہیں کرتے۔ دیکھو انھوں نے راجا جسونت سنگھ کے ساتھ کیسا کپٹ ویوہار کیا! انھیں کے اشارے سے کابل میں بلوا ہوا، جس میں ہمارے دو راجکمار مار گئے۔ تیسرے راجکمار کی بھی زہریلے کپڑے پہنا کر جان لی۔ تب دھوکے سے مارواڑ کو اپنے ادھین کرلیا۔ پھر بھی سنتوش نہ ہوا۔ یہاں تک کہ مہاراج کا ونش ہی نشٹ کرنے پر اتارو ہوگئے! دلی میں ہی اجیت سنگھ کے مروانے کے لیے کیا نہیں کیا؟ دیکھو بھائی اکبر شاہ! بھلا کوئی اپنے منتریوں کے ساتھ ایسا وشواس گھات کرتا ہے؟ اچھا مان لو ہم لوگ پردھرمی تھے۔ ہمارے ساتھ جو کچھ کیا اچھا کیا۔ پرنتو کیا تمھارے بابا شاہجہاں بھی کافر تھے۔ جنھیں کارا گار میں پانی کا بھی کشٹ دیا۔ اپنے سگے بھائیوں تتھا بھتیجوں سے جیسا برتاؤ کیا۔ کیا وہ آپ سے چھپا ہے۔ خیر یہ بھی سہی۔ وہ دور کے تھے، پرنتو آپ تو ان کے بیٹے ہیں۔ وہ آپ ہی پر وشواس نہیں کرتے۔ اگر وشواس کرتے تو طہور خاں کو آپ کی دیکھ ریکھ کے لیے تعینات نہ کرتے! اگر آپ کو یقین نہ آئے تو طہور خان سے پوچھ دیکھیں!

اکبر شاہ کو وشواس نہ آیا، پرنتو یہ بات اس کے من میں کھٹکتی رہی۔ آخر طہور خاں کو بلوانے کے لیے ترنت ہی ایک چوکیدار بھیجا۔ تھوڑی دیر میں طہور خاں اور جے سنگھ شہزادے کے ڈیرے میں آپہنچے۔ ویر درگاداس نے بڑے سمان سے دونوں کو آسن دیا۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو اکبر شاہ نے پوچھا بھائی طہور خاں مجھے وشواس ہے کہ تم کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ تتھاپی آج ٹھاکر جے سنگھ اور درگاداس کے سامنے تمھیں قرآن کی سوگندھ دیتا ہوں کہ جو کچھ بھی پوچھا جائے، اس کا اتر ستیہ ہی ہو۔ طہور خاں نے کہا۔ پوچھیے آپ لوگ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟ شہزادے نے پوچھا بادشاہ سلامت نے میرے بارے میں کیا کچھ کہا تھا؟

طہور خاں اتر دینے کے پہلے کچھ ہچکچایا، پھر جی کڑا کرکے بولا۔ ہاں کہا تو کچھ تھا۔ پرنتو میں آپ کے سامنے کہتے ڈرتا ہوں۔

درگاداس نے کہا بھائی ڈر کس بات کا؟ جب قرآن کی سوگند دی گئی تو ایسا کون مورکھ ہے جو تمھارے سچ بولنے پر کرودھ کرے؟ جو کچھ کہنا ہو وہ نڈر ہوکر کہو۔

طہور خاں نے کہا۔ جب دلی سے ہم اپنا لشکر لے کر چلنے لگے، تب بادشاہ نے ہمیں ایکانت میں بلایا اور کہا۔ دیکھو طہور خاں ہم دنیا میں تم سے زیادہ کسی کو پیار نہیں کرتے! ہم جانتے ہیں کہ تم محمد خاں کی طرح کبھی دھوکا نہ دو گے، کیوں؟ تم کو بادشاہی کا لالچ نہیں۔ جس کو کسی چیز کا لوبھ ہوتا ہے وہی دغا کرتا ہے۔ ہم کو اگر کچھ سندیہہ ہے تو اکبر شاہ پر، کیونکہ اس کو راجیہ کا لالچ ہے۔ سمبھو ہے کہ وہ کپٹی درگاداس کی باتوں میں آجائے، اور ہمارے ساتھ وہی برتاؤ کرے جو ہم نے اپنے باپ کے ساتھ کیا تھا۔ اس لیے تمھیں ہوشیار کیے دیتا ہوں کہ اس کی نیت اگر بری دیکھنا تو اسی سے تلوار کے گھاٹ اتار دینا۔ میں تم کو سب طرح کے ادھیکار دیتا ہوں۔

اتنا کہہ کر طہور خاں چپ ہوگیا۔

اکبر شاہ چنتت ہوکر بولا۔ بھائی درگاداس آپ کا کہنا ستیہ ہے۔ اباجان کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں۔ ان کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا۔

جے سنگھ نے کہا اب آپ ہی کہیے! ایسے راجا کا کون ساتھ دینا چاہے گا؟ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ مسلمان ہونے کے کارن ہم لوگ شترو بن گئے۔ ہم نے نیتی پر چلنے والے بادشاہوں کے لیے اپنے بھائیوں کے گلے پر تلواریں چلائیں ہیں۔ آپ ہی کے نام راشی آپ کے پوروج اکبر تھا شاہجہاں کو ٹھاکروں نے کب سہایتا نہیں دی؟ وہ لوگ پرجا پالک تھے۔ اپنی پرجا کو پتر سمان مانتے تھے۔ ہندو ہو یا مسلمان ہو، سب کو یوگتا کے انوسار عہدے دیتے تھے۔ کبھی کسی کے دھرم میں ہست چھیپ نہ کرتے تھے۔ ہم لوگ ایسے بادشاہوں کے ساتھی ہیں۔ تمھارے پتا جیسے بادشاہ کے ساتھی نہیں، جو مندر توڑ کر مسجد بنائے ہماری مورتیوں کو مسجد کی سیڑھیوں میں لگائے۔ تیرتھ یاتریوں سے کر لے اور نردوش ہندوؤں پر کافر کہہ کر بنا اپرادھ کے ہی اتیاچار کرے۔ آپ ہی کہیے یہ ظلم نہیں تو کیا ہے؟

درگاداس! اگر آپ لوگ اورنگ زیب کی کرتوتوں کو دراصل پاپ اور ظلم سمجھتے ہوں اور ان سے بچنا چاہتے ہوں تو جیسے ہم کہیں ویسا کرنے کی پرتگیا کریں، پرنتو سمے پڑنے پر دھوکا نہ دینا۔ ہم اورنگ زیب کو پکڑ کر شہزادے کو گدی پر بیٹھا دیں گے۔ ان کا جیسا نام ہے ویسے ہی بادشاہ اکبر کے سے گن بھی نہیں ہیں۔ یدی ایسا کرنا چاہتے ہو تو سردار محمد خاں کو بلالو، میں اپائے بتاتا ہوں۔

جب تک چوکیدار محمد خاں کو بلوا کر لائے اتنی دیر میں من ہی من شہزادہ نہ جانے کیا کیا سوچ گیا۔ محمد خاں کے آجانے کے بعد شہزادہ نے کہا۔ بھائی درگاداس! آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہو اس میں کوئی سندیہہ نہیں کہ اس سے بڑھ کر کوئی اپائے نہیں، جس میں ہم دونوں کی بھلائی ہو، پرنتو بھائی! راج کے لیے میں ایسا پاپ نہیں کرسکتا۔

محمد خاں نے کہا۔ شہزادے ابھی آپ بالک ہیں راجنیتی نہیں جانتے۔ بہت پاپوں سے بچنے کے لیے یدی ایک پاپ کیا جائے تو وہ پاپ نہیں پُنیہ ہے۔ اتنا تو آپ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کو گدی پر بیٹھنے کے بعد یہ ظلم جو ابھی ہو رہا ہے، کیا بند نہ ہو جائیں گے؟ پھر راجپوتوں کی جو شکایت ہے وہ دور ہو جائے گی۔ پرسپر میل ہو جانے پر پرجا کتنے سکھ سے رہے گی۔ اس لیے ہمیں تو ایسا کرنے میں کوئی پاپ نہیں معلوم ہوتا۔ اب رہا یہ کہ اورنگ زیب نے اپنے باپ کو کارا گار میں رکھ کر بڑا کشٹ دیا تھا۔ آپ ایسا نہ کرنا۔ چلو بس ہو چکا۔ اگر آپ اتنے پر بھی راضی نہیں تو راج کل میں ورتھا ہی جنم لیا تھا۔ کہیں فقیر ہوتے جاکے۔

طہور خاں نے کہا۔ اس میں آپ کو کرنا ہی کیا ہے؟ ہم قیدیوں کی ادلا بدلی کے بہانے اپنی سینا لے جائیں گے اور پیچھے سے راجپوت سینا یکا یکی دھاوا کردے گی۔ بادشاہ اپنی سینا سمجھ کر ہماری اور اوشیہ بھاگے گا۔ بس ہمارا کام بن جائے گا۔ بادشاہ کو پکڑ کر ویر درگاداس کو سونپ دیں گے۔ اور آپ کو شاہی تخت پر بٹھادیں گے۔

اکبر شاہ کی نیت بگڑی۔ سنسار میں ایسا کون ہے جو لکشمی کا ترسکار کرے؟ اب رات بھی آدھی بیت چکی تھی اور سب سردار بھی درگاداس کی رائے پر سہمیت تھے۔ بات چیت بند ہوئی سب لوگ اپنے ڈیرے میں ورام کرنے چلے گئے۔ شہزادہ اپنی سیج پر پڑا اپنے بھوشیہ پر وچار کرتا رہا۔ سویرا ہوا اور کوچ کا ڈنکا بجا۔ سرداروں نے اپنی اپنی سینائیں سنبھالیں اور بُدھواڑی کے میدان کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں سے اجمیر کیول ڈیڑھ دو کوس رہ جاتا ہے۔ لڑائی کے لیے میدان بھی اچھا تھا اور سینا کے لیے بھی سب پرکار کی سویدھا تھی۔ درگاداس نے پڑاؤ کے لیے یہی جگہ اچت سمجھی۔ اس کے دونوں طرف پہاڑی پردیس تھا۔ یہاں یدھ ہونے سے پرجا کو کسی پرکار کی ہانی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اور ویر درگاداس کا مطلب بھی یہی تھا، نہیں تو آگے ہی سے بستی کے باہر مورچا بندی کیوں کرتا؟ استو ویر درگاداس کے آگیا نوسار

پڑاؤ یہیں پڑا۔ سرداروں نے سینا کو بھوجن تتھا وشرام کا پورا پربندھ کیا۔

شام کو جے سنگھ تتھا درگاداس آدی مغل سرداروں سے مل کر اورنگ زیب کے لیے جو شڈیتر رچا گیا تھا، اس پر وچار کرنے لگے۔ درگاداس نے کہا۔ خاں صاحب دیکھو دھوکا نہ دینا! نہیں تو بیچارے اکبر شاہ کے ارمان خاک میں مل جائیں گے۔ اگر دھوکا دیا بھی تو ہمارا کیا جائے گا۔ ہم تو لڑائی کے لیے گھر سے نکلے ہی ہیں۔ جہاں ایک سے نپٹنا ہے وہاں دو سے سہی!

محمد خاں نے کہا۔ واہ! ہم مسلمان ہیں بات کہہ کر بدلتے نہیں۔ آگے بڑھ کر پیچھے نہیں ہٹتے۔ پھر یہ تو اپنے مطلب کی بات ہے۔ اسی طرح سب اپنی اپنی اڑا رہے تھے۔ اکبر شاہ تو اتنے پرسن تھے مانو بادشاہ ہی بنے بیٹھے ہیں۔

پرنتو یہ ابھی کسی کو نہیں معلوم کہ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ منش لاکھ سر مارے جو ایشور چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس کے سبھی کام ولکشن ہیں۔ کون جان سکتا ہے کہ کب کیا ہوگا؟ چاہے جتنی گپت ریتی سے بات چیت کیوں نہ کی جائے، بھید کھل ہی جاتا ہے۔ بڑے لوگوں نے کہا ہے کہ کان دیوار کے بھی ہوتے ہیں۔ جب دیسوری میں شہزادے کے خیمے میں اس پر بات چیت ہو رہی تھی اس سے ایک مغل سپاہی شمشیر باہر پہرے پر تھا۔ وہ سب سن رہا تھا۔ یہ تھا مولوی کٹر مسلمان۔ اکبر اور شاہجہاں کو بھی کافر ہی کہتا تھا۔ وہ روزہ اور نماز سے بڑھ کر ثواب ہندوؤں کو دکھ دینے ہی میں سمجھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ کافروں نے ایک کٹر مسلمان بادشاہ کے وِرودھ شڈیتر رچا ہے اور وہ مجھے معلوم ہوگیا ہے۔ اگر میں نے کوئی اپائے نہ کیا تو میں بھی خداوند کریم کی نظروں میں کافر ہی بنوں گا۔ اس لیے یہاں سے نکلنا چاہیے۔ دیر کرنے میں کام بگڑتا ہے اور کام بگڑنے پر کیول پچھتانا ہی ہاتھ رہے گا۔ پچھتا ہی کے کیا کروں گا؟ پھر یہاں کس لیے ٹھہروں؟ اگر بچ نکلا تو ایک مسلمان کو کافروں کے پنجے سے چھڑاؤں گا اور اگر پکڑا گیا تو اسلام کے نام پر قربان ہو جاؤں گا۔ استو مولوی صاحب کو کسی طرح کا کشٹ نہ اٹھانا پڑا۔ سؤگمتہ سے نکل گیا، کیونکہ ویر درگاداس نے اپنے مغل قیدیوں پر کڑا پہرا نہ رکھا تھا۔ دوسرے دن مولوی صاحب اجمیر پہنچے اور بادشاہ سے کچا چٹھا کہہ سنایا۔ اورنگ زیب تھا بڑا ہی دھرت ترنت ہی ایک چٹھی اکبر شاہ کے نام لکھوا کر ایک فقیر کو دی کہ اسے درگاداس کے خیمے میں ڈال دے۔ فقیر کو انعام دیا گیا۔ فقیر کو کہیں روک

ٹوک تو تھی نہیں مانگتا جانچتا، لشکر پہنچا اور اوسر پاکر پتر درگاداس کے ڈیرے میں پھینک دیا۔ دیو یوگ سے وہ پتر سنتری کے ہاتھ لگا۔ اٹھا کر درگاداس کے پاس لایا۔ درگاداس نے دیکھا تو اس پر شاہی مہر تھی اور شہزادے کے نام تھا، کھول کر پڑھنے لگا۔

بیٹا اکبر شاہ! میں تمھارے منہ پر تمھاری بڑائی نہیں کرنا چاہتا، نہیں تو جتنی بڑائی کی جائے وہ تھوڑی ہی ہے۔ تم نے کافروں کے پھنسانے کے لیے اچھی یکتی نکالی، مگر دیکھو ساودھان رہنا۔ درگاداس بڑا ہی چالاک ہے۔ کہیں کام بگڑنے نہ پائے۔ طہور خاں سے صلاح لیتے رہنا وہ بڑا پکا مسلمان ہے۔ بیٹا! میں تمھارے پتر کا اتر کبھی نہ دیتا کیونکہ دوسرے کے ہاتھ میں پڑ جانے سے کام میں بادھا پڑنے کا اندیشہ تھا۔ پرنتو پھر یہ سوچا کہ کداچت تمھیں سندیہہ بنا رہے کہ تمھارا پتر ہم تک پہنچا یا نہیں اور میں ساودھان ہو گیا یا نہیں اس لیے وشواس ہوا۔

تمہارا پتا

یہ پتر پڑھ کر درگاداس کو اکبر شاہ پر سندیہہ اتپن ہوگیا۔ پتر لیے ہوئے سیدھا جے سنگھ کے پاس پہنچا۔ پتر تو ان کے ہاتھ میں دے دیا، اور پلنگ پر بیٹھ کر پاپیوں کے وشواش گھات سے ہونے والے پرینام پر وچار کرنے لگے۔ جے سنگھ نے پتر پڑھا اور میان سے تلوار کھینچ لی۔ درگاداس نے کہا یہ کیا؟ جے سنگھ نے کہا۔ بھائی! آپ تو چھما کے اوتار ہیں۔ کسی نے کیسا ہی اپرادھ کیوں نہ کیا ہو آپ چھما کر دیتے ہیں، پرنتو مجھ میں یہ دیوی گن نہیں۔ میں دشٹوں کو وشواس گھات کا مزا چکھاؤں گا۔ درگاداس نے کہا بھائی! یہ راجپوتوں کا دھرم نہیں۔ وہ ہمارے بندی ہیں اور اس کے اترکت آج تک ان سے ہمارا بھائی چارے کا برتاؤ رہا ہے۔ اب آپ انھیں بنا کسی اپرادھ کے ہی مارنا چاہتے ہیں۔ یہ انوچت کاریہ کرنے کی میری اچھا نہیں ہے۔

جے سنگھ نے شانت ہوکر پوچھا۔ اچھا! تو بتایئے آپ کی اچھا کیا ہے؟

درگاداس نے کہا ۔ اگر میری اچھا پوچھتے ہو تو انھیں اسی پرکار سوتے ہی چھوڑ دیا جائے۔ اور ہم اپنی سینا کو دیواڑی کی پہاڑیوں میں چھپادیں۔ اورنگ زیب کی سینا کے آنے پر دونوں طرف سے ساتھ ہی دھاوا بول دیا جائے۔ ہمیں وشواس ہے وہ دو طرفہ مار کبھی نہ سہہ سکے گا۔ اگر بھاگنا چاہے گا، تو سامنے والی دروں کے سوا اور دوسرا راستہ نہیں ہوگا۔ اور

جب دروں میں پھنسا تو ابرنا کٹھن ہوگا۔ پھر یا تو ہماری شرن آئے گا۔ یا بے موت مرے گا۔

یہ صلاح جے سنگھ کے من میں بیٹھ گئی۔ دھیرے دھیرے راجپوت سرداروں کو سچیت کیا گیا۔ سبھوں نے اپنی اپنی سینا سنبھالی اور رات کے پچھلے پہر تک دیواڑی کے پہاڑی پردیس میں جا پہنچے۔ سویرا ہوا تاروں کی چمک پھیکی پڑنے لگی۔ آکاش کا رنگ بدلنے لگا۔ اپنے اپنے گھونسلوں سے نکل کر پنچھیوں نے شاکھاؤں پر ایشور کا گن گان آرمبھ کیا۔ اذان سن کر مغل سرداروں نے بھی نماز کی تیاری کی۔ خیمے کے باہر نکلے تھے کہ بس جان سوکھ گئی۔ کہاں کی نماز اور کہاں کا روزہ! یہاں تو پرانوں پر آبنی۔ اکبر شاہ کی تو کچھ پوچھو ہی نہ جو کل بادشاہ بنے بیٹھے تھے آج بھاگنے کا راستہ نہ پاتے تھے۔ چہرے پر جو شاہی جھلک تھی آج پھیکی پڑگئی۔ سوچنے لگا یا خدا ماجرا کیا ہے۔ راجپوت سینا تھی کہ اندر جال کا تماشا؟

طہور خاں سے بولا۔ ہمیں درگاداس کے چلے جانے کا دکھ نہیں۔ دکھ تو یہ ہے کہ چوری سے کیوں چلے گئے؟ کیا ہم لوگ انھیں روک لیتے؟ ہم لوگ تو خود ہی ان کے بندی تھے۔ پھر چھپ کر جانے کا کارن کیا تھا۔ طہور خاں نے کہا۔ شہزادے! اس میں دکھ کی کون بات ہے؟ ہم لوگوں پر درگاداس کو وشواس نہیں ہوا۔ اور ٹھیک بھی ہے۔ وشواس کیسے آتا؟ ایک مچھلی سارے تال کو گندا کردیتی ہے۔ پھر بادشاہ نے چھل پر چھل کیے ہیں۔ یہ درگاداس کی بھل مانسی تھی کہ ہم لوگوں کو بنا کسی پرکار کا دکھ پہنچائے ہی چھوڑ کر چلا گیا۔ نہیں جان سے مار ڈالتا تو ہم اس کا کیا بنالیتے؟ آخر تھے تو اسی کے ادھین۔ جو چاہتا کرتا۔

محمد خاں نے کہا۔ بھائی درگاداس نے جو کچھ کیا اچھا ہی کیا۔ اب ہم لوگوں کو چاہیے کہ درگاداس کو دکھادیں کہ سب آدمی ایک سے نہیں ہوتے۔ اگر کچھ مسلمان جھوٹے ہوتے ہیں تو کچھ اپنی پرتگیا کے سچے بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے شہزادے کو جانے دو کہ وہ درگاداس کو تلاش کریں۔ ہم لوگ اپنا لشکر لے کر مورچے پر چلیں اور بادشاہ سے لوہا لیں۔ مریں یا ماریں۔ اپنا کرتبیہ پالن کریں۔ یہ خبر پاکر درگاداس اپنی کرتوت پر لجت ہوگا۔

طہور خاں کو یہ صلاح پسند آئی۔ اکبر شاہ کو بدا کیا اور اپنا لشکر لے کر اورنگ زیب کے مقابلے پر چلا۔ راستے ہی میں اورنگ زیب کی سینا سے مڈبھیر ہوگئی۔ یہ لشکر معظم اور عظیم کی سرداری میں تھا۔ یہ دونوں ہی اکبر شاہ کے اپنے پتھ کا کنٹک سمجھتے تھے۔ پرنتو انھیں راستہ صاف کرنے کی گھات نہ ملتی تھی۔ آج منہ مانگی مراد ملی، جی توڑ کر لڑنے لگے۔ پہلے تو طہور

خاں کے سپاہیوں نے بڑی بہادری دکھائی۔ مگر پھر مولوی صاحب کا فتویٰ سنتے ہی توتے کی بھانتی آنکھیں بدل دیں اور اپنے دونوں سرداروں کو گھیر کر خود ہی مار ڈالا۔

محمد خاں اور طہور خاں کے مارے جانے کے پشچات عظیم نے اکبر شاہ کی بہت کھوج کی، پرنتو پتا نہ چلا۔ دوش ہوکر اجمیر لوٹ پڑا۔ کیونکہ سینا آدھی سے ادھیک گھائل ہوگئی تھی۔ اس لیے ویر درگاداس کا سامنا کرنے کی ہمت نہ رہی، نہیں تو وجے کے گھمنڈ میں آگے ضرور بڑھتا۔ گھمنڈ تو درگاداس چور ہی کردیتا، مگر بیچارے اکبر شاہ کے پران نہ بچتے۔ کسی نہ کسی کی درشٹی پڑ ہی جاتی، کیونکہ وہ ویر درگاداس کی کھوج میں دیوواڑی کی پہاڑیوں پر ادھر سے ادھر بھٹکتا پھرتا تھا۔ سنیوگ وش شامل داس سے بھینٹ ہوگئی۔ جو پانچ سو سوار لیے دیوواڑی کے مارگ کی چوکسی کر رہا تھا، پہلے تو شامل داس کو سندیہہ ہوا کہ کداچت بھید لینے آیا ہو، لیکن بات چیت ہوتے ہی سندیہہ جاتا رہا اور اسے ویر درگاداس کے پاس بھیج دیا۔ شہزادے کو دیکھ کر درگاداس لجت ہوکر بولا۔ شہزادے! مجھے چھما کرنا مجھ سے اپنی اتنی آیو میں یہ پہلی بھول ہوئی ہے۔ آج تک میں نے کسی کے ساتھ وشواس گھات نہیں کیا اور نہ کسی نردوش پر تلوار ہی اٹھائی ہے۔ آپ کے ساتھ جو مجھ سے چوک ہوئی وہ دھوکے میں ہوئی۔ لیجیے یہ اپنے پتاجی کا پتر پڑھیے اور آپ ہی کہیے ایسی استھتی میں ہمارا کرتبیہ کیا ہونا چاہیے تھا؟

شہزادے نے پتر پڑھ کر کہا۔ بھائی درگادا اس میں تمھارا کچھ دوش نہیں۔ یہ ہماری کمبختی تھی۔ مرتیو کی سامگری تو پتر ہی میں تھی، پرنتو نہ جانے ابھی بھاگ میں کیا ہے۔ جو جیوت رہے۔ خدا جانے طہور خاں پر کیسی گزری؟ درگاداس نے کہا۔ شہزادے مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ بھول میں نے کی اور مارے گئے محمد خاں اور طہور خاں۔

درگادا کا یہ انتم واکیہ پورا بھی نہ ہوا تھا اللہ اکبر کی آواز کانوں میں آئی۔ شہزادے پر پھر سندیہہ اتپن ہوا مگر آگے بڑھ کر پہاڑی سے جو نیچے جھانکا تو اورنگ زیب کی سینا دروں میں پھنسی دیکھی۔ پھر کیا تھا راجپوتوں کو لے کر ٹوٹ پڑا۔ لگی دوطرفہ مار پڑنے۔ مغل سینا جس طرف بھاگتی تھی اسی طرف اپنے کو راجپوتوں سے گھری پاتی تھی۔ درگاداس نے سوا ایک پہاڑی درے کے چاروں طرف سے دیوواڑی کی پہاڑیاں گھیر رکھی تھیں۔ اس درے کے تینوں طرف اونچی پہاڑیاں تھیں اور ایک طرف راستہ تھا۔ وہ بھی چھوٹا سا۔ اورنگ زیب یہ کیا جانے کہ ہمارے بچنے کا راستہ نہیں چوہا دان ہے۔ چل پڑا پیچھے پیچھے لشکر بھی پہنچ گیا۔

راجپوتوں نے ایسا پیچھا کیا، جیسے چرواہے بھیڑوں کو باڑے میں ہانکتے ہیں۔ جب سب لشکر درے میں چلا گیا تو راجپوتوں نے کھلواڑ کی طرح وہ بھی راستہ پتھروں سے بند کردیا۔ پہاڑیاں اتنی اونچی اور کٹھن نہ تھیں کہ کوئی چڑھ نہ سکے پرنتو کٹھنائی آوشیک تھی۔ رات ابھی ایک پہر سے ادھک تو بیتی نہ تھی لیکن اندھیالا ہو چکا تھا۔ اور چندرما کا پرکاش بھی اتنا نہ تھا۔ اس پر راجپوت اوپر سے پتھر ڈھکیل رہے تھے۔ سارانش یہ کہ سب ڈھنگ بے موت مرنے کے ہی تھے۔ پھل یہ ہوا کہ کچھ تو پتھروں سے گھائل ہوکر مرگئے اور کچھ جیتے رہے، پرنتو وہ بھی مرتکوں سے کسی دشا میں اچھے نہ تھے۔ اپائے تو راجپوتوں نے یہی سوچا تھا کہ ایک بھی مغل جیوت نہ بچے اور درا بھی آدھے کے لگ بھگ پاٹ دیا تھا، پرنتو اورنگ زیب کے بھاگ کو کیا کرتے اسے ایک چھوٹی سی کھوہ مل گئی۔ باپ بیٹے دونوں بڑی ساودھانی سے اسی میں دب کر رہے۔

جب راجپوتوں کا اُپدرو شانت ہوا تو دونوں دبے پاؤں باہر نکلے۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ چندر دیو است ہوچکے تھے۔ ہاں چاروں طرف آکاش پر تارے ضرور جھلملا رہے تھے۔ درگاداس اپنا لشکر لے کر بدھواڑی لوٹ آیا تھا۔ میدان صاف تھا، اس لیے اورنگ زیب کو اونچی نیچی پہاڑیوں پر چڑھنے کے سوائے اور کوئی ارچن نہ پڑی۔ کوئی کہیں دیکھ نہ لے! شترو کے ہاتھ پھر نہ پڑجائے! کیول یہی بھے تھا۔ اس لیے اپنے کو چھپاتا ہوا بڑی ساودھانی سے ادھر ادھر پہاڑیوں میں بھٹکنے لگا۔ جیسے تیسے بھوکا پیاسا تیسرے دن اجمیر پہنچا۔ عظیم اس سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اورنگ زیب اس پر بہت جھنجھلا گیا۔ اور یہ غصہ کچھ عظیم ہی پر نہ تھا۔ وہ جسے پاتا تھا، پھاڑ کھاتا تھا۔ جل پان کے اپرانت جب ذرا جی ٹھکانے ہوا تو سرداروں کو بلایا۔ جب کسی میں ویر درگاداس کا سامنا کرنے کا ساہس نہ دیکھا تو اپنے راجیہ کے کونے کونے سے مسلمانی سینا بھیجنے کے لیے صوبیداروں کو آگیا پتر لکھوائے۔ پھر بھی سنتوش نہ ہواا۔ سوچنے لگا کہ اتنی مغل سینا جسے درگاداس کا سامنا کرنے کو بھیج سکوں، ایک سپتاہ میں ایکتر ہونا سمبھو ہے۔ اور درگاداس کا کچھ ٹھیک نہیں، نہ جانے کب اجمیر پر دھاوا بول دے۔ اس لیے کوئی جال پھینکنا چاہیے۔

دوسرے دن سردار ذوالفقار خاں کو چالیس ہزار اشرفیاں دے کر ویر درگاداس کے پاس بھیجا۔ یہ سردار بھی بڑا چتور تھا۔ شام کو درگاداس کے پاس گیا۔ سلام کیا اور اشرفیاں

سامنے رکھ کر بولا۔ ٹھاکر صاحب ہمارے بادشاہ سلامت نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ چالیس ہزار اشرفیاں بھینٹ میں بھیجی ہیں۔ ٹھاکر صاحب اب آپ کو چاہیے کہ بادشاہ کی بھینٹ خوشی کے ساتھ سویکار کریں، اور ایشور کو دھنیہ واد دیں۔ کیونکہ بادشاہ جلد کسی پر اتنے پرسن نہیں ہوتے۔ نہ جانے کیوں آپ کی بہادری پر خوش ہو گیے۔ پرسکار میں چالیس ہزار اشرفیاں ہی نہیں بھیجیں، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہلا بھیجا ہے کہ تیج کرن کو پانچ ہزار سواروں کا نایک بناؤں گا اور مارواڑ کے سرداروں کے ادھیکار جیسے راجا یشونت سنگھ کے سامنے تھے۔ ویسے ہی رہیں گے۔ جس کی جاگیر ضبط کی گئی ہے، وہ لوٹا دی جائے گی۔ اور لوٹ جانے پر سب راجپوت بندی بھی چھوڑ دیے جائیں گے۔ اس لیے کرپا کر مجھے شیگھر ہی لوٹ جانے کی آگیا دیں۔ اور شہزادے کو سادر میرے ساتھ کردیں۔ بادشاہ اکبر شاہ کے ویوگ سے دکھی ہے۔ اسے دیکھتے ہی بڑا پرسن ہوگا۔ ایشور جانے آپ کے ساتھ اور کیا بھلائی کرے؟ اچھے کاموں میں دیر نہ کرنی چاہیے۔ شنکا وناش کا کارن ہے۔ شنکا کرنے سے بنے بنائے کام بگڑتے ہیں۔ اگر میں خالی ہاتھ لوٹا تو سمجھے رہیے۔ راجاؤں کی پرسنتا اتنا سکھ نہیں دیتی جتنا کہ اپرسنتا دکھ دیتی ہے۔ ایشور نہ کرے کہیں بادشاہ آپ کے برتاؤ سے چڑھ جائے تو یہ جان لیجیے گا کہ پلک مارتے ہی جودھپور کا ستیا ناس کرڈالے گا، جو بادشاہ چھن ماتر میں بیس لاکھ سینا اکٹھی کرسکتا ہے، اس کا سامنا آپ مٹھی بھر راجپوت لے کر کیا کر سکتے ہیں؟ میں آپ کی بھلائی کے لیے آیا ہوں، برائی کے لیے نہیں۔ اگر آپ نے دھرم کی اپنی بہن بیٹیوں کی اپنے بھولے بھائیوں کی اور دیو مندروں کی بھلائی چاہتے ہیں تو شہزادے کو ہمارے ساتھ کردیں۔ ٹھاکر صاحب، ایک کے لیے بہتوں کو دکھ میں ڈالنا چتورائی نہیں ہے۔

درگاداس چپ چاپ سردار ذوالفقار خاں کی باتیں سن رہا تھا، اور سوچ رہا تھا کہ کیا اتر دیا جائے؟ اگر ہاں کرتا ہوں، تو ادھرم ہوتا ہے ابھے دان دے کر شہزادے کو پھر کیوں کر موت کے منہ میں ڈال دوں، اگر نہ کرتا ہوں تو نہ جانے سرداروں کے من میں کیا ہو؟ درگاداس اسی سوچ وچار میں پڑا تھا۔ شہزادہ بڑی دیر سے درگاداس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کیا اتر دیتے ہیں؟ جب دیکھا کہ درگاداس بولتا ہی نہیں۔ مون ورت ہی دھارن کر لیا ہے، تو شہزادے کو چنتا نے گھیر دبایا۔ اداس من وچارنے لگا کہ کداچت ویر درگاداس اپنے پرانوں کے لالچ سے مجھے نہ تیاگتا، پرنتو اپنے دیش دھرم اور جاتی کا پرشن ہے۔ دیش کی بھلائی کے

ہمّت مجھے اوشیہ تیاگ دے گا، کیونکہ اپنی جاتی والوں کے آگے مجھ مغل کے پرانوں کی اسے کیا پرواہ ہوگی؟ اور اچت بھی ایسا ہی ہے۔ جہاں ایک بلیدان سے انیکوں کی رکچھا ہوتی ہے۔ تو اس میں ولمب نہ کرنا چاہیے۔ تب درگاداس ذوالفقار خاں کی باتوں کا اثر کیوں نہیں دیتا؟ کداچت اچھنبھے میں پڑا ہو کہ جس کو ابھیدان دے چکا ہے، اسے کس پرکار تیاگ دے؟ میری تو مرتیو آ ہی گئی، تب اپنے شبھ چنتک کو ادھک کشٹ کیوں پہنچاؤں۔

یہ وچار کر شہزادہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا ویر درگاداس میں آپ کی نہیں بلکہ اپنی اچھا سے سردار ذوالفقار خاں کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اس میں آپ کا کچھ دوش نہیں، کیونکہ جہاں تک ہو سکا، آپ نے میری رکشا کی۔ منش اپنی شکتی کے باہر کیا کرسکتا ہے؟ کوئی کسی کا بھاگیہ نہیں پلٹ سکتا۔

ویر درگاداس نے شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا اور بولا۔ شہزادہ! میں یہ چالیس ہزار کیا، اگر بادشاہ اپنا راجیہ بھی دے کر تمھیں لینا چاہے تب بھی تمھیں اب مرتیو کے مکھ میں نہیں ڈال سکتا۔ میں اپنے کل تتھا جاتی کو کلنکت نہیں کرنا چاہتا۔ راجپوتوں کے مکھ میں ایک ہی جبھ ہوتی ہے۔ شہزادے کداچت تم نے یہ سوچا ہو کہ میرے ایک کے لیے درگاداس اپنے دیش بھر کو وپتی میں کیوں ڈالے گا؟ تو یہ تمھاری بھول ہے۔ دیکھا کیول مہاسنگھ کے لیے ہمارے مارواڑ واسیوں نے کتنا کشٹ بھوگا۔ پرنتو اس کا پھل کیسا ملا؟ کہنا ویرتھ ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ دیکھو مارواڑ سوتنتر ہوا۔ بادشاہ نے سلام کے ساتھ ساتھ چالیس ہزار کی بھینٹ بھی بھیجی ہے۔ اب یدی تمھارے لیے کشٹ اٹھانا پڑے گا۔ تو اس سے بھی اچھے پھل کی آشا ہے۔ اندھیرے کے بعد ہی اجالا ہوتا ہے۔ دکھ بھوگنے کے پشچات ہی سکھ کا آنند ملتا ہے۔ مٹی میں مل جانے کے پشچات ہی بیج ہرا بھرا ورکش بنتا ہے۔

درگاداس کو اس پرکار شہزادے کو تسلی دیتے دیکھ جے سنگھ کو اب سردار ذوالفقار خاں کی باتوں کا جواب دینے میں بڑی سہائیتا ملی۔ بڑی نرمی کے ساتھ بولا۔ بھائی ذوالفقار خاں! تمھارے بادشاہ نے آج تک ہم راجپوتوں کے لیے کون ایسا کشٹ پہنچانے والے کام تھا، جو نہ کیا ہو؟ اب اس سے ادھک کشٹ دینے والا کون اپاے سوچ رکھا ہے، جس کی دھمکی دیتا ہے۔ دیو مندروں کو توڑ کر مسجدیں بنوائی۔ دھرم پستکوں کو جلوایا، براہمنوں جنؤ تڑوائے، ستی ابلاؤں کا ستو نشٹ کرایا، تیرتھ یاتریوں پر جزیا نامک کر لگایا اور بنا اپرادھ ہی کے بیچارے

نردوش راجپوتوں کو بندی گرہ کا کشٹ بھگوایا۔ بہتوں کو پھانسی دلائی۔ اب تمھیں کہو پران ڈنڈ سے ادھک اور کون ڈنڈ ہوگا۔ بھائی ہم راجپوتوں کو ساتھ یدی وہ نیائے کا برتاؤ کرتا تو ہم لوگ کالے سرپ کے سمان اسے کبھی ڈستے، ورن شوان کے سمان اس کی سیوا کرتے۔ یہ نوبت کبھی نہ آتی کہ اتنا بڑا بادشاہ ایک راج دروہی کے لیے پرجا کو جھک کر سلام کرے۔ چالیس ہزار اشرفیوں کا لوبھ دکھائے۔

درگاداس نے کہا۔ بھائی جے سنگھ آپ ایسی باتیں کس سے اور کس لیے کر رہے ہیں؟ میں ابھی تک اس لیے مون بیٹھا رہا کہ ذوالفقار خاں سے ویرتھ باتیں کرکے اپنا سمے کیوں نشٹ کروں؟ ان سے باتیں کرنے میں کوئی لابھ تو ہے ہی نہیں، اتر دے کر کیا کریں۔ انھیں جو کچھ کہنا ہے کہہ لینے دو۔ بادشاہ نے نہ تو دھمکی دی ہے اور نہ لالچ۔ یہ کیول دھوکا بازی اور جال ہے۔ سردار ذوالفقار خاں آپ اپنی یہ اشرفیاں لیجیے، کیونکہ پاپ سے کمائے ہوئے دھن کی بھینٹ راجپوت سویکار نہیں کرسکتے۔ اور نہ شرن آئے ہوئے کو اپنے پران رہتے تیاگ ہی سکتے ہیں۔ اس لیے اب آپ خوشی سے لوٹ جایئے، اور بادشاہ کے سلام کے جواب میں سلام کہیے۔ ذوالفقار خاں نے اب بھی بہت کچھ کہا سنا، پرنتو راجپوت ہٹھ (پران جائے پر وچن نہ جائے) کب چھوٹ سکتا ہے۔ انت میں لاچار ہوکر سردار ذوالفقار خاں کو لوٹنا ہی پڑا۔

ذوالفقار خاں کے چلے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد ادے پور کے رانا کے چھوٹا بیٹا بھیم سنگھ آیا۔ سب سرداروں سے مل بھینٹ کر درگاداس کے پاس بیٹھ گیا۔ جے سنگھ نے پوچھا۔ بھیا بھیم سنگھ! گھبرائے سے کیوں ہو؟ کیا کوئی نئی بات ہے؟ بھیم سنگھ نے کہا گھبراہٹ نہیں، پرنتو آشچریہ اوشیہ ہے۔ یہ کہ آپ سب کو نشچنت دیکھ رہا ہوں۔ ابھی تک آپ لوگوں نے اجمیر پر چڑھائی کیوں نہ کی؟ اوسر اچھا تھا۔ اب وہ سمے ہاتھ سے نکل گیا۔ اورنگ زیب نے چاروں طرف لڑائی بند کروادی اور سب مغل سینا اجمیر بلوا لی ہے۔ ایشور ہی جانے اب مارواڑ کی کیا دشا ہونے والی ہے۔

کیسری سنگھ سب سے ورِدھ سردار تھا۔ بولا بھائیو! ہمیں اپنی یا مارواڑ کی کوئی چنتا نہیں، ہمارا پہلا دھرم ہے کہ شہزادے کی رکشا کا پربندھ کیا جائے۔ پشچات اورنگ زیب سے لوہا لیں۔ یہ بات سب راجپوت سرداروں کے من میں بیٹھ گئی۔ وہ سوچنے لگے کہ شہزادے کو

کہیں بھیجا جائے۔ جہاں اس کی رکشا میں کسی پرکار کی تروٹی نہ ہو۔ بھیم سنگھ نے کہا۔ مہاراج شیواجی کا پتر ویر شمبھاجی ان کی رکشا کر سکے گا۔ کیونکہ ایک تو وہ ویر پرش ہے۔ دوسرے اورنگ زیب کا کٹر شترو ہے، تیسرے اب وہاں مغل سینا بھی نہیں ہے۔ لڑائی بند ہے، سب طرح کی سویدھا ہے۔ ویر درگاداس تتھا شہزادے نے سوئیم شمبھا جی کے پاس جانا پسند کیا۔

شام کو درگاداس تھوڑے سے سواروں کو ساتھ لے کر شمبھاجی کے پاس چلا اور چلنے کے سمے سینا کو مورچوں پر لے جانے کے لیے سرداروں کو آگیا دیتا گیا۔ شہزادے کو ساتھ لیے وہ بہوتیک جنگل پہاڑ پار کرتا ہو تیسرے دن شمبھاجی کے یہاں پہنچا۔ شمبھاجی نے دیکھتے ہی شہزادے کو پہچان لیا اور بڑے آدر بھاؤ سے ملا۔ نشچنت ہونے کے پشچات درگاداس نے اس سے اپنے آنے کا کارن کہہ سنایا۔ شمبھاجی نے اپنا ہاردِک ہرش پرکٹ کیا اور کہا بھائی درگاداس! ہم لوگوں کا مکھیہ دھرم ہی ہے کہ شرنگت کی رکشا کریں۔ پھر شہزادے نے تو ہمارے ساتھ بڑا اپکار کیا ہے۔ جب دلی کے کارا گار میں میں اور میرے پوجیہ پتاجی دونوں بندی تھے اس سمے شہزادے نے ہماری بڑی سہایتا کی۔ ان کی دیا ہوا گھوڑا ابھی تک ہمارے پاس ہے۔ میں ان کی رکشا پرانوں کے سمان کروں گا۔ اب آپ ان سے نشچنت رہیے۔

رات کو درگاداس نے وہیں وشرام کیا۔ دوسرے دن شمبھاجی سے بدا ہو مارواڑ کی طرف چل دیا۔ گجرات کے آگے ایک پہاڑی پر کھڑے ہوئے شامل داس میٹرتیا سے بھینٹ ہوئی۔ یہ اپنی سینا لے کر جے سنگھ کے آگیانوسار دکھنی پرانت سے آنے والی مغل سینا روکنے کے لیے راستے میں آ ڈٹا تھا۔ یہ حال درگاداس کو معلوم نہ تھا۔ اس لیے شامل داس نے کہا مہاراج! آپ کے چلے جانے کے پشچات سب سرداروں نے یہ صلاح کی کہ مغل سینا جو ہم لوگوں کی اساودھانی کے کارن اجمیر آچکی سو آچکی، پرنتو اب دور سے آنے والی سینا کے سب مارگ روک دیے جائیں۔ نہیں تو سوپن میں بھی جے پانا کٹھن ہوگا۔ یہ سوچ کر سرداروں نے کچھ سینا بنگال مدراس اور پنجاب کی طرف بھیج دی ہے۔ اب آپ جہاں تک ہوسکے شیگھر ہی پہنچیے۔ کداچیت آج ہی آپ کا راستہ دیکھ کر سردار شونگ جی اجمیر پر چڑھائی کردیں۔

یہ سن کر ویر درگاداس، شامل داس کے یدھ کے وشے میں کچھ سمجھ بوجھ کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ لگام کھینچتے ہی گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا چل دیا۔ رات کے پچھلے پہر بدھواڑی پہنچا۔ پرنتو درگاداس تو دیس سیوا کے لیے شریر ہی ارپن کر چکا تھا۔ بنا مارواڑ سوتنتر کیے اسے

چین کب تھا؟ سیدھا اجمیر بھاگا اور پو پھٹنے کے پہلے اپنی سینا میں پہنچ گیا۔ یہ سب سماچار اورنگ زیب کو ملا تو وہ گھبرا اٹھا، کیونکہ اجمیر میں ابھی تک سینا کے دو ہی بھاگ آ سکے گے۔ باقی سینا کی پرتکشا کی جارہی تھی۔ بادشاہ کو اپنی آدھی سینا پر کافی بھروسا نہ تھا۔ اس لیے دوسرا جال رچا اور سویرا ہوتے ہی سردار دلیر خاں کے ہاتھ سندھی کا سندیش بھیجا۔ ویر درگاداس نے کہا۔ سردار دلیر خاں بھولے راجپوتوں نے بہت دھوکا کھائے۔ اب ہم لوگ تمھارے بادشاہ کی زبانی بات چیت پر وشواس نہیں کریں گے۔ اگر وہ سچ مچ سندھی کرنا چاہتے ہیں تو بادشاہ کی مہر لگا کر پتر لکھیں کہ ہمارے دھرم پر اکشیپ نہ کریں گے۔ ہندو اور مسلم میں کوئی انتر نہ سمجھیں گے۔ یوگتا پر ہی عہدے دیے جائیں گے۔ یدی تمھارا بادشاہ ایسا کرنا سویکار کرتا ہے تو ہم لوگ بھی سندھی کرنے کو تیار ہیں، نہیں تو ہاتھ میں لی ہوئی تلواریں مارنے کے بعد ہی ہاتھ سے چھوٹیں گی۔ بس جاؤ ہمیں جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے، اب ہمارے کہنے کے ورودھ یدی اتر لانا ہو تو یدھ استھل میں تلوار ہی لے کر آنا۔

دلیر خاں کورا اتر پاکر اورنگ زیب کے پاس لوٹ گئے۔ اور دو کی چار بتائی۔ سنتے ہی اونگ زیب جل اٹھا۔ اور ترنت ہی یدھ کی تیاری کے لیے ڈنکا بجوا دیا۔ مغل سینا میدان میں ایکتر ہوئی۔ اس سمے ایک اونچے استھان پر کھڑے ہوکر اورنگ زیب نے دھرم اپدیش کیا اور سینکوں کو یہاں تک اتیجت کیا کہ دھرماندھ مغلوں کو لڑائی کے داؤں گھات کی سدھ نہ رہی۔ جس پرکار لہریں کنارے کی چٹانوں سے ٹکرا کر پھر جاتی ہیں، اسی پرکار مغل سینا راجپوتوں سے ٹکر لینے لگیں۔ ویر راجپوتوں نے بڑی ساودھانی سے حملے کو روکا اور دیکھتے دیکھتے آدھی مغل سینا کاٹ ڈالی۔ دھرماندھ اورنگ زیب کی آنکھیں کھلیں۔ سارا دھرم کا گھمنڈ جاتا رہا۔ پرانوں کے لالے پڑے۔ دائیں بائیں جھانکنے لگا۔ اور موقعہ پاکر پران لے بھاگا۔ سینا کی بھی ہمت ٹوٹ گئی۔ پیر اکھڑ گئے۔ بادشاہ کے بھاگتے سینا بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔ قلعے کے اترکت دوسری طرف مارگ نہ ملا، کیونکہ راجپوتوں نے اپورو ویہور رچنا کی تھی۔ جب مغل سینا قلعے میں جا گھسی تو راجپوتوں نے چاروں طرف سے قلعہ گھیر لیا۔ اسی سمے ایک بھیدی نے بادشاہ کو خبر پہنچائی کہ شامل داس اور دیال داس نے دکھن سے آنے والی سینا کا ایک بھی سپاہی جیوت نہیں چھوڑا۔ اور مالوے میں بھی راجپوتوں نے بڑا اپدرو مچا رکھا ہے۔ یہ سماچار سن کر اورنگ زیب گھبرا گیا۔ اپنے بڑے بیٹے معظم کو بلوا کر راجپوتوں کی مانگیں سندھی پتر پر

لکھواکر بادشاہی مہر لگائی اور درگاداس کے پاس بھیج دیا۔ ویر درگاداس نے سندھی پتر پڑھ کر اپنے سرداروں کو سنایا۔ قلعے کا دوار کھول دیا گیا۔ بادشاہی جھنڈے کی جگہ راجپوتی جھنڈا پھہرا گیا۔ مارواڑ کی سب چھوٹی بڑی ریاستوں کو وجے سماچار بھیجا گیا۔ اور کنور اجیت سنگھ کے راجیہ بھیشیک میں سملیت ہونے کے لیے انھیں نمنترن کیا گیا۔

ویر درگاداس نے کنور اجیت سنگھ کا راج تلک اورنگ زیب کے ہاتھوں کرانا نشچت کیا تھا۔ اس لیے اسے دلی جانے سے روک لیا۔ دوسرے دن ویر درگاداس اپنے ساتھ کرن سنگھ، گمبھیر سنگھ تتھا تھوڑے سے سوار لے کر آبو کی گھنی پہاڑیوں میں بسے ہوئے ڈڈوا گاؤں پہنچے۔ جے دیو برہمن کے دوار پر بھیلوں کے لڑکوں کے ساتھ آنند سے کھیلتے ہوئے، کنور اجیت کو دیکھا۔ یدھپی اجیت اب آٹھ برس کا ہو چکا تھا۔ پرنتو راج چنھوں کو دیکھ کر درگاداس نے پہچان لیا۔ آنکھوں میں آنند کے آنسو بھر آئے۔ اجیت کو گود میں اٹھا لیا۔ اسی سمے آنند داس کھیچی بھی آپہنچے۔ بڑے پریم سے ایک دوسرے سے گلے ملے۔ درگاداس نے کھیچی مہاشے کو آٹھ برس کے اچھے برے سماچار کہہ سنائے۔ اجمیر کی وجے اور کنور اجیت سنگھ کی راج گدی سن کر سب بڑا ہی آنند ہوا۔ یہ شبھ سماچار وایو کے سمان چھن بھر میں سارے گاؤں میں پھیل گیا۔

نگر واسی تتھا راج کمار کے ساتھ کھیلنے والے چھوٹے بڑے سب ساتھی اکٹھے ہوگئے۔ اب راج کمار کے بھولے بھالے مکھ پر البیلی راج شری کا پرکاش تھا۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے آپس میں کہتے تھے۔ بھائی ہم لوگوں نے انجانے میں بڑے اپرادھ کیے ہیں۔ ہزاروں بار کھیل میں راج کمار کا مارا ہوگا۔ بھائی ایک دن وہ تھا کہ راج کمار ہم لوگوں کے ساتھ دھول میں کھیلتے تھے اب کل وہ دن ہوگا کہ سارے مارواڑ دیش کے سوامی بن کر راج سہاسن پر شوبھا پائیں گے۔ راجمد سے چور ہوکر ہم دین سکھاؤں کی اور پھر کرپا درشٹی کیوں کرنے لگے؟ اسی پرکار اپنی اپنی کہتے تھے۔ اور راجکمار کے مکھ کی اور ایک ٹک دیکھ رہے تھے۔ راج کمار بھی اپنے پیارے متروں کی طرف بڑے پریم سے دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ چاچا جی ان سب کو ہمارے ساتھ لے چلیں گے یا نہیں۔ ایک بار اپنے متروں کی طرف دیکھ کر آنند داس کھیچی کی اور دیکھا۔ کھیچی مہاشے نے راجکمار کا ابھی پرائے سمجھ کر بالکوں سے کہا۔ جاؤ اپنے اپنے پتا کو لے کر راجکمار کے ساتھ چلو۔ تم لوگوں کے لیے اس سے بڑھ کر آنند کا

سمے اور کب ہوگا۔ یہ تمھارے ساتھ کھیلنے والا آج مارواڑ دیش کا سوامی ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں سارے نگرنواسی راج کمار کا راج تلک دیکھنے کے لیے ساتھ چلنے کو تیار ہوکر آپہنچے جس سے جو ہوسکا راجا کی بھینٹ کی ساگری بھی اپنے ساتھ لے چلا۔ راجکمار اپنے متروں کو اپنے ساتھ چلتے دیکھ بڑا مگن تھا۔ عمر ہی ابھی کھیل کود کی تھی۔ تھا تو کیول آٹھ ہی برس کا! کیا جانے راج کس کو کہتے ہیں۔ راج تلک کیا ہوتا ہے۔ وہ تو یہ سب کھیل سمجھتا تھا۔ آج تک اس بیچارے کو سامنے اس کے پوجیہ پتا کا بھی نام نہ کیا گیا تھا۔ وہ سنسار میں کسی کو اپنا جانتا تھا، تو آنند داس کھچی کو اور دیوشرما تتھا دیوشرما کی استری کو، جنھیں وہ چاچی چاچا کہہ کر بلاتا تھا۔

گیدڑوں میں پلا ہوا سنگھ کا بچہ، چاہے اس کے سوا بھاوک گن نشٹ نہ ہوئے ہوں۔ اپنے کو سنگھ نہیں سمجھتا، جب تک سنگھوں کے ساتھ نہ پڑے۔ یہی بات راجکمار اجیت کے ساتھ تھی۔ بھیلوں کے ساتھ پالا گیا تھا۔ پھر راج کرنا کیا جانے؟ اپنے متروں سے ہنستا بولتا دوسرے دن یاترا سماپت کر دوپہر دن ڈھلے اجمیر آپہنچا۔ یہاں بھاری بھیڑ تھی۔ ایک اور مغل سینا دوسری اور راجپوت سینا سندر وستروں سے وبھوشت راجکمار کا سواگت کرنے کے لیے کھڑی تھی۔ استھان استھان پر باجے بج رہے تھے۔ ناچ گانا ہورہا تھا۔ ایسا کوئی بھی گھر نہ تھا جس کے دوار پر بندن بار نہ بندھی ہو، منگل کلش نہ دھرے ہوں۔ گھر گھر آنند منایا جارہا تھا۔ اور جے دھونی آکاش میں گونج رہی تھی۔ مارواڑ کی چھوٹی بڑی سب ریاستوں کے سردار اپستھت تھے۔ راجکمار کا سواگت بڑی دھوم دھام سے کیا گیا اور شوبھ مہورت میں اسے سونے کے سنگھاسن پر بیٹھا کر اورنگ زیب کے ہاتھوں تلک کرایا تھا۔ سرداروں نے راجکمار کے چرنوں پر شیش جھکایا اور بھکتی نظریں دیں۔ اسی سمے وردھا ناتھو کو ساتھ لیے ہوا بابا مہندر ناتھ جی پدھارے۔ اپستھت جنتا نے ان کا بڑا ستکار کیا۔ ناتھو نے سوامی کو مہاراج یشونت سنگھ کی دی ہوئی لوہے کی صندوقچی سونپی، جسے ویر درگاداس نے بھرے دربار میں مہاراج اجیت سنگھ کو سمرپن کردیا، اور مہاراج یشونت سنگھ جی نے جس اوستھا میں اور جو کچھ کہہ کر شونگ جی چمپاوت کو صندوقچی سونپی تھی، وہ کہہ سنائی۔ اجیت سنگھ نے صندوقچی بڑے مان کے ساتھ لے کر درگاداس کو پھر دے دی اور اسے کھول کر پرجا کو دکھلانے کی آگیا دی۔ صندوقچی دربار میں کھولی گئی۔ اس میں مہاراج یشونت سنگھ کا راج مکٹ، انگوٹھی اور کئی ایک بہومل رتن تھے۔

درگاداس نے راج مکٹ راج کمار کو پہنادیا اور جنتا کے سامنے کھڑے ہوکر راج کمار اجیت سنگھ کے جنم سے لے کر راج تلک پریتن جو جو گھٹنائیں ہوئیں تھیں، کہہ سنائی۔ دیو یوگ سے وہ مسلمان مداری بھی مل گیا، جو کھیچی مہاشے اور اجیت کو چھپا کر لایا تھا۔ اس کی گواہی نے پرجا کا سندیہہ سمول نشٹ کردیا۔ ویر درگاداس کو پرجا نے کوٹیش دھنواد دیے۔ کیونکہ مہاراج یشونت سنگھ جی کے ونش تتھا راجیہ کے رکشیک یہی تھے۔

راجپوتوں کا یہ آنند اتسو اورنگ زیب کو اچھا نہ لگتا تھا۔ اس لیے کیول تین دن اجمیر میں رہ کر مہاراج اجیت سنگھ سے وداع ہو دلی چلا گیا۔ جودھپور کی پرجا راجکمار کے درشن کے لیے بڑی اتسک تھی۔ تھوڑے دنوں تک راستہ دیکھتی رہی، جب راجکمار کو جودھپور میں نہ دیکھا، تو وردھوں اور بالکوں کو چھوڑ کر جن میں چلنے کی شکتی نہ تھی، باقی سب کے سب اجمیر کو چل دی۔ کئی ایک دن میں گاتے بجاتے آنند مناتے پرجا جن اجمیر پہنچے۔ ویر درگاداس نے اپنے راجکمار پر پرجا کا اتنا پریم دیکھ کر دربار کیا۔ سب نے اپنے اپنے اچھا نروپ درشن کیے اور ان سے جودھپور کی سونی گدی شوبھت کرنے کی پرارتھنا کی۔ مہاراج نے اپنے پوجیہ پتا کی گدی پر بیٹھا سوئکار کیا۔ لگ بھگ تین ماس اجمیر میں رہ کر مہاراج جودھپور چلے آئے۔ آج پرجا کو جیسا آنند ہوا، کداچت مہاراج یشونت سنگھ کے شاسن سمے میں نہ ہوا ہو۔ گھر گھر ناچ گانا ہوتا تھا، گھر گھر ہون ہوتا تھا، دوارے دوارے منگل کلش دھرے تھے۔ وندنباریں بندھی تھیں۔ سوگندھت پھولوں کی مالائیں لٹکیں تھیں۔ شیتل وایو چل رہی تھی۔ دربار میں سندر بستر پہنے، سردار تتھا یوگیتا نوروپ جنتا بیٹھی تھی۔ سامنے سونے کے سہاسن پر مہاراج اجیت سنگھ بیٹھے تھے۔ پاس ہی ویر درگاداس کھڑا ہوا مہاراج کے آگیانوسار سہایتا کرنے والے راجپوتوں کو ان کی جاگیروں میں کچھ بڑھتی کرتا اور پٹ باندھ رہا تھا۔ وردھ مہاسنگھ کو کوشد ھیکش بنایا، گلاب سنگھ تتھا گمبھیر سنگھ کو مہاراج کا رکشک نیوکت کیا۔ کرن سنگھ کو سینا نائک بنایا۔ اور درباریوں کی انومتی سے اپنے اوپر راجیہ بھار لیا۔ انت میں مہاسنگھ کی کنیا لالبا کی باری آئی۔ درگاداس نے اس کو سب سے اچھا اور امولیہ پرسکار دیا، ارتھات۔ رانا راج سنگھ جی کے جیشٹھ پتر رانا جے سنگھ کے ساتھ وواہ نشچت کرایا۔ اور راجیہ کی اور سے ہی بڑی دھوم دھام کے ساتھ وواہ کر دیا۔

ان سب آوشیک کاموں سے چھٹی پانے کے بعد ایک دن درگاداس کو شہزادے اکبر

شاہ کی یاد آئی۔ اسی سے درگاداس نے مہاراج کی آگیا لے کر شمبھا جی کے پاس دُوت بھیجا، پرنتو شہزادہ وہاں نہ ملا۔ پتا لگانے سے معلوم ہوا کہ دکھن سے اورنگ زیب کی سہائیتا کے لیے جب مغل سینا جانے لگی تو شہزادہ نے شمبھا جی کو اس کے روکنے کی انومتی دی، پرنتو شمبھا جی نے سنی ان سنی کردی۔ اس بات پر شہزادہ رسٹ ہوکر مکہ چلا گیا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد وہیں اس کا دہانت ہوگیا۔ اس سماچار سے درگاداس کو بڑا دکھ ہوا۔ پرنتو کرتا کیا؟ ایشور اچھا سمجھ کر من کو شانت کیا۔ خدا بخش اور مسلمان مداری کو مہاراج نے اپنے دربار میں رکھا اور سدیو ان کا مان کرتے رہے۔ اپنے ساتھ کھیلنے والے بھیل بالکوں کی شکچھا کا جودھپور میں ہی اچیت پربندھ کرایا اور ان کے پتاؤں کو بڑی بڑی جاگیریں پردان کیں۔ درگاداس ایسی نیتی سے راجیہ چلاتا تھا کہ کسی کو کسی پرکار کا کشٹ نہ تھا۔ شیر بکری ایک ہی گھاٹ پانی پیتے تھے۔ چوری چماری کا مارواڑ دیش میں نام بھی نہ تھا۔ پرجا نشچنت اور سکھ سے رہتی تھی۔ خزانہ ادارتا کے ساتھ لٹانے پر بھی بڑھتا ہی تھا۔ ٹوٹے پھوٹے قلعوں کی اچیت روپ سے درستی کرائی گئی۔ جہاں کہیں نئے قلعہ کی اوشیکتا ہوئی، تو نیا بنوایا گیا۔ مہاراجا نے اجڑا ہوا کلیان گڑھ پھر سے بسانے کی آگیا دی۔

اب مہاراج اجیت سنگھ کی آیو اٹھارہ برس کی تھی دھیرے دھیرے راجیہ کا کام سمجھ گئے تھے، اور اس یوگ ہوگئے تھے کہ درگاداس کی سہائیتا بناہی راجیہ بھار وہن کرسکیں۔ یہ دیکھ کر ویر درگاداس نے سنوت 1758 میں مہاراج اجیت کو بھار سونپ دیا۔ ضرورت پڑنے پر اپنی سمتی دے دیا کرتا تھا۔ جب 1765 میں اورنگ زیب دکھن میں مارا گیا، تو اس کا جییشٹھ پتر معظم گدی پر بیٹھا اور اپنے پوروج بادشاہ اکبر کی بھانتی اپنی پرجا کا پالن کرنے لگا۔ ہندو مسلمان میں کسی پرکار کا بھید بھاؤ نہ رکھا۔ یہ دیکھ درگاداس نے نشچت ہوکر پورن روپ سے راجیہ بھار اجیت سنگھ کو سونپ دیا۔ کنتو سوتنتر ہوکر اب اجیت سنگھ کے سوبھاو میں بہت پریورتن ہونے لگا۔ پھوٹی ہوئی کیاری کے جل کے سمان وہ سوچھند ہوگیا۔ اپنے سوَچھا چاری متروں کے کہنے سے پرجا کو کبھی کبھی نیائے وردھ بھاری ڈنڈ دیتا تھا۔ کرمشہ اپنے ہانی لابھ پر وچار کرنے کی شکتی چھن ہونے لگی۔ جو جیسی صلاح دیتا تھا، کرنے پر تیار ہوجاتا تھا۔ سوئیم کچھ نہ دیکھتا تھا۔ کانوں ہی سے سنتا تھا۔ جس نے پہلے کان پھونکے، اسی کے بات ستیہ سمجھتا تھا۔ دھیرے دھیرے پرجا بھی نندا کرنے لگی۔ درگاداس نے کئی بار نیتی اپدیش کیا، بہت کچھ سمجھایا

بجھایا، پرنتو کمل کے پتے پر جس پرکار جل کی بوند ٹھہر جاتی ہے۔ اور وایو کے جھروکے کے سے ترنت ہی گر جاتی ہے، اسی پرَ . جو کچھ اجیت سنگھ کے ہردیہ پٹل پر اپدیش کا اثر ہوا، ترنت ہی سوارتھی متروں نے نکال پھینکا، اور یہاں تک پریتن کیا کہ درگاداس کی اور سے مہاراج کا منو مالنیہ ہوگیا۔ دھیرے دھیرے انیائے بڑھتا گیا۔ ووش ہوکر درگاداس نے اپنے پریوار کو اودے پور بھیج دیا۔ اور آپ اکیلا ہی جودھپور میں رہ کر انیائے کے پرینام کی پرتیکشا کرنے لگا۔

منش اپنے ہاتھ سے سینچے ہوئے وِش برِکچھ کو بھی جب سوکھتے نہیں دیکھ سکتا، تو یہ ویر درگاداس کے پوجیہ سوامی شری مہاراج یشونت سنگھ جی کا پتر تھا، اس کا ناش ہوتے وہ کب دیکھ سکتا تھا۔ پرنتو کرتا کیا؟ سوارتھی متروں کے آگے اس کی دال ہی نہ گلتی تھی۔ اتیو جودھپور سے باہر چلا جانا نشچت کیا۔ اوسر پا کر ایک دن مہاراج سے بدا لینے کے لیے دربار جارہا تھا۔ راستے میں ایک وِردھ منش ملا، جو درگاداس کا شبھ چنتک تھا۔ کہنے لگا بھائی درگاداس! اچھا ہوتا، یدی آپ آج راج دربار نہ جاتے، کیونکہ آج دربار جانے میں آپ کی کشل نہیں۔ مجھے جہاں تک پتا چلا ہے، وہ یہ ہے کہ مہاراج نے اپنے سوارتھی متروں کی صلاح سے آپ کے مار ڈالنے کی گپت روپ سے آگیا دی ہے۔ درگاداس نے کہا بھائی! اب میں وردھ ہوا، مجھے مرنا تو ہے ہی، پھر چھتریہ ہوکر مرتیو سے کیوں ڈروں؟ راجپوتی میں کلنک لگاؤں، موت سے ڈر کر پیچھے لوٹ جاؤں! اس پرکار کہتا ہوا نربھے سنگھ کے سمان دربار میں پہنچا اور ہاتھ جوڑ کر مہاراج سے تیرتھ یاترا کے لیے بدا مانگی۔ مہاراج نے اوپری من سے کہا چاچا جی! آپ کا دیوگیہ ہمارے لیے بڑا دکھ ہوگا، پرنتو اب آپ وِردھ ہوئے ہیں۔ اور پرشن تیرتھ یاترا کا ہے۔ اس لیے نہیں بھی نہیں کی جاتی۔ اچھا جائیے، پرنتو جہاں تک سمجھو ہو، شیگھر ہی لوٹ آیئے گا۔ درگاداس نے کہا مہاراج کی جیسی آگیا۔ اور چل دیا۔ پرنتو دوار تک جاکر پھر لوٹا۔ مہاراج نے پوچھا۔ چاچا جی، کیوں؟ درگاداس نے کہا مہاراج، اب آج نہ جاؤں گا، مجھے ابھی یاد آیا مہاراج یشونت سنگھ جی مجھے ایک گپت کوش کی چابی دے گئے تھے۔ پرنتو ابھی تک میں نے نہ تو آپ کو گپت خزانہ ہی بتا سکا اور نہ چابی ہی دے سکا۔ اس لیے وہ بھی آپ کو سونپ دوں، تب جاؤں۔ کیونکہ اب میں بہت وِردھ ہوگیا ہوں، نہ جانے کب اور کہاں مر جاؤں؟ تب تو یہ اسیم دھن راشی سب مٹی ہی میں مل جائے گی۔ یہ سن کر اجیت سنگھ کو لوبھ

نے دبا لیا۔ سنسار میں ایسا کون ہے جسے لوبھ نے نہ گھیرا ہو؟ کس نے لوبھ دیوتا کی آگیا کا النگھن کیا ہے؟ سوچنے لگا، یدی میرے آگیا نوسار درگاداس کہیں مارا گیا، تو یہ سمپتی اپنے ہاتھ نہ آسکے گی۔ کیا کوئی اور اوسر نہ ملے گا؟ پھر دیکھا جائے گا۔ یہ وچار کر اپنے متروں کو سنکیت کیا۔ اس کا آشے سمجھ کر ایک نے آگے بڑھ کر نیوکت پرش کو وہاں سے ہٹا دیا۔ اس پرکار دھوکے سے دھن کا لالچ دے کر چتور درگاداس نے اپنے پرانوں کی رکش کی۔ گھر آیا، ہتھیار لیے، گھوڑے پر سوار ہوا اور مہاراج سے کہلا بھیجا کہ درگاداس کتے کی موت مرنا نہیں چاہتا تھا۔ رن چھیتر میں جس ویر کی ہمت ہو آئے۔ اجیت سنگھ یہ سندیش سن کر کانپ گیا۔ بولا درگاداس جہاں جانا چاہے، جانے دو۔ جو اورنگ زیب جیسے بادشاہ سے لڑکر اپنا دیش چھین لے ہم ایسے ویر پرش کا سامنا نہیں کرتے۔

ویر درگاداس اس پرکار مہاراج اجیت سنگھ سے ورکت ہوکر اور اپنی اجول کیرتی کے پھل سوروپ انادر اور اپیکچھا پاکر ادئے پور چلا گیا۔ یہاں اس سمے رانا جے سنگھ اپنے پوجیہ پتا رانا راج سنگھ کے بعد گدی پر بیٹھے تھے۔ اجیت سنگھ کا ایسا برا برتاؤ سن کر انھیں بڑا کرودھ آیا۔ پرسپر کا متر بھاؤ چھوڑ دیا۔ ویر درگاداس کو اپنے پریوار کے منش کی بھانتی مان کر جاگیر پردان کی۔ تھوڑے دن تک درگاداس مہاراج کے دربار میں رہا، پھر آگیا لے کر اکانت واس کے لیے اجین چلا گیا۔ وہاں مہاکالشور پوجن کرتا رہا۔ سنوت 1765 میں ویر درگاداس کا سورگ واس ہوا۔ جس نے یشونت سنگھ کے پتر کی پران رکشا کی اور مارواڑ دیس کا سوامی بنایا، آج اسی ویر کا مرت شریر چھپرا ندی کی سوکھی جھاؤ کی چتا میں بھسم کیا گیا۔ ودھاتا! تیری لیلا ادبھت ہے۔

بجھایا، پرنتو کمل کے پتے پر جس پرکار جل کی بوند ٹھہر جاتی ہے۔ اور وایو کے جھروکے کے سے ترنت ہی گر جاتی ہے، اسی پرَ . جو کچھ اجیت سنگھ کے ہردیہ پٹل پر اپدیش کا اثر ہوا، ترنت ہی سوارتھی متروں نے نکال پھینکا، اور یہاں تک پریتن کیا کہ درگاداس کی اور سے مہاراج کا منو مالنیہ ہوگیا۔ دھیرے دھیرے انیائے بڑھتا گیا۔ ووش ہوکر درگاداس نے اپنے پریوار کو اودے پور بھیج دیا۔ اور آپ اکیلا ہی جودھپور میں رہ کر انیائے کے پرینام کی پرتیکشا کرنے لگا۔

منش اپنے ہاتھ سے سینچے ہوئے وش برکچھ کو بھی جب سوکھتے نہیں دیکھ سکتا، تو یہ ویر درگاداس کے پوجیہ سوامی شری مہاراج یشونت سنگھ جی کا پتر تھا، اس کا ناش ہوتے وہ کب دیکھ سکتا تھا۔ پرنتو کرتا کیا؟ سوارتھی متروں کے آگے اس کی دال ہی نہ گلتی تھی۔ انتو جودھپور سے باہر چلا جانا نشچت کیا۔ اوسر پاکر ایک دن مہاراج سے بدا لینے کے لیے دربار جارہا تھا۔ راستے میں ایک وِردھ منش ملا، جو درگاداس کا شبھ چنتک تھا۔ کہنے لگا بھائی درگاداس! اچھا ہوتا، یدی آپ آج راج دربار نہ جاتے، کیونکہ آج دربار جانے میں آپ کی کشل نہیں۔ مجھے جہاں تک پتا چلا ہے، وہ یہ ہے کہ مہاراج نے اپنے سوارتھی متروں کی صلاح سے آپ کے مار ڈالنے کی گپت روپ سے آگیا دی ہے۔ درگاداس نے کہا بھائی! اب میں وردھ ہوا، مجھے مرنا تو ہے ہی، پھر چھتریہ ہوکر مرتیو سے کیوں ڈروں؟ راجپوتی میں کلنک لگاؤں، موت سے ڈر کر پیچھے لوٹ جاؤں! اس پرکار کہتا ہوا نربھے سنگھ کے سمان دربار میں پہنچا اور ہاتھ جوڑ کر مہاراج سے تیرتھ یاترا کے لیے بدا مانگی۔ مہاراج نے اوپری من سے کہا چاچا جی! آپ کا دیوگیہ ہمارے لیے بڑا دکھد ہوگا، پرنتو اب آپ وِردھ ہوئے ہیں۔ اور پرشن تیرتھ یاترا کا ہے۔ اس لیے نہیں بھی نہیں کی جاتی۔ اچھا جایئے، پرنتو جہاں تک سمبھو ہو، شیگھر ہی لوٹ آیئے گا۔ درگاداس نے کہا مہاراج کی جیسی آگیا۔ اور چل دیا۔ پرنتو دوار تک جاکر پھر لوٹا۔ مہاراج نے پوچھا۔ چاچا جی، کیوں؟ درگاداس نے کہا مہاراج، اب آج نہ جاؤں گا، مجھے ابھی یاد آیا مہاراج یشونت سنگھ جی مجھے ایک گپت کوش کی چابی دے گئے تھے۔ پرنتو ابھی تک میں نے نہ تو آپ کو گپت خزانہ ہی بتا سکا اور نہ چابی ہی دے سکا۔ اس لیے وہ بھی آپ کو سونپ دوں، تب جاؤں۔ کیونکہ اب میں بہت وِردھ ہوگیا ہوں، نہ جانے کب اور کہاں مر جاؤں؟ تب تو یہ اسیم دھن راشی سب مٹی ہی میں مل جائے گی۔ یہ سن کر اجیت سنگھ کو لوبھ

نے دبا لیا۔ سنسار میں ایسا کون ہے جسے لوبھ نے نہ گھیرا ہو؟ کس نے لوبھ دیوتا کی آگیا کا النگھن کیا ہے؟ سوچنے لگا، یدی میرے آگیا نوسار درگاداس کہیں مارا گیا، تو یہ سمپتی اپنے ہاتھ نہ آسکے گی۔ کیا کوئی اور اوسر نہ ملے گا؟ پھر دیکھا جائے گا۔ یہ وچار کر اپنے متروں کو سنکیت کیا۔ اس کا آشے سمجھ کر ایک نے آگے بڑھ کر نیوکت پرش کو وہاں سے ہٹا دیا۔ اس پرکار دھوکے سے دھن کا لالچ دے کر چتور درگاداس نے اپنے پرانوں کی رکش کی۔ گھر آیا، ہتھیار لیے، گھوڑے پر سوار ہوا اور مہاراج سے کہلا بھیجا کہ درگاداس کتے کی موت مرنا نہیں چاہتا تھا۔ رن چھیتر میں جس ویر کی ہمت ہو آئے۔ اجیت سنگھ یہ سندیش سن کر کانپ گیا۔ بولا درگاداس جہاں جانا چاہے، جانے دو۔ جو اورنگ زیب جیسے بادشاہ سے لڑکر اپنا دیش چھین لے ہم ایسے ویر پرش کا سامنا نہیں کرتے۔

ویر درگاداس اس پرکار مہاراج اجیت سنگھ سے ورکت ہوکر اور اپنی اجول کیرتی کے پھل سوروپ انادر اور اپیکچھا پاکر ادئے پور چلا گیا۔ یہاں اس سمے رانا جے سنگھ اپنے پوجیہ پتا رانا راج سنگھ کے بعد گدی پر بیٹھے تھے۔ اجیت سنگھ کا ایسا برا برتاؤ سن کر انھیں بڑا کرودھ آیا۔ پرسپر کا متر بھاؤ چھوڑ دیا۔ ویر درگاداس کو اپنے پریوار کے منش کی بھانتی مان کر جاگیر پردان کی۔ تھوڑے دن تک درگاداس مہاراج کے دربار میں رہا، پھر آگیا لے کر اکانت داس کے لیے اجین چلا گیا۔ وہاں مہاکالشور پوجن کرتا رہا۔ سنوت 1765 میں ویر درگاداس کا سورگ واس ہوا۔ جس نے یشونت سنگھ کے پتر کی پران رکشا کی اور مارواڑ دیس کا سوامی بنایا، آج اسی ویر کا مرت شریر چھپرا ندی کی سوکھی جھاؤ کی چتا میں بھسم کیا گیا۔ ودھاتا! تیری لیلا ادبھت ہے۔

پریم چند کے ادبی کارناموں پر تحقیقی کام کرنے والوں میں مدن گوپال کی اہمیت مسلم ہے پریم چند کے خطوط کے حوالے سے بھی انھیں اولیت حاصل ہے۔ ان کی پہلی کتاب انگریزی میں بہ عنوان "پریم چند" 1944 میں لاہور سے شائع ہوئی۔ اسی کتاب کی وجہ سے غیر ممالک میں بھی پریم چند کے بارے میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ "ٹائمز لٹریری سپلمینٹ لندن" نے لکھا ہے کہ مدن گوپال وہ شخصیت ہے جس نے مغربی دنیا کو پریم چند سے روشناس کرایا۔ اردو، ہندی ادیبوں کو غیر اردو ہندی حلقے سے متعارف کرانے میں مدن گوپال نے تقریباً نصف صدی صرف کی ہے۔

مدن گوپال کی پیدائش اگست 1919 میں (ہانسی) ہریانہ میں ہوئی۔ 1938 میں سینٹ اسٹیفن کالج سے گریجویشن کیا۔ انھوں نے تمام زندگی علم و ادب کی خدمت میں گزاری۔ انگریزی، اردو اور ہندی میں تقریباً 60 کتابوں کے مصنف ہیں۔ پریم چند پر اکسپرٹ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ ویسے پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا کے ماہر ہیں۔ مختلف اخبارات، سول ملیٹری گزٹ لاہور، اسٹیٹس مین اور جن ستہ میں بھی کام کیا۔ بعدازاں حکومتِ ہند کے پبلکیشن ڈویژن کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے 1977 میں ریٹائر ہوئے اس کے علاوہ دینک ٹریبون چندی گڈھ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے 1982 میں سبکدوش ہوئے۔

ISBN 81-7587-051-6